بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (185).　(اٰلِ عمران)

''ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے ،پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا اور کچھ بھی تو نہیں۔''

متاعِ غرور

(خود نوشت سوانح حیات)

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ

محمد عبدالخالق انصاری

علم و آگہی کا تابناک سفر،

حقیقت کے متلاشیوں کے لئے،

قدم قدم حقیقتیں

نام کتاب : متاعِ غرور

مصنف : محمد عبدالخالق انصاری

اشاعت اوّل : 15 جون 2014ء

ناشر : ناصر انصاری ایڈووکیٹ

اہتمامِ اشاعت : شعبہ نشر و اشاعت جموں کشمیر محاذ رائے شماری

سرورق : کاشر سعید

قیمت : 1000 روپے پونڈ 12 ڈالر 15

Published by
Publisher

NATIONAL INSTITUTE OF KASHMIR STUDIES (NIKS)

House No. 59 Sector F-2 Mirpur Jammu Kashmir.

Cell: 0092-344-5663443, E-mail: niks.mirpur@gmail.com

انتساب

☆ میں اپنی اس کاوش کو ان تحریکی و تنظیمی ساتھیوں
کے نام کرتا ہوں جنھوں نے ہر مشکل اور کٹھن وقت میں
میرا ساتھ دیا اور جدوجہد آزادیٔ کشمیر کے محاذ پر ڈٹے رہے۔

☆ ان شہیدوں کے نام
جنھوں نے ریاست جموں کشمیر کی قومی آزادی کی خاطر
اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔

☆ ان فرزندان وطن کے نام
جو اپنے قومی مقصد کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔

محمد عبدالخالق انصاری

فہرست

☆☆☆

عرضِ ناشر

مجھے اللہ رب العزت نے یہ بڑی سعادت نصیب فرمائی ہے کہ میں اپنے والدِ محترم کے آخری ایّام میں ان کے ساتھ رہا اور اُن کی وفات امر ربی ہے مگر ان کی باتیں میری یادوں کا سرمایہ ہیں۔ اپنی بیماری میں اپنی زندگی کے مفصل واقعات لکھوانا ہی ان کی ہمت وحوصلہ کا اظہار کرتا ہے۔ میرے نزدیک کسی شخص کی پیدائش اور خاندان کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس شخص نے اپنے کردار کے ساتھ انصاف کیا یا نہیں اور اکثر میں بھی والد محترم سے گزارش کیا کرتا تھا تو وہ یہی جواب دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ کہا کرتے تھے کہ بیٹا اس کائنات کے اندر سوانح حیات اگر کوئی ہے تو وہ حضور ﷺ کی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد کسی دوسری سوانح حیات کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس بیماری کے دوران میرے عزیز واقارب اور دیگر سیاسی وسماجی حضرات کا ان کی تیمارداری کی کے لئے آنا جانا لگا رہتا تھا اور لوگ ان کو ان کے واقعاتِ زندگی کو کتابی شکل میں لانے کے لئے ان کو زور دیا کرتے تھے۔ آزاد کشمیر کے وزیر اعظم چوہدری عبدالمجید سے لے کر عام آدمی تک اور بھارتی مقبوضہ کشمیر سے یاسین ملک، کرشن دیو سیٹھی، وید بھسین جیسے حضرات بھی ان کو یہ درخواست کرتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کے چند واقعات ضرور تحریر کریں۔ شعراء اکرام ان کو اپنے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ غرض ہر شخص نے ان کو زور دیا کہ اپنی زندگی کے واقعات ضرور تحریر کریں۔ میں خود بھی اکثر ان سے کہا کرتا تھا تو وہ مجھے یہی جواب دیا کرتے تھے کہ بیٹا میں نے اپنی زندگی رضا الٰہی کے لئے گزاری ہے مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں، میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔ بہرحال بھائی آفتاب احمد انصاری اور محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ نے ہمت کی اور بھائی آفتاب انصاری عملی طور پر ان کے پاس رجسٹرڈ اور قلم لے کر بیٹھ گئے۔ اور ان سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ بیماری کی وجہ سے وہ خود قلم کا استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ وہ بولتے رہتے اور بھائی آفتاب انصاری لکھتے رہتے۔ آپ کو شاید اس میں کوئی تسلسل نظر نہ آئے۔ مگر جیسا انہوں نے لکھوایا ہماری کوشش رہی کہ وہی شائع کیا جائے۔ اللہ رب العزت کا یہ بھی احسان رہا کہ اس بیماری اور بڑھاپے میں ان کی یادداشت کمال کی تھی۔ خود انہوں نے اس کتاب کا نام ''**متاعِ غرور**'' رکھا۔ مجھے خود بھی اس بات کا علم ہے کہ بے شمار واقعات اور اس دور کی سیاسی صورتِ حال پر ابھی لکھنا باقی تھا مگر ان کے ساتھ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 15 جون 2013 کو اپنے رب سے جا ملے۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب تاریخ کشمیر میں ایک نیا باب ثابت ہوگئی۔

آزادی پسندوں کے لئے اس کتاب میں وہ تمام باتیں ہیں جن کی لاعلمی کی وجہ سے کچھ شکوک وشبہات جنم لیتے

تھے۔اور تاریخ دانوں کے لئے وہ واقعات ہیں جس سے تاریخ لکھنے والوں کو راہنمائی میسر آئے گی۔

بہر حال اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں آئی۔اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں جن حضرات نے معاونت کی میں دل سے ان کا شکر گزار ہوں اور خاص طور پر اپنے بڑے بھائیوں محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ اور آفتاب احمد انصاری کا جنہوں نے دن رات محنت کر کے اس مسودے کو کتابی شکل میں لانے کے لئے کام کیا۔اللہ ان کو اجرِ عظیم دے اور اس ''متاعِ غرور'' کو نئی نسل کے لئے مشعل راہ بنائے۔آمین۔

ناصر سعید ایڈووکیٹ

0334-5807922

پیشِ لفظ

قبلہ محترم واجب احترام جناب محمد عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ مرحوم ومغفور قومی آزادی وخودمختاری کی تحریک کے صفِ اوّل کے راہنما اور محاذ رائے شماری کے بانی صدر سال 2000 ئکے بعد امریکہ میں اپنے بچوں کو ملنے گئے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش وکالت تھا۔ جس میں ان کا آزاد کشمیر کے ممتاز وکلاء میں شمار ہوتا تھا۔ وکالت کے پیشہ کے ساتھ ساتھ ان کی ساری زندگی جموں کشمیر کی آزادی وخودمختاری کی جدوجہد میں گزری اور درجنوں بار انہیں پابندِ سلاسل کیا گیا لیکن ظلم کا کوئی حربہ انہیں اس منزل سے دور نہ کر سکا۔ انہوں نے عملی طور پر ایک ایسا کردار ادا کیا جو کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ وکالت کے شعبہ میں جہاں انہوں نے بڑا نام کمایا وہاں انہوں نے سیکڑوں مقدمات خصوصاً انسانی حقوق کے متعلق ہوتے تھے بغیر فیس کے پیروی کی۔ ایک ایسا معیار قائم کر رکھا تھا۔ جس پر آخر دم تک قائم رہے پاکستان میں جنرل ضیاء کے مارشل لا کے بعد آزاد کشمیر کے تمام لیڈروں اور اسمبلی کے ممبروں کے خلاف کرپشن کے کیس بنائے گئے۔ حکومت آزاد کشمیر نے بذریعہ ہائی کورٹ ان سے کہا گیا کہ وہ ان مقدمات کی پیروی کریں جس میں لاکھوں روپیہ فیس ادا کرنے کی آفر کی گئی۔ لیکن انہوں نے اپنے ساتھیوں کے مشورے کے بعد صرف اس بنیاد پر پیروی کرنے سے انکار کر دیا کہ فوجی حکومت سیاسی راہنماؤں کو داغدار بنانا چاہتی ہے۔ یہ کہہ کر پیروی سے انکار کر دیا کہ وہ سیاسی کارکنوں کو رسوا اور بد نام کرنے میں حصہ دار نہیں بن سکتے۔

امریکہ میں قیام کے دوران ان کی صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ وہ دو سال قبل امریکہ سے واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں وہ دین اسلام کے بارے میں چند کتب لکھ چکے تھے، اب یہاں آ کر انہیں کتابی شکل دینے میں مصروف تھے۔ اُن کی صحت بھی دن بدن گر رہی تھی۔ ان کے لئے چلنا بھی دشوار ہو چکا تھا وہ اپنی تحریروں کو پروف ریڈنگ کے بعد پریس کے حوالہ کرتے۔ ان کی یہ کتابیں، **التائبون حصہ اوّل** (توبہ وانابت)، **التائبون حصہ دوئم** (حریت کا حقیقی مفہوم)، **التائبون حصہ سوئم** (قرآن کریم اور فلسفۂ دعا)، **التائبون حصہ چہارم** (سلوک ایمانی کا تیسرا درجہ یا طبقہ)، **التائبون حصہ پنجم** (سلوک ایمانی کے درجات یا طبقات)۔

ان کی آخری دو کتابیں ان کی وفات سے تین ہفتہ قبل شائع ہوئی تھیں۔ انہوں نے بے شمار دوستوں اور احباب کو اپنے دستخطوں سے دیں تھیں۔ ان کی اس قدر مصروفیات کے باوجود ہمارے محترم بھائی محمد آفتاب انصاری ان کے بیٹے محمد ناصر سعید ایڈووکیٹ اور راقم ان سے گذارش کرتے رہے کہ وہ اپنی زندگی کے سیاسی نشیب وفراز اور جدوجہد کے بارے میں یادداشتیں تحریر فرمائیں تا کہ آئندہ آنے والی نسل اس سے راہنمائی اور فائدہ اٹھا سکے۔ ان کی سیاسی زندگی ایک طویل کٹھن دور سے گزری ہے انہوں نے تحریکِ آزادی کشمیر کی بنیاد جس عقیدے اور نظریئے پر رکھی تھی وہ ان کی زندگی میں ہی ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ اس سفر میں بے شمار مشکلوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور قید وبند کی صعوبتیں بھی اس راہ سے انہیں نہ روک سکیں اور آگے کی طرف بڑھتے رہے اور پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور کوئی آندھی اور طوفان ان کا راستہ نہ روک سکا۔

ہماری اُن سے جب بھی بات ہوتی تو وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ سے ہماری بات سن لیتے اور ہماری بات کوٹال دیتے تھے۔کبھی زور دیتے تو فرماتے اچھا فرصت ملی تو کچھ لکھوں گا۔اس وقت وہ گھر میں لاٹھی کے سہارے چلتے تھے۔ انہیں متعدد بیماریوں نے گھیر رکھا تھا۔ان کی اوّلین ترجیح دینی کتب میں زیادہ تھی ہمارے پُر زور اصرار پر انہوں نے فرمایا انشاء اللہ ضرور لکھوں گا۔لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے اس عرصہ ان پر فالج کا دوبارہ حملہ ہوا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ان کی دونوں ٹانگیں اور بازو مفلوج ہوگئے۔اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کے باوجود وہ دماغی طور پر بالکل ٹھیک رہے اور زبان کو بھی نقصان نہیں پہنچا اور بات چیت بھی ٹھیک کرلیا کرتے تھے۔اب انہیں چارپائی سے اٹھا کر ویل چیئر پر بٹھایا جاتا تھا۔عصر کی نماز کے بعد ان کو باہر صحن میں روزانہ لایا جاتا تو یہاں احباب دوست آتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے پہلے کی نسبت گفتگو میں کم حصہ لیتے تھے۔ان حالات میں ہم سب کی خواہشیں دم توڑ چکی تھیں کیونکہ اب اُن کے لئے ہاتھ سے لکھنا ناممکن ہوگیا تھا۔ان کی تھوڑی سی صحت بحال ہوئی تو ہم نے پھر زور لگایا کہ وہ چونکہ خود لکھ نہیں سکتے ہیں ہم نے کہا وہ بولتے جائیں اور ہم خود اس کو ضبطِ تحریر میں لاتے جائیں اس کے لئے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔

پھر ہمارے بھائی محترم آفتاب احمد انصاری نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی۔انہوں نے اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا چنانچہ وہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد گھر آجاتے اور ان کے پاس بیٹھ جاتے اور وہ بولتے جاتے اور بھائی محمد آفتاب اس کو لکھتے رہتے یہ سلسلہ شام کی نماز تک چلتا تھا اور یہ سلسلہ کم از کم ایک سال چلتا رہا۔اس موقعہ پر کوئی دوست ملنے آتا تو لکھنے کا کام بند ہوجاتا تھا۔یہ مرحلہ بھائی محترم محمد آفتاب انصاری کے لئے بڑا ہی صبر آزما تھا مگر انہوں ہمت نہیں ہاری اور بڑی تندہی اور محنت وخلوص کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا۔ان کی اس ہمت اور استقامت کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا ہے۔

بھائی محمد ناصر سعید ایڈووکیٹ نے اپنے والد محترم کی دیکھ بھال کے لئے ایک خدمت گار محمد الیاس آف مظفرآباد رکھا ہوا تھا۔یہ 24 گھنٹے دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا۔اور خود وہ بھی 24 گھنٹے دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے۔اُس کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان کو تیار کر کے ویل چیئر پر بٹھا کر باہر لاتے جہاں محترم بھائی محمد آفتاب انصاری آکر ان کے پاس بیٹھتے۔اس طرح ان کی کوششوں سے بھائی آفتاب احمد انصاری اس کتاب کا ایک بڑا حصہ لکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اگرچہ بہت سے معاملات وواقعات ایسے تھے جو ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکے جس کا ہمیں ہمیشہ افسوس رہے گا جو وہ 15 جون 2013ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔اسی طرح بھائی آفتاب احمد انصاری نے جس جذبے ،خلوص اور عقیدت کا مظاہرہ کیا وہ ہم سب کے لئے قابلِ فخر ہے۔بلکہ اس پر ہمیں ناز بھی ہے۔ہمارے محترم بھائی مرزا محمد سلیم نے اس سارے عرصہ میں گھر کے انتظام کو سنبھال رکھا تھا۔اور گھر کی تمام ضروریات کو پورا کرتے رہے۔دن میں وہ کئی بار گھر آتے ،اس طرح وہ مسلسل کام کرنے میں مگن رہے۔یہ محترم محمد عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ مرحوم کی اکلوتی بہن کے بیٹے

ہیں۔ان کی محبت، پیار کی واحد مثال ہیں، جو مرزا محمد سلیم کو نصیب ہوئی۔اللہ تعالیٰ انہیں خوش وخرم رکھے۔

ہم ان تمام احباب دوستوں کے انتہائی ممنون ہیں جو مرحوم کی بیماری کے دوران مسلسل آتے رہے اور تیمارداری کرتے رہے۔ان میں قابلِ ذکر محمد عظیم دت ایڈووکیٹ، محمد شفیق انصاری، جناب محمد بشیر تبسم، حمزہ بشیر، محمد امین انصاری اور ساجد الرحمٰن شامل ہیں۔جناب ساجد الرحمٰن اور نوید بٹ اپنے ہاتھوں سے مالش کیا کرتے تھے۔انہوں نے جس خلوص کا مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ ان پر بھی اپنا کرم فرمائے۔اس کے علاوہ تیمارداری کے لئے آنے والوں میں قابل ذکر معروف مصنف محمد سعید اسعد، بار کے سابق صدر سردار اعجاز نذیر ایڈووکیٹ، جناب ارشد ملک ایڈووکیٹ، جناب ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ، عبدالشکور ایڈووکیٹ، اقبال دت ایڈووکیٹ، چوہدری ریاض اختر ریٹائرڈ چیف جسٹس، راجہ خالد اکبر سابق ہیڈ ماسٹر، چوہدری محمد رفیق چئیر مین، محمد شفیق چورہدری، چوہدری محمد عقیل، چوہدری شکیل، امتیاز بٹ، آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم عتیق احمد خان، سابق وزیر اعظم راجہ فاروق حیدر، جماعت اسلامی کے سربراہ جناب رشید ترابی، سابق وزیر اعظم اور صدر محمد یعقوب خان، جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سپریم ہیڈ جناب امان اللہ خان، جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چئیر مین جناب یاسین ملک صاحب، جناب یاسین ملک جب بھی آزاد کشمیر آئے تو وہ کئی بار ملنے کے لئے آتے رہے اور جموں کشمیر کی صورتِ حال پر گفتگو ہوتی رہی۔میر پور کے مایہ ناز سپوت جناب کرشن دیو سیٹھی اور روزنامہ کشمیر ٹائمز کے سرپرستِ اعلیٰ جناب وید بھسین ان کی بیماری کا سن کر خصوصی طور پر میر پور آئے۔ان کی آمد کے موقعہ پر گھر پر ہی محاذ رائے شماری کے زیر اہتمام تقریب منعقد ہوئی۔اس تقریب میں جناب محمد عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ مرحوم نے بیماری کی حالت میں خطاب فرمایا۔اور یہ ان کی زندگی کا آخری سیاسی خطاب تھا۔

اس کے علاوہ اعلی عدالتوں کے جج صاحبان سیاسی راہنما تاجران اور صحافی دوست بھی وقتاً فوقتاً آتے رہے، ان سب کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔آزاد کشمیر کے وزیر اعظم چوہدری عبدالمجید صاحب کے خصوصی طور پر شکر گزار ہیں۔وہ نہ صرف کئی بار تشریف لائے بلکہ انہوں نے ان کی بیماری کا سن کر فوری طور پر ڈاکٹروں کا بورڈ بنایا تاکہ علاج میں کوئی کمی نہ رہے۔اس بورڈ میں ڈاکٹروں کے ہم انتہائی ممنون ہیں۔انہوں نے بڑی جانفشانی محنت ومحبت کے ساتھ ان کا علاج کیا اور کوئی کسر نہ چھوڑی ان میں جناب ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب ایم ایس، جناب ڈاکٹر اورنگ زیب چوہدری سرجن جناب ایوب قریشی صاحب، جناب عبدالقیوم صاحب شامل ہیں۔اس کے علاوہ فزیوتھراپی کے لئے ڈاکٹر ذیشان نے بھی پوری محنت اور جانفشانی کا مظاہرکیا۔ڈاکٹر امجد انصاری سری نگر ہومیو پیتھک مسلسل معائنہ کے لئے آتے رہے، دیکھ بھال فرماتے رہے۔اسی طرح ہمارے بھائی ڈاکٹر امجد تو تقریباً ہر وقت آنٔ ڈیوٹی رہے، ان کو کئی بار بلایا جاتا تھا۔وہ کوئی وقت ضائع کئے بغیر تشریف لے آتے۔جناب ڈاکٹر خالد دت بھی نگرانی فرماتے رہے اور مفید مشورے دیتے رہے۔ہمارے

بھائی محمد شفیق انصاری بینک منیجر تو ہمہ تن خدمت میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب محمد آفتاب احمد انصاری نے یہ کام مسلسل جاری رکھا اور ایک ہفتہ رحلت سے پہلے یہ کام بند ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت ان کی صحت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اب بولنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ بولنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ 15 جون کو عصر کی نماز کے وقت ہم سب لوگ ان کے پاس بیٹھے رہے۔ اس دن انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ البتہ ہر آنے والے کو سلام کا جواب دیتے تھے۔ اس دن صبح کے وقت ان کے بیٹے طارق محمود انصاری بھی امریکہ سے آئے تھے۔ شام کی نماز کے لئے ان کو گھر کے اندر لے جایا گیا مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد ان کو کھانا کھلانے کی تیاری شروع کی گئی تھی، ابھی ایک دو لقمے ہی کھائے تھے کہ انہیں کھانسی آئی اور اس وقت ڈاکٹر امجد صاحب موقعہ پر موجود تھے وہ ان کو چیک کر رہے تھے جب کہ برادر ناصر سعید ایڈووکیٹ (جو کہ محاذ رائے شماری کے صدر بھی ہیں) آخر لمحات تک اپنے والد محترم کے ساتھ رہے۔ اور اس کے ساتھ ہی تقریباً 8 بجے ان کی روح پرواز کر گئی۔ وہ اپنے ازلی سفر پر روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات کے ایک ہفتہ کے بعد ان کے ذاتی کاغذات کی چھان بین کے دوران اُن کی ایک فائل دیکھی جس میں ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا مواد موجود تھا۔ انہوں نے اس کتاب کے لئے لکھنا شروع کر رکھا تھا ہم اس سے بے خبر تھے چنانچہ کتاب کے ابتدائی حصہ سے لے کر جموں شہر کے واقعات سے قبل تمام تحریر اُن کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ میں نے کتاب کو ترتیب دیتے وقت ان کی تحریروں کو اسی طرح ہی رہنے دیا ہے۔ اسی طرح جو حصہ انہوں نے لکھوایا ہے اس میں گنگا ہائی جیکنگ کیس کے بارے میں جو تحریری موجود ہے وہ بھی ان کے اپنے ہاتھ کی تحریر کردہ ہے۔ یہ مسودہ بھی اسی طرح شامل کیا ہے اس کے علاوہ آخر میں حکومت کے چند نوٹیفکیشن ہیں جو کہ سرکار جاری کرتی رہی ہے، یہ بھی ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ہمیں یہ کوئی علم نہیں انہیں کب اور کس طرح یہ خفیہ نوٹیفکیشن ملے ہیں۔ کتاب کے آخر میں آپ انہیں پڑھ سکتے ہیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں ایک ضروری گذارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت آپ کو بہت سے مقامات ایسے ملیں گے جہاں ایک بات کو دہرایا گیا ہے میں نے سب مقامات کو اسی طرح رہنے دیا ہے۔ ان کو خود زندگی میں دوبارہ لکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ اس لئے یہ ترتیب بھی ان کی اپنی ہے۔ ورنہ وہ خود ترتیب دیتے اور جو کمی نظر آتی ہے وہ نہ ہوتی۔ مجھے یہ حق نہیں تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں کوئی کمی و بیشی کرتا۔ پڑھتے ہوئے اس پہلو کو ضرور مدِ نظر رکھیں اور اس کا مطالعہ کرتے وقت کوئی ابہام یا غلطی رہ گئی ہو تو اس کو برائے مہربانی ضرور نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اگر کوئی سُقم رہ گیا ہو تو درست کیا جا سکے۔

آخر میں مجھے اپنے اُن بزرگوں اورعزیز واقارب کاشکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے مالی امداد فراہم کی ورنہ اس مالی تعاون کے بغیراس کتاب کی اشاعت ممکن نہ ہوتی ۔ یہاں بھی محترم بھائی آفتاب احمد انصاری کی کوششیں کام آئیں جن کی وجہ سے کام آسان ہوگیا اوراس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔جن بزرگوں بھائیوں اوردوستوں نے دستِ تعاون بڑھایاان کے نام درج ذیل ہیں ۔

1)..........مرزامحمد صدیق صاحب	2)..........عبدالقیوم انصاری
3)..........نعیم اختر انصاری	4)..........محمد سلیم صاحب انصاری
5)..........ڈاکٹرمحمد صدیق صاحب انصاری	6)..........محمد یونس صاحب چکسواری
7)..........حاجی محمد شبیر صاحب	8)..........محمد ایوب مرزا صاحب
9)..........حاجی عبدالمالک انصاری	10)..........محمد فاضل انصاری
11)..........محمودالحسن انصاری	12)..........محمد یوسف انصاری
13)..........عرفان فاضل انصاری	14)..........محمد فاروق انصاری
15)..........محمد افتخاراحمد انصاری	16)..........محمد پنوں خان انصاری
17)..........محمد معصوم انصاری	18)..........احسان الحق انصاری
19)..........ممتاز مرزا صاحب	20)..........حاجی محمد شریف صاحب
21)..........حاجی محمد یونس انصاری	22)..........سفیان قیوم انصاری
23)..........محمد عارف انصاری	24)..........مسزنسیم ایوب مرزا
25)..........محمد یوسف ولد گلزاراحمد	26)..........مسز ضیاء الحق
27)..........محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ	28)..........حاجی محمد آفتاب احمد انصاری

متذکرہ بالاتمام افرادشکریہ کے مستحق ہیں ۔اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جناب پروفیسر محمد سعید اسعد کا خصوصی طور پرشکریہ کہ انہوں نے پوری محنت اورخلوص کے ساتھ اس کتاب کوچھپوانے ،اس کی کمپوزنگ کروانے سے لے کر پریس تک تمام مراحل کی خودنگرانی فرمائی اورہم اس قابل ہوئے کہ یہ کتاب **''متاعِ غرور''** آپ کے ہاتھوں میں دینے کے قابل ہوئے اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصرہو۔

محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ

میرپور۔جموں کشمیر 0355-7102016

تحدیثِ نعمت

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ﴿۳۲﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ﴿ۚ۳۳﴾ وَ اٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

(سورۂ ابراہیم، آیات 32 تا 34)۔

یہ اللہ ہے جس نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا اور زمین پر اوپر سے پانی برسایا جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں۔ اور جہاز تمہارے لئے مسخر کر دیئے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیئے، اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیئے کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے۔ غرضیکہ (تمہیں اپنی زندگی کی کار براریوں اور کامرانیوں کے لئے) جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرما دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔

آیت 32 میں برہانِ ربوبیت کا استدلال ہے۔ فرمایا اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو، زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو۔ اس مقام میں وَ اٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ کہہ کر جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تشریح بھی ترجمان القرآن میں سورۃ فاتحہ میں ملے گی، قارئین پڑھ لیں تو بہت سے عقدے حل ہو جائیں گے۔

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ یَتَوَفّٰىکُمۡ ۟ۙ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ [16:70] وَ اللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ [16:71] ۔

(سورۃ النحل، آیات 70 تا 71)۔

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی ہے جو تمہاری زندگی پوری کر دیتا ہے، تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو بڑھاپے کی بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن وعقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے۔

اور دیکھو، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیر دستوں کو لٹا دے، حالانکہ سب اس میں برابر کے حق دار ہیں، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں۔

قرآن کہتا ہے، تمام افراد انسانی دراصل ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں، انسانیت ان کی نسل ہے اور کرہ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلا شبہ ان میں ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کر لے۔ لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لئے سمجھ لے اور اپنے کمزور بھائی کے لئے کچھ نہ نکالے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ الگ ہوں گی۔ قبضہ وتصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ سکتے۔ یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے وہ کما سکے یا نہ کما سکے لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہیے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے دوسرا بھوکا مرتا ہے، لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی وہ کہے گی یہ ننگ خاندان ہے اس نے یہ بات کیسے گوارا کر لی کہ خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

اگر ایک انسان کو وسیع رزق مل گیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ پس چاہیے کہ اس کی شکر گزاری بجالائی جائے نہ یہ کہ کفرانِ نعمت کیا جائے۔ اس کی شکر گزاری کیا ہے؟، ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں۔ مولانا آزاد نے اشارہ کیا ہے کہ مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مبحث ''تسکینِ حیات'' دیکھنا چاہیے۔

میں ادیب ہوں نہ شاعر، صحافی ہوں نہ خطیب، مؤرخ ہوں نہ فلسفی، نقاد ہوں نہ مزاح نگار، حکیم ہوں نہ ماہر تعلیم، وکالت میرا پیشہ تھا، سیاست میرا اوڑھنا بچھونا، میں کل بھی ایک طالب عالم تھا، آج بھی دعا کرتا ہوں کہ پروردگار میرا علم بڑھا دے۔ (رب زدنی علما) البتہ اوائل عمر میں مجھے بعض ایسی صحبتیں میسر آئیں جن کے فیضان سے گوہر مقصود پالیا، والدہ محترمہ کی زندگی اور والد محترم کے عقیدہ وفکر نے میری راہنمائی کی جس کا ذکر آگے آئے گا، میں اپنے عقیدے کا اظہار مولانا آزادؒ کے لفظوں میں کروں گا............

''انسانی اعمال کی خواہ کوئی شاخ ہو، ہم تو اسے مذہب کی نظر سے دیکھتے ہیں ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہے۔ اس کے سوا ہم اور کچھ نہیں جانتے۔ ساری دنیا کی طرف سے ہماری آنکھیں بند ہیں۔ اور تمام آوازوں سے

کان بہرے ہیں۔اگر دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجئے کہ ہمارے پاس تو سراج منیر کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے۔اسے ہٹادیجئے گا تو بالکل اندھے ہوجائیں گے''۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [1:14] .

(سورۂ ابراہیم، آیت 1)۔

قرآن ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی، اس لئے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے۔روشنی جب نکلتی ہے تو مذہبی اور سیاسی برائیوں کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

میری یہ کتاب نہ سرگزشت ہے، نہ کتابِ زندگی ہے۔نہ تذکرہ ہے، نہ اَن کہی کہانی ہے، نہ یادوں کی بارات ہے، اس میں قارئین کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ملے گا، خدا تعالیٰ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں ۔تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے ازسرتاپا اعمال بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں، خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم اور ملت حنیفی کے داعی حضرت خلیل اللہ۔ بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور یومِ آخرت سے ڈرتے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہوں۔

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُو اللّٰهَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیۡرًا (21).

(سورۃ الاحزاب، آیت 21)۔

اے اللہ میری اس دعا کو قبول فرما............

رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (15).

(سورۃ الاحقاف، آیت 15)۔

''اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے ان احسانات کا شکر بجا لاؤں جو تجھ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے اور میں ایسے نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد بھی نیک بنادے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں تیرے تابع فرمان بندوں سے ہوں''

فرمانِ الٰہی ہے............

فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِيْ وَلاَ تَكْفُرُونِ (152).

(سورۃ البقرہ، آیت 152)۔

پس اب میری یاد میں لگے رہو، میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا۔ (یعنی قانون الٰہی یہ ہے کہ تم اللہ سے غافل نہ ہوگے تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو میری نعمتوں کی قدر کرو، ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ۔

مَا يَفْعَلُ اللّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللّهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (147).

(سورۃ النساء، آیت 147)۔

''لوگو! اگر تم شکر کرو (یعنی خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لاؤ) اور خدا پر ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے (یعنی وہ کیوں تمہیں عذاب دے گا) خدا تو (انسانی اعمال کا) قدر شناس اور (ان کی حالت کا) علم رکھنے والا ہے۔''

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے............

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ (3).

(سورۃ الفاطر، آیت 3)۔

''اے افرادِ نسل انسانی اللہ تعالیٰ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیض یاب کیا ہے ان پر غور کرو، کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخششوں سے رزق دے رہا ہے، نہیں کوئی معبود مگر اس کی ذات، تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو''۔

اَللّٰهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَلاَ يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (255).

(سورۃ البقرہ، آیت 255)۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ''حیّ'' یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں۔ ''القیوم'' یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں اس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے نہ دماغ کے لئے نیند، آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اس کے حکم سے ہے، کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے۔ جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس

کے علم سے باہر نہیں۔انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کرسکتا مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دیدے۔اس کا تخت (حکومت) آسمان وزمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے اوران کی نگرانی اور حفاظت میں اس کے لئے کوئی تھکاوٹ نہیں۔اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ''حي و قیوم'' ہونے کا مقتضٰی یہی تھا کہ انسان کی زندگی قیام کی تمام احتیاجات مہیا کردے۔ احتیاجات دوطرح کی ہیں،جسمانی اورروحانی۔اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا اسی طرح دوسری کا بھی سروسامان کیا۔

اِنَّ اللّٰـهَ لَايَـخْـفٰـى عَـلَيْـهِ شَىْءٌ فِى الْاَرْضِ وَ لَا فِى السَّمَآءِ [5:3] **هُـوَ الَّـذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** [6:3]

(سورۃ آلِ عمران،آیات 5تا6)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں خواہ زمین میں ہو،خواہ آسمان میں، یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ جس طرح چاہتا ہے ماں کے شکم میں تمہاری صورت (ڈیل ڈول اورناک نقشہ) بنادیتا ہے۔اورقبل اس کے کہ دنیامیں قدم رکھوتمہاری حالت اورضرورت کے مطابق تمہیں ایک موزوں صورت مل جاتی ہے یقیناً کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی غالب و توانا (کہ انسان کی پیدائش سے پہلے شکم مادر میں اس کی صورت آرائی کردیتا ہے)۔

جس ''حي و قیوم'' کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کو پیدائش سے پہلے اس کی مناسب وموزوں صورت دے دیتا ہے کیا ضروری نہیں کہ بعداس کے روحانی فلاح وسعادت کی بھی صورت آرائی کردیتا۔اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا اسی طرح دوسری احتیاج کا بھی انتظام کیا۔روحانی احتیاجات کے لئے انسان کو دو چیزیں دی گئیں۔''الکتاب والفرقان''۔

''**الکتاب**'' خدا کی وحی ہے،جو ہدایت وسعادت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔اور''**الفرقان**'' جو ہر عقل ہے جو اسے سمجھتا اورقبول کرتا ہے۔پہلی چیز تعلیم ہے۔دوسری چیز تعلیم کی استعداد ہے۔

میں اپنے ساتھیوں،دوستوں اوررشتہ داروں کی خواہشات کا ہمیشہ احترام کرتا رہا ہوں۔مگرانہوں نے جب بھی مجھے اپنے بارے میں لکھنے کے لئے کہا تو میں نے یہ کہہ کرٹال دیا کہ یہ وقت کا ضیاع ہے۔اپنی زندگی کے بارے میں لکھ کر اپنااورقارئین کاوقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ہم لوگوں نے دنیامیں کون سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔اکبرالہ آبادی مرحوم نے ہم جیسے لوگوں کے لئے ہی کہا تھا............

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کرگئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اورمر گئے

اگر چہ احباب کے اصرار کے باوجود میں اپنے دل کو لکھنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ لیکن جب یہ خیال آیا کہ ہر انسان کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے تو میں نے شکرانے کے طور پر لکھنا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لکھتا جا رہا ہوں۔ چند مشاہدات، تجربات، حقائق اور ناقابلِ فراموش واقعات کا سرسری ذکر کروں گا۔ لیکن ان میں زیادہ تر سیاسی راہنماؤں، عدالت کے ججوں اور حکمرانوں کے نام آئیں گے۔ کوشش کروں گا کہ ان کا ذکر بھی اشاروں میں آئے، اس کے باوجود اگر کسی کا ذکر کھل کر کر دیا ہو تو قارئین کو بتانا چاہوں گا کہ ہم نے سب کی زیادتیوں کو نہ صرف بھلا دیا ہے بلکہ ہم نے معاف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں معاف فرما دے۔ سیاسی زندگی میں جیل، جلاوطنی اور دار و رسن کی منزلیں آتی ہیں۔ وہ سب ہمیں ہمارے ساتھیوں کو پیش آئیں۔ ہمارے ساتھ اپنوں اور بیگانوں نے جو کچھ کیا وہ اب قصۂ ماضی ہے۔ اس کے دھرانے کا صرف ایک ہی فائدہ نظر آتا ہے کہ آنے والی نسلیں ہماری زندگیوں سے سبق لے کر کانٹے دار جھاڑیوں سے اپنا دامن بچا کر آگے نکل سکیں گی۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک ہی سیرت ایسی ہے جو نوعِ انسانی کے لئے باعث ہدایت و نجات ہے، وہ نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہے، یہی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ سیرت النبی ﷺ پر لکھی گئی کتابیں پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا جائے۔ قرآن پاک کتاب ہدایت ہے اور جب ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم پر سعادت کی سیدھی راہ کھول دے تو اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو قبول فرماتے ہوئے ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ ''الکتاب'' ہے اس میں کوئی شک نہیں، متقی انسانوں پر سعادت کی راہ کھولنے والی (متقی انسان وہ ہیں جو غیب کی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اسے نیکی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، نیز وہ لوگ جو اس سچائی پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے اور ان تمام سچائیوں پر جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں اور ساتھ ہی آخرت کی زندگی کے لئے بھی۔ ان کے اندر یقین ہے تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے راستہ پر ہیں اور یہی ہیں دنیا و آخرت میں کامیابی پانے والے۔ ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پرواہ نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے میں کھٹک رکھتا ہے، برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے۔ اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں، بعض طبعیتیں محتاط ہوتی ہیں بعض بے پرواہ ہوتی ہیں، جن کی طبعیت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں، اچھے برے نفع و نقصان، نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں، جس بات میں برائی پاتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں، برخلاف اس کے جو لوگ بے پرواہ ہوتے ہیں ان کی طبعیتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں، جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے۔ جس کام کا خیال آ جائے گا کر بیٹھیں گے۔

جو غذا سامنے آ جائے گی کھالیں گے۔جس بات پر اڑنا چاہیں گے اڑ بیٹھیں گے اچھائی برائی، نفع ونقصان، دلیل اور توجیہ کسی بات کی بھی انہیں پرواہ نہیں ہوتی جس حالت کو ہم نے یہاں احتیاط سے تعبیر کیا ہے اسی کو قرآن تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے، متقی یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر وعمل میں بے پرواہ نہیں ہوتا۔

حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟۔انہوں نے کہا **اما سلکت طریقًا ذا شوکٍ** تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟ فرمایا ہاں، کہا اس حالت میں تم نے کیا کیا؟۔فرمایا: میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں۔کہا، **فذلک التقویٰ** یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔قرآن پاک کی سورۃ النحل کی آیات 18 تا 19 میں فرمایا ان چند اشیاء کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔

وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [16:18] **وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ** [16:19].

(سورۃ النحل، آیات 18 تا 19)۔

اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو، بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے۔اور اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

تمام زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہینِ منت ہے۔کارخانہ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش وکرم کی نشانی ہے۔درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔

تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں بھی گن لو۔تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرے سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو تمہیں یہی جواب ملے گا کہ **انّ اللہ لغفور رحیم** جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے۔فرمانِ الٰہی ہے............

فَكُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اشۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ [16:114] .

(سورۃ النحل، آیت 114)۔

''پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اسے شوق سے کھاؤ، حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور'' ساتھ ہی'' چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ اگر فی الحقیقت تم اسی کے پجاری ہو''۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَ لَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ [16:120] **شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰهُ**

وَ هَـدٰهُ اِلٰـی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ [121:16] **وَ اٰتَیۡـنٰـهُ فِـی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَ اِنَّـهٗ فِـی الۡاٰخِـرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ** [122:16]

(سورۃ النحل، آیات 120 تا 122)۔

''بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا۔ تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا، اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا، وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا، اللہ نے اسے برگزیدگی کے لئے چن لیا اور (سچائی کے) سیدھے راستے پر لگادیا۔ اسے دنیا میں بھی بہتری دی اور بلاشبہ آخرت میں بھی اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی''۔

وَ اللّٰـهُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ [72:16] .

(سورۃ النحل، آیت 72)۔

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کردیے (یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) اور تمہارے جوڑوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کردیئے (کہ ان سے تمہاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کرلیتی ہے)۔ نیز تمہاری روزی کے لئے اچھی اچھی چیزیں مہیا کردیں، پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں۔

اس مقام پر قرآنِ حکیم نے ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کردی۔ اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنادیا۔ یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کردیا۔ دوسرے یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہوگئی، اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے۔ جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لئے اچھی چیزیں پیدا کردیں جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں، خوش رنگ ہیں، خوشبودار ہیں۔ (اقتباس)۔

میں نے یہ اقتباس ''ترجمان القرآن'' سے حاصل کیا ہے۔ اگر کسی مقام پر مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو قارئین ترجمان القرآن کھول کر دیکھ لیں، وہاں مزید وضاحت ملے گی اور تشنگی دُور ہوجائے گی، میں نے اکثر مقامات پر اختصار سے کام لیا ہے، اس وضاحت کے بعد قارئین کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ [78:16] .

(سورۃ النحل، آیت 78)۔

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا اور اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ (یعنی علم وادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لئے شنوائی، بینائی اور عقل کی قوتیں پیدا کر دیں تا کہ تم شکرگزار رہو۔

اللہ تعالیٰ کی پاک ذات جس نے ہمیں سننے، دیکھنے اور عقل کی قوتیں عطا فرمائیں جس نے ہمیں لکھنا اور پڑھنا سکھایا، اس کا شکریہ ادا کرنے کا جذبہ اس کتاب کے لکھنے کا محرک بنا۔ مجھے صرف خدا کی خوشنودی مطلوب ہے۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ [12:53] .

(سورۃ یوسف، آیت 53)۔

میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے، بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ [82:6] الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ [82:7] فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ [82:8] کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ [82:9] وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ [82:10] کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ [82:11] یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ [82:12] .

(سورۃ الانفطار، آیات 6 تا 12)۔

اے غافل انسان کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنادیا ہے۔ وہ پروردگار جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا، پھر تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ میں اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترکیب دے دی، اصل یہ ہے کہ تمہیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں۔ حالانکہ اس کی طرف سے تم پر ایسے زبردست نگران کار متعین ہیں جو تمہارے اعمال کا ہر آن احتساب کرتے رہتے ہیں اور تمہارا کوئی بھی فعل ان کی نظروں سے مخفی نہیں۔

قُلۡ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ [67:23] .

(سورۃ الملک، آیت 23)۔

کہہ دو کہ اسی کی ذات خالقِ کائنات ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اندر حواس ظاہری کان، آنکھیں اور دِل اور ان کی قوتیں ودیعت کیں مگر تم لوگ کم ہی ان نعمتوں کا شکرادا کرتے ہو۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے............

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰهَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا [33:41] وَّ سَبِّحُوۡهُ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا [33:42]

(سورۃ الاحزاب، آیات 41 تا 42)۔

اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی [93:5] اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی [93:6] وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی [93:7] وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی [93:8] فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡھَرۡ [93:9] وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡھَرۡ [93:10] وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ [93:11] .

(سورۃ الضحیٰ، آیات 5 تا 11)۔

''اور آپ کا پروردگار آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔ اے پیغمبر ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو، ہم نے خود ہی تمہیں اپنی راہ دکھلا دی اور تمہیں نادار پایا پھر مالدار کر دیا، لہٰذا یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو نہ جھڑکئے اور اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرتے رہیئے''۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ وَ مَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ [31:12] .

(سورۃ لقمان، آیت 12)۔

بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہ۔ اور جو شکر گزار ہوگا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناسپاسی (ناشکری) کی تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَھۡنًا عَلٰی وَھۡنٍ وَّ فِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡلِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ [31:14] .

(سورۃ لقمان، آیت 14)۔

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کو دودھ چھوٹنے میں لگے اس لئے ہم نے اسے تاکید کی ہے کہ اے انسان تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہ، میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

سورۃ السجدہ کی آیات ذیل 7 تا 9 پر غور کریں.....................

اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ [32:7] ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ [32:8] ثُمَّ سَوّٰىہُ وَ نَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡئِدَۃَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ [32:9].

جس نے جو چیز بنائی حسن و خوبی سے بنائی، چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصے سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا۔ پھر

اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح میں سے ایک قوت پھونک دی اور اسی طرح اس کے لئے سننے اور دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا شکر گزار رہو۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی عبادت ہے............

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ [17:29] .

(سورۃ العنکبوت آیت 17)۔

اور یہ واقعہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم اللہ ہی سے رزق طلب کرو، اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو، تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ لِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ [30:46] .

(سورۃ الروم، آیت 46)۔

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ اپنی رحمت سے لذت اندوز کرے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں اور تم اللہ کا فضل تلاش کرو تا کہ تم اس کا شکر بجالاؤ۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ [40:61]

(سورۃ المؤمن، آیت 61)۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں آرام حاصل کرو اور دِن کو روشن بنایا۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری سے کام نہیں لیتے۔

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ [56:68] **ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ** [56:69] **لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ** [56:70] .

(سورۃ الواقعہ، آیات 68 تا 70)۔

اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، پھر کیا اس نعمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار رہو۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور اس نے ہماری صورتیں بنائیں سو بہتر صورتیں بنائیں اور ہمیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا وہ اللہ ہمارا، تمہارا، سب کا رب ہے۔ اللہ

بہت ہی برکتوں والا ہے، وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پروردگار ہمیں توفیق دے کہ تیرے لئے اپنے دین کو خالص کر کے تجھے پکارا کریں، سب تعریف تجھی کو سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔سورۃ المومن کی آیات 65-64 میں ہمیں یہی فرمانِ الٰہی ملتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ [36:71] وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ [36:72] وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ [36:73] .

(سورۃ یٰسین، آیات 71 تا 73)۔

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مواشی پیدا کئے ہیں پھر یہ لوگ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں اس طرح ان کا مطیع کر دیا ہے کہ ان میں سے بعض پر سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں، اور ان مویشیوں میں ان کے لئے بہت سے فوائد اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، پھر یہ لوگ کیوں شکر بجا نہیں لاتے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ[35: 15] .

(سورۃ الفاطر، آیت 15)۔

اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے دروازے کے فقیر اور سائل ہو۔ اللہ تعالیٰ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے۔ انسان اللہ کا محتاج ہے، انسان اللہ کا شکر اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں ہے، وہی آسمان اور زمین کی بخشائشوں سے رزق دے رہا ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر اسی کی ذات۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ [21:80] .

(سورۃ الانبیاء، آیت 80)۔

اور دیکھو، ہم نے داؤد کو تمہارے لئے زرہ بکتر بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے، پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟۔

اور ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے لئے جن و انس اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور وہ نظم و ضبط سے رکھے جاتے، یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا ''اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں، اور ان کو خبر بھی نہ ہو''۔ تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے............

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ

وَاَدْخِلْنِی بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ [19:27] .

(سورۃ النمل، آیت 19)۔

''اے میرے رب مجھے اس بات پر قائم کر کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تجھ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمالے''۔اس جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم خوشی اور سرور کے مفہوم میں ہے۔اس واقعہ سے اصل مقصد حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکرگزاری کا ذکر ہے۔

ایک ودسرے موقعہ پر جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کے بھیجے ہوئے ہدایا واپس کر دیئے اور دھمکی دی اور ملکہ کے سفیر کو کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے؟ لہٰذا تم خود ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش ہوتے رہو، اے سفیر تو ان کے پاس واپس چلا جا، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہم انہیں ذلیل بنا کر وہاں سے نکالیں گے اور وہ خوار ہوں گے۔

ملکہ سبا نے خود حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب سمجھا۔جب وہ بیت المقدس سے ایک دن کے فاصلہ پر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کا تخت منگوا کر اس میں کچھ تبدیلی کروادی۔سورۃ النمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے کہا''اے اہلِ دربار تم میں کون ہے جو اس کا عرش میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں، جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا قبل اس کے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں پھر جب سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا............

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ [27: 40] .

(سورۃ النمل، آیت 40 کا حصہ)۔

یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگ ہے۔

نوٹ :

سبا سے بیت المقدس کا فاصلہ ایک پرند کی اڑان کے لحاظ سے کم از کم ڈیڑھ ہزار میل ہے۔اتنے فاصلہ سے آنِ واحد میں اس تخت کا لا حاضر کرنا کسی خدائی قوت کے بغیر ممکن نہیں جس کی طرف قرآن نے ''الذی عندہ علم الکتاب''

کہہ کراشارہ کیا ہے،(راقم نے اکثر مقامات پر ''ترجمان القرآن'' سے استفادہ کیا ہے)۔

سورۃ سبا کی آیات 11 تا 13 سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے جو ان کے لئے مختلف خدمات سرانجام دیتے تھے اوران جنوں کے متعلق مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب جانتے ،مولانا آزادؒ لکھتے ہیں کہ یہاں جنات اورشیاطین سے مرادفلسطین اورشام کی وہ شریرقومیں ہیں جوحضرت سلیمانؑ کے عہد میں مطیع منقاد ہوگئی تھیں۔ اورانہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہرطرح کی سخت خدمتیں سرانجام دی تھیں توراۃ کی کتاب سلاطین اوّل سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزارآدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے تب کہیں جا کرعمارت تعمیر ہوئی۔

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَ تَمَاثِيۡلَ وَ جِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا وَ قَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ [34:13] .

(سورۃ سبا،آیت 13 تا 14)۔

وہ سلیمان کی وہ چیزیں بنایا کرتے جو وہ چاہتے (مثلاً) بلندوبالاعمارتیں ،تصویریں بڑے بڑے لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں جوایک ہی جگہ جمی رہیں۔اے آلِ داؤد! (ان نعمتوں کے) شکر کے طور پر نیک عمل کرواورمیرے بندوں میں کم شکرگزار ہیں۔

پھر جب سلیمان پر ہم نے موت کا فیصلہ صادر کردیا تو جنوں کی ان کی موت پرایک گھن کے کیڑے کے سوا کسی نے آگاہ نہ کیا جواس کے عصا کوکھارہی تھی، پھر جب سلیمانؑ گر پڑے تب جنوں پر یہ حقیقت کھلی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تواس ذلت آمیزعذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَ اشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ [2:172] .

(سورۃ البقرہ،آیت 172)۔

مسلمانو!اگرتم صرف اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو(اورسمجھتے ہو کہ حلال وحرام میں حکم اسی کا ہے تو)وہ تمام چیزیں بے کھٹکے کھاؤ جواللہ نے تمہاری غذا کے لئے مہیا کردی ہیں اوراس کی نعمتیں کام میں لاکراس کی بخشائشوں کے شکرگزاررہو۔

قُلۡ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ‌ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ [67:23]

قُلۡ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ [67:24] .

(سورۃ الملک،آیات 23 تا 24)۔

کہہ دوکہ اسی کی ذات خالق کائنات ہے جس نے تم کو پیدا کیااورتمہارے اندرحواس ظاہری کان،آنکھیں اور دِل اوران کی قوتیں ودیعت کیں مگرتم لوگ کم ہی (ان نعمتوں) کاشکرادا کرتے ہو،ان سے کہو وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہےاور(قیامت کے دِن)اسی کے حضورجمع کئے جاؤ گے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی [53:31] اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی [53:32].

(سورۃ النجم، آیات 31 تا 32)۔

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے تا کہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے اچھے کام کئے، انہیں اچھی جزا سے نوازے۔ جو کبائر اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں الا یہ کہ کوئی معمولی گناہ ان سے سرزد ہو جائے، بلاشبہ ترے رب کی بخشش بہت وسیع ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا [48:1] لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا [48:2].

(سورۃ الفتح، آیات 1 تا 2)۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کو کھلی فتح دی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ (اس کی وجہ سے) آپ کی اگلی اور پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تا کہ آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نعمتوں سے نوازا اور ان کا اعلان بھی کر دیا۔ پہلی چیز غفران ذنوب ہے، یوں تو انبیائے کرام علیہم السلام سبھی مغفور الذنوب ہوتے ہیں مگر اس اعلان کا شرف اور کسی کو حاصل نہیں ہوا اور اسی وجہ سے قیامت کے دِن شفاعت کبریٰ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پیش ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شفاعت کے لئے مقام محمود میں کھڑے ہوں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغفور الذنوب تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبراً شکوراً بن کر رہے۔

ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں، بالکلیہ معاف ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لئے نہیں فرمائی۔ مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟، اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا ہے۔ فرماتے ''افلا عبدًا شکورًا '' تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اسی سورۂ مبارکہ کی آیات 3-4 میں ہے کہ..................

وَیَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا [48:3] هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا [48:4].

(سورۃ الفتح، آیت 3 تا 4)۔

اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی زبردست نصرت فرمائے۔ وہ خدا ہی تو تھا جس نے مسلمانوں کے افسردہ دِلوں میں اپنی طرف سے قوت اور اطمینان کی روح پیدا کر دی تا کہ ان کی ایمانی قوت میں تازگی پیدا ہو جائے۔ زمین کے جان فروشانِ حق اور آسمان کے ملائکہ نصرت دونوں کی فوجیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، بے شک وہ علیم وحکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ.................

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا [76:1] اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا [76:2] اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا [76:3] .

(سورۃ الدھر، آیات 1 تا 3)۔

بے شک زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ (''دھر'' یعنی لامتناہی زمانے کے اندر ایک طویل مدت ایسی گزر چکی ہے جب سرے سے نوع انسانی موجود نہ تھی، پھر اس نوع کا آغاز ہوا)۔

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جسے ایک کے بعد ایک مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں، پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے اور دیکھنے والا وجود ہو گیا۔

(مراد یہ ہے کہ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے دو الگ الگ نطفوں سے نہیں ہوئی بلکہ دونوں نطفے جب مل کر ایک ہو گئے تب اس مرکب نطفے سے انسان پیدا ہوا)۔ ہم نے اس پر راہِ عمل کھول دی، اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔

انسان کو چاہیے کہ کائنات کی خلقت پر غور کرے۔ اپنی پیدائش پر غور وفکر کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالانے پر مجبور ہوگا۔ یہ اس کی شکر کا جذبہ ہے جو اس کتاب کے لکھنے کا محرک بنا۔ اور اس طرح ایک فرض ادا کر رہا ہوں۔

تخلیق کائنات میں تفکر

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ [1:6] ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ [2:6] وَ ہُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الۡاَرۡضِ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَ جَہۡرَکُمۡ وَ یَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ [3:6] .

(سورۃ الانعام، آیات 1 تا 3)۔

ہر طرح کی ستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور اجالا نمودار کردیا۔ اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہوگئے ہیں وہ اندھیرے اور اجالے میں امتیاز نہیں کرتے اور دوسری ہستیوں کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں۔

وہی (آسمان وزمین کا خالق ہے) جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ظہور پذیر ہوئی) پھر تمہارے لئے (زندگی ومعیشت کی) ایک میعاد ٹھہرادی (جو ہر وجود کو مہلت عمل دیتی ہے) اور ایک دوسری میعاد بھی اس کے علم میں مقرر ہے (یعنی قیامت کا وقت جب پہلی میعاد کے نتائج کا فیصلہ ہوگا) پھر بھی تم ہو کہ (اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور اس میں) شک کرتے ہو۔ وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (اس کے سوا کوئی کارفرمائے عالم نہیں) تمہاری چھپی اور کھلی ہر طرح کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ تم جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ [7:32] ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ [8:32] ثُمَّ سَوّٰىہُ وَ نَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡئِدَۃَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ [9:32].

(سورۃ السجدہ، آیات 7 تا 9)۔

جس نے جو چیز بنائی حسن وخوبی سے بنائی اس کی قدرت وحکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اسکے توالد وتناسل کا سلسلہ (خون) کے خلاصے سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کردیا، پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح میں سے ایک قوت پھونک دی۔ اور اس طرح اس کے سننے اور دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کردیں۔ انسان کی غفلت پر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا شکر گزار رہو۔

یہ اللہ تعالیٰ ہے محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا، طاقت والا، رحمت والا جس نے جو چیز بنائی حسن وخوبی سے بنائی۔ جس پہ خالق کو بھی ہو ناز وہ انسان ہوں پر انسان کو یہ ناز ہونا چاہیے لیکن اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور جونہی اس نے پہچان لیا اس کی زبان پر **سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الٰہ غیرک** کا نغمہ جاری ہو جاتا ہے وہ زمزمہ سنج ہو کر پکار اٹھتی ہے کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور خوبیوں والی اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان اونچی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [1:57] **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ** [2:57] **هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ** [3:57] **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** [4:57] **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** [5:57] **يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** [57: 6] .

(سورۃ الحدید، آیات 1 تا 6)۔

جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی زندگی عطا فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے وہی اوّل ہے اور وہی آخر بھی اور وہ ظاہر ہے اور مخفی بھی اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دِنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر بلند ہوا، جو چیز بھی زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس میں سے نکلتی ہے اور جو کچھ آسمانوں سے نازل ہوتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور جو کام بھی تم کرتے ہو سو وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور تمام معاملات (فیصلے کے لئے) اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دِن میں اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ سینوں کی تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ [7:11] .

(سورۃ الاعراف، آیت 11)۔

اور (دیکھو) یہ ہماری کارفرمائی ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوعِ

انسانی کی) شکل وصورت بنادی۔ پھر وہ وقت آیا کہ فرشتوں کو حکم دیا ''آدم کے آگے جھک جاؤ'' اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔

انسان اپنی تخلیق کے مختلف ہونے پر ذرا غور کرے تو وہ اپنے خالق کو پہچان سکتا ہے۔ معرفت انہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جو اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے۔ وہ اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے۔ انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی (سـلٰلة من طین) ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا، یعنی مرطوب مٹی مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی، پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہیے، اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمو ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا۔ یہ تو پہلی پیدائش ہوئی۔ اسکے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا، توالد وتناسل سے۔ قرآنِ حکیم نے آیت ذیل اور دوسرے مقامات پر تشکیل جنین کے مراتب خمسہ بیان کئے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ سُلاٰلَةٍ مِّنْ طِينٍ [12:23] ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ [13:23] ثُمَّ خَـلَـقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ [14:23].

(سورۃ المؤمنون، آیات 12 تا 14)۔

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتداء مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا۔ پھر عقلہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کر دیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھادی۔ پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی۔ پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَـمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [67:40] هُوَ الَّذِىْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [68:40].

(سورۃ المؤمن، آیات 67 تا 68)۔

وہ پروردگار جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو، پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو، اس کے بعد تمہارا جینا اسی لئے ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو، پھر تم میں سے کوئی ان منزلوں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنی مقررہ مدت تک زندگی بسر کر لے۔ اور تاکہ تم عقل وفکر سے کام لو وہی ہے جو زندگی عطا کرتا ہے

اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ [16:4] .

(سورۃ النحل، آیت 4)۔

اس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرے) سے پیدا کیا۔ پھر دیکھو وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہو گیا۔

اس آیت میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرہ حقیر سے ایک ایسا عقیل و مفکر وجود پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے یہاں ''فاذا ھو خصیم مبین'' سے مقصود بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں..................

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [30:11] .

(سورۃ الروم، آیت 11)۔

اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا۔ پھر سب تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلرَّحْمٰنُ [55:1] عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ [55:2] خَلَقَ الْاِنْسَانَ [55:3] عَلَّمَهُ الْبَيَانَ [55:4] .

(سورۃ الرحمٰن، آیات 1 تا 4)۔

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے انسان کو بولنا سکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اسے اظہار مافی الضمیر پر بھی قدرت بخشی ہے اور اسے دوسری مخلوق پر برتری اور اخلاق حسن عطا کیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں اوّل سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی صرف رحمت کے مظاہر کا بیان ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ [56:57] اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ [56:58] ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ [56:59] نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ [56:60] عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [56:61] وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ [56:62] اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ [56:63] ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ [56:64] لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ [56:65] اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ [56:66] بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ [56:67] اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ [56:68] ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ [56:69] لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ [56:70] اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ [56:71] ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ [56:72] نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ [56:73] فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ [56:74] .

(سورۃ الواقعہ، آیات 57 تا 74)۔

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم یقین کیوں نہیں کرتے؟ بھلا یہ بھی کبھی سوچا کہ جو نطفہ جو تم رحم میں ٹپکاتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری مانند کوئی اور مخلوق یہاں لا بسائیں اور تمہیں کسی ایسے جہاں میں پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے اور بلاشبہ تم نے اپنی پہلی پیدائش کو جان لیا ہے، پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اچھا تم نے اس بات پر غور کیا تھا کہ جو کچھ کاشتکاری کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور پھر تم صرف یہ کہنے کے لئے رہ جاؤ کہ افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے تمام فائدوں سے محروم ہو گئے اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، پھر کیا اس رحمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار رہو؟ اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اس کے لئے لکڑی تم نے پیدا کی یا ہم پیدا کر رہے ہیں ہم نے اسے یادگار اور مسافروں کے لئے فائدہ بخش بنایا، پس اے نبی آپ ﷺ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [24:59] .

(سورۃ الحشر، آیت 24)۔

وہ الخالق ہے، الباری ہے، المصور ہے۔ (غرض) اس کے لئے حسن و خوبی کی سب صفتیں ہیں، آسمان و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہے سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہے اور بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ اور توانائی بھی رکھنے والا ہے۔

ع خالق کو بھی ہو جس پہ ناز وہ انسان ہوں میں

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ [4:95] . (سورۃ التین، آیت 4)۔

ہم نے انسان کو ایک بہترین فطرت عادلہ و مقومہ کے قالب میں پیدا کیا۔ سورۃ التین میں الوالعزم پیغمبروں کے جائے ظہور (**وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ** [1:95] **وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ** [2:95]) کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کی پستی سے اس صورت نجات پا سکتا ہے جبکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ [3:64] **يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** [4:64] .

(سورۃ التغابن، آیات 3 تا 4)۔

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن وخوبی سے بنائیں اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اور وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم ظاہر کہتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ سینوں کے حالت تک سے بخوبی واقف ہے۔

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [10:61] .

(سورۃ یونس، آیت 61)۔

اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو!) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے اور نہ زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے۔ ذرہ پھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ [35:11].

(سورہ فاطر، آیت 11)۔

اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے۔ پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا۔ کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ وضع حمل کرتی ہے۔ مگر وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر ملتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ سب کام اللہ پر (نہایت) آسان ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ [30:54] وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ [30:55] وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [30:56] .

(سورۃ الروم، آیات 54 تا 56)۔

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے۔ پھر قوت کے بعد ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جس دِن قیامت قائم ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی

طرح وہ دنیا کی زندگی میں حق سے پھرے ہوئے تھے۔اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم قیامت تک پڑے رہے ہو، سو یہی قیامت کا دِن ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔

آیت 54 میں انسانی زندگی کے ادوارِ ثلاثہ کی طرف اشارہ ہے۔یعنی بچپن ، جوانی اور بڑھاپا اور یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کے علم وقدرت کے کرشمے ہیں۔ ہر انسان کا یہی حال ہے۔بچپنے کا عہد بےفکری سے کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اسے پیری صد عیب کا زمانہ سمجھئے۔ آخرت کی زندگی انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشاۃ ثانیہ تک گزرتی ہے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔ یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے۔

آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے اور اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی بات باہر نہیں۔آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے زیرِ فرمان ہے پس اگر وہ تمہیں کامرانی وسربلندی عطا فرمانا چاہے تو تمہاری راہ کون روک سکتا ہے۔لیکن شرط کامیابی یہ ہے کہ راہِ حق میں استوار رہو،حق کی معرفت واستقامت کا سرچشمہ اللہ کا ذکر اور کائنات خلقت میں تفکر ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ [3:190] الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [3:191] .

(سورۃ آلِ عمران،آیات 190 تا 191)۔

بلا شبہ آسمان وزمین کی خلقت میں اور رات دن ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں ارباب دانش کے لئے (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ وہ ارباب دانش جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔کھڑے ہوں ، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوئے ہوں (لیکن ہر حال میں) اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے۔جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں (اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ پکار اٹھتے ہیں) خدایا یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلا شبہ بیکار وعبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانہ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے کوئی نہ کوئی مقصد وغایت رکھتا ہو)۔ یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بیکار کام اس سے صادر ہو۔ خدایا ہمیں عذاب آتش سے (جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچا لیجیو!۔

آیت بالا میں ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمہارا دل خالی نہ رہے فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت اور کائنات فطرت کے حوادث ومظاہر میں غور وفکر کرتے رہو۔

ذکر سے تمہارے دل کی غفلت دور ہوگی۔فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔جن لوگوں کے دِل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں ان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانۂ ہستی اور اس کا عجیب وغریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجہ کے نہیں ہوسکتا۔اور ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہو، اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے اس کے نتائج اس زندگی میں پیش آئیں۔جب یہ حقیقت ان پر کھلتی ہے تو ان کی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہوجاتی ہے۔وہ خدا کے آگے بندگی ونیاز کا سر جھکا دیتے ہیں اور اس سے بخشش ورحمت کے طلبگار رہوتے ہیں۔اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل نیک ضائع نہیں کرتا۔عمل حق ایک ایسی حقیقت ہے جو ضائع ہو ہی نہیں سکتی۔پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کررہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔(اقتباس)۔

کامیاب زندگی

کس کی زندگی کامیاب ہے اور کون ناکام رہا، اس کا فیصلہ آج نہیں کل ہونے والا ہے، یہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی اور فانی ہے، سب کو خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔جو روزِ حساب کامیاب ہوا وہ خوش نصیب ہوگا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ [80:38] **ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ** [80:39] **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ** [80:40] **تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ** [80:41] **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ** [80:42] .

(سورۃ عبس، آیات 38 تا 42)۔

کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہنستے اور خوش وخرم ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز گرد آلود ہوں گے۔ان پر سیاہی چھارہی ہوگی، یہی کافر وبدکار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی اس وقت سے جانتے ہیں جب اللہ پاک نے ہمیں زمین سے پیدا کیا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کا فضل ہوگا کہ انسان کو دوزخ سے نجات ملے گی اور جو اس آگ سے بچ گیا وہی کامیاب ہوگا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنَى [53:31] **اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ**

اتَّقٰی [32:53].

(سورۃ النجم، آیات 31 تا 32)۔

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے تا کہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے اچھے کام کئے انہیں اچھی جزا سے نوازے جو کبائر اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں الا یہ کہ کوئی معمولی گناہ ان سے سرزد ہو جائے۔ بلاشبہ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے وہ اس وقت سے تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے۔ لہٰذا خودستائی نہ کیا کرو (مقدس نہ بنو) وہی خوب جانتا ہے اس کو جو واقعی پرہیزگار ہے۔

اسے آنے والے دِن میں خوش نصیب وہ ہوگا جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ اور جس کو اس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا گیا وہ موت کو پکارے گا۔ یہ حکومت، یہ عہدے، یہ جاگیریں، یہ دولت، یہ حسب ونسب کام نہ آئیں گے۔ اُس دِن سچائی کے منکر کہیں گے کہ کاش وہ مر جائیں اور مٹی ہو جائیں۔

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ [6:84] فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ [7:84] فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا [8:84] وَیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا [9:84] وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ [10:84] فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا [11:84] وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا [12:84] اِنَّهٗ کَانَ فِیْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا [13:84] اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ [14:84] بَلٰٓی اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیْرًا [15:84].

(سورۃ الانشقاق، آیات 6 تا 15)۔

اے انسان! تحقیق تو محنت کرنے والا ہے اپنے رب کی طرف، لہٰذا تو خوب محنت کر کہ تو اس سے ملنے والا ہے۔ سو جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا، رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے اہل وعیال میں مگن رہا کرتا تھا۔ اس نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ پلٹ کر نہیں جائے گا۔ ہاں ضرور جانا ہے بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ [7:99] وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ [8:99] .

(سورۃ الزلزال، آیات 7 تا 8)۔

پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ [16:84] وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ [17:84] وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ [18:84] لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ [19:84] . (سورۃ الانشقاق، آیات 16 تا 19)۔

شفق اور اس کے لالہ زاروں کی قسم، رات اور اس کے پر کیف نظاروں کی قسم، چاند کی قسم جب الہلال سے ماہِ کامل بن جائے، تمہیں سیڑھیاں چڑھتے جانا ہے۔

پس شفق کی قسم جبکہ اس کی سرخی نے زمین کے عہد خونیں کی خبر دی، اور رات کی قسم جبکہ وہ تاریک ہوئی اور ان سب کی قسم جن کو اس کی تارکی نے چھپالیا۔ پھر چاند جبکہ اس کی روشنی پوری ہوئی۔ تم سب ایک امر مقدر کے ماتحت ہو ضرور ہے کہ انقلاب لیل ونہار کے ان مراتب ثلاثہ کی طرح تم بھی یکے بعد دیگرے منازل تغیر وتبدل سے گزرو۔ میں نے ہر موضوع پر چند ایک آیات لکھی ہیں، پورے قرآن پر غور وتدبر کرو۔ قرآن پاک ہی خلق عظیم ہے، حضور نبی کریم ﷺ کی پیروی میں ہی نجات ہے، نجات کا دارومدار ایمان وعمل صالح پر منحصر ہے میں نے ایک الگ رسالہ اس موضوع پر لکھا ہے اسے پڑھ لیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ............

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ [101:6] **فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ** [101:7] **وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ** [101:8] **فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ** [101:9] **وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَاهِيَهۡ** [101:10] **نَارٌ حَامِيَةٌ** [101:11] .

(سورۃ القارعہ، آیات 6 تا 11)۔

پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ ھاویہ کیا ہے وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اس روز جو آگ سے بچالیا گیا وہی کامیاب ہے۔ یہ دنیا کی کامیابیاں تو عارضی ہیں، دنیا کی زندگی تو متاعِ غرور کے سوا اور کچھ نہیں، ہر چیز مٹ جانے والی اور فناہ ہوجانے والی ہے۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ‌ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ[3: 185].

(سورۃ آلِ عمران، آیت 184)۔

(مسلمانو! یادرکھو) ہر جان کے لئے (بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے اور جو کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ ملتا ہے وہ قیامت ہی کے دِن پورا پورا ملے گا، اس دِن جو شخص آتش دوزخ سے ہٹادیا گیا اور جنت میں داخل ہوگیا تو کامیابی اسی کی کامیابی ہوئی اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (خواہشوں اور ولولوں کی کام جوئیوں) کا کارخانہ فریب ہے۔

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریبِ سودوزیاں لا الٰہ الا اللہ

وہ آنے والا دِن کہ کتنے ہی چہرے اس دِن چمک رہے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے۔

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ [3:106] وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [3:107].

(سورۃ آلِ عمران، آیات 106 تا 107)۔

وہ آنے والا دِن کہ کتنے ہی چہرے اس روز چمک اُٹھیں گے، (یعنی کتنے ہی خوش نصیب ہوں گے جن کے لئے کامیابی کی خوشحالی ہوگی) کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے (کتنے ہی بدنصیب ہوں گے جن کے لئے حسرت ونامرادی کی تباہ حالی ہوگی) سوجن لوگوں کے چہرے (حسرت ونامرادی سے) کالے پڑ جائیں گے ان سے اس دِن کہا جائے گا تم نے ایمان کے بعد پھر انکارِ حق کی راہ اختیار کرلی تھی تو جیسی کچھ تمہاری منکرانہ چال تھی اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو۔ اورجن لوگوں کے چہرے (کامیابی کی خوشحالیوں سے) چمک رہے ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت کی سائے میں ہوں گے۔ ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ [23:1] الَّـذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ [23:2] وَالَّـذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ [23:3] وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ [23:4] وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ [23:5] اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِـمْ اَوْ مَـا مَـلَـكَـتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ [23:6] فَـمَـنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ [23:7] وَالَّـذِيْنَ هُمْ لِاَمَانٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ [23:8] وَالَّـذِيْـنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ [23:9] اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ [23:10] الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [23:11].

(سورۃ المؤمنون، آیات 1 تا 11)۔

بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے (کون ایمان لانے والے) جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع رکھتے ہیں۔ جو لغو باتوں سے رُخ پھیرے ہوئے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں، جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ ہاں اپنی بیبیوں سے زناشوی کا علاقہ رکھتے ہیں یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لئے کوئی ملامت نہیں اور جو کوئی اس معاملہ میں اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہوگئے۔ نیز جن کا حال یہ ہے کہ کوتاہی نہیں کرتے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنا ورثہ پانے والے ہیں۔ یہ فردوس کی زندگی میراث میں پائیں گے، ہمیشہ کے لئے اس میں بسنے والے۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کئے، گویا قرآن کے نزدیک ایمان وعمل کے موقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خدوخال ہیں جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جاسکتی۔

ا)...... نماز کی محافظت اور اس کا خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا۔

ب)...... ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو لغو ہو۔

ج)...... اپنی کمائی سے اپنے محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرنا۔

د)...... زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا۔

ر)...... امانت دار ہونا، اپنے عہدوں کو پورا کرنا۔

انسان کی فطرت صالح ہی کا نام اسلام ہے۔ اور ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اپنی اصلی اور بے میل فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ پس انسان کا ہر بچہ اسلام پر پیدا کیا گیا۔ اب وہ دنیا میں آتا ہے اور باہر کی ہوائیں اس کے اندر کی روشنی کو تہہ و بالا کرنے لگتی ہیں۔ خدا نے اس کو روشنی دی ہے اور اس کے اندر آئینہ رکھ دیا ہے۔ اور وہ دنیا میں آتا ہے اور باہر کے پردوں سے اندر کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے۔ تمہید بڑھتی جاتی ہے اور یہ مبحث خود ایک مستقل مبحث ہے۔ کامیاب زندگی کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی مزید تصریحات جمع کی جائیں تو صفحوں کے صفحے اسی میں صرف ہو جائیں۔ کامیاب وہ ہے جسے آگ سے بچا لیا گیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى [87:14] وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى [87:15] بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا [87:16] وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى [87:17] اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى [87:18] صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى [87:19] .

(سورۃ الاعلیٰ، آیات 14 تا 19)۔

کامیاب ہوا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا۔ اور نماز پڑھی۔ مگر تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر ہے۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں مذکور ہے۔ جو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فطرت صالحہ وہ تھی جس کو باہر کا کوئی بڑے سے بڑا جلوہ بھی مرعوب نہ کر سکا اور اس کے اندر کی روشنی پکار اٹھی۔

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[6:79] .

(سورۃ الانعام، آیت 79)۔

میں نے ہر طرف منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں) بلکہ آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے اور جس کے حکم اور قانون پر تمام مخلوقات چل رہی ہیں، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

''فوز الکبیر'' کیا ہے؟ بڑی سے بڑی کامیابی کیا ہے؟۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ [85:11] .

(سورۃ البروج، آیت 11)۔

جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کئے توان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔قرآن کریم کی اس آیت پر بار بارغور کریں۔

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [12:61] .

(سورۃ الصّف، آیت 12)۔

اگرتم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں سے درگزر کرے گا اورتم کو کامیابی و بامرادی کے ایسے باغہائے نشاط میں پہنچادے گا جہاں اشک حسرت ونا مرادی کی جگہ عیش مراد کی نہریں بہہ رہی ہوں گی، نیز ایسے مکاناتِ طیبہ میں جو دائمی مسرتوں کے باغوں میں ہیں تمہیں بسائے رکھے گا، غور کروتو یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت سے قبل کی آیات کو سامنے رکھیں، فرمایا اللہ پاک نے کہ اے وہ لوگو! کہ دعوائے ایمان رکھتے ہو (اورکاروبارِ دنیاوی میں مشغول ہو) میں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جوتمہیں آنے والے سخت وشدید مصائب سے بچائے، اللہ اوراس کے رسول پر کامل ایمان پیدا کرواور خدا کی راہ میں اپنے مال ودولت اوراپنی جانوں سے جہاد کرو، یہی طریق تمہارے لئے بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم (وقت کی مصیبت) کوسمجھو۔

اس کے علاوہ ایک دوسری نعمت محبوب بھی تمہیں ملے گی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی نصرت کا نزول ہوگا اور تم عنقریب فتح مند ہوجاؤ گے۔اے پیغمبر! یہ بشارت ہے مسلمانوں کو پہنچادو۔ارشادِ الٰہی ہے کہ..................

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ [3:196] **مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ** [3:197].

(سورۃ آلِ عمران، آیات 196 تا 197)۔

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کا عیش وکامرانی کے ساتھ ملکوں میں سیر وگردش کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ جو کچھ ہے محض تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے(جوان کے حصے میں آیا ہے) بالآخران کا ٹھکانا جہنم ہے اورجن کا ٹھکانا جہنم ہوا تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

قرآنِ پاک نے فلاح وسعادت کی راہ کھول دی ہے الف۔لام۔میم یہ الکتاب ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں، متقی انسانوں پر(سعادت) کی راہ کھولنے والی ہے۔متّقی انسان وہ ہیں جن کا ذکران آیات میں ہے

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ [2:3] **وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ**[2:4] .

(سورۃ البقرہ، آیات 3 تا 4)۔

(متقی انسان وہ ہیں) جو غیب کی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں روزی دے رکھی ہے اسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، نیز وہ لوگ جو اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی اور ان تمام (سچائیوں پر) جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں اور ساتھ ہی آخرت کی زندگی کے لئے بھی ان کے اندر یقین ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [5:2] .

(سورۃ البقرہ، آیت 5)۔

یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (ٹھہرائے ہوئے) راستہ پر ہیں اور یہی ہیں (دنیا و آخرت میں) کامیابی پانے والے ہیں۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، جو روزِ حساب کامیاب ہو گیا وہ عشق کی بازی جیت گیا۔

جنت کا ملنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام ہی پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ کو بھی، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے بھی۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ فرما دیں۔ (بخاری و مسلم)۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا [3:110] .

(سورۃ النصر، آیات 3)۔

تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

یعنی اپنے رب سے دعا مانگو کہ جو خدمت اس نے تمہارے سپرد کی تھی اس کو انجام دینے میں تم سے جو بھول چوک یا کوتاہی بھی ہوئی ہو اس سے چشم پوشی اور درگزر فرمائے۔ یہ ادب جب رسول اللہ ﷺ کو سکھایا گیا جن سے بڑھ کر خدا کی راہ میں سعی و جہد کرنے والا کسی انسان کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تو دوسرے کسی کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل کو کوئی بڑا عمل سمجھے اور فریب میں مبتلا ہو کہ اللہ کا جو حق اس پر تھا وہ اس نے ادا کر دیا ہے۔ اللہ کا حق اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ سبق دیتا ہے کہ اپنی عبادت و ریاضت اور کسی خدمت دین کو بڑی چیز نہ سمجھیں بلکہ اپنی جان راہ حق میں کھپا دینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ ؎

''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

اے مولائے قدوس! میرے کریم، اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل اپنے اس گنہگار، روسیاہ اور زیاں کار بندے پر اپنی رحمت کا دامن پھیلا دے، اور میرے ماں باپ کی قبروں کو نور سے بھر دے انہیں مقام رضوان نصیب فرما۔ پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے صغرسنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا تو اسی طرح تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان

لائے اپنے فضل وکرم سے بخش دیجیو اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو، ہمارے لئے ہماری بیویوں اور اولادوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں متقیوں کا امام وپیشوا بنائیو!۔

انسان کو مال و دولت، جاہ وحشمت پرنہیں اترانا چاہیے۔ یہ حکومتیں، یہ صدارتیں، یہ عہدے، یہ کوٹھیاں، یہ جاگیریں، یہ بنک بیلنس سب عارضی ہیں۔ اس دنیا کی کامیابی کوآخرت کی کامیابی کی دلیل نہیں سمجھنا چاہیے۔ اصل کامیابی وہی ہے جوآخرت میں نصیب ہوگی۔ جن وزارتوں اور صدارتوں پر انسان کو گھمنڈ ہے وہ سب آزمائشیں ہیں اور ان سب کا حساب لیا جائے گا۔ اور جو روزِ حساب سرخرو ہوا، وہی اصل میں کامیاب ہے۔

دعوتِ قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی وتدبیر کریں اور بظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظرآئیں لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوتِ قرآن کامیاب ہو۔ جو جماعتیں دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہی ہیں ان سب کے لئے بالآخر نامرادی ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کریں گے ان کیلئے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ اپنی راست بازی اور نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے۔ انسان کی دنیاوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہے اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے اس کے نتائج اس زندگی میں پائیں گے، اس روز جو کامیاب ہوا، وہ حقیقت میں کامیاب ہے۔ اس کی کامیابی دائمی ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ اربابِ دانش کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوئے، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوئے ہوں لیکن ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے۔ جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ پکار اٹھتے ہیں، ''خدا یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے، سو بلاشبہ بیکار وعبث نہیں پیدا کیا ہے'' (ضروری ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے کوئی نہ کوئی مقصد وغایت رکھتا ہو) یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بے کار کام اس سے صادر ہو، خدایا ہمیں عذاب آتش سے جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے، بچا لیجیو!۔

جو انسان آتش دوزخ سے بچ گیا وہ کامیاب ہوا۔ ''خدایا جس بدبخت کے لئے ایسا ہو کہ تو اسے دوزخ میں ڈالے تو بلاشبہ تو اسے بڑی ہی خواری میں ڈالا، اور جس دن ایسا ہوگا تو اس دن ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا''۔

میں اس موضوع کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں.................

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ [3:193] **رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** [3:194] .

(سورۃ آلِ عمران، آیات 193 تا 194)۔

☆...... خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لے آئے، پس

☆...... خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں مٹا دے اور (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو۔

☆...... خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جسکا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور (اپنے لطف وکرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت وخواری نصیب نہ ہوا، بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا''، آمین!۔

اَلارْضُ لِلّٰہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے باغ بہشت سے ہمیں حکم سفر دے کر دنیا میں اپنی خلافت اور نیابت کے لئے بھیجا تھا، فرمایا............

قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ‌ ۚ وَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ [7:24] **قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَ فِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَ مِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ** [7:25] .

(سورۃ الاعراف، آیات 24 تا 25)۔

فرمایا، یہاں سے نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں سروسامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے اور فرمایا تم اسی میں جیو گے، اسی میں مرو گے، پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے۔

نسل انسانی کی سرگزشت کا ذکر سورہ الاعراف میں یوں آیا ہے کہ

وَ لَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ جَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ [7:10] .

(سورۃ الاعراف، آیت 10)۔

دیکھو ہم نے تمہیں (یعنی نوعِ انسانی کو) زمین میں (قدرت واختیار کے ساتھ) بسا دیا اور زندگی کے سروسامان مہیا کر دئے، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ شکر گزار رہو۔

پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی، پھر اس کی صورت بنی، پھر وہ وقت آیا کہ آدمؑ کا ظہور ہوا۔ اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا، اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔ ملائکہ نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار

کی۔ آدمؑ سے بھی لغزش ہوئی لیکن اس نے سرکشی نہیں کی، عجز واعتراف کا سر جھکا دیا اب بنی آدم کے لئے دو راہیں ہو گئیں، ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ وانابت کا سر جھکا دینا۔ دوسری ابلیس والی کہ پہلے نافرمانی کرنا، پھر عجز واعتراف کی جگہ سرکشی وتکبر کی چال چلنا۔ جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا اور جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا۔ (اقتباس)۔

وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ [55:10] **فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ** [55:11] **وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ** [55:12] **فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** [55:13] .

(سورۃ الرحمٰن، آیات 10 تا 13)۔

اور اسی (خدائے رحمٰن) نے مخلوقات کے لئے زمین کو (رہنے کے قابل) بنایا۔ جس میں بکثرت میوے اور کھجور کے درخت ہیں، جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور اسی زمین میں بھوسہ والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں۔

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟۔ اس سورۃ میں انسان کے ساتھ جنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اور دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب نعمتیں یاد دلا کر فرمانبرداری کے بہتر نتائج سے آگاہ کیا ہے کہ اور نافرمانی کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا۔ کائنات کے نظام عدل پر قیام، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب وکمالات، ماسوائے اللہ کے سب کا فانی ہونا، آخرت میں محاسبہ، نافرمانوں کا انجام وغیرہ یہ سب باتیں ایک خاص اسلوب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ وہ رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن مجید کی تعلیم دی اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ بلکہ اسے اظہار مافی الضمیر پر بھی قدرت بخشی ہے اور اسے دوسری مخلوقات پر برتری اور اخلاقی حسن عطا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِىۡ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ وَاِلَيۡهِ النُّشُوۡرُ [67:15] .

(سورۃ الملک، آیت 15)۔

وہی خدا تو ہے جس نے زمین کو تمہارے (چلنے پھرنے کے لئے) نرم ہموار کر رکھا ہے پس (جدھر چاہو) اس کے وسیع راستوں پر چلتے پھرتے رہو، اور خدا کا دیا ہوا رزق (مزے سے) کھاؤ۔ اور یاد رکھو کہ قیامت کے دن اسی کے حضور تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔

قُلۡ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ [67:24] .

(سورۃ الملک، آیت 24)۔

(اے پیغمبر!) ان سے کہو، وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور (قیامت کے دِن) اسی

کے حضور جمع کیئے جاؤ گے۔

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا [71:17] **ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا** [71:18] **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا** [71:19] **لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا** [71:20] .

(سورۃ نوح، آیت 17 تا 20)۔

اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو زمین سے اگایا۔ پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹا کر لے جائے گا اور (قیامت کے دِن) اسی سے تمہیں نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے فرش (کی طرح ہموار) بنادیا تا کہ تم اس کے کھلے (راستوں) پر چلو پھرو۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا [77:25] **اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا** [77:26] **وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا** [77:27] .

(سورۃ المرسلات، آیات 25 تا 27)۔

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والا نہیں بنایا زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی، اور اس میں اونچے اونچے مضبوط پہاڑ بنادیئے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ [80:24] **اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا** [80:25] **ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا** [80:26] **فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا** [80:27] **وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا** [80:28] **وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا** [80:29] **وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا** [80:30] **وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا** [80:31] **مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ** [80:32] .

(سورۃ عبس، آیات 24 تا 32)۔

انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اس کی استعمال میں رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کرتے ہیں، اناج کے دانے، اور انگور کی بیلیں، اور سبزی، ترکاری اور زیتون کا پھل اور کھجور کے خوشے اور درختوں کے جھنڈ اور قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کا چارہ اور یہ سب کچھ کس لئے ہے؟ تمہارے فائدے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ [51:47] **وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ** [51:48] **وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ** [51:49] **فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ** [51:50] .

(سورۃ الذاریات، آیات 47 تا 50)۔

اور ہم نے آسمان کو اپنی طاقت سے بنایا ہے اور ہم بڑی قدرت رکھنے والے ہیں اور ہم نے زمین کو بچھایا۔ سو

ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں، اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے جوڑے پیدا کردیئے۔ (یعنی دو دو اور متقابل اشیاء پیدا کیں) شاید تم غوروفکر کرو، سواللہ تعالیٰ ہی کی طرف دوڑو، میں تم سب کے لئے اس کی طرف صاف طور پر ڈرانے والا ہوں۔

خاندان، تعلیم اورسوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالہ کیا تھا، میں اسے آنے والی نسل کو لوٹا رہا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جو میرا فرض تھا توفیق الٰہی سے اسے ادا کرنے کی کوشش کررہا ہوں، خاندان، سوسائٹی نے جو کچھ میرے حوالہ کیا تھا میں نے اول دن ہی سے اس پر قناعت کرنے سے انکار کردیا تھا۔اور تقلید کی بندشیں کسی گوشے میں بھی روک نہ سکیں، اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ ادائیگی فرض کی توفیق دے۔ انسان کو یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہیے کہ وہ پیدا ہوا، اورا سے مرنا ہےاور مرکر پھر زندہ کیا جائے گا۔جس زمین پر ہم چلتے پھرتے ہیں اس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [57:17].

(سورۃ الحدید، آیت 17)۔

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں واضح کردی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**جعلنا لکم فیھا معایش** ''ہم نے زمین میں تمہارے لئے معیشت کے سارے سرو سامان مہیا کردیئے، لیکن کس طرح مہیا کئے، اس طرح کہ اگر چہ ہر چیز کے ہمارے پاس ذخیرے ہیں لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازے ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازہ اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی گئیں۔اور یہ جو مقررہ اندازہ کا نظام ہے یعنی تقدیر اشیاء کا تو یہی ہے جو مبتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی اور انضباط کے ساتھ ہر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ہوجاتا۔مولانا آزادؒ نے تفسیر سورۃ الفاتحہ میں ''نظامِ ربوبیت'' میں وضاحت کی ہے اس پر نظر ڈال لی جائے............

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا [18:7] **وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا** [18:8] .

(سورۃ الکھف، آیات 7 تا 8)۔

روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے ہم نے زمین کی خوشحالی کا موجب بنایا ہے اور اس لئے بنایا ہے کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں، کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے

(نابود کر کے) چٹیل میدان بنادیتے ہیں۔ یہ دنیا آزمائش گاہ عمل ہے، بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سارے جہاں کی سلطنت ہےاور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ [2:67] ۔

(سورۃ الملک، آیت 2)۔

جس نے موت اور زندگی (دونوں) اس لئے بنائیں کہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ کون تم میں سے بہتر عمل کرتا ہے (اور کون برے) اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے۔ دنیا میں مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ امتحان کے لئے ہے۔

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ [19:15] وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ [20:15] ۔

(سورۃ الحجر، آیات 19 تا 20)۔

اور دیکھو ہم نے زمین کی سطح پھیلا دی، (یعنی ایسی بنادی کہ تمہارے بچھے ہوئے فرش کی طرح ہوگئی) اور اس میں پہاڑ گاڑھ دیئے، نیز جتنی چیزیں اس میں اگائیں اور تمہارے لئے معیشت کا سامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لئے بھی کر دیا جن کے تم روزی مہیا کرنے والے ہیں۔ زمین کی نسبت تین باتیں ہیں، پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے۔ دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں۔ تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں سب ''موزوں'' ہیں۔

''موزون''، یعنی وزن کی ہوئی، اگر کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک کسی خاص اندازہ پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے میں تول لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے، پس ہر چیز کے موزوں ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرادیا ہے ہر چیز اپنی نوعیت اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جاسکتی، ممکن نہیں کہ گھانس کی ایک شاخ بھی ایسی اُگ آئے جو گھانس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو۔

طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت طرح طرح کی گھانسیں ہر طرف اُگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے اُگ رہی ہیں، لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگ، خوشبو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازہ پر نہ ہو، اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو، گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑلو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں، اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے، لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی، اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے

اور یہ اندازہ قطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے، اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتی، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے، ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے۔

''موزون'' میں تناسب واعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے، یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب واعتدال کی حالت رکھتی ہیں، کوئی شئے نہیں جو اپنی کمیت وکیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو۔

وہ پروردگار عالم جس نے تمہارے لئے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا۔ زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو، وہی خالق ورب ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی خالقیت اور ربوبیت کا یقین انسان کی فطرت میں ہے۔

یٰۤـاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [2:21] الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [2:22] .

(سورۃ البقرہ، آیات 21 تا 22)۔

اے افرادِ نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو (اس پروردگار کی) جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لئے پیدا کیا) تا کہ اس کی نافرمانی سے بچو، وہ پروردگار عالم جس نے تمہارے لئے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کر دیا، تم دیکھ رہے ہو کہ وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں، پس جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اسی کی ربوبیت تو ایسا نہ کرو کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک اور ہم پایہ بناؤ اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ [51:20] وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [51:21] وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ [51:22] .

(سورۃ الذاریٰت، آیات 20 تا 22)۔

اور ان لوگوں کے لئے جو سچائی پر یقین رکھنے والے ہیں خدا کی کارفرمائی کی زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں اور پھر تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب آسمان میں ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ [50:6] وَالْاَرْضَ

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ [7:50] تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ [8:50] وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ [9:50] وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ [10:50] رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ [11:50].

(سورۃ ق، آیات 6 تا 11)۔

کیا ان لوگوں نے کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کردی ہے پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں اور اس طرح زمین کو دیکھو کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا اور پہاڑ کے لنگر ڈال دیئے، پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگائیں، ہر اس بندے کے لئے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے، اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے۔ اور آسمان سے ہم نے بابرکت پانی نازل کیا پھر اس سے بہت سے باغ اور اناج پیدا کئے جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کئے جن پر خوشے گھٹے ہوئے ہیں، یہ سب کچھ بندوں کو رزق دینے کے لئے ہے اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندگی بخش دی اسی طرح (مردوں کا زندہ ہو کر قبروں سے) نکلنا ہوگا۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ [56:29] .

(سورۃ العنکبوت، آیت 56)۔

اے میرے بندو کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو، یقین کرو کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے میں تقسیم نہیں ہے پس میرے ہی آگے جھکو۔

یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو اس نے ہمیں عطا کی ہیں، جب سب اس کا اعتراف کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ شکر بھی اسی کا کیا جائے، اور اسی کے آگے سر بسجود ہوں اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں، میرے پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اور شکر بجالانے کا جذبہ ہی اس تحریر کا محرک بنا ہے، میرے پروردگار اسے قبول فرما۔

دنیا کی زندگی/ متاعِ غرور

سورۂ یونس کی آیت 24 میں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کی گئی، یہ بالکل ایسی ہے جیسے کاشتکاری کا معاملہ، آسمان سے پانی برستا ہے اور تمہارے کھیت لہلہانے لگتے ہیں، پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھتے ہو اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا

اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [10:24]

(سورۃ یونس، آیت 24)۔

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لئے غذا کا کام دیتی ہے اس سے شاداب ہو کر پھلیں پھولیں اور باہم دیگر مل گئیں۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے (سبزی اور لالی کے) سارے زیور پہن لئے اور (لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوشنما ہوگئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہو گیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔

دنیاوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں، تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ یہ ضرور ایسی ہی رہیں گی۔

اول تو دنیا کی زندگی ہی چند روزہ ہے پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں، پھر زندگی کے عیش و تمتع کی جتنی دلفریبیاں ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں، شام کو تھیں تو صبح کو نہیں۔ ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت و گمراہی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ انسان حق و راستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے۔ اور کس چیز کے بھروسے پر، اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر چند لمحوں کیلئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا، لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے۔ کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے۔ یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے اور وہ دنیا اور دنیا کی کامرانیوں سے نہیں روکتا، مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالانہ انہماک کی راہیں بند کر دینا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرورِ باطل ہے۔

زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا، صبح گئے یا شام گئے۔ سورۃ النازعات میں آتا ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا اس کا وقت بیان کرنے سے

آپ کا کیا واسطہ؟ اس کے علم کا منتہی تو تیرے رب کی جانب ہے۔ بس آپ ﷺ تو صرف اس کو خبردار کرنے والے ہیں جو اس قیامت سے ڈرتا ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا [79:46] .

سورۃ النازعات، آیت 46)۔

یہ لوگ جس دن اسے دیکھیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا گویا وہ دنیا میں دِن کا آخری حصہ یا ابتدائی حصہ ٹھہرے ہیں۔ انسان کو ایسا لگے گا کہ وہ صبح وشام سے زیادہ عرصہ دنیا میں نہیں رہا۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ [23:112] قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ [23:113] قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [23:114] اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ [23:115] فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ [23:116] وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ [23: 117] وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ [23:118] .

(سورۃ المؤمنون، آیات 112 تا 118)۔

ان سے کہا جائے گا تمہیں خیال ہے زمین میں کتنے برس تک رہے؟ وہ کہیں گے بس ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں بے شک وقت کا اندازہ نہیں) ان سے پوچھو جو گنتے رہے ہیں ان سے کہا جائے گا ہاں، تمہارا زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا۔ کاش تم نے یہ بات جانی ہوتی!۔ کیا تم خیال کرتے ہو، ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں۔ یہ اللہ کے بادشاہ حقیقی ہے۔ ایسی بات کرنے سے پاک وبلند ہے وہ کہ کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات۔ جہانداری کے تخت عزت کا مالک۔ اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا ہے تو اس کے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں اس کے پروردگار کے حضور اس کا حساب ہونا ہے۔ یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائیں گے۔

اور اے پیغمبر! تو کہہ۔ خدایا بخش دے، رحم فرما تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور دل لگی اور ایک دوسرے سے مال و دولت میں بڑھ جانے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ دنیا کی زندگی فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ

وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [20:57] .

(سورۃ الحدید، آیت 20)۔

خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری آرائش اور تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے پیدا ہونے والی نباتات کاشتکاروں کو خوش لگتی ہے، پھر وہ پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں تو سخت عذاب ہے اور (یا پھر) اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضا مندی ہے، اور دنیا کی زندگی تو محض ایک سرمایہ فریب ہے۔

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریب سود وزیاں لا الٰہ الا اللہ

اپنی زندگی کی فصل پک کر تیار ہو چکی ہے۔ کسی وقت بھی کاٹ لی جائے گی، آنے والے کل کی فکر ہے، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کامل، یقین صادق، دل ڈرنے والا، زبان ذکر کرنے والی، توبۃ النصوح اور موت سے قبل توبہ، اور موت کے وقت راحت، اور موت کے بعد رحمت اور مغفرت نصیب فرمائے۔ اور حساب کے روز کامیابی فرمائے۔ اصل کامیابی وہی ہے جو اس روز سرخرو کردے۔ دنیا کی کامیابیاں بھی عارضی اور ناپائیدار ہیں۔

جو زندگی تعلق باللہ سے خالی ہے وہ فانی خواہشات کے بہلانے کا کھیل ہے، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ آخرت کی زندگی تو اصل زندگی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ [5:35] .

(سورۃ فاطر، آیت 5)۔

اے لوگو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ اللہ کے بارے میں تمہیں بڑا دھوکے باز دھوکے میں ڈال دے۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [64:29] .

(سورۃ العنکبوت، آیت 64)۔

اور یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق مع اللہ سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے۔ اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، کاش وہ جانتے۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ [29:6] وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ

قَالَ اَلَیۡسَ ھٰذَا بِالۡحَقِّ قَالُوۡا بَلٰی وَ رَبِّنَا قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ [6:30] قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰہِ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً قَالُوۡا یٰحَسۡرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطۡنَا فِیۡہَا وَ ہُمۡ یَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَہُمۡ عَلٰی ظُہُوۡرِہِمۡ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ [6:31] وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَ لَلدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ [6:32].

(سورۃ الانعام، آیات 29 تا 32)۔

اورانہوں نے کہا زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں (مرکر) پھر اٹھنا نہیں اور اے انسان تو تعجب کرے اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اس وقت خدا ان سے پوچھے گا (تم مرنے کے بعد جی اٹھنے سے انکار کرتے تھے اب کے مرنے کے بعد جی اٹھے ہو بتلاؤ) کیا حقیقت نہیں ہے۔ یہ کہیں گے ہاں، ہمیں اپنے پروردگار کی قسم! اس پر خدا فرمائے گا تم جو (دنیا میں اس زندگی سے) انکار کرتے رہے ہو تو اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو۔ یقیناً وہ لوگ نقصان و تباہی میں پڑے جنہوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی ملاقات ہونے کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب (آنے والی گھڑی اچانک ان پر آجائے گی) یعنی موت کی گھڑی تو اس وقت کہیں گے، افسوس! اس پر جو کچھ ہم سے اس بارے میں تقصیر ہوئی، وہ اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔

سو دیکھو کیا ہی برا بوجھ ہوا جو یہ (پیٹھوں پر) لادرہے ہیں۔ اور دنیا کی زندگانی کا تو کچھ نہیں ہے مگر (ایک طرح کا) کھیل اور تماشا جو متقی ہیں ان کے لئے آخرت ہی کا گھر بہت ہے (افسوس تم پر!) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔

آیت 29 میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو آخرت کے قائل ہیں۔ پھر آیت 32 میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقل و بصیرت کبھی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتی، کیونکہ دنیا کی زندگی ایسی سریع و فانی ہے جیسے چار گھڑی کا کھیل تماشہ ہو، پھر یہ کیا تمام کارخانہ ہستی اسی لئے بنایا گیا ہے کہ چند دنوں تک کھیلو کودو اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے۔ دنیا کی زندگی کو لہو و لعب اس لئے کہا کہ اس کی مہلت چشم زدن میں ختم ہو جاتی ہے، نیز اس لئے کہ اگر نتائج و ثمرات عمل کے لئے کوئی دوسری زندگی نہ ہو تو جو کچھ ہے لہو و لعب سے زیادہ نہیں۔

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ فَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ [13:26].

(سورۃ الرعد، آیت 26)۔

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے (جس کی چاہتا ہے) نپی تلی کر دیتا ہے۔ لوگ دنیا کی (چندروزہ)

زندگی (اوراس کے عارضی فوائد) پر شادمانیاں کرتے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، محض تھوڑا سا برت لینا ہے۔

قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اس دنیا میں اپنے عیش وآرام کا زمانہ بہت ہی مختصر معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے دِن برزخی زندگی ایک گھڑی معلوم ہو۔ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشأۃ ثانیہ تک گزرتی ہے ایسا محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ۔ سورۃ المؤمنون کی آیت 112 اور سورۃ النازعات کی آخری آیت میں بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ [35:46] .

(سورۃ الاحقاف، آیت، 35)۔

پس اے نبی ﷺ جس طرح دوسرے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کرتے رہیے۔ اور ان کے لئے عذاب کی جلدی نہ کیجئے جس روز یہ لوگ اس چیز (عذاب) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو یوں خیال کریں گے گویا وہ دِن میں سے گھڑی بھر رہے ہوں گے۔ یہ قرآن مجید (اتمامِ حجت کی غرض سے) پہنچا دینا ہے، پس اب وہی لوگ تباہ کئے جائیں گے جو نافرمان ہیں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ [80:17] **مِنْ اَىِّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ** [80:18] **مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ** [80:19] **ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ** [80:20] **ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ** [80:21] **ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ** [80:22] **كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ** [80:23] .

(سورۃ عبس، آیات 17 تا 23)۔

غارت ہو جائے انسان! وہ کیسا منکرِ حق ہے، اس اللہ نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟۔ نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس کی تمام باطنی وظاہری قوتوں کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر (زندگی وعمل کی) راہ آسان کردی، پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کردے گا۔ ہرگز نہیں، اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا تھا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ [80:33] **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ** [80:34] **وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ** [80:35] **وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ** [80:36] **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ** [80:37] **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ** [80:38] **ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ** [80:39] **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ** [80:40] **تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ** [80:41] **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ** [80:42] (سورۃ عبس، آیات 33 کا 42)۔

انسان اگر اپنی اصل پر غور کرے کہ کیسی حقیر چیز سے پیدا ہوا ہے، ہم نے اپنی مہربانی سے اس میں حس وشعور پیدا کیا ہے اور عقل وادراک کی نعمتیں بخشی ہیں۔ مگر یہ سب نعمتوں کو فراموش کر کے ناسپاس بنا ہوا ہے۔

آخر کار جب کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی، اس دِن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے، اس دِن ہر شخص ایسے حال میں گرفتار ہوگا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہنستے اور خوش وخرم ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز گرد آلود ہوں گے، ان پر سیاہی چھا رہی ہوگی، یہی کافر اور بدکار لوگ ہوں گے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ [5:86] خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ [6:86] يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ [7:86] اِنَّهُ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ [8:86] يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ [9:86] فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ [10:86].

(سورۃ الطارق، آیات 5 تا 10)۔

پھر انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہ اس کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ جس روز کے تمام بھید آشکارا ہوں گے اور ان کی جانچ پڑتال ہوگی، اس دِن انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔

قرآن پاک کی ان آیات میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ خود اپنی ہستی پر غور کرے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے باپ کے جسم سے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومے اور ماں کے اندر سے نکلنے والے بکثرت بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب کر کے دونوں کو کسی وقت جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی مسلسل نگہبانی کرتا ہے وہی ذات اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔ نگہبان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو آسمان اور زمین کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز کی حفاظت کر رہی ہے۔ آیت 9 میں پوشیدہ اسرار سے مراد جن کے پیچھے خفیہ نیتیں اور خواہشیں کام کر رہی تھیں۔

یہ چندروزہ زندگی ہے، جو آنکھ کی جھپک میں گزر جاتی ہے پانی کا ایک بلبلہ ہے جو ہوا کے ایک جھونکے سے بیٹھ جاتا ہے۔ انسان ایک دِن تنکے چنتا رہتا ہے تو دوسرے دِن دیکھتا ہے کہ وہ راکھ کا ڈھیر ہے۔ اور تیز ہوا اسے اڑا کر لے جا رہی ہے، اے شمع تیری طبعی زندگی ایک رات ہے، چاہے تو اسے ہنس کر گزار، چاہے تو رو کر گزار۔

اصحابِ کہف تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک غار میں سوئے رہے، وہ جب غار سے اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَ لُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا [18:19] .

(سورۃ الکہف، آیت 19)۔

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے انہیں پھر اٹھا کھڑا کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا ہم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے، سب نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ پھر (جب ٹھیک ٹھیک مدت معلوم نہ کر سکے تو) بولے ہمارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کتنی دیر تک یہاں پڑے رہے ہیں، اچھا ایک آدمی کو یہ سکہ دے کر شہر میں بھیجو جا کر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ہے، اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے اور ہاں چپکے سے لائے کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے۔

اصحابِ کہف نے کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا۔ خبر ہوگئی اور یہ معاملہ لوگوں کے لئے تذکیر وعبرت کا موجب ہوا۔ فرمایا چند نوجوان تھے جنہوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے، ان کے پیچھے ظلم وستم کی قوتیں تھیں۔ سامنے غار کی تاریکی و وحشت تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔

صورتِ حال نے دو جماعتیں پیدا کر دی تھیں ایک اصحابِ کہف تھے ایک ان کے مخالف، یہ چند برسوں کی مدت دونوں پر گزری تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کس نے کمایا ہے اور کس نے کھویا ہے کون ان دونوں میں وقت کا بہتر اندازہ شناس تھا۔ واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم جماعت کے ظلم کی عمر بہت تھوڑی تھی بالآخر وہی راہ فتح مند ہونے والی تھی جو اصحابِ کہف نے اختیار کی۔ (تفصیلات کے لئے ترجمان القرآن ملاحظہ کیا جائے)۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ [2:259] .

(سورۃ البقرہ، آیت 259)۔

اور پھر اسی طرح اس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایسی بستی پر سے گزرا تھا جس کے مکان کی چھتیں گر چکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر در و دیوار کا ڈھیر تھا (یہ حال دیکھ کر) وہ بول اٹھا جس بستی کی ویرانی کا یہ حال ہے کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دے (یعنی دوبارہ آباد کر دے)۔ پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اس شخص پر سو برس تک موت

طاری کردی، پھر اس حالت سے اسے اٹھا دیا اور پوچھا کتنی دیر اس حالت میں رہے عرض کیا ایک دن تک یا ایک دن کا کچھ حصہ، ارشاد ہوا نہیں بلکہ سو برس تک، پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو، ان میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں اور اپنی (سواری کے) گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہے) اور (یہ جو کچھ کیا گیا) اس لئے کیا گیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھہرائیں (اور میرا علم ان کے لئے یقین وبصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (جسم کی) ہڈیوں پر غور کرو کس طرح ہم (ان کا ڈھانچہ بنا کر) کھڑا کر رہے ہیں اور پھر (کس طرح) اس (ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آجاتی ہے) پس جب اس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ بول اٹھا میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

بنی اسرائیل کے ایام ووقائع میں سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب کہ بیت المقدس بالکل ویران ومنہدم کر دیا گیا تھا۔ ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تین نبیوں حضرت دانیال، حضرت یحیٰ اور حضرت عزیر علیہم السلام کی دعوت سے تین بادشاہوں سائرس، دارا اور تخششت کے قلوب مسخر کر دیئے گئے جنہوں نے اس ہیکل کی تعمیر کی تھی، انہیں تین انبیاء میں سے کسی کو یہ معاملہ پیش آیا ہے ''فاماتہ اللہ مائۃ عام'' میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر وآبادی ٹھیک سو برس کے بعد ہوئی تھی۔

آدمی سو کر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا کتنی دیر سویا۔ یہی حال دوسری زندگی میں ہوگا۔ انسان اپنی پچھلی زندگی یاد کرے گا تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہے، ایک کہے گا ہفتہ عشرہ کی بات ہے، دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا کہے گا نہیں صرف ایک دِن کی بات ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی کم اندازہ کی تعبیر آئی ہے، ''**عشیۃً او ضحٰھا**'' یعنی صبح وشام سے زیادہ نہ رہے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا [20:102] **يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا** [20:103] **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْيَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا** [20:104] . (سورۃ طٰہٰ، آیات 102 تا 104)۔

وہ دن کہ نرسنگا پھونکا جائے گا، ہم مجرموں کو جمع کریں گے اور ان کی آنکھیں مارے دہشت کے بے نور ہوں گی، وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے ہم (اس حالت میں یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی درمیانی حالت میں) ہفتہ عشرہ سے زیادہ کیا رہے ہوں گے۔ یہ (اس دن) جیسی جیسی باتیں کریں گے ہم اس سے بے خبر ہیں۔ ان میں جو بہتر سراغ پر ہوگا وہ بول اٹھے گا نہیں ہم بہت رہے ہوں گے تو بس ایک دن (اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہو سکتی)۔

نوٹ :

لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور یہ چلا آتا ہے کہ نرسنگا پھونکا کرتے ہیں، آشوریوں، مصریوں، ہندوستانیوں،

ایرانیوں، چینیوں سب میں یہ طریقہ پایا گیا ہے۔۔اس لئے نرسنگا پھونکنے کا مطلب یہ ہوگیا ہے کہ جمع کرنے کی پکار بلند ہوئی۔تورات اورانجیل کی یہ عام اصطلاح ہےاورقرآن نے بھی جابجانفخ فی الصور کی ترکیب استعمال کی ہے۔

جب تمام انسانوں کواکٹھا کیا جائے گا تو اس وقت نوشتے لائے جائیں گے تو مجرم ہراساں ہوں گے اور بول اٹھیں گے افسوس ہم پر یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں۔

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا [18:47] **وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا** [18:48] **وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا** [18:49] .

(سورۃ الکہف،آیات 47 تا49)۔

اور(دیکھو) وہ آنے والا دِن جب ہم پہاڑوں کو چلادیں گے اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصل حالت میں ابھر آئی ہے۔اوراس وقت ہم تمام انسانوں کو اپنے حضور اکٹھا کردیں گے کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا ہو۔اوران کی صفیں ایک کے بعد ایک تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گی۔تب ان سے کہا جائے گا جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا،مگرتم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے اوراس وقت نوشتے لائے جائیں گے تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہراساں ہورہے ہیں۔وہ بول اٹھیں گے،افسوس ہم پر یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں۔بڑی ہو یا چھوٹی،سب نے اس کوضبط کرلیا ہے۔غرضیکہ جوکچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پائیں گے۔اورتمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔جوجس نے کیا ٹھیک ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا۔

پھر جو کچھ بھی ہو، دنیا کی یہ خوشحالیاں ہیں کیا؟محض چار گھڑی کی دھوپ،اس سے زیادہ انہیں قرارنہیں،اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی،آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اورلالیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ بہشت زار ہوجاتا ہے۔جس طرف نگاہ اٹھاؤ، پھولوں کا حسن و جمال ہے۔یادانوں اور پھلوں کا فیضان ونوال،لیکن پھراس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش ونوال کا کارخانہ تھا اچانک کسی عالم میں نظرآنے لگتے ہیں۔''**ھشیمًا تذروہ الریاح** ''بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑاکے منتشر کردیتے ہیں،کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں، بہت کام دیں گے تو چولہے میں جلنے کے لئے ڈال دیئے جائیں گے۔

وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ‌ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا [18:45] اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۚ وَ الۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيۡرٌ اَمَلًا [18:46] .

(سورۃ الکہف، آیات 45 تا 46)۔

اور (اے پیغمبر!) انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر (کیا ہوا) یہ کہ سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کے منتشر کر رہے ہیں اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں۔

مال و دولت اور آل و اولاد دنیاوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ ناپائیدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک باعتبار ثواب کے بہتر ہیں۔ اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے۔

انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی جدوجہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی۔

ا)...... دنیوی زندگی کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں تو ٹھیک ٹھیک ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔

ب)...... لیکن عارضی ہوتی ہیں، پائیدار نہیں، قدرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جونہی وہ پورا ہوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

ج)...... زمین ایک ہے، پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے، روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے۔ مگر پھل یکساں ہیں، فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ہے، مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے کوئی ناقص اور کوئی بالکل نکما۔ یہی حال دنیاوی زندگی کا بھی ہے زندگی ایک طرح کی ہے مگر ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں۔

د)...... عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ تم زمین میں کاشت کرتے ہو، لیکن کیوں کرتے ہو؟ دانے اور پھل کیلئے۔ پتوں اور شاخوں کے لئے نہیں، جب فصل پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہو جس میں تمہارے لئے نفع ہے، باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ہو جس میں نفع نہیں۔ یہی حال دنیاوی زندگی کا بھی ہے۔ فطرت نے وجودِ انسانی کی کاشت کی ہے اور اس لئے کی ہے کہ "ایکم احسن عملاً" کون درخت ہے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے، پس وہ پھل لے لیتی ہے باقی جو کچھ بچ جاتا ہے چھانٹ دیتی ہے، تم سوکھی شاخوں اور پتوں کو کیا کرتے ہو؟ چولہے میں جلاتے ہو۔ اس نے بھی ایک چولہا گرم کر رکھا ہے، اسی کا نام دوزخ ہے۔ (ترجمان القرآن)۔

آنے والا وقت

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [77:16] .

(سورۃ النحل، آیت 77)۔

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور (آنے والے) مقررہ وقت معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدتر، بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ [1:75] **وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ** [2:75] **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ** [3:75] **بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ** [4:75] **بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ** [5:75] .

(سورۃ القیٰمہ، آیات 1 تا 5)۔

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اس پاک روح کی قسم جو گناہ کرنے کے بعد انسان کو بہت ملامت کرتی ہے، کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے، کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور درست کرنے پر قادر ہیں، بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آئندہ بھی برے کام کرتا رہے اس لئے قیامت کا انکار کرتا ہے۔

يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ [6:75] **فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ** [7:75] **وَخَسَفَ الْقَمَرُ** [8:75] **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** [9:75] **يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ** [10:75] **كَلَّا لَا وَزَرَ** [11:75] **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ** [12:75] **يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ** [13:75] **بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ** [14:75] **وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ** [15:75] .

(سورۃ القیٰمہ، آیات 6 تا 15)۔

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ جب نظر پتھرا جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا، اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے، اس وقت انسان کہے گا اب کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ہرگز نہیں کہیں پناہ نہ ملے گی، اس روز تیرے رب ہی کے حضور ٹھہرنا ہوگا، اس روز انسان کو سب اگلے پچھلے اعمال جتلا دیئے جائیں گے، بلکہ انسان کا وجود خود اس کی (کج اندیشیوں) کے خلاف ایک حجت ہے۔ اگر چہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تلاش کر لے۔

قرآن پاک میں نفس انسانی کی تین صفات مذکور ہیں۔ ایک وہ جو انسان کو برائی پر اکساتا ہے اس کا نام نفس

امارہ ہے دوسرا وہ نفس جو غلط کام کرنے پر انسان کو ملامت کرتا ہے اس کا نام نفس لوامہ ہے تیسرا وہ جو صحیح راہ اختیار کرنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے۔اس کا نام نفس مطمئنہ ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر جو بات بیان کی ہے وہ مذکور نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد اللہ دوبارہ زندہ کرے گا۔

نصیحت/ وصیّت

جب کسی باپ کو اپنی اولاد کو نصیحت کرنی ہو، تو اس کے لئے بھی قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کرے۔لقمان کی شخصیت ایک حکیم دانا کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہے۔سورۃ لقمان میں دوسرے رکوع کی آیت 12 پر غور وفکر کریں۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ وَ مَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ [12:31] **وَ اِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَ ہُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ** [13:31].

(سورۃ لقمان، آیات 12 تا 13)۔

بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہ، اور جو شکر گزار ہوگا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر کرتا ہے۔اور جس نے ناسپاسی کی تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو، بلاشبہ مشرک بڑا ہی ظالم ہے۔فرمایا............

وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَہۡنًا عَلٰی وَہۡنٍ وَّ فِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡلِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ [14:31] **وَ اِنۡ جَاہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡہُمَا وَ صَاحِبۡہُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ** [15:31].

(سورۃ لقمان، آیات 14 تا 15)۔

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کو دودھ چھوٹنے میں لگے اس لئے ہم نے اسے تاکید کی ہے کہ اے انسان تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہ، میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے''۔اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے ساتھ شریک ٹھہرا جس کے معبود ہونے کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ

اچھا برتاؤ کرتا رہ اور اس شخص کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع ہو۔ پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں تمہیں آگاہ کردوں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے"۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں............

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ [31:16] يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [31:17] وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ [31:18] وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ [31:19] .

(سورۃ لقمان، آیات 16 تا 19)۔

اے میرے بیٹے ! کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا ایمان میں ہو یا وہ زمین میں ہو تو اللہ اس کو بھی لا حاضر کرے گا، بے شک اللہ نہایت باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

اے میرے بیٹے ! صلوٰۃ الٰہی کو قائم رکھ، نیکی کا حکم کر، برائی سے روک اور اس فرض احتساب کے ادا کرنے میں جو جو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں ان پر صبر کر، یہ بڑے ہی پختہ ارادے اور اعلیٰ درجے کا کام ہے۔ اور لوگوں سے بے رخی کا برتاؤ نہ کر اور نہ زمین پر متکبرانہ انداز سے چلا کر، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اے میرے بیٹے ! اپنی چال میں اعتدال سے کام لو، اور آواز کو پست رکھ، بلاشبہ سب آوازوں سے بری گدھے کی آواز ہے۔ اسی سورۃ کی آیت 33 میں افرادِ نسل انسانی کو مخاطب کر کے فرمایا گیا............

يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ [31:33].

(سورۃ لقمان، آیت 33)۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، اور اس دن سے ڈرو جبکہ باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آ سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے گا، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔ اور نہ دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔

اب پوری آیت کو ایک دفعہ پڑھ کر اس پر غور کریں............

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (103)۔

(سورۃ آلِ عمران، آیت 103)۔

اور (دیکھو) سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ، اللہ نے جو تمہیں نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو، تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے۔ تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو (ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا (اور زندگی و کامرانی کے میدانوں میں پہنچا دیا) اللہ اس طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تا کہ تم (منزل مقصود کی) راہ پالو۔

انسان کی بدنی زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے تمہارے ماں باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری ہے، فرمایا اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ۔ محبت ایمانی کی آزمائش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے، کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہوسکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے۔ (آیت 24 سورۃ التوبہ میں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر غور کرو گے تو جس ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے علائق کی گہرائیوں کی قدرتی ترتیب ہی ہے)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [49:11] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ [49:12].

(سورۃ الحجرات، آیات 11 تا 12)۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ دین کے مقدس رشتے کی بناء پر سب مسلمان بھائی بھائی ہیں ان میں باہم نفاق و شقاق پیدا کرنے والی برائیوں سے منع فرمایا ہے، کسی مسلمان پر طعن کرنا اس کا مذاق اڑانا برے نام سے پکارنا، بدظنی اور بدگمانی رکھنا، کسی کے راز ٹٹولنا اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا، غیبت کرنا اور غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق کوئی قابل اعتراض بات کرنا وغیرہ معاشرتی برائیاں ہیں جن سے قرآن مجید نے نصاً منع فرمایا ہے، یہ بھی یاد رہے کہ تمام انسانی برادری ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی ہے اور وطن و قومیت کا تعصب ان کے لئے تباہ کن ہے۔ قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد انسانی برادری پر رکھی ہے اور نسلی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا۔ قوموں اور برادریوں کی تقسیم محض

تعارف کا ذریعہ ہے۔فرمایا............

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[3:102] .

(سورۃ آلِ عمران،آیت 102)۔

مسلمانو!اللہ سے ڈروایساڈرنا جو واقعی ڈرنا ہےاور دیکھو دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ضروری ہے کہ ان طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو،اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہِ ہدایت پا کر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ایمان کا اقرار کرلو، بلکہ اصلی چیز ایمان کا جماؤ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ[3:100] .

(سورۃ آلِ عمران،آیت 100)۔

مسلمانو!اگر تم اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کاربند ہو گئے تو یاد رکھو نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں راہِ حق سے پھرادیں گے اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کو مرتے ہوئے اپنی اولاد کو یہی وصیّت کرنی چاہیے کہ وہ دین اسلام پر مضبوطی سے جم جائیں اور اللہ کی رسی (قرآنِ حکیم) کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں،مل جل کر رہیں، جدا جدا نہ ہو جائیں۔اللہ نے جو ہمیں نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [3:103] .

سورۃ آلِ عمران،آیت 103)۔

مسلمانوں کو اس آیت میں یہ نعمت یاد دلائی گئی ہے کہ انصارِ مدینہ اوس و خزرج ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے اسلام نے انہیں بھائی بھائی بنادیا۔بھائی بھائی کا رشتہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔

بے شک اس روز اہلِ جنت مزے کرنے میں مشغول ہوں گے،وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور جو وہ طلب کریں گے ان کے لئے حاضر ہوگا۔ رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔

فَلاَ يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ [36:76] أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ [36:77] وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ [36:78] قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ [36:79] الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ [36:80] أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ [36:81] إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ [36:82] فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ [36:83] .

(سورۃ یٰسین، آیات 76 تا 83)۔

(سوائے نبی ﷺ) ان کی باتیں آپ کے لئے موجب رنج نہ ہوں، بلاشبہ جو کچھ یہ ظاہر کر رہے ہیں اور جو کچھ چھپا رہے ہیں ہم سب جانتے ہیں۔ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر نا گہاں وصریح جھگڑالو بن گیا اور ہماری شان میں مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے ان ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے اور (دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کی اور اب تم اس سے (اپنے چولہوں کی) آگ سلگا لیتے ہو۔ اور کیا جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پیدا کر دے کیوں نہیں! وہ ماہر خلاق ہر چیز کو جاننے والا ہے، پس اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جاوہ فوراً ہو جاتی ہے پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

نوٹ :

کن فیکون سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ ذات اقدس عربی کا لفظ کن (ہوجا) کہنے کا محتاج ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کی مشیت ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ الصمد ہے، سب اس کے محتاج ہیں، **سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اقوامِ عالم کی امامت ملی تھی، انہوں نے مکہ میں عبادت گاہ کعبہ تعمیر کی۔ اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی، مشیت الٰہی میں اس ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا، جب وہ وقت آ گیا تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا اور ان کی تعلیم وتزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہوگئی، اس امت کو نیک ترین امت ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا اور اقوامِ عالم کی تعلیم اس کے سپرد کی گئی، اس کی روحانی ہدایت کا مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہوسکتا تھا۔

چنانچہ اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بار آور ہو گیا ہے اور نیک ترین امت تم ہی ہو۔ جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ فرمانبردار ہو جا تو وہ پکار اٹھا تھا میں اس کے حکموں کا فرمانبردار ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی وصیت ذیل کی آیت میں ملتی ہے۔

وَ وَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [132:2] .

(سورۃ البقرہ، آیت 132)۔

اور پھر اس طریقہ کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور (اس کے پوتے) یعقوب نے اپنی اولاد کو کی تھی، انہوں نے وصیّت کی تھی انہوں نے کہا اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لئے اس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمائی ہے تو دیکھو دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمہ ہو (یعنی فرمانبردار)۔ فرمانِ الٰہی ہے............

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ [95:3] .

(سورۃ آلِ عمران، آیت 95)۔

(اے پیغمبر!) ان سے کہو، اللہ نے سچائی ظاہر کر دی پس (اگر تمہارے دِلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے تو چاہیے کہ) ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کی ہو رہنا ہے اور یقیناً ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [133:2].

(سورۃ البقرہ، آیت 133)۔

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی، اور اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا، میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا، اس خدائے واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے کی ہے اور ہم اس کے حکموں کے فرمانبردار ہوئے۔

ہم سب کو یہی وصیّت اپنی اولاد کو کرنی چاہیے۔ قرآنِ حکیم کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآنِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو دین، دنیا اور آخرت کی فوز وفلاح نصیب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھے۔ میں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سفر آخرت آسان کر دے اور مرتے دم تک دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھے اور مرتے ہوئے ہمارے کانوں میں یہ میٹھا میٹھا رس گھول دے کہ......

اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً [28:89] فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ [29:89] وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ [30:89] .

(سورۃ الفجر، آیات 28 تا 30)۔

اے نفس مطمئنہ! تم اپنے رب کی طرف اس طرح چلو کہ تم اس سے راضی ہو اور وہ تم سے راضی، پھر شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔ توحید، رسالت اور معاد پر ہمارا پختہ ایمان ہونا چاہیے، مشرکین مکہ حضور ﷺ سے پوچھتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ قیامت کا وعدہ آخر کب پورا ہوگا۔ فرمایا............

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ [34:31] .

(سورۃ لقمان، آیت 34)۔

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ کہ حاملہ عورتوں کے رحموں میں ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی، بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب باتوں کو جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)..................

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ قیامت کا وعدہ آخر کب پورا ہوگا۔ یہ لوگ صرف ایک ہولناک عذاب کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو آ پکڑے گی جب یہ لوگ اپنے دنیاوی معاملات میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔ پھر اس وقت نہ وصیت ہی کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ہُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ [51:36] قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ؔ ہٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ [52:36] اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ [53:36] فَالۡیَوۡمَ لَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا وَّلَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ [54:36]

(سورۃ یٰسین، آیات 51 تا 54)۔

اور ایک صور میں پھونکا جائے گا تو یکا یک یہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے، کہیں گے، ہائے خرابی ہماری، ہم کو کس نے ہماری خواب گاہوں سے اٹھا دیا۔ (جواب دیا جائے گا) یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔ بس وہ اک ہی زور کی آواز ہوگی جس سے وہ یکا یک ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے، اس روز کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور تم کو صرف انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

اس روز ہم ان کے مونہوں پر مہریں کر دیں گے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں ان کے ہاتھ بولیں گے اور

پاؤں گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹا دیں پھر یہ راستے کی طرف دوڑیں لیکن وہ اس کو کہاں سے دیکھ سکیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے مقام پر ہی اس طرح مسخ کر دیں کہ یہ لوگ آگے نہ چل سکیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔

سورۃ یٰسین کا دوسرا اور تیسرا رکوع پڑھیں، اس میں پتہ چل جائے گا کہ قیامت کب آئے گی۔ اس روز مجرموں کو کہا جائے گا کہ اے مجرمو! تم آج مومنوں سے الگ ہو جاؤ اے اولادِ آدم کیا ہم نے تم سے اس کا عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت، پرستش، پوجا سے باز رہو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ صرف ہماری ہی عبادت کرو، یہی ہدایت کی حقیقی راہ ہے مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے گروہ کثیر کو گمراہ کر دیا تو کیا تم سمجھتے نہ تھے۔ اب یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا۔

رزق اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا [17:30] وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا [17:31] .

(سورۃ بنی اسرائیل، آیات 30 تا 31)۔

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی، وہ اپنے بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔ اور (دیکھو) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو، ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں، انہیں ہلاک کرنا بڑے ہی گناہ کی بات ہے۔

وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا [17:70] .

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 70)۔

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔ اور خشکی وتری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لئے مہیا کر دیں، نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی، پوری پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیے۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ [16:73] .

(سورۃ النحل، آیت 73)۔

یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان وزمین سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ انہیں کسی بات کا مقدور ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ [9:116] .

(سورۃ التوبہ، آیت 116)۔

وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ کوئی تمہارا رفیق وکارساز ہے نہ مددگار۔

اس آیت میں جسمانی موت وحیات کا ذکر نہ ہے، پس مقصود یہ ہے کہ نجات وبخشش کا رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح اجسام موت وحیات اس کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت وشقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور اسی کے حکم سے مقصود اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں، ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے، اور کسی کی شقاوت کی اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آسکتی۔

هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [10:56] .

(سورۂ یونس، آیت 56)۔

وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی ہے۔

ایک مقام پر آتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے باوجودیکہ ایک برس پہلے جنگ احد کا زخم کھا چکے تھے۔ سو یاد رکھو! ان میں جو لوگ نیک کردار ہیں اور متقی ہیں یقیناً ان کے لئے اللہ کے حضور بہت بڑا اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے تم سے جنگ کرنے کے لئے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کرلیا۔ پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو، اور مقابلے کے لئے باہر نہ نکلو، لیکن بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا وہ بے خوف وخطر ہو کر بول اٹھے، ہمارے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اس کا کارساز ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [3:175] .

(سورۃ آلِ عمران، آیت 175)۔

یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔

سورۃ مائدہ کی آیت 44 میں ہے کہ بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کے نبی جو احکام الٰہی کے فرمانبردار تھے۔ اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔ نیز ربی اور احبار یعنی یہودیوں کے علماء ومشائخ بھی اسی پر کاربند رہے کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔ اور اس کے حکموں اور ہدایتوں پر گواہ تھے، پس اے گروہِ یہود!''فلا تخشوا الناس واخشون''(سورۃ المائدہ، آیت 141 کا جزو)۔

(یعنی اے گروہ یہود اتباع حق کی راہ میں) انسانوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیتوں کو دنیاوی فائدے کے لئے سستے داموں فروخت نہ کرو، یاد رکھو جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو کافر ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آیات 7 سے لے کر 13 تک میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ دشمنوں کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم وعداوت کی انتہا نے کس طرح اس اعلانِ جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا۔ فرمایا ان کی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں تو ایک مومن کو زندہ نہ چھوڑیں۔ اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کیا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان دائمی خطرہ میں چھوڑ دیئے جاتے۔ دفاعی جنگ بھی انتقام کے خیال سے یا دنیاوی انتفاع وتغلب کے لئے نہیں ہے، بلکہ محض اس لئے ہے کہ ارباب ظلم وتشدد اپنی بدکرداریوں سے باز آ جائیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناگزیر حالت سے زیادہ ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا۔ فرمایا....................

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[13:9] .

(سورۃ التوبہ، آیت 13)۔

مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیان کی قسمیں توڑ ڈالیں، جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے بنائے اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مؤمن نہیں کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہوا ہو۔

میں یہاں اس باب میں قارئین کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ میں موت ہے، اور مومن سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے والا ہے، فرمایا............

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا [3:25] .

(سورۃ الفرقان، آیت 3)۔

اور لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرا لئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، اور جو اپنے لئے کسی قسم کے نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتے، اور نہ کسی کی موت اور زندگی اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

''کیا ہی پاک و برکتوں کا سرچشمہ ہے ذات اس کی جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ دنیا جہاں کے لئے ڈرانے والا ہو، وہی خدا جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ و جہاندار ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کی جہانداری میں کوئی شریک نہیں اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں، پھر ہر چیز کے لئے اس کی ضرورت اور حالت کے مطابق ایک اندازہ ٹھہرا لیا، وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں موت ہے''۔

ارشادِ ربانی ہے..................

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى [132:20] .

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے۔ اور اس پر مضبوطی سے جم جا۔(سورۃ طٰہٰ، آیت 132)۔

ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں رکھتے۔ تو ہم سے سائل ہے، ہم رزق بخشنے والے ہیں۔ اور انجام کار تقویٰ ہی کے ہاتھ ہے۔

زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو۔ اللہ ہی ہے جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے، جس کی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ [31:10].

(سورۃ یونس، آیت 31)۔

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو، وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ روزی دیتا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ یہ (فوراً) بول اٹھیں گے کہ اللہ پس تم کہو، اگر ایسا ہی ہے تو پھر (انکارِ حق کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں!۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [6:11]

(سورۃ ہود، آیت 6)۔

اورزمین میں چلنے والا کوئی جانورنہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہواور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے۔

اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَقۡدِرُ ‌ؕ وَ فَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَ مَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ [26:13] .

(سورۃ الرعد، آیت 26)۔

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے جس کی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے، لوگ دنیا کی (چندروزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فوائد پر) شادمانیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، محض تھوڑا سا برت لینا ہے۔

وَ جَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ [20:15] .

(سورۃ الحجر، آیت 20)۔

اورتمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا۔ اوران مخلوقات کے لئے بھی کر دیا جن کے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو۔

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ رزق بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کا رزق چاہے کشادہ کر دے اور جس کا چاہے اس کی روزی نپی تلی کر دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، نہ تو کوئی موت قریب لاسکتا ہے اور نہ رزق دور کرسکتا ہے، پھر ڈر کس کا ہے۔ حق سچ بات کہنے سے کیوں ڈرتے ہو، سچ کہنے والے ہمیشہ اللہ کی حفاظت میں رہے ہیں، وہ اپنے بندوں کی خود نگہداشت کرتا ہے، ساری دنیا اکٹھی ہو کر بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو خدا کے محترم گھر کے پاس لا بسایا تھا اور دعا مانگی تھی............

رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَ ارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ [37:14] .

(سورۃ ابراہیم، آیت 37)۔

اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے اور خدایا اس لئے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ محترم گھر عبادت گزارانِ توحید سے خالی نہ رہے) بس تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دِل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور

ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کردے تا کہ (بے آب و گیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضروریات معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکرگزار رہوں۔

ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ سے چاہیے۔تمہارا پروردگار اس کارزارِ ہستی کی کارفرمائیوں کے لئے جو فوجیں رکھتا ہے ان کا حال اس کے سوا کون جانتا ہے۔قرآنِ حکیم میں سورۃ المدثر آیات 32 سے 38 تک پر غور و فکر کریں، فرمایا..................

كَلَّا وَالْقَمَرِ [74:32] وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ [74:33] وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ [74:34] اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ [74:35] نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ [74:36] لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ [74:37] كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ [74:38].

سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی، پس قسم ہے رات (انتظار) کی جب وہ ختم ہونے لگے اور صبح (نتائج) کی جب وہ روشن ہو جائے کہ دنیا کے عظیم الشان واقعات میں سے یہ ایک واقعہ ہے اور آنے والے نتائج وحوادث سے انسان کوڈرانے والا ہے۔البتہ یہ انہی کے لئے ہے جو تم میں سے نظر عبرت رکھتے ہیں اور جن کا دماغ فہم وتدبر کے لئے متحرک رہتا ہے یعنی جو تم میں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں۔ایک ہی خیال پر منجمد نہیں پتھر کی طرح، ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔مگر داہنے ہاتھ والے جنت میں ہوں گے۔

پوچھیں گے ایک دوسرے سے مجرموں کے متعلق، پھر گنہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور بیہودہ بکنے والوں کے ساتھ ہم بھی بکواس کرتے تھے۔اور ہم روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے۔حتیٰ کہ ہم پر موت آ پہنچی اللہ کی شان یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ ڈرنے والوں کو بخش دے۔پھر رزق کے ڈر سے سچ کہنے سے کیوں زبان بند کی جائے۔وہ بے آب و گیاہ زمین میں بسنے والوں کو بھی رزق مہیا کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بعض اولاد کو دنیا کے ایسے گوشہ میں جا کر بسایا تھا جو انسانی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا، ایک بے آب و گیاہ ریگستان جہاں درند بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! انہیں سامان رزق مہیا کردے۔اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیداواریں جو کسی سرسبز و شاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر زمین میں مہیا ہو گئیں، حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی کہ خدایا اس ویرانے کو آباد کر دیجیو، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہو گیا کہ تمام عرب اور اطراف عرب (یعنی ساری دنیا) کے سالانہ اجتماع کا

مرکز بن گیا۔

وَهُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [23:80] **بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ** [23:81] **قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** [23:82] **لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** [23:83] .

(سورۃ المؤمنون، آیات 80 تا 83)۔

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دِن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟۔ نہیں انہوں نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پچھلے کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورہ ہو گئے تو پھر کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے، کچھ نہیں پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ [32:10] **قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ** [32:11] . (سورۃ السجدہ، آیات 10 تا 11)۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل کر فنا ہو گئے تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں، آپ ﷺ فرما دیجئے کہ موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا پورا اپنے قبضہ میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

کفار یہ بات انکار و تعجب کے انداز سے کہتے کہ مٹی میں مل کر فنا ہو جانے کے بعد کیا از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ مگر وہ اس بات پر غور نہ کرتے کہ موت تو روح کے جسم سے الگ ہونے کا نام ہے اس سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ روح انسانی دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اسے آخرت میں نیا جنم دے دیا جائے گا۔ اور وہ جزا و سزا سے دوچار ہو گی۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [23:84] **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** [23:85] **قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ** [23:86] **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** [23:87] **قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** [23:88] **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ** [23:89] **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** [23:90].

(سورۃ المؤمنون، آیات 84 تا 90)۔

(اے پیغمبر!) ان منکروں سے کہہ دے، اچھا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ، زمین اور وہ تمام مخلوقات جو اس میں ہیں

کس لئے ہیں وہ فوراً کہیں گے اللہ کے لئے تو کہہ پھر کیا ہے کہ تم غور وفکر نہیں کرتے تو ان سے پوچھ وہ کون ہے جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار ہے اور (جہانداری کے) عرش عظیم کا مالک ہے وہ (فوراً) کہیں گے یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے۔ تو کہہ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (شرک وانکار کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔

تو ان سے پوچھ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو۔ وہ (فوراً) کہیں گے یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں، تو کہہ پھر یہ کیا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سچائی انہیں جتلا دی اور یہ اپنے (انکار وادعا میں) قطعاً جھوٹے ہیں۔ آیت 80 کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا ایک بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے، اس پر غور کرو، فرمایا..................

وَهُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [23:80] **بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ** [23:81] **قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** [23:82] **لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** [23:83] . (سورۃ المومنون، آیات 80 تا 83)۔

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دِن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ نہیں انہوں نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پچھلے کہہ چکے ہیں انہوں نے کہا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورہ ہو گئے تو پھر کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے۔ کچھ نہیں پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں۔

یہاں ''**اختلاف الليل والنهار**'' کہہ کر اس قانون ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن ازواج سے تعبیر کرتا ہے۔ جس گوشہ میں دیکھو گے ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی ثنی بھی ضرور موجود ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [51:49] .

(سورۃ الذاریات، آیت 49)۔

اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی دو دو اور متقابل اشیاء پیدا کیں) شاید تم غور وفکر کرو۔ قرآنِ حکیم نے آخرت کے وجود کا اذعان جن جن دلائل سے کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے دنیا کی ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی ثنی یا متقابل وجود ضرور رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی کے لئے بھی کوئی متقابل وثنی زندگی ہو، دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ سورۃ الشّمس میں فرمایا............

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا [91:1] **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا** [91:2] **وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا** [91:3] **وَالَّيْلِ اِذَا**

يَغۡشٰهَا [91:4] **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا** [91:5] **وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا** [91:6] **وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا** [91:7] **فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا** [91:8] **قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا** [91:9] **وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا** [91:10] .

(سورۃ الشّمس، آیات 1 تا 10)۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی حرارت و نورانیت اور چاند جو اس کے بعد ضیاء گستر ہوتا ہے۔ روزِ روشن جو رات کی تاریکی کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ رات کی ظلمت جو دِن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے۔ آسمان کی اور اس کی عجیب و غریب بناوٹ، زمین اور اس کا حیرت انگیز پھیلاؤ، پھر مادّہ عالم کے ان تمام مظاہر و شیون کے بعد روح انسانی اور وہ قادر مطلق جس نے اس پر ایسی مناسب، موزوں، مستقیم اور عادلہ فطرت صالحہ رکھی، بالآخر خیر و شر حق و باطل، صحت و سقم، عدل و اسراف، نور و ظلمت دونوں راہوں کو اس پر کھول دیا۔ بس اب کامیاب وجود وہ ہے جس نے اپنی **قوت محتسبہ** کے عمل سے اپنی فطرت صالحہ کو بالکل پاک اور بے امیزش رکھا اور نامراد انسان وہ ہے جس نے اسے ضائع کر دیا۔

قرآن کا استدلال یہ ہے کہ اگر کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے، مثلاً نر کے لئے مادہ، مرد کے لئے عورت، رات کے لئے دن، صبح کے لئے شام، مثبت کے لئے منفی، زندگی کے لئے موت، تکوین کے لئے افساد، جس گوشہ میں بھی دیکھو گے ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی ثنی بھی ضرور موجود ہے، پھر تمہیں اس بات پر کیوں تعجب ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی نمود بھی اکہری نہیں ہے دوہری ہے اور دنیاوی زندگی کے لئے بھی ایک ثنی ہے۔ اس کا نام آخرت ہے۔ جس حقیقت کو تم بیس بھیسوں میں دیکھتے ہو اور پہچانتے رہتے ہو اسی کو اکیسویں بھیس میں دیکھ کر کیوں چونک اٹھتے ہو۔ اسی لئے اوپر سورۃ المومنون کی آیت 80 کا خاتمہ ''**افلا تعقلون**'' پر ہوا کیونکہ اس معاملہ میں خطاب تعقل سے تھا اور وہی مفقود ہو جاتی ہے۔

اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [27: 64] .

(سورۃ النمل، آیت 64)۔

اچھا بتاؤ، وہ کون ہے جو مخلوق کی پیدائش شروع کرتا ہے، پھر اسے دوہراتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو آسمان اور زمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ اے پیغمبر ان سے کہو اگر تم اپنے (رویے میں) سچے ہو۔ (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو۔

اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَ يَقۡدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ [29:62] **وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ**

لَا یَعۡقِلُوۡنَ [63:29] **وَ مَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِیَ الۡحَیَوَانُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ** [64:29] .

(سورۃ العنکبوت، آیات 62 تا 64)۔

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو تنگ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز کے حال سے باخبر ہے۔ اور اگر آپ ﷺ ان سے دریافت کریں کہ کس نے آسمان سے تدریجاً پانی برسایا اور اس کے ذریعہ مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے وہ اللہ ہی ہے آپ ﷺ کہیے سب تعریف اللہ ہی کے لئے، لیکن اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے اور یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق باللہ سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے۔ اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، کاش وہ جانتے۔

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٭ۖ اَللّٰهُ یَرۡزُقُهَا وَ اِیَّاکُمۡ ۫ۖ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ [60:29] .

(سورۃ العنکبوت، آیت 60)۔

کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی ان کو رزق پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے ان آیات پر بار بار غور کریں۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ [56:29] **کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ** [57:29] .

(سورۃ العنکبوت، آیات 56 تا 57)۔

اے میرے بندو! کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو یقین کرو کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے میں تقسیم نہیں ہے، پس میرے ہی آگے جھکو اور میری ہی بندگی کرو، ہر متنفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آیت 56 میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب عبادت الٰہی کے لئے حالات ناسازگار ہیں تو قوم و وطن کو چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ جہاں خدا پرستی کے لئے حالات سازگار ہوں۔ یہ خویش واقرباء اور وطن تو آخر ایک دن چھوڑنا ہی ہے، موت آئے گی تو سب کچھ دھرا رہ جائے گا۔ اس کے بعد ان مومنین کو خوشخبری سنائی ہے جو مشکلات و مصائب کے باوجود ایمان پر قائم رہے اور فرمایا کہ ہجرت کرنے میں فکر روزگار سے بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے۔

اِنَّـمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [29:17].

(سورۃ العنکبوت، آیت 17)۔

تم اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کی پرستش کر رہے ہو اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو اور یہ واقعہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے، سو تم اللہ ہی سے روزی طلب کرو، اسی کی بندگی کرو، اسی کا شکر ادا کرو، تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [30: 37]

.

(سورۃ الروم، آیت 37)۔

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

اس کے بعد آیت 38 میں مسلمانوں کو حقوق معاشرہ کی طرف متوجہ کیا کہ جب یہ سب نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں تو انہیں چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے قرابت داروں، مساکین اور مسافروں کے حقوق ادا کرو، اور ریا کاری سے دولت کی افزائش نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ ایک ایسا عمل ہے جس سے دنیا و آخرت میں انسان کو دوہرا اجر ملے گا۔

وَيَـرْزُقْـهُ مِـنْ حَيْـثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا [65:3] .

(سورۃ الطلاق، آیت 3)۔

اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے (کچھ ملنے کا) اسے خیال تک نہ ہو اور جس نے اللہ پر بھروسہ کیا سو اللہ کی اعانت ونصرت اس کے لئے بس کرتی ہے بےشک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔اگر خدائے رحمٰن اپنی روزی روک لے تو کوئی دوسرا روزی نہیں دے سکتا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ [67:21] .

(سورۃ الملک، آیت 21)۔

یا پھر کون ہے جو تمہیں روزی دے اگر خدائے رحمٰن اپنی روزی روک لے۔ دراصل یہ کافر تو سرکشی اور حق سے گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔اس آیت سے پہلے کی آیات میں ہے(فرمایا اللہ تعالیٰ نے) کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پر کھولے اور سمیٹتے ہوئے اڑتے نہیں دیکھا۔انہیں الرحمٰن کے سوا کون تھامے ہوئے ہے۔ اللہ کی نظروں سے کوئی چیز مخفی

نہیں۔لوگو! بھلا (خدائے) رحمٰن کے سوا کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر (مصیبت کے وقت) تمہاری مدد کرے۔(بلاشبہ) کافر تو نرے (شیطان کے) فریب میں پڑے ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ [30:40] .

(سورۃ الروم، آیت 40)۔

اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا۔ پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو، پاک ہے وہ ذات اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ [31:28] .

(سورۃ لقمان، آیت 28)۔

تم سب کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک متنفس کو پیدا کرنا اور دوبارہ جلا اٹھانا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں انسان کے ساتھ جنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اور دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتیں یاد دلا کر فرمانبرداری کے بہتر نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اور نافرمانی کے بد انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ ماسوا اللہ کے سب کا فانی ہونا، آخرت میں محاسبہ، نافرمانوں کا انجام وغیرہ یہ سب باتیں ایک خاص اسلوب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اسے مافی الضمیر پر بھی قدرت بخشی ہے۔ اور اسے دوسری مخلوق پر برتری اور اخلاقی حس عطا کی ہے۔ آیت 4 میں اسی کا ذکر ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ [55:10] **فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ** [55:11] **وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ** [55:12] **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** [55:13] .

(سورۃ الرحمٰن، آیات 10 تا 13)۔

اور اسی مخلوقات کے لئے زمین کو بنایا جس میں بکثرت میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور اس زمین میں بھوسہ والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں۔ سوائے جن و انس کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ [106:3] **الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ** [106:4] .

(سورۃ قریش، آیات 3 تا 4)۔

ان کو چاہیے کہ اس خانہ خدا (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے انہیں امن دیا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَ اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[34:24] .

(سورۃ سبا، آیت 24)۔

آپ ﷺ ان سے پوچھیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون روزی دیتا ہے آپ ﷺ فرمایا دیجیے کہ وہ اللہ ہے، اور بلاشبہ ہم یا تم راہِ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّىْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ[34: 39] .

(سورۃ سبا، آیت 39)۔

آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ اس کی جگہ تمہیں اور عطا فرمادے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ[35:3] .

(سورۃ فاطر، آیت 2 تا 3)۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ جس کسی کو جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ اپنی رحمت کا دروازہ بندوں پر کھول دے تو کوئی نہیں جو اسے بند کر سکے۔ اور اگر اس کا دروازہ رحمت بند ہو جائے تو کوئی نہیں جو اسے کھول سکتا ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے☆ اے افرادِ نسلِ انسانی اللہ تعالیٰ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیضیاب کیا ہے ان پر غور کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں سے رزق دے رہا ہے، نہیں کوئی معبود مگر اس کی ذات، تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [39: 52].

(سورۃ الزمر، آیت 52)۔

اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے

شک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ [42:12].

(سورۃ الشوریٰ، آیت 12)۔

آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں، وہ جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بلاشبہ وہی ہر چیز سے پوری طرح واقف ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ وَهُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ [42:19]

(سورۃ الشوریٰ، آیت 19)۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کسی کو جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور بڑے غلبے والا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى [53:42] وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى [53:43] وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحۡيَا [53:44] وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰى [53:45] مِنۡ نُّطۡفَةٍ اِذَا تُمۡنٰى [53:46] وَاَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡاَةَ الۡاُخۡرٰى [53:47] . (سورۃ النجم، آیات 42 تا 47)۔

اور یہ کہ آخر کار تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی موت دیتا ہے اور زندگی بخشتا ہے۔ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دو قسمیں پیدا کرتا ہے۔ نطفے سے جب وہ رحم مادر میں ٹپکا جاتا ہے اور یہ کہ دوسری بار پیدا کرنا اسی کے ذمہ ہے۔

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ [57:2] .

(سورۃ الحدید، آیت 2)۔

آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے، وہی زندگی عطا فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

سورۃ الانعام کی آیات 151 تا 154 پر غور کریں، جن چیزوں کو تم نے اپنے اوہام وخرافات سے حرام سمجھ رکھا ہے فی الحقیقت وہ حرام نہیں ہیں، حرام تو وہ اعمال واشیاء ہیں جو حقیقت وراستی کے خلاف ہیں اور جن سے خدا کے تمام پیغمبروں نے متفقہ طور پر نوعِ انسانی کو روکا ہے۔ مشرکین مکہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتا کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ ہی انہیں بھی روزی دیتا ہے اور اللہ ہی سب کو رزق دینے والا ہے۔ فرمایا.....................

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا

اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاهُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ[6:151] .

(سورۃ الانعام، آیت 151)۔

(اے پیغمبر!) ان سے کہو آؤ میں تمہیں کلام الٰہی میں پڑھ کر سنادوں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں روزی دیتے ہیں، اور انہیں بھی دیں گے۔ اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، کھلے طور پر ہوں یا چھپی ہوں، اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے، ہاں یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

اگلی آیات کا ترجمہ لکھ رہا ہوں تاکہ وضاحت ہو جائے، ان آیات کا بھی رزق اور موت سے تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ لوگوں کے لئے ہدایت ورحمت ہو اور وہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

''اور اس طرح یتیموں کے مال کی طرف نہ بڑھو (یعنی اس میں تصرف کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو)۔ الا یہ کہ اچھے طریقے پر ہو، (یعنی ان کے فائدے اور نگہداشت کے لئے نگہبانی کرنی چاہو) یہ بھی اس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں اور انصاف و دیانت کے ساتھ ماپ تول پورا کرو، ہم کسی جان پر اس کی مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمہارے بس میں ہے انصاف اور دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ معاملہ اپنے قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ نصیحت پکڑو''۔

''اور اس نے بتلایا ہے کہ (خدا پرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھہرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمہیں تتر بتر کر دیں۔ یہ بات ہے جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ''۔

''پھر دیکھو ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی کہ جو کوئی نیک عمل ہو اس پر اپنی نعمت پوری کر دیں۔ اور ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دیں اور لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہوتا کہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ (**بلقاء ربهم یؤمنون**)''۔

افراد کی طرح جماعتوں کی موت وحیات کے لئے بھی مقررہ قوانین ہیں اور ان کے احکام اٹل ہیں۔

وَ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ[7:34] . (سورۃ الاعراف، آیت 34)۔

اور (دیکھو) ہر امت کے لئے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے۔سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت آ گیا تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے اور نہ ایک گھڑی آ گے (جو کچھ اس کے لئے ہونا ہے ہو گزرتا ہے)۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطہ پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' اور فرمایا............

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ [51:57] اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ [51:58].

(سورۃ الذاریات،آیات 57 تا 58)۔

میں ان سے رزق کی خواہش نہیں کرتا اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں بے شک اللہ تعالیٰ خود ہی رزاق،صاحب قوت اور زبردست ہے۔فرمایا............

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ [62:11] .

(سورۃ الجمعہ،آیت 11)۔

اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشہ ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ان سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

آیات 9 تا 11 کا تعلق نماز جمعہ سے ہے، جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کو حرام قرار دیا گیا ہے، اذان سنتے ہی نہایت مستعدی سے جمعہ کیلئے آنا واجب ہے آیت میں ''دوڑنے'' کا لکھا ہے اس سے مراد نہایت اہتمام کے ساتھ آنا ہے۔

نوٹ :

یہود نے ہفتہ کا دِن عبادت کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔اور نصاریٰ نے اپنے اجتہاد سے اتوار کا دِن مقرر کیا کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس دن حضرت عیسیٰؑ قبر سے نکل کر آسمان پر چلے گئے تھے۔پھر 321ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعہ اتوار کو عام تعطیل کا دِن قرار دے دیا اسلام نے ان دونوں سے الگ جمعہ کا دِن اجتماعی عبادت کے لئے خاص کیا۔

قرآنِ مجید نے ہر مقام پر آسمان و زمین میں قدرت کی پھیلی ہوئی نشانیوں کو پیش کیا ہے، جس میں خود انسان کی پیدائش اور حیوانات کی افزائش کا سلسلہ، رات دن کا اختلاف اور آسمان سے بارش کے ذریعہ انسانی غذا کا انتظام سبھی داخل ہیں۔تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو پھر اس پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی۔فرمایا..................

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ [45:5] .

(سورۃ الجاثیہ، آیت 5)۔

اس طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں اور اس سرمایہ رزق میں جسے وہ آسمان سے برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور ہواؤں کے ردّ و بدل میں اربابِ دانش کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ [3:190] الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [3:191].

(سورۃ آلِ عمران، آیات 190 تا 191)۔

بلاشبہ آسمان و زمین کی خلقت میں اور رات دن ایک کے بعد آئے رہنے میں اربابِ دانش کے لئے (معرفت حق کی بڑی ہی نشانیاں ہیں وہ اربابِ دانش جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، لیکن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں (اس ذکر و فکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ پکار اٹھتے ہیں خدایا یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا ہے۔ یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بیکار کام اس سے صادر ہو۔ خدایا ہمیں عذابِ آتش سے بچا لیجیو۔

سورۃ آلِ عمران کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کریں............

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ [3:27] .

(سورۃ آلِ عمران، آیت 27)۔

ہاں تو وہی ہے کہ رات کو دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے۔ اور جسے چاہتا ہے (اپنے خزانہ کرم سے) بے حساب بخش دیتا ہے۔

اسی سورۃ آل عمران میں حضرت مریمؑ کا تفصیل سے ذکر آتا ہے، میں صرف دو آیتیں لکھ رہا ہوں جو مضمون زیر بحث کی مزید وضاحت کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔

فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ کَفَّلَھَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ

بِغَيْرِ حِسَابٍ [3: 37] .

(سورۃ آلِ عمران، آیت 37)۔

پس ایسا ہوا کہ مریم کو اس کے پروردگار نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کرلیا اور ایسی نشوونما دی جو بڑی ہی اچھی نشوونما تھی۔ (یعنی اس کی پرورش بہتر سامانوں اور نیک نگرانیوں میں ہوئی) اور زکریا کو (کہ ہیکل کا مجاور تھا) اس کا نگران حال بنادیا۔

جب کبھی ایسا ہوتا کہ زکریا اس کے پاس محراب میں (یعنی قربانگاہ میں) جاتا (جہاں وہ سرگرم عبادت رہا کرتی تھی، تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتا اس پر وہ پوچھتا ''اے مریم! یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں۔ وہ کہتی اللہ سے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ آیت 38 سورۃ النور میں فرمایا............

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [24: 38] .

اس لئے کہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ دے (اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) اپنے فضل سے ان کا اجر اور زیادہ کردے۔ وہ جسے دینا چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

بلاشبہ مال و دولت میں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت سے رکھے ہیں۔ اسی طرح منصب نبوت سے سرفرازی سراسر اللہ کی رحمت ہے اور یہ ہر لحاظ سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور اس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو دو مرکزی شہروں مکہ اور طائف میں کسی بڑے سردار پر یہ کلام نازل کردیتا۔ یہ بات کہنے والے وہ لوگ تھے جو اوّل تو کسی بشر کی رسالت کے قائل ہی نہ تھے اور پھر جب مجبور ہو کر انہیں قائل ہونا پڑا تو انہوں نے دوسرا رُخ اختیار کرلیا کہ بشر ہی رسول سہی مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیے۔ مالدار اور جتھے والا ہو، بہرحال محمد بن عبداللہ ﷺ اسکا اہل نہیں۔ قرآن مجید نے سورۃ الزخرف کی آیات میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے............

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ [43: 31] اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ [43: 32] وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فَضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ [43: 33] وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا

وَّ سُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ [34:43] وَزُخۡـرُفًـا وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ [35:43].

(سورۃ الزخرف، آیات 31 تا 35)۔

اورانہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کردی اور ایک کوکئی درجے دوسرے پر بلند کیا تا کہ ایک دوسرے کواپنے کام میں مدد کے لئے لے سکیں۔

اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے سب چیزوں سے جو وہ سمیٹتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہوجائیں گےتو ساز وسامان دینا تو ہمارے یہاں اس درجہ حقیر وذلیل ہے کہ منکرانِ حق اور پرستارانِ دنیا ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور چاندی ہی کی سیڑھیاں ہوتیں جن پر چڑھ کر وہ چھت پر پہنچتے اور چاندی ہی کے دروازے ہوتے اور چاندی ہی کے تخت جن پر وہ تکئے لگا کر بیٹھتے اور یہ تو مثال کے لئے چاندی کی قید لگائی گئی سمجھ لو کہ چاندی نہیں بلکہ یہ سب کچھ خالص سونے ہی کا بنا دیا جاتا لیکن پھر بھی یہ سامان اس دنیا کی زندگی کے چندروزہ فائدے کے ہیں اورآخرت کی کامیابی تو اللہ تعالیٰ کے پاس صاحبانِ ارتقاء وحق (متقیوں) کے لئے ہے۔

مال ودولت معیارِفضیلت نہیں ہے۔انسان کوآزمائشوں سے گزارا جاتا ہے انسان کی خلقت میں جلد بازی اور تعجیل کارفرماہے،اگرکوئی خوشی حاصل ہوتی ہے توسمجھتا ہے کہ خدا میرے ساتھ ہےاوراگر مشیّت الٰہی کسی ابتلاومصیبت میں ڈال دیتی ہےتومایوس ہوجاتا ہے کہ خدانے مجھے چھوڑ دیا............

فَـاَمَّـا الۡاِنۡسَـانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰـهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۵ فَـيَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَكۡرَمَنِ [15:89] وَاَمَّـآ اِذَا مَا ابۡتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ فَـيَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَهَانَنِ [16:89].

(سورۃ الفجر، آیات 15 تا 16)۔

انسان کا حال تو یہ ہے کہ جب اس کا پروردگاراس کے ایمان کو(اس طرح) آزماتا ہے کہ اسے دنیا میں عزت اورنعمت عطا فرماتا ہےتو وہ فوراً خوش ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پروردگار میرا اعزاز واکرام کرتا ہے اور جب اس کے ایمان کوکسی آزمائش میں ڈال کراس طرح آزماتا ہے کہ رزق اس پر تنگ کردیتا ہے(یعنی مصیبت میں ڈال دیتا ہےتو معاً مایوس ہوکر) کہنے لگتا ہے کہ میرا پروردگار تو مجھے ذلیل کررہا ہےاور میرا کچھ خیال نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہرگزنہیں بلکہ تم لوگ یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور نہ ہی مسکین کوکھانا کھلانے پر ایک دوسرے کواکساتے ہو۔اور میراث کا سارا مال سمیٹ کرکھا جاتے ہو۔اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

ایک شخص کے پاس بہت دولت ہے۔اس کی ضرورتوں سے بہت روپیہ بچ رہتا ہے۔دوسرے انسان محتاج

ہیں، ان کی حالت کی اصلاح کی ضرورت ہے، مگر وہ شخص اپنے خزانے مقفل رکھتا ہے اور خدا کے بندوں کے لئے خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے کچھ نکالنا نہیں چاہتا (تو یہ فساد ہے) سورۃ القصص میں ہے کہ ایک دفعہ قارون کی قوم نے اس سے کہا تو اترا مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی تلاش کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور اے قارون انسانوں پر احسان کر۔ جیسا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین پر فساد نہ پھیلا۔ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ قارون کا جواب ملاحظہ ہو۔ اور اس کا جو حشر ہوا اس پر بھی غور وفکر کرو۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَکْثَرُ جَمْعًا وَ لَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ [28:78].

(سورۃ القصص، آیت 78)۔

قارون نے جواب دیا............

”مجھ کو یہ سب کچھ اس علم کی وجہ سے ملا ہے جو مجھ کو حاصل ہے“۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ قوموں میں سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے زیادہ اور مال جمع کرنے میں اس سے بڑھ کر تھے، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق پوچھا نہیں جاتا۔ چنانچہ ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا تو ان لوگوں نے جو دنیاوی زندگی کے طالب تھے حسرت کھائی کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے وہ کیسا بڑا نصیب والا ہے۔ مگر جو لوگ صاحب علم وسعادت تھے انہوں نے کہا یہ کون سی چیز ہے جس کے لئے حسرت کر رہے ہو، صد افسوس تم پر، اصل نعمت تو اللہ تعالیٰ کا وہ بدلہ ہے جو صالحوں کو ان کے اعمال کا ملتا ہے۔ اور خدا کے مومن وصالح بندوں کے لئے وہی سب سے بڑی چیز ہے“۔

صلحاء کا دِل حرص وطمع سے خالی ہوتا ہے۔ رشک وحسد سے انہیں نفرت ہوتی ہے وہ جزائے اخروی کے آگے دنیوی دولت کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا کَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ [28:81] .

(سورۃ القصص، آیت 81)۔

آخر کار ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر نہ تو کوئی ایسا گروہ تھا جو اس کی (قارون کی) مدد کر کے اللہ سے بچا لیتا اور نہ ہی وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔ اب وہی لوگ جو کل اس کے ہم مرتبہ ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے............

وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ لَوۡ لَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ [82:28] تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُہَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًاوَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ [83:28] .

(سورۃ القصص،آیت 82 تا 83)۔

’’اے افسوس! اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ افسوس! واقعی بات یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔

یہ آخرت کا گھر صرف ان ہی لوگوں کے لئے بنائے گے جو نہ تو خدا کی زمین میں برائی اور سرکشی کرنا چاہتے ہوں اور نہ ہی زمین کا فساد انہیں پسند ہو۔ اور انجام کا ر انہی لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہیں‘‘۔

وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ [27:42].

(سورۃ الشوریٰ، آیت 27)۔

اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے ایک مناسب اندازے سے اتارتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

رزق بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، موت بھی اللہ کے حکم سے آتی ہے، جو جماعت موت سے ڈرتی ہے وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کرسکتی۔ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثرت تعداد کے جہاد سے اعراض کیا تھا، فرمایا............

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ ہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَہُمُ اللّٰہُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡیَاہُمۡ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ [243:2] .

(سورۃ البقرہ، آیت 243)۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے مگر (دِلوں کی بے طاقتی کا یہ حال تھا کہ) موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے، اللہ کا حکم ہوا (تم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو تو دیکھو) اب تمہارے لئے موت ہی ہے (یعنی ان کی بزدلی کی وجہ سے دشمن ان پر غالب آ گئے) پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں زندہ کر دیا (یعنی عزم وثبات کی ایسی روح ان میں پیدا ہوگئی کہ دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور فتح مند ہوئے) یقیناً اللہ انسان کے لئے بڑا ہی فضل وبخشش رکھنے والا ہے لیکن (افسوس انسان کی

غفلت پر اکثر آدمی ایسے ہیں جو ناشکری کرنے والے ہیں۔

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [2:244] .

(سورۃ البقرہ، آیت 244)۔

اور (دیکھو) اللہ کی راہ میں (لڑائی پیش آ جائے تو موت سے نہ ڈرو، بے خوف ہو کر لڑو) اور یقین کر و اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

فرمایا کہ راہِ جہاد میں مال خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے............

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ [2:245] . (سورۃ البقرہ آیت 245)

کون ہے جو انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے اور خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تا کہ خدا اس کا قرض دو گناہ، سہ گنا زیادہ کر کے ادا کر دے (یعنی مال حقیر راہِ خدا میں خرچ کر کے دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کر لے) اور باقی رہا تنگ دستی کا خوف جس کی وجہ سے تمہارا ہاتھ رک جاتا ہے تو یاد رکھو تنگی و کشائش دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے اور اسی کے حضور تم کو لوٹنا ہے۔

انساب

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا [1:4] .

(سورۃ النساء، آیت 1)۔

اے افرادِ نسل انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرو، وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا۔ (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی اور اس طرح تن تنہا ایک مورثِ اعلیٰ کی نسل نے خاندانوں، قبیلوں اور بستیوں کی شکل اختیار کر لی اور رشتوں، قرابتوں کا بہت بڑا دائرہ ظہور میں آ گیا) پس (دیکھو) اللہ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر (مہر و الفت کا) سوال کرتے ہو، نیز قرابت داری کے معاملہ میں بے پرواہ نہ ہو جاؤ، یقین رکھو کہ اللہ تم پر (تمہارے اعمال کا) نگران حال ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی۔ دوسری یہ ہے کہ نفس واحدہ سے مقصود حضرت آدمؑ ہیں۔ اور

خلق منها زوجها سے حوا۔ ہم نے تفسیر مندرجہ متن کو اس لئے ترجیح دی کہ آگے چل کر نکیر کے ساتھ فرمایا ہے وبث منها رجالا کثیرا و نساء حالانکہ اگر مقصود حضرت آدمؑ ہوتے تو ہونا یہ چاہیے تھا وبث منهما جميع الرجال والنساء۔ (ترجمان القرآن جلد اوّل)۔

حکمت الٰہی کی یہ بڑی ہی کارفرمائی ہے کہ اس نے انسان کی پیدائش اور معیشت کا نظام کچھ اس طرح کا بنادیا کہ پہلے ایک فردِ واحد سے وہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کی نسل سے بے شمار افراد پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ہر فرد کی نسل سے الگ الگ سلسلے قائم ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سلسلے پھیلتے ہیں اور رفتہ رفتہ خاندانوں، قبیلوں، گروہوں اور بستیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس صورت حال نے افراد کے باہمی اجتماع واتحاد کے لئے صلہ رحمی یعنی نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے۔ اور سوسائٹی کا نظام اسی پر قائم ہے۔ اگر اس رشتے کے مؤثرات نہ ہوتے تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی۔ یہ رشتہ باہمی الفت، ومساعدت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ملائے رکھتا ہے۔

پس نظام معاشرت کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ صلہ رحمی کے حقوق خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں جو شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتا اور ظلم ومعصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔ (اقتباس)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [49:13].

(سورۃ الحجرات، آیت 13)۔

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ۔ ورنہ دراصل یہ تفریق وانشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں۔ اور امتیاز وشرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔

تمام انسانی برادری ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی ہے اور وطن وقومیت کا تعصب ان کے لئے تباہ کن ہے۔ اس لئے انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ تمام انسانوں کو یکساں نظر سے دیکھا جائے اور سب سے یکساں سلوک کیا جائے خصوصاً مسلم معاشرت کو ان خرابیوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

جاہلیت میں ترجیح وبرتری کی بنیاد نسلی امتیازات پر تھی۔ قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد ''انسانی برادری'' پر رکھی اور نسلی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا اور فرمایا کہ قوموں اور برادریوں کی یہ تقسیم محض تعارف کا ذریعہ ہے اور اسے اسی حد تک باقی رہنا ضروری ہے۔ لیکن اکرام واعزاز، پرہیزگاری اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

سورۃ الحجرات میں بتایا گیا کہ دین کے مقدس رشتے کی بنا پر سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور ان میں باہم

نفاق و شقاق پیدا کرنے والی برائیوں سے منع فرمایا ہے۔ کسی مسلمان پر طعن کرنا، اس کا مذاق اڑانا، بُرے نام سے پکارنا، بدظنی اور بدگمانی رکھنا کسی کے راز ٹٹولنا اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنا خصوصاً حکمران طبقہ جب لوگوں کے عیب تلاش کرنے لگ جائے تو معاشرہ میں باہم اعتماد کی فضاء قائم نہیں رہتی۔

اسی طرح غیبت کرنا، اور غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق کوئی قابلِ اعتراض بات کرنا وغیرہ معاشرتی برائیاں ہیں جن سے قرآن مجید نے قطعاً منع فرمایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعے پر خطبہ دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مسلمانو! تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ مہینہ اور یہ دن با حرمت ہے۔ (ابن کثیر)۔

ذات پات اور برادریوں میں بٹی ہوئی قوم کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ تمام نوع انسانی آدم کی اولاد ہے اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

آگے قارئین ہمارے خاندانی حالات پڑھیں گے تو انہیں بتانا یہ ضروری ہے کہ اس سے کسی فخر کا اظہار نہیں ہے صرف اپنا تعارف مقصود ہے۔ ہر قسم کی بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو زیب دیتی ہے۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [53:12] .
(سورۃ یوسف، آیت 53)۔

میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے۔ (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ میں دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔

الٰھی من مدح الیک نفسه فانی لائم نفسی
اخرست المعاصی لسانی فمالی وسیلة
من عمل ولا شفیع سوی الامل

الٰہی جو کوئی اپنے نفس کی مدح کرتا ہے (وہ کرتا رہے) میں تو اپنے نفس کی ملامت کرنے والا ہوں۔ گناہوں نے میری زبان کو گونگا کر دیا ہے۔ میرے پاس نہ کوئی وسیلہ ہے اور نہ ہی میری کوئی سفارش کرنے والا ہے، صرف ایک امید ہے جو تیری ذات اقدس سے وابستہ ہے، (تیرے فضل پر بھروسہ کرتا ہوں)۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ [6:84] فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ [7:84] فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا [8:84] وَیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَھْلِهٖ مَسْرُوْرًا [9:84] وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَھْرِهٖ [10:84] فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا [11:84] وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا [12:84] اِنَّهٗ کَانَ فِیْٓ اَھْلِهٖ مَسْرُوْرًا

[84:13] اِنَّهٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ يَّحُوۡرَ [84:14] بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيۡرًا [84:15] .

(سورۃ الانشقاق، آیات 6 تا 15)۔

اے انسان! تحقیق تو محنت کرنے والا ہے اپنے رب کی طرف (لہٰذا) تو خوب محنت کر کہ تو اس سے ملنے والا ہے۔ سو جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا۔ رہا وہ شخص کہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے اہل وعیال میں مگن رہا کرتا تھا۔ اس نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ پلٹ کر نہیں جائے گا۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ [84:16] وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ [84:17] وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ [84:18] لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ [84:19] .

(سورۃ الانشقاق، آیات 16 تا 19)۔

شفق اور اس کے لالہ زاروں کی قسم، رات اور اس کے پر کیف نظاروں کی قسم، چاند کی قسم جب الہلال سے ماہ کامل بن جائے۔ (چاند جب اس کی روشنی پوری ہو) تم سب ایک امر مقدر کے ماتحت ہو ضرور ہے کہ انقلاب لیل ونہار کے ان مراتب ثلاثہ کی طرح تم بھی یکے بعد دیگرے منازل تغیر وتبدل سے گزرو۔ (الہلال 11 نومبر 1914ء صفحہ 17)۔

حسب ونسب کام آنے والے نہیں، مال و دولت اور آل و اولاد دنیاوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں، نجات کا دارومدار ایمان وعمل صالح پر ہے۔ قیامت کے روز کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيۡرٌ اَمَلًا [18:46]. (سورۃ الکہف، آیت 46)۔

مال و دولت اور آل و اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چندروزہ اور ناپائیدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک باعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے۔

ہمارا تعارف اللہ تعالیٰ نے خود یوں کرایا ہے کہ............

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ [7:11] .

(سورۃ الاعراف، آیت 11)۔

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری (یعنی نوعِ انسانی کی) شکل وصورت بنا دی، پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس کہ جھکنے والوں میں

سے نہ تھا۔

ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔ مسجود ملائکہ ہیں۔ ہمارے باپ کے آگے فرشتوں جیسی مخلوق نے سجدہ کیا تھا۔ ہمارا شجرہ نسب حضرت آدمؑ سے ملتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''**کلکم بنو آدم و آدم من تراب**''تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے، سب ایک طرح پیدا ہوتے ہیں اور ایک طرح مر کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ سب کے جسموں کے اندر جو خون گردش کر رہا ہے اس کا رنگ سرخ ہے۔

وہ گمراہ قومیں جو مشرک ہیں اور ذات پات پر ایمان رکھتی ہیں ان کے نزدیک یہ تفریق پائی جاتی ہے کہ ان میں کچھ لوگ دیوتا کے منہ سے اور کچھ پاؤں سے پیدا ہوئے۔ اصل میں وہ اپنا بلند مقام کھو بیٹھے ہیں۔ شجر انسانیت کی شاخوں میں اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔ اس کے تنا کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی۔ ہم نے کبھی اس غیر فطری تقسیم کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب انسان برابر ہیں اور ان کی نسل ایک ہی ہے۔ یہ لوگ رنگوں اور وطنوں کے اختلاف میں اپنی شناخت کھو بیٹھے ہیں۔ میں نے کبھی دو چار صدیوں کے بارے میں تاریخی مواد تلاش کرنے کی جستجو نہیں کی کہ ہمارے آباؤ اجداد کب کشمیر آئے تھے۔

ہمارے مغلوں نے جب کشمیر فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا تھا وہ اس وقت آئے تھے یا جب انگریزوں نے ہندوستان فتح کر کے مغل شہزادوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اس وقت مغلوں کی یہ نسل جان بچانے کے لئے مختلف اطراف میں پھیل گئی تھی اور جس جگہ اسے پناہ ملتی تھی وہاں جا کر آباد ہو گئی تھی۔ مجھے اس کی تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔

مغل بھی دوسری قوموں کی طرح حضرت آدمؑ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں، قرآن حکیم نے ہم سب کو اس طرح یاد دلایا ہے کہ پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی پھر اس کی صورت بنی، پھر وہ وقت آیا کہ آدمؑ کا ظہور ہوا، اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ آدمؑ کی سرگزشت کی تاریخ تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے۔ کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار سال پہلے بابل اور مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا۔

یاد رہے کہ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دیں ہیں، ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے۔ نوع انسانی کی ابتدائی پیدائش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہم اپنے وسائل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی روشنی اس بارے میں حاصل نہیں کر سکے۔ اور اس لئے ضروی ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں۔

سورۃ الاعراف میں ہے کہ ''فرمایا، یہاں سے نکل جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو (یعنی شیطان کے ورغلانے

اور حضرت آدمؑ کے درخت کا پھل چکھنے کی لغزش اور ان کے ستر کھل جانے اور انہیں برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی اور وہ باغ کے پتے اوپر تلے رکھ کر جسم پر چپکانے لگے تو پروردگار نے پکارا تھا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا اور کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

تو آدمؑ نے عرض کیا تھا پروردگار ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں تو اس وقت فرمایا تھا کہ یہاں سے نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو) اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں سروسامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے۔تم اسی میں جیو گے اسی میں مرو گے پھر اسی سے مرنے کے بعد نکالے جاؤ گے۔مندرجہ ذیل آیات میں اولادِ آدم سے خطاب ہے............

قَالَ فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ وَ فِیۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَ مِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ [7:25] یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَ رِیۡشًا وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِكَ خَیۡرٌ ذٰلِكَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّكَّرُوۡنَ [7:26] یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّیۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ یَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا اِنَّهٗ یَرٰىكُمۡ هُوَ وَ قَبِیۡلُهٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [7:27] (سورۃ الاعراف،آیات 25 تا 27)۔

اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس مہیا کر دیا جو جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب وزینت کا ذریعہ ہیں۔نیز تمہیں پرہیز گاری کی راہ دکھا دی کہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے یہ (اللہ کے فضل ورحمت) کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تا کہ لوگ نصیحت پذیر رہوں"۔اور خدا نے فرمایا............

یابنی آدم (اے اولادِ آدم) دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا۔اور ان کے لباس اتروا دیئے تھے کہ ان کے ستر انہیں دکھا دے، وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے یابنی آدم کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ایک بار پھر ملاحظہ کریں کہ"**کلکم بنی آدم و آدم من تراب** "کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں ہے۔معیارِ فضیلت رنگ و وطن نہیں ہے بلکہ تقویٰ، پرہیز گاری اور خدا ترسی پر ہے افضل وہ ہے جس کا کردار بلند ہے، یہ ذات پات، یہ نسل (اور وہ بھی چند صدیوں کی) یہ برادری، یہ وطن کی بنیاد پر تقسیم انسانیت دشمنی ہے۔ساری دنیا ہمارا وطن ہے اور ساری نوع انسانی ہمارا گھرانا ہے۔ہمارے لئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہوسکتا ہے کہ ہم پیغمبر زادے ہیں۔ہمارا باپ ، ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام تھے اور وہ پیغمبر تھے۔

اس تمام تذکرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام پیغمبروں نے نوعِ انسانی کے مختلف عہدوں میں کس بات کا پیغام پہنچایا تھا وہ بات ایک ہی تھی ان سب کا پیام ایک ہی تھا اور وہ یہی تھا کہ ''ان هٰذه امتكم امة واحدة ''تم سب ایک ہی امت ہو۔(سورۂ انبیاء کی آیت 92 تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے)......

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ [21:92].

(سورۃ الانبیاء، آیت 92)۔

(ان تمام رسولوں کے ذریعے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ یہی تھی کہ) تم سب کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا (تن تنہا) پروردگار ہوں پس چاہیے کہ میری بندگی کرو (اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو) مگر لوگوں نے آپس میں اختلاف کر کے اپنے (ایک ہی) دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان جمع ہو گیا، توحید امت ، توحید ربوبیت ، توحید دین وعبادت ۔ اور یہی تین توحیدیں دعوتِ قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہی کی صدا بلند کرتا ہے اور انہی پر اپنی تعلیم وتذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے۔

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افرادِ انسانی کی کثرت وانتشار کے پردے میں اس کی وحدت چھپی ہوئی ہے اسے نہ بھولو۔ تمہاری نسل، تمہارا وطن، تمہاری بولیاں کتنی ہی الگ الگ ہو گئی ہوں مگر تم سب ایک ہی نسل انسانی کا گھرانا ہو اور تمہارا گروہ اصل میں ایک ہی گروہ ہے۔ توحید ربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ تم نے کتنے ہی مختلف نام رکھ لئے ہوں، کتنی ہی مختلف عبادت گاہیں بنا رکھی ہوں کتنے ہی مختلف تصور گڑھ لئے ہوں مگر تمہارے پیدا کئے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہوسکتی۔ جس طرح تم سب کا گروہ ایک ہی ہے اسی طرح تمہارا پروردگار بھی ایک ہی ہے۔ اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

توحید عبادت سے مقصود یہ ہے کہ جب گروہ ایک ہی گروہ ہے اور پروردگار ایک ہی پروردگار، تو دین بھی ایک ہی ہونا چاہیے، وہ ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ اسی ایک کی بندگی کرو، اور اس راہ میں مختلف ومتفرق نہ ہو جاؤ۔

پھر ایک آیت کے اندر صاف صاف واضح کر دیا کہ نجات وسعادت کا قانون کیا ہے؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروہوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات وسعادت کیا ہے۔ فرمایا، وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی ہے کہ ''فمن **يعمل من الصالحات وهو مومن فلا كفران لسعيه** ''نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں۔ ایمان اور اعمالِ صالح۔ جس انسان نے نیک عمل کئے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا تو اس کی سعی کبھی رائیگاں جانے والی نہیں۔ ضروری

ہے کہ مقبول ہو۔ ''فمن'' کے زور پر غور کرو، یہودی کہتے تھے ''کونوا ھودًا'' نصاریٰ کہتے تھے ''کونوا انصاری'' قرآن کہتا ہے نہیں ''فمن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا کفران لسعیہٖ'' کوئی ہو لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان و عمل کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنا اجر ضرور پائے گا۔ ''و انا لہٗ'' کا ثبوت یہ ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ہے۔ ہم اس کا ایمان و عمل لکھ دینے والے ہیں پھر کون ہے جو اسے رائیگاں ٹھہرا سکتا ہے، دنیا کا ہر انسان ٹھہرا دے لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا۔ (اقتباس)۔ قارئین نوٹ کرلیں کہ اکثر اقتباسات ترجمان القرآن سے لئے گئے ہیں۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ [23:99] لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَةٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ [23:100].

(سورۃ المؤمنون، آیات 99 تا 100)۔

لیکن سچائی کے منکروں کا ایسا ہی حال رہے گا یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سرہانے موت آ کھڑی ہوگی تو اس وقت کہنے لگے گا، خدایا، مجھے پھر دنیوی زندگی میں لوٹا دے کہ زندگی کے جو موقعے میں نے کھودیئے شاید اس دفعہ ان میں نیک کام کرسکوں۔ حکم ہوگا، ہرگز نہیں۔ یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔ اب ایسا ہونے والا نہیں، ان لوگوں کے مرے پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہے گی کہ دوبارہ اٹھائے جائیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ [23:101].

(سورۃ المؤمنون، آیت 101)۔

پھر وہ گھڑی جب آ جائے گی کہ نرسنگا پھونکا جائے گا۔ (یعنی تمام انسانی ہستیوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن نہ تو ان لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں (حسب ونسب) باقی رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [23:102] وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَھُمْ فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ [23:103] تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کٰلِحُوْنَ [23:104].

(سورۃ المؤمنون، آیات 102 تا 104)

اس دن جن لوگوں کے نیک عملوں کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو بربادی میں ڈال دیا ہمیشہ جہنم میں رہنے والے آپ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہوں گے۔

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ[34:37].

(سورۂ سبا، آیت 37)۔

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسے نہیں ہیں کہ تمہیں ہمارا مقرب بنا دے، مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ایسے لوگوں کو ان اعمال کی دوہری جزا ملے گی اور وہی بلند و بالا عمارتوں میں امن وچین سے رہیں گے۔

مال واولاد کی کثرت آخرت کی نجات کی ضمانت نہیں ہے

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ [34:34] وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ[34:35] قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[34:36] .

(سورۂ سبا، آیات 34 تا 36)۔

اور ہم نے کسی بستی میں ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں اور انہوں نے ہمیشہ یہی کیا کہ ہم مال واولاد میں تم سے زیادہ ہیں۔ اور ہم کبھی عذاب دیئے جانے والے نہیں۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے خوشحال طبقوں نے کیا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر دعوت حق کامیاب ہوگئی تو اس کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ یہ لوگ اپنی دولت واقتدار کے نشے میں یہ کہہ کر انبیاء کی دعوت ٹھکراتے رہے ہیں کہ ہم تم سے زیادہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں۔ اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو ان نعمتوں سے ہمیں کیوں نوازتا، لہٰذا ہم آخرت میں عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر دنیا پرستوں کی اس گمراہی اور غلط فہمی کی تردید کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے............

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ[9:85] .

(سورۃ التوبہ، آیت 85)۔

اور (دیکھو) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو، یہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ چاہتا ہے مال ودولت کے ذریعہ انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لئے اس کا مقررہ قانون حیات ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حال میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں۔

نیک وصالح اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ خدا کے جلیل القدر پیغمبروں نے اولاد کے لئے دعائیں کی ہیں،

اور اللہ نے جب اس نعمت سے سرفراز کیا تو وہ سجدہ شکر بجالائے ،حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا شکریہ یوں ادا کیا تھا............

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَ ھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ [39:14] .

(سورۂ ابراہیم، آیت 39)۔

(اور ابراہیم نے کہا) ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے بوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحاق (دو فرزند) عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔

اے پیغمبر تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریاؑ پر جو مہربانی کی تھی یہ اس کا بیان ہے جب ایسا ہوا تھا کہ زکریاؑ نے دعا مانگی تھی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَ ھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَکُنْۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا [19:4]
وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّ رَآءِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا [19:5] .

(سورۂ مریم، آیات 4 تا 5)۔

(جب زکریا نے چپکے چپکے پروردگار کو پکارا اس نے عرض کیا) پروردگار میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے، میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو گئے خدایا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں، مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم کہ وہ کیا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لئے بظاہر حالات اولاد کی امید نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے''۔

ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور خاندانِ یعقوب کی برکتوں کا بھی اور پروردگار اسے ایسا کر دیجیو کہ تیرے اور تیرے بندوں کی نظر میں پسندیدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کی دعا قبول کی۔ حضرت زکریاؑ ہیکل کی مقدس رسوم ادا کرنے کیلئے قربان گاہ میں اپنی باری کے موقع پر خوشبو جلانے کے لئے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا، اس نے کہا تیری دعا قبول ہوئی، تیری بیوی بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھیو۔ (لوقا 8:1)۔

چنانچہ حضرت یحیٰؑ پیدا ہوئے ،لڑکپن ہی سے ان کی زندگی زہد و عبادت اور گوشہ نشینی و اعتکاف کی زندگی تھی، انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی، پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ تب انہوں ے دریائے سیرون کے نواح میں توبہ و انابت کی منادی شروع کر دی۔ وہ پکارتے تھے کہ آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قرآن حکیم میں ہے کہ خدا کا حکم ہوا کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ لگ جا۔ چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم و فضیلت بخش دی۔ نیز اپنے فضل خاص سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا فرمائی۔ وہ پرہیزگار اور ماں باپ کا خدمت گزار تھا۔ سخت گیر اور نافرمان نہ تھا۔ اس پر سلام ہو جس دن پیدا ہوا جس دن مرا، اور جس دن اٹھایا جائے گا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ دو

فرزند عطا فرمائے تھے جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بلاشبہ میرا پروردگار اپنے بندوں کی دعائیں سننے والا ہے اور وہی دعاؤں کو قبول بھی کرتا ہے۔ سورۂ ابراہیم کی آیت 39 میں اس کا ذکر ہے خدا کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ دعا مانگی تھی۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ [14:40] **رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ** [14:41] .

(سورۂ ابراہیم، آیات 40 تا 41)۔

خدایا مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں، اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے، پروردگار میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو۔ پروردگار جس دِن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل وکرم سے) بخش دیجیو۔ (اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو)۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہم سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ میں اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی اولاد کے لئے اسی کی دی ہوئی توفیق سے پانچوں وقت یہ دعا مانگا کرتا ہوں۔ اور میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بھی یہی بتایا کرتا ہوں کہ اگر وہ ماں باپ سے پیار کرتے ہیں اور اپنی اولاد سے بھی پیار کرتے ہیں اگرچہ مجھے یہ بھی علم ہے کہ انہیں ماں باپ اور اولاد سے بہت پیار ہے تو انہیں پانچوں وقت نماز پڑھنی چاہیے، اس میں دعا ابراہیمی پڑھی جاتی ہے اور یہ دعا ہمیں دنیا وآخرت میں کام آنے والی ہے۔ یہ دعا اپنے لئے بھی ہے اور تمام ایمان والوں کے لئے بھی ہے۔

قیامت کے دِن مال واولاد کام نہیں آئیں گے تمہاری رشتہ داریاں تمہیں کچھ فائدہ نہ دیں گی۔

یٰۤاَیُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ وَاخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِہٖ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِہٖ شَیۡئًا اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَ لَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ [31:33] .

(سورۃ لقمان، آیت 33)۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، اور اس دِن سے ڈرو جبکہ باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کردے۔ اور نہ دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔

آیت 33 میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی سزائیں دنیا کی سزاؤں کی طرح نہیں ہیں کہ لڑکا اپنے باپ یا باپ اپنے بیٹے کی مدد سے رہائی حاصل کرے، بلکہ ہر انسان اپنے نفس کے لئے جواب دِہ ہوگا۔

نیک وصالح اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ اعمال صالحہ اور نیک اولاد ہی کام آتی ہے۔ مال ودولت کام نہیں آتے۔ ہم اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرتے رہے ہیں۔ عباد الرحمٰن کی صفات

میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ..................

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا [25:74].

(سورۃ الفرقان، آیت 74)۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ............

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [60:3] .

(سورۃ الممتحنہ، آیت 3)۔

قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں تمہیں کچھ فائدہ دیں گی اور نہ ہی تمہاری اولاد (کچھ کام آئے گی) اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سب کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کا ذکر اوپر آیا ہے۔ سورۂ مریم کی آیت 54 پر غور کیا جائے............

وَ اذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا [19:54] .

اور (اے پیغمبر) الکتاب میں (یعنی قرآن میں) اسماعیل کا ذکر کر بلاشبہ وہ اپنے قول کا سچا تھا اور (اللہ) کا فرستادہ نبی تھا۔ وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا۔

تمام نبیوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی، وہ ان میں سے تھے جن پر خدا کا انعام ہوا، اور کامیابیوں کے لئے چن لئے گئے۔ لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے حقیقت ضائع کر دی۔ آیت 58 اور اس کے بعد کی آیتیں اس تذکرہ کا خلاصہ ہیں۔

سورۂ مریم کی آیت 59 میں پچھلوں کی گمراہی بیان کرتے ہوئے صرف "**اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات**" فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یعنی عبادت جوہر ایمان ہے۔ اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا۔

دراصل ایک خدا پرست اور ایک غیر خدا پرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رہتا ہے اور کسی کو پکارتا رہتا ہے۔ دوسرا اس سے بے پرواہ رہتا ہے اس لئے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصل علامت ہوئی اور اسی لئے تمام مذاہب نے اسی عمل پر مذہبی زندگی کی ساری عمارتیں اٹھائیں۔ جونہی یہ عمل بگڑا، مذہبی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں۔

سوۂ طٰہٰ کی آیات 131 تا 132 پر غور کیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں............

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى [20:131] **وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ**

وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلتَّقۡوٰی [20:132] .

اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرائشیں دے رکھی ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں۔(یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا ہے اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے وہی (تیرے لئے) بہتر ہے اور (بہ اعتبار سچ کے) باقی رہنے والی ہے۔اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جا۔ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں رکھتے۔ تو ہم سے سائل ہے۔ہم بخشنے والے ہیں اور انجام کار تقویٰ ہی کے ہاتھ ہے۔

صبر اور صلوٰۃ کی روح سے معمور ہو جاؤ، یہی وہ عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی کامرانی و فتح مندی ڈھل سکتی ہے اور ظہور میں آسکتی ہے۔فرمایا ''پس چاہیے کہ ان ساری باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کی پکار میں لگا رہ۔صبح کو سورج نکلنے سے پہلے، شام کو ڈوبنے سے پہلے، رات کی گھڑیوں میں بھی اور دوپہر کے لگ بھگ بھی، بہت ممکن ہے کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے۔نجات کا دارومدار حسب ونسب پر نہیں ہے۔قیامت کے دن لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں باقی رہیں گی۔ نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا۔اس دن جن لوگوں کے نیک عملوں کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو بربادی میں ڈال دیا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے۔ہماری دعا ہے کہ پروردگار ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا تا رہ۔

ذٰلِکَ الَّـذِیۡ یُبَشِّـرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً نَّزِدۡ لَہٗ فِیۡہَا حُسۡنًا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ [42:23].

(سورۃ الشوریٰ، آیت 23)۔

یہی وہ نعمت ہے جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔آپ ان سے کہہ دیجئے، کہ میں تم سے اس تبلیغ پر بجز قرابت کی محبت کے کچھ صلہ نہیں چاہتا، لہٰذا تم اسی کا پاس کرو۔اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی اور خوبی بڑھا دیں گے۔ بے شک اللہ بڑی مغفرت کرنے والا بڑا اقدر دان ہے۔

یہاں القربیٰ کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں، پیغمبروں نے اپنی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ پیش کی ہے کہ میرا یہ دعوتی کام کسی طمع اور لالچ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ ہے(ان اجری الا علی اللہ) یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔یعنی میں تم سے اس کام پر کسی قسم کا اجر طلب نہیں کرتا، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ تم اس رشتہ داری کا پاس کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو مجھ پر ظلم وستم نہ کرو، اور مجھے اللہ کا پیغام سنانے کے لئے آزاد چھوڑ دو۔آیت کے یہ معنی صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور یہی راجح ہیں۔

بعض نے القربیٰ کے معنی اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب مراد لیا ہے کہ میں تم سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، بس یہی میرا اجر ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا............

قُلۡ مَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا [25:57].

(سورۃ الفرقان، آیت 57)۔

بعض علماء نے المودۃ فی القربی کے معنی رشتہ داروں سے محبت بیان کئے ہیں اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا ما سوا اس کے کہ میرے اہل بیت یعنی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے محبت کرو۔ یہ تفسیر اگرچہ بعض تابعین سے منقول ہے۔ مگر آیت کی یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں، خصوصاً جبکہ یہ آیت مکی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کا نکاح نہیں ہوا تھا، کجا یہ کہ ان کے ہاں اولاد ہوتی۔

اور پھر رسول اللہ ﷺ جس بلند مقام پر کھڑے ہو کر دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اس مقام پر سے یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو نبی کی شان سے گری ہوئی بات ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں جس قدر انبیاء کے قصے مذکور ہیں سب نے ''ان اجری الا علی اللہ'' کا نعرہ لگایا ہے اور کسی نے بھی اپنے مخالفین سے ایسی عرض و گزارش نہیں کی، پھر آنحضرت ﷺ اپنی بلندی شان کے ساتھ یہ بات کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ ہاں البتہ ہم سب نبی پاک اور ان کے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔

اولاد خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی نعمت سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو نیک و صالح بنائے اور ہماری پہچان بنائے۔ لیکن یہ کسی کو کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب دنیا کی زینت ہے آخرت میں یہ مال و دولت کام نہیں آئیں گے۔ وہاں اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اور کسی کو یہ بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ نجات کا دارومدار ایمان و عمل صالح پر ہے، مگر کسی شخص کو بھی اپنے اعمال پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اللہ کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ آخرت کو کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَ اِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ وَّ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ [35:18].

(سورۃ الفاطر، آیت 18)۔

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی گرانبار کسی دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے پکارے گا تو اس کے بوجھ سے کچھ نہ ہٹایا جائے گا خواہ وہ پکارنے والا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اے نبی آپ ﷺ صرف انہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی

اختیار کرتا ہے وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے کرتا ہے اوراللہ ہی کی طرف سب کولوٹ کر جانا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [64:14] اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ [64:15] .

(سورۃ التغابن، آیات 14 تا 15)۔

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفوو درگزر سے کام لو اور معاف کردو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو (تمہارے لئے) آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ [80:33] یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ [80:34] وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ [80:35] وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ [80:36] لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْہِ [80:37] .

(سورۃ عبس، آیات 33 تا 37)۔

آخر کار جب کان بہرے کردینے والی آواز بلند ہوگی، اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے اس دن ہر شخص ایسے حال میں گرفتار ہوگا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ دعا مانگتے تھے کہ پروردگار مجھے اس دن رسوانہ کیجیو جس دن کہ سب زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ [26:87] یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ [26:88] اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ [26:89] .

(سورۃ الشعراء، 87 تا 89)۔

اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیو جس دن کہ سب زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے، وہ آخری روز عدالت جبکہ نہ مال ودولت کام دیں گے، نہ اہل وعیال کام آئیں گے (کوئی مادی شئی مفید نہ ہوگی) مگر وہ ضرور کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں قلبِ سلیم ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ [9:23] .

(سورۃ التوبہ، آیت 23)۔

مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق وکارساز نہ بناؤ، اور جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ آیت 23 میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی

کہ ایمان کا دعویٰ اور مومنوں کے دشمنوں سے موالات ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، اگر باپ اور بھائی بھی دشمنوں میں سے ہوں جب بھی تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیے۔ حب ایمانی اور غیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حبِ ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آ سکے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عقیدہ کا رشتہ خون کے رشتوں سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

آیت 24 سورۃ التوبہ میں 8 چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی کے تمام علائق ان میں آ گئے ہیں، نیز جس ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے، علائق کی گہرائیوں کی قدرتی ترتیب یہی ہے............

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ[9:24] .

(سورۃ التوبہ، آیت 23)۔

(اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہہ دے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے تمہاری تجارت جس کا مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں، یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمہ حق تمہارا احتاج نہیں) انتظار کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ فاسقوں پر (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا [25:54] .

(سورۃ الفرقان، آیت 54)۔

اور وہی حکیم وقدیر ہے جس نے پانی سے (نطفے سے) انسان کو پیدا کیا، پھر (اس رشتہ پیدائش کے ذریعے سے) اسے نسب وصہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا۔ اور تیرا رب قدرت رکھنے والا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے رشتہ داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تعلیم دی۔ عرب معاشرے کو صحت مند معاشرتی روابط کی با مقصد وابستگی اور انسانی ہمدردی پر مبنی بنیادیں فراہم کیں۔ اس معاشرتی انقلاب نے تعصّبات میں الجھے ہوئے معاشرے کو ان روایات سے آشنا کر دیا جو اعلیٰ انسانی اقدار پر مشتمل تھیں، قرآنِ حکیم میں اہل قرابت سے حسن سلوک کی کئی مقامات پر تاکید کی گئی۔

’’اور قرابت داروں کا حق ادا کرو، اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی دو، اور اپنا مال فضول خرچی سے مت اڑاؤ‘‘۔

قرآنِ حکیم میں قرابت داروں کے معاشی حقوق پر زور دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا......

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے، اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو اپنے

والدین اورقریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرلیں، یہ پرہیزگاروں پرلازم ہے‘‘۔

وَلاَ يَاْتَلِ اُوْلُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُوْلِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلاَ تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [22:24].

(سورۃالنور،آیت 22)۔

اور (دیکھو) تم میں جولوگ بزرگی رکھنے والے اور صاحب مقدرت ہیں وہ ایسا نہ کریں کہ رشتے داروں، مسکینوں راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں انہیں چاہیے کہ ان کے قصور بخش دیں اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے اللہ تمہارے قصور بخش دے، اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

آیت 22 سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاشرتی زندگی کے اخلاقی فرائض کے لئے قرآنِ حکیم کا معیارِ عمل کس درجہ بلند ہے۔

سورۃ النور کی آیت 22 میں فرمایا اگر خدا نے تمہیں استطاعت دی ہے اور تم اپنے قرابت دار حاجت مندوں، مسکینوں کی اعانت کرتے ہوتو تمہارا فرض ہے کہ ہر حال میں ان کی اعانت کرو، تمہارے لئے کسی طرح یہ بات جائز نہیں کہ ان کے کسی قصور اور جرم سے خشمگیں ہوکر دست اعانت کھینچ لو، اور عہد کرلو کہ ایسے نالائقوں کی کبھی مدد نہیں کروگے، ان کا جرم کتنا ہی سخت ہو مگر تمہارے عفو ودرگزر کو کوتاہ نہیں ہونا چاہیے، یہاں ہر حال میں اصل عمل عفو وبخشش ہے نہ کہ غضب و انتقام۔

کیا تم اس کے طلب گار نہیں کہ خدا تمہارے قصور بخش دے؟ لیکن اگر تم اس کے بندوں کے قصور نہیں بخش سکتے تو تمہیں کیا حق ہے اپنے قصوروں کے لئے اس کی بخشش کی طلب گاری کرو۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بعض رشتے داروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان لگانے میں حصہ لیا ہے تو انہوں نے قسم کھالی، ایسے لوگوں کو آئندہ کچھ مدد نہ دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے ایک رشتے دار مسطح بن اثاثہ کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی برأت نازل ہوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ اب مسطح بن اثاثہ (جو ان کے خالو زاد بھائی تھے) کے ساتھ مالی تعاون نہیں کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ واقعہ قصہ افک کے نام سے معروف ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کرنا ہم اس لئے ضروری نہیں سمجھتے کہ ہمارے سامنے اس وقت موضوع زیر بحث قرابت داروں کی مدد اور اعانت ہے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تفصیل واقعہ کے لئے سورۃ النور کی آیات 12 تا 22 ملاحظہ کی جائیں۔

يَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ [2:215].

(سورۃ البقرہ، آیت 215)۔

اے پیغمبر تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے لئے خرچ کریں تو کیا خرچ کریں، ان سے کہہ دو جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو نکالو، تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں، عزیز و اقرباء ہیں، یتیم بچے ہیں۔ مسکین ہیں (مصیبت زدہ) مسافر ہیں اور یاد رکھو جو کچھ بھی تم بھلائی کے کاموں میں سے کرتے ہو تو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا (کہ اکارت جائے) وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

خیرات کرنے کا حکم اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے کہ خیرات صرف غیروں ہی کو دی جاسکتی ہے۔ اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے۔ خیرات کے مصارف بتلاتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ اس کا اولین مصرف تمہارے عزیز و اقرباء ہیں، اگر وہ محتاج ہوں۔

دینِ حق کی اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لی جائے۔ بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصلی شئے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے۔ شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تا کہ یہ مقصود حاصل ہو۔

نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو، پس جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیے نہ کہ وسائل کی۔

قرآنِ پاک کی آیت 177 سورۃ البقرہ کو ملاحظہ کی جائے............

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ [2:177].

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھّم (مشرق یا مغرب) کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی) نیک راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو

اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں، جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کر کے رہتے ہیں۔ تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں۔ تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں۔

میں نے آیاتِ بالا کو قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی نسبت لکھا ہے۔ یہ پہلو قارئین کی نظر میں رہنا چاہیے، اس کا دوسرا پہلو بھی آگے آرہا ہے۔

ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں، عقیدہ ہمارا وطن ہے، عقیدہ ہماری نسل ہے، عقیدہ ہماری برادری ہے، خون کے رشتے سے نظریہ کا رشتہ ہمیشہ عزیز ہوتا ہے، ان لوگوں کے بارے میں ہی فرمایا گیا ہے کہ..................

اِنَّ الَّـذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ [58:20] کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ [58:21] لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْۤا اٰبَآءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [58:22] .

(سورۃ المجادلہ، آیات 20 تا 22)۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ہی غالب ہو کر رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔ اے نبی آپ کبھی ان لوگوں کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے عزیز و اقارب ہوں۔

یہی وہ راست باز انسان ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے اپنے ایمان کا نقش جما دیا ہے۔ اور اپنی روح نصرت و فتح مندی سے ان کی مدد کی (پس اب خوف و ہراس اور ناکامی و نامرادی ان کے لئے نہ رہی) وہ ان کو بہشتی زندگی میں داخل کرے گا، وہاں باغ و چمن کا دائمی عیش ہے اور نہروں کی روانی کا نظارہ رحمت، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے

راضی ہوئے، یہ اللہ کی جماعت ہے اور یقین رکھو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔

دین الٰہی کو اسی لئے ''الاسلام'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں، یعنی ہر طرح کی نسبتوں، برادریوں، قبیلوں، خاندانوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر صرف اطاعت حق کی طرف انسان کو دعوت دی جائے۔ جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ فرمانبردار ہو جا تو وہ پکار اٹھا تھا'' میں اس کے حکموں کا فرمانبردار ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے''۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [2:131] .

(سورۃ البقرہ، آیت 131)۔

اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں اور اس کے پوتے یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ انہوں نے کہا، اے میرے بیٹو، خدا نے تمہارے لئے اس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمائی ہے تو دیکھو دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو، (یعنی فرمانبردار رہو)۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ''توفنی مسلمًا '' مجھے مسلمان کی موت نصیب کرے اور اولاد کے لئے بھی یہ وصیت چھوڑ رہا ہوں کہ وہ دنیا سے ایمان کی دولت لے کر جائیں۔

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [2:132] .

(سورۃ البقرہ، آیت 132)۔

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا، میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے، انہوں نے جواب دیا تھا۔ اسی خدائے واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے کی ہے اور ہم اس کے حکموں کے فرمانبردار ہیں۔

قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی پیش آتا ہے جو اس نے اپنے عمل سے کمایا ہے۔ نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے نہ ایک کی بدعملی کے لئے دوسرا جواب دِہ ہو سکتا ہے۔ جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لئے اس کا عمل ہے تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں۔ کیوں ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے؟۔

دفترِ اعمال

جس اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ اس کے دِل میں پیدا ہونے والے وساوس تک کو جانتا ہے، اس ذات پاک نے ہم پر ایسے زبردست نگران کار متعین کرر کھے ہیں جو ہمارے اعمال کا ہر آن حساب کرتے رہتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے کیا وہ سب اعمال کے دفتروں میں موجود ہے۔ وہ راز کی باتیں اور سرگوشیاں تک سنتا ہے اور اس کے فرشتے ہمارے دائیں بائیں موجود ہیں وہ لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دِن نامۂ اعمال کی ایک کتاب نکال کر پیش کر دی جائے گی، وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا اور انسان کو کہا جائے گا وہ نامۂ اعمال پڑھ لے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس دِن کی رسوائی سے بچائے۔ اور وہ ہم سے وہ کام لے جس سے وہ راضی ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [50:16] **اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ** [50:17] **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ** [50:18] **وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ** [50:19] **وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ** [50:20] **وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَشَهِيْدٌ** [50:21] **لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** [50:22].

(سورۂ 'ق'، آیات 16 تا 22)۔

اور یقیناً انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے، اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے وساوس تک کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی گردن رگ (شہ رگ) سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب دائیں اور بائیں بیٹھے دو فرشتے لیتے رہتے ہیں۔ کوئی لفظ زبان سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے۔ اور واقعی موت کی سختی آ پہنچی، یہی وہ چیز ہے جس سے تو بچتا پھرتا تھا۔ اور صور پھونکا جائے گا، یہی دِن عذاب کے وعدے کا ہے اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ (میدانِ حشر کی طرف ہنکانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا اور کہا جائے گا) تو اس چیز سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے۔ سو آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ [82:6] **الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ** [82:7] **فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ** [82:8] **كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ** [82:9] **وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ** [82:10] **كِرَامًا كَاتِبِيْنَ** [82:11] **يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** [82:12] . (سورۃ الانفطار، آیت 6 تا 12)۔

اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنادیا ہے۔وہ پروردگار جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا۔ پھر تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ میں اعتدال وتناسب ملحوظ رکھا۔ پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترتیب دے دی۔نہیں اصل یہ ہے کہ تمہیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں۔حالانکہ اس کی طرف سے تم پر ایسے زبردست نگران متعین ہیں۔ جو تمہارے اعمال کا ہر آن حساب کرتے رہتے ہیں۔اور تمہارا کوئی بھی فعل ان کی نظروں سے مخفی نہیں۔

ارشادِ ربانی ہے کہ قیامت کے دن ہم ان کے نامہ اعمال کی ایک کتاب نکال کر پیش کر دیں گے جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب اعمال کے دفتروں میں موجود ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ [54:52] **وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ** [54:53] .

(سورۃ القمر، آیات 52 تا 53)۔

اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب اعمال کے دفتروں میں موجود ہے۔اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [45:28] **هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** [45:29].

(سورۃ الجاثیہ، آیات 28 تا 29)۔

اور اے نبی! آپ ﷺ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ نامہ اعمال تمہاری کتاب ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے۔جو کچھ بھی تم کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جارہے تھے۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ [43:80] .

(سورۂ زخرف، آیت 80)۔

یا وہ سمجھتے ہیں ہم ان کی راز کی باتیں اور سرگوشیاں سنتے نہیں۔ کیوں نہیں، (ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں لکھ رہے ہیں۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [36:65] .

(سورۃ یٰسین، آیت 65)۔

اس روز ہم ان کے منہ ہوں پر مہر کر دیں گے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں ان کے ہاتھ بولیں گے۔اور پاؤں گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کی گردن سے باندھ دی ہے، کہیں باہر سے آکر اس پر

نہیں کرتی۔

وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ‌ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا [17:13] اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ‌ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا [17:14] .

(سورۂ بنی اسرائیل، آیات 13 تا 14)۔

اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کی گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے آ کر اس پر نہیں گرتی) قیامت کے دِن ہم اس کے لئے (نامۂ اعمال کی ایک کتاب نکال کر پیش کردیں گے کہ وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا)، (ہم کہیں گے) اپنا نامہ اعمال پڑھ لے۔ آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لئے بس کرتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ [41:20] وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدْتُّمۡ عَلَيۡنَا‌ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَىۡءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ [41:21] وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ يَّشۡهَدَ عَلَيۡكُمۡ سَمۡعُكُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُكُمۡ وَلَا جُلُوۡدُكُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعۡلَمُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ [41:22] وَذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰٮكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ [41:23] .

(سورۂ حم سجدہ، آیات 20 تا 23)۔

ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے، تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی جس اللہ نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کردیا۔ اور اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور تم اسی کی طرف واپس لائے گئے ہو۔ تم دنیا میں جرائم کرتے وقت چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال تھا کہ کبھی تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر بھی نہیں ہے اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق قائم کر رکھا تھا تمہیں تباہ کردیا۔ اسی وجہ سے تم خسارے میں پڑ گئے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ خوب جانتا ہے تم جیسی کچھ چال چل رہے ہو۔

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ‌ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ [43:80].

(سورۂ زخرف، آیت 80)۔

یہ آیت کسی اور جگہ بھی لکھی جا چکی ہے، اس کے معانی پر بار بار غور کریں ''یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور سرگوشیاں سنتے نہیں (کیوں نہیں) ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں لکھ رہے ہیں۔

اَلاَ یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ [4:83] لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ [5:83] یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [6:83] کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ [7:83] وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ [8:83] کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ [9:83] وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ [10:83] .

(سورۃ المطففین، آیات 4 تا 10)۔

''کیا ان لوگوں کو یقین نہیں ہے کہ ایک بڑے دِن یہ دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے جس روز کے تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہرگز نہیں، بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہوگا اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی، اس دِن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے''۔ آگے کی آیات بھی ملاحظہ فرمائیں............

اَلَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ [11:83] وَمَا یُکَذِّبُ بِہٖٓ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ [12:83] اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ [13:83] کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ [14:83] کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ [15:83] ثُمَّ اِنَّھُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ [16:83] ثُمَّ یُقَالُ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ [17:83] . (سورۃ المطففین، آیات 11 تا 17)۔

''جولوگ روزِ جزا کو جھٹلاتے ہیں، قرآن کی تکذیب وہی کرتے ہیں جو ظالم اور گنہگار ہیں، انہیں جب ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کے اعمال کے سبب سے ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے پھر یقیناً یہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ [18:83] وَمَآ اَدْرٰکَ مَا عِلِّیُّوْنَ [19:83] کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ [20:83] یَّشْھَدُہُ الْمُقَرَّبُوْنَ [21:83] اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ [22:83] عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ [23:83] تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ [24:83] یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ [25:83] خِتٰمُہٗ مِسْکٌ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ [26:83] وَمِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ [27:83] عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ [28:83] .

(سورۃ المطففین، آیات 18 تا 28)۔

بے شک نیک لوگوں کے اعمال اعلیٰ درجے کے لوگوں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ فہرست کیا چیز ہے۔ وہ ایک کتاب اعمال ہے جو ہمیشہ لکھی جاتی ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی اس کے شاہد و گواہ ہیں، یقیناً ان نیک لوگوں کی زندگی نہایت آرام وراحت میں ہوگی، وہ سکون واطمینان کے تخت پر بیٹھے ہوئے بہشت کی سیر کررہے ہوں

گے، اگر تم انہیں دیکھو تو خوشحالی کی تازگی ان کے چہروں سے نمایاں ہوگی۔ انہیں حیاتِ سرمدی کی وہ شراب پلائی جائے گی جن کی بوتلیں سر بہ مہر ہوں گی، اور ان پر مشک کی مہریں لگی ہوں گی۔ بس یہ زندگی ہے کہ تقلید کرنے والوں کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔ اس شراب میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی یہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔ (ترجمان القرآن جلد سوم)۔

اس سے آگے مجرموں کے بارے میں آتا ہے کہ بے شک مجرم لوگ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔ جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو یہ مجرم لوگ ان پر آنکھوں سے باہم اشارے کیا کرتے تھے۔ اور جب یہ مجرم اپنے گھر کو لوٹتے تو ان کا تذکرہ کر کے مزے لیتے تھے، اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے بلا شبہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ پس آج کا دن وہ ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر ہنستے ہیں اور امن وراحت کے تختوں پر بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں، ہاں اب تو وہ وقت آ گیا ہے کہ منکروں نے اپنے اعمال کا بدلہ پا لیا ہے۔

الاَ انَّ للہ ما فی السمٰوٰت والارض قد یعلم ما انتم علیه ویوم یرجعون الیه فینبئهم بما عملوا واللہ بکل شئ علیم ☆

سن رکھو! آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم جیسی کچھ چال چل رہے ہو، جس دن یہ لوگ اللہ کے حضور لوٹا کر لائے جائیں گے اس دن وہ انہیں بتادے گا کہ ان کے کام کیسے کچھ رہ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں۔

وَ مَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ [10:60] **وَ مَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَاتَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ وَ مَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَ لَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ** [10:61].

(سورۂ یونس، آیات 60 تا 61)۔

اور جن لوگوں کی جرأتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افترا پردازی کر رہے ہیں، انہوں نے روزِ قیامت کو کیا سمجھ رکھا ہے (کیا وہ سمجھتے ہیں) اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لئے بڑا ہی فضل رکھتا ہے۔ (کہ اس نے جزاءِ عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت دے دی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر نہیں بجالاتے۔

اور اے پیغمبر! تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو۔ اور (اے لوگو!) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے۔ اور نہ زمین میں، نہ آسمان میں کوئی چیز

تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے۔ ذرہ بھر کوئی چیز ہو، اس سے چھوٹی ہو یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے۔

ارشادِ ربانی ہے............

''اور (دیکھو) وہ آنے والا دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصلی حالت میں ابھر آئی ہے اور اس دن ہم تمام انسانوں کو اپنے حضور اکٹھا کر دیں گے۔ کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا گیا ہو اور ان کی صفیں ایک کے بعد ایک پرودگار کے سامنے پیش ہوں گی تب ان سے کہا جائے گا جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ مگر تم نے خیال کیا تھا ہم نے تمہارے لئے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے''۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا [18:49] .

(سورۃ الکہف، آیت 49)۔

اور اس وقت نوشتے لائے جائیں گے تو تم دیکھ لوگے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں وہ بول اٹھیں گے افسوس ہم پر یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں، بڑی ہو یا چھوٹی سب نے اس کو ضبط کر لیا ہے۔ غرضیکہ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو کسی نے کیا ہے ٹھیک ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا)۔

قبل ازیں اس کا ذکر آیا ہے کہ ذرّہ بھر کوئی چیز ہو اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہیں۔ حکمت الٰہی نے کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آچکا ہے۔ کتابت اور کتاب کی تعبیر جا بجا ملتی ہیں۔ چنانچہ آیت 61 سورۂ یونس میں فرمایا آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو، یعنی علم الٰہی سے باہر ہو، یا اللہ نے جو قوانین خلقت ٹھہرا دیئے ہیں ان کے احاطہ سے باہر ہو۔

احکام وقوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی دفتر میں درج کر دینا دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے، اسی لئے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے لکھ دینے کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ بات پکی ہوگئی اور اب اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں رہی۔ عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب لکھ دیئے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی، عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہم جزم ویقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ معاملہ عالم الغیب سے تعلق رکھتا ہے اور عالم غیب کے حقائق ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

تخلیق

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ [7:11]

(سورۃ الاعراف، آیت 11)۔

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوع انسانی کی) شکل وصورت بنادی پھر وہ وقت آیا کہ فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ [23:12] **ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ** [23:13] **ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ** [23:14] **ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ** [23:15] .

(سورۃ المؤمنون، آیات 12 تا 15)۔

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک بھر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا۔ پھر علقہ کو ہم نے گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کر دیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھا دی۔ پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی۔ پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔

انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی۔ سلالہ من طین ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا یعنی مرطوب مٹی مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی، پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہیے۔ اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمو ہوئی اور اسی سے بالآخر وجودِ انسانی متشکل ہوا۔ یہ تو پہلی پیدائش ہوئی اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا۔ توالد وتناسل سے۔ قرآنِ حکیم نے یہاں اور دوسرے مقامات پر تشکیل جنین کے مراتب خمسہ بیان کئے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ

لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [40:67] هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [40:68] .

(سورۃ المؤمن، آیات 67 تا 68)۔

وہ پروردگار جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو، پھر بڑے ہوتے ہو اور سنِ تمیز تک پہنچے ہو۔ اس کے بعد تمہارا جینا اسی لئے ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو، پھر تم سے کوئی ان منزلوں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنی مقررہ وقت تک زندگی بسر کرلے اور تاکہ تم عقل وفکر سے کام لو۔ وہی ہے جو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ [16:4] . (سورۃ النحل، آیت 4)۔

اس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا، پھر دیکھو وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہوگیا۔

اس آیت میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا عقیل ومفکر وجود پیدا ہوجاتا ہے جس میں بحث ونزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔ پس یہاں ''**فاذا هو خصيم مبين**'' سے مقصود بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت وملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے۔

تخلیقِ کائنات

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [30:11] .

(آیت 11 سورۃ الروم)۔

اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلرَّحْمٰنُ [55:1] عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ [55:2] خَلَقَ الْاِنْسَانَ [55:3] عَلَّمَهُ الْبَيَانَ [55:4] .

(سورۃ الرحمٰن، آیت 1 تا 4)۔

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے انسان کو بولنا سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اسے **اظهار مافى الضمير** پر بھی قدرت بخشی ہے اور اسے دوسری مخلوق پر برتری اور اخلاقی حِس عطا کی ہے اس صورت میں اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے مظاہر کا بیان

ہے۔

اَفَـرَاَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ [56:58] **ءَ اَنۡتُـمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَـحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ** [56:59] **نَـحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ** [56:60] **عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَنُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ** [56: 61] **وَلَقَدۡ عَـلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی فَلَوۡلَا تَذَکَّرُوۡنَ** [56:62] **اَفَـرَاَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ** [56:63] **ءَ اَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ** [56:64] **لَـوۡ نَشَـآءُ لَجَعَلۡنٰہُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَکَّہُوۡنَ** [56:65] **اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ** [56:66] **بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ** [56:67] **اَفَـرَاَیۡتُـمُ الۡـمَـآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ** [56:68] **ءَ اَنۡتُـمۡ اَنۡـزَلۡتُـمُـوۡہُ مِـنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡـمُـنۡزِلُوۡنَ** [56:69] **لَـوۡ نَشَـآءُ جَـعَـلۡـنٰـہُ اُجَـاجًا فَلَوۡلَا تَشۡکُرُوۡنَ** [56:70] **اَفَـرَاَیۡتُـمُ الـنَّـارَ الَّتِیۡ تُوۡرُوۡنَ** [56:71] **ءَ اَنۡتُـمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَھَا اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ** [56:72] **نَـحۡـنُ جَعَلۡنٰھَا تَذۡکِرَۃً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِیۡنَ** [56:73] **فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ** [56:74]

(سورۃ الواقعہ، آیات، 58 تا 74)

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر تم یقین کیوں نہیں کرتے۔ بھلا یہ بھی کبھی سوچا کہ جو نطفہ تم رحم میں ٹپکاتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری مانند کوئی اور مخلوق یہاں لا بسائیں اور تمہیں کسی ایسے جہاں میں پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے۔ اور بلاشبہ تم نے اپنی پہلی پیدائش کو جان لیا ہے پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اچھا تم نے اس بات پر غور کیا تھا کہ جو کچھ کاشتکاری کرتے ہوا سے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور پھر تم صرف یہ کہنے کے لئے رہ جاؤ کہ افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔ بلکہ ہم تو اپنی محنت کے تمام فائدوں سے محروم ہو گئے۔

اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے۔ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر کیا اس نعمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اس کے لئے لکڑی تم نے پیدا کی یا ہم پیدا کر رہے ہیں۔ ہم نے اسے یادگار اور مسافروں کے لئے فائدہ بخش بنایا۔ پس اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

ھُـوَ الـلّٰـہُ الۡـخَـالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ [59:24] .

(سورۃ الحشر، آیت 24)۔

وہ الخالق ہے، الباری ہے، المصور ہے، غرض اس کے لئے حسن وخوبی کی سب صفتیں ہیں آسمان وزمین میں جتنی

بھی مخلوقات ہیں، سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں۔ اور بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ وتوانائی بھی رکھنے والا ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ [4:95] .

(سورۃ التین، آیت 4)۔

ہم نے انسان کو ایک بہترین فطرت عادلہ ومقومہ کے قالب میں پیدا کیا۔ سورۃ التین میں اولوالعزم پیغمبروں کے جائے ظہور کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کی پستی سے اس صورت نجات پا سکتا ہے جبکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دولت سے مالا مال ہو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَاِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ [3:64] یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَیَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ [4:64] .

(سورۃ التغابن، آیات 3 تا 4)۔

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت ومصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن وخوبی سے بنائیں اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ سینوں کے حال تک سے بخوبی واقف ہے۔

تحدیثِ نعمت

زندگی کے بارے میں لکھ کر اپنا اور قارئین کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے کوئی کارہائے نمایاں نہیں کئے ہیں جن کا تذکرہ کرتا، دوستوں کے اصرار کے باوجود میں اپنے دل کو آمادہ نہ کر سکا۔ لیکن جب یہ خیال آیا کہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے جو کبھی ادا نہیں ہوسکتا تو میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لکھ رہا ہوں۔ چند مشاہدات، تجربات اور چند ایک ناقابلِ فراموش واقعات کا ذکر کرنے کا سوچا ہے............!

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوۡمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَا یَئُوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا وَ هُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ [255:2]

(سورۃ البقرہ، آیت 255)۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ الحی ہے یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں۔ القیوم ہے یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے۔ وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ اس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے، نہ دماغ کے لئے نیند، آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے۔ جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کرسکتا۔ مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دیدے اس کا تخت (حکومت) آسمان وزمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے اور ان کی نگرانی وحفاظت میں اس کے لئے کوئی تھکاوٹ نہیں، اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے۔ (ترجمان القرآن)۔

اللہ کے حی وقیوم ہونے کا مقتضٰی یہی تھا کہ انسان کی زندگی وقیام کی تمام احتیاجات مہیا کردے۔ احتیاجات دوطرح کی ہیں، جسمانی اور روحانی، اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا اسی طرح دوسری کا بھی سروسامان کیا۔

ان اللہ لایخفٰی علیہ شیءٔ فی الارض ولا فی السماء ☆ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ☆

(سورۃ آلِ عمران، آیات......)

بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں، خواہ زمین میں ہو، خواہ آسمان میں۔ یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ جس طرح چاہتا ہے ماں کے شکم میں تمہاری صورت (ڈیل ڈول اور ناک نقشہ) بنادیتا ہے۔ (اور قبل اس کے کہ دنیا میں قدم رکھو تمہاری حالت اور ضرورت کے مطابق تمہیں ایک موزوں صورت مل جاتی ہے)۔ یقیناً کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی غالب وتوانا۔ (کہ اسی کے حکم وطاقت سے سب کچھ ظہور میں آتا ہے، حکمت والا (کہ انسان کی پیدائش سے پہلے شکم مادر میں اس کی صورت آرائی کردیتا ہے)۔

جس ''حی وقیوم'' کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کو پیدائش سے پہلے اس کی مناسب وموزوں صورت دے دیتا ہے کیا ضروی نہیں کہ پیدائش کے بعد اس کی روحانی فلاح وسعادت کی بھی صورت آرائی کردیتا۔ اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا، اسی طرح دوسری احتیاج کا بھی انتظام کیا۔ روحانی احتیاجات کے لئے انسان کو دو چیزیں دی گئیں۔ الکتاب والفرقان، الکتاب خدا کی وحی ہے جو ہدایت وسعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ الفرقان جو ہر عقل ہے جو اسے سمجھتا اور قبول کرتا ہے۔ پہلی چیز تعلیم ہے دوسری تعلیم کی استعداد ہے۔

میں اپنے ساتھیوں، دوستوں، رشتہ داروں کی خواہشات کا ہمیشہ احترام کرتا رہا ہوں، لیکن انہوں نے جب بھی مجھے اپنے بارے میں لکھنے کے لئے کہا میں نے ٹال دیا۔ اپنے بارے میں لکھنا وقت کا ضیاع ہے۔ قارئین کو سیرت

النبی ﷺ پر لکھی گئی سب کتابیں بڑھنی چاہییں ۔ وہ ایک ہی سیرت ہے جو نوعِ انسانی کے لئے باعث ہدایت ونجات ہے وہ نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہے یہی زندگی اسوۂ حسنیٰ ہے ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے ۔ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ جائیں گے۔

(سورۃ الاحقاف، آیت............)

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے ان احسانات کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد بھی نیک بنا دے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں تابع فرمان بندوں سے ہوں۔

(سورۃ البقرہ، آیت............)

پس اب میری یاد میں لگے رہو۔ میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا۔ (یعنی قانونِ الٰہی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہوگے تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو میری نعمتوں کی قدر کرو، ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا [4:147].

(سورۃ النساء، آیت 147)۔

(لوگو) اگر تم شکر کرو (یعنی خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لاؤ) اور خدا پر ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ (یعنی وہ کیوں تمہیں عذاب دے؟) خدا تو (انسانی اعمال کا) قدر شناس اور (ان کی حالت کا) علم رکھنے والا ہے۔

فرمانِ الٰہی............

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ[35:3] .

(سورۃ الفاطر، آیت 3)۔

اے افرادِ نسل انسانی اللہ تعالیٰ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیضیاب کیا ہے ان پر غور کرو، کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں سے رزق دے رہا ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر اس کی ذات ۔ تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔

میں ادیب، شاعر، صحافی، خطیب، مورخ، فلسفی نہیں ہوں۔ نہ ہی ماہر تعلیم ہوں۔ البتہ سیاست کا ایک طالب علم ضرور ہوں اور وکالت اور سیاست میرا پیشہ تھا، البتہ اوائل عمر ہی میں مجھے بعض ایسی صحبتیں میسر آ گئیں جن کے فیضان سے

گوہر مقصود پالیا۔

والدہ محترمہ کی زندگی اور والد محترم کے عقیدہ وفکر نے میری رہنمائی کی۔جس کا ذکر آگے آئے گا۔میں اپنے عقیدے کا اظہار حضرت مولانا آزادؒ کے لفظوں میں کروں گا''انسانی اعمال کی خواہ کوئی شاخ ہو،ہم تو اسے مذہب ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہے۔اس کے سوا ہم اور کچھ نہیں جانتے۔ساری دنیا کی طرف سے ہماری آنکھیں بند ہیں،اور تمام آوازوں سے کان بہرے ہیں۔اگر دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجئے کہ ہمارے پاس تو سراجِ منیر کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے،اسے ہٹا دیجئے گا تو بالکل اندھے ہو جائیں گے،''**کتــــاب انزلناه اليک لتخرج الناس من الظلمٰت الى النور**''(14-1)۔قرآن ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی،اس لئے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے۔روشنی جب نکلتی ہے تو مذہبی اور سیاسی برائیوں کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

میری یہ کتاب نہ سرگزشت ہے،نہ زندگی ہے،نہ کتابِ زندگی ہے،نہ تذکرہ ہے،نہ یادوں کی بارات ہے،نہ اَن کہی کہانی ہے۔میں اس میں خداتعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کروں گا،خداتعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں۔بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے۔جو اللہ اور یومِ آخرت سے ڈرتے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہوں۔تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتا پا اعمال بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں۔خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور ملت حنفی کے داعی حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام۔

قرآنِ کریم میں ایک بڑا حصہ انبیاء سابقین کے قصص و اعمال کا ہے اس کا عام اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے پھر اس کی صداقت کے لئے اہم گزشتہ اور اعمال انبیاء سابقہ کے حالات و وقعات سے ایک خطابی استدلال پیش کرتا ہے لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتا پا اعمال بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں۔خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور ملت حنفی کے داعی حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ملاحظہ ہو سورۃ ممتحنہ آیت 4 کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو مشرک رشتہ داروں سے قطع تعلق کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔(الہلال 12 فروری 1913ء)۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ[15:35] .(سورۃ الفاطر،آیت 15)۔

اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر اور سائل ہو، اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ [40:61] .

(سورۃ المؤمن، آیت 61)۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں آرام حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر گزاری سے کام نہیں لیتے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ [36:71] وَذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوْبُھُمْ وَمِنْھَا یَاْکُلُوْنَ [36:72] وَلَھُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ [36:73] .

(سورۃ یٰسین، آیات 71 تا 73)۔

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مواشی پیدا کئے ہیں پھر یہ لوگ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں اس طرح ان کا مطیع کر دیا ہے کہ ان میں سے بعض پر سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان مویشیوں میں ان کے لئے بہت سے فوائد اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ پھر یہ لوگ کیوں شکر بجا نہیں لاتے۔

(سورۃ المومن، آیات 64 تا 65)۔

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں سو بہترین صورتیں بنائیں۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا وہ اللہ تمہارا رب ہے۔ سو اللہ بہت ہی برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ سو تم اسی کے لئے اپنے دین کو خالص کر کے اس کو پکارا کرو۔ سب تعریف اسی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ [56:68] ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ [56:69] لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ [56:70] .

(سورۃ الواقعہ، آیات 68 تا 70)۔

اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے۔ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، پھر کیا اس نعمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار رہو۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ بِاَمْرِہٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ [30:46] . (سورۃ الروم، آیت 46)۔

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ اپنی رحمت سے لذت اندوز کرے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں اور تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر بجالاؤ۔

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ [29:17].

(سورۃ العنکبوت، آیت 17)۔

اور یہ واقعہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے، سو تم اللہ ہی سے رزق طلب کرو، اسی کی بندگی کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو، تم سب کو اسی خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ [31:12] .

(سورۃ لقمان، آیت 12)۔

بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہ اور جو شکر گزار ہوگا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر کرتا ہے۔ اور جس نے ناسپاسی (ناشکری) کی تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

وَ وَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ حَمَلَـتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَ لِـوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ [31:14] .

(سورۃ لقمان، آیت 14)۔

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کو دودھ چھوٹنے میں لگے اس لئے ہم نے اسے تاکید کی ہے کہ اے انسان تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہ، میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ [57:1] **لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ** [57:2] **هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ** [57:3] **هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ** [57:4] **لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ** [57:5] **يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ ؕ وَهُوَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ** [57:6].

(سورۃ الحدید، آیات 1 تا 6)۔

جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اوروہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔آسمانوں اورزمین کی سلطنت اسی کی ہے،وہی زندگی عطا فرماتا ہے اورموت دیتا ہے اوروہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔وہی اوّل ہے اوروہی آخر بھی،اوروہ ظاہر ہے اورمخفی بھی۔اوروہ ہر چیز کوبخوبی جاننے والا ہے۔وہی ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔پھرعرش پر بلند ہوا جو چیز بھی زمین میں داخل ہوتی ہے اور جواس میں سے نکلتی ہے اور جوکچھ آسمانوں سے نازل ہوتی ہے اور جواس میں چڑھتی ہے وہ سب کو جانتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہواور جوکام بھی تم کرتے ہوسوا سے وہ دیکھ رہا ہے۔آسمانوں اورزمین کی سلطنت اسی کی ہے اورتمام معاملات (فیصلے کے لئے)اسی طرف لوٹائے جاتے ہیں وہی رات کودن میں داخل کرتا ہے اوردن کورات میں داخل کرتا ہے اوروہ سینوں کی تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے۔

رب او زعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحاً و اصلح لی فی ذریتی ان تبت الیک وانی من المسلمین ☆

(سورۃ الاحقاف،آیت............)

کہنے لگا اے میرے رب مجھے اس بات پر قائم کر کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہو جوتو نے مجھ پر اورمیرے باپ پر کئے ہیں، اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کواپنی رحمت سے اپنے بندوں میں داخل فرمالے۔

یَـاَیُّھَـا الْاِنْسَـانُ اِنَّکَ کَـادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ [6:84] **فَـاَمَّـا مَـنْ اُوْتِـیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ** [7:84] **فَسَـوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا** [8:84] **وَیَـنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا** [9:84] **وَاَمَّـا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ** [10:84] **فَسَـوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا** [11:84] **وَّیَـصْـلٰی سَعِیْرًا** [12:84] **اِنَّـہٗ کَانَ فِیْٓ اَھْـلِہٖ مَسْرُوْرًا** [13:84] **اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ** [14:84] **بَلٰٓی اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیْرًا** [15:84]

(سورۃ الانشقاق،آیات 6 تا 15)۔

اے انسان تحقیق تو محنت کرنے والا ہے، اپنے رب کی طرف (لہٰذا) تو خوب محنت کر کہ تو اس سے ملنے والا ہے۔سوجس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا، رہا وہ شخص کہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔وہ اپنے اہل وعیال میں مگن رہا کرتا تھا۔اس نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ پلٹ کر نہیں جائے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ [16:84] **وَالَّیْـلِ وَمَا وَسَقَ** [17:84] **وَالْـقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ** [18:84] **لَتَرْکَبُنَّ**

طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ [19:84].

(سورۃ الانشقاق، آیات 16 تا 19)۔

شفق اور اس کے لالہ زاروں کی قسم، رات اور اس کے پر کیف بہاروں کی قسم، چاند کی قسم جب الہلال سے ماہِ کامل بن جائے (چاند جب اس کی روشنی پوری ہوئی)۔تم سب ایک مقدر کے ماتحت ہو ضرور ہے کہ انقلاب لیل ونہار کے ان مراتب ثلاثہ کی طرح تم بھی یکے بعد دیگرے منازل تغیر وتبدل سے گزرو۔

(الہلال، 11 نومبر 1914ء صفحہ 17)۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ [30:54] وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ [30:55] وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [30:56].

(سورۃ الروم، آیات 54 تا 56)۔

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے، پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے، پھر قوت کے بعد ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے۔وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں حق سے پھرے ہوئے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم قیامت تک پڑے رہے ہو، سو یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔

آیت 54 میں انسانی زندگی کے ادوارِ ثلاثہ کی طرف اشارہ ہے یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا اور یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کے علم وقدرت کے کرشمے ہیں۔

ہر انسان کا یہی حال ہے بچپنے کا عہد بے فکری سے کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتا ہے۔اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اسے پیری صد عیب کا زمانہ سمجھئے۔آخرت کی زندگی انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشأۃ ثانیہ تک گزرتی ہے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ [6:1] هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ [6:2] وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ [6:3]. (سورۃ الانعام، آیات 1 تا 3)۔

ہر طرح کی ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں کواور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور اجالا نمودار کر دیا اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں وہ اندھیرے اور اجالے میں امتیاز نہیں کرتے اور دوسری ہستیوں کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں۔ وہی (آسمان و زمین کا خالق ہے) جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ظہور پذیر ہوئی)۔ پھر تمہارے لئے (زندگی و معیشت کی) ایک میعاد ٹھہرادی۔ (جو ہر وجود کو مہلت عمل دیتی ہے) اور ایک دوسری میعاد بھی اس کے علم میں مقرر ہے۔ (یعنی قیامت کا وقت جب پہلی میعاد کے نتائج کا فیصلہ ہوگا) پھر بھی تم ہو کہ (اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور اس میں) شک کرتے ہو۔ وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (اس کے سوا کوئی کارفرمائے عالم نہیں) تمہاری چھپی اور کھلی ہر طرح کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ تم جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ [32:7] **ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ** [32:8] **ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ** [32:9] .

(سورۃ السجدہ، آیات 7 تا 9)۔

اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصے سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا۔ پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی۔ اور اپنی روح میں سے ایک قوت پھونک دی اور اسی طرح اس کے سننے اور دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں، لیکن افسوس انسان کی غفلت پر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا شکر گزار ہو۔

جب وہ ملکہ کا سفیر حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو حضرت سلیمانؑ نے کہا، کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے لہٰذا تم خود ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش ہوتے رہو

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہدایا واپس بھیج دیئے اور دھمکی دی اے سفیر تو ان کے پاس واپس جا، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہم انہیں ذلیل بنا کر وہاں سے نکالیں گے اور وہ خوار ہوں گے۔

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَیُّکُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ [27:38] **قَالَ عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡکَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ وَ اِنِّیۡ عَلَیۡهِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ** [27:39] **قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ**

لِيَبۡلُوَنِيٓ ءَ اَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ [27:40].

سلیمانؑ نے کہا اے اہل دربار تم میں کون ہے جو اس کا عرش میرے پاس لے آئے۔ قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہوکر میرے پاس حاضر ہوں۔ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا قبل اس کے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا۔ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے لا کے دیتا ہوں۔ پھر جب سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگ ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے جب ہدایا واپس بھیج دیئے اور دھمکی دی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو ملکہ نے خود حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب سمجھا۔ چنانچہ وہ اپنے جاہ و حشم کے ساتھ فلسطین کی طرف روانہ ہوئی اور جب بیت المقدس سے ایک دن کے فاصلہ پر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کا تخت منگوا کر کچھ تبدیلی کروادی۔

سبا سے بیت المقدس کا فاصلہ ایک پرندے کی اڑان کے لحاظ سے کم از کم ڈیڑھ ہزار میل ہے۔ اتنے فاصلے سے آنِ واحد میں اس تخت کا لا حاضر کرنا کسی خدائی قوت کے بغیر ممکن نہیں جس کی طرف قرآن نے ''الذی عندہ علم الکتاب'' کہہ کر اشارہ کیا۔

وَ عَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ [21:80] .

(سورۃ الانبیاء آیت 80)۔

اور دیکھو ہم نے داؤد کو تمہارے لئے زرہ بکتر بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے، پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکرگزار ہو؟۔

جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا۔ اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمۡ وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَىۡ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡــًٔا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ [16:70] وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ [16:71] .

(سورۃ النحل، آیات 70 تا 71)۔

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی ہے جو تمہاری زندگی پوری کر دیتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا

بھی ہوتا ہے جو بڑھاپے کی بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن و عقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے۔

اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیر دستوں کو لٹادے حالانکہ سب اس میں برابر کے حق دار ہیں، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ تمام افرادِ انسانی دراصل ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں، انسانیت ان کی نسل ہے اور کرہ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلاشبہ ان میں ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لئے سمجھ لے، اور اپنے کمزور بھائی کے لئے کچھ نہ نکالے، کمانے میں سب کی راہیں الگ الگ ہوں گی۔ قبضہ و تصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے، لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ سکتے۔ یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے وہ کما سکے یا نہ کما سکے لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہیے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہوتے ہیں، مگر باہمی تعاون و اشتراک کا فرض بھلا دیتے ہیں۔ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے دوسرا بھوکا مرتا ہے لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی وہ کہے گی یہ ننگ خاندان ہے۔ اس نے یہ بات کیسے گوارا کر لی کہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

اگر ایک انسان کو وسیع رزق مل گیا تو یہ اللہ کا فضل ہے۔ پس چاہیے کہ اس کی شکر گزاری بجالائی جائے۔ نہ یہ کہ کفرانِ نعمت کیا جائے۔ اس کی شکر گزاری کیا ہے ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں۔ مولانا آزادؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مزید تشریح کے لئے تفسیر 'فاتحہ' کا مبحث 'تسکینِ حیات' دیکھنا چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ [14:32] **وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ** [14:33] **وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ** [14:34] .

(سورۂ ابراہیم، آیات 32 تا 34)۔

یہ اللہ ہے جس نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور زمین پر اوپر سے پانی برسایا جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں اور جہاز تمہارے لئے مسخر کر دیئے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں، نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیئے، اسی طرح سورج اور

چاند بھی مسخر کردیئے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جارہے ہیں اوررات اور دن کاظہور بھی مسخر ہے۔غرضیکہ تمہیں (اپنی زندگی کی کاربراریوں اور کامرانیوں کے لئے) جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرمادیا۔اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہوتو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کرسکو۔حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف، بڑاہی ناشکرا ہے۔

آیت 32 میں برہانِ ربوبیت کا استدلال ہے۔فرمایا اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھواور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پرنظر ڈالو، زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کردیا گیا ہو۔اس مقام میں ''اتاكم من كل ما سألتموه'' کہہ کرجس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہےاس کی تشریح بھی سورۂ فاتحہ میں ملے گی۔

وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [16:18] **وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ** [16:19] .

(سورۃ النحل،آیات 18 تا 19)۔

اوراگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو،تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو بلا شبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑاہی رحمت والا ہے۔ اوراللہ سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ تم چھپاتے ہواور جو کچھ ظاہر کرتے ہو،کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

آیت 18 میں فرمایا،ان چند اشیاء کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو،تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہینِ منت ہے۔کارخانۂ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش وکرم کی نشانی ہے۔ درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ،اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اوراس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اورسورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہوتو اس کی نعمتیں بھی گن لو،تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو،بارش کے ہر قطرے سے سوال کرو،سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو تمہیں یہی جواب ملے گا کہ **ان الله لغفور رحيم** جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑاہی رحمت والا ہے۔

فَكُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اشۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ [16:114].

(سورۃ النحل،آیت 114)۔

پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اسے شوق سے کھاؤ،حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور (ساتھ ہی) چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ،اگر فی الحقیقت تم اسی کے پجاری ہو۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَ لَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ [16:120] **شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰهُ وَ هَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ** [16:121] . (سورۃ النحل،آیات 120 تا 121)۔

بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا۔ اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا، اللہ نے اسے برگزیدگی کے لئے چن لیا اور (سچائی کے) سیدھے راستے پر لگادیا۔

وَ اللّٰـهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ [16:72]

(سورۃ النحل، آیت 72)۔

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کردیئے۔ (یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کردیئے (کہ ان سے تمہاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کرلیتی ہے) نیز تمہاری روزی کے لئے اچھی اچھی چیزیں مہیا کردیں، پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔

ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کردی اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنادیا۔ یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کردیا۔

دوسرے یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہوگئی۔ اولاد پیدا ہوتی ہے، پھر ان کی اولاد ہوتی ہے، اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے۔ جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں، تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لئے اچھی چیزیں پیدا کردیں، جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں، خوش رنگ ہیں، خوشبودار ہیں۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [12:53] .

(سورۂ یوسف، آیت 53)۔

میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے۔ (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

وَ اللّٰـهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ جَعَلَ لَـكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [16:78] .

(سورۃ النحل، آیت 78)۔

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں ماؤں کے شکم سے نکالا۔ اور اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لئے شنوائی، بینائی، اور عقل کی قوتیں پیدا کردیں تاکہ تم شکر گزار رہو۔

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ [6:82] **الَّذِىۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰٮكَ فَعَدَلَكَ** [7:82] **فِىۡۤ اَىِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ** [8:82] **كَلَّا بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِ** [9:82] **وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ** [10:82] **كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ** [11:82] **يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ** [12:82] .

اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے وہ پروردگار جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا۔ پھر تمہاری ظاہری و باطنی قویٰ میں اعتدال وتناسب ملحوظ رکھا۔ پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترکیب دے دی۔ اصل یہ ہے کہ تمہیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں حالانکہ اس کی طرف سے تم پر ایسے زبردست نگران کار متعین ہیں جو تمہارے اعمال کا ہر آن احتساب کرتے رہتے ہیں اور تمہارا کوئی بھی فعل ان کی نظروں سے مخفی نہیں۔

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا [1:76] **اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ‌ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا** [2:76] **اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا** [3:76] .

(سورۃ الدھر، آیات 1 تا 3)

بے شک زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ 'دہر' یعنی لامتناہی زمانے کے اندر ایک طویل مدت ایسی گزر چکی ہے جب سرے سے نوعِ انسانی موجود نہ تھی۔ پھر اس نوع کا آغاز ہوا۔

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جسے ایک کے بعد ایک مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے اور دیکھنے والا وجود ہو گیا۔ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے دو الگ الگ نطفوں سے نہیں ہوئی بلکہ دونوں نطفے جب مل کر ایک ہو گئے تب اس مرکب نطفے سے انسان پیدا ہوا۔ ہم نے اس پر راہِ عمل کھول دی اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔ دنیا میں انسان کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر غور کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالائے۔

زندگی اور موت

زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

هُوَ يُحْيِ وَ يُمِيتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [10: 56].

(سورۂ یونس، آیت 56)۔

''وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے، جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز فانی ہے، باقی رہنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ موت وقت مقررہ اور جگہ مقررہ پر آتی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ [55:26] **وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ** [55:27] **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** [55:28] .

(سورۃ الرحمٰن، آیات 26 تا 28)۔

جو کچھ روئے زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جو صاحب عظمت واحسان ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سے کمالات کو جھٹلاؤ گے۔

دھن دولت آنی جانی ہے
یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم، عالم فانی ہے
باقی ہے ذاتِ خدا بابا

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يُحْيِ وَ يُمِيتُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ [9:116] .

(سورۂ توبہ، آیت 116)۔

بلاشبہ آسمان وزمین کی ساری بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی رفیق و کارساز ہے، نہ مددگار۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَن

يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِىْ اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ(144).

(سورۂ آلِ عمران، آیت 144)۔

اور محمد ﷺ اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہِ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ لڑائی میں قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ ہی تمہاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی) اور جو کوئی راہِ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، جو لوگ شکر گزار ہیں (یعنی نعمت حق کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے۔

یہاں ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں، نہ کہ شخصیت اور افراد۔ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑ لیں، یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں۔ سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہوگئی ہو۔ جنگ احد میں کسی مخالف نے یہ بات پکار دی تھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ مارے گئے، یہ سن کر بہت سے مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ بعضوں نے کہا جب پیغمبر نہ رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرض کرو جنگ احد والی بات صحیح ہوتی تو پھر کیا ان کی موت کے ساتھ تمہاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی۔ اگر تم حق کے لئے لڑ رہے تھے تو جس طرح وہ ان کی زندگی میں حق تھا، اسی طرح ان کے بعد بھی ہمیشہ حق رہے گا۔

موت خدا کے حکم سے آتی ہے۔ خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی۔ اور ہر جان کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله كِتَابًا مُّؤَجَّلاً وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِىْ الشَّاكِرِيْنَ (145).

(سورۂ آلِ عمران، آیت 145)۔

اور (یاد رکھو) خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی، ہر جان کے لئے ایک وقت ٹھہرا دیا گیا ہے (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمہارے قدم پیچھے ہٹیں؟)۔ اور جو کوئی دنیا کے فائدے پر نظر رکھتا ہے ہم اسے دنیا میں دیں گے۔ اور جو کوئی آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے اسے آخرت کا ثواب ملے گا۔ ہم (نعمت حق کے) شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے۔

موت ایک ہی جگہ پر آتی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اسے موت کہاں آئے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم میں

ہے کہ انسان کا وجود کہاں سونپ دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کو جب یہ کہا گیا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ محافظ رکھیں۔ تو انہوں نے بڑے خوبصورت الفاظ میں یہ جواب دیا تھا کہ موت سے بڑھ کر اور کون محافظ ہوسکتا ہے، موت کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آ کر جان قبض کرتا ہے۔ جس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے موت لکھ دی ہے، موت وہاں لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سب سے بڑی محافظ ہے، وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول لفظ بلفظ یاد نہیں ہے میں اپنے الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کرر ہا ہوں، میرے پاس یہاں حوالہ جات کے لئے کتب بھی موجود نہیں ہیں۔ سورۂ ہود کی آیت 6 پر غور کیا جائے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ [11: 6] .

(سورۂ ہود، آیت نمبر 6)۔

اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو، اور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے۔ بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں موجود ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ [22:66] .

(سورۃ الحج، آیت 66)۔

اور (دیکھو) جس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہ موت طاری کرتا ہے، پھر وہ (دوبارہ) زندہ کرے گا، دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [29:20] .

(سورۃ العنکبوت، آیت 20)۔

ان سے کہیے، زمین میں چلو پھرو، دیکھو کہ اللہ نے کس طرح پہلی بار پیدا کیا پھر اللہ ہی آخری نشاۃ بخشے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

حضور ﷺ نے تیرہ سال تک مکی زندگی میں توحید، رسالت اور معاد پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے، دین، دنیا اور آخرت کی نجات کا دارو مدار ایمان وعمل پر ہے، صحیح عقیدہ ہی کام آئے گا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی [87:14] **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی** [87:15] **بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا** [87:16] **وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی** [87:17]

(سورۃ الاعلیٰ، آیات 14 تا 17)۔

کامیاب ہوا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی، مگر تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ ''ان ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ ☆ صحف ابراھیم و موسیٰ ☆ ''۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں مذکور ہے جو ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے دعا مانگی تھی............

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ [12:101]

(سورۂ یوسف، آیت 101)۔

(پھر یوسف نے دعا کی) پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی، اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کـی جیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں۔ اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

سچا مؤمن وہ ہے جو موت سے نہیں ڈرتا۔ اور کبھی اس ڈر سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا۔ وہ کہتا ہے، موت تو کسی حال میں مفر نہیں، پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو حق کی راہ میں پیش آئے اور جس کا نتیجہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہو۔

موت وقتِ مقررہ اور جگہ مقررہ پر آتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کے دل ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہ حق میں لوگوں کو موت پیش آ گئی تو کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں اس نتیجے سے دوچار ہوتے گویا موت صرف جنگ میں ہی آ سکتی ہے۔ جو آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں۔ (اقتباس)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا لا تَكُونُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوْا فِيْ الْأَرْضِ أَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِندَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيِـيْ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ (156).

(سورۂ آلِ عمران، آیت 156)۔

مسلمانو! دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بند سفر میں گئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں اور انہیں موت پیش آ جائے تو کہنے لگتے ہیں ''اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے''۔ حالانکہ ایک خدا پرست دل میں کبھی ایسے خطرات نہیں گزر سکتے۔ اور یہ بات جو تمہیں کہی گئی ہے تو اس لئے کہی گئی ہے تاکہ اللہ اس بات کو (یعنی تمہارے دِلوں کی بے خوفی اور

ایمان کی مضبوطی کو) منکرین حق کے دلوں میں داغ حسرت بنا دے (کہ کسی حال میں بھی تمہیں کمزور اور بے ہمت نہ کر سکیں) یاد رکھو اللہ ہی کے ہاتھ موت اور زندگی کا سرشتہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی نگاہ سے چھپا نہیں۔

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (157)

(سورۂ آلِ عمران، آیت 157)۔

اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا اپنی موت مر گئے تو اللہ کی طرف سے جو رحمت و بخشش تمہارے حصے میں آئے گی یقیناً وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کیا کرتے ہیں۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی بڑی تعداد مضطرب ہو کر بھاگنے لگی تو پیغمبر اسلام ﷺ چند جانثاروں کے حلقہ میں کھڑے پکار رہے تھے ''الیّ عباداللہ، الیّ عباد اللہ '' خدا کے بندو میری طرف آؤ، میری طرف آؤ۔ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو، جو لوگ ایمان و اخلاص میں پکے تھے وہ پیغمبر ﷺ کی آواز سنتے ہی چونک اٹھے انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک ایک مدہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی اور اس مدہوشی میں سارا خوف و ہراس فراموش ہو گیا۔

چنانچہ فوراً پلٹے اور نہ صرف دشمنوں کو میدانِ جنگ سے بھگا ہی دیا بلکہ حمراء الاسد نامی مقام تک جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ان کے تعاقب میں بڑھے چلے گئے۔ لیکن جو لوگ دل کے کچے اور منافق تھے۔ انہیں جانوں کی فکر لگی رہی۔ وہ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟۔ اگر خدا فتح و نصرت دیتا تو ایسی حالت پیش ہی کیوں آتی۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ عہد جاہلیت یعنی عرب کے قبل از اسلام کے زمانے کے سے خیالات ہیں اور ان کے دلوں میں نہیں گزر سکتے جو اسلام کی تعلیم سے روشن ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ فتح و نصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے لیکن وہ فتح و نصرت انہی کو دیتا ہے جو صبر اور تقویٰ میں پکے ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارے اختیارات کی کیا بات ہے؟ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کے کینے کا اصلی مطلب یہ تھا کہ اگر اس معاملہ میں ان کے لئے فتح و کامرانی میں سے کچھ ہوتا تو ''ماقتلنا ھٰھُنا'' تو میدانِ جنگ میں نہ مارے جاتے۔

اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ اے پیغمبر اُن سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے جب بھی جن کے لئے مارا جانا تھا وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ ضرور پہنچتے۔ موت کا بھی وقت مقرر ہے اور موت کی جگہ بھی لکھی جا چکی ہے۔ اب مندرجہ ذیل آیت مبارکہ پر غور فرمائیں.............

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاساً يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِيْ أَنفُسِهِم مَّا لاَ يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُل لَّوْ كُنتُمْ فِيْ بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوبِكُمْ وَاللّٰهُ

عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (154)

(سورۃ آلِ عمران، آیت 154)۔

پھر (دیکھو) ایسا ہوا کہ اللہ نے (ابتری و پریشانی کے) غم وافسوس کے بعد تم پر بے خوفی کی خودفراموشی طاری کردی۔(یعنی یکا یک تمہارے دِل اس طرح مطمئن ہوگئے کہ خوف وہراس کا احساس تک باقی نہ رہا) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی، لیکن تم میں سے ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی تھی اور اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون واوہام رکھتا تھا۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارے اختیار کی کیا بات تھی۔(یعنی ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم کچھ کرتے)۔

اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو (اس معاملہ ہی پر کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجے کے لئے اس کے اسباب بھی مقرر کردیئے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دِلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے ان کے کہنے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لئے (فتح وکامرانی میں سے) کچھ ہوتا تو میدانِ جنگ میں نہ مارے جاتے۔

اے پیغمبر! ان سے کہہ دو اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے جب بھی جن کے لئے مارا جانا تھا وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے۔ اور (جنگ احد میں جو کچھ پیش آیا تو اس میں طرح طرح کی مصلحتیں پوشیدہ تھیں ازاں جملہ یہ کہ) اللہ کو منظور تھا جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے اس کے لئے تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ اور جو کدورتیں تمہارے دِلوں میں پیدا ہوگئی تھیں۔ انہیں پاک وصاف کردے اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دِلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

جنگِ بدر کی فتح مندی سے مسلمانوں کی تربیت مدنظر تھی۔ جنگ احد کی عارضی شکست میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا۔ یہ اس لئے ہوا تا کہ تمہارے دِلوں میں جو کدورتیں پیدا ہوگئی تھیں ان سے تمہیں پاک وصاف کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہی نے ہماری پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر زندگی کی مہلت دی، بالآخر اس عارضی دنیا سے چلے جانا ہے۔ لوگ جسے موت کہتے ہیں وہ ایک پل ہے، اس سے گزر کر اپنے رب کی جانب لوٹائے جاتے ہیں، وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مرکر مٹی میں مل کر فنا ہوجائیں گے وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ وہ اللہ جس نے پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو جلا دے۔ انسان کی غفلت پر افسوس ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا شکر گزار نہیں۔

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ [7:32] ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ [8:32] ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا

تَشۡكُرُوۡنَ [9:32] وَ قَالُوۡٓا ءَ اِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَ اِنَّـا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ بَـلۡ هُمۡ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ [10:32] قُلۡ یَتَوَفّٰكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ [11:32] ۔

(سورۃ السجدہ، آیات 7 تا 11)۔

(اللہ تعالیٰ ہی ہے) جس نے جو چیز بنائی حسن وخوبی سے بنائی۔ چنانچہ یہ اسی کی قدرت وحکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کے توالدوتناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصے سے جو پانی کا حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کردیا۔ پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح میں سے (ایک قوت) پھونک دی اور اس طرح اس کے لئے سننے اور دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کردیں، لیکن افسوس انسان کی غفلت پر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا شکر گزار ہو۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل کر فنا ہوگئے تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا پورا قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ [68:36] ۔

(سورۃ یٰسین، آیت 68)۔

اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم الٹا دیتے ہیں کیا یہ (اس کے بعد بھی) سمجھتے نہیں۔

اَوَلَـمۡ یَـرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ [77:36] وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ [78:36] قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٌ [79:36] الَّـذِیۡ جَـعَـلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ [80:36] اَوَلَیۡسَ الَّـذِیۡ خَـلَـقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ بَلٰی وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ [81:36] اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ [82:36] فَسُبۡحٰـنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ [83:36]

(سورۃ یٰسین، آیات 77 تا 83)۔

کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا، پھر ناگہاں وہ صریح جھگڑالو بن گیا اور ہماری شان میں مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے ان ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوچکی ہوں کون زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا۔ اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ اور دیکھو وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کی اور اب تم اس سے (اپنے چولہوں کی آگ) لیتے ہو، اور کیا جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پیدا کردے؟ کیوں نہیں؟

وہ ماہر خلاق ہر چیز کو جاننے والا ہے۔بس اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

ثُمَّ اَوۡلٰی لَکَ فَاَوۡلٰی [75:35] **اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی** [75:36] **اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی** [75:37] **ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی** [75:38] **فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی** [75:39] **اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی** [75:40]

(سورۃ القیامہ، آیات 35 تا 40)۔

تجھ پر افسوس در افسوس! پھر افسوس در افسوس، کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ سہل چھوڑ دیا جائے گا، اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہوگی کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا، پھر نطفہ سے علقہ (جونک کی سی شکل) پھر علقہ سے اس کا ڈیل ڈول پیدا کیا گیا پھر اس ڈیل ڈول کو ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا، پھر اس کی دو قسمیں کیں، یعنی نر اور مادہ۔کیا وہ اللہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے۔

اَخۡرَجَ مِنۡہَا مَآءَہَا وَ مَرۡعٰہَا [79:31] **وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰہَا** [79:32] **مَتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ** [79:33] **فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الۡکُبۡرٰی** [79:34]

(سورۃ النازعات، آیات 31 تا 34)۔

پھر جب وہ ہنگامہ بپا ہوگا جس روز انسان اپنی دوڑ دھوپ کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا، پس جو شخص سرکش ہوا، اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا صرف جہنم ہے۔لیکن جو شخص خدا سے ڈرا اور اپنے دِل میں ان نفسانی خواہشوں سے روکا جو ظلم و تمرد اور طغیان و فساد کی طرف لے جاتی ہیں تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا۔بلکہ انسان وہاں اپنے جسم و روح کے ساتھ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔

وَ یَوۡمَ یُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ [41:19] **حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡہَا شَہِدَ عَلَیۡہِمۡ سَمۡعُہُمۡ وَ اَبۡصَارُہُمۡ وَ جُلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ** [41:20] **وَ قَالُوۡا لِجُلُوۡدِہِمۡ لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ خَلَقَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ** [41:21] **وَ مَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡہَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَ لَاۤ اَبۡصَارُکُمۡ وَ لَا جُلُوۡدُکُمۡ وَ لٰکِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعۡلَمُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ**

[41:22] وَ ذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ [41:23]

(سورۂ حمٓ السجدہ، آیات 19 تا 23)۔

اوراس دن کو یاد کرو جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جانے کے لئے اکٹھا کیا جائے گا پھران اگلوں اور پچھلوں کے آنے تک روکا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اوران کی آنکھیں اوران کی کھالیں ان کے خلاف گواہ دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ جواب دیں گی، جس اللہ نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا۔ اوراسی نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور تم اسی کی طرف واپس لائے گئے ہو، تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال تھا کہ کبھی تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی، بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر بھی نہیں ہے اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے متعلق قائم کر رکھا تھا تمہیں تباہ کر دیا۔ اسی وجہ سے تم خسارے میں پڑ گئے''۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا۔ بلکہ انسان وہاں اپنے جسم وروح کے ساتھ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور انہی اجسام کے ساتھ زندہ ہوں گے جن میں وہ اب رہتے ہیں۔ اسی دن اجزاء جسم انسان کے خلاف شہادت دیں گے۔ مطلب یہ کہ قرآن مجید جس حشر (دوبارہ زندگی) کا ذکر کرتا ہے وہ حشر اجساد ہے۔

وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ[7:147]

(سورۃ الاعراف، آیت 147)۔

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے تو (یاد رکھ) ان کے سارے کام اکارت گئے، وہ جو کچھ بدلہ پائیں گے وہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں کرتے رہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے، اور وہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے............

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَـكُمۡ ؕ وَ نُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ‌ ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ

شَیۡـئًا وَ تَرَی الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ وَ اَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ [5:22]
ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [6:22] وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا
رَیۡبَ فِیۡهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ [7:22]

(سورۃ الحج، آیات 5 تا 7)۔

لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا تو (اس پر غور کرو) ہم نے تمہیں (کس چیز سے) پیدا کیا۔ مٹی سے پھر (تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا) اس طرح کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ بنتا ہے (یعنی جونک کی طرح کی ایک چیز)۔ پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایک ٹکڑا، اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تم پر (اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) واضح کروں، پھر دیکھو جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تک پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر (جب نطفہ تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کر لیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکالتے ہیں، پھر تم پر (یکے بعد دیگرے) ایسی حالتیں طاری کرتے ہیں کہ (بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو، پھر تم میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے جو بڑھاپے تک پہنچتا اور اس طرح عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پا کر پھر ناسمجھی کی حالت میں پڑ جائے۔ اور پھر تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے۔ ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن وخوبی کا منظر اگ آتا ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے اور وہ بلاشبہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے، نیز اس بات کی کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور اس کی کہ اللہ ضرور انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مر گئے)۔

ان آیات میں پیدائش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں، طفولیت، **الرشد و عقل**، **ارزل العمر** یعنی بڑھاپا۔ بڑھاپے کو عربی میں **ارزل العمر** کہتے ہیں، کیونکہ اس عمر میں تمام قوتیں جواب دے دیتی ہیں۔ اور طاقت کے بعد پھر کمزوری اور بے بسی کا عہد طاری ہوتا ہے۔ انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد وعقل کے بلوغ وکمال تک پہنچ جاتی ہے، اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اور جس حالت سے عمر چلی تھی اسی کی طرف لوٹ آتی ہے۔

دھن دولت آنی جانی ہے
یہ دنیا رام کہانی ہے

یہ عالم، عالم فانی ہے
باقی ہے ذاتِ خدا بابا

سوا اپنے وقت مقررہ اور اپنی مقررہ جگہ پر آ کر رہے گی، سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں ڈرتا اور کبھی اس کے ڈر سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا۔ وہ کہتا ہے کہ موت سے تو کسی حال میں مفر نہیں۔ پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو حق کی راہ میں پیش آئے۔ اور جس کا نتیجہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے۔

لیکن جن لوگوں کے دل ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہِ حق میں لوگوں کو موت پیش آ گئی تو کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں اس نتیجے سے دوچار ہوتے۔ گویا موت صرف جنگ میں ہی آ سکتی ہے، جو آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت 154 میں اس بات کا ذکر تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس کا یہ حصہ کہ "**یقولون لو کان لنا من الامر شئ ماقتلنا ھٰھنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم**" دوہرایا جا رہا ہے، یعنی ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لئے فتح و کامرانی میں سے کچھ ہوتا تو میدانِ جنگ میں نہ مارے جاتے۔

اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے جب بھی جن کے لئے مارا جانا تھا وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے (منافقین جنگ احد کی شکست یاد لا کر ڈراتے تھے) اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں، ترجمان القرآن میں سورۃ آلِ عمران کا پندرواں رکوع ملاحظہ کر لیا جائے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ [29:56] **کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ** [29:57]

(سورہ العنکبوت، آیات 56 تا 57)۔

اے میرے بندو! کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو، سو یقین کرو کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے میں تقسیم نہیں ہے، پس میرے ہی آگے جھکو اور میری بندگی کرو، ہر متنفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہ خویش و اقربا اور وطن تو آخر ایک دن چھوڑنا ہی ہے۔ موت آئے گی تو سب کچھ دھرا رہ جائے گا............

وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ [29:64]

(سورۃ العنکبوت، آیت 64)۔

اور یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق مع اللہ سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک

کھیل ہے،اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔کاش وہ جانتے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [6:62] وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ [7:62] قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [8:62]

(سورۃ الجمعہ،آیات 6 تا 8)۔

(اے پیغمبرﷺ) یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم اللہ کے ولی اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں موت کی آرزو کرو، اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو گے۔اور یہ اللہ اور اسکی صداقت کا جھوٹا دم بھرنے والے کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔کیونکہ انہوں نے ایسے کام کئے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور وہ زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان سے کہہ دو،اے نفس پرستو! جس موت سے تم اس قدر بھاگتے ہو وہ کچھ تمہیں چھوڑ نہ دے گی،ایک دِن ضرور آئے گی۔ پھر تم اس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو اس سے آگاہ کردے گا۔

یہودی اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ کے پیارے،ہم تنہا ہی جنت کے حقدار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا،اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو،لیکن یہودی اور موت کی تمنا یہ دو متضاد باتیں ہیں۔یہ موت سے ڈرتے ہیں۔اس کے برعکس مسلمان شہادت کی تمنا کرتے ہیں اور میدانِ جنگ میں بے دریغ لڑتے ہیں،کیونکہ انہیں یقین ہے کہ مرنے کے بعد انہیں شہادت کا مرتبہ نصیب ہوگا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں اور اس طرح دوڑتے ہیں گویا بھوکوں کو غذا اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔پر جو جھوٹے ہیں اور اللہ کی ولایت سے محروم ہیں انکار کر دیتے ہیں اور یہ ان کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے جو انہوں نے خود اپنے اوپر لگالی۔

موت کی تمنا سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لئے التجا کرے۔مقصود یہ تھا کہ خدا کے لئے اور اس کے کلمہ حق کے لئے ایسے کاموں میں پڑو،جن میں جان دینے،اپنا خون بہانے اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کو عیش ونشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔یہود پر توراۃ کا بوجھ ڈالا گیا تھا۔بلاشبہ توراۃ علم وحکمت کا خزینہ تھی،لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔اس سے نفع نہ اٹھایا تو ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر

کتابیں لدی ہوئی ہوں اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیا ہے؟۔''فاعتبروا یا اولی الابصار ''عقل والو! عبرت حاصل کرو۔

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ [30:18] يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ [30:19] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ [30:20] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [30:21] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ [30:22] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ [30:23] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ [30:24] وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ [30:25] وَ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ [30:26] وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [30:27]

(سورۃ الروم، آیات 18 تا 27)۔

پس پاکی ہے اللہ کے لئے اور آسمان وزمین میں اس کے لئے ستائش ہے۔ جب تم پر شام آتی ہے اور جب تم پر صبح ہوتی ہے اور جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر ہوتی ہے وہ جاندار کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی حالت موت سے نکال لئے جاؤ گے اور (دیکھو) اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر یکا یک تم بشر ہوکر زمین میں پھیلتے جارہے ہو۔ اور اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کردیئے (یعنی مرد کے لئے عورت، اور عورت کے لئے مرد) پھر درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کردیا۔ بلا شبہ ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس میں حکمت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں اور حکمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے اور طرح طرح کے رنگوں اور بولیوں کا پیدا ہونا ہے۔ فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اربابِ علم وحکمت کے لئے اور خدا کی آیات میں تمہارے رات کو سونا اور دِن میں خدا کے احسان تلاش کرنا ہے۔

بلاشبہ اس میں سننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور (دیکھو) قدرت وحکمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ بجلی کی کڑک اور چمک نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہوتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے۔

بلاشبہ اس صورتِ حال میں ان لوگوں کے لئے جو عقل وبینش رکھتے ہیں، حکمت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جونہی وہ تم کو زمین سے پکار کر بلائے گا تو تم سب پکارتے ہی اچانک نکل پڑو گے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور سب اسی کے حکم کے تابع ومنقاد ہیں، وہی ہے جو ابتداء مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ اس کے لئے آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی صفت سب سے بالاتر ہے اور وہ زبردست اور کامل حکمت والا ہے۔

آیت 21 میں ہے کہ ''**ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودّۃ ورحمۃ ان فی ذالک لأیۃ القوم یتفکرون**''۔

اس کا ترجمہ لکھا جا چکا ہے۔ اس پر ایک بار غور کریں کہ قانون فطرت نے انسان کو دو مختلف جنسوں مرد وعورت میں تقسیم کر دیا ہے پھر ان میں فعل وانفصال اور جذب وانجذاب کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت کر دیئے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے تا کہ محبت وسکون ہو اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت واشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل وگوارا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں پیدا کیں جن کے بغیر انسان مطمئن اور خوشحال زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

1 سکون۔ 2 مودت۔ 3 رحمت۔

سکون :

عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے جیسے زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہلا نہ سکیں۔

مودت :

سے مقصود محبت ہے، قرآنِ مجید کے نزدیک ازدواجی زندگی کی تمام تر بنیاد محبت پر ہے لیکن یہ محبت کا رشتہ پائیدار نہیں ہو سکتا اگر رحمت کا سورج دلوں میں نہ چمکے۔

رحمت :

رحمت سے مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبت کریں بلکہ ایک دوسرے کی خطائیں

اور کمزوریاں نظر انداز کردیں، رحمت کا جذبہ خودغرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت میں بدل دیتا ہے۔ خودغرضی میں انسان اپنی ہستی کو سامنے رکھتا ہے، لیکن رحیمانہ محبت میں اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے۔ رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کی غلطیاں بخش دے۔ غضب اور انتقام کی پرچھائیں دِل پر نہ پڑنے دے۔ (اقتباس)۔

وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِکَ فِي الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ [16:30]

(سورۃ الروم، آیت 16)۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا، اور ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تو یہ لوگ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔

سورۃ الروم کی آیت 20 سے آخر رکوع تک جونشانیاں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے تو وہ ایک طرف تو حیات اخروی کے امکان ووقوع پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور مدبر کائنات ہونے پر۔ مندرجہ ذیل آیت پر غور کریں۔

فَلَوۡلَآ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ [56:83] وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ [56:84] وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ [56:85] فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ [56:86] تَرۡجِعُوۡنَهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [56:87]

(سورۃ الواقعہ، آیات 83 تا 87)۔

سو جب جان حلقوم تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس مرنے والے کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے پس اگر تم کسی کے زیرِ فرمان نہیں ہو اور تم اس دعوٰی میں سچے ہو تو پھر اس روح کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟۔ اس سے آگے کی آیات میں ارشادِ ربانی ہے............

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ [56:88] فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ [56:89] وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ [56:90] فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ [56:91] وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ [56:92] فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ [56:93] وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ [56:94] اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ [56:95] فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِيۡمِ [56:96]

(سورۃ الواقعہ، آیات 88 تا 98)۔

پھر اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے راحت اور عمدہ رزق اور نعمتوں کا باغ ہے اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے تو تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو اصحابِ یمین سے ہے۔ اور اگر وہ شخص جھٹلانے والے

گمراہوں میں سے ہے تو کھولتے ہوئے گرم پانی سے اس کی مہمانی ہوگی اور جہنم میں داخل کیا جانا۔ یہ سب کچھ سراسر حق ہے۔**فسبح بسم ربک العظیم**☆ پس اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

خاندان

''نوعِ انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہوسکتے تھے سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے۔ سب کی نسل ایک تھی مگر ہزاروں نسلیں ہوگئیں، سب کی قومیت ایک تھی مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں، سب کی وطنیت ایک تھی لیکن سیکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے۔ سب کا درجہ ایک تھا لیکن امیر وفقیر، شریف ووضیع اور اعلیٰ وادنیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرائے گئے، ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آسکتا ہے، اور تمام انسان ایک ہی صف میں کھڑے ہوجاسکتے ہیں، قرآن مجید کہتا ہے کہ خدا پرستی کا رشتہ یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر سکتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اُسی ایک چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں، یک جہتی اور یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا کردیتا ہے کہ ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آسکیں''۔

تذکرہ کے یہ الفاظ مستعار لیتے ہوئے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خاندان کے فخر کا بت بھی دنیا کے عہد جاہلیہ کی ایک یادگار مشؤم ہے اور اسلام نے انسان کے بہت سے بنائے ہوئے بتوں کے ساتھ اس کو بھی توڑ دیا تھا۔ بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ کی نسبت اس سے زیادہ ہم کیا جانتے ہیں کہ مسلمان تھے، اور سلمان فارسیؓ سے جب اس کے خاندان کا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا سلمان بن اسلام۔ انسان کے لئے معیار شرف جو ہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہمیں ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں، نہ یہ کہ اپنی عزت کے لئے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں۔

نپولین کا ایک مشہور قول مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ ''فتح پروشیا کے بعد جب فریڈرک اعظم کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ فریڈرک کی تلوار قبر پر لٹک رہی ہے۔ نپولین نے تلوار اٹھا کر ایک ساتھی کے حوالے کی اور کہا کہ پیرس کے عجائب خانے کی نذر کردوں گا، یہ سن کر جنرل نے کہا اگر مجھ کو ایسی باعظمت اور تاریخی تلوار ملتی تو کبھی کسی دوسرے کو نہ دیتا، نپولین نے کہا ''کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟''۔

پس سچی عظمت کی راہ یہ نہیں ہے کہ فریڈرک کی عظمت یافتہ تلوار لوگوں کو دکھلائیں، سچی عظمت وہ ہے جو خود ہماری تلوار کو ہماری نسبت سے ملی ہو، اور اگر ایسا ہو گیا ہے تو یہ بس کرتا ہے ہم کو اپنی نیام میں صرف اپنی ہی جو ہر دار تلوار رکھنی

چاہیے۔دوسروں کی تلواروں کی نمائش سے اگر دیکھنے والوں کا تعجب واحترام حاصل بھی کرلیا گیا تو اس کے اصلی مالک ہم نہیں تلوار کا مالک ہے۔

دینِ الٰہی عمل کا قانون ہےاور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جواس کے عمل کی کمائی ہے۔یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سی نبی اور برگزیدہ انسان ہوچکے ہیں۔یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہےنجات وسعادت کے لئے کچھ سودمند نہیں...........

تِلْکَ أُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَہَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُم مَّا کَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُون(141)

(سورۃالبقرہ،آیت 141)۔

یہ ایک امت تھی جوگزر چکی اس کے لئے وہ تھا جواس نے اپنے عمل سے کمایااورتمہارے لئے وہ ہے جو اپنے عمل سے کماؤتم سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کہ ان کے عمل کیسے تھے۔قرآنِ پاک میں قانون نجات کا اعلان عام یوں کیا گیا ہے کہ...........

لَّیْسَ بِأَمَانِیِّکُمْ وَلا أَمَانِیِّ أَہْلِ الْکِتَابِ مَن یَعْمَلْ سُوء اً یُجْزَ بِہِ وَلاَ یَجِدْ لَہُ مِن دُونِ اللّہِ وَلِیّاً وَلاَ نَصِیْراً (123)

(سورۃالنساءآیت 123)۔

مسلمانو!یادرکھو(نجات اورسعادت)نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر(خدا کا قانون یہ ہے کہ)جوکوئی بھی برائی کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گااور پھر نہ تو کسی کی دوستی بچا سکے گی نہ کسی طاقت کی مددگاری۔

آیت بالا میں نہ صرف یہودیوں اورعیسائیوں کو بلکہ سب کومخاطب کر کے صاف صاف اعلان کردیا ہے۔ایسا اعلان جس کے بعد کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔برائی کا بدلہ برائی اور بھلائی کا بدلہ بھلائی ہے۔جس طرح سنکھیا کھانے سے ہر کھانے والا ہلاک ہوجاتا ہےخواہ یہودی ہو یا غیر یہودی اوردودھ پینے سے صحت وتوانائی ملتی ہے خواہ پینے والا کسی نسل وقوم اورگروہ سے تعلق رکھتا ہو،اسی طرح عالم مصنویات میں بھی ہر عمل کا ایک خاصہ ہےاوروہ اس لئے بدل نہیں جاسکتا کہ عمل کرنے والے کی نسل یا گروہ بندی کیا ہے۔اللہ کا فضل کسی ایک انسان یا گروہ ہی کے لئے نہیں ہے، سب کے لئے ہے،بس جوانسان بھی ہدایت کی راہ چلے گا ہدایت یافتہ ہوگا خواہ یہودی ہو یا کوئی ہو۔

اس اعلان سے یہودیوں کی گروہ بندی کے غرور باطل کوتوڑ دیا گیا کہ وہ ایک نجات یافتہ امت ہے اورآتش دوزخ ان پرحرام ہوگئی ہے۔تمام رسولوں نے یکے بعد دیگرے یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی بندگی کرواور نیک عملی کی زندگی

اختیار کرو، تم سب خدا کے نزدیک ایک ہی امت ہو۔ اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کو اپنے سے الگ نہ سمجھے نہ کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہو جائے۔

افسوس ہے کہ غرورِ نسل و وطن کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پھر جوڑ لئے گئے اور نئے نئے بھیسوں میں پھر اس کی پرستش شروع ہوگئی، اس قبائلی معاشرے میں جس میں ہم سب رہ رہے ہیں، بہت کم سر ملیں گے جو حسب ونسب کے نشہ باطل سے سرگراں نہ ہوں، الا ماشاء اللہ۔ پس نہ اس کی طلب ہے، نہ اس پر اعتماد اور نہ نا اہلوں کے اس فریب عزت اور سراب شرف کی ضرورت، طلب جس گوہر مقصود کی ہے وہ توفیق عمل ہے اور کچھ اعتماد ہے تو اپنی عجز و شکستگی اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی عاجز نوازیوں پر، وہاں حسب ونسب کے افسانوں کو کون پوچھتا ہے۔

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
فریبِ سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ

البتہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے جن کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو عزت بخشتا ہے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اباء صالحین کو نیک اولاد نصیب فرمائے۔ اور اولاد کے لئے صالح والدین ہوں۔ بلاشبہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یقین کرتا ہوں کہ مجھ کو ایک ایسے خاندان میں پیدا کیا جس میں صدیوں سے سلسلۂ علم وارشاد قائم و جاری ہے اور جس کے اسلاف کرام کے اعمال صالحہ کا پاک ورثہ یکے بعد دیگرے اخلاف تک منتقل ہوتا آیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حق گوئی اور حق پرستی اور اس راہ میں سرفروشی اور جان سپاری اور مغروران تاج وتخت اور بندگان مال و جاہ کے مقابلے میں بے نیازی اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی ہے اسی کو اپنا موروثی خزانہ اور اسی کو اپنا خاندانی تاج وتخت سمجھتا ہوں۔

بڑی سے بڑی آرزو جس کو اپنے دل میں رکھ سکتا ہوں یہی ہے کہ زندگی کی آخری گھڑیوں تک اپنے اسلاف کرام کے طریق صدق وحق پر مستقیم رہنے کی توفیق پاؤں، مولانا نے میری ترجمانی کر دی ہے، اس لئے دعا کرتا ہوں کہ ''**رب هب لی حکمًا والحقنی بالصالحین ☆ واجعل لی لسان صدق فی الاخرین ☆**''۔

بہر حال دوستوں، عزیزوں اور ساتھیوں کے اصرار سے اپنے خاندانی حالات قلمبند کرتا ہوں، چند نمایاں اور نتیجہ خیز واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔ میں نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ دین و دنیا کے باہمی تعلق سے بخوبی واقف تھا، وہ مسلم گھرانہ تھا، اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا؟ اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

''**و رهبانیة ما ابتدعوها ما کتبنا علیهم**''۔ اور جوگی پن جس کو عیسائیوں نے ایجاد کیا ہم نے ان پر نہیں لکھا تھا۔ ''**ولا تنس نصیبک من الدنیا**'' اور دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اس کو بھول نہ جاؤ۔ قرآنِ حکیم میں آتا ہے

''مسلمانو! خدا نے جو اچھی چیزیں تم کو حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو، اے محمدﷺ کہہ دے کہ جو آرائش بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو حرام کس نے کیا اور اچھی خوراکوں کو کس نے حرام کیا۔

مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ..................

''یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ اور لذائذ جن چیزوں کا نام ہے گو وہ ہزاروں لاکھوں ہیں، لیکن ان کو اگر اقسام میں محدود کیا جائے تو کل تین قسمیں ٹھہریں گی، دولت و مال، آل و اولاد، شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا''تونگری اور دولت کو ان نعمہائے الٰہی میں شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا جناب رسول اللہﷺ پر خدا نے جو احسانات کئے ان کا جہاں تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا............

''**ووجدک عائلا فاغنیٰ** ☆''. حضرت سلیمانؑ کو جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآنِ حکیم میں نہایت شان و شوکت سے کیا اور اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود سلیمانؑ نے خدا سے اس کی استدعا کی تھی۔

''**رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی** ☆'' خدایا مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔ بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کئے ہیں ان میں بڑا احسان یہ جتایا''**اذ جعل فیکم انبیاء وملوکا وقداتینا بنی اسرائیل الکتٰب والحکم والنبوۃ**''۔تم لوگوں میں پیغمبر اور بادشاہ پیدا کئے اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی۔(ترجمہ)۔

''ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان کو کتاب اور حکومت دی اور ان کو بہت بڑا ملک دیا، سب سے بڑھ کر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ میں جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی''۔

''**وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض** ☆''۔(ترجمہ) خدا نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دے گا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہاں ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیوں کا اس پیرایہ میں ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے میں ان ترقیوں کو بڑا دخل ہے۔''**ولقد کرمنا بنی اٰدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنھم من الطیبات وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً** ☆''۔ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں پہنچایا اور ان کو اچھے کھانے دیئے اور ان کو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

قرآنِ مجید میں خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے غور کرنے کے قابل ہے۔ قرآنِ مجید نے 25 جگہ مال و دولت کو خدا کا فضل کیا 21 جگہ اس کو خیر کے لقب سے یاد کیا۔ 12 جگہ حسنہ کہا ہے۔ اور 12 جگہ رحمت کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل واولاد ہے۔قرآن مجید میں ایک موقع پر خدانے اپنے خاص بندوں کے امتیازی اوصاف گنوائے ہیں، چنانچہ ان الفاظ سے ابتداء کی ہے''وعباد الرحمن الذین............ ''ان اوصاف میں سے ایک وصف یہ گنایا ہے۔

''والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین ''اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اوراولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے۔تیسری چیز شہرت اور نیک نامی ہے اس کا احسان خدانے خود آنحضرت ﷺ پر رکھا۔فرمایا،''ورفعنا لک ذکرک''۔

اخیر میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعوں پر دولت و مال کی برائی بھی بیان کی ہے، لیکن جب دونوں قسم کے موقعوں کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت و مال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور بے جا صرف کی جائے اوراس کی برائی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟۔

ہمارے بزرگ

تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ''چک بادشاہوں کے جبر وتشدداوران کے مذہبی تعصب سے بیزار ہوکر کشمیر کے دوجلیل القدر بیٹے باباخاکی اور شیخ یعقوب صرفی اکبر کے دربار میں پہنچے اور کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے ظلم کی داستان سنائی، اکبر کو کشمیر فتح کرنے کا بہانہ مل گیا، 1587ء میں وہ خود بھی کشمیر کے دورہ پر روانہ ہوا، اکبر اعظم ایک بڑے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا تھا، جب وہ تھنہ (راجوری) پہنچا تو یہاں سے کشمیری لباس اورزبان شروع ہوئی، بادشاہ نے بقول ابوالفضل یہ منظر دیکھ کر کہا تھا کہ......................

''گو دریا، پہاڑ اور جنگل ملکوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں مگر زبان سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے ایک ملک دوسرے سے جدا ہوتا ہے اس لئے کشمیر کی یہ حد ہے یہاں سے کشمیر کا آغاز ہوتا ہے''۔(ماخوذ از تاریخ میر پور کا ایک اہم دور'')۔

اکبر اعظم نے اپنی رعایا کی تالیف قلوب کے لئے تین دورے کئے میرے نزدیک کشمیر کی غلامی کے بہت سے اسباب میں سے تین بڑے سبب اس ریاست کا قدرتی حسن، اس کی سرسبزی وشادابی اوراس کا محل وقوع ہیں، ہمسایہ ممالک کواس پر حملہ کرنے کا لالچ اسی وجہ سے ہوا ہے۔یہ مشہور ہے کہ کشمیری اپنے آقاؤں کوخود بلاکرلاتے رہے۔یہ بھی اس کی ایک مثال ہے۔

غلامی کی وجہ سے اس قوم کا ضمیر مردہ ہو چکا تھا اور لوگ سازشوں کا شکار ہوتے رہے، ہزاروں سال آزاد رہنے والی قوم جب غلام بن گئی تو وہ اپنا شاندار ماضی بھول گئی اور روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض آزادی کا سودا کرتی رہی، اس کے باوجود ایسے بہادر بھی موجود رہے جو غلامی کے خلاف جدوجہد کرتے رہے، اور آج بھی کررہے ہیں، اکبر اعظم کے دربار کا مشہور مؤرخ ابوالفضل کشمیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ..................

''یہ بہت ہی دلکش ملک ہے، بلکہ اس کو سدا بہار باغ کہنا درست ہوگا۔ یہاں کے چشموں کا پانی خوش ذائقہ، اس کے آبشاروں کی آواز کانوں کے لئے موسیقی، اور اس کی آب و ہوا صحت بخش ہے۔ یہاں کے پھول بہت خوشنما اور مرغوب طبع ہیں، بنفشہ، سرخ گلاب اور نرگس یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں بے شمار قسم کے نباتات ہیں اور بہار و خزاں دونوں انتہائی دلکش، روح پرور اور کیف آگیں ہوتی ہیں، موسم بہار میں وہ باغ جن میں لالہ اگتا ہے بس دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں''۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں جگہ جگہ کشمیر کا ذکر کیا ہے، ایک جگہ کشمیر کے مرغزاروں، گلستانوں اور دیگر روح پرور مناظر کا نقشہ اس دلکش انداز میں کھینچا ہے...........

''کشمیر ایک سدا بہار باغ ہے، یہاں کے دلکش اور دلفریب مرغزاروں اور کیف آگیں وروح پرور آبشار توصیف وتعریف سے مستغنی ہیں۔ ان مرغزاروں اور آبشاروں کی خوبصورتی کی تصویر قلم نہیں کھینچ سکتا، یہاں ان گنت چشمے ہیں، جن کا بہتا ہوا پانی انسان کے دل میں ایک عجیب کیف وسرور پیدا کرتا ہے جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے سرسبزی وشادابی، مرغزار وچمن اور بہتے ہوئے چشموں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، سرخ گلاب اور نرگس وغیرہ کی یہاں پر بہتات ہے، پھولوں کی اتنی کثرت ہے کہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔

بہار کے کیف آگیں اور نشاط انگیز موسم میں کشمیر کی تمام وادیاں اور باغ پھولوں سے بھر جاتے ہیں، مکانوں کی دیواریں، دروازے، چھتیں غرض جدھر بھی نگاہ دوڑائیے، پھولوں کے انبار آپ کو نظر آئیں گے، بادام اور شفتالو کے باغوں کے دلفریب مناظر بہترین اور از حد دلکش ہوتے ہیں، والد مرحوم کی ہمراہی میں جہانگیر اکثر زعفران کے کھیتوں کے گرد گھومتا اور خزاں کے بر بہار موسم کا نظارہ کیا کرتا تھا۔ اور اس سے آنکھوں کو طراوت اور دل کو حظ حاصل ہوتا ہے''۔

شاہجہاں 1665ء کو سیاحت کشمیر پر روانہ ہوا۔ عالمگیر کی پہلی اور آخری سیاحت کی تفصیلات خود اس کے درباری مورخ ملا محمد کاظم شیرازی نے قلمبند کی ہیں............ ڈاکٹر برنئیر عالمگیر کے وزیر خارجہ نواب دانشمند خان کے ....ہمراہ کشمیر گیا اس نے ایک فرانسیسی دوست کو کشمیر کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ....

''کشمیر نے مجھ پر جادو کردیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خوبصورتی کا جو معیار میں نے اپنے تخیل میں قائم کیا تھا، کشمیر اس سے بھی بلند تر ہے۔ غالباً دنیا کا کوئی ملک اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اگر مغل اسے دنیا کا بہشت کہتے ہیں تو

بالکل درست ہے۔ جہانگیر کو کشمیر خاص طور پر پسند تھا اور وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اپنی حکومت کے دوسرے حصوں کو کشمیر پر قربان کر سکتا ہوں‘‘۔

جہانگیر اپنے باپ کے ہمراہ کشمیر دیکھ چکا تھا اور خود اپنے دورِ حکومت میں کئی بار کشمیر آیا۔ بلکہ اس کی وفات بھی کشمیر ہی کے ایک سفر کے دوران بھمبر کے قریب ہوئی۔ مغلوں نے کشمیر پر تقریباً ایک سو چھیاسٹھ برس حکومت کی۔ ان کی نسلیں سرینگر (کشمیر میں آ کر آباد ہوئیں) ہمارے بزرگ کب آئے ہیں؟۔ میں نے اس کی تحقیقات نہیں کی نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں، نہ اس پر میرا یقین ہے، یہ چند صدیوں کا قصہ ہے، سب نوع انسانی ایک ماں باپ کی اولاد ہے۔ ساری دنیا اس کا ملک ہے، انسانوں کے قافلے دنیا میں گھومتے پھرتے رہے۔ عالمگیر کے عہد حکومت میں آتش زدگی، خشک سالی، قحط، بھونچال، سیلاب میں سے ہر ایک نے باری باری اپنا زور دکھایا، لوگ سرینگر چھوڑ کر ریاست کے دوسرے علاقوں میں پناہ لیتے رہے، ہمارے بزرگ کس دور میں سرینگر چھوڑ کر ضلع میرپور کے گاؤں موہڑہ کینال میں آباد ہوئے، میں نے اس کی تحقیقات کرنا بھی مناسب نہ سمجھا یہ وقت کا ضیاع تھا۔ ہمارا گاؤں کشمیر جنت کے انتہائی جنوب میں واقعہ ہے اس کی سرحد جہلم سے لے کر راولپنڈی کے ضلع تک پاکستان سے ملتی ہے۔

اب پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ صدیوں سے کشمیر میں رہنے کی وجہ سے ہمیں بھی کشمیری ہونے کا حق حاصل ہے اور اس پر ہمیں فخر ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے جس کی آزادی کے لئے ہماری جدوجہد جاری ہے۔

ونو بھا بھاوے برصغیر کے ایک ممتاز سماجی رہنما تھے، انہوں نے غریب کسانوں کو زمینیں دلوائیں، وہ دیش بھگت تھے، کشمیری اس وقت بھارت کے خلاف صف آرا تھے، ان کا نعرہ تھا کہ کشمیر، کشمیریوں کا ہے یہ غالباً سال پچاس کے عشرہ کا ذکر ہے۔ جب وہ کشمیر کے دورے پر آئے تو کشمیریوں نے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اس مسئلہ پر بحث کی، ونو بھا بھاوے نے خاموشی اختیار کر لی اور لوگوں کے اصرار پر انہیں جب زبان کھولنی پڑی تو کہنے لگے کہ کشمیر ساری دنیا کا ہے۔ اس پر ساری دنیا کا حق ہے۔ قدرت نے اسے انسانوں کے لئے جنت بنایا ہے۔ اس جنت بے نظیر کا لطف اٹھانے کے لئے کسی کو روکا نہیں جا سکتا، ہم کشمیری بھی یہی کہتے ہیں کہ کشمیر کو کشمیریوں کے حوالہ کیا جائے تاکہ اس کے دروازے سب پر کھول دیئے جائیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اس کے اپنے شہریوں کو بھی آزادی سے پھرنے کی اجازت نہیں ہے، قابض قوتیں اس راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور وفقیر

کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات ، اے خدا دیر گیر

جہانگیر نے ہی کشمیر کے بارے میں کہا تھا اور کچھ بے جا بھی نہیں............

گر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

ریاست جموں وکشمیر میں مغلوں کے قافلے مختلف ادوار میں آ کر آباد ہوتے رہے۔ وہ فاتح کی حیثیت سے بھی وادیٔ کشمیر میں پہنچے اور جب کشمیر میں زلزلہ آیا، سیلاب آئے، قحط پھیلا تو وہ وادی سے نکل کر راجوری، میرپور اور پونچھ کے اضلاع میں آ کر آباد ہو گئے۔ ہمارے والد محترم میاں محمد سواری کے دادا عظیم اللہ مرحوم تھے۔ عظیم اللہ مرحوم کے دادا محمد معصوم تھے جو سرینگر سے آ کر موہڑہ کینال میں آباد ہوئے تھے۔ شجرہ نسب ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ یہاں مختصراً یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ ہمارے گھرانے نے جو دین اسلام کی خدمت کی ہے اور آزادی وطن کے لئے قربانیاں دی ہیں اس سے آنے والی نسلوں کی رہنمائی ہو سکے۔ شجرۂ نسب ساتھ شامل ہے............

خاندانی شجرہ نسب

ہمارے والد محترم میاں سواری اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے البتہ ان کی بہنیں 3 تھیں ہم کل چار بھائی اور ایک بہن تھی۔

میرے بڑے بھائی مولانا غلام نبی انصاری مرحوم نے ہماری سب بھائیوں کی دیکھ بھال کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہ ساری عمر محنت مزدوری کرتے رہے مزدوری کیلئے شملہ انڈیا تک گئے اور دینی علوم میں انہیں مکمل دسترس حاصل تھی امام مسجد کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ وہ حکمت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، بے شمار لوگ ان سے دیسی نسخہ جات حاصل کرتے اور اپنی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ گاؤں میں ان کا ساتھ مولانا عبدالغنی انصاری یک جان دو قالب تھے۔ اور دونوں بھائیوں میں آپس میں محبت پیار کا رشتہ لازوال تھا۔ جہاں کہیں جاتے دونوں ساتھ ساتھ ہوتے۔ گاؤں میں ماسٹر عطامحمد، ماسٹر فیض عالم، غلام ربانی، چچا سلطان محمود سے مل کر وہ خدمت خلق میں لگے رہتے۔ ان کے تعلقات بے شمار لوگوں کے ساتھ تھے۔ جن میں چوہدری کرم الٰہی، اللہ دتہ بھی شامل تھے۔ وہ گولڑہ شریف میں بیعت یافتہ تھے۔ اور انہیں گولڑہ شریف کے پیر حضرت شاہ صاحب سے بہت بڑی عقیدت تھی وہ سہارن پور انڈیا میں مذہبی تعلیم کے لئے گئے تھے۔ چک سواری میں بھی علم دین کی جستجو میں جاتے رہے۔ پوری زندگی وہ کاروبار کر کے گھر کو خرچہ بھیجا کرتے تھے۔ میری تعلیم بھی ان ہی کی مرہونِ منت تھی۔ انہوں نے مجھے تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا وہ ڈڈیال شہر اور میرپور میں بزازی کی دکان کرتے رہے۔ ان کے تین بیٹے، محمد عارف انصاری محمد فاضل انصاری محمد فاروق انصاری میں جو انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے محمد عارف انصاری عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری کے سرگرم رہنما تھے۔

محمد عارف انصاری اس وفد میں بھی شامل تھے جو سرینگر میں کنونشن کے موقعہ پر گیا تھا۔ آج کل وہ انگلینڈ میں محاذ رائے شماری میں کے سیکرٹری جنرل ہیں اور مالی قربانیاں دینے سے کبھی گریز نہ کیا۔ ان کی دو بہنیں خدیجہ مرزا اور خالدہ فردوس ہیں۔ خدیجہ مرزا کی شادی محمد صدیق مرزا سے ہوئی ہے جبکہ خالدہ فردوس محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کی بیوی ہے۔

میرے دوسرے بھائی محمد صادق انصاری سکول میں مدرس رہے ہیں اور میرے بھائی غلام نبی انصاری کے ساتھ مل کر گھر کو چلاتے رہے ہیں۔ وہ 1954ء میں انگلینڈ چلے گئے ان کے چار بیٹے ہیں۔ محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ سب سے بڑا بیٹا ہے اور وکالت کے پیشہ سے منسلک رہا ہے۔ محمد صابر انصاری کی والدہ کی وفات کے بعد اس کو اس کی نانی مرحومہ نے پالا پوسا اور اس نے ابتدائی تعلیم جہلم میں نانی صاحبہ کے ہاں مکمل کی۔ اور پرائمری تعلیم کے بعد ہمارے والد محترم کے پاس آ گیا جہاں اپنے دادا مرحوم کے ساتھ موہڑہ کینال میں مڈل میں تعلیم حاصل کی۔ بعد والد مرحوم کے فوت ہونے کے بعد وہ میرے پاس میرپور آ گیا تھا۔ جہاں اس نے بی اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے اور اب تک وہ

میرے ساتھ ہی رہائش پذیر ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں وہ زوروشور سے سیاست میں حصہ لیتا رہا اورتحریک آزادی کشمیر میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آزادکشمیر میں بحالی جمہوریت میں اس نے قیدوبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں کم وبیش 3/4 سال تک وہ جیل میں رہا۔اس نے اپنے دوسرے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ مل کر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈ ریشن بنائی جو غالباً پہلی طلبہ تنظیم ہے جوکہ آزادکشمیر میں معرضِ وجود میں آئی 1967ء میں یہ گرفتار ہوکر جیل میں ایک ماہ مقید رہا وہاں سے رہا ہوکر اپنے ساتھی ممتاز راٹھور سابق وزیراعظم آزادکشمیر کے ساتھ گرفتار ہوکر دولائی جیل اور مظفرآباد جیل میں پہنچا، یہ بھی غالباً آزادکشمیر میں پہلے طالب علم ہیں جنہیں دولائی جیل میں قید کیا گیا اوراس نے بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ جیل کاٹی۔آزادکشمیر کی کوئی تحریک ایسی نہ تھی جس میں یہ پیش پیش نہ ہوا ہو بحالی جمہوریت کی تحریک ہو یا 1981ء کی میرپور کی تحریک یا وکلاء کنونشن میرپور میں ہمیشہ اگلی صفوں میں رہا۔ ہرتحریک میں اسے گرفتار کیا جاتا رہا۔گنگا اغوا کے مقدمہ میں دوبارہ دولائی اور مظفرآباد میں ایک سال تک قید رہا۔اس کی نقل وحرکت پر کئی دفعہ وزارتِ امورِ کشمیر نے پابندی لگائی۔

1972ء میں وکالت کرتے ہوئے عدالت میں پیش ہوتا رہا اور ایک موقعہ پر اس کے خلاف مقدمہ تھا جس میں 512 کی کارروائی کرکے اسے مفرور سمجھا گیا۔وہ بھی عدالت اے۔ڈی۔ایم میں موجود تھا سب جج کی عدالت میں جج نے اُسے کہا کہ صابر صاحب تمہارے خلاف ایک مقدمہ ہے تو آپ درخواست دیں تاکہ میں اسے ختم کردوں۔اُس نے کہا کہ وہ ایک سال سے اس عدالت میں پیش ہورہے ہیں۔اُنہیں نہیں معلوم کہ اُن کے خلاف کوئی مقدمہ یا پرچہ درج ہے۔اس پرسب جج صاحب خاموش ہوگئے۔بعد میں وہ مِثل داخلِ دفتر کردی گئی تھی۔محاذ رائے شماری میں شامل ہوکراس نے انتھک محنت کی۔اور پھر محاذِ رائے شماری کا مرکزی پبلسٹی چیئرمین بھی بنا۔محاذ رائے شماری کے عسکری ونگ نیشنل لبریشن فرنٹ کا اہم ممبر رہا۔اور مقبول بٹ شہید کے ساتھ یہ بھی مشن پر کام کرتا رہا۔آج کل محمد صابر انصاری چیئرمین لبریشن فرنٹ یٰسین ملک کی جماعت کا آزادکشمیر میں عہدیدار اور صدر ہے۔ اس طرح اس کی جدوجہد جاری ہے۔ دوسرے بھائی عبدالقیوم انصاری جوکہ آج کل انگلینڈ میں ہیں وہ بھی میرپور کئی دفعہ گرفتار ہوا اور پولیس تشدد برداشت کیا۔انگلینڈ میں ہم محاذ رائے شماری کے اہم راہنماؤں میں اس کا شمار ہوتا ہے آجکل وہ الم راک روڈ پر واقع مسجد کا نگران بھی ہے اس طرح دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہے۔ان کے دوسرے دو بھائی محمد شفیق انصاری اور شکیل انصاری بھی انگلینڈ میں موجود ہیں۔ان کی پانچ بہنیں ہیں، ان کی ایک بیٹی میرے بیٹے افتخار احمد انصاری کی بیوی ہے۔ باقی بیٹیاں بھی انگلینڈ میں رہتی ہیں۔ان کی ایک بیٹی فوزیہ دت امریکہ میں ہوتی ہے۔صابر انصاری کے چار بیٹے محسن انصاری، وسیم انصاری، سعد انصاری اوراحسن ہیں۔ بڑا بیٹا انگلینڈ میں ہے۔جبکہ محسن انصاری آجکل اسلام آباد میں پروفیسر ہے باقی ابھی زیرتعلیم ہیں۔اس کی

پانچ بیٹیاں ہیں جن میں سے چار کی شادی ہو چکی ہے ایک بیٹی ابھی زیرِ تعلیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے بڑا بیٹا افتخار احمد انصاری ہے جو کہ انگلینڈ میں ہے۔اس کے دو بیٹے عثمان اور معید افتخار ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں اور تین بیٹیاں ہیں ۔افتخار انصاری نے انگلینڈ میں محاذ رائے شماری کے پرچم کو بلند کر رکھا ہے۔اور اپنی جدو جہد کو اس نے جاری کر رکھا ہے یہ مقرر خوش الحان بھی ہے۔اور ترنم سے حمد اور نعت رسول بھی کہتا ہے تو لوگ جھوم جاتے ہیں اس کے بعد سہیل انصاری ہیں ایڈووکیٹ ہیں جو کہ ایم اے، ایل ایل بی ہیں وہ آجکل امریکہ میں رہائش پذیر ہے اس کے دو بیٹے ہیں حمزہ اور تیمور۔دو بیٹیاں جویریہ سہیل اور عالیہ ہیں۔سہیل انصاری میر پور میں 1981ء کی تحریک میں گرفتار ہوا اور عوامی حقوق کی خاطر اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیا امریکہ میں بھی یونائیٹڈ نیشن کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر مظاہرہ کا اہتمام کرتا ہے اور کشمیر کی آزادی کی آواز کو بلند کر رکھا ہے۔طارق انصاری بھی ایم اے ایل ایل بی ہے اور امریکہ میں موجود ہے۔ وہ میر پور گورنمنٹ کالج میں ایک متحرک طالب علم تھا وہ کالج یونین کا صدر بھی منتخب ہو چکا ہے اور تحریک سے وابستہ ہے اس کے دو بیٹے شہر یار اور مبشر عباس ہیں محمد خالد انصاری ایم اے کرنے کے بعد امریکہ میں ہے جہاں وہ امام مسجد کے فرائض انجام دے رہا ہے۔اور کشمیر کی آزادی کی خاطر یہ تحریک میں ہمیشہ صف اول میں شامل رہا ہے دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر کی آزادی و خودمختاری کے لئے انتھک کوشش کرتا چلا آ رہا ہے۔

عامر شہزاد نے ایم اے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے کیا اور بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی دو بیٹیاں حسن فاطمہ اور فائزہ ہیں۔محمد ناصر انصاری ایڈووکیٹ میر پور میں وکالت کے پیشہ سے منسلک ہے اور امریکہ آتا جاتا رہتا ہے۔کالج کے زمانہ ہی سے وہ سیاست میں دلچسپی لیتا رہا ہے۔اس نے نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن میں بھی کام کیا اور کئی دفعہ گرفتار ہوا اور آجکل ''محاذ رائے شماری کا مرکزی صدر ہے اور جماعت کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے۔ انتھک محنتی ہے۔اور اس نے تمام نیشنلسٹ تنظیموں کو اکٹھا کیا اور گلگت و بلتستان میں گورنر راج کے خلاف مظاہرے کرائے۔اور اب بھی اسی جدو جہد میں مصروف ہے۔ایک اچھا مقرر ہونے کے ساتھ وہ خدمت خلق جو عوام کی فلاح و بہبود کا ادارہ ہے اس کا بھی سرپرست ہے۔اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے ہمہ تن کوششوں میں مصروف رہتا ہے اس کی تین بیٹیاں ہیں ہما ناصر، عکاشہ ناصر اور نور النساء ہیں، سب زیرِ تعلیم ہیں نور النساء مجھے آج بھی آزادی کے ترانے اور نغمے ترنم سے سناتی ہے۔

ہمارے سب سے چھوٹے بھائی عبدالمالک انصاری ہیں جو کہ انگلینڈ میں رہائش پذیر ہیں اور ان کے چار بیٹے ہیں محمود الحسن زبیر الحق، منصور اور شعیب انصاری ہیں اور سب بچے برسرِ روزگار ہیں۔اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں۔کسی کے محتاج نہیں بس اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت فضل و کرم ہے۔اُن کی ایک بیٹی شکیلہ ہے جو کہ عبدالقیوم انصاری کی بیوی ہے۔

محمود الحسن کی بیوی فرحت جمیلہ ہے ان کی ایک بیٹی سعدیہ ڈاکٹر ہے اور برمنگھم میں کام کر رہی ہے ان کے ایک پوتے حافظِ قرآن ہیں ۔ ہماری ایک ہی بہن بیوی بیگم تھیں، خدا اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اس کی دو بیٹیاں زبیدہ بیگم اور نسیم اختر ہیں ۔ یہ دونوں حاجی محمد بشیر اور محمد ایوب مرزا کی بیویاں ہیں، نسیم اختر کی ایک بیٹی جسٹس آف پیس ہے ۔ میری بہن نے جو میری خدمت کی اس کا اجر اللہ ہی اس کو دے گا ۔ وہ خود سارے گھر کے کام کرتی اور میری بیماری کے دوران اس نے دن رات ایک کر کے میری خدمت کی اور ایک ماں کا کردار ادا کیا۔

اس دوران وہ خود بھی بیمار ہو گئیں اور طویل عرصہ تک بیمار رہی میں اس کے پاس مشین محلّہ نمبر 3 جہلم میں رہتا تھا، علاج کراتا رہا۔ بہت ہی پیار محبت کرنے والی بہن تھیں۔ ان کے دو بیٹے ہیں، محمد رفیق مرزا مرحوم اور محمد سلیم مرزا ہیں ۔ محمد رفیق مرزا کے چار بیٹے الیاس، مشتاق مرزا اشفاق مرزا اور اشتیاق ہیں ۔

دو بھائی انگلینڈ میں ہیں جبکہ دو بھائی یہاں کاروبار کرتے ہیں ان کے دوسرے بیٹے سلیم مرزا ہیں ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ممتاز مرزا سیاست میں بہت زیادہ سرگرم رہا ہے جہاں وہ سٹوڈنٹس کے زمانہ میں گرفتار ہوا وہ راولپنڈی بھی مظاہرے میں گرفتار ہوا۔ محاذ رائے شماری کا بہترین باشعور کارکن تھا۔ آجکل انگلینڈ میں وہ لبریشن فرنٹ کا ایک اہم راہنما ہے ۔ وہاں بھی پوری جدوجہد میں لگا ہوا ہے ۔ محمد سلیم مرزا میرے ساتھ تو کام کرتا رہا اور اس کے اپنے گھر کے ساتھ ساتھ میرے گھر کی بہت دیکھ بھال کی ہے اس نے میری خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے ۔ میرا یہ بھانجہ کم گو اور ایمانداری کی اعلیٰ نمونہ ہے، جس کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی ہے ۔

میرے بچپن کے مشاغل

آج سے تقریباً 86 سال قبل بنی (بازو پکڑنا) کا بہت رواج تھا ہم آخروٹ بھی کھیلتے تھے ۔ بلوری شیشوں والے بلوروں سے کھیلا کرتے تھے۔ صحن کے اندر لکیریں لگا کر گھر بنائے جاتے اس میں ایک پاؤں کھڑے ہو کر عبور کرتے تھے صحن سے باہر گلی ڈنڈا مشہور کھیل تھا، اور گھروں سے باہر ٹولیوں کی شکل میں باہر نکل جایا کرتے تھے۔ اور شہتوت کھایا جاتا تھا یہ لمبے اور چھوٹے ہوتے تھے۔ آم کھانے کے لئے کھٹار تک دور جایا کرتے تھے۔ گاؤں کے نزدیک پکہ نکہ پہاڑی کی طرف بھی جاتے تھے ۔ جہاں پر جنگلی پھل وافر مقدار میں موجود ہوتے تھے ۔ سارے شمال کی جانب مٹھہ نکہ میں چھوٹی چھوٹی بیری کے جھنڈ تھے ۔ وہاں بیروں کو کھاتے اکٹھا بھی کرتے تھے ۔ بوریوں میں ڈال کر لایا کرتے تھے ۔ رات کو اندھیری راتوں میں چوری چھپے کا کھیل بھی کھیلا جاتا تھا۔ نہانے کے لئے عموماً دریا پر جایا کرتے تھے۔ گاؤں کے قریب نالہ

پر بھی جایا کرتے تھے۔ کبڈی ہمارا کھیل تھا، وہاں گاؤں سے آٹھ دھرم ارتھ جا کر کبڈی کھیلتے اور اکثر جیت کر آتے تھے۔ گاؤں کے دارہ (بیٹھک) میں محفلیں جمتی تھیں وہاں قصص انبیاء کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں اور شعر بھی سنائے جاتے تھے۔ وہاں صبح کے وقت چائے کا بندوبست بھی ہوتا تھا۔ چائے پی کر گھروں کو چلے جاتے اگر کوئی خطرناک جگہ کی نشاندہی کرتا تو وہاں تک چلے جاتے۔ دور دور تک چھچھرے کے درختوں کے پتوں کا رس چوستے تھے۔ کبھی کبھار عبادت گاہوں کی صفائی کی ڈیوٹی لگ جاتی تھی۔ کبھی کبھار چنے کی فصل کے دوران چنے اکھاڑ کر کھائے جاتے۔ دوستوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپس میں ایک دوسرے کے گھر آنا جانا رہتا تھا۔ تو عورتیں شور مچا کر واپس بلاتی تھیں۔ گلیوں میں ٹولیوں کی شکل میں پھرتے تھے۔ ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے تھے۔ اس طرح بے شمار مشاغل تھے۔ جن میں شریک ہوتے۔ سارے لوگ ایک فیملی کی حیثیت سے رہتے تھے۔ سب لوگوں کا معیارِ زندگی تقریباً ایک جیسا تھا۔ البتہ اگر نمبردار کا لڑکا رعب ڈالتا تو اس کا رعب مان لیا جاتا تھا۔ ہمارے گاؤں میں کوئی نمبردار نہیں تھا رات کو پہرے دار نکلا کرتے اور سریلی آواز میں جگاتے تھے۔ سب ایک دوسرے کو کنبے کا فرد سمجھتے تھے۔ البتہ شرک کی دو نشانیاں مٹھ نکہ اور پکہ نکہ کو ہم نے گرا دیا تھا۔ لوگوں کو عملاً تعلیم دی کہ صدقہ خیرات کے لئے وہاں نہ جائیں سردیوں میں لباس کو دگنا کر کے پہن لیتے تھے۔ دو دو قمیص پہن لیتے تھے۔ چادر سے سر کو لپیٹ لیتے تھے۔ اور سردی سے بچاؤ کرتے۔ گرمیوں میں جوتے نہ ہونے کی وجہ سے ننگے پاؤں بھی سکول چلے جایا کرتے تھے۔ راستے میں لوگ کبھی کبھار مٹھائی کھلایا کرتے ہمارے گاؤں میں ایک ہی ہندو کا گھر تھا، اس نے پانی کا الگ انتظام کر رکھا تھا۔

بڑا لائق دوکاندار تھا۔ بچے اس کے پاس چیزیں خریدنے جاتے۔ وہ گڑ کی ایک دو ٹکیاں دے دیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ سب اچھی طرح پیش آتے وہ سب گاؤں والوں کا پسندیدہ شخص تھا۔ ہمارے زمانہ میں باتھ روم کا رواج نہ تھا رفع حاجت کے لئے دور کھیتوں میں جانا پڑتا تھا۔ گاؤں کے نزدیک نالہ بہتا تھا وہاں جا کر نہاتے اور کبھی دریا کی طرف چلے جاتے جہاں کپڑے دھونے کے ساتھ غسل بھی کر لیا کرتے تھے۔

میرے سسر اور مدبرِ اعظم شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر تھے۔ ہندوستان بھر کے چوٹی کے راہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ یہ جماعت ہنرمندوں، کسانوں، مزدوروں کی جماعت تھی۔ ہندوستان بھر کے پسماندہ طبقات اس میں شامل تھے۔ مدبر اعظم شیخ ظہیر الدین میاں افتخار الدین۔ مولانا محمد علی جوہر، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ماسٹر تاج الدین انصاری مولانا ابوالکلام آزاد کے ہمعصروں میں شمار ہوتے تھے۔ ہندوستان کی سات جماعتوں جن میں احرار، جمعیت علمائے اسلام وغیرہ شامل تھیں ان سب نے ان کو اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا تاکہ وہ ہندوستان کے وائسرائے سے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں بات کر سکیں اور اپنے مطالبات ان کے سامنے رکھیں۔ ہندوستان کی تقسیم کے

وقت انہوں نے سیکڑوں مسلمانوں کو فسادات سے بچا کر پاکستان لایا۔اور پورے ہندوستان میں انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل کانگریس کے بڑے راہنماؤں میں جواہر لعل نہرو بھی شامل تھے۔ ان کو کہا تھا کہ وہ پاکستان نہ جائیں ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کی خدمت کریں وہ انہیں ہندوستان کی کابینہ میں وزیر لینا چاہتے تھے انہیں سفارت کی پیشکش بھی کی گئی لیکن اس کے باوجود وہ پاکستان آ گئے اور انبالہ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے اپنے کنبہ سمیت لاہور آئے ۔لاہور میں مومن کانفرنس کے دفتر میں بیٹھ کر مہاجرین کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ گوجرانوالہ بھی گئے اور پھر سرگودھا مستقل رہائش پذیر ہوئے جہاں وہ وکالت کرتے تھے۔ پاکستان آ کر آزاد پاکستان پارٹی میں میاں محمود علی قصوری وغیرہ سے مل کر بنائی۔ بعد وہ نیشنل عوامی پارٹی میں عرصہ تک شامل رہے۔اور پھر پیپلز پارٹی میں یہاں محمد علی قصوری کے ساتھ شامل ہو گئے وہ پنجاب کے وائس چیئرمین رہے۔1942-43 میں غالباً آل انڈیا مومن کانفرنس کا اجتماع میر پور میں ہوا تھا جس میں شیخ ظہیر الدین ہندوستان سے خصوصی طور پر آئے تھے۔اس اجتماع کا اہتمام حاجی وہاب الدین، عالم الدین مرزا وغیرہ نے مل کر کیا تھا۔اس اجتماع میں مجھے بھی تقریر کرنے کا موقعہ ملا اور میری تقریر کو سب سے خوب داد ملی تھی۔

ایوب خان کے مارشل لاء کو وہ ہمیشہ چیلنج کرتے تھے۔اس کی ڈٹ کر مخالفت کی اسے پاکستان دشمنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ مارشل لاء کے تحت گرفتار بھی ہوئے اور مارشل لاء ریگولیشن میں ان کو سزا بھی دی گئی جو انہوں نے غالباً منٹگمری ساہیوال میں قید کاٹی۔ پاکستان مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم بھی ان کے ساتھ جیل میں تھے۔ ہندو مسلم فسادات کے دوران انہوں نے بے انتہا کام کیا اور دکھی انسانیت کی خدمت کی وہ بہار بنگالی نور کھلی میں فسادات میں پہنچے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرتے رہے اس طرح لوگوں کی مصیبتوں دکھوں کو کم کرنے کی کوشش کی ۔البتہ انہیں اس بات کا ہمیشہ دکھ رہا کہ پنجاب کی تقسیم کو مان کر ظلمِ عظیم کیا گیا جس کی قیمت بہت زیادہ دینی پڑی۔ اگر پنجاب کی تقسیم نہ ہوتی تو بہت سے حادثات سے بچا جا سکتا تھا۔

پیپلز پارٹی میں میاں محمود قصوری کو وزیر قانون بنوانے میں ان کا ہاتھ تھا۔حفیظ پیرزادہ ان کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ لاہور میں وہ اپنی بھتیجی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کہ رات کو حفیظ پیرزادہ انہیں ایک فنکشن میں زبردستی لے کر گئے رات کو دیر سے آئے اور سو گئے صبح کے وقت جب ان کی بھتیجی ان کو جگانے اور ناشتہ دینے کیلئے گئی تو دیکھا کہ روح پرواز کر چکی تھی ۔اس طرح وہ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔

شیخ ظہیر الدین کے تین بیٹے تھے۔ایک بیٹا سعید انور لینڈ کمشنر رہا۔وہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد فوت ہو گئے دوسرے بیٹے سعید اختر سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے وہ جہلم چکوال راولپنڈی میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر تعینات رہے۔اور درس و

تدریس ہی میں ان کی ساری عمر گزری ہے۔اور تیسرے بیٹے سعید اکبر سرگودھا میں ذاتی کاروبار کرتے ہیں۔ان کی سرگودھا میں ہی دکان ہے آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے زندہ سلامت ہیں ان کی تین بیٹیاں تھیں، بڑی بیٹی نسیم اختر انگلینڈ میں ایک حادثے میں جاں بحق ہوگئیں اور دوسری بیٹی نگہت انگلینڈ میں اپنے بچوں کے پاس رہتی ہے۔اور تیسری بیٹی میری بیوی ہے۔اور سلامت ہے۔

شیخ محمد ظہیر الدین صاحب اکثر دفعہ محاذ رائے شماری کے اجلاس میں بڑے شوق سے شریک ہوتے تھے۔ 1960ء کے عرصہ میں وہ بیمار ہوگئے تھے۔ان کو ٹی بی کا مرض ہوگیا تھا۔چنانچہ وہیں سنگرام کوٹلی میں کافی عرصہ رہنا پڑا جس کا انتظام میرے عظیم ساتھی اور دوست عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ نے کیا تھا۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت پنجاب کی تقسیم کا آنکھوں دیکھا حال سناتے تھے تو ان کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی تھیں۔انہوں نے یہ حال دیکھ کر فیصلہ کرلیا تھا کہ پاکستان حقیقت میں مسلمانوں کے دکھی دلوں کی فریاد کا دوسرا نام ہے، کانگریس کے نیتا اور مہاتما گاندھی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ فسادات روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے تھے۔ برطانیہ غلامی کے دور کی فرقہ پرست تنظیموں نے آگے بڑھ کر استعمار کے ہاتھ بٹائے اور برصغیر جو حقیقت میں براعظم تھا اس کو تقسیم کرادیا۔اور ایک کے دو ملک بن گئے،اور پھر دو کے تین ملک بن چکے ہیں۔وہ لوگ مسلمانوں کو کیا بچا سکتے تھے جو اپنے باپو کو نہ بچا سکے تھے، ملک آزاد ہوگیا تھا اور اس ملک کا جو نجات دہندہ تھا اور وہ دنیا کا عظیم رہنما مہاتما گاندھی تھا وہ بھی بھارت میں انسانی خون کے اس کھیل کو ختم کرانے کیلئے جان کی بازی لگا چکا تھا وہ گارڈ کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا،اب بھارت کی تاریخ آزادی اپنے محسن کے قتل سے شروع ہوتی ہے، آزادی کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو نے بہت کوشش کی کہ شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ صدر آل انڈیا مومن کانفرنس بھارت سے ہجرت کرکے پاکستان نہ جائیں، انہیں مرکز میں عہدے کی پیشکش بھی کی گئی بطور سفیر جس ملک میں رہ جانا چاہیں انہیں جانے کا یہ اختیار بھی دیا گیا تھا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر کہ ان کا پنجاب تقسیم ہوگیا ہے انبالہ ان کا شہر تھا وہ خالی ہوگیا ہے وہ اب انبالہ کے لوگوں کو چھوڑ کر بھارت میں نہیں رہ سکتے،انہوں نے اپنے لوگوں سے وعدہ کررکھا ہے کہ وہ ان کے ساتھ جئیں گے اور ان کے ساتھ مریں گے۔

مشرقی پنجاب کے نصف کروڑ سے زائد لوگ مہاجر کیمپوں میں تھے، وہ ان کیمپوں کے انچارج تھے، وہ اس وقت پاکستان آئے تھے جب مہاجرین کا آخری قافلہ پاکستان پہنچا تھا، پاکستان میں بھی انہیں مرکزی حکومت میں شامل ہونے کی پیشکش کی گئی تھی،لیکن انہوں نے یہ کہہ کر کوئی عہدہ اور کوئی منصب قبول نہ کیا تھا کہ وہ بہت بوڑھے ہوچکے ہیں اور پاکستان کو نوجوانوں کے سپرد کیا جائے جو اس ملک کو مضبوط اور ناقابل شکست بناسکیں، وہ منٹگمری، گوجرانوالہ وغیرہ میں کچھ عرصہ رہائش پذیر رہے بالآخر سرگودھا میں مستقل آباد ہوگئے، وہاں انبالہ کے لوگوں کی کثیر تعداد آباد ہوچکی تھی، اس لئے

انہیں اپنے لوگوں کا ماحول پسند آیا، سرگودھا میں وکالت کرنے لگے تھے، مارشل لاء کے مخالف تھے، جمہوریت کے لئے جدوجہد کرتے رہے، آزاد پاکستان پارٹی ،نیشنل عوامی پارٹی وغیرہ مختلف قوم پرست تنظیموں میں شامل رہ کر اپنا کردار ادا کرتے رہے، بالآخر پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے۔

وہ پنجاب کے سینئر وائس چیئرمین کے عہدے پر تادم واپسی اپنا فرض ادا کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی ایک تقریب میں شمولیت کے بعد واپس اپنی بھتیجی کے گھر پہنچے اور رات سوتے ہوئے ہمیشہ کیلئے سو گئے اور سوئے منزل روانہ ہو گئے ،اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے ،میاں محمود علی قصوری مرحوم کو وزیر قانون انہوں نے ہی بنوایا تھا، بھٹو شہید مرحوم ،شیخ صاحب مرحوم کو دادا جی کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ بھٹو شہید مرحوم کے باپ شاہنواز بھٹو مرحوم کے دوستوں میں سے ایک تھے، بھٹو شہید مرحوم اور میاں محمود علی قصوری مرحوم میں جماعتی امور میں کئی بار اختلاف ہوا، میاں محمود علی قصوری مرحوم، بھٹو شہید مرحوم کو غلط بات پر ٹوک دیا کرتے تھے۔

پارٹی میں تنقید کرنے کی ایسی کسی اور کو جرأت نہ تھی کہ وہ ان سے اختلاف کر سکے، وہ مرکزی وزارت کے لئے وزراء کا انتخاب کرنے لگے تو میاں محمود علی قصوری کو اس فہرست میں شامل نہ کیا تھا جو وزراء کی فہرست بنائی گئی تھی۔ میاں محمود علی قصوری اپنی انا کو مجروح کرنا نہیں چاہتے تھے، وہ خود اپنے لئے بھٹو شہید کو نہ کہہ سکتے تھے کہ انہیں بھی وزراء کی فہرست میں شامل کیا جائے ،انہوں نے ہمارے بزرگ شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ مرحوم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا،تو انہوں نے بھٹو شہید مرحوم کو کہا کہ پیپلز پارٹی کے پاس عالمی شہرت کا حامل قانون دان میاں محمود علی قصوری موجود ہے اس لئے اسے وزیر قانون بنا کر ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے ، بھٹو شہید مرحوم نے کہا کہ دادا جی کی بات کو تو میں ردّ نہیں کرسکتا، اور انہیں وزیر قانون بنادیا گیا تھا۔ میاں محمود علی قصوری شیخ صاحب مرحوم کے بڑے مداح اور ممنون احسان تھے، دونوں اکٹھے پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے اور بھٹو شہید کو جو خطرہ تھا وہ آ کر رہا، دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے تھے، میاں صاحب مرحوم مستعفی ہو کر ضمانت قبل از گرفتاری کا حکم لے کر گھر داخل ہوئے تھے، انہوں نے قابل احترام شخصیت شیخ صاحب مرحوم کو بھی پیپلز پارٹی چھوڑنے کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ چند دنوں کے مہمان ہیں، اب دنیا سے جانے والے ہیں، وہ اب پارٹی بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور زندگی کی آخری سانس تک جماعت سے وابستہ رہے۔ یہ سارا واقعہ ضمناً درج کیا گیا ہے، میں یہ بتا رہا تھا کہ آڑہ دھرم ارتھ گاؤں میں ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا تھا۔ اور پبلک جلسہ میں مرکزی رہنماؤں نے مرزا عالم الدین کو چوہدری کا خطاب دیا تھا، اس کے بعد وہ چوہدری عالم الدین کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔

مغلوں کی یہ شاخ کب آڑہ دھرم ارتھ میں آ کر آباد ہوئی اس کا اندراج ممکن ہے کہ اس گاؤں کے رہنے والوں

کے رجسٹر وغیرہ میں ہو، مجھے علم نہیں ہے، اس گاؤں کے قریب ایک پرانا کنواں موجود تھا جس میں ایک پتھر کی تختی نصب تھی اس پر لکھی گئی عبارت کو مٹانے کے لئے بہت رگڑا گیا،لیکن ''مغل'' لفظ نہ مٹایا جا سکا، یہ کسی کم ظرف کا فعل ہوگا جو ذات پات کو بہت اہمیت دیتا ہوا اور اسے خود اپنی کم تری کا احساس ہوتا ہوگا کہ وہ نیچ ذات کا ہے اور دوسرے اس سے کیوں بڑھ گئے ہیں۔

البتہ اس نے بٹلی کے لوگوں کی طرح قدم نہ اٹھایا اور عدالت میں یہ مسئلہ لے کر نہیں گیا، عدالت نے بٹلی کے مغلوں کے حق میں فیصلہ دیا تھا اور تب جا کر ہمارے بٹلی کے رشتہ دار دوسروں کے طعنوں سے بچے تھے۔ وہ لوگ بھی کم تری کا شکار تھے جنہوں نے انہیں مغل ماننے سے انکار کرتے ہوئے عدالت کا رخ کیا تھا۔

محمد صدیق مرزا نے اپنا شجرہ نسب بھی ہمارے بھائی میاں عبدالغنی انصاری مرحوم کو دکھایا تھا جو ضیاء الحق کے ہاتھ میں آیا اور اس شجرہ نسب کو بھی میں نے شامل کر دیا ہے،لیکن میں محمد صدیق مرزا اور ان کے اہل وعیال کو قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ''فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون ☆''۔(سورۃ المؤمنون، آیت 101)۔ پھر جونہی کہ صور پھونک دیا گیا ان کے درمیان پھر کوئی (حسب ونسب) رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

قیامت کے روز حسب ونسب کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ اور سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ نجات کا دارومدار ایمان وعمل صالح پر ہے۔ ہمارا محلّہ گاؤں کے جنوب مشرق میں 8/10 گھروں پر مشتمل ہے۔ اس محلّہ کی اپنی مسجد ہے۔ گاؤں کی بڑی مسجد گاؤں کے کنارے جنوب مغرب میں ہے۔ ہمارا خاندانی مکان محلّہ کی مسجد کے ساتھ مشرق میں ہے درمیان میں ایک چھوٹی سی گلی ہے، میری زندگی کا سورج اسی مکان میں 1983 بکرمی میں طلوع ہوا تھا۔

ہمارے والد محترم گاؤں کے پیش امام تھے، گاؤں کے لوگ اپنے امام کی بہت عزت کرتے چلے آتے ہیں، گاؤں میں آج بھی لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں کو عزت واحترام سے پیش آتے ہیں۔ ہمارے آس پاس کے گاؤں میں بھی مستقل امام نہیں ہوتے تھے۔ ان کے نکاح، اور نماز تراویح کا انتظام بھی والد محترم ہی کیا کرتے تھے۔

ہمارا یہ خاندان علماء وفضلاء کا تھا، موہڑہ کھٹیال، موہڑہ تحاراں، موہڑہ نگیال، موہڑہ بنگیال، موہڑہ بھلیال، ڈھوک لوہاراں وغیرہ میں ہمارے کزن برادران محترم میاں عبدالغنی انصاری، میاں امام علی انصاری، برادر محترم میاں غلام نبی انصاری، مولوی راجولی انصاری، مولانا عبدالرحمٰن انصاری، برادرم محمد صادق انصاری نمازِ تراویح پڑھانے جایا کرتے تھے، لوگ احترام سے انہیں میاں صاحب، میاں جی کے الفاظ سے پکارتے تھے، اور وہ اپنے والدین اور بزرگوں سے زیادہ ان کی عزت کرتے تھے۔ آج بھی دیہاتوں کے لوگ اپنے ماموں کو میاں جی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ میں نے

اپنے جاننے کے لئے لفظ ''میاں جی'' کے معانی تلاش کئے تو فیروز اللغات میں یہ لکھا ہوا پایا کہ استاد، معلم، مدرس، پڑھانے والے اور میاں صاحب کے معنی پیرومرشد، قبلہ وکعبہ، عابدوزاہد اور صرف میاں کے معنی ہیں سردار کا مخفف، آقا، والی، وارث، خداوند، مالک، سرکار، حضور، حاکم، سردار، جناب، جناب عالی، شہزادہ، صاحب عالم، امیر زادہ، پیاری، راجاؤں کے خاندان کے لوگ اور میاں آدمی کے معنی ہیں، نیک آدمی، بھلا مانس، شریف آدمی۔

''میاں جی'' ہمارا خاندانی لقب ہے، ہمارے کنبہ کے لوگ اور ہمارے والد محترم میاں سواری رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت معلم بھی تھے، مدرس بھی تھے اور خطیب بھی تھے، انہوں نے سیکڑوں، ہزاروں بچوں، بچیوں، چھوٹوں اور بڑوں کو قرآنِ حکیم پڑھایا، نماز سکھائی، عبادت گزار بنایا، خدا اور اس کے رسول کا پیغام سنا سنا کر ان کے دلوں میں دین اسلام کی محبت پید اکی۔ دن کے وقت محنت مزدوری بھی کرتے رہے، وہ خود بھی ہنر مند تھے اور دوسروں کو بھی ہنر سکھاتے تھے، انہوں نے دین کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بلکہ دین ان کی زندگی کا مقصد تھا، وہ کسی کے مزارع اور مزدور نہ تھے، وہ تجارت کرتے تھے، کپڑے کی تجارت کا پیشہ تھا، اپنے ہاتھ سے کپڑا تیار کرتے تھے اور میر پور شہر میں اسے فروخت کیا جاتا تھا۔

ان کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھدر اور سوتی کو راجوری میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔''سوتی'' ایک خاص قسم کا کپڑا ہے جسے راجوری اور پہاڑی علاقوں کی بیگمات پسند کرتی تھیں، جو کپڑا تیار ہوتا تھا اسے میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاری مرحوم ومغفور میر پور شہر میں آڑھتیوں کے پاس جا کر فروخت کرتے تھے، اور سوت کی گانٹھیں میر پور سے خرید کر لاتے تھے، یہ انتہائی صاف ستھرا کاروبار تھا اور گھرانے کی مستورات بھی شرعی پردے میں رہتے ہوئے ہاتھ بٹاتی تھیں۔

''اوناع ذیل'' کے تقریباً سب گاؤں والے انہیں نکاح اور جنازہ پڑھانے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کیلئے لے جاتے تھے۔ میرے والد مرحوم ومغفور اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتوں کے پھول نچھاور کرے لوگوں کے جھگڑے بھی ختم کراتے تھے۔ ان کی رائے کا سب احترام کرتے تھے، دور دراز سے لوگ ان کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے آتے تھے، اور قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے تو لوگ وجد میں آجاتے تھے، جنازہ کی صفیں لگی ہوئی ہوں اور کوئی دوسرا امام آگے کھڑا ہوتو والد مرحوم کے پہنچنے پر وہ امام خود بخود صف میں آکر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور ان سے درخواست کرتا تھا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں۔ میں نے انہیں ساری ساری رات عبادت کرتے دیکھا ہے مجھے بچپن میں ہی نماز باجماعت کا عادی بنا دیا گیا تھا۔

والدہ محترمہ خدا تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے انہوں نے مجھے اپنی گود میں بٹھا کر قرآن پاک پڑھایا تھا، انہوں نے ہزاروں بچوں اور بچیوں کو قرآن پاک پڑھنا سکھایا تھا، ان کی زبان پر ہر وقت قرآن پاک کی آیات دھراتی رہتیں۔ وہ چکی پیس رہی ہوں تو اس وقت بھی ذکر الٰہی میں مشغول رہتی تھیں، میں نے جس مکان میں آنکھیں کھولی تھیں اس میں اذانوں کی آوازیں آتی رہتی تھیں، مسجد میں بچے قرآن پاک پڑھ رہے ہوتے تھے تو ان کی میٹھی میٹھی آوازیں بھی سنتا

رہتا تھا۔ نماز جہری میں تلاوت کی آواز بڑی میٹھی لگتی تھی، محلّہ کی مسجد میں مستقل کوئی امام نہیں تھا، چونکہ تمام بزرگ نماز پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے اس لئے جو بزرگ نماز کے وقت حاضر ہوتا وہ امامت کراتا تھا، زیادہ عرصہ برادر محترم میاں عبدالغنی انصاری نماز پڑھاتے رہے۔

وہ بڑے خوش الحان تھے، ان کی قرأت سن کر ایسے محسوس ہوتا تھا کہ قرآن پاک ابھی ابھی نازل ہو رہا ہے۔ میرے بچپن کے دور میں ایک مدرس اپنے طالب علم کو قرآنِ پاک پڑھا کر ختم کراتا تھا تو پھر اپنے شاگرد کو کہتا تھا کہ وہ دوسرے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا شروع کردے اس دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک طالب علم خود استاد نہ بن جائے اس کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ اور اس طرح جب میں نے قرآن پاک ختم کیا تو نئے طلباء کو قرآن پاک پڑھانا میرے لئے ضروری ہوگیا ہے، کچھ عرصہ تک میں بھی قرآن پاک پڑھاتا رہا، میں اسکول میں داخل ہونے سے پہلے قرآن پاک ختم کرچکا تھا۔ مسجد میں آذان بھی دیتا تھا۔ اور کبھی کبھی نماز کی امامت بھی کراتا تھا، ابھی میں چھوٹا ہی تھا، میرا خیال ہے کہ مڈل کلاس کا طلب علم تھا ممکن ہے کہ ہائی اسکول میں پڑھ رہا تھا کہ جب موہڑہ نجاراں میں مجھے نماز تراویح پڑھانے کے لئے لوگوں کے اصرار پر بھیج دیا گیا تھا، مجھے یہ واقعہ اس لئے یاد ہے کہ اس گاؤں میں ایک ہی خاندان کے لوگ آباد تھے، ان میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ میرے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ میں کم عمر (نابالغ) نظر آتا تھا۔

مستری شکر محمد مرحوم بڑے نامور آدمی تھے۔ وہ برطانیہ سے آئے ہوئے تھے۔ اس دور میں اُن کا حضرت مولانا عبداللہ سیاکھویؒ کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ وہ سیاست میں حضرت مولانا کے پیروکار تھے۔

علاقہ اندرہل میں مہاراجہ کا سکہ نہیں چلتا تھا بلکہ حضرت مولانا عبداللہ سیاکھوی کی فرمانروائی تھی۔ اگر کسی شخص نے روزہ نہ رکھا ہوا اور لوگ ان کے پاس فتویٰ لینے پہنچ جائیں تو حضرت مولانا عبداللہ سیاکھویؒ روزہ خور کو سزا شرعی سناتے تھے جو اسے قبول کرنی پڑتی تھی، اگر وہ فتویٰ کو ماننے سے انکار کردے تو لوگ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیتے تھے۔ وہ سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے ہرصورت فتویٰ کو مانتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وجہ نزاع کیا تھی اصل معاملہ کیا تھا، لیکن میرا گمان ہے کہ میں نماز تراویح کے بعد تقریر بھی کیا کرتا تھا اور لوگوں کو دینی مسائل سے بھی آگاہ کیا کرتا تھا، دین سے متعلق چھوٹے چھوٹے کتابچوں میں جو کچھ لکھا ہوتا تھا وہ سنا دیتا تھا، جو احادیث یاد ہوتی تھیں وہ بھی سنا دیتا تھا۔

مجھے دھندلی سی یاد ہے کہ میں نے ایک رات یہ حدیث سنائی تھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ مومن مسجد میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں، اور منافق اس طرح جس طرح مچھلی پانی سے باہر ہو (مطلب یہ تھا کہ مومن کو مسجد میں بیٹھ کر ذکر واذکار کرنے سے بہت لطف آتا ہے اس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کو چھوڑ دے اور منافق مسجد میں بے قرار ہوتا ہے، جس طرح خشکی پر مچھلی تڑپتی ہے وہ مسجد میں بے چین ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد سے جلد مسجد سے نکل جائے)۔

میں نے کسی پر طعن نہیں کیا تھا لیکن وہ لوگ جو نماز سے فارغ ہو کر نکل جاتے تھے ان میں سے ممکن ہے کہ کسی نے یہ خیال کیا ہو کہ اسے تضحیک کا نشانہ بنایا گیا ہے اس نے شکایت کی ہوگی۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ سیا کھویؒ ایک رات پہنچ گئے اب میرے لئے ان کی موجودگی میں نماز پڑھانا بہت مشکل تھا، لیکن انہوں نے زور دے کر مجھے آگے کھڑا کر دیا اور میرے پیچھے نماز تراویح پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی نماز تو ہوگئی ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوسکتی وہ آگے آ کر خود پڑھائیں۔

ایک شکایت ان تک یہ پہنچائی گئی تھی کہ میں دو دو سورتیں ملا کر نمازِ تراویح میں پڑھتا ہوں۔ حضرت مولانا نے پوچھا کہ دو دو تین تین سورتیں ملا کر کیوں پڑھتے ہو؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ مجھے جو سورتیں یاد ہیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ قرآن پاک پڑھا جا سکے، وہ آخری سورتیں تھیں، چھوٹی چھوٹی سورتیں تھیں، حضرت مولانا نے لوگوں کو فرمایا کہ رمضان مبارک کی رحمتوں، مغفرتوں کا مہینہ ہے اور یہ دوزخ کی آگ سے نجات پانے کا عشرہ ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پاک پڑھو، سنو اور سناؤ۔ اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت مولانا عبداللہ سیا کھویؒ طلباء کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔ وہ نئی پود کو تیار کرتے رہتے تھے تاکہ وہ بڑے ہو کر دین و دنیا کی خدمت کر سکے۔ میں پس منظر اور ماحول کے بارے میں لکھتا آ رہا ہوں، جس میں، میں بلا، بڑھا اور اثر قبول کرتا رہا، حضرت مولانا محمد عبداللہ سیا کھویؒ توحید پرست تھے، وہ شرک کے دشمن تھے۔ ہمارے گاؤں میں مٹھانکہ کے دوسری طرف جانب شمال گوڑہ میں ایک 9 گز لمبی قبر بنا کر یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ قبر حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے کسی بزرگ، ولی اور خدا رسیدہ شخص کی ہے، اس کی قبر کی دریافت اس طرح ہوئی کہ وہاں اونٹ بٹھایا کرتے تھے تو اچانک اونٹوں نے بیٹھنا بند کر دیا، اونٹ بھاگنے لگتے تھے، اس قبر کے مجاوروں نے کسی اپنے پیشوا سے اس کا ذکر کیا تو اس نے انہیں بتایا کہ وہاں ایک بزرگ کی قبر ہے اس لئے اس کی کیاں نکال کر ارد گرد چار دیواری بنالو۔ یہ سب کچھ ہمارے دیکھتے ہوئے ہوا۔

میں ابھی پرائمری کلاس ہی میں پڑھ رہا تھا اس قبر کا اتنا پروپیگنڈہ، چرچا اور شور ہوا کہ وہاں قبر پر میلہ لگنے لگا، قبر کے مجاور بن سنور کر اس کے پاس بیٹھ گئے، سینکڑوں نہیں ہزاروں زائرین نذر و نیاز لے کر آنے شروع ہو گئے، بکرے، دودھ، مکھن، انڈے، غلاف، اور ہر قسم کے کھانے پھل وغیرہ بطور نذر و نیاز اکٹھے ہونے لگے، اسکول سے جمعہ کے روز موہڑہ ملکاں کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر گھر آیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سیا کھویؒ اس مسجد کے امام، خطیب اور معلم تھے۔ انہوں نے اس قبر کے متعلق رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا، اور یہ کہنا شروع کیا کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، یہ ایک شیطانی دماغ کی اختراع ہے، قبر کے متعلق مشہور کیا گیا کہ اندھے جا کر بینا ہو جاتے ہیں، بیمار تندرست ہو جاتے ہیں، بانجھ عورتیں

ٹھیک ہو جاتی ہیں، سب کام بن جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ والدہ محترمہ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، وہ مجھے اپنی ایک سہیلی جو بیچاری اندھی ہو چکی تھیں اور غالباً مونڈہ کی رہنے والی تھیں، اس کو ساتھ لے جا کر ''سلام'' کرانے کے لئے جانے کا کہا کرتی تھی، اور ساتھ ہی فرمایا کرتی تھی کہ یہ سب غلط ہے لیکن تمہاری یہ خالہ ''بدگمانی'' کرے گی کہ تم اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں ہو، جب میں یہ کہتا کہ یہ شرک ہے، خدا کے سوا کون اندھا پن ختم کر سکتا ہے؟ یہ بصارت، سماعت خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں، یہ قبروں میں سونے والے یا قبروں کے مجاور نہیں دے سکتے تو فرماتی تھیں کہ ہم سب کا یہی ایمان ہے۔لیکن تمہاری یہ خالہ ''سلام'' کرنے کے لئے جانے پر بضد ہے، اس کی خاطر تم چلے جاؤ، اس کو وہاں سجدہ نہ کرنے دینا، دعا مانگ کر آ جائے گی۔

ہماری اس خالہ کے عزیز رات کو ہمارے گھر چھوڑ جاتے تھے جمعرات یا جمعہ صحیح یاد نہیں ہے میں ان کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جاتا رہا میں تھک جاتا تھا، بہت چھوٹی عمر کا تھا، بڑی مشکل سے مٹھا نکہ کے دوسری طرف پہنچتا تھا۔

غالباً دو تین دفعہ انہیں ساتھ لے جانے کے بعد جب پہنچا تو میں اپنی والدہ محترمہ خدا تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے سے گزارش کی کہ خالہ محترمہ سے پوچھیں کہ کوئی فرق پڑا ہے؟ وہ بڑھیا عورت تھی، سیکڑوں کی تعداد میں عورتیں اکٹھی ہوتی تھیں۔ایک میلے کا سماں ہوتا تھا۔خالہ محترمہ نے اپنا ہاتھ زور سے اپنی ران پر مار کہا کہ ہاں فرق پڑا ہے، دیکھو یہ پانچ انگلیاں ران پر لگی ہیں۔میں زور سے ہنسا اور کہا کہ ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہی ہوتی ہیں، لیکن آنکھ سے نظر بھی آتی ہیں کہ نہیں؟۔والدہ محترمہ نے میری طرف اشارہ کر کے مجھے خاموش رہنے کی ہدایت کی کہ مبادا وہ ناراض ہو جائیں۔

ادھر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ نے ایک جمعہ کو مذاق میں مجاروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آمدن کا نصف مولوی محمد عبداللہؒ کو دو، ورنہ یہ سب ڈھونگ ختم ہو جائے گا۔اور مناظرے کی دعوت دے دی اور یہ کہنا شروع کیا کہ قبر کو اکھیڑو، اگر کسی آدمی کی لاش ملی تو مولوی عبداللہ کا سر اڑا دینا، اور اگر گدھے کی لاش ملی (یعنی کچھ نہ ملا) تو اس تماشہ کو ختم کر دینا ہو گا۔

دونوں طرف سے مناظرہ کے لئے دن مقرر ہوا، امن عامہ کے خطرے کے پیش نظر پولیس کی بھاری تعداد بھی وہاں پہنچ گئی، قبر کے مجاوروں کو حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھڑویؒ کی حمایت حاصل تھی، دونوں طرف کے جید علماء اکٹھے ہوئے، ان کی کیا باتیں ہوئیں، میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔البتہ اتنا یاد ہے کہ قبر اکھیڑنے کے لئے مجاوروں کے طرف دار علماء رضامند نہ ہوئے، مناظرے کی شرط میں قبر کا اکھیڑا جانا لازمی تھا، دھندلی سی یاد ہے کہ علماء کا ایک گروہ واپس چلا گیا، پولیس کی موجودگی میں مولانا سیالکوٹیؒ کے ساتھیوں نے قبر کو اکھیڑا نہ وہاں کوئی دفن ہوا تھا، نہ کسی کی قبر تھی، نہ کچھ نکلا تھا، سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا، اس دن ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔اس کے اردگرد کی تمام دیواریں

توڑ دی گئیں۔ساری زمین ہموار کر دی گئی۔تماشائی اور زائرین سب نعرے لگاتے چلے گئے،اوراس کے بعداس طرف کوئی نہیں آیا۔نہ کبھی اونٹ بھاگنے کی شکایت سنی گئی،نہ جنوں بھوتوں کے قصے سنے گئے۔نہ وہاں کوئی روشنی دیکھی گئی اور نہ ہی چراغاں کیا گیا،ہمارے گھرانے کے سب بزرگ شرک وبت پرستی کے خلاف تھے۔

ہمارے گاؤں کی اکثریت بھی مولانا سیاکھویؒ کے ساتھ تھی۔یہ وہ تماشہ تھا جو میں نے بچپن/لڑکپن میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔افسوس کہ ایسےلوگ ہیں جوشہیدوں سے جاجا کر دعائیں مانگتے ہیں۔اورمزاروں پر جاجا کرنذریں چڑھاتے ہیں،اور پھربھی سمجھتے تھے کہ اس سے نہ اسلام بگڑتا ہےاور نہ ہی ایمان جاتا ہے۔

گاؤں کی معاشی حالت بدلنے کا سہرا چوہدری نواب خان،چوہدری عالم خان سرہنگ اوران کے سب سے بڑھ کرستارۂ خدمت چوہدری محمد زمان کے سر پر بندھتا ہے۔چوہدری نواب خان نے منگلا ڈیم کی تعمیر سے قبل اپنے لوگوں کو برطانیہ بھیجنا شروع کیا تھا،وہ نیوی میں ملازمت کے بعدریٹائرڈ ہوکرکراچی میں رہتے تھے،انہوں نے پاسپورٹ دفتر کے ملازموں کےساتھ دوستانہ اورکاروباری روابط پیدا کر لئے تھے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد جب برطانیہ سکڑ کرایک جزیرے میں بند ہوکررہ گیا وہ ایک سپر پاور تھی،اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا،وہ جنگ کے بعد اقتصادی اور معاشی طور پر تباہ ہو چکا تھا۔اس ملک (برطانیہ) کی جرمنی نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی،سڑکیں اور پل ٹوٹ چکے تھے،فلک بوس عمارتیں راکھ میں تبدیل ہوچکی تھیں،کارخانے بند پڑے تھے،سرکاری دفاتر کا برا حال تھا،اس کے پاس دنیا بھر کی لوٹی ہوئی دولت تو موجود تھی،لیکن برطانیہ کوازسرنو اپنے پاؤں پرکھڑا کرنے کے لئے مزدوروں کی ضرورت تھی۔اسے برصغیر سے ہی سستے مزدور مل سکتے تھے۔

برطانیہ میں جوشخص داخل ہوجاتا تھا،برطانوی حکومت اسے ورک ویزہ دے دیتی تھی۔لوگ بحری جہازوں پر مزدوری کرنے والے جب بندرگاہوں پر پہنچتے تھے وہ بھاگ کر برطانیہ کےشہروں میں پہنچ جاتے تھے،ان کے پاسپورٹ کا ہونا بھی ضروری نہ تھا،صرف شناختی کارڈ درکار تھا،چوہدری نواب خان اپنے لوگوں کو کراچی لے جا کر پاسپورٹ بنوا کر ہوائی اور بحری راستوں سے برطانیہ بھیج دیتے تھے،پاکستان کے دوسرے حصوں میں پاکستان کے پاسپورٹ کا حصول مشکل بلکہ ممکن ہی نہ تھا۔ایک مزدور،ایک کسان،ایک محنت کش پاسپورٹ حاصل کرنے کی شرائط پوری نہیں کرسکتا تھا،چوہدری نواب خان نے اپنے گاؤں کےلوگوں کوکراچی سے برطانیہ بھیج کران خستہ حال گھرانوں کی بہت مدد کی تھی،وہ پیٹی افسر ریٹائرڈ ہوئے تھے،مرحوم کا ہم پر بھی بڑا احسان تھا۔

چوہدری محمد عالم خان سرہنگ تھے،وہ تجارتی بحری بیڑوں کے لئے مزدور کمپنیوں کو مزدور مہیا کرتے تھے، انہوں نے 1947ء سے قبل مزدوری کے لئے اپنے لوگوں کوساتھ لے جا کرتجارتی کمپنیوں میں ملازم بھرتی کرایا تھا،وہ

مزدور برطانوی بندرگاہوں پر پہنچ جاتے تھے اور موقع پا کر برطانیہ کے اندر داخل ہو جاتے تھے اس طرح ان کی مالی حالت بھی بدل گئی تھی۔

منگلا ڈیم کے بعد آزاد کشمیر کی معروف سماجی شخصیت چوہدری محمد زمان جنہیں حکومت پاکستان نے ''ستارۂ خدمت'' کا تمغہ دیا تھا وہ ساڑھے تین صد کے قریب ورک پرمٹ لے کر آئے تھے، وہ گاؤں میں کاشتکاری بھی کرتے رہے اور انہوں نے اونٹ بھی رکھا ہوا تھا جس کے ذریعے بار برداری کا کام لیا جاتا تھا۔ وہ بھی جہاز سے بھاگ کر انگلینڈ میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو برطانیہ میں کام دلوایا۔ بھگوڑوں کو وہ پناہ دیتے رہے، برمنگھم میں رہائش رکھتے تھے، برمنگھم کی جامع مسجد بلگریو کی تعمیر کے لئے ان کی خدمات کو سراہا جاتا ہے۔

ادھر میرپور میں پاکستان نے اپنے ضرورت کے لئے لوگوں کی مرضی کے خلاف منگلا ڈیم بنانا شروع کر رکھا تھا، لوگوں کی ایجی ٹیشن کو دبانے کے لئے وہ چاہتی تھی کہ لوگ باہر بھیج دیئے جائیں۔ ستارہ خدمت کا اعزاز پانے والے چوہدری زمان علی پاکستانی ہائی کمشنر کے معتمد خاص تھے۔ برطانیہ میں ہی ان کی جنرل ایوب خان صدر پاکستان سے سفارت خانے میں ملاقات ہوئی تھی۔ حکومت پاکستان کو بھی پاکستان کی حکومت کے خلاف چلنے والی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔ جو انہیں چوہدری زمان علی کی شکل میں مل گیا تھا۔

چوہدری زمان علی مسلمہ طور پر ایک شریف آدمی تھا، وہ پڑھا لکھا نہ تھا، لیکن ان کے رشتہ دار اور برادری کے کافی لوگ موجود تھے جو ان کی بات مانتے تھے وہ سیاست دان نہ تھے۔ نہ ہی سیاست سے ان کا کوئی تعلق تھا۔

ہمارا گاؤں

دریائے پونچھ اور دریائے جہلم ڈھنگروٹ کے مقام پر ملتے تھے۔ دریائے پونچھ (جسے دریائے چوکھ بھی کہا جاتا تھا) اس کے درمیانی علاقے کو 'اندرہل' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی شمالاً جنوباً 20 میل ہے۔ اور شرقاً غرباً تقریباً دس میل ہے۔ اس علاقے میں آنے جانے کے لئے دریائے چوکھ عبور کرنا پڑتا تھا، یہ علاقہ تین طرف سے پانی میں گھرا ہوا تھا، ضلع میرپور اور اس کے باقی حصوں میں آنے جانے کے لئے کوئی خشکی کا راستہ نہ تھا۔ چوکھ پتن سے لوگ کشتی کے ذریعے دریا عبور کرتے تھے۔ چوکھ کے مقام پر ایک پولیس اسٹیشن، ایک پوسٹ آفس اور پرائمری اسکول سرکاری ادارے تھے۔

ہمارا گاؤں جانب شمال 'مٹھا نکہ' پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ یہ دریائے چوکھ کے کنارے اوناع ذیل کا

سب سے بڑا گاؤں ہے، اس ذیل میں تقریباً ایک درجن سے زیادہ موہڑے، ڈھوکیں، ڈھیریاں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، لیکن موہڑا کینال سب سے بڑا گاؤں ہے۔ یہ گاؤں پرانے قصبہ ڈڈیال سے جانب شمال تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور اب بھی اتنے ہی فاصلہ پر نیا ڈڈیال جانب غرب ہے۔

اس ذیل کے مشرق کی طرف دریا کے پار پلاک گاؤں ہے جہاں بشارت شہید جو حنیف شیہد کا ساتھی تھا، اس کا مزار ہے۔ اندربل زیرِ آب آچکا ہے۔ منگلا جھیل کی وجہ سے اس علاقہ کی مساجد، عبادت گاہیں، مزارات، مندر، گردوارے تاریخی عمارتیں، اور سیکڑوں گاؤں غرق آب ہو چکے ہیں۔ پانی کی سطح بلند ہونے کے باوجود گاؤں کا صرف نشیبی حصہ زیرِ آب آیا ہے اراضیات کا کچھ حصہ اب بھی بچ گیا ہے۔ مگر یہ پرانی بستی ڈوبنے سے بچ گئی ہے۔ اس بستی میں نئی عمارتیں بن چکی ہیں۔ منگلا ڈیم سے پہلے بھی یہ علاقہ اندربل کا ایک ماڈل گاؤں تھا جسے لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔

پروفیسر عبدالواحد قریشی لکھتے ہیں..................

''آج کے میر پور کی تحصیل ڈڈیال جس کے شمال میں خوبصورت پہاڑی سلسلے اور مغرب و مشرق میں دو دریا اس تحصیل کی حد بندی کرتے ہوئے ٹنگروٹ کے مقام پر آپس میں ملنے کے بعد منگلا جھیل میں شامل ہو جاتے ہیں، ہر دو دریاؤں کے درمیان ایک خوبصورت وسیع میدانی علاقہ ہے جس میں آبادیاں بھی ہیں اور کاشت کے لئے زرخیز زمین بھی''۔

''تاریخ میر پور کا ایک اہم دور'' کا مصنف بھی اسی اندربل کا رہنے والا ہے۔ پروفیسر عبدالواحد قریشی ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میر پور نے برٹش لائبریری لندن میں محفوظ دستاویزات کے خصوصی حوالے سے ترتیب دی گئی کتاب میں لکھا ہے کہ دریائے پونچھ کے کنارے کسی زمانے میں چوکھ نام کا شہر تھا جو میر پور سے بھی قدیم تھا۔

1873ء کے گزیٹر کے مطابق یہ قصبہ دریائے پونچھ کے دائیں کنارے پر واقعہ ہے۔ یہ دریا خشک موسم میں بعض مقامات سے بغیر کشتی کے بھی عبور کیا جا سکتا ہے۔ جو میر پور سے شمال مغرب کی سمت 10 میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس جگہ کی خوش بختی کا سنا ہے کہ اب روبہ زوال ہے۔ تاہم یہ آج بھی پنجاب کے نواحی اضلاع اور اردگرد کے پہاڑی علاقوں کے لئے ایک تجارتی مرکز ہے۔ یہاں کے باشندوں کا شمار ایک اندازے کے مطابق کچھ اس طرح کا ہے............

ہندو زمیندار 250 گھر۔	ہندو دوکاندار 50 گھر۔
مسلمان زمیندار 100 گھر۔	مسلمان دوکاندار 25 گھر۔

60 مسلمان مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں۔ 6 مسلمان سپاہی بھی ہیں جو تھانہ میں تعینات ہیں، قصبے میں دو

مساجد اور پنج پیر کی زیارت ہے۔ دو ہندوؤں کے مندر ہیں۔ ایک مندر کا گنبد سرخ اینٹوں کی بدولت امتیازی حیثیت کا حامل ہے، قصبے میں تین عدد باغ ہیں۔

1873ء کا چوکھ 1947ء سے پہلے ہی تاریخ میں گم ہو چکا تھا، ہم نے اسے کھنڈرات کی صورت میں 1947ء سے قبل دیکھا تھا جو منگلا جھیل کی نذر ہو چکا ہے، جھیل کی وجہ سے میر پور اور ڈڈیال کا درمیانی فاصلہ 10 میل کے بجائے پچپن میل ہو چکا ہے۔

''سعی مسلسل'' کے مصنف مسٹر جسٹس (ر) قاضی عبدالغفور قریشی اسی اجڑے ہوئے شہر کے رہنے والے ہیں، یہ شہر سکڑ کر ایک گاؤں بن چکا تھا۔ لوگ دریا کے کنارے بستیاں بساتے ہیں، لیکن جب دریاؤں میں طغیانی آجائے تو بستیاں تاراج ہو جاتی ہیں اور بستیاں محض کہانیاں رہ جاتی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ............

''چوکھ کی عمارات کے کھنڈر وسیع وعریض رقبے پر پھیلے ہوئے قبرستان زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ جس جگہ سو سوا سو گھرانے رہائش رکھتے تھے وہاں کبھی ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ روایت بھی اسی طور ہے اور 1931ء اور 1959ء کے سیلاب بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ چوکھ ماضی میں بھی سیلابوں نے ہی تباہ کیا............

چوکھ کے لئے تباہ ہونا کوئی نئی اور عجیب بات نہیں تھی یہ تباہی کی لذتوں سے خوب آشنا تھا لیکن اس نے جو تباہی 1947ء میں دیکھی اس کی لذت نرالی تھی۔ یہ طوفان اس قدر رز وردار تھا کہ چشم زدن میں سب کچھ بہا کرلے گیا''۔

مسٹر جسٹس قاضی نے 1947ء کے فسادات کا تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے، یہ فسادات پورے برصغیر میں پھیل چکے تھے، ہم وطن اپنے ہم وطنوں کے گلے کاٹ رہے تھے، انسانیت ننگی ناچ رہی تھی، اس دور میں عصمتیں لوٹی گئیں بوڑھے، بچے اور بیمار تلواروں، کرپانوں، چھریوں، کلہاڑیوں اور ڈنڈوں سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، ننھے بچوں کو ذبح کر کے ان کے سر نیزوں پر چڑھائے گئے، بستیاں جلائی گئیں اور ساتھ ہی زندہ انسانوں کو بھی جلا دیا گیا۔ یہ سب کچھ خدا، ایشور اور رام کے نام پر کیا گیا۔

انگریز نے ہندو مسلم فسادات کی آگ کو اس قدر بھڑکایا کہ برصغیر کے لوگ آپس میں لڑ لڑ کر مر رہے تھے جبکہ ان کا اصل دشمن انگریز بڑے آرام وسکون سے بستر باندھ کر ہندوستان چھوڑ رہا تھا۔ برصغیر کے فسادات کا اثر ریاست میں پہنچا اور ریاست بھی آگ کے شعلوں اور خون کے دریاؤں کی نذر ہو گئی۔ غنڈوں نے نہتے اور پرامن ہم وطنوں کو تہ تیغ کیا۔

مسٹر قاضی لکھتے ہیں............

''غنڈوں نے پرامن مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ جو کچھ ان کے پاس تھا لوٹ لیا، عورتوں کی بے حرمتی کی، نوجوان لڑکیوں کو ماں باپ سے چھین لیا۔ ریاست کے مسلم اکثریتی علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھی ایسے ہی ردعمل کا

مظاہرہ ہوا، بدانتظامی اور طوائف الملوکی میں طاقت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو کسی اصول، کسی مذہبی رواداری کے پاسدار نہیں ہوتے۔ غنڈہ گردی اور انسان دشمنی ایک بیمار رویہ ہے جس کا کسی بھی مذہب میں جواز نہیں ہے''۔

ہم کشمیر کے لوگ آج بھی سر فخر سے بلند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ وادی کشمیر میں جہاں مسلم اکثریت تھی وہاں کسی غیر مسلم کو خوف زدہ نہیں کیا گیا، کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کشمیری پنڈت پر کسی نے ہاتھ اٹھایا ہو، پورے بھارت میں اس کی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی۔ کشمیری پنڈت اس کے خود گواہ ہیں، مسلمانوں نے ان کی پوری طرح حفاظت کی۔

مسٹر جسٹس (ر) قاضی لکھتے ہیں کہ..................

''چومکھ کے مقام پر چار تاریخی عمارات تھیں جن میں تین مسلمانوں کی اور ایک ہندوؤں کی تھی، مسلمانوں کی عمارات حظیرہ، حظیری اور مسجد پر مشتمل تھیں جبکہ ہندوؤں کا ایک بڑا بلند و بالا مندر تھا جو کہ ''مندر باوالعل جی'' کے نام سے موسوم تھا''۔

''مندر تو 1947ء کے فسادات کی نذر ہو گیا، حظیرہ، حظیری اور مسجد کی عمارات البتہ منگلا جھیل میں پانی بھرنے تک پوری توانائی کے ساتھ قائم تھیں۔ منگلا جھیل لبالب بھر جاتی ہے تو یہ عمارات سینکڑوں فٹ گہرے پانی میں غرق ہو جاتی ہیں''۔

آگے لکھتے ہیں کہ..................

''حظیری اور مسجد جھیل میں پانی بھر جانے کے بعد دو سال کے اندر ہی بازی ہار گئی تھیں، مسجد جو کہ دریا کے قریب تعمیر ہوئی تھی بالکل معدوم ہو گئی ہے اس کا ملبہ پوری طرح مٹی میں دب گیا ہے، حظیری کے کھنڈر البتہ موجود ہیں۔ جب منگلا جھیل سے پانی کے نکاس کی وجہ سے موضع چومکھ کے رقبے سے پانی اتر جاتا ہے تو وہ کھنڈر دکھائی دیتے ہیں''۔

میں کسی پر تنقید کرنا نہیں چاہتا، حقائق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ریاست جموں و کشمیر کا مہاراجہ اپنی ریاست کو خود مختار رکھنا چاہتا تھا لیکن 12 اگست 1947ء کو جو ''معاہدہ جوں کا توں ہوا'' تھا حکومت پاکستان نے اس کی خلاف ورزی کی، مہاراجہ ہری سنگھ کے خط سے واضح ہوتا ہے کہ اسے بھارت سے الحاق کرنے پر مجبور کیا گیا، اور اس میں اس وقت کی پاکستان حکومت کی غلط پالیسی کا یہ نتیجہ تھا، قائداعظم نے کشمیر سے متعلق اور دیسی ریاستوں سے متعلق ایک بیان دیا تھا، جس میں قانون آزادئ ہند کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ ''برصغیر کی آزادی کے بعد ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ بحال ہو جائے گا، مہاراجہ چاہے تو خود مختار رہ کر اقوامِ متحدہ کا ممبر بن سکتا ہے''۔

قائداعظم نے کہا کہ..................

''برٹش راج کے خاتمہ کے بعد ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ جو برطانوی حکومت کے پاس تھا وہ پاکستان یا بھارت کو

منتقل نہیں ہوگا، بلکہ وہ ختم ہو جائے گا اور ریاست مکمل آزاد وخودمختار ہو کر اپنی پسند کے معاہدے کر سکے گی''۔

قانون آزادئ ہند میں دیسی ریاستوں کے نوابوں، شہزادوں اور راجاؤں کو الحاق کے لئے پابند نہیں کیا گیا تھا، البتہ الحاق کی صورت میں انہیں مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی رعایا کی خواہشات اور ریاست کے جغرافیائی محل وقوع کو زیرنظر رکھیں، پاکستان کی اس وقت کی حکومت کی مدد سے 24 اکتوبر 1947ء کو بنائی جانے والی حکومت کا ایک تسلسل تھا جو مکمل آزاد وخودمختار حکومت تھی، وہ ایک انقلابی اور متوازی حکومت تھی جس نے پاکستان اور بھارت دونوں سے اپنی ریاست کے آزاد کرانے کی جدوجہد میں امدادی اپیل بھی کی تھی۔

مہاراجہ نے تو اس وقت الحاق کی درخواست کی تھی جب ریاست پر پاکستان کی طرف سے حملہ ہو چکا تھا اور قبائلی ریاست کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ مہاراجہ کا الحاق بھی مشروط تھا اس الحاق کی دستاویز میں یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ الحاق تابع منظوری رائے عامہ ہے، بھارت کے آئین کی آرٹیکل 370 میں بھی بالوضاحت یہ شرط درج ہے، لیکن آئین ہو یا قانون یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قانون ایک مکڑی کا جالا ہے جو کمزور کو پھانس لیتا ہے اور طاقتور اسے تار تار کر دیتا ہے۔

بھارت نے اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر اپنے ہی بنائے ہوئے آئین اور قانون کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں اور کشمیر کے مجبور، محکوم اور مظلوم عوام آج تک غلامی سے نجات نہ پا سکے، دونوں پڑوسی ملک ہماری ریاست پر قابض ہو گئے اور ہم کشمیر کے دونوں طرف ایک مقبوضہ علاقہ کے باشندے ہیں۔ یہ مقبوضہ علاقہ ایک وسیع قید خانہ ہے، جسے دونوں حکومتیں کنٹرول لائن کے دونوں طرف اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں میں اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ''کنٹرول'' کئے ہوئے ہیں، ہماری آزادی کی جنگ جاری ہے، ہم اپنی غلامی کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں، آزادی یا عزت کی موت ہمارا نعرہ ہے، ہم اپنے دیس میں اپنا راج چاہتے ہیں، حق خودارادیت کا بھی یہی مفہوم ہے، اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی بھی اسی کو کہتے ہیں۔

ہم کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے، ہم اپنا وطن مانگتے ہیں، اگر پاکستان، پاکستانیوں کا ہے، بھارت، بھارتیوں کا ہے، چین چینیوں کا، افغانستان افغانوں، تاجکستان، تاجک کا اور روس روسیوں کا ہے تو کشمیر کشمیریوں کا کیوں نہیں ہے؟۔

یہ مسئلہ علاقائی نوعیت کا نہیں ہے، یہ جنگلوں، کھیتوں، پانیوں اور زعفران کے کھیتوں کی تقسیم کا مسئلہ نہیں ہے، ہم بھیڑ بکریاں نہیں ہیں کہ ہمیں دونوں پڑوسی ملک آپس میں تقسیم کر لیں، ہم انسان ہیں، ہم روح وجسم رکھنے والے انسان ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے، آزادی ہر قوم کا پیدائشی حق ہے۔ ہم اپنا چھینا ہوا حق واپس مانگتے ہیں۔

دنیا اور دونوں پڑوسی ممالک کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایٹمی جنگ کے ہولناک نتائج

کے لئے ساری دنیا کو تیار رہنا چاہیے، اگر دنیا امن کی تلاش میں ہے تو دنیا کو مسائل حل کرنے چاہییں، انصاف کے تقاضے پورے کرنے چاہییں کشمیری ایک پرامن قوم ہے اور وہ کشمیر کو پاک و بھارت کے مابین دوستی کا پل بنانا چاہتی ہے۔ یہ ریاست ایشیا کی انگوٹھی کا نگینہ ہے اور ایشیاء کا سوئیٹزرلینڈ ہے۔ ہم پاک و بھارت کو محبت دوستی اور بھائی چارے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ دونوں ملک دوست بن جائیں تو اس سے ایک ارب سے زیادہ انسانوں کا بھلا ہوگا۔

'اندربل' جو اصل میں 'دوآب' کے نام سے موسوم ہونا چاہیے تھا وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف فوجی طاقت کے بل بوتے پر ڈبو دیا گیا تھا، تمام لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تھا، سیکڑوں گرفتار ہوئے، مقدمے بنائے گئے، لوگوں پر کوڑے برسائے گئے، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں سے کرالنگ کرائی گئی، لیکن پرامن عوام فوج کی گولیوں اور پی سی کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے، اس طرح ضلع میرپور کا بیشتر علاقہ پانی میں ڈبو دیا گیا تھا۔

میں اپنے گاؤں کے بارے میں لکھ رہا تھا جو پھیل کر ڈھیری، سنیاری، ٹھنگر اور گوڑا تک وسیع ہو چکا تھا۔ اور اس طرح انب تک جا پہنچا تھا۔ جنوب مغرب کی طرف اس کی حد موہڑہ ملکاں سے ملتی تھی۔ جبکہ اس کے ملحق برساتی نالہ کے پار جانب غرب نیوڈ ڈیال ہے۔ نیوڈ ڈیال جھنڈی نکہ بہلوٹ کے دامن میں آباد ہوا ہے۔

جھنڈی نکہ سے پتا چلتا ہے کہ چوٹی پر کوئی جھنڈ (بیری کا بڑا درخت) ہوا ہوگا۔ جس کی وجہ سے وہ اس نام سے موسوم ہوا ہے۔ ان پہاڑیوں پر خودرو بیریوں کے گھنے درخت ہوتے تھے۔ بیریوں کی بوریاں بھر کر لاتے تھے۔ جنہیں کچھ لوگ چن کر بازار میں جا کر بیچتے بھی تھے۔

''مٹھا نکہ'' کی وجہ تسمیہ کا علم نہیں ہے، نہ ہی کوئی ایسی کتاب نظر سے گزری ہے لیکن روایت یہ ہے کہ لوگ جمعرات کی شام کو حلوہ یا کوئی اور میٹھی چیز وہاں بطور نذر و نیاز چھوڑ آتے تھے۔ مٹھا نکہ پر نہ کوئی قبر ہے اور نہ ہی کسی بزرگ کی بیٹھک ہے، مجھے اس کے بارے میں یہ علم ہے کہ نذر و نیاز کے بکرے وغیرہ وہاں ذبح کئے جاتے تھے۔

گاؤں کے علماء میں جن میں برادران محترم میاں غلام نبی انصاریؒ، اور میاں عبدالغنی انصاریؒ پیش پیش تھے انہوں نے جہالت کے زمانہ کی رسوم کو مٹانے کی کوشش کی تھی اور مٹھا نکہ کی بجائے ان بکروں وغیرہ کو ''دارہ'' کے لان میں جو گاؤں کی بڑی مسجد کے ملحق تھا ذبح کیا جانے لگا تھا۔ یہ کامیاب کوشش تھی غریب لوگوں کو پہاڑ پر چڑھ کر نہیں جانا پڑتا تھا، لوگ غریبوں اور یتیموں کے گھر جا کر صدقہ و خیرات کا حلوہ، چاول، گوشت دے آتے تھے۔

مجھے اپنے لڑکپن کا یہ واقعہ یاد ہے کہ گاؤں کے کسی شخص نے بکرا ذبح کرنے کی منت مان رکھی تھی وہ مٹھا نکہ پر جا کر ذبح کرنا چاہتا تھا۔ گاؤں کی اصلاحی کمیٹی نے اسے ''دارہ'' کے لان میں ذبح کرنے پر آمادہ کر لیا، جب بکرا (میرا خیال ہے کہ بکرا تھا، ممکن ہے کہ کوئی اور جانور بھیڑ وغیرہ ہوئی ہو، لوگ بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور انہیں مٹھا نکہ پہاڑی پر چھوڑ

آتے تھے، وہ شام کو فوراً واپس آجایا کرتی تھیں کبھی کبھی کوئی چرواہا ان کے ساتھ ہوتا تھا) ذبح کرنے لگے تو جس شخص کے ہاتھ میں چھری تھی اس نے چھری گردن پر پھیری جانور زخمی ہوکر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ذبح کے وقت گاؤں کے بہت سے مرد عورتیں اور بچے موجود تھے، ذبح کرنے والا قصاب نہ تھا، وہ اناڑی تھا اس لئے جانور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، بچے اور کچھ لوگ جانور کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑے وہ مٹھا نکہ کراس کر کے پہاڑی کے دوسری طرف چلا گیا، دارہ میں موجود کچھ عورتوں اور مردوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ وہ اپنی جگہ کی طرف بھاگ گیا۔

جس جگہ پر نیاز دینے کی نیت کی گئی تھی اس جگہ کے تقدس کی محبت ان کے دِلوں میں جمی ہوئی تھی، ہمارے بزرگ ایسے استھانوں کے خلاف تھے، وہ کوئی ایسی حرکت کرنے نہیں دیتے تھے جس میں شرک پایا جاتا ہو۔ چنانچہ جب بکرا پکڑ کر لایا گیا، اس طرح انہوں نے ایک ایک رسم کو مٹایا تھا اس واقعہ نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔

انجمن اصلاح المسلمین موہڑہ کینال کے ممبران چوہدری عطا محمد (ماسٹر جی) چاچا سلطان محمد، میاں عبدالغنی انصاری، چوہدری غلام ربانی، میاں غلام نبی انصاری وغیرہ تھے، انہوں نے گاؤں والوں سے مل کر تالاب بنوایا، خوبصورت مسجد بنوائی، قبرستانوں کی دیوار بندی کی، گلیاں پختہ کیں، پھلدار درخت لگوائے، ٹیوب ویل لگوایا اور اپنی مدد آپ کے تحت اسکول بھی کھولا گیا، لوگوں کو کنویں سے پانی لانے کی تکلیف سے نجات ملی۔

ہمارا کنواں اتنا گہرا تھا کہ دو آدمی مل کر چرخ گھما کر پانی کا ڈھول نکال سکتے تھے، گاؤں کے لوگ آدھی رات کو گھڑے چھوڑ کر آتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں کے بعد ان کی باری آتی تھی، پانی نہ ملنے کی وجہ سے لوگوں کو موسم برسات میں برساتی نالہ میں جا کر کپڑے دھونے پڑتے تھے، یا وہ دریا پر جایا کرتے تھے، ٹیوب ویل لگنے سے انہیں پانی ملنے لگا تھا، اس سے پہلے وہ گاؤں ایسا تھا جیسے پتھر کے زمانہ کا ہو، نہ بجلی، نہ پانی، نہ گیس اور نہ سڑک اور نہ کوئی اور سہولت تھی۔

اس انجمن کی کوشش سے گاؤں کے ساتھ سے سڑک نکالی گئی اور میر پور سے ڈڈیال اسی سڑک کے ذریعے جایا جاتا ہے، پہاڑی کے شمالی جانب سے پلاک کا پل قریب بھی تھا اور فاصلہ بھی کم ہو جاتا تھا، لیکن اصلاحی کمیٹی کی دوڑ دھوپ سے "سروے" تبدیل کرایا گیا اور حکومت سے اس سڑک کی منظوری حاصل کی گئی، لوگ بچیوں کو تعلیم کے لئے ڈڈیال نہیں بھیج سکتے تھے، گاؤں میں پرائمری اسکول کھول کر ان کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا، اب وہاں کالج ہے۔

حاجی غلام ربانی مرحوم اور چاچا سلطان محمد مرحوم اور میاں عبدالغنی انصاری مرحوم کی دن رات کوششوں اور کئی کئی ہفتہ مظفر آباد بیٹھ کر حکومت سے اپنا مطالبہ منوانے کا یہ صلہ ہے کہ ہمارے گاؤں کی بیٹیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکی ہیں اور اوناع ذیل کے تمام گاؤں تعلیم اور آمدورفت کی سہولتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تمام گاؤں کے لوگ جو وطن میں ہیں اور جو وطن سے دور برطانیہ، یورپ، وسطی ایشیاء اور امریکہ میں ہیں اس فلاحی کام میں دامے، درمے، سخنے حصہ لیتے چلے آتے ہیں۔ پاس کے گاؤں کے لوگ بھی ساتھ دیتے رہے ہیں۔

چوہدری زمان علی مرحوم نے ایک انگریز عورت سے شادی کررکھی تھی، چوہدری مرحوم لوگوں کے شناختی کارڈ بنوانے، انہیں کاروبار دلوانے، ان کے رشتہ داروں کو برطانیہ منگوانے وغیرہ کے کام اپنی بیگم سے کراتے تھے، وہ لوگوں میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کو ''ستارۂ خدمت'' کا اعزاز بطور حق ملا ہے۔

لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غلام قوموں کو ان کے حاکم اپنی خدمت کے صلے میں ہی خطابات، تمغے وغیرہ دیتے چلے آتے ہیں، اس طرح پاکستانی ہائی کمیشن کی سفارش پر یہ اعزاز ملا جو آج تک کسی دوسرے کشمیری کو نہیں ملا ہے۔ کشمیر کی آزادی کے لئے چلائی جانے والی تحریکوں سے ان کا کیا تعلق تھا۔

پاکستان میں آمریت کے خلاف احتجاجوں میں ان کا کیا رول تھا، کشمیر کے محبّ الوطنوں کے خلاف سازشیں کرنے والے لوگوں کی انہوں نے مدد کی یا نہیں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن بحثیت ایک انسان جو کچے اور بوسیدہ مکان میں پلا ہو، جو ایک ساربان تھا، جو اسکول نہ ہونے کی وجہ سے ڈوگرہ دور میں علم کی دولت سے محروم رہا، وہ دکھی انسانوں کی تکالیف کو جانتا تھا وہ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور طالب علموں کی مدد کرتا رہا۔

برطانیہ میں بھی اس نے اپنے لوگوں کی بلاتخصیص رنگ، نسل، زبان بلامعاوضہ مدد کی، وہ اپنی خداداد صلاحیت سے یہ بلند مرتبہ پا گیا، وہ ساڑھے تین صد کے قریب ورک پرمٹ لے کر آیا اس نے ضلع میرپور کے غریب لوگوں کو پاسپورٹ بنوا کر دیئے اور انہیں برطانیہ میں جا کر آباد کیا، اور اس طرح نہ صرف گاؤں کی قسمت بدل ڈالی بلکہ سارے ضلع کی معاشی حالت میں انقلاب لے آیا، اس میں برادری ازم کا تعصب نہ تھا، انہوں نے کسی تفریق کے بغیر تمام برادریوں کے لوگوں کو برطانیہ پہنچا کر کشمیر کا نام روشن کیا، اس کی ایک ہی برادری تھی ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی خاندان تھا۔ وہ سب کو آدم کی اولاد سمجھتا تھا اور اس طرح وہ سب کا بھائی تھا۔

چوہدری زمان علی ستارہ خدمت میرے والد محترم خدا انہیں غریقِ رحمت کرے کی بہت عزت کرتا تھا ان کے میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاریؒ کے ساتھ گہرے روابط تھے، وہ اپنے بڑے بھائی چوہدری فرمان علی کو ہمیشہ ہی لکھتا رہتا تھا وہ صرف میاں غلام نبی انصاریؒ سے خط کا جواب لکھوا کر بھیجا کریں، وہ اور کسی کو پڑھا لکھا مانتا ہی نہ تھا، وہ ہمارے پڑوس میں بھی رہتا تھا اور وہ ہم سب کے ساتھ پیار کرتا تھا۔

میں نے ایک دفعہ اپنے بڑے بھائی صاحب سے پوچھا کہ آپ خط میں کیا لکھتے ہیں جو ''ستارہ خدمت'' کو پسند ہے، تو فرمانے لگے کہ میں کچھ اونٹوں کی نسبت ضرور لکھ دیتا ہوں، انہیں انگلینڈ میں رہ کر اونٹوں کے گلے میں ڈالی ہوئی

گھنٹیوں کی آواز اور سار بانوں کے چلتے ہوئے قافلوں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

ہمارے کنبے پر بھی ان کے احسانات ہیں، خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ مرحوم اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور نیکیوں کو قبول فرمائے، انسان مر جاتا ہے لیکن اس کی نیکیاں یاد رہ جاتی ہیں۔

ہمارے گاؤں کی فضا بڑی پاک و مطہر تھی۔ اس دور میں 'عورت' ماں، بہن یا بیٹی سمجھی جاتی تھی، صرف وہ عورت جس سے نکاح ہو جائے وہ بیوی تھی۔ یہ چاروں پاکیزہ رشتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں پرورش پانے والی ان کی اولادیں بھی ان رشتوں میں پروئے گئے تھے، محبت خلوص، پیار، عزت، رواداری اور آدمی احترام آدمیت کی زندہ مثال ہمارا گاؤں تھا۔

سب ایک دوسرے کے دکھ، درد، خوشی و غمی میں شریک ہوتے تھے فصلوں کی کٹائی کے وقت یہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا تھا کہ لوگ کس طرح اکٹھے ہو کر فصلیں کاٹ رہے ہیں، کس طرح اناج اکٹھے ایک دوسرے کے گھر پہنچا رہے ہیں۔ مشترکہ دعوتیں ہوتی تھیں، گاؤں میں تقریباً سب نے گائے بھینسیں رکھی ہوتی تھیں، کوئی بھی دودھ فروخت نہیں کرتا تھا، جس کو دودھ کی ضرورت ہوتی تھی اس کے گھر پہنچا دیا جاتا تھا، لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آتی تھی، اگر کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو گاؤں کے بزرگ راضی نامہ کرا دیا کرتے تھے، معاف کرنے کا جذبہ سب میں پایا جاتا تھا، شیطان تو ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ وہ حملہ کرنے سے باز نہیں آ سکتا تھا، کچھ شر پسند اس کے داؤ میں پھنس جائیں تو فوراً چونک اٹھتے تھے اور اپنی اصلاح کر لیتے تھے۔

ہمارے گاؤں کے لوگ میرپور، اسلام آباد، یورپ اور امریکہ میں جا کر آباد ہو گئے ہیں، البتہ انہیں کفن دفن کے لئے گاؤں لے جایا جاتا ہے۔ میرپور میں ماسٹر فیض عالم کے ہونہار بیٹے فرید چوہدری نے ہائی اسکول کھول رکھا ہے، وہ پرائیویٹ اسکول کے منتظم اور مالک ہیں، میرپور میں واحد فور سٹار ریجنسی ہوٹل چاچا سلطان محمود کے بھتیجے اور داماد کا ہے۔ چاچا سلطان محمود مرحوم کا پلازہ ہے محمد صابر انصاری کا پلازہ بھی ہے ڈاکٹر گلبہار جو ایک مشہور سرجن ہیں ایک پرائیویٹ ہسپتال (سٹی ہسپتال) چلا رہے ہیں۔

برمنگھم میں ہمارے گاؤں کے لوگ رہتے ہیں اور برطانوی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ چوہدری محمد الٰہی بڑے نیک بزرگ تھے ان کی والد مرحوم و مغفور کے ساتھ محبت تھی، وہ والد محترم کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے، ان کے پوتے محمد سعید چوہدری برمنگھم کے کونسلر منتخب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے سیاسی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔ ان کے والد چوہدری منگو میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاریؒ مرحوم کے ساتھی تھے، محمد سعید چوہدری میرے بھتیجے محمد فاضل

انصاری کے شادی کے دوست بھی ہیں۔

ہمارا گاؤں سیاست، مذہب اور سماجی معاملات میں ہمیشہ دلچسپی لیتا رہا ہے۔ ہماری ذیل کے تمام دیہات علاقہ اندربل میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ سارے اندربل میں ان کی رشتہ داریاں بھی ہیں۔ 1931ء کی تحریک آزادی میں سگوال کے غازی محمد بخش نے ریاست گیر شہرت پائی تھی، سگوال ہماری ذیل کا ایک گاؤں ہے، گاؤں میں 3/4 گھر خواجہ برادری کے ہیں، ماسٹر عطا محمد مرحوم، مولانا محمد شفیع مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن مرحوم، میاں امام علی مرحوم کی وجہ سے تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی عملی سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ اور میرے سیاسی نظریات سے اتفاق رکھتے تھے اس لئے وہ محاذ رائے شماری میں بھی شامل رہے۔

چوہدری خان ولی، چوہدری محمد فرید، چوہدری محمد اسلم نے گاؤں کے مشہور ولی اللہ، معلم، مدرس اور بندہ خدا حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ کی خدمت کی اور چوہدری محمد اسلم نے ان سے فیض پایا۔ خان ولی خان چوہدری ہفت روزہ ''وطن'' لندن کے مالکوں میں سے ایک ہیں، انتہائی شریف مہمان نواز اور ادب دوست ہیں، علاقہ اندرہل کے سرسید ہیڈ ماسٹر عطا محمد چوہدری اور ان کے بھائی ماسٹر فیض عالم چوہدری کو مل کر خدا یاد آ جاتا تھا، اس دور میں مال و دولت ہونے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور شرافت کا نمونہ تھے۔ خواجہ برادری کے حاجی عبدالرحمٰن برمنگھم میں محاذ کے بانیوں میں سے ایک تھے، آخری سانس تک آزادیٔ کشمیر کے لئے جدوجہد کرتے رہے، صدیق مرزا صدر محاذ رائے شماری برطانیہ کے دست راست تھے۔ ان کے کزن خواجہ عبداللطیف بھی اپنے وطن کشمیر کی آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے چلے آتے ہیں۔

ہمارے گاؤں کے آس پاس دیہاتوں کے ڈوگرہ زمانہ میں قائد اندربل چوہدری اللہ دتہ کھٹیال مستری شکر محمد مرحوم، موہڑہ نجاراں، چوہدری لعل حسین مرحوم نگیال (جو میرے بڑے بھائی کو ہمیشہ استاد جی کہہ کر پکارتے اور بلاتے تھے)۔ ڈاکٹر محمد شریف مرحوم بنگیال، چوہدری محمد فاضل مرحوم بھلیال، چوہدری کرم الٰہی مرحوم بھلیال اور محمد شریف لون مرحوم مشہور سیاسی، مذہبی اور سماجی شخصیات تھیں۔ یہاں غلام نبی انصاریؒ اور میاں عبدالغنی انصاریؒ کے ساتھی اور رفقائے کار رہے۔

مسٹر لون مرحوم پیپلز کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے جس کے سربراہ مسٹر جسٹس (چیف جسٹس ریٹائرڈ) ملک عبدالمجید تھے، لیکن یہ جماعت بھی ریاست کی مکمل آزادی وخود مختاری کے حق میں تھی، باقی حضرات تو ہمارے نظریہ کے ساتھ اتفاق کرتے رہے، قائد اندربل کا خطاب چوہدری اللہ دتہ کا مریڈ محمد مقبول احمد خاور کنوینر عوامی کانفرنس نے ڈڈیال کے جلسہ عام میں دیا تھا۔ وہ آخری وقت تک محاذ رائے شماری میں رہے۔ ان کی زندگی پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

چوہدری کرم الٰہی مرحوم ایک بہادر اور جانثار ساتھی تھے، وہ میرے محسنوں میں سے ایک ہیں، کسی دوسری جگہ ان کا ذکر آئے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ وہ نہ صرف نظریہ خودمختار کشمیر کے حامی تھے بلکہ انہوں نے ہمارے ساتھ پولیس حوالات کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں، محمد الٰہی چوہدری تو ہمارا ہمیشہ ساتھ دیتے رہے، چوہدری عبدالغفور مرحوم کے والد محترم تھے، چوہدری عبدالغفور مرحوم برمنگھم میں محاذ کے صدر رہے۔ انہوں نے ہی محاذ رائے شماری برمنگھم کے اجلاس کی صدارت کی تھی اور خطبہ استقبالیہ بھی پیش کیا تھا۔ ہمارے صدیق مرزا کو ان کی وفات کی وجہ سے برمنگھم میں محاذ رائے شماری کی تنظیم کو مضبوط بنانے کیلئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مرحوم ایک قومی اثاثہ تھے جس کا پوری قوم کو نقصان ہوا ہے وہ کیسے برگزیدہ طبع لوگ تھے۔ افسوس کہ وہ نہیں جان سکتے جنہیں ان کی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

میں اپنے گاؤں کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ اندرہل کے بارے میں لکھنے کے لئے وقت، صحت اور معلومات کا ذخیرہ چاہیے، یہ وہ علاقہ ہے جو کبھی ریاست جموں کشمیر کا ایک دورافتادہ، پسماندہ، غریب، علم اور صنعت وحرفت سے ناآشنا علاقہ تھا۔ لیکن 1949ء کے بعد یہ علاقہ اب ریاست کے تمام اضلاع کی نسبت پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے زیادہ قریب ہے، علاقہ کے لوگ ذہین اور بڑے ظرف کے مالک ہیں۔ ڈوگرہ دور میں وہاں بڑے سے بڑا سرکاری ملازم ایک پولیس کا سپاہی ہوتا تھا، اعلیٰ عدلیہ میں چپڑاسی سے لے کر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تک اپنے عہدوں سے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں، اس کے باسی پولیس میں سپاہی سے لے کر ڈائریکٹر پولیس کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔

انتظامیہ میں مختلف عہدے حاصل کر چکے ہیں، جمہوریت بحال ہونے کے بعد اسمبلی کے ممبر اور سینئر منسٹر تک رہ چکے ہیں، صنعتوں اور کارخانوں کے مالک بنے۔ برصغیر کے ممتاز دانشور صحافی اور صف اول کے مصنف پیدا ہوئے۔ محکمہ تعلیم میں کالجوں کے پرنسپل بھی رہے۔ اور اسی طرح مؤرخ، مصنف، مؤلف اور اہل قلم کی بھی بڑی تعداد موجود ہے، لیکن یہاں اس کی تفاصیل کا موقع نہیں۔ یہ علاقہ حضرت مولانا سیاکھویؒ کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ مولانا عبدالغنی ڈنڈے والے نے بھی ساری ریاست میں شہرت پائی تھی، اور شاہی دربار میں بھی ان کے تذکرے ہوتے تھے وہ ایک مصلح اور مذہبی مبلغ تھے۔

ہمارا محلّہ انقلابیوں کی پناہ گاہ بھی تھا، اس کے رہائشی خود بھی سراپا باغی لوگ تھے، ریاست جموں کشمیر میں برصغیر کی آزادی سے قبل شیر کشمیر کی سرکردگی میں ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک چلی، اس کا ایک ہی نعرہ تھا کہ بیعنامہ امرتسر توڑ دو، ڈوگرہ راج کے خلاف یہ اعلانِ بغاوت تھا جس کی پاداش میں سیکڑوں جیلوں میں گئے، قتل ہوئے، جلاوطن ہوئے۔

گزشتہ صدی میں 1945ء میں تحریک کی پورے برصغیر میں حمایت کی گئی، ڈوگرہ فوج اور پولیس نے اسے

دبانے کی پوری کوشش کی تھی۔اس تحریک کو جاری رکھنے کے لئے کچھ صف اول کے لیڈر زیر زمین چلے گئے تھے جن میں غلام محی الدین کرہ، غلام محمد صادق وغیرہ تھے، ہمارے میرپور کے مشہورومعروف رہنما کامریڈ محمد شفیع بھی ان لیڈروں میں سے ایک تھے جنھیں گرفتار کرنے کے لئے ڈوگرہ حکومت نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

کامریڈ کبھی لاہور ہوتے تھے، وہاں پنجاب کے رہنماؤں سے بھی ان کا رابطہ تھا، اخباری مہم بھی جاری رکھی ہوئی تھی، ریاست کے اندر بھی کارکنوں کو جیل بھجوا رہے تھے، بطل حریت راجہ محمد اکبر خان بیمار تھے، وہ ان کی تیمارداری بھی کرتے تھے۔کامریڈ نے اپنا ضلع میرپور چھوڑ رکھا تھا۔وہ باغ سر تحصیل بھمبر کے رہنے والے تھے۔وہ کئی سالوں سے جموں شہر میں ہی رہتے تھے۔انہوں نے پہلے اپنی ارائیں برادری میرپور کے ہاں پناہ لی۔

چوہدری کفایت علی نمبردار مرحوم کے گھر رہے، مخبری ہونے پر وہ ہمارے پاس موہڑہ کینال آ گئے، برادر محترم میاں عبدالغنیؒ نے انہیں اپنے ''چوبارہ'' میں جگہ دی تھی۔سارا محلّہ ان کی حفاظت اور نگرانی کر رہا تھا۔کسی اجنبی کو محلّہ کی طرف آتے دیکھتے تو فوراً اطلاع کر دیتے تھے۔ڈوگرہ حکومت کی پولیس، اس کے چوکیداروں، نمبرداروں اور اہل کاروں نے کوئی کونہ کھدرا نہ چھوڑا تھا لیکن وہ اتنی مضبوط پناہ گاہ میں تھے کہ حکومت ان کی تلاش میں کامیاب نہ ہوسکی۔کبھی لاہور کے اخبار میں ان کا بیان چھپا ہوا آ رہا ہے، پنجاب پولیس بھی انہیں نہ پکڑ سکی، کبھی وہ چنبال میں راجہ جی کے پاس ہوتے تھے۔ ایک تاریخی خط کامریڈ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا کتابوں میں چھپ چکا ہے جسے بطل حریت راجہ محمد اکبر خان انے املاء کروایا تھا۔کبھی وہ کارکنوں کو ہدایات دیتے ہوئے پولیس کے پہنچنے سے پہلے روپوش ہو گئے۔کامریڈ محمد شفیع نے سارا عرصہ اسی ''چوبارہ'' میں گزارا تھا۔

کپڑے کی تجارت زیادہ منافع بخش تھی اس لئے اس کام پر پوری توجہ دے رکھی تھی، والد مرحوم ومغفور کسی کے ملازم نہ تھے بلکہ خود اپنا کاروبار کرتے تھے، کپڑا تیار کرتے تھے، اسے فروخت بھی خود کرتے تھے، وہ ہنرمند تھے۔غالباً وادیٔ کشمیر میں ہمارے خاندان نے جب سکونت اختیار کی تھی تو وہاں سے کھدر، شال، کمبل، چادریں بنانے کا کام سیکھ کر آئے تھے، گاؤں میں جب آباد ہوئے تھے تو گاؤں کی کل اراضی کا نصف حصہ ہمارے آباؤ اجداد کا تھا۔نصف اراضی ہمارے گاؤں کے دوسرے لوگوں کی تھی ہمارے آباؤ اجداد اراضی خود کاشت کیا کرتے رہے بعد میں ان کے لئے مالیہ سرکار بھی ادا کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ وہ اراضیات کی طرف توجہ نہ دے سکے تھے۔ہمارا کنبہ نہ امیر تھا نہ غریب تھا، نہ متوسط تھا، وہ غربت کی لکیر کے بہت قریب تھا، ہم نے غربت کو قریب سے دیکھا ہے، لیکن ہم اس پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے غربت کے خلاف جدوجہد کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے۔اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ان کو گن نہیں سکتے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے زمرہ میں شمار نہ کرے جو اس کی

نعمتوں کے قدر شناس نہیں ہیں، اور اسے اپنے علم اور اپنی محنت کا نتیجہ سمجھتے ہیں، یہ علم کی دولت، یہ محنت کرنے کی طاقت خدا کے کرم کا نتیجہ ہے۔ ہمارا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہا، ہمارے گاؤں کے کچھ کسان ہم سے اناج ادھار لے کر جایا کرتے تھے اور فصل تیار ہونے کے بعد وہ ہمیں ادھار واپس کر دیا کرتے تھے، ہمارے گاؤں میں دودھ، اناج اور انسانی ضرورت کی چیزیں فروخت نہیں کی جاتی تھیں، اہل دیہہ ایک دوسرے سے لے کر گزارہ کر لیا کرتے تھے، گاؤں کے چند ایک گھرانے ہی تھے۔

ہری پور جیل کے پروفیسر کے ذکر سے مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا ہے مجھے یاد آ رہی ہیں میری والدہ مرحومہ، اللہ تعالیٰ ان کی پاک روح پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے ایک عالمہ تھیں، نام بھی عالمہ بی بی تھا، انہوں نے سینکڑوں ہزاروں بچوں اور بچیوں کو قرآن پاک پڑھایا تھا۔ مجھے اپنی گود میں بٹھا کر قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں۔ وہ خود ہر وقت خدا کا ذکر کرتی رہتی تھیں، چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پاک کی آیات ان کی زبان پر ہوتی تھیں۔

انہوں نے ہمیں نماز و روزہ کے مسائل سکھائے تھے خود نفلی روزے بھی رکھا کرتی تھیں، گاؤں کی بڑی بوڑھیاں بھی ان سے مسائل پوچھنے آیا کرتی تھیں۔ رات کی آخری گھڑیوں میں عبادت میں مصروف ہو جایا کرتی تھیں، گھر کی صفائی اور صبح کا ناشتہ تیار کرتی تھیں، اور مجھے نہلا دھلا کر مسجد میں بھیج دیتی تھیں۔ جہاں میرے والد مرحوم و مغفور بچوں کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے، ہمارے والدین اپنی ساری اولاد سے بہت پیار کرتے تھے۔ میرا ہر بھائی اور میری بہن یہ سمجھتے تھے کہ وہ والدین کی سب سے پیاری اولاد ہیں۔

والدہ مرحومہ گھر کا کام خود کرتی تھیں، ہماری ایک ہی بہن تھی جو بڑی ہو کر ہاتھ بٹانے لگی تھی، لیکن اس کی شادی ہو گئی تھی اور ہماری ماں جی کو سب کام خود کرنے پڑتے تھے۔ کپڑے دھونا، برتن مانجھنا، کھانا تیار کرنا اور سارے گھر کی صفائی میں ان کا کوئی ہاتھ بٹانے والا نہ تھا، میرے دونوں بڑے بھائی کام کرنے کے قابل ہوئے تو ماں جی کو تھوڑا سا سہارا ملا تھا، ہم دونوں چھوٹے بھائی تو کوئی مدد کرنے کی عمر کو ہی نہ پہنچے تھے۔

ہماری والدہ محترمہ صبح اندھیرے جاگ کر کام شروع کرتی تھیں، اور رات کے وقت سونے تک گھریلو کام میں مصروف رہتی تھیں، صبح اور عصر کے وقت بچیوں کی باقاعدہ کلاس شروع ہوتی تھی اور وہ انہیں کبھی گھر کے صحن میں اور کبھی مسجد میں بیٹھ کر قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں، ہمارے والدین کو پوری ذیل اوناع میں بڑی عزت حاصل تھی وہ دین کو تجارت نہیں سمجھتے تھے، یہ ان کا ذریعہ معاش نہ تھا وہ اپنا کام خود کرتے تھے اور رزق حلال کما کر زندگی بسر کرتے تھے۔

ہماری زرعی زمین بھی تھی، ہمیں اس سے بھی اناج حاصل ہو جاتا تھا۔ اراضی کی کاشت گاؤں کے کسان غلہ بٹائی پر کر دیا کرتے تھے۔ میں نے جب وکالت شروع کی تو آخری قطعہ آراضی واقع موہڑہ ہیراں بھی فروخت کر

دیا گیا تھا۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت بیچتے رہے تھے۔اکثر گھروں میں ماچس کی ڈبیہ تک نہ ہوتی تھی ۔ وہ اپنے پڑوسی یا ''دارہ'' سے جا کر انگارالا کر اپنا چولہا گرم کرتے تھے۔ چند گھرانے ضرور ایسے تھے جو غربت کی لکیر سے تھوڑا اوپر تھے، وہ پنجاب اور ممبئی جاتے اور محنت ومزدوری کر کے اپنی معاشی حالت کو بہتر بنا لیتے تھے۔

کسانوں کے پاس زمینیں بہت کم تھیں، اپنی ضرورت کے مطابق اناج پیدا کر لیتے تھے لیکن دوسری اشیاء خریدنے کے لئے انہیں محنت مزدوری سے سرمایہ اکٹھا کرنا پڑتا تھا، ہمارے گھرانے کے لوگ ہنرمند ہونے کی وجہ سے اپنے گھروں میں ہی کام کرتے تھے، اوران کی معاشی حالت بھی اپنے ہمسایوں جیسی تھی، گاؤں کے لوگ محبت و پیار سے رہتے تھے۔کسی طرح کی کوئی تفریق نہ تھی۔سب ایک دوسرے کے کام آتے تھے،غمی وخوشی،شادی بیاہ،فصلوں کی بیجائی، کٹائی اور صفائی پر سب مل جل کر کام کرتے تھے۔

میں جب امریکہ کی شاہراہوں پر پھرتا تھا تو مجھے اپنی گاؤں کے کھیتوں میں سرسوں کے کھلے ہوئے پھول ایسے نظر آتے تھے جیسے میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہوں، گاؤں کا ماحول میری آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا، ایک طویل مدت سے گاؤں سے باہر جموں، لاہور، برطانیہ، امریکہ اور میر پور شہر میں رہنے کی وجہ سے میں اجنبی بن چکا ہوں، اب گاؤں میرے لئے اجنبی بن چکا ہے۔اس کی دونسلیں گاؤں سے باہر میر پور، یورپ اور امریکہ میں آباد ہوچکی ہیں۔اور ہم ایک دوسرے کو بڑے بڑوں کا نام یاد دلا کر شناخت کرتے ہیں۔ ہماری آپس کی شناخت تک اس لئے ختم ہوچکی ہے کہ معاشی حالات نے سب کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے اب تو وطن میں بھی ہم بے وطن اور پردیسی ہو گئے ہیں۔

ہم نے اپنے ہندو اساتذہ سے اس لئے احتجاج کیا تھا کیونکہ وہ خود ایسے مذہب سے تعلق رکھتے تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ہم جب ڈڈیال اسکول میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت ہمارے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ تک بھی نہیں ہوتے تھے، ہم پتھروں کو صاف کر کے ان پر بیٹھ جاتے تھے،کبھی کبھی گھر سے بھٹی پرانی بوری ساتھ لے کر چلے جاتے تھے جسے درخت کے سائے میں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے۔

البتہ مڈل جماعتوں میں پہنچ کر ٹاٹ اور ڈیسک مل گئے تھے اس وقت تختی پر ہی لکھا کرتے تھے اور حساب کے لئے سلیٹ ہوتی تھی کاپی اور پنسل ہوسکتا ہے کہ کسی طالب علم کے پاس ہوئی ہو لیکن عام طلباء کو ایسی کوئی سہولت میسر نہ تھی، دھوپ، سردی، گرمی کے بچاؤ کے لئے بھی کوئی انتظام نہ تھا، نہ بجلی، نہ گیس، نہ پانی ملتا تھا۔''آدھی چھٹی'' کے وقت ہم اسکول سے باہر کھیتوں میں چلے جاتے تھے۔اور کنویں پر جا کر پانی پی لیتے تھے، اور جب اسکول کی چھٹی کی گھنٹی بجتی تھی تو ہم اپنے کپڑے جو گرد آلود ہو چکے ہوتے تھے انہیں جھاڑ کر گھروں کی طرف نکل جاتے تھے۔

یہ ہمارا معمول تھا، میں قاعدہ سے لے کر مڈل کلاس تک مانیٹر رہا۔اساتذہ سبق یاد کرا کر چھٹی دیتے تھے، جب

انسپکٹر آف اسکولز معائینہ کے لئے جاتے تو میرے مہربان اساتذہ مجھے سوالات کے جوابات دینے کے لئے آگے کھڑا کر دیتے تھے اور میں نے اپنے اساتذہ کرام کو کبھی مایوس نہیں ہونے دیا۔ میں ان کے معیار پر پورا اترتا تھا۔

8 سال ڈڈیال اسکول میں زیرِ تعلیم رہ کر اچھے نمبر حاصل کر کے سال 1942ء میں ہائی اسکول میرپور میں داخل ہوا، ہیڈ ماسٹر صاحب نے میرے مڈل پاس کرنے کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ ایک لمبا چوڑا خط لکھ کر بھی دیا تھا جس میں میرے متعلق حسین جملے لکھے گئے تھے جو میرے لئے باعث افتخار تھے، ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب اسے بار بار پڑھتے اور میری طرف دیکھتے تھے، میں اس طرح سربلند کر کے ہائی اسکول میں داخل ہوا تھا۔ ڈڈیال اسکول کے اساتذہ میں سے مجھے بابو سردار سنگھ ماسٹر وشوا ناتھ اور کلیان سنگھ کے نام یاد آتے ہیں، سب اساتذہ بڑے شفیق اور مہربان تھے۔

اس دور میں طلباء کو تقریروں کی مشق کرائی جاتی تھی، طلباء یونین کے انچارج اسکول کے سینئر ٹیچر ہوا کرتے تھے، یونین کے سیکرٹری کے لئے باقاعدہ رائے شماری ہوتی تھی، وہ تمام طلباء جو یونین کا سیکرٹری بننا چاہتے تھے انہیں تقریری مقابلہ میں حصہ لینا پڑتا تھا، اسکول کے تمام طلباء کو اکٹھا کر کے ہر ایک کو جو حصہ لینا چاہتا تھا اسے تقریر کے لئے آگے بٹھا دیا جاتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نگرانی کرتے تھے، تمام اساتذۂ کرام موجود ہوتے تھے۔ تقریر کا موضوع طلباء یونین کے انچارج یا ہیڈ ماسٹر صاحب تقریر کے وقت بتاتے تھے۔

چنانچہ میں تقریر میں اول آیا تھا، اور طلباء سے رائے لی گئی تو انہوں نے بھی میرے حق میں ہاتھ کھڑے کئے تھے، اس طرح میں ہائی اسکول کی طلباء یونین کا سیکرٹری چن لیا گیا تھا۔ اس طرح طلباء، اسٹاف کے ممبران اور دوسرے لوگ بھی مجھے اچھی طرح جانتے تھے اور میں اسکول میں ایک اچھا طالب علم سمجھا جاتا تھا۔

1943ء میں ہائی اسکول کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا تھا، میرپور ہی میرا امتحانی سنٹر تھا، میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے کے لئے محنت کرتا رہا، لیکن امتحان شروع ہونے سے قبل ٹائیفائیڈ کا شکار ہو گیا۔ میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاریؒ مرحوم بھی ٹائیفائیڈ کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے کوئی علاج میسر نہ تھا، دیسی نسخہ جات پر ہی اکتفا کیا گیا تھا۔ البتہ روحانی علاج کیا جاتا رہا، چالیس دن تک بخار میں مبتلا رہے، جسم نہایت نحیف اور کمزور ہو چکا تھا۔ بالآخر امتحان سے چند ہفتے پہلے صحت بحال ہوئی۔

میری بیماری کے دور میں ہر مضمون کا بڑا حصہ اساتذۂ کرام نے طلباء کو پڑھا دیا تھا، حساب کے مضمون کو تقریباً ختم کر دیا گیا تھا، میں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ امتحان کی تیاری نہیں ہو سکی ہے اس لئے اگلے سال امتحان دوں، لیکن اساتذۂ کرام کے مشورہ سے امتحان میں شامل ہو گیا تھا، میں اس طویل بیماری، اسکول سے غیر حاضری اور بدوں مکمل تیاری امتحان دینے کے باوجود اسکول میں اول آیا تھا۔ البتہ میری فرسٹ ڈویژن ایک نمبر سے رہ گئی تھی۔

ہمارے دور میں سیکنڈ ڈویژن میں امتحان پاس کرنا بھی بڑی بات تھی، مجھے سب اساتذہ نے لاہور جا کر وائس چانسلر کو درخواست دے کر دوبارہ پرچے چیک کرانے کا مشورہ دیا تھا میرے پاس لاہور تک جانے کے لئے کرایہ بھی نہ تھا، اور مجھے یہ علم بھی نہ تھا کہ میٹرک کا سرٹیفکیٹ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی ایک سرٹیفکیٹ ہوتا ہے جس پر عمر کا اندراج اور دیگر کوائف مفصل درج ہوتے ہیں۔ اساتذہ کی رائے تھی کہ وائس چانسلر خود نمبرات دیکھ کر ایک دو نمبر دے کر مجھے فرسٹ ڈویژن میں امتحان پاس کرنے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا حکم دے دیں گے اور پرچے دیکھنے کی نوبت بھی نہ آئے گی۔ میرے پاس جو سرٹیفکیٹ تھا وہ پولیس کے بار بار چھاپے اور ریکارڈ ضبط کرنے کے دوران ضائع ہو چکا ہے۔ میرے پاسپورٹ پر لکھی گئی تاریخ پیدائش کا اندراج درست نہیں ہے۔ ہمارا گھر تو پڑھے لکھے لوگوں کا گھر تھا۔

برادرِ محترم میاں غلام نبی انصاری مرحوم نے الگ الگ رجسٹر بھی بنائے ہوئے تھے جن پر ان کی یادداشتیں ان کی قلمی درج تھیں، وہ ریکارڈ رکھتے تھے، انہوں نے ہفت روزہ ''ہمت'' اور ہفت روزہ ''سچ'' کی فائلیں بھی سنبھال کر رکھی تھیں، لیکن یہ سارا ریکارڈ ڈوگرہ راج میں ضائع ہو گیا تھا، اور جو ریکارڈ بچا تھا وہ آزاد کشمیر کی غیر آئینی، غیر نمائندہ اور ظالم و جابر حکومتوں کے دور میں پولیس چھاپے مار کر اسے اٹھا کر لے گئی تھی۔ اس طرح میری وہ سند اور تاریخ پیدائش سے متعلق رجسٹر بھی ضائع ہو گیا تھا جو رجسٹر تاریخ پیدائش دیکھا تھا اس کا سال یاد رہ گیا ہے۔ وہ 1983 بکرمی ہے، اس کا مہینہ و تاریخ یاد نہیں رہی ہے، اور اب جبکہ زندگی کا سورج ڈھلنے کے قریب ہے اس تاریخ و مہینہ کو لکھ کر زندگی کو بڑھایا نہیں جا سکتا۔

موت کا ایک دن معین ہے، اس کا وقت مقرر ہے، وہ اپنے ''وقت'' پر خدا تعالیٰ کے حکم سے مقررہ جگہ پر آ کر رہے گی، ساری کرۂ ارضی میں بسنے والے انسان مل کر بھی ایک سانس بھی بڑھا نہیں سکتے، ہر سانس اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ اور ہر وہ سانس جو اللہ کی یاد میں گزر جائے وہ سب سے بڑی غنیمت ہے۔ **یعلم مستقرھا ومستودعھا**، اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کہاں رہتا ہے، اور آخری ٹھکانا اس کا کہاں ہے، زندگی وہی بہتر ہے جو سلیقہ سے گزر جائے، لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے، اور جو اس نے نعمتیں دے رکھی ہیں اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر کرنے کی توفیق دے اور ہمیں ناشکروں اور بے انصافوں کے زمرے میں شامل ہونے سے بچالے۔ حقیقت یہ ہے کہ............

یہ دنیا سرائے فانی دیکھی
اس کی ہر چیز آنی جانی دیکھی
آ کے جو نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا

اور جا کے جو نہ آئے وہ جوانی دیکھی

کل من علیھا فان ☆ ویبقٰی وجہ ربک ذو الجلال و الاکرام ☆

فبای آلاء ربکما تکذبٰن ☆

برادرم میاں عبدالغنی انصاری مرحوم میرپوری زبان میں تقریر کرتے تھے، وہ غیر اسلامی رسموں کے سخت مخالف تھے، خانقاہوں اور درباروں پر جو ''ناچ کود'' ہوتا تھا وہ اس پر سخت برہمی کا اظہار کرتے تھے۔ محلّہ کی مسجد میں ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے انہوں نے دھمال کو مکر وعیاری قرار دیتے ہوئے سامعین حضرات کو کہا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر سکر کی حالت طاری ہوگئی ہے اور وہ فنا فی اللہ ہوگئے ہیں اس لئے وہ اللہ ھو، اللہ حق کہہ رہے ہیں، ان کو اب اپنی ہوش تک نہیں رہی ہے۔ برادرم میاں صاحب نے ایک دلچسپ لطیفہ سنایا، کہنے لگے............

ایک دربار میں چند لوگ دھمال ڈال رہے تھے۔ اور ان پر پھولوں کی بارش ہورہی تھی، ان کے اردگرد ایک بھیڑ اکٹھی اس منظر سے محظوظ ہورہی تھی، اس بھیڑ میں دو آدمی جو دربار کی زیارت کرنے گئے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے زیادہ اچھی طرح ''دھمال چوکڑی'' ڈال سکتا ہے لیکن اسنے نیا جوتا خریدا ہے وہ اتار کر اندر کیسے جائے۔ دوسرے ساتھی نے کہا کہ وہ اس کا جوتا سنبھال کر رکھے گا اس نے اس یقین دہانی پر اپنا جوتا اتارا اور مزار کے ساتھ خالی جگہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر اپنا کرتب دکھانے لگا، ھوھو کرنے والے چاروں طرف چکر لگاتے تھے، اب اس نئے فنکار پر پھولوں اور چھوہاروں کی بارش ہونے لگی، یہ دیکھ کر دوسرے ساتھی نے جو اپنے ساتھی کی جوتی رکھوالی کررہا تھا اس نے اس کے جوتے کو لوگوں سے چھپا کر اپنی کمر سے باندھا اور اپنا جوتا بھی چادر کے ساتھ اندر باندھ کر چھلانگ لگا کر اندر چلا گیا، اور ان لوگوں کے ساتھ دھمال ڈالنے میں شریک ہوگیا۔ اب لوگ یہ آواز سن رہے تھے............

اللہ ھــــــو، اللہ حــــــق

یہ بڑی سریلی آواز تھی، لوگ بھی ان کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاتے تھے۔ عجب سماں پیدا ہوجاتا تھا۔ اس گونج دار آواز میں گھومتے پھرتے وہ اپنے پہلے ساتھی کے پاس سے گزرا تو اس نے اپنے ساتھی کو دیکھ کر گھبراہٹ کا اظہار کیا اور زور زور سے کہنے لگا کہ............

اللہ ھــــــو، اللہ حــــــق

اور آہستہ آہستہ سے اس کے کانوں میں یہ آواز پہنچا تا تھا کہ............

پنجاں روپیاں نی جُتی سی

کتھے آئے ہو رکھ؟

یعنی اس نے پانچ روپیہ میں جوتا خریدا تھا جو بہت قیمتی تھا وہ اس نے ساتھی سے پوچھا کہ اسے کہاں رکھ آئے ہو، وہ چوری ہو گیا تو اس کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ساتھی نے ''حالت سکرات'' میں جواب دیا............

اللہ ھــــــو، اللہ حــــــق

فکر اندیشہ نہ کرتو جتی میرے لک

(یعنی تمہیں جوتی کی فکر نہیں ہونی چاہیے، جوتی اس نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ کر رکھی ہوئی ہے)۔

اور پھر دونوں نے **اللہ ھــــــو، اللہ حــــــق** کی تکرار زور زور سے شروع کر دی، ساری بھیڑ نے ان پر پھولوں کی بارش کر دی، چھوہارے پھینکنے شروع کر دیئے اور یہ ''حالت سکرات'' جو حقیقت میں مصنوعی تھی ایک بناوٹ تھی ایک مکر تھا جس سے سادہ اور ان پڑھ لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ سانس لینے کے لئے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے اور ان کی جھولی میں اب روپوں اور پیسوں کا ڈھیر لگ گیا، قبر کے مجاور انہیں ساتھ کمرے میں لے گئے اور ''**نصف لی و نصف لک**'' کہہ کر رقم بانٹ لی گئی''۔

لوگوں کو دوران تقریر کہنے لگے کہ ان لوگوں کی عیاری و مکاری سے بچو، خود قرآن پاک پڑھو، اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو، ہر وہ کام جو حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہوا، صحابہ نے جو عمل نہیں کیا، ان کے بعد بھی تابعین سے منقول نہیں ہے وہ نئی بات ہے اور دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے اور گمراہی اور گمراہیوں کا ٹھکانا جہنم ہے، مجھے میاں عبدالغنی انصاری مرحوم کے الفاظ یاد نہیں ہیں یہ بچپن کا ذکر کر رہا ہوں، جو دھندلی سی یادیں باقی رہ گئی ہیں انہیں صفحۂ قرطاس پر لا رہا ہوں۔

میں نے خود بھی کئی ایسے مناظر دیکھے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور وہ دین کے نام پر کئے جا رہے ہیں جس پر بت پرست اقوام بھی شرمندہ ہوتی ہیں ان واقعات کے بیان کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ قارئین اندازہ لگا لیں کہ ان کا میری زندگی پر کتنا گہرا اثر پڑا ہوگا۔ اور اس دور کے میرے ہم عمر اہل دیہہ پر بھی اس کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا۔

ہمارے گاؤں میں شادی بیاہ کے موقع پر بھی ''ڈھول باجے'' سب بند تھے۔ سب انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے، پتھر اور گارے کے کچے مکانوں میں رہتے تھے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے جو جلانے کے کام آتی تھیں، کنویں سے پانی بھر کر لاتے تھے، دریا اور برساتی نالہ اور انب کے قریب چشمہ سے بہتے ہوئے پانی سے کپڑے دھو کر لاتے تھے، گھراٹ سے آٹا پسوا کر لاتے تھے، زیادہ تر گھروں میں لگائی ہوئی چکیوں میں آٹا پیسا جاتا تھا۔

تنور جلائے جاتے تھے۔ چولہے گرم کئے جاتے تھے، مکئی، باجرہ اور گندم کی روٹیاں پکائی جاتی تھیں، کھیتوں سے خود رو گھاس لا کر سبزی کے طور پر پکایا جاتا تھا، سل پر مرچ پیس کر اس میں نمک ملا کر لسی سے روٹی کھائی جاتی تھی۔ کیکر کے

درخت کی پھلیوں کا اچار ڈالا جاتا تھا، رات کی پکی ہوئی باجرے کی روٹی کو گرم کوئیلوں پر رکھ کر صبح کا ناشتہ کیا جاتا تھا، مٹی کے دیوے میں مٹی کا تیل ڈال کر رات کو روشنی کی جاتی تھی، اسی روشنی میں ہم اپنا سبق یاد کرتے تھے۔

مٹی کے تیل کے دھواں سے منہ، ناک اور گلے تک اس کا اثر پڑتا تھا۔ گوشت تو تہواروں پر ہی کھانے کو ملتا تھا، یا شادی بیاہ کے موقع پر لوگ گوشت پکاتے تھے، علاج کے لئے قبرستان سے کیکر چن کر لائے جاتے تھے اور انہیں گلے میں ڈال کر تیسرے، پانچویں اور ساتویں دن کے بخار کا علاج کیا جاتا تھا، تعویز، گنڈے، منتر ختم اور دعائیں بطور علاج استعمال ہوتی تھیں۔ دیسی علاج بھی شربت وغیرہ سے کیا جاتا تھا۔

کچھ جڑی بوٹیوں کا استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی جو مالیہ کی رسید لکھ سکتا تھا وہ اس وقت کا سب سے بڑا پڑھا لکھا انسان سمجھا جاتا تھا۔ لوگ تھانہ میں رپورٹ درج کرانے کے لئے جانے سے ڈرتے تھے۔ اول تو چوری کا بہت کم امکان تھا، اگر کسی کے گھر چوری ہو جائے تو وہ اپنے ہمسائے کو بھی نہ بتاتا تھا کہ اگر یہ کسی طرح تھانہ تک خبر پہنچ گئی تو اس کا باقی سامان بھی جاتا رہے گا۔ مقدمہ بازی بھی اسی ڈر سے بہت کم تھی، بلکہ لوگ کچہری اور تھانے میں جانے سے حتی الامکان بچتے تھے۔

گھر کھلے رہتے تھے، اگر کسی گھر کے دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہو تو یہ اس امر کی نشانی تھی کہ اس کے مکین کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ گھروں کو تالہ لگانے کا رواج ہی نہ تھا، لوگوں کے گھروں میں ہوتا ہی کیا تھا کہ وہ اس کی حفاظت کرنے کے لئے تالہ لگاتے، البتہ اناج چوری کرنے والے رات کے وقت کبھی کبھار نقب لگاتے تھے، جس کا ہمارے گاؤں میں کبھی وقوع نہیں ہوا، جرائم بہت کم ہوتے تھے۔ ایک سادہ ماحول میں زندگی کا بچپن گزرا تھا، لوگ سادہ لباس پہنتے تھے، سادہ کھانا کھاتے تھے، نمک، مرچ اور لسی پر گزارا کر لیتے تھے۔

اسکول میں تقریری مقابلے کے لئے میں نے ایک چھوٹی سی کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا وہ واقعہ لکھا ہوا تھا جو انہوں نے بت کدے میں جا کر ایک ایک بت کو توڑ کر بڑے بت کو دے دیا تھا، تاکہ لوگ شرک و بت پرستی سے باز آ جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کر سکتی تو اعلان حقیقت کے لئے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان کے معبود اُن سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ اور وہمی اور روایتی عقیدے کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں۔ جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے تو پھر جیسا جہل و تعصب کا قاعدہ ہے کہ ظلم و تشدد پر اتر آتے ہیں۔ انہوں نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ

السلام زندہ سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے۔

اساتذہ نے میری تقریر کے بعد مولوی عبدالمجید صاحب کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا وہ میرے عربی کے ٹیچر تھے، جھگڑا بڑھتا گیا۔ میں نے ایک دن وہ کتاب ہیڈ ماسٹر صاحب کو دکھائی، اور انہوں نے اعتراض کرنے والے اساتذہ کو دفتر میں بلا کر دکھائی، میں نے جب ہیڈ ماسٹر صاحب کو بتایا کہ تقریر سے پہلے میں نے عربی ٹیچر جو میرے بڑے مہربان اور شفیق استاد تھے میں نے ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا تھا تب جا کر وہ جھگڑا ختم ہوا تھا۔

اگر مولوی عبدالمجید مرحوم حضرت مولانا سیا کھویؒ کے بھتیجے نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ انہیں اسکول سے نکال دیا جاتا یا دور دراز کسی جگہ بھیج دیئے جاتے۔ تبادلہ کی صورت میں بھی انہیں ملازمت چھوڑنی پڑتی، اس واقعہ کو دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس تعصب اور ان کے نزدیک قابل اعتراض تقریر کے باوجود مجھے تقریری مقابلہ جیتنے کی خوشخبری سنائی گئی تھی۔ البتہ یہ یاد نہیں ہے کہ کوئی انعام بھی ملا تھا یا نہیں۔ محلّہ کی مسجد میں عید میلا دالنبی ﷺ، معراج النبی ﷺ، لیلۃ القدر کے تہوار جلسہ کی صورت میں منائے جاتے تھے۔

اس موقعے پر مجھے تقریر کرنی پڑتی تھی، ابھی میں پرائمری جماعت میں زیر تعلیم تھا تو میں نے تقریر کرنی شروع کر دی تھی۔ ہمارے گھر میں سیرت النبی ﷺ پر لکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی کتابیں موجود تھیں، میں یاد کر کے جلسہ میں سنا دیتا تھا، اور مجھے بڑی داد ملتی تھی، برادرم محترم میاں عبدالغنی انصاریؒ اور دوسرے بھائی اور کزن مل کر ان اجلاس کے انعقاد کا اہتمام کرتے تھے اور ہم طلباء کے حوصلے بڑھانے کے لئے ہماری تقریروں پر ہمیں خوب داد دیتے تھے۔

تلاوت کلام پاک اور نعت خوانی کی محافل میں باقاعدہ شرکت کرتے رہے، مجھے کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں روانی سے تقریر کر لیتا تھا۔ ابھی مڈل کلاسز میں پہنچا ہی تھا کہ اسکول میں تقریری مقابلہ ہوا، ہمیں کوئی خاص موضوع نہیں دیا گیا تھا، جو طلباء مقابلہ میں حصہ لے رہے تھے انہیں کہا گیا تھا کہ وہ اپنی پسند کا موضوع چن کر تقریر کریں گے۔ تقریر کرنے والوں میں ہندو، مسلم، سکھ طلباء سب شامل تھے۔

اسکول میں ہندو اساتذہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ بڑے محنتی، تجربہ کار اور طلباء کے ساتھ محبت کرنے والے تھے، ہم طلباء بھی اپنے اساتذہ کو اپنے بزرگوں کی طرح سمجھتے اور احترام کرتے تھے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی لڑکا گستاخی سے پیش آئے، آج بھی اگر اس دور کا ٹیچر سامنے آجائے تو ہمارے جسم میں بجلی کی کرنٹ لگنے کی طرح حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور فوراً کھڑے ہو کر استقبال کرنے لگتے ہیں۔

اساتذہ کی عزت اور ان کا احترام ہمارے جسموں کے رگ وریشہ میں موجود ہے، میں تقریری مقابلہ کا ذکر کر رہا تھا، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میری تقریر سے اسکول کے اساتذہ کے مابین جھگڑا پیدا ہو جائے گا، مذہبی تعصب کی آگ

بھڑک اٹھے گی اور فسادات کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کے نانا جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''خون کے رشتہ سے نظریات کا رشتہ زیادہ عزیز ہوتا ہے''۔

دلائی ٹارچ سیل میں تفتیش کے دوران پولیس افسروں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ میں بھارتی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے اتنی اذیت کیوں برداشت کررہا ہوں؟۔جب وہ مجھ سے یہ سوال کرتے تھے کہ آپ کے کون کون سے رشتہ دار مقبوضہ کشمیر میں موجود ہیں؟ وہاں آپ کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کتنی ہے؟ تو اس کا یہ جواب سن کر حیران ہوجاتے تھے کہ سرحد کے اس پار نہ کوئی زمین ہے، نہ میرا مکان ہے، نہ کوئی رشتہ دار موجود ہے،تو پھر سرحد پار کی آزادی کے لئے یہ جیلیں کیوں کاٹی جارہی ہیں؟۔

میں نے انہیں بتایا کہ سرحد کے اس پار میری اور میرے آباؤ اجداد کی چون ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی زمین ہے اس کا رقبہ بنگلہ دیش کے رقبہ سے زیادہ ہے،ابھی تو صرف تقریباً بتیس ہزار مربع میل رقبہ میرے پاس ہے اور وہ بھی میرے کنٹرول میں نہیں ہے۔یہ ریاست میرے آباؤ اجداد کی ہے، میں اس کا وارث ہوں۔ایک لاکھ مربع میل کے لگ بھگ پھیلی ہوئی میری اپنی زمین ہے میرے ہم وطنوں کی زمین ہے۔ریاست کے ہر فرد کی زمین ہے۔یہ بھارت و پاکستان کی زمین نہیں ہے۔اور جہاں تک رشتہ داری کا تعلق ہے ہمارے ڈیڑھ کروڑ کے قریب لوگ ہمارے رشتہ دار ہیں، یہ بات میں کشمیر کی نسبت سے نہیں بتا رہا تھا،حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا ہمارا وطن ہے اور ساری نوعِ انسانی ہماری برادری ہے۔

لیکن اذیت گاہ میں، میں انہیں سمجھانے کو بتا رہا تھا کہ سرحد کے اس پار میرے ہم وطن میرے رشتہ دار ہیں، خون کے رشتہ سے نظریئے کا رشتہ مجھے عزیز ہے،تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، میں جو اپنی یہ داستان سنا رہا ہوں، اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہماری نسل کے وہ لوگ جو صرف خون کے رشتہ کو عزیز سمجھتے ہیں انہیں پتہ چل جائے کہ ان کے آباؤ اجداد کے نظریات کیا تھے؟۔ان کا عقیدہ کیا تھا؟ وہ اپنے نظریئے اور عقیدے کے لئے کتنی بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرے ہیں۔اور انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے یہ سچائی، یہ حقیقت یہ عقیدہ جس کی عمر پہاڑوں اور سمندروں سے بڑی گہری اور مضبوط ہے۔ان کے ورثے میں چھوڑی ہے کہ انسان خدا کی سب سے پسندیدہ مخلوق ہے۔زمین وآسمان کی سب دولتیں، اس کا حسن، اس کی زینت و آرائش اسی مخلوق کے لئے پیدا کی گئی ہے۔وہ آزاد پیدا ہوا ہے، وہ صرف خدا کا بندہ اور اس کا غلام ہے۔اس مردِ درویش کا سرمایہ آزادی ہے۔اگر آزادی چھن جائے تو اسے چاہیے کہ اس کے حصول کے لئے اپنی جان و مال،عزت وآبرو سب کچھ قربان کردے۔آزادی یا موت ایک نعرہ ہی نہیں، یہ ایمان بھی ہے، یہ عقیدہ بھی ہے، یہ نظریہ بھی ہے، یہ مطالبہ بھی ہے، یہ حق ہے، یہ سچائی ہے۔

محمد صابر انصاری کے نانا جی مرحوم کا نام مرزا عالم الدینؒ ہے۔یہ میرے والد مرحوم (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اعلیٰ

علیین میں جگہ دے، انہیں مقامِ رضوان نصیب فرمائے) کے خالہ زاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ وہ مشہور سیاسی رہنما حاجی عبدالوہاب الدین مرحوم کے دست وبازو تھے۔اور ریاست جموں وکشمیر کی قومی تنظیم جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے ممبر تھے۔ اپنے کنبہ کے جو ضلع میر پوراور راجوری تک پھیلا ہوا تھا اس کے سربراہ تھے۔ان کا گھر سب کا مرکز تھا، وہ آڑہ دھرم ارتھ کے گاؤں میں رہتے تھے۔

آڑہ دھرم ارتھ گاؤں پرانے میر پورشہر کے جانب شمال ایک برساتی نالہ کے دائیں طرف آباد تھا۔ یہ ایک چھوٹا ساخوبصورت اور صاف ستھرا گاؤں تھا۔اس میں تین چار قبائل رہتے تھے، جن کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی، اراضیات کا مالک ایک مندر کا پنڈت تھا، مہاراجہ نے ہندوؤں کے مندر کے لئے یہ جاگیر یا معافی مختص کر رکھی تھی، کسان معمولی سالگان یا فصلوں کی کٹائی کے بعد اس مندر کے بابا (پروہت) کو نذرانہ کے طور پر لگان ادا کر دیتے تھے۔

اس گاؤں کے مغرب میں جو وہاں سے لے کر نلوئی تک بلکہ پنڈوراتک زرخیز زرعی زمین تھی جو کئی میلوں تک پھیلی ہوئی تھی، میلوں تک گلاب، موتیہ، چنبیلی اور رویل کے پھول کھلے ہوتے تھے۔ پھولوں کی مہک سے ہر طرف خوشبو ہی خوشبو تھی، دور تک باغات تھے، جب آب پاشی کے لئے رہٹ چلتے تھے تو گھنٹیوں کی آواز کے ساتھ پانی کے گرنے کی آواز ایک سدابہار نغمہ پیدا کرتے تھے، راہ چلتے مسافر یا صبح کی سیر کرنے والے لوگ جب ان دیہاتوں کی راہوں سے گزرتے تھے تو وہ مسحور ہو جاتے تھے۔

اس سارے علاقہ میں الراعی برادری کے لوگ بستے تھے، وہ زمینوں سے تین تین فصلیں پیدا کرتے تھے، سبزی اتنی مقدار میں پیدا ہوتی تھی کہ وہ شہر میر پوراور مضافات کے گاؤں کی ضروریات کو پورا کرسکتی تھی۔الراعی برادری کے لوگ بڑے ذہین اور خوش اخلاق بھی تھے۔ سیاسی طور پر یہ علاقہ بھی بہت بیدار تھا، چند ایک لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کا تعلق بھی نیشنل کانفرنس سے تھا۔

کامریڈ محمد شفیع مرحوم تحریک کشمیر چھوڑ دو کے دوران چوہدری کفایت علی مرحوم کے پاس ہی رہتے رہے، وہ زیر زمین اس تحریک کو چلا رہے تھے۔ان کی اراضیات میں ہر قسم کے پھل، پھول، سبزیاں اور اناج پیدا ہوتا تھا، اراضیات کے ساتھ برساتی نالہ میں چشمے بھی تھے۔اور گھراٹ بھی چلتے تھے۔

سارے شہر کے مسلمان اپنے مرنے والوں کو ایک بڑے قبرستان میں دفن کرتے تھے اور وہ قبرستان بھی نالہ کے پار اسی علاقہ میں تھا، ان مواضعات سے ہی سڑک گزرتی تھی، جو میر پور کو کوٹلی اور ڈڈیال سے ملاتی تھی۔اس دور تک پھیلے ہوئے علاقہ میں کوئل بلبل اور رنگارنگ کے پرندے آکر رس بھرے گیت گاتے تھے۔

اس پھولوں اور پھلوں کے اگانے والی زمین کے زیرآب آنے سے جتنا بڑا نقصان ان کے مکینوں کو ہوا اس کا

معاوضہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔لوگوں نے جب معاوضہ کی رقم بڑھانے کا مطالبہ کیا تھا تو جنرل ایوب خان بھی میر پور آئے تھے، واپڈا والوں نے بالہ گالہ پہاڑی پر کھڑے کر کے جنرل محمد ایوب خان کو بتایا تھا کہ ان پتھروں کا معاوضہ قابل کاشت اراضیات کی قیمتوں کے برابر دے رہے ہیں، مسٹر کے ایچ خورشید اس وقت صدر حکومت آزاد کشمیر تھے، انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے جب صدر پاکستان کو بتایا کہ انتہائی زرخیز علاقہ زیر آب آ رہا ہے اور جو وہاں سے لے کر نلوئی اور پنڈ وراتک کے علاقہ کی تفاصیل بتائیں تو جنرل محمد ایوب خان کا پارہ تیز ہو گیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ساری ریاست 75 لاکھ روپیہ میں فروخت ہوئی تھی اور پاکستان صرف ایک سو مربع میل میں پھیلے ہوئے علاقہ کا معاوضہ اس رقم سے کئی گنا بڑھ کر دے رہا ہے۔ دونوں کے درمیان تلخی بڑھی تھی، لیکن ایک مقبوضہ علاقہ کا صدر اپنی بات کیسے منوا سکتا تھا؟۔

گھروں سے اجڑنے والے لوگوں کو وہ ماحول میسر نہیں آ سکتا، ان کی نسلیں میر پور جہلم اور دوسری جگہوں میں جا کر آباد ہو گئی ہیں۔لیکن جو لوگ زندہ ہیں وہ جب بھی اپنے آباؤ اجداد کے مکانات، اراضیات اور ماحول کو یاد کرتے ہیں تو ان کے چہروں کی مسکراہٹ معدوم ہو جاتی ہے۔

مرزا عالم الدین کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کی والدہ محترمہ ان ہی کی بیٹی تھی، 1947ء کے فسادات میں ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ان کا ایک بھتیجا غلام محمد شہید بھی کر دیا گیا تھا، یہ جن سنگھی سورماؤں کا وحشیانہ فعل تھا جس نے پرامن ہندو شہریوں کو بدنام کر دیا تھا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تحریک آزادی میں اس گھرانے کی قربانیاں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

عالم الدین مرحوم نے بھارت و پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے نیشنل کانفرنس کا آخری سالانہ اجلاس جو سوپور بارہمولہ میں ہوا تھا، اس میں بطور ڈیلیگیٹ شرکت کی تھی۔اس اجلاس میں پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اور باچا خان (خان عبدالغفار خان مرحوم) نے شرکت کی تھی۔ میر پور کے ڈیلی گیٹ حاجی وہاب الدین کے ہمراہ راجوری کے راستہ سرینگر پیدل گئے تھے، بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ مرزا عالم الدین مرحوم بہت بڑے مہمان نواز تھے، ان کا لنگر چلتا رہتا تھا۔ان کے کنبہ کے لوگ ڈڈیال کے علاقہ سے لے کر کوٹلی اور راجوری تک وہاں آ کر قیام کرتے رہے، انہوں نے آڑھت کا کام بھی کیا، کپڑا تیار کرنے کی مشینیں لگا رکھی تھیں جن پر کاریگر کام کرتے تھے۔ وہ مشہور تاجر بھی تھے۔ بزازی کا کام کرتے رہے، ان کے بڑے بیٹے (مرزا خوشی محمد مرحوم) سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے تیار کراتے رہے۔

میں تفصیلات میں جائے بغیر ان کی سیاسی خدمات کا تذکرہ شروع کرتا ہوں، اس گھرانے نے اس راہ میں جلا وطنی کی سزا پائی، جیلوں میں گئے، قید بامشقت کاٹی، ان کے مال و اسباب کو قرق کیا گیا۔ان پر پولیس کا تشدد ہوتا رہا، ان

کے گھروں پر چھاپے مارے جاتے رہے، اوران پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا۔

ریاست پر غیر ملکی فوجوں نے قبضہ کرلیا اور ایک خونی لکیر قائم کردی گئی جس نے ہم وطن بھائیوں کو تقسیم کردیا۔ پاکستان کے زیر انتظام علاقہ میں جب عوامی کانفرنس بنائی گئی تو یہ گھرانا اس میں شامل ہوگیا۔ اور جب خود مختار کشمیر کی حامی تنظیموں نے متحد ہوکر محاذ رائے شماری کی بنیاد رکھی تو ان سب بزرگوں، نوجوانوں، مردوں اور عورتوں نے اس کا ساتھ دیا۔ سرحد کے اس پار سے آواز آرہی تھی کہ ایک آواز ہو، ایک تنظیم ہو، ایک منزل ہو، تو اس سے شمع آزادی کے پروانوں کو تقویت مل سکتی ہے جو آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں، ہم نے اس پر لبیک کہا اور محاذ رائے شماری کے پرچم تلے اکٹھے ہوگئے تھے، مرزا خوشی محمد مرحوم خدا تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، وہ اس تحریک میں تادم واپسیں ہمارے ساتھ رہے۔

برادرم مرزا افضل الٰہی مرحوم ان کے چھوٹے بھائی تھے، برادرم خوشی محمد مرحوم کے ساتھ مل کر انہوں نے سیاسی کام کیا، وہ پختہ سیاسی ذہن کے مالک تھے ہفت روزہ ''ہمت'' پہلا اردو اخبار تھا جو ڈوگرہ دور میں ریاست کے قابل احترام رہنما حاجی وہاب الدین نے نکالا تھا، حاجی وہاب الدین مرحوم کو شیر کشمیر اپنا سیاسی باپ سمجھتے تھے۔ اس اخبار کی ادارت کے فرائض ریاست جموں وکشمیر کے چوٹی کے رہنما بطل حریت راجہ محمد اکبر خان رحمۃ اللہ علیہ ادا کرتے رہے، یہ اخبار کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور پسماندہ طبقات کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں میں آزادی کی آگ بڑھکا تا تھا۔ اس آگ کے شعلوں نے تاج وتخت کو جلا کر بھسم کردیا تھا۔

اس وقت پریس میں مرزا فضل الٰہی مرحوم کام کرتے تھے۔ اوران دونوں بزرگ راہنماؤں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ نے اخبار ''سچ'' نکال کر قوم وملک کی خدمت شروع کردی تھی، پھر دونوں اخبارات منزل آزادی کی راہ دکھاتے رہے۔ البتہ ایک وقت ضرور ایسا آیا کہ دونوں راہنماؤں کی راہیں جدا ہوگئی تھیں۔ اس کے باوجود مرکز سے حاجی عبدالوہاب الدین مرحوم کا تعلق بدستور باقی رہا۔ یہ عرصہ زیادہ لمبا نہ تھا، چند مہینوں پر محیط تھا، لیکن ان رہنماؤں کی رنجش نے کارکنوں میں بددلی پیدا کردی تھی ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک میں بطل حریت کی خواہش تھی کہ وہ اس میں شامل ہوں وہ بستر مرگ پر تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا جنازہ جیل سے نکلے۔

انہوں نے حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ سے بھی اس لئے بے زاری کا اظہار کیا تھا کہ وہ جیل سے باہر تھے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ بطل حریت کے آخری سانس تک ان کے ساتھ رہے۔ ان کے مشن ان کے انقلابی نعرہ آزادی سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بطل حریت کی بیماری، ضعف اور کمزوری نے ان کے کارکنوں کی کمریں توڑ کر رکھ دی تھیں۔ ان کی موت ایک شخص کی موت نہ تھی۔ وہ تو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی موت تو

سارے عالم کی موت تھی۔ وہ سب جا چکے لیکن ان کے بعد اندھیرا نہیں ہوا۔

وہ ایسی شمع روشن کر کے جا چکے ہیں کہ انہیں قابض ملکوں نے مل کر بجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان رہنماؤں کے زیرِ سایہ کام کرنے والے مرزا فضل الٰہی مرحوم نے بار بار جیل کاٹی۔ عوامی کانفرنس نے خود مختار کشمیر کا نعرہ لگایا، بنیادی حقوقِ انسانی حاصل کرنے کے لئے 1953ء میں تحریک چلائی تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے سزا با مشقت کا فیصلہ سنایا اور جرمانہ کی سزا بھی سنائی گئی، عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں جائیداد منقولہ کی قرقی کا حکم بھی دیا گیا۔

پولیس انہیں گھر سے پکڑ کر نہیں لائی تھی، بلکہ انہوں نے دفعہ 144 کی کھلے بندوں خلاف ورزی کی تھی، عوامی کانفرنس کے رہنما اور کارکن دو دو تین تین مل کر ہر روز جلوس نکالتے تھے اور اس قانون کو جوتے کی نوک سے ٹھکراتے ہوئے ایس پی کے دفتر کے سامنے سے نعرے لگاتے ہوئے ڈپٹی کمشنر کے دفتر باہر کھڑے ہو کر کالا قانون مردہ باد، شہری آزادیاں زندہ باد، کٹھ پتلی حکومت مردہ باد، خود مختار کشمیر زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے اپنی گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔

چنانچہ مرزا فضل الٰہی مرحوم شیروں کی طرح آگے بڑھے، بہادروں کی طرح پولیس کا مقابلہ کیا، جیل میں بامشقت قید کاٹی اور اس دلیری اور جرأت سے کاٹی کے جیل کا داروغہ بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا، ان کی منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی، انہیں اسکی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک ہنرمند انسان تھے۔ یہ مال و دولت کیا چیز ہے وہ تو جان عزیز بھی اس راہ میں قربان کرنے کو اپنے لئے، اپنی قوم کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے تیار رہتے تھے۔ مرزا فضل الٰہی مرحوم بار بار جیل میں گئے۔ ان کی جیل کی صعوبتوں کا ذکر آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

ہمارے بزرگ مرزا عالم الدین مرحوم کے پوتے اور مرزا فضل الٰہی مرحوم کے اکلوتے بیٹے کا مختصر ذکر کرنا چاہوں گا۔ ان پر ضخیم کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے، ان کے اخلاق، ان کے اطوار ان کی عادات اور ان کی قربانیوں کی تابناک مثالیں آنے والی نسلوں کے لئے چراغ راہ کی مانند ہیں، آنے والی نسلیں غلامی کی تاریک راتوں میں ان کی جلائی ہوئی روشنیوں کی مدد سے آگے آسانی سے بڑھ سکتی ہیں۔ یہ روشنی کا مینار ہیں۔ تاریخ ان کو سلام عقیدت پیش کرنے کے لئے مجبور ہے۔

مرزا محمد اسلم ریاست جموں وکشمیر کا وہ مایہ ناز سپوت ہے، جس پر کشمیر کی آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی، اس کا بچپن، اس کا لڑکپن اس کی جوانی سب گواہ ہیں کہ وہ اسلام کی گود میں پلا، اس نے کشمیر کی غلامی کے خلاف جہاد شروع کیا، وہ عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری تک ایک سرگرم کارکن اور رہنما کا کردار ادا کرتا رہا۔ وہ پرامن جدوجہد کے ساتھ دیگر ذرائع کے استعمال کے حق میں بھی تھا۔ اس کا ذکر کئی مقامات پر آگے آئے گا۔

یہ واحد کشمیری حریت پسند کارکن ہے جس کے انٹر پول نے ریڈ وارنٹ جاری کیئے۔اس کو تلاش کرنے کے لئے اس کے گھر پر چھاپے مارے گئے۔ساری دنیا میں اس کی تلاش کی گئی، وہ بھاگا ہوا نہیں تھا۔وہ تو ہر ملک اور ہر جگہ گیا لیکن وہ آزادی کی تلاش میں پھرتا رہا۔وہ ہانگ کانگ گیا وہ پاکستان میں گھوما پھرا۔اس نے آزاد کشمیر کا چکر لگایا، وہ محاذ رائے شماری کا ایک مضبوط ستون تھا۔وہ برطانیہ میں محاذ رائے شماری کے لئے ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرتا رہا، محاذی ساتھیوں سے چندہ اکٹھا کرتا رہا، اور جب محاذ رائے شماری کی برطانیہ شاخ کا نام لبریشن فرنٹ رکھا گیا تو اس نے لبریشن فرنٹ میں آگے بڑھ کر کام شروع کر دیا۔برطانیہ کا لبریشن فرنٹ اپنی مدد آرگینائزیشن محاذ رائے شماری کی برطانیہ میں ایک شاخ تھا۔بعد میں جا کر لبریشن فرنٹ نے اسے ایک الگ تنظیم کی شکل میں متعارف کرایا۔اور مسلح جدوجہد کو آزادی کے لئے واحد ذریعہ قرار دیا۔

جبکہ محاذ رائے شماری کا خفیہ عسکری بازو نیشنل لبریشن فرنٹ مسلح جدوجہد کو بھی ایک ذریعہ قرار دیتا تھا۔جسے آزادی کے حصول کے لئے ضروری سمجھا گیا۔آزادی کے حصول کے لئے تمام ذرائع بروئے کار لائے جاتے ہیں۔گوریلا جنگ کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ دشمن فوجوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ ایک دشمن ملک کے اندر بیٹھی ہوئی ہیں، وہ جس ملک میں بیٹھی ہیں اس کے رہنے والے انہیں قول، فعل اور عمل سے نکالنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ان فوجوں کے خلاف جب تحریک مزاحمت کامیاب ہوتی ہے تو قابض ملک کے حکمران ان کے ساتھ بیٹھ کر ملک کے اصل مالکوں سے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور جب بھی وہ مذاکرات کے لئے تیار ہوتا ہے تو پھر اس سے طے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی افواج کو نکال کر لے جائے تاکہ غلام ملک کے لوگ آزادی حاصل کر کے آزاد اقوام کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہوں، یہ وہ روایتی جنگ نہیں ہے جو دو ملکوں کی فوجوں کے درمیان ہوتی ہے اور اس کا فیصلہ میدانِ جنگ میں کیا جاتا ہے۔گوریلا جنگ سے دنیا کی آزاد اقوام کی ہمدردیاں بھی حاصل کی جاتی ہیں۔اور دشمن ملک کو بھی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فوجوں اور دولت کے بل بوتے پر کسی بھی ملک اور کسی بھی قوم کو زیادہ عرصہ تک زیر قبضہ اور غلام نہیں رکھا جا سکتا۔

چنانچہ برطانیہ میں نوجوان، جوشیلے اور جانیں فدا کرنے والے کارکنوں کو لبریشن فرنٹ میں شامل کیا گیا۔اور مقبول احمد بٹ شہید کی تہاڑ جیل سے رہائی کے لئے جدوجہد شروع کر دی گئی، اس پر مفصل حالات آگے بیان کئے جائیں گے تاکہ تاریخ کا دامن داغدار ہونے سے بچایا جا سکے۔اس وقت میں اپنے گھرانے کے افراد کی قربانیوں کا اجمالاً ذکر کر رہا ہوں۔ہمارے پھوپھا اور ریاست کے سیاسی رہنما مرزا عالم الدین کا ذکر کرتے ہوئے بتا رہا ہوں کہ مرزا محمد اسلم ان کے پوتے ہیں جو برطانیہ اور امریکہ کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے ہیں، مرزا محمد اسلم کے والد محترم مرزا فضل الٰہی نے ریاست کے اندر بار بار جیلیں کاٹی ہیں۔

مرزا محمد اسلم کو بھارتی سفارت کار کے قتل میں ملوث کیا گیا تھا اور بھارت سفارت کار کا قتل کے دوران وہ برطانیہ ہی میں تھے، تفتیش کے مراحل سے نکل کر وہ اپنے گھر آ گئے تھے، پولیس نے چالان پیش کرتے ہوئے انہیں مفرور ملزم ظاہر کیا تھا اور پھر ان کے وارنٹ گرفتاری جاری کرائے گئے تھے۔ انٹر پول پولیس نے ان کے گھر پر آزاد کشمیر اور پاکستان کی پولیس کے ذریعے گرفتار کے لئے تمام حربے استعمال کئے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، وہ جسے مفرور ملزم ظاہر کرتے تھے۔ وہ ملزم (مرزا اسلم) برطانیہ کے چکر کاٹ کر بھی آتا جاتا رہا۔

مرزا محمد اسلم ہانگ کانگ گیا ہو یا امریکہ، اس کا ایک ہی مشن تھا کہ کشمیر کی آزادی کے لئے دنیا کے آزادی پسندوں کی حمایت حاصل کی جائے، امریکہ میں کچھ عرصہ وہ رہا۔ اور انٹر پول پولیس نے امریکہ کی پولیس کے ذریعے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اس گرفتاری کی بھی ایک الگ داستان ہے جس کا ذکر غیر ضروری سمجھتے ہوئے میں اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں کہ مرزا محمد اسلم کو کئی ماہ تک امریکہ جیل میں رکھا گیا، اسے امریکہ کے کچھ ساتھی جیل میں جا کر ملتے رہے۔ میرا بیٹا ناصر سعید انصاری بھی محمد عظیم دت صدر محاذ رائے شماری کے ساتھ انہیں ملنے کے لئے جیل میں گئے تھے۔ مرزا محمد اسلم کی گرفتاری کی خبر امریکہ برطانیہ، آزاد کشمیر اور پاکستان میں پھیل چکی تھی۔ سب کو خطرہ تھا کہ پولیس اس پر تشدد کرے گی۔

ہمارے ساتھیوں کے ساتھ شاہی قلعہ لاہور میں یہی کچھ ہوتا رہا، وہ کسی لالچ میں نہ آئے، کوئی ترغیب انہیں پولیس کی کہانی کے مطابق بیان دینے کے لئے تیار نہ کر سکی تھی، بالآخر انہوں نے درندگی کا ثبوت دیتے ہوئے وحشیانہ حربے اختیار کئے۔ اور جوان پر ظلم کیا گیا وہ گوانتا ناموبے میں بھی القاعدہ، طالبان اور دوسرے قیدیوں پر بھی نہیں کیا گیا۔ جس ظلم کے خلاف دنیا کے تمام بنیادی حقوق انسانی کے ادارے بھی چیخ اٹھے تھے اور امریکہ کے موجودہ صدر باراک حسین اوبامہ کو بھی یہ کہنا پڑا کہ گوانتاناموبے کے قیدیوں پر کئے گئے مظالم نے امریکہ کے خوبصورت چہرے کو داغدار کر دیا ہے۔ ہمارے شاہی قلعہ کے قیدی ساتھیوں کے ساتھ کئے گئے مظالم کے خلاف پریس خاموش رہا، سیاست دانوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ بنیادی حقوق انسانی کے ادارے سوئے رہے یہاں تک کہ عدالت نے اپنے فیصلہ میں بھی اس غیر انسانی سلوک، درندگی، وحشت و بربریت پر بھی اپنے قلم کو، اپنی زبان کو بند رکھا۔

مرزا محمد اسلم کو کئی ماہ تک جیل میں رکھنے کے بعد اسے امریکہ کی حکومت نے برطانوی حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ پولیس نے ضمنی چالان برطانوی عدالت میں پیش کیا، شہادت استغاثہ ہوتی رہی اور کئی ماہ تک مرزا محمد اسلم برطانیہ کی جیل میں بھی قید رہے اور بریت کا فیصلہ ہونے کے بعد وہ رہا ہوئے تھے۔ ریاست جموں و کشمیر کا کوئی رہنما بھی اس اذیت سے نہیں گزرا ہے جس کا مقابلہ مرزا محمد اسلم نے خندہ پیشانی سے کیا ہے۔

مرزا محمد اسلم اپنے باپ اور دادا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تاریخ میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے ہیں۔ میں نے ان کے بیٹے اور بیٹیوں کو جبیر ہوٹل میر پور کے سامنے کھڑے ہو کر اس وقت مظاہرہ کرتے دیکھا تھا جب آزاد کشمیر کے صدر، وزیر اعظم اور پاکستان کے مرکزی وزیر (غالباً) خاقان عباسی کسی تقریب میں شمولیت کے بعد ہوٹل سے باہر نکلے تھے۔ انہوں نے کتبے اٹھائے ہوئے تھے۔ آزادی کا پرچم بلند کیا ہوا تھا اور ''غیر ملکی فوجیو، چھوڑ دو کشمیر کو'' ''کشمیر کا ذرّہ ذرّہ ہے کشمیر کے رہنے والوں کا'' اور خود مختار کشمیر کے نعرے لگا رہے تھے۔ ہمارے انتہائی بزرگ مرزا عالم الدین کی یہ تیسری نسل ہے جس نے آزادی کے پرچم کو تھام رکھا ہے۔ اور نسل در نسل آزادی کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دیتی چلی آتی ہے۔

ان چمکتے دمکتے ستاروں نے افقِ کشمیر سے طلوع ہو کر سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھنے والے سیاسی کارکنوں کو جو راہ سے بے راہ ہو گئے تھے، صحیح راہ پر لگا دیا ہے، وہ آزاد کشمیر میں متحدہ کشمیر پارٹی کے بانیوں میں سے ایک ایسے راہنما ہیں جنہوں نے صحیح وقت پر اندازہ لگا لیا تھا کہ کشمیر کو تقسیم کرنے کی سازش ہو رہی ہے اور اس سازش میں اپنے پرائے سب برابر کے شریک ہیں۔ مرزا محمد اسلم کے بارے میں یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ آگے چل کر بھی ان کا ذکر آئے گا۔ محمد اسلم مرزا پر ایک پوری کتاب لکھی جانی چاہیے۔ ان کا بچپن، ان کی جوانی اور ان کا ادھیڑ پن اور موجودہ حالت پر روشنی ڈالی جائے تاکہ نئی نسل میں جو مایوسیاں پھیل رہی ہیں وہ دور ہو سکیں۔

ہمارے بزرگ اور قابلِ احترام پھوپھا کے بیٹے مرزا غلام حسین کا ذکر بھی ضروری ہے، وہ میر پور اور برطانیہ میں ریاست کشمیر کی وحدت، سالمیت اور آزادی کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے آرہے ہیں، اور اس راہ میں انہیں جو تکلیفیں اٹھانا پڑی ہیں اس کی انہوں نے کبھی شکایت نہیں کی، وہ جانتے ہیں کہ آزادی کی دیوی خون مانگتی ہے۔ اور سچا عاشق وہی ہے جو اس میں اپنی اپنی اولاد کی قربانی دے سکے۔

ان کے بیٹے جہانگیر مرزا نے برطانوی پولیس کا تشدد برداشت کیا، تفتیش کے دوران وہ پولیس کو بھارت کی ہوس ملک گیری، اس کی جارحیت اور کشمیر پر اس کے ناجائز قبضہ کی داستانیں سناتا رہا۔ اس نے پولیس کو بتا دیا تھا کہ کشمیری تنگ آمد بہ جنگ آمد پر اتر آئے ہیں، انہوں نے ان ہزاروں شہیدوں کے خون کا بدلہ لیا ہے ان کے ساتھی بھی بلند حوصلہ لوگ تھے۔ جہانگیر مرزا ابھی ٹین ایجز کے لڑکوں میں شامل تھا۔ اس نے مقدمہ میں اذیت برداشت کی اور برطانوی عدالت نے اسے کم عمری کی وجہ سے سزا میں کمی بھی کی، لیکن وہ بھی 3 سال کا عرصہ قید بامشقت کاٹ کر رہا ہوا تھا۔ اس طرح خاندان کا ایک ایک فرد قربانی دیتا چلا آتا ہے۔

اقبال مرزا ہمارے پھوپھا محترم، خدا تعالیٰ انہیں آخرت میں بلند مرتبہ نصیب فرمائے۔ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، جو میر پور میں صبح سے شام تک بلکہ بعض اوقات وہ آدھی آدھی رات تک محاذ رائے شماری کے کتبے اور بینرز بناتا

رہتا تھا۔ وہ جنون کی حد تک اس تحریک میں کام کرتا رہا، محاذ رائے شماری کے ضلعی سطح کے کارکنوں کے اجلاس ہوں یا مرکزی کنونشن ہو، یا یوم شہدائے کشمیر منایا جا رہا ہو، اقبال مرزا انہیں کامیاب بنانے کے لئے کام کرتا رہتا تھا۔ وہ پینٹرز کا کام کرتا رہا۔

اقبال مرزا کے لکھے ہوئے کتبے، بینرز اور بورڈز اب بھی موجود ہیں۔ وہ برطانیہ میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے وہاں جا کر بھی جماعتی سرگرمیوں میں حسبِ عادت حصہ لیا، مظاہروں میں شریک ہوتے رہے۔ لندن کے ہائیڈ پارک سے لے کر بھارتی ہائی کمیشن کے دفتر تک ان کے پاؤں کے نشانات مل سکتے ہیں، اگر آسمان کی طرف بلند ہو کر جانے والی آوازوں کو کوئی ٹیپ کر سکتا ہے تو وہ اب بھی سنا سکتا ہے کہ اقبال مرزا نے چیخ چیخ کر وطن کی آزادی وخود مختاری کے لئے خدا سے فریاد کی تھی۔ وہ بہت ذہین تھے، ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی؟۔ لیکن وہ بہت جلد خدا کو پیارے ہو گئے۔ ان کا بیٹا اورنگ زیب اب بھی اپنے باپ اور دادا کی جلائی ہوئی شمع کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے پھر رہا ہے۔ اور اپنے ہم وطنوں کو اس گھپ اندھیرے میں راہ دکھا رہا ہے۔ اور انہیں امید دلاتا رہتا ہے کہ جلد صبح آزادی کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔

محمد اقبال مرزا مرحوم کو سب بھائیوں سے بہت پیار تھا، وہ سب کی عزت کرتا تھا، سب بھائی بھی اس سے محبت و پیار کرتے تھے۔ وہ سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ لیکن اقبال مرزا کی محبت بھی نرالی تھی، اس کے دل میں اپنے بھائی محمد صدیق مرزا کے لئے سب سے زیادہ پیار تھا، وہ ان کی ہر بات مان لیتے تھے، محمد صدیق مرزا کی راہنمائی میں کام کرتے رہے۔ یہ ساری اولاد ماں باپ کی دعاؤں کے طفیل اس بلند مقام پر پہنچی۔

وہ تاریخ جو ابھی تک لکھی نہیں گئی، لیکن کشمیر کی تاریخ کا مصنف تحریک آزادی کشمیر کا باب لکھے گا تو اسے ان کے لئے ایک الگ باب ہی نہیں لکھنا پڑے گا بلکہ ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑے گی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی صلہ کی تمنا نہیں کی اور نہ ہی وہ ستائش کے خواہشمند تھے۔ اقبال مرزا مرحوم اپنے ممتاز بھائی محمد صدیق مرزا کی جدوجہد آزادی سے بہت متاثر تھے، لیکن ان کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

برطانیہ میں محمد حسین مرزا بھی جا کر آباد ہو گئے تھے، وہ بھی تحریک آزادی کے قافلہ میں شامل رہے۔ 1931ء میں جو تحریک آزادی شروع ہوئی تھی، اور جس میں ہمارے کزن میاں غلام رسول مرحوم نے اگلی صفوں میں شامل ہو کر ڈوگرہ حکومت کو للکارا تھا وہ بھی برطانیہ میں جا چکے تھے، ان کی بھتیجی جسے انہوں نے اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا وہ مرزا محمد حسین کی زوجہ محترمہ تھی، یہ برطانیہ میں اکٹھے ہو گئے تھے اور انہوں نے پہلے ڈوگرہ کے خلاف جہاد جاری رکھا اور برصغیر کی آزادی کے بعد کشمیر پر دو قابض حکومتوں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔

وہ بار بار آزمائے گئے لیکن انہیں وطن کی آزادی سے اتنا لگاؤ اور پیار تھا کہ وہ برطانیہ سے نکالے جانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے، اور وہ ہر قدم اٹھانا درست سمجھتے تھے جو آزادی کی منزل کو قریب لاسکتا تھا۔ میں نے اس گھرانے کی مذہب سے دلچسپی کا بھی ذکر کیا ہوا ہے۔ مرزا محمد حسین کا ایک پوتا حافظ قرآن پاک بھی ہے، مرحوم کے دونوں پوتے جو عبدالغفور مرحوم کے بیٹے ہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کی ساری اولاد بھی ریاست جموں کشمیر کی آزادی کی تڑپ رکھتی ہے، امریکہ اور برطانیہ میں آباد ہوجانے کے باوجود وہ وطن کی گلیوں سے پیار کرتے ہیں۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آتی رہتی ہے۔

مرزا خوشی محمد مرحوم سب سے بڑے بھائی تھے۔ مرزا خوشی محمد مرحوم اور مرزا محمد حسین جہلم میں اکٹھے بزازی کی دکان کرتے رہے، یہ اس دور کی بات ہے جب 1947ء میں انہیں اپنے ماں باپ اور بھائیوں سمیت ہجرت کر کے جانا پڑا تھا۔ وہ پاکستان میں جا کر بھی کشمیر کی آزادی کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ میرپور سے لے کر پاکستان تک اور پاکستان سے لے کر برطانیہ تک ان کی جدوجہد آزادی جاری رہی اور مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہے۔

مرزا خوشی محمد کے دونوں بیٹے محمد رفیق مرزا اور محمد سلیم مرزا اسی راہ پر چلتے رہے، محمد رفیق مرزا مرحوم تو خدا کو پیارے ہوگئے اور محمد سلیم مرزا نے ابھی تک آزادی کے پرچم کو تھام رکھا ہے، ان کی اولادیں بھی برطانیہ میں جا کر آباد ہوگئی ہیں اور وہ تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ محمد سلیم مرزا انتہائی شریف النفس، امانت دار اور دیانتدار ہے۔ اس نے ہر قسم کی مزدوری کی، عدالت میں بطور منشی میرے علاوہ دوسرے وکلاء کے ساتھ کام کرتا رہا، میں نے وکالت چھوڑ دی تھی، اور مجھے بوجوہ امریکہ جانا پڑا تھا، اس لئے اس نے میرے ساتھ چیمبرز میں بیٹھنے والے وکلا کے ساتھ کام کیا، اور آسودہ حال ہونے کے باوجود وہ مسلسل محنت ومشقت کرتا چلا آتا ہے، وہ غریبوں کا حامی، محنت کشوں کا ساتھی اور یتیموں کی دیکھ بھال کرنے والا باوقار شخص ہے، اس کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی نے قرآن پاک بھی حفظ کر رکھا ہے۔ اور دیگر بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مرزا محمد سلیم کا ایک بیٹا سیاسی راہنما ہے۔ وہ قائدانہ صلاحیتوں کا مالک ہے لیکن ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتا ہے وہ اچھی طرح تقریر کرسکتا ہے، وہ خوبصورت لکھتا ہے۔ برطانوی اخبارات میں اس کے بیانات چھپتے رہتے ہیں۔

ریاست جموں کشمیر کی آزادی کے لئے اس نے طالب علمی کے زمانہ سے جدوجہد شروع کی تھی، وہ پولیس کی لاٹھیاں بھی کھاتا رہا، حوالاتوں کے اندر بند بھی رکھا گیا۔ وہ میرپور جیل میں شہری آزادیوں پر دفعہ ۱۴۴ کے تحت پابندی لگانے اور جلسے جلوس کرنے کی ممانعت کے خلاف سراپا احتجاج تھا۔

وہ محاذ رائے شماری سے الگ ہوکر لبریشن فرنٹ میں شامل ہوگیا تھا۔ لبریشن فرنٹ اور محاذ رائے شماری کے

نظریات مختلف نہ تھے۔صرف آزادی کے حصول کیلئے پالیسی اور حکمت عملی کا اختلاف تھا،مظاہرہ کرنے کے جرم میں اسے میرپور جیل میں قید کردیا گیا تھا۔اس کے ساتھ محاذ رائے شماری سے الگ ہونے والے لبریشن فرنٹ کے مرکزی رہنما محمد رمضان دت ایڈووکیٹ،میر محمد صدیق اور ڈڈیال کے طارق بھی تھے۔کچھ کارکنوں نے ضمانتوں پر رہائی حاصل کررکھی تھی۔ لیکن مرزا ممتاز اوران کے ساتھیوں نے ضمانتوں پر رہا ہونے سے انکار کردیا تھا۔بالآخر حکومت نے مقدمہ واپس لے کر انہیں غیر مشروط طور پر رہا کردیا تھا۔

ان کی تنظیم نے کشمیر کی آزادی کے لئے اسلام آباد جاکر ایک شاندار مظاہرہ کیا تھا۔اور ریاست کی آزادی اور خودمختاری کے حق میں نعرے لگائے تھے۔ممتاز مرزا کو اسلام آباد میں پاکستان پولیس نے گرفتار کرکے اڈیالہ جیل میں ڈال دیا تھا۔اور وہ اس طرح میرپور اور پاکستان کی جیلوں میں رہے۔یہ گھرانا،میرپور، پاکستان، برطانیہ اور امریکہ میں جیلیں کاٹتے کاٹتے اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ ہمارے پھوپھا مرزا عالم الدین کی نئی نسل کو آزادی اپنی زندگی سے زیادہ پیاری ہوگئی ہے۔ان کا نعرہ بھی یہی ہے کہ آزادی یا عزت کی موت۔ان آزادی کے پرستاروں کو تاریخ کشمیر کا مؤرخ خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہے۔نیک اور پاکیزہ لوگوں کا گھرانا ہے۔دین وسیاست کو الگ الگ نہیں سمجھتا، یہ گھرانا خدمت خلق کو فرضِ عین سمجھتا ہے، نہ یہ لوگ جھکتے ہیں، نہ ان میں کوئی بکاؤ مال ہے، پختہ یقین وایمان کے مالک ہیں، پرانی اور نئی نسل میں اچھی طرح متعارف ہیں، ممتاز مرزا کے والد محترم محمد سلیم مرزا میرے ساتھ لال کڑتی تھانہ میں زیرحراست رہے۔اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی راولپنڈی آمد کے موقع پر عوامی کانفرنس نے شاندار استقبال کیا تھا اور خودمختار کشمیر زندہ باد کے نعرے لگائے تھے جو حکومت پاکستان کو ناگوار گزرے اور پولیس نے ہمارے سیکڑوں کارکنوں کو گرفتار کرلیا تھا۔ اور لال کڑتی تھانہ میں لے گئے تھے۔تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

ممتاز مرزا کے دادا خوشی محمد محلّہ کی مسجد میں امامت کے فرائض بھی ادا کرتے رہے،امامت انکا پیشہ نہ تھا، وہ بزاز تھے اور جہلم میں اپنی دکان پر کام کرتے تھے۔جب میرپور آتے تھے تو امام مسجد موجود نہ ہو تو وہ نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ ممتاز مرزا ریاست جموں کشمیر کی مشہور شخصیت محمد صدیق مرزا کے داماد بھی ہیں۔اب نئی نسل برطانیہ میں مستقل آباد ہوچکی ہے،مشتاق مرزا اورالیاس مرزا میرپور ہوتے ہیں جبکہ ان کے بھائی اشتیاق مرزا برطانیہ میں ہیں۔وہ برطانیہ میں محاذ رائے شماری کے سرگرم کارکن ہیں اور میرپور میں رہنے والے میرپور میں محاذ رائے شماری کے کارکنوں کے ساتھ مل کر آزادی کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

قابل احترام مرزا عالم الدین مرحوم کے بڑے بھائی قابل احترام اللہ دتہ مرحوم تھے۔ان کے بیٹے غلام محمد شہید،

ستار محمد انصاری مرحوم، محمد گلزار احمد انصاری مرحوم، محمد شریف مرحوم تھے، یہ سارا گھرانا بھی سیاسی و مذہبی گھرانا تھا، ڈوگرہ دور میں بھی انہوں نے حاجی وہاب الدین مرحوم کا ساتھ دیا۔ اور ملک کی سب سے بڑی انقلابی سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس کے کارکن رہے۔ مذکورہ چاروں بھائی اپنے چچا عالم الدین مرحوم اور حاجی وہاب الدین مرحوم کے تربیت یافتہ رضا کار تھے۔ عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری تک انہوں نے جماعت کا ساتھ دیا، اور پرچم آزادی کو تھامے رکھا۔ ان کے بڑے بھائی غلام محمد مرحوم تو 1947ء کے فسادات میں اپنے سسرال بوتھی سے آڑہ دھرم ارتھ گاؤں میں آتے ہوئے فرقہ پرست ہندو تنظیموں کے سنگ دل جن سنگھیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے، باقی تینوں بھائیوں نے عوامی کانفرنس میں شمولیت اختیار کر کے ہر تحریک کا ساتھ دیا۔ پولیس کی لاٹھیاں بھی کھائیں، حوالاتوں میں بند بھی رہے، ان کے گھروں کی تلاشیاں بھی لی گئیں۔ انہوں نے عوامی کانفرنس کے رضا کاروں میں شامل ہو کر محترمہ فاطمہ جناح کا باوردی استقبال بھی کیا تھا۔

منگلا ڈیم کی تحریک میں سب سے آگے آگے رہے۔ 1953ء میں عوامی کانفرنس نے شہری آزادیوں کی بحالی کے لئے تحریک چلائی تو اس کا بھی ساتھ دیا، بلکہ ان کا خاندان جیلوں میں بھی گیا۔ انہوں نے مقدمات بھگتے، ان کی جائیدادیں قرق کی گئیں، جیل میں ان سے مشقت لی گئی، یہ بھائی مرتے دم تک عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے لئے کام کرتے رہے، دارورسن کی راہوں سے گزرے، محمد گلزار مرحوم و مغفور کی ایک جھلک دیکھ لیں، ان کا نام زبان پر آتے ہی میری زبان پہ شعر مچلنے لگتا ہے۔

مشک از فر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے رہ کر نافہ آہو میں بند

صدیق مرزا کے تایا زاد بھائی نے سیاست میں آ کر نمایاں کردار ادا کیا۔

تاریخ میں بہت کم مثالیں ملتی ہیں کہ حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا گیا ہو، اور حکومت نے جیل کے دروازے کھول کر ان باغیوں کو بند کرنا شروع کر دیا ہو، تو خاندان کا سربراہ آگے بڑھ کر خود اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرے۔ وہ جیل میں ہے تو اس کا بیٹا بھی جیل میں اس کے پاس پہنچ جائے۔ ابھی آگ بجھی نہ ہو تو پوتا بھی چھلانگ لگا دے، لیکن محمد گلزار انصاری نے یہ مثال پیش کر کے سیاسی کارکنوں کے حوصلے بڑھائے ہیں، اپنے نظریئے کو تقویت پہنچائی ہے۔ حکومت کے ایوانوں کو لرزا دیا ہے۔ اور حکمرانوں کو جھکنے پر مجبور کیا ہے۔

ان کا یہ دلچسپ واقعہ لکھ کر میرے دل کو اطمینان ہوگا کہ محمد گلزار انصاری جیل سے باہر آ گئے تھے، ایک تحریک کے دوران ضلعی انتظامیہ نے اندھا دھند پکڑ دھکڑ شروع کر دی تھی، جیل میں محمد رشید انصاری کے ساتھ اس کے ہم عمر بچے بھی

گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے تھے، ان بچوں کا نہ سیاسی پس منظر تھا نہ ان کو اس سے دلچسپی تھی، ان کے والدین گھروں میں ایسے بیٹھے تھے جیسے صف ماتم بچھی ہوئی ہو۔

انہوں نے جیل سے معافی مانگ کر رہائی حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔ محمد گلزار احمد انصاریؒ کو اس کی خبر پہنچی تو وہ فوراً جیل میں چلے گئے، اور داروغہ جیل سے اپنے پوتے کے ساتھ ملاقات کے لئے اجازت مانگی۔ اس نے فوراً ملاقات کرادی۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ دادا پوتے کو چھڑانے آیا ہے۔ جب محمد رشید انصاری اپنے دادا سے ملنے کے لئے جیل کے دروازہ پر آیا تو دادا نے پوتے کو کہا کہ تیرے ساتھی معافی مانگ کر باہر آ رہے ہیں، اور اگر ان کی دیکھا دیکھی یا جیل کے جلادوں سے ڈر کر معافی مانگی تو باہر نکل کر میرے گھر نہ آنا۔ پوتا مسکرا کر کہنے لگا کہ دادا جی جیل حکاّم دن بھر مختلف ذرائع سے مجھے ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ نہ میں لیڈر بن سکتا ہوں، نہ کوئی حکومت میں عہدہ حاصل کر سکتا ہوں، نہ کوئی شہرت پا سکتا ہوں اس لئے یہ جیل کاٹنے کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟۔

میں انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ میں نے تمہیں پیغام رساں تو نہ بھیجا تھا کہ تھانیدار آئے اور مجھے گرفتار کر کے لے جائے۔ میں خود اپنی مرضی سے آیا ہوں، میں جیل سے باہر اس وقت جاؤں گا جب تحریک کے سب راہنما باہر آ جائیں گے۔ اور اگر سب راہنما باہر (جیل سے باہر) آ گئے تو پھر بھی اس وقت جاؤں گا جب مجھے غیر مشروط رہا کیا جائے گا۔ دادا نے پوتے سے پیار کیا، اسے تھپکی دی، اور خوشی خوشی واپس گھر آ گئے۔

شہری آزادیوں کی بحالی کی تحریک کا مفصل ذکر آگے آ رہا ہے۔ محمد گلزار انصاری نے جیل بھرو تحریک میں بھرپور حصہ لیا، نعرے لگاتے ہوئے ضلعی انتظامیہ کے دفتر کے سامنے پہنچ کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ انہیں حوالات پولیس میں بند رکھا گیا۔ مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے ان کے "اقرارِ جرم" پر انہیں قید با مشقت کی سزا سنائی، انہیں میرپور جیل لے جایا گیا اور انہیں جیل میں بند کر دیا گیا، یہ "اقرارِ جرم" عدالتوں کے نظر میں تھا، وہ اس جرم کو اپنا فرض سمجھتے تھے، انسانیت کی بقاء کے لئے، قومی آزادی کے حصول کے لئے، کشمیر کی آزادی و خودمختاری کے لئے جیل میں جانا ان کے نزدیک ایک انسانی فریضہ ہے۔ جو قومیں دار و رسن سے گھبراتی ہیں وہ غلامی کا جواء اپنی گردنوں سے کبھی اتار کر پھینک نہیں سکتی ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کوؤں، گدھوں اور چیلوں کو کبھی پنجروں میں بند نہیں رکھا جاتا۔

یہ سعادت شاہین و شاہباز کے حصہ میں آئی ہے، یہ شاہین بچے جیلوں میں رہ کر روشنی کا مینار بن جاتے ہیں۔ محمد گلزار انصاری نے جیل میں قید با مشقت کاٹی، چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ساتھ انہیں رکھا گیا اور کھاتے پیتے گھرانے کے ان سیاسی راہنماؤں کو سی کلاس کے قیدی کا درجہ دیا گیا تھا، جیل میں انتہائی سخت مشقت لی گئی، لیکن اس کی انہوں نے کبھی شکایت نہ کی تھی۔ عدالت نے جرمانہ کی سزا بھی سنائی تھی۔ لیکن انہوں نے جرمانہ ادا کرنے سے انکار

کر دیا تھا، وارنٹ قرقی جاری کیئے گئے اوران کی جائیداد منقولہ قرق کی گئی تھی۔ وہ ایک بارنہیں کئی بار جیل میں گئے۔ جس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

ان کی زندگی کا ایک تاریخی واقعہ یاد آ رہا ہے، گنگا ہائی جیکنگ کیس میں ہمیں حکومت آزاد کشمیر نے حکومتِ پاکستان کے حکم کی تعمیل میں گرفتار کرلیا تھا۔ ہمارے خلاف کوئی مقدمہ رجسٹر ڈ نہیں کیا گیا تھا۔ ہماری یہ گرفتاری کالے قانون کے تحت سول ڈیفنس رولزاور پبلک آرڈر آرڈیننس کے تحت ہوئی تھی۔ حبس بے جا کی درخواستیں نہ دینے کا ہم نے فیصلہ کرلیا تھا۔اور جو ہماری طرف سے درخواست عدالت العالیہ میں دیتا تھا حکومت آزادکشمیر اسے بھی گرفتار کر لیتی تھی۔

میں نے عزیزی محمد صابر انصاری کو بتا دیا تھا کہ اگراس نے درخواست دی تو وہ بھی گرفتار کرلیا جائے گا۔ ہم چاہتے تھے کہ مقدمہ لڑنے کے لئے ہمارے آدمی گرفتاری سے بچنے کی کوشش کریں، محمد صابر انصاری گرفتار کرلیا گیااور اسے ہمارے پاس مظفرآباد جیل میں بھیج دیا گیا تھا۔تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

برادرِ محترم حاجی محمد گلزارؒ نے حبس بے جا کی درخواست دائر کردی اورانہیں عدالتوں میں آنا پڑا۔عدالت العالیہ مجبور تھی، حکومت آزادکشمیر ہماری کسی صورت رہائی کے حق میں نہ تھی، گنگا ہائی جیکنگ کیس اورحکومت آزاد کشمیر کا رول اپنے مقام پر آئے گا۔حکومت آزادکشمیر نے عدالت العالیہ کے تمام اختیارات جو اسے ضابطہ فوجداری کے تحت حاصل تھے، ایک حکم کے ذریعے چھین لئے تھے۔عدالت العالیہ کے لئے درخواست خارج کرنے کا جواز موجود تھا۔لیکن حکومت کا حکم عدالت العالیہ کو عضوِ معطل بنا کر بے بس بنا رہا تھا۔

اس لئے عدالت العالیہ درخواست کی سماعت کو لمبا کرتی رہتی تھی۔محمد گلزار انصاری مرحوم کو عدالت کے خلاف احتجاج کرنے کی ایک ترکیب سوجھی۔ محاذ رائے شماری کے مرکزی راہنما چوہدری شہباز خان کو حکومت نے گرفتار نہیں کیا تھا، وہ محاذ کے خاموش راہنما تھے، وہ بڑے زیرک اور دانشور تھے، چوہدری شہباز خان مرحوم محاذ رائے شماری کے جانثار ساتھی تھے، انہوں نے ہائی جیکرز اشرف قریشی اور ہاشم قریشی کے شاہانہ جلوس کا انتظام کیا تھا۔محاذ کی یہ بلند قامت شخصیت قوم کا عظیم سرمایہ تھی، وہ علامہ اقبال کا مردِ مومن تھا کہ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

چوہدری شہباز خان اندرہل کے ایک دور افتادہ گاؤں ''خیری'' موہڑہ مورکھاں میں پیدا ہوا تھا، وہ فوج میں بھرتی ہوگیا تھا، اسے فوجی تربیت حاصل تھی، اس لئے اس نے 1947ء کی جنگ آزادی میں عملاً حصہ لیا تھا۔ کشمیر کے جو لوگ لڑ رہے تھے ان کے مقاصد واضح تھے کہ وہ ڈوگرہ راج کی شخصی حکومت کے خاتمہ اور ریاست کی مکمل آزادی وخودمختاری

کے لئے جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ جنگ میں کود ے تھے۔

دوسرے لوگ یا لشکریوں کے عزائم ان سے پوشیدہ تھے، وہ جیلوں سے نہیں ڈرتے تھے، انہیں حوالات میں بند رکھا گیا، ان کے خلاف مقدمہ بنایا گیا، اس راہ سے وہ پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے محمد گلزار سے مل کر یہ پروگرام بنایا تھا کہ عدالت العالیہ نے جو حبسِ بے جا کی درخواست کی تاریخ سماعت رکھی ہے اس روز عدالت العالیہ میں ''لالٹین بردار'' جلوس نکال کر عدالت میں جایا جائے، محمد گلزار مرحوم نے اس کا ان سے مل کر انتظام کیا، پولیس اور عدالتوں تک یہ خبر پہنچ گئی، محاذ کے کارکنوں نے جلوس نکال کر عدالت العالیہ کی طرف قدم بڑھائے، ''اندھیر ہے اندھیر ہے، عدالتوں میں اندھیر ہے''، وہ نعرے کیا تھے، میں اس جلوس میں موجود نہ تھا، نہ مجھے یاد ہیں لیکن ان کا مفہوم یہی تھا، پولیس کی ایک بھاری جمعیت نے عدالتوں کے وقار کی خاطر جلوس کو روکا، سارے شہر نے یہ منظر دیکھا، محمد گلزار مرحوم نے جلوس سے آگے نکل کر جانے کی کوشش کی تو پولیس نے ان کو عدالت میں جانے سے روکا، انہوں نے پولیس کو بتایا کہ وہ فریق مقدمہ ہیں، عدالت عالیہ کو بھی علم ہو چکا تھا کہ جلوس احاطہ عدالت میں پہنچ چکا ہے۔ عدالت العالیہ نے مقدمہ کا پکارا کرایا۔ بدوں سماعت بحث تاریخ دینے لگے تو محمد گلزار مرحوم نے عدالت العالیہ کے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ............

''صراف صاحب ہمارے ساتھیوں کو چھوڑ دیں اگر آپ بے بس ہیں تو مجھے (محمد گلزار) ان کے پاس جیل میں بھیج دیں، یہ تماشا ختم کریں''۔

عدالت و کلا حضرات اور اہل مقدمہ سے بھری ہوئی تھی، ایک سناٹا چھا گیا تھا، مسٹر جسٹس محمد یوسف صراف مرحوم آئندہ تاریخ پیشی کا درمیانی حکم سنا کر اپنے چیمبر میں چلے گئے تھے۔ پھر کیا ہوا؟۔ اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے، اگر وہ توہین عدالت کا نوٹس دیتے تو وہ سینہ تان کر کہتے کہ عدالت جب اپنے فرض سے غفلت برتے تو وہ خود اس جرم کی مرتکب ہوئی ہے۔ محمد گلزار کو جیل کا کوئی خوف نہ تھا، مقدموں سے وہ نہیں ڈرتے تھے، پولیس کی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی، یہ گھرانا دین سے بھی محبت رکھتا تھا، وہ مسجدوں کے امام تو نہ تھے لیکن امام مسجد موجود نہ ہو، نماز کا وقت ہو، نمازی موجود ہوں تو وہ نماز پڑھا بھی دیا کرتے تھے۔

آہ! رضار کاروں کا یہ سپہ سالار بھی رخصت ہو گیا۔ رات کے دس گیارہ بجے تک وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ اسلام آباد میں برٹش سفارت خانہ میں اپنے نجی کام کے سلسلہ میں گئے تھے، دیر تک ہماری باتیں ہوتی رہی تھیں۔ صبح میں مسجد میں نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو وہاں ایک شخص نے مجھے یہ خبر سنائی کہ حاجی محمد گلزار کو رات کے وقت سوئے ہوئے دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ جاں بحق ہو گئے ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون ان کے پاس سوئے ہوئے اہل خانہ کو بھی پتہ نہ چل سکا۔ صبح کے وقت اہلِ خانہ نے دیکھا تو وہ سمجھ رہے تھے کہ سو رہے ہیں لیکن وہ تو خدا کو پیارے ہو چکے تھے

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

1953ء کی تحریک میں انہوں نے درجنوں ساتھیوں کو جیل بھجوایا۔ اللہ داد انصاری اور عبدالما لک انصاری بھی جیل میں قید رہے، فتح پور کے ظفر مجاہد اور قربان حسین بھی دفعہ 144 کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرتے ہوئے بہادر کارکنوں کی طرح جیل کاٹ کرر ہا ہوئے تھے۔ ہمارے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاریؒ، میاں عبدالغنی انصاری مرحوم، حاجی عبداللطیف انصاری مرحوم، سالار سید محمد انصاری مرحوم، کامریڈ عبدالعزیز مرحوم، کامریڈ عنایت اللہ مرحوم، محمد اسلم جنجوعہ مرحوم، حاجی محمد سلیمان مرحوم، حاجی محمد غالب چک گئیاں والے، فضل الٰہی مرحوم، محمد افسر بھٹی مرحوم، قربان حسین جنجوعہ کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم تو پہلے ہی جیل میں قید تھے۔ اور اسی طرح ڈڈیال، چک سواری، فتح پور، بوتھی، آڑہ چک بھڑ بن اور بھلیالہ کے یہ سیاسی راہنما اور کارکن جیل کی صعوبتیں برداشت کر کے سرخرو ہو کر باہر نکلے تھے۔ ان سب کی زندگیوں پر کتابیں لکھی جانی چاہییں تھیں، لیکن اس طرف جماعت کے اہلِ قلم حضرات کو خود جیلیں کاٹنے سے فرصت نہ مل سکی۔ اس لئے وہ نہ لکھ سکے۔ سالار سید محمد مرحوم (بوتھی) اور محمد امین انصاری ہمارے محترم محمد گلزار مرحوم کی نظرِ انتخاب سے محاذ کو ملے تھے۔ ان بلند مرتبہ لوگوں کا تذکرہ کرر ہا ہوں جو آج ہم میں موجود نہیں، چند ایک جو موجود ہیں وہ ابھی تک محاذ رائے شماری کے لئے دن رات کام کر رہے ہیں۔

ہمارے جن بزرگوں اور ساتھیوں کا زندگی کا سفر ختم ہو گیا ہے وہ مر کر بھی زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں اعلیٰ علیّین میں جگہ دے، آمین۔ انسان مرتا نہیں بلکہ موت کا مزہ چکھتا ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

عوامی کانفرنس کی اس تحریک کو چلانے والے ان کے بزرگ حاجی محمد صادق، حاجی محمد نجیبؒ، حاجی محمد ایوب انصاری فتح پور کے تھے، چاچا رحم علی مرحوم، عالم الدین انصاری مرحوم، حاجی حسن محمد مرحوم، مرزا عالم الدین مرحوم، میاں ستار محمد مرحوم آڑہ دھرم ارتھ اور کامریڈ عبدالعزیز گوڈری مرحوم تھے۔

ماسٹر عبدالرحمٰن انصاری مرحوم، کامریڈ مقبول خاور مرحوم اور کامریڈ عبدالعزیز مرحوم تو عوامی کانفرنس کے اوّلین بانیوں میں سے ہیں، ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم ان سب کو اکٹھا کرنے والے الحاج محمد ابراہیم انصاری، الحاج سیٹھ محمد شریف مرحوم، الحاج عبداللطیف مرحوم، الحاج محمد نجیب مرحوم عوامی کانفرنس کے ستون تھے، یہ ساری عمارت (ریاست کی آزادی و خود مختاری کی بنیاد) ان چار ستونوں پر کھڑی تھی۔ عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری تک کا سفر ان کی فیاضیوں

کا مرہونِ منت ہے۔

کانگریس کو ٹاٹا اور برلا ضرورت کے وقت کام آتے تھے، عوامی کانفرنس کو انصاری برادران نے تھام رکھا تھا۔ محاذ رائے شماری کے وقت ریاست کی بلند پایہ شخصیت جی ایم لون سب کے ہر دل عزیز میر برادران (میر عبدالمنان اور میر عبدالقیوم) نے کبھی یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ فنڈز کی کمی کی وجہ سے آزادی کے قافلے کا یہ مارچ رک سکتا ہے۔ ایک غیر متعصب، غیر متنازعہ، اور شاہ خرچ چوہدری محمد صادق مرحوم کے ساتھ مال و دولت اور جان قربان کرنے والے چوہدری شہباز خان مرحوم بھی تھے۔ جو آزادی کی راہ میں سب کچھ لٹاتے رہے۔

اس عمارت کی چھت میاں عبدالغنی انصاری مرحوم، میاں غلام نبی انصاری مرحوم، کامریڈ محمد حسین مرحوم میر پور، چوہدری کرم الٰہی مرحوم اور سب کی محبوب شخصیت حاجی وہاب الدین مرحوم تھے۔ بے شمار ساتھی، بزرگ اور راہنماؤں کا ذکر ممکن نہیں ہے، وہ سب اللہ کے محبوب بندے تھے، صوفی محمد زمان مرحوم نے اس قافلہ کی راہنمائی کی تھی۔ اور محمد بشیر تبسم ان کے ساتھ رہے۔

میں اپنے بزرگ چوہدری عالم الدین مرزا کے خاندان کی قربانیوں کا ذکر کرتا چلا آرہا ہوں، اس لئے اس کا دائرہ وسیع نہیں کیا جا سکتا، یہ نہ سمجھا جائے کہ ان جانثاروں کی قربانیوں کو بھلایا جا رہا ہے۔ حاجی محمد گلزار کی اولاد بھی امریکہ اور برطانیہ میں آباد ہو گئی ہے۔ ان کے بزرگ چچا حاجی حسن محمد انصاری کا کوئی مدمقابل نہیں بن سکتا۔ وہ انگریزی استعمار کے خلاف جنگ لڑتے رہے، ڈوگرہ راج میں سراپا بغاوت تھے، سرخ پوش بزرگ ہندوستان کے بڑے بڑے جلسوں میں شریک ہوتے رہے، حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ریشے ریشے میں بغاوت کی آگ لگا دی تھی جس کا وہ خود ذکر کیا کرتے تھے۔

میر پور کے لوگوں نے منگلا ڈیم کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں جب ان بزرگ اور شرعی چہروں والے دونوں بھائیوں مرزا عالم الدین مرحوم اور مرزا حسن محمد مرحوم کو تھانہ میں پولیس کی حراست میں اس حال میں دیکھا کہ ان کے بیٹے اور پوتے بھی ان کے ساتھ زیر حراست پولیس تھے، تو اس وقت وہ سب کو تسلی دے رہے تھے کہ آزادی کی راہ میں یہ پہلی منزل ہے، پولیس کے افسران شرمندہ تھے کہ وہ ان بزرگوں کو تھانہ لا کر جس تحریک کو مٹانا چاہتے تھے وہ زور پکڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری کو کراچی کا ماحول ملتا تو وہ آزاد کشمیر کے ڈاکٹر حکیم سعید کہلاتے۔

مرزا محمد بشیر عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری تک ایک مرکزی رہنما کی حیثیت سے کام کرتے چلے آتے ہیں، عوامی کانفرنس، محاذ رائے شماری اور اس کی برطانیہ میں شاخ لبریشن فرنٹ کے ریکارڈ کے محافظ ہیں اور خزانچی کے ذمہ دار عہدہ کو بہ احسن نبھاتے رہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مرزا ان کے نامور فرزند ہیں جو پہلے کشمیری ہیں جنہوں نے برطانیہ

کی یونیورسٹی سے سب سے پہلے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی، ان کی وطن سے محبت کی مثال نہیں ملتی، جب انہیں ڈاکٹریٹ کی سند فراغت حاصل کرنی تھی تو انہوں نے یونیورسٹی کے سربراہ کے پاس اس خواہش کا اظہار کیا تھا ان کا قومی دن 13 جولائی ہے اس لئے ان کو سندِ فراغت بھی اسی روز دی جائے، ان کی اس خواہش کو پورا کیا گیا تھا، کانووکیشن میں شرکت کے لئے ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری اور خوشی محمد مرزا بھی شرکت کے لئے برطانیہ گئے تھے، ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری ماہر حکیم ہیں۔

ان کے پاس تیر بہدف نسخے موجود ہیں، انہوں نے انصاری دواخانہ کھول رکھا ہے، جس میں جڑی بوٹیوں سے دوائیاں تیار کرتے رہے ہیں جو آزاد کشمیر اور پاکستان بھر میں فروخت ہورہی ہیں۔ وہ خود اب بیمار پڑے ہیں، لیکن ان کا دواخانہ اب محمد یوسف چلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری کی زوجہ محترمہ محمد یوسف انصاری کی بہن ہے، محمد یوسف انصاری کے بھائی حاجی محمد ایوب انصاری بریڈفورڈ میں ہوتے ہیں اور محاذ رائے شماری کے صدر بھی ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے آباؤ اجداد کی جلائی ہوئی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

سالار سید محمد مرحوم بڑا دلیر، بہادر، جفاکش اور محنتی شخص تھا۔ وہ ایک مکینک تھا۔ سائیکلیں ٹھیک کر کے رزقِ حلال کماتا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا گلبہار زندگی کے آخری سانس تک محاذ رائے شماری کا سرگرم کارکن رہا، برطانیہ میں بھی وہ وطن کو نہ بھولا تھا۔ اور آزادی کشمیر کے لئے کام کرتا۔ سالار مرحوم کا لڑکا اقبال اب بھی تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ وابستہ ہے، ایک چھوٹا سا ''کھوکھا'' بنا کر ایک مزدور کی طرح صبح سے شام تک کام کر کے روزی کماتا ہے، لیکن محاذ کا کوئی جلسہ ہو، کوئی جلوس ہو، کوئی قومی دن پر اجتماع ہو، وہ کام چھوڑ کر پہنچ جاتا ہے، سالار سید محمد مرحوم کے سارے بیٹے اور گھرانے کے لوگ دل و جان سے آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

ہمارے بزرگ حاجی حسن محمد کی اولاد بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے، بلکہ ان کے پوتے بھی طالب علمی کے زمانہ سے سیاست میں حصہ لیتے چلے آئے ہیں، حکومت کی سخت پابندیوں کے باوجود بشارت احمد مجھے سنگڑی میرا جیل (ریسٹ ہاؤس کو جیل میں تبدیل کر دیا گیا تھا) مجھے ملنے گئے تھے۔ محمد امین ہمارے حاجی محمد بشیر کے ہونہار بیٹے انگلینڈ میں محاذ رائے شماری کے سرگرم کارکن ہیں۔ اور صدیق مرزا کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔ آصف مرزا بھی وطن کی آزادی کے لئے جماعت کا ساتھ دیتے چلے آرہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یاسین مرزا کا ذکر آیا ہے۔ وہ مرزا خوشی محمد مرحوم کے نواسے ہیں، اور ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری کے بھتیجے اور داماد ہیں۔ برطانیہ میں ریاست کشمیر کی آزادی کا جھنڈا بلند کئے ہوئے ہیں۔ محمد بشیر مرزا کے دوسرے دونوں بھائی محمد یونس مرزا اور محمد ایوب مرزا بھی برطانیہ میں رہتے ہیں۔ محمد ایوب مرزا کی ایک بیٹی جسٹس آف پیس کے عہدے پر فائز رہی

ہے۔ڈاکٹر محمد یاسین مرزا کے بیٹے بیرسٹر، انجینئر، کمپیوٹر، سائنس کے گریجوایٹ ہیں۔

اور یہ سب لوگ محاذ رائے شماری کا قیمتی سرمایہ ہیں۔کشمیر کی آزادی کے لئے جلسوں اور جلوسوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔اور برطانوی سیاست دانوں کو مسئلہ کشمیر سے متعلق معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری کے ایک بیٹے ڈاکٹر امجد انصاری نے تو عالمی شہرت حاصل کر لی ہے، وہ چینی طریقہ علاج کے مشہور معالج ہیں اور انہوں نے گونگوں اور بہروں کا اسکول بھی کھول رکھا ہے۔ان کے اسکول کی ایک طالبہ نے عالمی اولمپک کھیلوں میں سونے کا تمغہ جیت کر کشمیر کا نام روشن کیا ہے۔میرپور اور برطانیہ میں انصاری ٹرسٹ ان کے بھائی بشارت مرزا اور طارق مرزا چلا رہے ہیں، نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے اس گھرانے نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔اس وقت تک کروڑوں روپے آزاد کشمیر کے متاثرین زلزلہ، غریبوں، یتیموں اور مسکینوں اور بیواؤں کی امداد کے لئے خرچ کر چکے ہیں۔غریب اور یتیم گھرانے کی بیٹیوں کی شادی کے اخراجات برداشت کرتے آ رہے ہیں۔

''انصاری ویلفیئر ٹرسٹ'' ایک فلاحی ورفاہی ادارہ ہے جس کی نگرانی بھی ڈاکٹر امجد انصاری کر رہے ہیں۔اور اپنے دادا حاجی حسن محمد مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ریاست جموں کشمیر کی آزادی وخود مختاری کے لئے پرامن جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے دادا مرحوم خطیب یا مقرر نہ تھے، لیکن میرپوری زبان میں انہوں نے محاذ رائے شماری کے راہنماؤں اور کارکنوں کے اجلاس میں یہ تاریخی جملے دھرائے تھے کہ ''انسان چاہے تو معاشی حیوان بن جائے اور چاہے تو خدمت خلق کر کے آسمان کی بلندیوں کو چھولے۔اگر انسان کے سامنے زندگی کا مقصد یہ ہو کہ وہ دن بھر چرتا رہے، قیمتی کپڑے پہن کر پھرتا رہے اور اسے دکھی انسانیت سے کوئی دلچسپی نہ ہو تو وہ ایک حیوان ہے، اور اگر تم چاہتے ہو کہ باعزت زندگی بسر کرو تو سیاست میں حصہ لو، سیاست دین کا دوسرا نام ہے، یہی اسلام ہے''۔

سیاست میں فتح وشکست سے سیاسی کارکن نا آشنا ہوتا ہے۔انہوں نے میرپوری زبان میں تقریر کرتے ہوئے صوفی محمد زمان مرحوم کے الیکشن کا نتیجہ ملنے کے بعد میرے مکان کے صحن میں تقریر کرتے ہوئے کارکنوں کے حوصلے بڑھاتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے سامنے الیکشن کی جیت و ہار نہ تھی بلکہ اپنے ہم وطنوں کو ریاست کی آزادی کے لئے ان کے دلوں میں سچائی کا بیج بونا تھا۔وہ پورا ہو گیا۔تم نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے اور زندگی کے آخری سانس تک اس راہ پر چلتے رہے تو یقیناً تم کامیاب ہو جاؤ گے، سرخرو ہو جاؤ گے۔

تمہارا خدا تم سے راضی ہو گا۔اور اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا تو زندگی کا انجام بخیر ہو گیا۔ان کے ہو بہو الفاظ تو یاد نہیں ہیں، لیکن ان کی تقریر کا مفہوم اس سے ملتا جلتا تھا، وہ کتنے خوبصورت الفاظ تھے کہ جب انہوں نے کارکنوں کو کامیاب جدوجہد کرنے پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ مسلمان شکست کے لفظ سے نا آشنا ہے۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور

وہ جوانوں سے بھی زیادہ باحوصلہ اور دلیر تھے، خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کرر ہے تھے کہ ان پر دل کا دورہ پڑا اور اسی حالت میں جان دے دی، انا للہ و انا الیہ راجعون☆ مرحوم کی اولاد بھی برطانیہ میں جا کر آباد ہوگئی ہے۔

ہمارے قابل احترام مرزا عالم الدین کے ایک اور بھائی کریم بخش تھے۔ ان کے بیٹے میاں کالو تھے۔ قابل احترام کریم بخش اور میاں کالو مرحوم نیک، پارسا اور درویش صفت انسان تھے۔ امامت ان کا پیشہ نہ تھا، وہ رزق حلال کما کر دین کی خدمت کرتے تھے، اور مسجد آباد کررکھی تھی، صوم وصلوٰۃ کی دعوت دیتے تھے۔

باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ امامت بھی کراتے تھے۔ میں نے بزرگ بھائی کالو مرحوم اور تایا جی میاں کریم بخش مرحوم کو بھی خود دیکھا ہے کہ وہ غربت میں بھی اس ٹھاٹھ سے رہتے تھے کہ کسی کو یہ یقین نہیں آسکتا تھا کہ شام کا کھانا کھا کر سو گئے ہیں اور صبح کے لئے اُن کے پاس صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ میاں کالو مرحوم گرمی ہو یا سردی، لُو چل رہی ہو یا برفیلی ہوائیں وہ کپڑوں کے تھانے سر پر اٹھائے ہوئے گاؤں گاؤں پھر رہے ہیں اور کپڑا فروخت کر کے گھر آتے تھے، تو وہ اپنے آپ کو آسودہ حال سمجھتے تھے۔ انہوں نے خودی نہیں بیچی اور غریبی میں نام پیدا کیا۔ میرے نزدیک غریب ہونا کوئی جرم نہیں لیکن غریبی کے خلاف جدوجہد نہ کرنا نا قابلِ معافی جُرم ہے۔ اُن کا ایک پوتا آج کل امریکہ میں ہے۔ ایم۔ ایچ۔ انصاری ہمارے بزرگ تایا کریم بخش مرحوم کا پوتا ہے۔ جو ہمارے محاذ رائے شماری کے صدر محمد عظیم دت کے ساتھ ہو کر ریاست کی آزادی اور خودمختاری کے لئے میرپور اور امریکہ میں جدوجہد کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ گھرانہ بھی سیاسی طور پر ہمارے ساتھ رہا قابلِ احترام مرزا عالم الدین مرحوم اُن کے بھائی، اُن کی نسلیں اپنے خون سے آزادی کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔ مرحومین کی روحیں خوش ہوں گی کہ اُن کے لگائے ہوئے پھولوں کے پودے اپنی خوشبو دنیا میں بکھیر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری قابلِ احترام مرزا عالم الدین کے بھتیجے ہیں، انہیں سیاسی گھرانے کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے ملازمت چھوڑنی پڑی تھی۔ وہ اپنی ملازمت کے دوران اپنے گھر سے دور دراز علاقوں میں تعینات کئے جاتے رہے اور ان کی خودی اور عزتِ نفس نے گوارا نہ کیا کہ وہ کسی سفارش کرنے والے کو تلاش کریں۔ وہ خود بھی رشوت اور سفارش کے خلاف تھے اس لئے انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے کر دیسی علاج شروع کر دیا۔ انہیں اس کا بنیادی علم حاصل تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا اور ان کے کام میں برکت دی۔ وہ خوشحال رہے اور اب بھی خوشحال ہیں۔

اس سیاست کے دوسرے شکار محمد حنیف انصاری مرحوم تھے۔ وہ سیشن عدالت کے اہل کار تھے، ان دنوں چوہدری محمد حسن کو نامزد حکومت نے اپنا منسٹر نامزد کیا تھا، ان کے پاس خفیہ رساں ایجنسی نے رپورٹ بھیجی کہ وہ عوامی کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور ہر روز آڑھ دھرم ارتھ چلے جاتے ہیں۔ اور آڑھ دھرم ارتھ عوامی کانفرنس کا

مرکز ہے، اس خفیہ رپورٹ میں جلسہ کی تاریخ بھی دی ہوئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ محمد حنیف انصاری مرحوم شامل ہوئے تھے۔ وزیر موصوف نے سیشن جج کو تحقیق کر کے رپورٹ منگوائی تھی، اتفاق سے وہ سیشن جج کے کہنے پر کراچی گئے ہوئے تھے اور اس تاریخ کا ایک کارڈ/ لفافہ بھی انہوں نے بذریعہ ڈاک سیشن جج کو بھیجا تھا۔ جو سیشن جج نے اپنی فائل کے ساتھ لگایا ہوا تھا، وہ سرکاری ڈیوٹی پر کراچی گئے ہوئے تھے، واپسی پر سیشن جج نے انکوائری شروع کی اور ان سے پوچھا کہ آپ کے متعلق رپورٹ ہے کہ آپ روزانہ آڑہ دھرم ارتھ جاتے ہیں، وہ اپنی عادت کے مطابق ہنس پڑے، مرحوم بڑے ہنس مکھ انسان تھے اور ان کا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا، انہوں نے سیشن جج کو ہنستے ہوئے جواب دیا کہ جناب یہ الزام درست ہے۔ اگر انہیں میر پور رہائش کی جگہ دی جائے تو وہ گاؤں نہیں جائیں گے، آڑہ دھرم ارتھ ان کا گاؤں اور اُن کی رہائش گاہ ہے۔ جہاں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہے۔ سیشن جج ہنس پڑے۔ انہیں پتا تھا کہ عوامی کانفرنس سے حکومت ناراض چلی آتی ہے اور وہ ان کے رشتہ دار ملازموں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ سیشن جج نے تحقیقات کے بعد حکومت کو جو رپورٹ بھیجی اس میں حکومت کے انتقامی جذبہ کا سخت الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے سرکاری ملازم کو تحفظ دینے کا مطالبہ بھی کیا تھا، محمد حنیف انصاری مرحوم نے بھی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا اور وہ بعد میں برطانیہ چلے گئے تھے، وہاں جا کر انہوں نے عوامی کانفرنس کو منظّم کیا، محاذ رائے شماری کو مضبوط بنایا، اور ریاست جموں کشمیر کی آزادی وخود مختاری کے لئے زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد کرتے رہے، ان کے والد محترم عالم الدین مرحوم ان کے بھائیوں عبدالعزیز انصاری مرحوم، محمد یعقوب انصاری اور محمد مطلوب انصاری کو بھی زیر حراست رکھا۔ ان کو تھانہ میں بلا کر پولیس نے تشدد کیا، منگلا ڈیم کی تحریک میں ان کارکنوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

1953ء کی تحریک بحالی جمہوریت میں وہ پیش پیش تھے، عبدالعزیز انصاری مرحوم اس وقت ایک طالب علم تھے اور غالباً میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے، وہ تعلیم سے فارغ ہو کر حکومت آزاد کشمیر کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گئے تھے، حکومت ان کی امانت، دیانت اور فرض شناسی کی معترف تھی۔

لیکن اس کے باوجود وہ ملازمت کے دوران سیاسی وجوہ کی بنا پر زیر عتاب رہے اور جنگ کے دنوں میں انہیں اٹھمقام پر تعینات کر دیا گیا تھا۔ جہاں بھارتی فوج کے گولے برستے تھے۔ وہ مختلف عہدوں پر رہے اور پیرامیڈیکل کالج کے پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں سے نوازے۔ انہوں نے دکھی انسانیت کی خدمت کی، اور آزادی کی تحریک سے کبھی منہ نہ موڑا۔ وہ اپنی حدود میں رہ کر اپنے باپ دادا کے لگائے ہوئے اس پودے کی آبیاری کرتے رہے۔ چاچا رحم علی مرحوم کو بھی زدوکوب کیا گیا تھا۔ ان کے بیٹے محمد اعظم انصاری محمد کریم ومحمد صابر انصاری بھی عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے سرگرم کارکن ہیں۔ ان کی اولادیں بھی برطانیہ میں جا کر مستقل رہائش پذیر ہو گئی

ہیں۔حاجی محمد صدیق اپنے والد حاجی الف دین کی طرح جماعت کی مالی مدد بھی کرتے چلے آتے ہیں۔وہ بریڈفورڈ کے مشہور تاجر ہیں۔

اس طرح محمد بلال انصاری، محمد عنایت انصاری، محمد امین انصاری، محمد سلیم انصاری، محمد مطلوب انصاری، محمد ایوب انصاری مرحوم، محمد منیر انصاری بھی وطن کی آزادی کے لئے ہر قسم کی مدد کرتے چلے آتے ہیں۔اوران کے رشتہ دار بھی ریاست جموں کشمیر کی وحدت اور سالمیت کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔ان کی گرانقدر خدمات کا اعتراف تاریخ کو کرنا پڑے گا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز مرحوم کا ذکر آیا ہے۔ان کے بہنوئی ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم ومغفور تھے۔وہ یکے از بانیانِ عوامی کانفرنس تھے۔بطلِ حریت راجہ محمد اکبر خان رحمۃ اللہ علیہ انہیں ساتھ لے کر جموں راجدہانی گئے تھے، ڈائریکٹر محکمہ تعلیم کو درخواست دے کرانہیں دفتر کے باہر بٹھا کر اپنی گرجدار آواز میں کہا تھا کہ اس کاغذ پر سیکرٹریٹ کا نقشہ بناؤ اور اگر کام نہ ہوا تو ان دفتروں کو آگ لگا دینا۔جب بطلِ حریت دوسرے دفتروں سے ہوکر واپس آئے تو ان کے آنے سے پہلے انہیں (ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم کو) تعیناتی کا حکم مل چکا تھا۔بقول ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم وہ یہ دستی حکم ساتھ لاکر بطور مدرس ملازمت کرنے لگے تھے، ماسٹر جی مرحوم ایک انقلابی راہنما کی سیاسی تربیت کی وجہ سے ملازمت کو معاشی مجبوری کی وجہ سے قبول کرنے پر مجبور ہوئے تھے، وہ خود ایک نڈر، بے خوف اور چیتے کا دل رکھنے والے انسان تھے، وہ اپنے ملک کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے، ان کا ذکر دوسرے مقامات پر آئے گا۔اس جگہ اس خاندان کی قربانیوں کا ذکر کرنا مقصود تھا۔جو قابل احترام چوہدری عالم الدین کا تھا۔ماسٹر جی مرحوم بھی ایک حادثہ میں شہید ہوگئے تھے اس وقت بھی وہ خدمت خلق کے لئے اپنی سائیکل پر سوار ہوکر ہٹیاں بلاہ گالہ سے گزر رہے تھے کہ ایک ٹرک ڈرائیور نے گزرتے ہوئے ٹرک کی ٹکر ان کی سائیکل کو ماردی تھی اور وہ مضروب ہوکر میر پور ہسپتال میں دو تین روز زیر علاج رہنے کے بعد وفات پا گئے تھے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جزو سنجیدن پر کچھ نہیں

محمد صدیق مرزا..................

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا، دارا و جم

مرزا محمد صدیق ایک قائد، ایک راہنما، ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں، انہوں نے اپنی جوانی میں ریاست جموں کشمیر کی تحریک آزادی میں عملی حصہ لینا شروع کیا تھا۔ آج بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ جسے انہوں نے اپنی مرضی سے چنا تھا، آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہنا انہیں وراثت میں ملا ہے۔ ان کے نامی گرامی والد مرحوم ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد کرتے چلے آئے تھے، ان کا گھر تمام سیاسی کارکنوں کا ایک مرکز تھا جہاں وہ سب اکٹھے ہوتے تھے اور تحریک آزادی کو آگے بڑھانے کے لئے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے میر پور کی سیاسی تحریکوں کی قیادت مولانا فضل الدین بھٹی وکیل مرحوم، ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی مرحوم، میاں عبدالغنی انصاری مرحوم، میاں غلام نبی انصاری مرحوم اور ان سب کے بااعتماد ساتھی اور قائد حاجی وہاب الدین مرحوم کے ہاتھوں میں تھی۔ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان مرحوم اور حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ ریاست جموں کشمیر کی بلند قامت سیاسی و مذہبی شخصیات تھیں۔ وہ اپنے ان ساتھیوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ مولانا فضل الدین بھٹی مرحوم پہلے مسلمان وکیل تھے جنہوں نے میر پور کے کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کی قانونی مدد کی، وہ بڑے نیک اور فرشتہ سیرت انسان تھے، راجہ محمد اکبر خانؒ نے پسماندہ طبقوں کو اٹھایا۔ سرکاری گماشتوں کو للکارا، سودخوروں کا پیچھا کیا، قرض تلے دبی ہوئی قوم کو جھوٹے مقدمات سے نجات دلائی۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ نے لوگوں کو قبر پرستی، اور ہر قسم کی بت پرستی سے نکال کر توحید کی راہ دکھائی، اور انہیں صرف خدا کی غلامی اور بندگی کا درس دیا، انگریز کی غلامی اور ڈوگرہ کی حکمرانی کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔

حاجی وہاب الدین مرحوم نے جہالت اور اوہام پرستی کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ میاں غلام نبی انصاری مرحوم، میاں عبدالغنی انصاری مرحوم نے اپنے بزرگ چوہدری عالم الدین مرزا کے ساتھ ہو کر ظلم و بے انصافی کے خلاف آواز بلند کی۔ میر پور کے لوگ بیدار ہوئے اور انہوں نے ڈوگرہ شاہی کو للکارا۔

میر پور میں صرف زیلداروں، نمبرداروں، چوکیداروں اور ڈوگرہ کے زرخرید جاگیرداروں کا ایک ٹولہ باقی رہ گیا تھا جو تاج و تخت کی حفاظت کرتا تھا۔ اور جب آزادی کی تحریک نے زور پکڑا تو اس گروہ سے بھی کچھ لوگ قوم پرستوں کا ساتھ دینے لگے تھے، ڈوگرہ شاہی بھی اس ضلع کو باغی ضلع سمجھتی تھی۔ اس ضلع کو نہ تعلیمی سہولیات حاصل تھیں، نہ طبی امداد ملتی تھی، نہ کوئی زندگی کی دیگر بنیادی ضرورتیں، سڑکیں، پل، کنویں اور سراؤں وغیرہ کی سہولتیں میسر تھیں۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

میں نے اوپر چالیس کے عشرہ کی باتیں لکھی ہیں۔ میں ان دنوں اپنی پھوپھی محترمہ کے پاس رہتا تھا، وہ مجھے

میری ماں کی طرح پیار کرتی تھیں، اور اگر اسے مبالغہ نہ سمجھا جائے تو میں یہ پورے یقین و وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ میرے ساتھ پیار کرتی تھیں۔ میں نے دو سال بڑے عیش و آرام سے گزارے تھے۔ اور ہمارے پھوپھا مرحوم اور ان کے سب بیٹے میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ میری تکلیفیں انہیں برداشت نہیں ہو سکتی تھیں۔

تایا اللہ دتہ مرحوم جو ہمارے پھوپھا مرحوم کے بڑے بھائی تھے، ان کے چوبارہ میں بیٹھ کر تنہائی میں اسکول کا کام کرتا تھا۔ اور سبق یاد کیا کرتا تھا، میں نے میرپور ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور پرنس آف ویلز کالج میں جا کر داخلہ لیا تھا۔

میں مرزا محمد صدیق کی ملکی، قومی اور سیاسی سرگرمیوں کا ذکر کروں گا، ان کی زندگی پر بھی ایک ضخیم کتاب لکھی جانی چاہیے۔ ان کی خدمات کا اعتراف ریاست جموں کشمیر کی سرحد کے دونوں اطراف جانے پہچانے لوگ کرتے ہیں۔ ایک سیاسی گھرانے میں پرورش پانے والا کارکن قائدانہ صلاحیتوں کا مالک نکلا، اس کی جوانی اور اس کا بڑھاپا ریاست کی آزادی کی جدوجہد میں گزر رہا ہے۔ وہ بچپن سے ہی سیاسی ذہن کے مالک تھے، مہمان نوازی بھی انہیں ورثے میں ملی تھی، غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی خدمت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔

جب تک وطن میں رہے تب تک عوامی کانفرنس کے پرچم کو انہوں نے بلند رکھا، ریاست کی وحدت، سالمیت، آزادی و خود مختاری کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ وطن کو چھوڑا اور برطانیہ میں جا کر معہ اہل و عیال آباد ہو گئے، لیکن وہ وطن کو نہ بھولے، قوم پرستوں کی تنظیموں نے محاذ رائے شماری بنایا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت محاذ رائے شماری کی شاخ بنا کر آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو کر صفِ اوّل کے راہنما بن گئے۔

عوامی کانفرنس کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور مارشل لاء دور میں ہماری تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے چٹان کی طرح ڈٹ گئے۔ تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا۔ 1953ء سے لے کر 1960ء تک ہر اہم قومی، جمہوری، سیاسی اور مذہبی تحریکوں میں صدیق مرزا صفِ اوّل میں شامل رہے، برطانیہ جا کر عوامی کانفرنس کو مضبوط کیا، عوامی کانفرنس کے بانی راہنماؤں میں سے کامریڈ مقبول احمد خاور، محمد حنیف انصاری اور دوسرے ساتھیوں نے اس جماعت کو مقبول بنایا اور اہلِ وطن اس میں شامل ہوتے رہے۔

انہوں نے مرکزی جماعت کی ہر قسم کی مالی، اخلاقی و سیاسی مدد کی، مرزا محمد صدیق کشمیر کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں میں صرف جھلکیاں دکھلا رہا ہوں۔ ذیل کا شعر شورش نے اپنے بارے میں کہا تھا جو صدیق مرزا پر صادق آتا ہے۔

زمین پر جب کوئی افتاد تازہ سر اٹھائے گی
ہماری جرأتوں کی داستانیں جگمگاؤ گے

ہم ایسے لوگ یارو آئے دن پیدا نہیں ہوتے
پھرو گے ڈھونڈتے لیکن ہمیں ہرگز نہ پاؤ گے

وہ برطانیہ جا کر بھی اپنے وطن کو یاد کرتے رہے، ان کا گھر وطن کے راہنماؤں، عدلیہ کے ججوں، صحافیوں اور ادیبوں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ اور ان کی مہمان نوازی کا انہیں فخر حاصل ہے، مجھے سب کے نام یاد نہیں ہیں، لیکن ہمارے انتہائی قابل احترام ساتھی اور شاہی قلعہ لاہور کے عقوبت خانہ سے سرخرو ہو کر نکل آنے والے بہادر سپہ سالارِ آزادی جی ایم لون مرحوم، میر عبدالقیوم مرحوم کی مہمان نوازی کا انہیں شرف حاصل ہے۔

ریاست جموں کشمیر کی آزادی کے لئے سال ہا سال تک شیر کشمیر کے ساتھ ڈوگرہ جیلوں میں زندگی گزارنے والے کوڈائی کنال جیل میں بھارت کے قیدی بن کر رہنے والے اور دہلی ایکارڈ کا پارتھا سارتھی سے مل کر مسودہ تیار کرنے والے فخرِ کشمیر مرزا محمد افضل بیگ بھی ان کے گھر میں ٹھہرے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے مکان کا ایک حصہ مہمان خانہ کے طور پر الگ رکھا ہوا ہے، جس میں کشمیریوں کے اجلاس بھی ہوتے رہتے ہیں۔

فخرِ کشمیر کے دورہ برطانیہ کے دوران برمنگھم میں محمد صدیق مرزا کے گھر پر ہی ان کا استقبال کیا گیا تھا۔ انہیں وہاں تھوڑی دیر کے لئے تھکاوٹ دور کرنی تھی۔ گرینڈ ہوٹل میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا ہے کہ فخرِ کشمیر نے بیگم صدیق مرزا سے بات چیت کے دوران کہا کہ بیٹی تم ایک ترقی یافتہ ملک میں رہتی ہو تمہیں میرپور تو یاد نہیں آتا ہوگا؟۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ اسے وطن کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ میرپور اس کے آباؤ اجداد کا ملک ہے۔ وہ اسے نہیں بھول سکتی، ملک کو غلامی سے آزاد کرایا جائے تو برطانیہ کیا سارا یورپ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مرزا محمد افضل بہت خوش ہوئے۔ ہمیں افسوس تھا کہ صدیق مرزا صاحب ان دنوں میرپور آئے ہوئے تھے، اگر ہمیں فخرِ کشمیر کے برطانیہ جانے کی خبر ہوتی تو مرزا صاحب اپنا پروگرام مؤخر کر لیتے لیکن ہمیں تو اس وقت پتا چلا جب انہوں نے خود برطانیہ پہنچ کر ہماری تلاش شروع کی تھی، مفصل ذکر آگے آئے گا۔

برمنگھم میں آلم روک روڈ پر واقع مرزا صاحب کے مکان میں عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے اجلاس ہوتے رہے، یہی وہ مکان ہے جہاں عزیز بھٹی شہید، ریاست بھٹی، لیاقت بھٹی، رحیمہ بھٹی جیسی عظیم شخصیتیں اکٹھی آزادی کے لئے منصوبے بناتی رہی ہیں۔ لالہ عبدالرحمٰن (بینسی کلیال) مرحوم، سلطان علی شاہ مرحوم، محمد بشیر تبسم (گلاسکو) ناظم بھٹی، مرزا محمد بشیر، کامریڈ مقبول احمد خاور مرحوم، محمد حنیف انصاری مرحوم، میرے برادرِ محترم محمد صادق انصاری، آفتاب احمد انصاری عبدالغفور چوہدری، عبدالجبار بٹ، نذیر نازش، ماسٹر عبدالمجید مرحوم محمود نظامی مرحوم، محمد بشیر انصاری، محمد سلیم انصاری، محمد معصوم انصاری، مرزا محمد اسلم، خیرات حسین بھٹی، عنایت حسین بھٹی، کامریڈ مشتاق اور دیگر کشمیری راہنما اور

کارکن اکٹھے بیٹھ کر جلسوں اور جلوسوں کے پروگرام بناتے رہے اور بھارتی قبضہ کے خلاف احتجاجی جلوس نکال کر ہائیڈ پارک لندن پہنچ کر وہاں سے بھارتی ہائی کمشنر کے سامنے جا کر مظاہرہ کرتے رہے، اور برمنگھم سے ہی پاکستان کے ہائی کمشنر کے دفتر کے سامنے جا کر مارشل لاء، جمہوریت کے قتل، اور لاٹھی گولی کی سرکار کے خلاف بھی مظاہرے کرتے رہے، اقوامِ متحدہ کے دفتر اور دوسرے سفارت خانوں میں جا جا کر یادداشتیں پیش کرتے رہے۔ ان کا گھر شروع سے انقلابیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ مرزا صاحب کا پاکستان اور بھارت کی ایجنسیاں پیچھا کرتی چلی آئی ہیں۔ وہ انہیں اپنے لئے خطرناک سمجھتی ہیں۔

محمد صدیق مرزا کی حکومتِ آزاد کشمیر اتنی مخالف تھی کہ اس نے ایک جھوٹا مقدمہ بھی بنایا تھا۔ پولیس نے حکومت کی ہدایت پر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن میں نے ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دے کر عبوری ضمانت کا حکم حاصل کر لیا تھا، پولیس ریکارڈ طلب کیا گیا اور بحث سماعت شروع ہوئی تو اس وقت سرکاری وکیل بشیر شاہ مرحوم تھے، کھڑے ہو کر سیشن جج سردار یار محمد خان مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ مقدمہ اس لئے پولیس نے بنایا ہے کہ ملزم (صدیق مرزا) میاں غلام نبی انصاری مرحوم (میرے بڑے بھائی) کا داماد ہے اور حکومت اس گھرانے کو پریشان کرنا چاہتی ہے۔ بشیر شاہ مرحوم رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس مرحوم کے بھانجے تھے، ان کی پشت مضبوط تھی اور انہیں نوکری جانے کا خطرہ نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ نوکری کی پرواہ کرتے تھے، ایک اچھے قانون دان اور سیاسی گھرانے کے نڈر فرزند تھے، سیشن جج سردار یار محمد خان مرحوم جو بعد میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے تھے وہ ایک دیانتدار، منصف مزاج اور قانون کی باریکیوں کو بخوبی سمجھتے تھے، وہ بار ایٹ لاء تھے۔ اور مسلم کانفرنس کی مرکزی مجلس عاملہ کے نہ صرف ممبر بلکہ عہدے دار بھی رہ چکے تھے۔ عوامی کانفرنس نے حکومت کے خلاف تحریک چلائی تھی اور جیل بھرو تحریک کے دوران ہمارے ساتھیوں کے خلاف فوجداری مقدمات بنائے گئے تھے جن کی اپیلیں بھی وہ سنتے رہے تھے، اس طرح وہ تحریک کا پس منظر اور حکومت کی پالیسی سے بھی بخوبی واقف تھے، سردار یار محمد خان صاحب مرحوم نے انسپکٹر پولیس چوہدری محمد اسماعیل خان مرحوم کو پولیس ڈائری سمیت طلب کر رکھا تھا۔ انہوں نے پولیس انسپکٹر سے پوچھا کہ کوئی شہادت ریکارڈ کی گئی ہے؟۔ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا کہ ملزم گرفتار ہی نہیں ہوا۔ وہ شہادت کیسے قلمبند کرتے، ملزم ضمانت پر ہو تو شہادت کوئی نہیں دے سکتا۔ اس مقدمہ کا رپورٹ دہندہ کوئی نہ تھا۔ پولیس خود ہی مستغیث تھی۔ سیشن جج نے درخواست ضمانت منظور کرتے ہوئے افسر تفتیش کنندہ کو سخت جھاڑ پلائی اور اسے کہا کہ ملزم کے خلاف کوئی بھی مقدمہ ہو جب تک عدالت سے منظوری نہ لی جائے اسے گرفتار نہ کیا جائے۔ اصل میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں پولیس پہلے ملزم کو گرفتار کرتی ہے اور اپنی کہانی کے مطابق گواہ بھی خود تیار کرتی ہے جو جھوٹے ہوتے ہیں اور پولیس سے ڈر کر پولیس کی کہانی کو نہ صرف پولیس کے پاس بلکہ

عدالتوں میں پیش ہوکر بھی دھراتے ہیں۔ اور اس طرح بے گناہ لوگوں کو مقدموں میں پھنسایا جاتا ہے۔ آزاد کشمیر ہو یا پاکستان تفتیش کا فرسودہ طریقہ رائج ہے اور انصاف عنقا ہے۔

صدیق مرزا کے بارے میں یہ بتا رہا تھا کہ ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کی ایجنسیاں ان کا پیچھا کرتی چلی آتی ہیں، ان کے گھر واقعہ برمنگھم میں بھی صرف وہی لوگ اکٹھے ہو سکتے تھے جنہیں کسی حکومت کا کوئی خوف نہ ہوتا تھا۔ فخرِ کشمیر کے علاوہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ تو اکثر مرزا صاحب کے گھر آتے رہے تھے۔ عدالت العالیہ/عدالت سپریم کورٹ کے جج بھی ان کے مہمان رہے۔ سردار محمد اشرف خان چیف جسٹس آزاد کشمیر بھی ان کے مہمان رہے۔

برطانیہ ایک ایسا ملک تھا جہاں ہمارے لوگ جا کر آباد ہوئے تھے اور ریاست کشمیر کی خونی لکیر کے دونوں طرف کے راہنماؤں سے ان کا سیاسی تعلق تھا، اور دونوں طرف کے سیاسی کارکن اپنے ہم وطنوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

محمد صدیق مرزا پہلی بار سرینگر گئے تھے۔ وہ سرینگر سے واپس میرپور تشریف لائے تھے۔ میرپور پہنچتے ہی پولیس کے ڈی۔ آئی۔ جی (چوہدری فضل حسین مرحوم) جو چک سواری کے رہنے والے تھے اور اس وقت مظفرآباد میں تعینات تھے، وہ پہنچ گئے اور میرے گھر آ گئے۔ اس وقت صدیق مرزا میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھ سے کہا کہ وزارت امورِ کشمیر اور حکومت آزاد کشمیر مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ سخت رویہ رکھتی ہے۔ اور وہ کوئی سنگین قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی کو حکومت نے تفتیش کنندہ افسر مقرر کر کے میرپور بھیجا تھا۔ وہ صدیق مرزا کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے، میں نے انہیں کہا کہ وہ وارنٹ گرفتاری دکھلائیں اس کے بغیر وہ صدیق مرزا کو نہیں لے جا سکتے۔ وہ تھانہ میں لے جا کر پوچھ گچھ کرنا چاہتے تھے۔ کوئی مقدمہ اس وقت تک رجسٹرڈ نہ ہوا تھا۔

وہ ہماری مداخلت سے اچھی طرح واقف تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ میرے کمرے میں ہی ان سے جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لیں۔ میں دوسرے کمرہ میں چلا جاؤں گا۔ کافی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ ابتدائی تفتیش سے فارغ ہو کر جانا چاہتے تھے۔ ان کا میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاری مرحوم و مغفور کے ساتھ بہت پرانا تعلق تھا۔ بچپن میں میرے مرحوم بھائی چک سواری میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کچھ عرصہ دوسرے درویشوں کے ساتھ رہ چکے تھے۔ ڈی آئی جی نے جب مجھے کہا کہ حکومت پولیس کو سخت ہدایات دے چکی ہے تو میں نے اسے کہا کہ مظفرآباد پہنچنے سے پہلے وزارتِ امورِ کشمیر کا حکم پہنچ چکا ہوگا کہ ان راہنماؤں کو آزادی سے پھرنے دیا جائے۔

اس موقع پر میں نے صدیق مرزا کو دیکھا کہ وہ بڑے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گرفتاری سے نہیں ڈرتے ہیں۔ اگر حکومت کوئی احمقانہ قدم اٹھاتی تو برطانیہ میں مقیم محاذ رائے شماری کے لیڈر اور کارکن پاکستان کی حکومت کے خلاف طوفان اٹھا دیتے۔ سرینگر میں نفرت کا آتش فشاں پھٹ پڑتا۔ آزاد کشمیر کا امن وامان بحال رکھنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا۔ لیکن شکر ہے کہ ہم اللہ کے فضل سے اس امتحان سے بچ نکلے اور اس کے بعد کسی پولیس افسر نے ہمیں اپنی شکل نہ دکھائی۔

صدیق مرزا اور ہم دونوں اکٹھے پلے، اور جوان ہوئے اور اب تک ہم اکٹھے سوئے منزل چلے جا رہے ہیں، نصف صدی سے زیادہ مدت کی ملاقاتوں کی بے شمار یادیں میرے حافظہ کا حصہ ہیں۔ جو سب کی سب تحریر کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے

محمد صدیق مرزا آزادی کی شمع لئے لئے پھرتے رہے، ہر کوچہ و بازار میں گئے، شہر شہر گھومے۔ ملک ملک پھرے، برطانیہ سے امریکہ چلے گئے تا کہ اقوامِ عالم کو کشمیری قوم کا دکھ درد سنا سکیں۔ انہوں نے امریکہ جا کر اقوامِ متحدہ کے دفاتر کے سامنے ایک جلوس میں شمولیت کی جو غیر ملکی سامراج کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے گزر رہا تھا۔

آج کشمیری قوم فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتی ہے کہ کشمیری قوم کے نوجوان دنیا کی کسی قوم کے نوجوانوں سے پیچھے نہیں ہیں، جو اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایسی قوم کو بھارت کیا، دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی غلام نہیں بنا سکتی ہیں جو موت سے کھیل سکتی ہے۔ اس قوم کے نوجوانوں کو مرنے میں وہ مزہ آتا ہے جو یورپ، بھارت اور پاکستان کے ان لوگوں کو جو شراب پیتے ہیں انہیں شراب میں بھی مزہ نہیں آتا ہے۔ یہ خوشنما منظر، یہ زندگی کو بامقصد بنانے والا نظارہ، یہ مردہ روحوں کو زندگی بخشنے والا جذبہ، ولولہ اور جوش مسٹر امان اللہ خان اور ماسٹر محمد شفیع دت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

مسٹر محمود احمد نے مجھے خود بتایا کہ پولیس ان کو الگ الگ گرفتار کر کے لے گئی تھی اور اس نے تفتیش کے دوران جب اپنی قومی غلامی کی داستان سنائی تو پولیس آفیسر نے انہیں یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے قید ضرور ہوئے ہیں لیکن وہ دن ضرور آئے گا جب اس عمارت پر دوسرے ملکوں کے جھنڈوں کے ساتھ کشمیر کی آزادی کا جھنڈا بھی لہرا رہا ہوگا۔

اجلاس کے خاتمہ کے بعد ان کو رہا کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے تاریخ کشمیر میں سنہرے باب کا اضافہ کیا ہے، وہ تاریخ جس کے یہ عنوان بنیں گے وہ کشمیر کی آزادی کے بعد ہی لکھی جائے گی۔ میں محمد صدیق مرزا کے بارے میں جھلکیاں پیش کر رہا تھا کہ اقوامِ متحدہ کی عمارت سامنے مظاہروں اور جلسوں کے ذکر کے ساتھ عمارت کے اندر کئے جانے والے

مظاہرہ کی ایک تصویر میری آنکھوں کے سامنے آگئی تھی، اس کی جھلک بھی قارئین کو دکھا دی ہے۔ محمود میرپوری اور ان کے ساتھی کشمیری نژاد امریکن ہیں۔

محمد صدیق مرزا امریکہ سے واپس آ کر خاموش نہ بیٹھے تھے، وہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ وہ فیکٹری مزدور تھے۔ محنت ومشقت کر کے پونڈ کماتے تھے، بال بچوں کا پیٹ پال کر جو بچتا تھا وہ راہ اللہ خرچ کرتے چلے آتے ہیں، وہ آزادی کی راہ پر اس لئے چل رہے ہیں کہ ان کا یقین وایمان ہے کہ مسلمان مٹ تو سکتا ہے لیکن غلامی قبول نہیں کر سکتا۔ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے اور خدا کے بندوں کو غلامی سے چھڑانا اور اس راہ میں خرچ کرنا عبادت ہے۔ غلامی کے خلاف جدوجہد کرنا ہر انسان پر فرض ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن۔ لیکن مومن کا یہ مذہبی فریضہ بھی ہے کہ ہر فرعون کے خلاف سینہ سپر ہو جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کردار ادا کرے۔

مسلمان بلندیوں پر پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک سنگلاخ چٹانوں کو پھلانگ نہ لے۔ یہ العقبہ کیا ہے؟۔ انسان کی گردن کو غلامی سے چھڑانا، قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کو قرض سے نجات دلانا۔ یتیموں، غریبوں، مسکینوں اور مزدوروں کی مدد کرنا ہی اسلام ہے، ایمان کا اصل ثمرہ اعمال صالحہ ہیں۔ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے ہی انسان پیدا ہوا ہے۔ اب میں یہاں مرزا صدیق کے ایک اور روشن پہلو کی مختصر ترین الفاظ میں جھلک دکھلانا چاہوں گا۔

بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جن پر قدرت اس قدر مہربان ہوتی ہے اور انہیں اس طرح کے کمالات سے نوازتی ہے، کشمیر میں سرمایہ دار یا جاگیردار یا عہدے دار کے بیٹے یا عزیز بھی ہیں۔ سیاسی پارٹی کے بڑے راہنما یا اسمبلی کے ممبر بھی ہیں، لیکن کسی کو یہ فضیلت نہ ملی کہ وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے اپنے خرچ پر اقوامِ متحدہ کے سامنے مظاہرہ کرنے گیا ہو یا اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارہ جنیوا میں انسانی حقوق کی تنظیموں کے اجلاس میں اس نے جا کر اپنی قوم کے بنیادی حقوق انسانی کے لئے پمفلٹ تقسیم کئے ہوں، یادداشتیں پیش کی ہوں، اقوامِ متحدہ کے سامنے مظاہرہ کرنے کے لئے ہر سال آزاد کشمیر کے صدر ایک وفد لے کر جاتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں حقوقِ انسانی کی تنظیموں کے سامنے بھارت اور پاکستان دونوں کے خلاف ظلم، جارحیت اور جبر وتشدد کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے تو کوئی وفد بھی آج تک نہیں گیا۔

آزاد کشمیر کے وفود بھی ہر سال جنیوا جاتے رہے ہیں۔ ان میں آزاد کشمیر کے صدور کے بیٹوں کے علاوہ سیاسی راہنما بھی جاتے رہے ہیں۔ لیکن ان کے اخراجات بھارت یا پاکستان یا ان دونوں کے مقبوضہ علاقوں کی حکومتیں برداشت کرتی چلی آتی ہیں۔ اور یہ راہنما تصویر کا ایک ہی رخ دکھاتے چلے آتے ہیں۔ جن علاقوں سے یہ لوگ جاتے ہیں وہ انہیں اپنے اپنے علاقوں میں بنیادی حقوقِ انسانی کی نسبت کچھ نہیں بتاتے، آزاد کشمیر کا وفد بھارت کے خلاف زبان کھولتا ہے اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کا وفد پاکستان کے جرائم گنتا ہے، یہ شرف مرزا صاحب کو حاصل ہے کہ وہ دونوں ملکوں کے مظالم کی

داستان ان تنظیموں کو سناتے رہے ہیں۔ وہ کسی حکومت، کسی ادارے یا اپنی پارٹی سے بھی سفر و قیام و دیگر اخراجات وصول نہیں کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اپنی محنت کی کمائی سے جو انہیں بچت حاصل ہوتی رہی ہے وہ اس سے خرچ کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اپنے ہمراہیوں کا خرچہ بھی برداشت کرتے رہے ہیں۔

دونوں طرف کی ایجنسیوں کے بھیجے ہوئے وفود قومی خدمت کی بجائے اپنے مربیوں کی خوشنودی حاصل کرتے چلے آتے ہیں، جب کبھی بھی کوئی صدر، کوئی وفد، کوئی راہنما اقوامِ متحدہ کے اجلاس کے موقع پر امریکہ گیا تو اس کی خبر ملکی اخبارات میں جلی حروف میں اس عنوان سے چھپتی رہی کہ صدر حکومت یا کشمیریوں کا وفد مسئلہ کشمیر اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ ان کی جاہل رعایا یا قوم کا بڑا حصہ جو علم کی روشنی سے محروم ہے، وہ یہی سمجھتا رہا ہے کہ وفد ایک قومی فریضہ ادا کرنے جا رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ قومی خرچ پر سیر سپاٹے کے لئے جاتے ہیں۔ وہ اقوامِ متحدہ کے سامنے نہیں بلکہ اقوامِ متحدہ کی عمارت کے باہر فاصلہ پر ہائیڈ پارک کی طرح بنی ہوئی چھوٹی سی جگہ میں تقریریں کرتے، نعرے لگاتے اور کتبے دکھاتے ہیں۔

ہائیڈ پارک تو ایک وسیع و عریض میدان ہے جہاں ہر طرح کا میلہ لگا رہتا ہے۔ امریکہ میں یہ جگہ مختلف گروہوں کو تقسیم کر دی جاتی ہے۔ سڑک پر سے گزرتے ہوئے کوئی عالمی راہنما ایک جھلک دیکھنا پسند کرے تو اسے لوگ جھنڈے اٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یا کیمرہ مین، صحافی اور کسی ملک کے ٹیلیویژن والے فوٹو لینا چاہیں، نوٹ لینا چاہیں یا آواز ریکارڈ کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ جو وفود جاتے ہیں ان کے ہم وطن جو امریکہ میں آباد ہیں وہ اکٹھے ہو کر مظاہرہ کی رونق بڑھاتے ہیں۔ وہ مزدور پیشہ لوگ ہیں اور کام چھوڑ کر مظاہرے کرنے چلے جاتے ہیں۔ وہ گنتی کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ قابلِ تعریف لوگ ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ وفود میں شامل لوگ شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ وفد کا جو خرچہ حکومت انہیں دیتی ہے اگر وہ امریکہ میں آباد لوگوں کو دے دیا کریں تو وہ شاندار مظاہرے کر سکتے ہیں، لیکن یہ ایک ریت چلی آتی ہے۔ حالانکہ ان کے وفود کی امریکن اخبارات میں کوئی خبر، کوئی تجزیہ، کوئی تبصرہ تک نہیں چھپتا، البتہ بھارتی اخبارات بھارتی وفود کے متعلق اور پاکستانی اخبارات پاکستان سے گئے ہوئے وفود کے متعلق خبریں ضرور شائع کر دیتے ہیں جو بے مقصد، بے فائدہ اور لا حاصل ہوتی ہیں۔

محمد صدیق مرزا اپنے ملک کی آزادی، اتحاد، سالمیت، تحفظ، حقوق انسانی، اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی، قابض حکومتوں کے خلاف انسانی حقوق کی تنظیموں کے اجلاس میں کشمیریوں کی آواز بن کر گئے تو انہیں بہت سے تجربات حاصل ہوئے، کشمیریوں کے وفود اپنا اپنا نظریہ پیش کرنے کی بجائے اپنے اپنے آقاؤں کے ترجمان بن کر تقریریں کر رہے تھے، پاکستانی مقبوضہ کشمیر کا وفد بھارت کے کشمیریوں پر ظلم کی داستان سنا رہا تھا اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کا وفد گلگت و بلتستان کے وسیع

قید خانے میں رہنے والوں کی مظلومیت کے جواز میں آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے فل بینچ کے فیصلہ کا حوالہ دے رہا تھا۔

مرزا صاحب نے یہ باتیں سنائیں اور کہہ رہے تھے وہ ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کر رہے تھے۔ حالانکہ دونوں سچے تھے۔ مجھے مرزا صاحب نے ایک دلچسپ قصہ سنایا، کہنے لگے کہ جو یادداشت انہوں نے پیش کی تھی وہ کشمیر کی سچی اور صحیح تصویر تھی، کشمیر کے خوبصورت چہرے کو دونوں قابض حکومتوں نے زخمی کر دیا ہوا تھا، وہ یادداشت وفود میں شامل ممبروں کو بھی تقسیم کی گئی تھی۔

پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے وفد کے ساتھ ایک اجنبی آدمی بھی تھا۔ وہ اصل میں **آئی ایس آئی** کا کوئی افسر تھا۔ غالباً کشمیری وفد کی نگرانی کے لئے حکومت نے اسے ساتھ بھیجا ہوگا کہ آزاد کشمیر کا وہ وفد آزاد کشمیر کے اصل حالات نہ سنا دے۔ وہ بتا رہے تھے کہ وہ شکل وصورت سے بھی ملازم سرکار نظر آتا تھا، اس نے میرے پاس (مرزا صاحب کے پاس) آ کر سوال کیا کہ اس نے میمورنڈم پڑھ لیا ہے وہ صرف یہ جاننا چاہتا ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کو کس حکومت یا ادارے نے سپانسر کیا ہے، آپ کے اخراجات کون برداشت کر رہا ہے، اتنا زیادہ خرچہ کس نے کیا ہے؟۔ تو مرزا صاحب کہنے لگے کہ میں نے اسے جواب دیتے ہوئے پوچھا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے وہ بھارت کی حکومت ہمیں لکھ کر دے سکتی تھی؟ کیا بھارت ہمیں اس کے اخراجات دے سکتا تھا؟ تو وہ کہنے لگا کہ بھارت تو کبھی ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ اسی لئے تو اسے یہ بات کھٹکی ہے کہ آپ (مرزا صاحب) پاکستان کے ایجنٹ بھی نہیں اور بھارت کے ایجنٹ بھی نہیں ہو سکتے، کوئی تیسری طاقت ہے جس نے یہ خرچہ برداشت کیا ہوگا۔

مرزا صاحب کہنے لگے کہ جب میں نے اس کو بتایا کہ میں کشمیری ہوں، آزاد کشمیر کا رہنے والا ہوں، برطانیہ میں فیکٹری ورکر ہوں مجھے وطن کی آزادی عزیز ہے اور میں جو کچھ کماتا ہوں اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں اور جو بچتا ہے اسے آزادی کے حصول کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ ہماری کوئی حکومت یا کوئی ادارہ مالی مدد نہیں کرتا ہے۔ برطانیہ میں مقیم میرے ہم وطن بھی اس جدوجہد میں شریک ہیں، اور حلال کمائی میں سے ملک کی عزت ووقار اور آزادی کے لئے خرچ کرتے چلے آتے ہیں، مرزا صاحب کہنے لگے کہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کشمیر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بکاؤ مال نہیں ہیں، نہ وہ خریدے جا سکتے ہیں نہ جھکائے جا سکتے ہیں۔ نہ خوف زدہ کئے جا سکتے ہیں۔ مرزا صاحب ایک بار سے زیادہ دفعہ جنیوا میں گئے ہیں اور کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کے لئے عوام اور دوسری تنظیموں سے مدد حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کرتے رہے ہیں۔

صدیق مرزا کے کارناموں کی باتیں آگے آ رہی ہیں، میں ان کے سفر وحضر کا ساتھی ہوں، مقدس سفر بھی میں نے ان کے ساتھ کیا، وہ ایک نیک سیرت اور متقی و پرہیزگار ہیں، انہیں ماں باپ کی دعائیں خدا کے حضور مقبول بنا گئی ہیں،

اسی لئے وہ لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔ برطانیہ میں بھی جب مختلف سیاسی تنظیموں نے اتحاد کیا تو اس کا چیئر مین بھی مرزا صاحب کو متفقہ طور پر بنایا گیا، برطانیہ اور یورپ کے محاذ رائے شماری کے صدر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، انہیں شملہ معاہدہ یا دہلی ایکارڈ مایوس نہیں کر سکا، نہ وہ اس راہ میں چلتے ہوئے تھکے ہیں، وہ عزم و ہمت کے ہمالیہ ہیں۔ شرافت کا نمونہ ہیں، دیانت وخلوص کے پیکر ہیں، وہ ایک انجمن ہیں، ان کی شخصیت نے ہر طبقۂ فکر اور مکتب خیال کے لوگوں کو متاثر کر رکھا ہے، وہ ہمدردی، خلوص اور محبت کا پیکر بھی ہیں، ان کا آگے بھی ذکر آرہا ہے، اس لئے یہ جھلکیاں دکھلا کر اس خاندان کے دوسرے قابلِ احترام راہنماؤں کے بارے لکھنا چاہوں گا، یہ جھلکی اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ افرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

نسل در نسل قربانی

ہمارے کزن میاں امام علی مرحوم تھے، ان کے بھائی میاں غلام رسول مرحوم تھے، 1931ء کی تحریک آزادی میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا، میاں غلام رسول مرحوم اکتیس کے عشرہ میں برطانیہ چلے گئے تھے، وہ آزادی کی تحریکوں سے وابستہ رہے، میاں امام علی مرحوم ایک معلم، مدرس اور امام مسجد بھی رہے، ان کا بیٹا محمد بشیر انصاری معہ اہل و عیال برطانیہ چلا گیا تھا، امام علی مرحوم کا پوتا زبیر الحق انصاری ہے جو محاذ رائے شماری میں شامل رہا، اور بعد میں لبریشن فرنٹ جو محاذ رائے شماری کی ایک شاخ برطانیہ میں کام کر رہی تھی، اس میں شامل ہوگیا تھا۔ لبریشن فرنٹ نے جب ایک خود مختار جماعت کی حیثیت سے تنظیم نو کی تو وہ اس کا سیکرٹری جنرل چن لیا گیا تھا۔ اس نے وطن کی آزادی کے لئے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس نے بھارتی مظالم کے خلاف مظاہروں کا ریکارڈ قائم کر دیا، وہ لبریشن فرنٹ کے چیئر مین مسٹر امان اللہ خان کے ساتھ مل کر ریاست کی آزادی وخود مختاری کے لئے کام کرتا رہا، اس نے مسٹر امان اللہ خان سے الگ ہوکر ایک الگ تنظیم بھی بنالی تھی، وہ ایک شعلہ بیان مقرر اور ایک اچھا لکھاری ہے۔ اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں پر اسے عبور حاصل ہے۔

بھارتی سفارت کار کے برطانیہ میں قتل ہونے کے بعد برطانوی اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ اس کے تبصرے اور کشمیر کے متعلق بیانات شائع کرتے رہے، کشمیریوں کے خلاف سفارت کار کے اغواء اور قتل کا مقدمہ بنایا گیا تو اس کے قریبی رشتہ دار اس میں ملوث کئے گئے، برطانیہ میں ان کے خاندان کو بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ وہ خود

برطانیہ چھوڑ کر وطن مالوف میں آ گیا تھا۔لیکن یہ سب آزمائشیں اس نے مسکرا کر جھیلیں تھیں، اب بھی ریاست کے اتحاد، سالمیت اور آزادی کے لئے اپنے ہم وطنوں سے مل کر جدوجہد میں مصروف ہے، اس نے برطانیہ میں ہی تعلیم حاصل کی اور وہ اپنے بیوی بچوں سمیت وہاں ہی مستقل قیام پذیر ہے۔

زبیرالحق انصاری کے بڑے بھائی احسان الحق انصاری سب ساتھیوں سے بڑھ چڑھ کر جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں میں شریک رہے۔اور کشمیر کی آزادی کے لئے ابھی تک مصروف جہاد ہے، اور وہ اہل وعیال کے ساتھ برطانیہ میں مقیم ہیں۔اپنے آبائی وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔اس نے آزاد کشمیر کے تقریباً تمام اضلاع کا دورہ کیا، اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عوام کو خطاب کرتے ہوئے انہیں وطن کی آزادی کے لئے تن من دھن قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنے کو کہا، انہیں بتایا کہ ہر قوم کی خوشحالی اس کی آزادی کی مرہونِ منت ہے۔آزادی کے بغیر ملکی وسائل پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا، اغیار کے قبضہ میں ملک ہو تو عوام کیسے خوشحال ہو سکتے ہیں۔

زبیرالحق انصاری کے ماموں پنوں انصاری ہیں، وہ بھی ہمارے ساتھ تحریک آزادئ کشمیر میں شریک چلے آتے ہیں، ان کے بھائی محمد حسین انصاری عوامی کانفرنس کے سرگرم کارکن تھے، برطانیہ میں جا کر شہریت بھی حاصل کر لی تھی۔ ایک کشمیری نژاد برطانوی آزادی کے لئے دن رات محنت کرتا رہا، منگلا ڈیم کی تعمیر کے خلاف برطانیہ میں احتجاجی جلوسوں کو منظّم کرتا رہا، وہ اپنے ساتھیوں سمیت میرپور کے لوگوں کو ان کے گھروں سے اجاڑنے کے خلاف سراپا احتجاج بن چکا تھا، اس کا یہ مطالبہ قانون کے عین مطابق تھا کہ پاکستان کو ایک متنازعہ ریاست میں ڈیم بنانے کا کوئی آئینی، اخلاقی اور قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

ہمارے ان کشمیری بھائیوں کی تحریک مزاحمت اس لئے کامیاب نہ ہو سکی کہ پاکستان میں مارشل لاء کی حکومت تھی، بھارت بھی پاکستان کے اس منصوبے کی نہ صرف حمایت کر رہا تھا بلکہ اس منصوبہ کے لئے اس نے مالی مدد بھی کی تھی۔ ورلڈ بینک نے ہماری آواز پر کان نہ دھرے، دوسرے یورپی ممالک اور امریکہ نے بھی ایک چھوٹے ملک کی فریاد نہ سنی۔ بھارت کی اس چال نے اسے کشمیر کے دریاؤں پر قبضہ کرنے کا حق دے دیا، پاکستان کے لئے یہ خسارے کا سودا تھا، لیکن اس نے فوجی قوت کے بل بوتے پر لاکھوں کشمیریوں کو اجاڑا اور انہیں بے گھر کر دیا۔اور انہیں حق خودارادیت سے محروم کیا، البتہ ان کشمیریوں کی جدوجہد سے متاثرین منگلا ڈیم کی اشک شوئی کے لئے پاکستان کو متبادل زمین دینی پڑی اور اسے معاوضہ کی رقم میں بھی اضافہ کرنا پڑا۔

محمد حسین انصاری کے بھائی بھی اس کی جدوجہد میں شریک رہے، ان کے بڑے بھائی پنوں انصاری بھی معہ اہل وعیال برطانیہ کی شہریت حاصل کر چکے ہیں۔ان کا اکلوتا بیٹا ظہور احمد انصاری ہے۔وہ اپنے گھرانے کا قابل فخر فرزند

ہے۔اس کی تحریکِ آزادی کے لئے بے لوث خدمات تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، وہ برطانیہ میں محاذ رائے شماری کی تنظیم میں شامل ہوکر جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہوتا رہا، بھارتی ہائی کمیشن کے دفتر کے سامنے احتجاجی جلوسوں میں شامل ہوکر مسئلہ کشمیر کو اجاگر کرنے میں اپنے راہنماؤں کی مدد کرتا رہا، وہ جان پر کھیل کر بھارتی مقبوضہ کشمیر کے دورے بھی کرتا رہا۔

مسٹر امان اللہ خان اس فرزندِ کشمیر کے ذریعے اپنے گوریلا جانبازوں کے لئے خفیہ سیل بناتا رہا، ظہور احمد انصاری ان کے کہنے پر سرینگر تک پہنچا، اس کا یہ دورہ اتنا خفیہ ہوتا تھا کہ ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں تک کو اس کا علم نہیں ہوسکا تھا۔البتہ اس نے ایک بار مجھے واپس آکر وہاں کے حالات سنائے تھے، جن کا تذکرہ تحریک کے لئے نقصان دِہ ہے۔اس لئے اس کو ایک راز ہی رکھنا مناسب ہے۔ وہ سیاسی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔اس کی تربیت برطانیہ کے آزاد ماحول میں ہوئی ہے اور اس کے تمام بزرگ تحریک آزادیٔ کشمیر کے سرگرم راہنما اور کارکن ہیں، اس لئے اسے کشمیر کی تاریخ اور جغرافیہ کا بھی علم ہے۔اور وہ اپنی کشمیری قوم کی محکومی، مجبوری اور مظلومیت سے بھی پوری طرح آگاہ ہے۔جب وہ سرینگر سے واپس آکر مجھے ملا تو اس نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آزاد کشمیر بھی تو ایک غلام ملک کا غلام حصہ ہے۔اس پر بھی ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں، اس وقت آزاد کشمیر میں ایک حاضر سروس بریگیڈیئر محمد حیات خان آزاد کشمیر کے چیف ایگزیکٹو اور صدر تھے، میں نے کوشش کی کہ اس کو امید دلاؤں تاکہ وہ ہمت نہ ہارے، اور جدوجہد جاری رکھے۔لیکن اسلام آباد ایئرپورٹ پر جو اس سے سلوک کیا گیا وہ اس سے دل برداشتہ ہوگیا تھا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے اسے ایئرپورٹ کے حکام سے ضرور چھڑا لیا تھا اور میرپور آنے کے لئے اس کی راہ ہموار ہوگئی تھی۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے جس کو بھی تحریک آزادی کو نقصان سے بچانے کے لئے صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے۔اس کا پاسپورٹ ضبط کرلیا گیا تھا اور اس نے میرے مشورہ کے بعد برٹش سفارت خانے میں جاکر نیا پاسپورٹ حاصل کیا تھا، اور اپنے جماعتی ساتھیوں کو بتائے بغیر چھپ چھپا کر برطانیہ چلا گیا تھا۔ وہ برطانوی شہری ہے۔اس نے انتہائی سادگی سے مجھے کہا کہ آزادی کا رخ موڑ لیں۔اس پر ضرور غور کریں کہ کیا تحریک آزادی کو ہائی جیک تو نہیں کر لیا گیا ہے۔اور آزاد کشمیر کے لیڈروں کو پٹڑی سے اتار تو نہیں لیا گیا ہے۔اس میں کیا منطق ہے کہ تحریک کے راہنما ایک قابض ملک کے حکمرانوں سے مل کر دوسرے قابض ملک کے خلاف جدوجہد کررہے ہیں۔اس کا اندازہ کتنا صحیح ہے کہ دونوں قابض ملک ایک دن اکٹھے ہوجائیں گے اور ہمارا ملک تقسیم کرکے آپس میں بانٹ لیں گے۔

یقیناً ایسے ایسے بہادر لوگ موجود ہیں جو مصروفِ جہاد ہیں اور وہ کبھی بھی نہ آزادی کے مطالبہ سے دست بردار ہوں گے اور نہ ہی وحدت وسالمیت کے خلاف کسی سازش کو کامیاب ہونے دیں گے، وہ اپنی اولاد کی پرورش میں مصروف ہونے کے باوجود اس پُرخار وادی میں مستانہ وار چل رہا ہے، وہ اپنے والد اور ہمارے کزن کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھے

ہوئے ہے۔

ہمارے کزن محمد پنوں انصاری کے داماد محمد معصوم انصاری ہیں۔ وہ بھی معہ اہل وعیال برطانیہ میں رہتے ہیں، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، انہوں نے 14/15 سال کی عمر میں سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ ایک منجھے ہوئے سیاست دان ہیں، تحریک آزدیٔ کشمیر سے نہ صرف وابستہ ہیں بلکہ ان کے دل میں آزادی کا عشق ہے، یہ وہ آگ ہے جو بجھائے نہ بجھے، برطانیہ میں قدم رکھتے ہی انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو غلامی سے نفرت دلانی شروع کر دی تھی۔

وہ خودمختار کشمیر کی حامی پارٹیوں کے اتحاد جس کا نام محاذ رائے شماری رکھا گیا تھا، اس میں صفِ اوّل کے راہنما کا کردار ادا کرتے رہے۔ انہیں راہنما بننے کا کبھی شوق نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ عہدوں کے پیچھے نہیں بھاگتے ہیں، آزادی کی تحریک میں وہ ہر اس شخص کا ساتھ دینے کو تیار رہتے ہیں، جو اپنے وطن عزیز کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہو۔ وہ بڑے ذہین اور معاملہ فہم ہیں۔ انہوں نے برطانیہ جا کر محسوس کیا کہ وہ جب تک برطانوی سیاست میں حصہ نہیں لیں گے وہ برطانیہ کے سیاست دانوں کی ہمدردیاں کشمیر کاز کے لئے حاصل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے لیبر پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی، وہ اتنے مقبول ہو گئے تھے کہ لیبر پارٹی کے چوٹی کے راہنما ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی بات سنتے تھے۔

میں جب برطانیہ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلہ کے مطابق تحریک آزادی کشمیر کے لئے اپنے ہم وطنوں کو متحد کرنے اور برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبروں سے اپنے نظریۂ خودمختاری کی حمایت حاصل کرنے کے لئے گیا تھا تو اس وقت یہی راہنما میرے کام آئے تھے۔ برطانوی کابینہ کے ایک بااثر ممبر ڈینس ہاول سے میری ملاقات ان کی وساطت سے ہوئی تھی، اس ملاقات کا ذکر آگے آئے گا۔

میں یہ بتا رہا ہوں کہ محمد معصوم انصاری نے اپنے کردار اپنے خلوص اور ایثار سے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ وہ لبرل ڈیموکریٹ پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور برمنگھم سٹی کونسل کے کونسلر منتخب ہوئے تھے، انہیں انگریزوں اور کشمیریوں کے علاوہ دوسری قوموں کے لوگوں نے بھی ووٹ دیئے تھے، وہ جہاں بھی گئے انہوں نے مسئلہ کشمیر کو تمام مسائل پر ترجیح دی اور اپنی قومی آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کو جاری رکھا۔

محاذ رائے شماری (برائے آزاد کشمیر و پاکستان) کے لئے مالی مدد بھی کرتے رہے اور دوسروں کو بھی فنڈز جمع کرنے کے لئے ساتھ ملاتے رہے۔ اندرون ملک جب محاذ کے راہنماؤں کو آزمائشوں سے گزرنا پڑا تو انہوں نے برطانیہ کے اندر ایسی فضا پیدا کر دی کہ حکومت پاکستان کو نرم رویہ اختیار کرنا پڑا۔

بھارت کا سفارت خانہ تو اپنے وظیفہ خواروں کے ذریعے ان کی نگرانی کرتا رہا، بھارتی ہائی کمیشن کے دفتر کے

سامنے مظاہرے کرنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ پاکستان میں مارشل لاء لگایا گیا تو وہ برطانیہ میں اس کے خلاف مظاہرے کرنے والوں میں شامل رہے۔ وہ جمہوریت، آزادی اور انصاف کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔

محمد حسین انصاری مرحوم، محمد معصوم انصاری اور ان کے بھائی محمد یونس انصاری نے بیرون ملک اپنے وطن کی آزادی کے لئے مثالی کام کیا۔ محمد معصوم انصاری کے بڑے بھائی حافظ عبدالقیوم انصاری ذہین، فطین اور سنجیدہ سیاسی راہنما ہیں۔ وہ اپنے حلقے میں انتخابات میں بھی کامیاب ہوتے رہے۔ اور اپنے حلقۂ انتخاب میں ان کی خدمات کو سراہا جاتا ہے، وہ نہ صرف خود مختار کشمیر کے زبردست حامی ہیں بلکہ وہ ایک مبلغ کے فرائض ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

چک سواری کا حلقہ سرکار نواز چلا آتا ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کے کچھ لوگ سرکاری ملازم ہیں۔ اور اہم عہدوں پر بھی فائز رہے ہیں، اس میں ان کی سیاست کا واحد مقصد سرکار کی خوشنودی اور اپنی کرسی کا بچاؤ ہے، لیکن اس کے باوجود وہ زمین بنجر نہیں ہے۔ اس میں انقلابی لوگ بھی موجود ہیں۔ حافظ عبدالقیوم انصاری عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے بانیوں میں سے ایک ہیں، ان کی کوئی غرض نہیں ہے، ان کے سامنے کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے۔ وہ سیاست کو تجارت نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ اس سے انہیں نوعِ انسانی کی بھلائی مقصود ہے۔

سطورِ بالا میں محمد حسین انصاری کا ذکر آیا ہے۔ وہ ہمارے کزن سلطان محمود انصاری کے داماد تھے، اور سلطان محمود انصاری مرحوم برادر بزرگ میاں عبدالغنی انصاری مرحوم کے بھائی تھے۔ میاں سلطان محمود انصاری مرحوم کے بیٹے محمد سلیم انصاری برطانیہ میں محاذ رائے شماری بنانے والوں کے دست و بازو تھے۔

اور اب بھی وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے دامے، درہمے، سخنے، قلمے مصروف جہاد ہیں، برطانیہ میں رہنے والے ہمارے عزیز و اقارب اور دوسرے ہم وطن بھی کارخانوں میں کام کرتے ہیں، ہفتہ بھر کے تھکے ہوئے یہ لوگ وقت نکال کر جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہوتے ہیں، مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، یہ لوگ ہماری کشمیری قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ کشمیری قوم کی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنے ملکی وسائل سے محروم ہے، اس پر قابض قوتوں نے قبضہ کر کے اسے معاشی طور پر کنگال کر دیا ہے۔ روزی اور روزگار کی تلاش میں وطن کے فرزندوں کو وطن سے دور جا کر زندگی بسر کرنی پڑی۔ لیکن اس کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ہمارے ملک کے سفیر بن کر اپنے وطن کی آزادی کے لئے آزاد قوموں کی رائے عامہ کو ہموار کر رہے ہیں، پاکستان اور بھارت دونوں ملک یورپ، امریکہ اور وسط ایشیاء کے ممالک کو دھوکہ نہیں دے سکتے کہ کشمیر ان کی شہ رگ یا اٹوٹ انگ ہے۔ وہ ممالک کشمیریوں کی بات سنتے ہیں۔ اور ان کی امداد کے لئے بھی انہیں یقین دلاتے ہیں۔ یہ دونوں ملک اکٹھے بیٹھ کر جب بھی کشمیر سے متعلق بات چیت کرتے ہیں تو ان کے کانوں میں دنیا کے حکمرانوں، سیاست دانوں، دانشوروں کی یہ آواز گونجتی ہے کہ کشمیریوں کی مرضی اور خواہشات کے مطابق فیصلہ کیا جائے،

کشمیریوں کو اب دنیا واحد اور اصل فریق اور کشمیر کا مالک سمجھنے لگی ہے۔ ان دونوں ملکوں کی بنائی ہوئی حکومتیں کنٹرول لائن کے دونوں طرف نہ ہی آزاد ہیں، نہ ہی انہیں سفارتی سطح پر کام کرنے کی اجازت ہے۔ ان حکومتوں کے نمائندے بیرونی ملکوں کے دورے پر جاتے ہوئے اپنے آقاؤں سے احکامات وصول کرتے ہیں اور اپنے حکمرانوں سے ڈکٹیشن لیتے ہیں، ان کے اصل حاکم ان پر اعتماد نہیں کرتے اور ان کے ساتھ اپنے ''خفیہ والوں'' کو بھی شامل کر دیتے ہیں جو ان کی پوری طرح نگرانی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے دل کی بات نہ بتا سکیں۔

ان وفود میں شامل لوگ اپنے آقاؤں کی بولی بولتے ہیں لیکن ان کے دل اپنے عوام کے ساتھ دھڑکتے ہیں، آزادی کی نعمت سے کون انکار کرسکتا ہے، تاریخ کشمیر کا مؤرخ ان پردیسی کشمیریوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوگا، لیکن یہ وہ دن ہوگا جب کشمیر میں آزادی کا سورج طلوع ہو چکا ہوگا۔ حافظ عبدالقیوم انصاری کے چچا محمود نظامی کا ذکر آئے گا۔ وہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ کشمیر کی تحریکِ آزادی کو فلسطین کے مجاہدوں کی طرح چلایا جائے۔

ان مجاہدوں نے سمندروں، خشکیوں، جنگلوں، صحراؤں اور میدانوں میں دشمن کا پیچھا کر رکھا ہے۔ اس طرح کشمیری بھی اپنے دشمنوں کا پیچھا کریں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس پر چل کر آزادی کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، برادرم سلطان محمود رحمہ اللہ انصاری اور برادر میاں عبدالغنی انصاریؒ کو ایک غلط رپورٹ پر پولیس پکڑ کر تھانہ لے جارہی تھی، اور پولیس کے کانسٹیبلان بار بار ان سے پوچھتے تھے کہ ان کا کوئی جاننے والا ہے۔ انہیں بتایا جائے۔ وہ نئے نئے تھانہ میں تعینات ہوئے تھے۔ وہ سینہ تان کر پولیس کے ساتھ چل رہے تھے۔ اور برادرم میاں سلطان محمود انصاریؒ نے کہا کہ ان سے تعلق رکھنے والے خود تھانہ آ جائیں گے۔

بدوں کسی وارنٹ یا پرچہ کاٹنے کے انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔ تھانیدار باہر سے آیا، اس کے ساتھ کوئی بازار کا آدمی بھی تھا، جس نے دیکھ کر تھانیدار کو بتایا کہ یہ انصاری صاحب (راقم) کے بھائی کس جرم میں حوالات میں بند کئے گئے ہیں تو اس نے دیکھ کر ان سے معافی مانگنی شروع کر دی، حوالات سے انہیں نکالا، سپاہیوں کو ڈانٹا، ان سے معافی منگوائی اور انہیں انتہائی عزت سے رخصت کیا۔

اصل میں کسی حاسد نے ان بھائیوں کو دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مکان بنانے کے جرم کی نشاندہی کی تھی۔ یہ وہ بہادر لوگ تھے جنہیں حوالاتیں، جیلیں، مقدمے، سزائیں، قرقیاں ڈرا نہیں سکتی تھیں۔ اس کا مفصل ذکر آگے چل کر آئے گا۔ محمد ادریس انصاری صاحب جب تک صحت مند رہا، محاذ رائے شماری کے سرگرم کارکنوں کے ساتھ ہر تحریک میں شامل رہا، سلطان محمود انصاری کا بیٹا محمد ادریس انصاری بیماری کے باوجود سیاست کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہے۔ ان کے دوسرے بیٹے محمد نعیم کا بھی یہی حال ہے۔ وہ برطانیہ میں مقیم ہے۔ اور کشمیر کی خودمختاری کی تحریک کو آگے بڑھانے

کے لئے ہر طرح کا تعاون کرتا چلا آتا ہے۔ ہمارے گھرانے کے بچے نوجوان اور بزرگ سب پولیس کی لاٹھیاں بھی کھاتے رہے، جیلیں بھی کاٹتے رہے، انہیں جلاوطن بھی کیا جاتا رہا، لیکن انہوں نے آزادی سے منہ نہیں موڑا۔ اب تیسری نسل بھی اسی راہ پر چل رہی ہے، دراصل یہ خدا کے رسولوں کی راہ ہے اور اس پر چل کر ہی دین، دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

ہمارے کزن حضرت مولانا محمد شفیع اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی پاکیزہ زندگی بسر کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن وہ اپنی انمٹ یادیں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں، لیکن مؤرخین نے اس طرف توجہ نہ دی، اور نہ ہی کھوج لگانے کی کوشش کی کہ وہ کون کون ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنے خون سے شمع آزادی کو ایسا روشن کیا تھا کہ دشمن قوتوں کی فوجی یلغار اور آندھیاں بھی اسے بجھا نہ سکیں۔ میں یہاں اس کا مختصراً تذکرہ کروں گا، تفصیل کے لئے اس کتاب کے تنگ دامن میں جگہ موجود نہیں ہے۔

1931ء کی تحریک آزادی کشمیر میں مجلس احرارِ اسلام نے کشمیر چلو کشمیر چلو تحریک چلا کر کشمیریوں کا ساتھ دیا تھا۔ میاں محمد شفیع مرحوم نے ان سرخ پوش جتھوں میں شامل ہو کر میرپور کو ڈوگرہ حکومت کا شمشان بنا دیا تھا، وہ لوگوں کو رضاکارانہ طور پر گرفتاری دینے کے لئے تیار کرتے تھے اور انہیں پولیس تھانہ میں چھوڑ آتے تھے۔

حکومت کی تمام ایجنسیاں انہیں تلاش کرنے کے باوجود ان کا سراغ نہ پا سکی تھیں۔ وہ تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے تھے۔ میرپور میں بغاوت کی آندھیاں چل رہی تھیں، ان کی تقریروں نے آزادی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، بالآخر جب وہ گرفتار ہوئے تو انہیں جموں میں پس دیوارِ زنداں کر دیا گیا، مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس جن باغیوں کی فہرست تھی وہ اس میں سرفہرست تھے۔ انہیں سرکار کے حکم سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

وہ پہلے سیاسی راہنما تھے جنہیں ٹکٹکی چڑھا کر کوڑے مارے گئے تھے، اس ظلم و تشدد کے باوجود ان کی زبان سے یہی نعرے بلند ہوتے تھے............

"حق کا بول بالا راجہ کا منہ کالا"
اسلام کا بول بالا دشمن کا منہ کالا

انہوں نے سزائیں کاٹیں، تشدد برداشت کئے، اور جب رہا ہوئے تو تحریک کو جاری رکھا، وہ پنجاب کے ضلع جہلم کے پنجور کے علاقہ میں دینی تعلیم دینے کے لئے چلے گئے تھے۔ وہ امام مسجد بھی تھے، مختلف جگہوں پر انہوں نے امامت کے فرائض ادا کئے اور آخری عمر میں بن خرماں میرپور شہر میں آ کر آباد ہوئے اور امام مسجد کے فرائض ادا کرتے رہے، خطبہ جمعہ دیتے رہے، وعظ و نصیحت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے، محاذ رائے شماری اور اس سے پہلے عوامی کانفرنس کا

ساتھ دیتے رہے، ان کے بھائی محمد عبداللہ انصاری تھے عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک کے ختم ہونے کے بعد برطانیہ چلے گئے تھے اور وہاں انہوں نے شادی کر لی تھی، ان کے اولاد بھی تھی، لیکن نہ وہ خود وطن واپس آئے نہ ہی ان کا کوئی بیٹا یہاں آیا۔

ماسٹر فیض عالم انصاری لاہور سے فارغ التحصیل ہو کر میرپور آئے تھے اور انہوں نے میرپور شہر میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے......

''پیٹ کے بھوکے آ پہنچے بھائی آ پہنچے''۔

کے نعرے لگوا کر ڈوگرہ شاہی کے خلاف احتجاج کیا تھا، میاں محمد شفیع اللہ مرحوم کا بیٹا محمد خلیل انصاری مدرس تھا جو اب ریٹائرڈ ہو چکا ہے۔ میاں محمد شفیع اللہ مرحوم کے نواسے محمد مسکین عاصی ہیں، جو آج بھی سیاست میں سرگرم ہیں۔ وہ محاذ رائے شماری کے نائب صدر ہیں۔ نیویارک میں اقوامِ متحدہ کے دفتر کے سامنے کشمیر کی آزادی کے لئے مظاہرے کرتے رہے ہیں۔ جیل میں بھی رہے۔ انہوں نے منگلا ڈیم کے خلاف ہر تحریک کا ساتھ دیا، اور ایم ڈی اے کے خلاف تحریک کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

ایم ڈی اے کی تحریک اصل میں پاکستانی فوج کے ایک حاضر سروس بریگیڈیئر کو آزاد کشمیر کا صدر بنائے جانے کے خلاف ایک احتجاج تھا، پاکستان میں مارشل لاء کی حکومتوں کے خلاف بغاوت کا اعلان تھا۔ بریگیڈیئر حیات خان ایک شریف النفس انسان تھا، اس نے محاذ رائے شماری کے راہنماؤں کے خلاف کبھی غلط زبان استعمال نہ کی تھی۔ محاذ کے راہنما بھی ان کی عزت کرتے تھے، خدا انہیں غریقِ رحمت کرے۔ وہ ذاتی طور پر بھلے مانس اور شریف تھے، لیکن محاذ اصولوں پر سودے بازی نہیں کر سکتا تھا۔

محاذ ملک میں ایک جمہوری حکومت کے حق میں تھا اس لئے انہوں نے اس تحریک کا بیڑا اٹھایا تھا، عوام کے حقوق بحال کرانے کے لئے انہوں نے جیلیں بھر دی تھیں، محمد مسکین عاصی بچپن سے محاذ رائے شماری کے ایک کارکن تھے اور محاذ ایسے نوجوانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا چلا آتا ہے، ان کے نانا مرحوم کا ذکر ہو رہا ہے، وہ معلم بھی تھے، مدرس بھی، واعظ بھی تھے، سیاست دان بھی اور خوش الحان قاری اور خطیب بھی تھے، ان کے بھائی میاں عبداللطیف انصاری مرحوم بھی اس تحریک میں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیتے رہے، وہ بھی امام مسجد رہے، بن خرماں میں ہی ان کی اولاد آباد ہے، وہ خود خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔

انہوں نے بھی اپنی اولاد کو ورثہ میں یہی تعلیم چھوڑی ہے کہ مردِ مومن کا سرمایہ ہے آزادی یا مرگ۔ مولوی عبداللطیف مرحوم جوانی میں ایک مشہور فنکار تھے، جوانی کے دور میں ڈراموں میں حصہ لیتے رہے، لیکن دینی تربیت نے انہیں مسجد میں لا کر عبادت کرنے کے لئے بٹھا دیا تھا۔ ان کے دلوں میں سوائے اللہ کی ذات کے کسی کا خوف نہ تھا، کاش

کوئی اہل قلم ان کی زندگی کے حالات قلمبند کرتا، وہ حالات آنے والی نسلوں کے لئے آگے بڑھنے میں ممد ثابت ہو سکتے تھے، یہ لوگ منارہ نور تھے، ان سے روشنی حاصل کر کے غلامی کی تاریک راتوں کو روشن کیا جا سکتا تھا۔ ان کے ایک بھائی میاں ستار محمد انصاری تھے جن کا آگے ذکر آ رہا ہے۔

میاں ستار محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں انب میں چلے گئے تھے، اور انہوں نے حجرہ نشینی اختیار کر لی تھی، وہ اپنے وقت کے ولی اللہ تھے، ذکر و فکر میں غرق رہتے تھے، وہ معلم بھی تھے۔ قرآن پاک بھی پڑھاتے تھے، خود انہیں دنیا سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ ہر وقت آخرت کی فکر میں رہتے تھے، گلے میں تسبیح ڈال رکھی تھی، صبح و شام، دن رات ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اپنے وقت کے فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ علماء ان سے فقہی مسائل پوچھنے جایا کرتے تھے، انب گاؤں کے لوگ انہیں اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے۔ ساری عمر مسجد اور اس کے حجرہ میں گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کا ایک نامور بیٹا تھا۔ جس نے ملک کی آزادی کے لئے ساری عمر جدوجہد میں گزاری۔ وہ مولانا محمد صادق انبوی کے نام سے مشہور تھا۔

مولانا محمد صادق انبویؒ اپنے والد سے بہت مختلف تھے، وہ مجاہد تھے، بہت اچھے مقرر تھے۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور فوجیوں کی امامت بھی کرتے تھے، انہیں جہاد کے لئے تیار بھی کرتے رہتے تھے، وہ کسی راجہ یا انگریز کی فوج کے سپاہی نہ تھے بلکہ آزاد فوج کے مجاہد تھے، کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہوئی تو انہوں نے ڈوگرہ اور بھارت کی فوج کا مقابلہ کیا، وہ اگلی صفوں میں کھڑے ہو کر دشمن کو للکارتے رہے، وہ یقین رکھتے تھے کہ صرف مسلح جدوجہد سے ہی ملک کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

1947ء میں وہ بیک وقت ایک سیاسی راہنما، ایک مذہبی قائد اور ایک مسلح فوجی سپاہی تھے، مسلم کانفرنس جب مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی تو اس وقت وہ سردار محمد ابراہیم خان سابق صدر حکومت آزاد کشمیر کی پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ اس وقت مسلم کانفرنس میر واعظ یوسف شاہ گروپ، مسلم کانفرنس عباس گروپ اور مسلم کانفرنس ابراہیم گروپ میں تقسیم ہو چکی تھی، یہ گروپس ایک دوسرے کے مخالف تھے لیکن وہ مسلم کانفرنس کے مقابلہ میں کوئی دوسرے نام کی جماعت اس لئے نہیں بناتے تھے کہ وزارتِ امورِ کشمیر صرف مسلم کانفرنس کو ہی تسلیم کرتی تھی، اور اسے ہی آزاد کشمیر کی عنانِ حکومت سنبھالنے کی دعوت دیا کرتی تھی۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وزارتِ امورِ کشمیر صرف اس مسلم کانفرنس کے گروپ کو تسلیم کرنے لگی جو عباس مسلم کانفرنس کے نام سے موسوم تھا، اس میں قدرت اللہ شہاب کا خفیہ ہاتھ تھا جو نوکر شاہی کا ایک با اثر پرزہ تھا، وہ صدر حکومت کے بہت قریب تھا، اور پاکستان کے صدران پر اس لئے بھی اعتماد کرتے تھے کہ وہ انہیں کشمیر کے معاملہ میں ایکسپرٹ سمجھتے

تھے، وہ جموں کے رہنے والے تھے، اس سے ان کا جموں کے رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس مرحوم کی طرف جھکاؤ تھا۔ اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس (عباس گروپ) کو اکثریت کی حمایت حاصل نہ رہی تھی، آزاد کشمیر کے لوگ انتخابات کے حق میں تھے، لیکن یہ گروپ اس کے خلاف تھا۔ مہاجرین کا کوئی حلقہ انتخاب نہ تھا۔ بعد میں یہ گروپ ایک طویل مدت تک بدوں انتخابات آزاد کشمیر کا حکمران رہا، اگرچہ درمیانی عرصہ میں میر واعظ محمد یوسف شاہ مرحوم اور سردار محمد ابراہیم خان مرحوم بھی وزارتِ امورِ کشمیر کی طرف سے صدر نامزد کئے جاتے رہے۔ اس وقت کوئی اپوزیشن جماعت موجود نہ تھی۔ نہ لبریشن لیگ کا وجود تھا۔ نہ پیپلز پارٹی بنی تھی، نہ عوامی کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

مولانا محمد صادق انبوی نے علاقائی قیادت کا ساتھ دیا اور وہ سردار محمد ابراہیم خان مرحوم کی پارٹی کے ممتاز راہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔ جب منگلا ڈیم کے خلاف تحریک چلانے کے الزام میں ہمیں گرفتار کیا گیا تھا تو پولیس ہمارے گھروں کی تلاشی کے وقت مولانا محمد صادق انبوی کو ساتھ لے کر گئی تھی۔ عوامی کانفرنس کے کارکنوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ انٹی منگلا ڈیم فرنٹ بھی بن چکا تھا۔ چک ہریام میں جلسہ کرنے کے بعد ہمارے خلاف مقدمہ بنا تھا۔ اور جب ہمارے گھروں کی تلاشی لی گئی تھی تو اس وقت میرے گھر سے چند پونڈ بھی نکلے تھے اور پولیس نے شور مچادیا تھا کہ غیر ملکی کرنسی ملی ہے۔ پنکھ سے پکھیروں کی مثال سنتے آئے تھے، ایسا ہی ہوا تھا۔

حکومت نے ہمیں دشمن کا ایجنٹ ثابت کرنے کے لئے یہ الزام بھی لگایا تھا کہ بھارتی کرنسی کی بھری ہوئی بوریاں بھی ملی ہیں۔ مولانا محمد صادق انبویؒ کو فردِ ضبطی کا گواہ بنایا گیا تھا۔ جب مقدمہ شروع ہوا تھا تو استغاثہ کے پیروکار انہیں اپنے دفتر میں بلاتے تھے، وہ ایک آدھ دفعہ گئے تھے لیکن جب انہوں نے پولیس کو بتایا کہ جو پونڈ ملے تھے وہ تو ان کے بھائی کے تھے، (یعنی راقم کے بھائی محمد صادق انصاری کے تھے جو انگلینڈ سے گھر آئے ہوئے تھے)۔

استغاثہ انہیں کیسے عدالت میں بطور گواہ پیش کرسکتا تھا، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ میں بتا رہا تھا کہ وہ ہمارا بھتیجا تھا۔ شجرہ نسب مشمولہ سے اچھی طرح پتہ چل سکے گا۔ محمد صادق انبوی مرحوم کو میں نے بیت اللہ شریف کے باہر حج سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا۔ حج کی ادائیگی کی خوشی میں اس طرح ناچ رہا تھا جس طرح موسم برسات میں بارش میں بچے ناچتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت وہ دادا اور نانا بھی بن چکے تھے، کہنے لگے کہ یہ ایک آخری فرض باقی رہ گیا تھا۔ اب موت جب چاہے آجائے اسے خوشی سے گلے لگاؤں گا۔

وہ خود بھی برطانیہ چلے گئے تھے۔ ان کی ساری اولاد برطانیہ میں آباد ہوچکی ہے۔ یہ ہمارے مذہبی ماحول کا اثر تھا، جس نے ہر شخص کو دین کا فدائی بنادیا تھا۔ محمد صادق انبوی مرحوم مولانا محمد شفیع مرحوم کے حقیقی بھتیجے تھے، وہ بھی عالم و

مدرس تھے۔ وعظ و نصیحت ان کا پیشہ تھا۔ وہ بھی امام مسجد رہے، یہ گھرانہ ولیوں، صوفیوں اور مجاہدوں کا گھرانہ تھا۔ حضرت مولانا محمد شفیع اللہ مرحوم کے داماد غلام حسین انصاری صاحب، ماسٹر غلام حسین انصاری ایلیمنٹری کالج کے پرنسپل رہے۔ وہ ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول کے فرائض بھی ادا کرتے رہے اور اب ریٹائیرڈ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آزاد کشمیر کے طلباء کی بدقسمتی ہے کہ انہیں ریاست جموں کشمیر کا جغرافیہ اور تاریخ نہیں پڑھائی جاتی اور جو جغرافیہ پڑھایا گیا ہے اس میں آزاد کشمیر کا حدود اربعہ یوں دکھایا گیا ہے کہ شمال میں گلگت و بلتستان ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم نے جمہوریت کی بحالی کے لئے چار جماعتی اتحاد بنایا تھا تو اس وقت رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے پبلک جلسوں کا اہتمام وانتظام کیا گیا تھا۔ ایک جلسہ میں جب میں نے دورانِ تقریر ایک طالب علم سے جغرافیہ منگوایا تھا، یہ جلسہ غالباً عباس پور کے اسکول میں ہوا تھا۔ وہ طالب علم جغرافیہ کی کتاب لے کر آیا اور میں نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے بتایا تھا کہ طلباء کو یہ جغرافیہ اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ کشمیری بچے اپنے وطن کے رقبہ اور حدودِ اربعہ سے واقف نہ ہوسکیں۔

اس جلسہ میں آزاد کشمیر کی دو مقتدر ہستیاں بھی موجود تھیں، آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد ابراہیم خان اور سابق صدر سردار محمد عبدالقیوم خان بھی تشریف فرما تھے۔ چار جماعتی اتحاد کے اعلامیہ میں ریاست جموں کشمیر کی وحدت اور سالمیت کے لئے جدوجہد کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ اور گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر میں شامل کر کے اسے اسمبلی اور دیگر اداروں میں نمائندگی دینے کا بھی مطالبہ شامل تھا۔ ریاست کو ایک ناقابلِ تقسیم سیاسی وحدت قرار دیتے ہوئے گلگت و بلتستان کو اس کا جزو لاینفک قرار دیا گیا تھا۔ یہ سیاسی جماعتوں کا مشترکہ جلسہ تھا، اس میں تمام سیاسی جماعتوں کے نامور راہنما شامل تھے۔ اس وقت میں نے یہ سوال کیا تھا کہ اگر گلگت و بلتستان آزاد کشمیر کا حصہ نہیں ہے تو بتاؤ کیا یہ پاکستان، ہندوستان، چین، روس اور افغانستان کا حصہ ہے۔ سب نے کہا جھوٹ ہے، جھوٹ ہے۔ اور نصابِ تعلیم بدلنے کا مطالبہ کیا تھا۔ کشمیر کا جغرافیہ اور تاریخ پڑھانے کی پرزور حمایت کی تھی، لیکن ایسا آج تک نہ ہوسکا۔

ماسٹر غلام حسین انصاری وسیع المطالعہ شخص ہیں اور اب ملازمت کی گھٹن سے نکل کر آزاد ہو کر مطالعہ میں مصروف ہیں، ان کا داماد عبدالمجید انصاری ریاست کی آزادی وخود مختاری کے لئے برطانیہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جدوجہد کر رہا ہے۔ بلکہ اسے فخر ہے کہ اس نے اپنے وطن کی آزادی کے لئے برطانیہ میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ وہ بھارتی سفارت کار کے قتل کے الزام میں گرفتار ہوا تھا، ان ملزموں کے خلاف مقدمہ چلا تھا اور برطانوی عدالت نے اسے قید بامشقت کی سزا سنائی تھی، جو اس نے بڑی بہادری اور جرأت سے کاٹی تھی۔ اس کے دوسرے ساتھیوں نے طویل قید و بند کی مشقتیں جھیلی ہیں۔ ان کا ذکر کسی دوسرے مقام پر آئے گا۔ عبدالمجید انصاری تقریباً ساڑھے تین سال سزا بامشقت کاٹ کر نئے عزم، نئے ولولے اور نئے جوش کے ساتھ تحریک آزادی کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہے۔

ماسٹر غلام حسین انصاری کے بیٹے طارق محمود انصاری، ظفر انصاری، ساجد انصاری اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے برطانیہ میں آباد ہیں، جبکہ صوفی خالد انصاری ایم۔اے انگلش کر کے امریکہ میں جا کر آباد ہو گیا ہے۔مسٹر طاہر انصاری نے میرپور میں اپنا میڈیکل اسٹور کھول رکھا ہے اوران کا سب سے چھوٹا بیٹا ارشد انصاری اسکول ٹیچر ہے۔ان سب کے اندر وطن کی آزادی کا جذبہ موجود ہے۔اور یہ سب بچے قوم کے لئے باعث افتخار ہیں۔

ماسٹر غلام حسین انصاری کا تعلیمی کیریئر شاندار رہا ہے۔وہ لاہور کے یتیم خانہ میں پڑھتے رہے اور لاہور بورڈ کے امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کرتے رہے۔میٹرک کے بعد انہوں نے محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کر لی تھی اور دورانِ ملازمت انہوں نے اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے ایم۔اے کی ڈگری لی تھی۔

وہ ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ملازمت کے دوران انہوں نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور نہ کسی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھا۔لیکن اس کے باوجود میرے (راقم کو) رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان پر حکومت کا نزلہ گرتا رہا اور انہیں دور دراز اسکولوں میں تبدیل کیا جاتا رہا۔لیکن انہوں نے کبھی کسی کی سفارش کا احسان نہیں اٹھایا، اور دل لگا کر طلباء کو پڑھاتے رہے، وہ یتیم غریب اور بے سہارا بچوں کا بہت خیال رکھتے تھے اوران کی مالی مدد بھی کرتے رہتے تھے۔

یہ کوئی تذکرہ نہیں، نہ ہی سوانح عمریاں ہیں، نہ خاکے ہیں اور نہ اسے کوئی کہانی کہہ سکتے ہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی افسانوی خوبو پائی جاتی ہے۔یہ ایک ایسی داستان ضرور ہے جو ہمارے سامنے رونما ہوئی یہ ان کے بارے میں ہے جو زندگی کے سفر پر نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، لیکن وہ دلوں سے اوجھل نہ ہو سکے۔وہ اپنے پیچھے ایک ایسی تحریک چھوڑ گئے جو ان کی نسلوں کے لئے ایک خاندانی ورثہ بن چکی ہے۔اگرچہ انہیں دارورسن کی منزلوں سے گزرنا پڑے گا لیکن قومی آزادی کا سورج تو اسی وقت طلوع ہو گا جب ان منزلوں سے آگے نکل جائیں گے، کوئی خوف اور لالچ انہیں مقصد و منزل کی راہ سے نہیں ہٹا سکے گا۔ان بزرگوں کی اولاد کشمیر، پاکستان، یورپ اور امریکہ میں اس شمع کو روشن رکھے ہوئے ہے جسے ان کے بزرگوں نے اپنے خون سے لو بخشی تھی، اب ان کی نسل وطن کی آزادی کیلئے اپنا گرم گرم خون دے رہی ہے۔ان کے بارے میں یہ ایک تجزیہ ہے، ایک مشاہدہ ہے، ایک مطالعہ ہے۔

یہ ہمارے بزرگ کیا تھے اور کیا نہیں؟ یہ بعض دوسرے عقدوں کی طرح ابھی تک گم شدہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، کب کوئی مؤرخ ان کی تاریخ لکھے گا، کب کوئی ان پر قلم اٹھائے گا؟۔ہمارے ملک کے سیکڑوں، ہزاروں شہید گم نام ہیں، کسی کو فرصت نہیں ہے کہ وہ ان قیمتی موتیوں کی تلاش کرے اور نئی نسل کی اس راہ کی طرف رہنمائی کرے جس پر ان کے بزرگ چلتے رہے۔اس کوتاہی کے باوجود ان کی عظمت قائم ہے، اور نئی نسل ان کی عظمت کے احساس میں اضافہ بن رہی ہے۔

جن بزرگوں کا میں ذکر کر رہا ہوں، ان سب میں بہت سی مشترک صفات پائی جاتی ہیں وہ دین اسلام کے نہ صرف پیروکار تھے بلکہ اس کے مبلغ بھی تھے۔ انہیں آزادی سے پیار تھا۔ غلامی سے نفرت تھی، وہ نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے کام کرنے کو عبادت سمجھتے تھے، ان کے نزدیک عبادت وسیاست ہم معنی الفاظ تھے، رزق حلال کماتے تھے۔ صرف خدا سے ڈرتے تھے۔ متقی و پارسا لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کی مغفرت فرمائے اور انہیں مقام رضوان نصیب فرمائے۔

مولانا عبدالرحمٰن کا ذکر اپنے مقام پر آگے آئے گا۔ وہ پروفیسر محمد اکرم انصاری کے تایا تھے۔ جنہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ گڈاری راجگان ضلع جہلم کے سرحدی گاؤں میں بطور خطیب، امام مسجد اور دینی مدرس کے گزارا تھا۔ ان کے بھائی محمد فضل مشہور پہلوان گزرے ہیں۔ وہ بڑے بڑے میلوں میں جاتے تھے اور میدان میں جا کر سب کو للکارتے تھے کہ ان سے ''بینی'' کا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ ان دنوں ''بینی'' کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔

یہ کھیل بڑا دلچسپ ہے۔ ایک شخص دوسرے کے باز و کو ہاتھ کے قریب سے پکڑتا تھا اور دوسرے کو وہ ہاتھ چھڑانا ہوتا تھا، دونوں پہلوان باری باری یہ کرتب دکھاتے تھے اور جو باز و نہ چھڑا سکتا تھا وہ ہار جاتا تھا۔ محمد فضل مرحوم اس میدان کے شہسوار تھے۔ مجھے دھندلی سی یاد ہے کہ ایک بار انہوں نے جب بازی جیتی تھی تو مجھے کندھوں پر بٹھا کر سارے کھیل کے میدان کا چکر لگایا تھا۔ وہ بڑے بہادر اور جفاکش تھے، لوگ شادی بیاہ کے موقع پر خاص طور پر انہیں بارات کے ساتھ شامل کرتے تھے تاکہ دوسرے گاؤں میں جا کر وہاں کے پہلوانوں سے مقابلہ کرایا جا سکے۔

ان کے بیٹے یونان، لندن میں جا کر کام کرتے ہیں، میر پور شہر میں آکر آباد ہو چکے ہیں۔ ان کے ایک اور بھائی حاجی الف دین تھے جو مسجد کے امام تو نہ تھے لیکن مسجد کے لئے پانی بھر لانے اور مسجد کی دیکھ بھال صفائی وغیرہ بھی کرتے تھے۔ دراصل ہمارے گھرانے کا مرکز ''مسجد'' ہی رہی ہے۔ وہ بڑی بلند آواز سے اللہ ھو کا نعرہ لگایا کرتے تھے وہ ذکر خفی کے قائل نہ تھے۔ ذکر جلی کرتے تھے۔ میر پور شہر کے سیکٹر B/4 میں آباد ہو گئے تھے، ان کی اولاد برطانیہ میں آباد ہو چکی ہے، ان کے ایک بیٹے حاجی محمد شریف کبھی کبھار وطن کا چکر لگاتے ہیں۔ دوسرا بیٹا بھی برطانیہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کی موت دل کی حرکت بند ہو جانے سے ڈڈیال میں ہوئی تھی، وہ اپنے رشتہ دار کے گھر تھے۔ میر پور B/4 کے قبرستان میں دفن کئے گئے تھے۔

ان کا سارا خاندان برطانیہ میں آباد ہو چکا ہے۔ محمد فضل مرحوم کا بیٹا عبدالرشید میر پور شہر میں ہوتا ہے۔ تقریباً سب لوگ منگلا ڈیم کی وجہ سے غیر آباد ہو کر گاؤں چھوڑ چکے ہیں۔ پروفیسر محمد اکرم انصاری جو سائنس کے معروف استاد تھے وہ ریٹائیرَ ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک پرائیویٹ ماڈل کالج میں طلباء کو پڑھاتے ہیں۔ فرمان علی مرحوم کے بیٹے پوتے وغیرہ میر پور، لندن اور امریکہ میں آباد ہو چکے ہیں۔

ہمارے پھوپھی زاد بھائی فرمان علی مرحوم کے انتقال کے وقت ان کے چھوٹے چھوٹے دو بیٹے رہ گئے تھے محمد یوسف انصاری اور محمد خالد انصاری۔ان یتیموں کی سرپرستی سب کرتے تھے،لیکن میاں عبدالغنی انصاریؒ نے ان کی پرورش کے لئے پوری توجہ دی۔ وہ گاؤں کے تمام یتیموں کی پرورش کے لئے پورا وقت دیتے تھے۔یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت، بیوگان کے اخراجات، مسکینوں ومحتاجوں کی دیکھ بھال کا ذمہ انہوں نے لے رکھا تھا۔گاؤں کے لوگ ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، ان کی اولادیں آسودہ حال ہیں۔اوران کی ایک بڑی تعداد برطانیہ میں آباد ہوچکی ہے۔کچھ امریکہ میں جا کر بھی آباد ہوگئے ہیں۔

ہمارے ایک کزن مولانا راجو لیؒ ایک جید عالم دین تھے۔قرآن پاک کا اکثر حصہ انہیں یاد تھا، فارسی اور اردو زبان پرانہیں عبور حاصل تھا۔مثنوی مولانا رومؒ تو انہیں حفظ تھی۔ بہت اچھے خطیب تھے اور فارسی اشعار کا خوبصورت ترجمہ کرتے تھے۔طلباء کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ سادہ لباس پہنتے تھے، وہ درویش صفت انسان تھے، اس دور کے علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ وہ لوئر گڈاری کے امام تھے، منگلا ڈیم کی وجہ سے اجڑنے کے بعد وہ شیخوپور (دینہ) میں جا کر آباد ہوگئے تھے۔عبدالمجید جس کا اوپر ذکر آیا ہے، وہ ان کا نواسہ ہے۔

وہ تحریکِ پاکستان سے بھی وابستہ رہے، تحریک آزادیٔ کشمیر کے لئے ان کی خدمات گراں قدر ہیں، ان لوگوں کا عمل بے غرض تھا۔ وہ صرف اپنے اللہ سے اپنی مزدوری کے امیدوار تھے۔اب ان کے گھرانے کا ایک فرد محمد بشیر انصاری ہی گاؤں میں رہ گیا ہے۔ دوسرا گھر پروفیسر محمد اکرم انصاری کے عزیزوں کا ہے۔ باقی سب میرپور، برطانیہ اور امریکہ میں جا کر آباد ہوگئے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جنہیں دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔

ان کی زندگیاں آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ ہیں، ان پر ضخیم کتابیں لکھی جانی چاہییں تھیں۔ میں ان کی جھلکیاں دکھلا رہا ہوں، وہ ہدایت کے روشن مینار تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کی نسل میں قرآن پاک کے حافظ، مسجدوں کے امام، کالجوں اور اسکولوں کے مدرس، تاجر، وکیل، سائنس دان، انجینئر، کمپیوٹر، سائنس کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں۔ یہ سب ان کی صحبتوں اور دعاؤں کا فیض ہے۔ یہ جھلکیاں دکھلانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی نسل اپنے آباؤ اجداد کی زندگیوں سے روشنی حاصل کرکے ان تاریک راہوں پر بچھا دے جہاں اجالے کی ضرورت ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا اور حکمران سمجھیں۔اسی ایک کے بندے اور غلام بنیں۔اسی کے آگے سجدہ ریز ہوں۔اسی سے مدد مانگیں، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلیں، مغضوب اور گمراہوں کی راہ پر چلنے سے بچے رہیں۔ پاک ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی تعریف کے لائق ہے۔اسی کا برکت والا نام ہے۔اسی کی شان بلند و بالا ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں۔"سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلاَ اِلٰـہَ

غَیُرُکُ''۔

اللہ تعالیٰ شیطان رجیم سے بچا کر اپنے دامن رحمت میں پناہ دے روزِ حساب ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ............

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ

برادرم میاں عبدالغنی انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے جاوید اختر انصاری ایک دکاندار ہیں لیکن دکان چھوڑ کر جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں، وہ آج کل بھی محاذ کا لٹریچر باہر بھیجنے کے لئے دکان چھوڑ کر ''بنڈل'' بناتے ہیں، سیاست ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ محمد لقمان انصاری بھی ان کا نواسہ ہے، پودے لگانے کا اسے شوق ہے۔ یونیورسٹی کا طالب علم ہے اس کی امی اسکول ٹیچر تھیں۔ وہ اب ریٹائیرڈ ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر بلال انصاری حافظ قرآن پاک بھی ہیں، وہ ماسٹر غلام حسین انصاری کے پوتے ہیں۔ ڈاکٹر بلال انصاری کے والد محترم ظفر اقبال انصاری انگلینڈ میں ہیں۔ وہ جب جواں تھے تو سیاست میں ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے حصہ لیتے رہے، محاذ رائے شماری اور لبریشن فرنٹ کے نظریات کو نہ صرف انہوں نے قبول کیا تھا بلکہ اس کے لئے دوسرے ہم وطنوں کو بھی اپنا ہمنوا بناتے رہے۔ تنظیم کی توڑ پھوڑ شروع ہوئی تو وہ دل برداشتہ ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن اپنے وطن کی آزادی وخودمختاری سے کبھی دست بردار نہ ہوئے۔ اب ایک آزاد ملک میں آباد ہو کر انہیں اپنے وطن کی غلامی پر دکھ ہوتا ہے، اوران کے جذبوں میں بغاوت کے شرارے مچلتے رہتے ہیں۔ یہ شعر ان کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے کہ

جذبوں میں مچلتے ہیں بغاوت کے شرارے
پی جاؤ حکومت کا لہو بھوک کے مارے

وہ کچھ عرصہ لیبیا میں بھی رہے، انہوں نے برطانیہ جا کر سیاسی پناہ حاصل کر لی تھی اور اب وہ برطانوی شہری بن چکے ہیں۔ کشمیری نژاد برطانوی نہ کل اپنے وطن کو بھولا تھا اور نہ آئندہ کبھی بھولے گا۔ میاں عبدالغنی انصاری مرحوم کے نواسے ضیاء الحق انصاری نے اپنے نانا مرحوم کے املاء کرانے پر شجرہ نسب بنایا ہے۔ وہ برطانیہ میں آباد ہے۔ برطانیہ جا کر خاندان کے لوگ اپنے رشتے ناطے بھول چکے تھے۔ اس نے وقت کی ضرورت کے پیش نظر مختصر سا شجرہ نسب تیار کیا ہے۔

ہمارے خاندان کے لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔لیکن آزادی رائے پر یقین رکھتے ہیں۔

وہ دوسروں کے حق کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں وطن کی آزادی کے لئے مختلف طریق کار اختیار کرنے کا حق ہے۔

مسٹر ضیاء الحق کے تیار کردہ شجرہ نسب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موہڑہ کینال کے اس چھوٹے سے کنبہ کے رشتہ دار، پوٹھہ، میرا، بٹلی، کنڈور، حویلی، رٹہ، کٹھاڑ، ڈگار، میر پور شہر، مونڈہ، بڑبن، آڑہ دھرم ارتھ، اکال گڑھ، (اسلام گڑھ) ڈنگالیاں، بنگ دوارہ، افضل پور، پلاک، دولڑ، بلاہ گالہ، پنیام، چھپرہ، خان آباد، بوتھی، چک، فتح پور بلکہ بھمبر اور کوٹلی کی تحصیلوں میں رہتے ہیں۔اب ان میں سے کچھ نئی بستیوں اور کالونیوں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔میر پور، ڈڈیال، حمید آباد، بن خرماں، چتر پڑی، منگلا ہملٹ وغیرہ میں آباد ہو چکے ہیں۔

منگلا ڈیم کے سبب زیرآب آنے سے پیل سیا کھ میں آباد رشتہ داروں کو بھی غیر آباد ہو کر پاکستان کے مختلف اضلاع، جہلم، راولپنڈی، گجرات میں جا کر رہائش اختیار کرنی پڑی، لیکن ان کی بڑی تعداد برطانیہ یورپ کے ممالک اور امریکہ میں آباد ہو چکی ہے۔ان کی نسلیں تو اپنے آباؤ اجداد کو بھول جائیں گی، اس لئے اس شجرہ نسب نے انہیں ایک لڑی میں پرو دیا ہے، ضیاء الحق نے جب یہ شجرہ نسب بنایا تھا تو اس کے بناتے وقت اس نے قرآن پاک کی اس آیت سے شجرہ نسب شروع کیا ہے۔اور اس کا ترجمہ بھی ساتھ لکھ دیا ہے............

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)

(سورۃ الحجرات، آیت 13 پارہ 26)۔

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔(تفہیم القرآن)۔

اس آیت کی مناسبت سے میں ترجمان القرآن میں کی گئی وضاحت کو لکھنا ضروری سمجھتا ہوں...........

''جاہلیت میں ترجیح اور برتری کی بنیاد نسلی امتیازات پر تھی، قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد انسانی برادری رکھی اور نسلی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا اور فرمایا کہ قوموں اور برادریوں کی یہ تقسیم محض تعارف کا ذریعہ ہے اور اسے اسی حد تک باقی رہنا ضروری ہے۔لیکن اکرام و اعزاز، پرہیز گاری اور تقویٰ کی وجہ سے ہے''۔

وہ شادی بیاہ میں شریک ہوتا ہے اور گاؤں میں جا کر مہمانوں کی تواضع کا سارا انتظام خود سنبھال لیتا ہے۔وہ جنازوں میں باقاعدہ شرکت کرتا ہے۔اور میر پور سے گاؤں جا کر جنازوں میں شرکت کرتا ہے۔وہ دکھ سکھ کا ساتھی ہے۔

اس نے اپنے اخلاق سے کثیر تعداد میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ سیاسی و دینی کتب اس کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ وہ صلح کن ہے، لڑائی جھگڑوں سے حتی الوسع دُور رہتا ہے۔ میر پور میں ایک جھوٹا مقدمہ میر پور شہر کے معززین کے خلاف بنایا گیا۔ میں اس مقدمہ کا حوالہ دینا غیر ضروری سمجھتا ہوں، شہر کی معزز سیاسی ہستیاں بھی ملوث کی گئیں، اور اشفاق احمد انصاری بھی یکے از ملزمان تھا۔ وہ اس مقدمہ میں سیشن عدالت، ہائی کورٹ، وضلع فوجداری، شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ تک عدالتوں کے چکر کاٹتا رہا، اور 7/8 سال کے طویل عرصہ تک مقدمہ بھگتتا رہا، ہر عدالت نے اسے بری کر دیا۔ لیکن یہ سال ہا سال کا عرصہ جو اسے خدمتِ خلق میں گزارنا تھا اس کے لئے کون جواب دہ ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اشفاق احمد انصاری کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب نے دیکھا، جھوٹے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ اس جھوٹے مقدمہ باز کو بھی خدا کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ دین کے ٹھیکیدار قوم کے سامنے سر اٹھا کر نہیں پھر سکتے، ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑتی رہتی ہے۔

اشفاق احمد انصاری نے اپنے ملک کے مختلف علاقوں کی سیر بھی کی ہے۔ وہ جلسوں جلوسوں، اور کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے جاتا رہا ہے اور اس طرح آزاد کشمیر کے لوگوں کی زبوں حالی کو بھی اس نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس نے برطانیہ کی سیر بھی کی ہے۔ اور مقدس سفر بھی کرتا رہا ہے۔ اس نے حج و عمرہ کی سعادتیں بھی حاصل کی ہیں، وہ سفر میں، حضر میں، ریل میں، جہاز میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رہا اور اپنے اخلاق، عادات اور اطوار کے نقوش ان کے دلوں میں بٹھا کر واپس آتا رہا، اب بھی وہ دھیمے دھیمے چل رہا ہے اور منزلِ مقصود آزادی اور اللہ کی رضا جوئی حاصل کرنے کی خاطر بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ قوم کا ایک مایہ ناز فرزند ہے۔

وہ مسلک اہلِ حدیث سے متاثر ہو کر زیادہ وقت یادِ خدا میں مصروف ہیں۔ دنیا سے انہیں اتنی نفرت ہو چکی ہے کہ وہ اب عام مجلسوں میں شمولیت کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والدین کی خدمت کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ ان کے والدین کی دعائیں بھی ان بھائیوں کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے قبول ہوئی ہیں۔ اشفاق احمد انصاری اپنے والدین کا چہیتا بیٹا ہے۔ یہ فیضانِ نظر بھی ہے اور مکتب کی کرامت بھی ہے کہ وہ بااصول زندگی گزار رہے ہیں، آفتاب احمد انصاری کے بارے میں آگے ذکر آ رہا ہے۔

اشفاق احمد انصاری انسانوں کی بھلائی کے لئے کام کرتے رہتے ہیں۔ وہ خدا کے بندوں کے کام آتے ہیں، غریبوں، یتیموں، بے کسوں اور بیماروں کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ وہ نہ صرف بیمار پرسی کے لئے بیماروں کے پاس جاتے ہیں، بلکہ ان کے علاج کے لئے انہیں راولپنڈی، اسلام آباد اور فیصل آباد کے ہسپتالوں تک ساتھ لے کر ان کا علاج کراتے ہیں۔ اپنا آرام و سکھ بھول کر رات دن ان کی تیمارداری میں مصروف رہتے ہیں، مجھے اس مرحلہ پر

ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا، میرے بیٹے ناصر سعید انصاری کو اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے ایک اونچی دیوار سے گرنے کی وجہ سے چوٹیں آئی تھیں اور اس کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ اسے ایک ماہر سرجن کے پاس فیصل آباد لے جایا جائے۔

کہا جاتا تھا کہ اس کی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ صدر پاکستان نے اسے اپنے وطن میں آکر اپنے ہم وطنوں کی خدمت کے لئے دعوت دی تھی۔ وہ ڈاکٹر اس وقت غالباً امریکہ میں تھا، اس نے فیصل آباد میں اپنا کلینک کھولا تھا، اشفاق احمد انصاری اپنے بھائی کو لے کر فیصل آباد گیا تھا۔ جہاں اس کا علاج ہوتا رہا۔ ناصر سعید انصاری اور اشفاق احمد انصاری نے کئی چکر لگائے تھے اور ہمیں اطمینان تھا کہ وہ دونوں بغیر لڑے گھر آجایا کریں گے۔ اشفاق احمد انصاری کے لئے کنبے قبیلے کی کوئی قید نہ تھی، نہ وہ اس امتیاز کا قائل تھا، وہ ہر بیمار کے ساتھ اس کے علاج کے لئے ساتھ جاتا رہا ہے اور رات بھر جاگ جاگ کر دیکھ بھال کرتا رہا ہے۔

برطانیہ میں آباد ہونے والے حضرت مولانا راجولی مرحوم کے بھتیجے علی محمد مرحوم بھی ہیں۔ ان کے والد رحم علی مرحوم تھے، رزق حلال کما کر کھاتے تھے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، ہر وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے خدا تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے، ہم نے غریب گھرانوں میں پرورش پائی، لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال نہ بڑھایا، خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکے۔ کھانے کو مل گیا تو کھالیا اور نہ ملا تو صبر وشکر کا دامن نہ چھوڑا۔ خدا تعالیٰ جب چاہے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے، علی محمد مرحوم برطانیہ میں مزدوری کرتا رہا، وہ ایک اچھا اور محنتی مزدور تھا۔ کارخانہ میں کام کرتا تھا، اپنے دوسرے رشتہ داروں کی طرح اسراف وتبذیر سے بچتا رہا، اس نے برطانیہ میں شاہانہ زندگی بسر کی۔ لیکن وہ ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتا تھا اور نہ ہی دولت نے اس کا دماغ خراب کیا تھا۔

اس کے گھرانے اور کنبہ کے لوگ تقریباً سب کے سب سیاسی کارکن تھے، اور وہ ملک کی آزادی کے لئے کام کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ وہ قومی کاموں میں دلچسپی لیتا تھا لیکن وہ ایک خاموش کارکن تھا، معہ اہل وعیال برطانیہ میں آباد ہو گیا تھا، اور اس نے اپنے بیٹے عبدالمجید کی تربیت میں پوری دلچسپی لی تھی۔ عبدالمجید کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ جس ماحول میں پلا تھا وہ ماحول انگریزوں کا تھا۔

انگریز قوم نے ساری دنیا پر حکومت کی ہے اور ساری دنیا کی دولت لوٹ کر برطانیہ لے گئی ہے۔ ہندوستان جسے سونے کی چڑیا کہتے تے وہ اس ''چڑیا'' کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ لیکن اس نے اپنے وطن کو سونے کی چڑیا بنا دیا ہے۔ ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ اس نے اگر یہ ترقی نہ کی ہوتی تو دوسری جنگ عظیم میں جو اس کی تباہی ہوئی تھی اور ہٹلر نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی وہ کبھی زندہ رہنے کے قابل نہ رہتی، اور پتھر کے زمانہ کی طرف لوٹ جاتی۔ لیکن انگریزوں نے جنگ کے

بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اور ملک کو خوشحال بنا دیا ہے۔ ہمارے لوگ برطانیہ کی معیشت بحال کرنے میں اس کے مددگار رہے۔

انگریزوں کو مزدوروں کی ضرورت تھی، انہوں نے اپنی اقتصادی، معاشی اور سیاسی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اپنی محکوم قوموں کے بھوکے اور ننگے انسانوں سے کام لیا۔ انہیں سستے مزدور مل گئے، جنہوں نے ان کی گری ہوئی عمارتوں کو کھڑا کیا، سڑکوں اور پلوں کو بنایا۔ بند کارخانوں کو نئے سرے سے چلایا۔

کپڑے کے کارخانوں کو چالو کیا۔ اسلحہ فیکٹریوں میں دن رات کام کیا۔ اور برطانیہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوا۔ یہ ہمارے غریب ملکوں کے مزدوروں اور کسانوں کے خون پسینے کا نتیجہ ہے کہ برطانیہ ایک نوآبادی بننے کے بجائے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ میں موجود ہے۔ برطانیہ نے برصغیر سے مزدوروں کو برطانیہ کے ویزے جاری کر کے ان پر احسان نہیں کیا تھا۔ یہ اس کی اپنی ضرورت تھی، جس کی وجہ سے کشمیر، پاکستان، بھارت اور ایشیائی ممالک کے لئے برطانیہ کے اندر داخل ہونے کے لئے دروازے کھل گئے تھے، علی محمد مرحوم بھی مزدوری کے لئے ہی برطانیہ گیا تھا۔ اور معہ اہل وعیال وہاں مستقل رہائش پذیر ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے وطن کی زبوں حالی، غربت اور افلاس کو کبھی نہیں بھولا، اور اپنے بیٹے کو بھی اپنے ملک کی غلامی کے خلاف نفرت دلاتا رہا۔

کشمیر کو بھارت نے غلام بنا رکھا ہے۔ ہر کشمیری کے اندر بھارت کے خلاف نفرت موجود ہے، کشمیر کے لوگ بھارت یا پاکستان کے عوام سے نفرت نہیں کرتے بلکہ اُن افراد، اُن اداروں اور اُن حکومتوں سے نفرت کرتے ہیں جو کشمیر کی آزادی اس کے اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی، کشمیریوں کے حقِ خودارادیت، بنیادی حقوق انسانی اور اُس کے جداگانہ اور قومی تشخص کے دشمن ہیں۔

عبدالمجید اپنے راہنماؤں اور سیاسی کارکنوں کے ساتھ مل کر مقبول احمد بٹ شہید کو بھارتی جیل سے آزاد کرانے کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے کا حق رکھتا تھا۔ اس نے تمام خطرات کو مول لیا اور نارِ نمرود میں کود پڑا تھا، جس کا ذکر کسی اور جگہ بھی آیا ہے۔ اس کے سب ساتھی اسی جذبے کے تحت انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ جس کا نتیجہ حوالاتوں میں بند ہونا، عدالتوں میں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہونا اور پھر جیل کی سلاخوں کے سوا اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر زندگی کی سب سے بڑی صعوبت اٹھائی اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کیا، عبدالمجید انصاری بھی معہ اہل وعیال برطانیہ میں آباد ہو گیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مرحوم، مولانا راجولی مرحوم اور پروفیسر محمد اکرم انصاری کے دادا پردادا ایک ہی پردادا کی اولاد ہیں۔ ہم سب اپنے قابلِ احترام بزرگ محمد معصوم کی اولاد ہیں جو سرینگر سے آکر موہڑہ کنیال میں آباد ہوئے تھے۔

ہمارے بھائی میاں عبدالغنی انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے نوع انسانی کی خدمت کی روشن مثالیں چھوڑ دی ہیں، ان

کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ مرحوم کے دو بیٹے آفتاب احمد انصاری اور اشفاق احمد انصاری ہیں۔ ان دونوں نے بچپن میں ہی دیکھ لیا تھا کہ ان کے گھروں پر پولیس چھاپے مار رہی ہے۔ ان کی منقولہ جائیداد ضبط کر رہی ہے۔ جائیداد کی قرقی کے وارنٹ جاری ہو رہے ہیں، اشفاق احمد انصاری کا وسیع مطالعہ ہے۔

محاذ رائے شماری میں وہ اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ریاست کی آزادی و خود مختاری کا درس تو انہیں اپنے نامور باپ سے ملتا تھا، پھر وہ خود عملی جدوجہد میں شریک ہوئے تو انہیں اس کا پورا اندازہ تھا کہ محاذ رائے شماری میں شمولیت سے آزمائشیں آئیں گی۔ اس جماعت پر حکومت کا عتاب نازل ہوتا رہے گا، حکومت کسی جماعت کی بھی ہو، آزاد کشمیر کا کوئی بھی صدر ہو، وہ وزارتِ امورِ کشمیر سے ہی ہدایت حاصل کرے گا، اس کی اپنی پسند و ناپسند بے معنی ہے، نہ اس کی کرسی مضبوط ہے اور نہ وہ خود مضبوط ہے، وہ کسی وقت بھی اپنے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اسے آقاؤں کی ہدایات پر عمل کرنا پڑے گا۔ یہ وزارتیں، یہ صدارتیں، یہ عہدے، یہ مناصب سب وزارتِ امورِ کشمیر کی مرضی کے تابع ہیں، وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے دنیا کے آزاد ممالک کے رہنماؤں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے باہر نہیں جاسکتے۔ کراچی معاہدہ نے تو آزاد کشمیر کی حکومت کے اختیارات کو صرف آزاد کشمیر کے اندر نظم و نسق اور معمولی ترقیاتی منصوبوں تک محدود کر رکھا ہے۔

صدر ہو یا وزیر اعظم وہ اپنے آزاد کردہ علاقہ گلگت تک جھنڈے والی کار پر بیٹھ کر نہیں جاسکتا۔ بلکہ آزاد کشمیر کی حکمران جماعتوں کو گلگت و بلتستان میں اپنی جماعت کی شاخیں قائم کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اشفاق احمد انصاری کو یہ علم تھا کہ محاذ رائے شماری اپنے بنیادی حقوقِ انسانی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ وہ ریاست کشمیر کی وحدت و سالمیت کے لئے سر بکف ہے، اس لئے اس جماعت میں شامل ہونا دار و رسن کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لیکن ان کا دادا مرحوم بھی شیر تھا، انکا نام بھی میاں شیر عالم تھا۔

ان کا باپ بھی شیروں کی طرح آگے بڑھ بڑھ کر آزادی کے دشمنوں پر حملہ کر رہا تھا۔ اس لئے اسے اس جماعت میں شامل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا، وہ محاذ میں شامل ہوا، اور ملک کی آزادی کے لئے دن رات محنت کرتا رہا، وہ صائب الرائے ہے، وہ جماعتی آئین کا پابند رہا، اور دوسروں کو بھی اس کی پابندی پر مجبور کرتا رہا، مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں کورم پورا نہیں ہوتا تھا تو وہ اجلاس برخواست کرنے کے لئے زور دیتا تھا، ہماری مرکزی مجلسِ عاملہ ممبران کی حاضری کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ وہ کراچی، لاہور، پشاور اور آزاد کشمیر کے دیگر اضلاع سے آتے ہوئے کبھی لیٹ ہو جاتے تھے، کبھی ان کی ذاتی مجبوریاں راہ میں حائل ہو جاتی تھیں، یہ سب لوگ کاروباری اور محنتی تھے، ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے فرصت مل سکتی تھی، ہمارے مرکزی راہنما بھی جز وقتی سیاست دان تھے، وہ اطلاع دے دیا کرتے تھے کہ ان کی

غیر حاضری کو بھی حاضری سمجھ کر کارروائی اجلاس جاری رکھی جائے، وہ اجلاس کے فیصلوں کی پابندی کریں گے۔ البتہ بہت اہم ایجنڈا ہوتو وہ اجلاس میں سب کام چھوڑ کر پہنچ جاتے تھے۔ اشفاق احمد انصاری کو یہ بات پسند نہ تھی کہ کورم پورا نہ ہونے کے باوجود اجلاس جاری رہے۔

ہمارے ساتھی جب انہیں آتے ہوئے دیکھتے اور اس وقت کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے خود کہنے لگتے تھے کہ اشفاق احمد انصاری آرہے ہیں۔ اب صرف کورم کی بات ہوگی۔ محاذ سے ان کے الگ ہوجانے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اجلاس میں ممبران کی مطلوبہ تعداد شامل نہیں ہوتی تھی۔

چند ساتھیوں نے محاذ رائے شماری سے الگ ہو کر لبریشن فرنٹ میں شمولیت اختیار کر لی اور اشفاق احمد انصاری بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے، لیکن انہوں نے دیکھا کہ اس جماعت کے لوگ بھی بے عملی کا شکار ہیں تو وہ دل برداشتہ ہوگئے، بظاہر ہمیں یہی نظر آیا، اندرونی معاملات کو ہم نہیں جانتے، وہ اپنے مؤقف کشمیر کی وحدت وسالمیت اور آزادی سے سرِ مو منحرف نہ ہوئے، ان کی زندگی پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ وہ عبادت گزار ہیں۔ اعتکاف بیٹھتے ہیں، چلے کاٹتے ہیں، خدا سے لولگا رکھی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عبادت سے انسان کا تعلق خدا سے اتنا پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے دنیا اور دنیا کی زیب وزینت کی چیزیں پسند نہیں رہتی ہیں، وہ خلوت نشیں ہو کر روحانی لطف لیتا ہے۔

میں چند واقعات آفتاب احمد انصاری کے متعلق قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ اس مردِ درویش کے متعلق بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں واقعات میرے حافظے میں محفوظ ہیں، کاش ان کی زندگی پر ایک کتاب لکھنے کا مجھے وقت مل جاتا۔ اور میں ان انمول یادوں کو ایک کتابی شکل دے سکتا میں نے ان افراد کی جھلکیاں دکھلائی ہیں جو شہرت سے محروم ہیں۔ وہ شہرت کے بھوکے بھی نہ تھے، انہوں نے جو کام کئے وہ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کئے ہیں۔

بہت سی ہستیوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان کی مصروفیات، ان کی کامیابیوں اور محرومیوں میں ہماری قومی تاریخ کے مختلف ادوار کی جھلک ملتی ہے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ہمارے آج کے شعور کی آبیاری کتنے نامعلوم افراد نے کی ہے۔ آگے حاجی وہاب الدین مرحوم، چوہدری عالم الدین مرحوم، مرزا محمد صدیق اور ان کے بھائیوں اور بھتیجوں کا ذکر بھی آرہا ہے۔ یہ لوگ قومی آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے اور عظمت انسان کی تحریک کے لئے کس طرح کمر بستہ رہے۔ ظاہر ہوگا ان کے ظاہر و باطن میں فرق نہیں، نہ دل وزبان میں کوئی فاصلہ ہے۔

آفتاب احمد انصاری ہمارے کزن میاں عبدالغنی انصاریؒ کے گھرانے کے چشم وچراغ ہیں، ایک انقلابی راہنما کے گھر میں پرورش پانے والا بچہ جوان ہو کر ان کی راہوں پر چلتا رہا۔ وہ ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد برطانیہ چلا گیا تھا، گھر کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے گیا تھا۔ وہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا، لیکن وہاں جا کر مذہبی تعلیم اپنے طور پر

حاصل کرتا رہا۔ وہ کاروبار بھی کرتا رہا، وہ برٹش بیکری میں ملازم ہو گیا تھا، لیکن وہ محاذ رائے شماری میں شامل ہو گیا تھا۔

اس نے محاذ رائے شماری کے لئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ محاذ رائے شماری کے راہنما دار و رسن کی آزمائشوں سے گزرے تو آفتاب احمد انصاری نے برطانیہ میں اپنے ساتھیوں سے مل کر قابض حکومتوں کے خلاف احتجاج کیا، بھارتی ہائی کمیشن کے دفتر کے سامنے مظاہروں میں شریک رہا، جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کے ذریعہ رائے عامہ کو ہموار کرتا رہا، وہ آج تک محاذ سے وابستہ ہے۔ تحریکِ اہلِ حدیث کوئی مذہباً الگ مسلک نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انقلابی تحریک کا نام ہے ان انقلابیوں سے مل کر اس نے ملک اور قوم کے لئے وہ کام کئے جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

1954ء میں جب میاں عبدالغنی انصاریؒ کو دفعہ 144 ض۔ف کی خلاف ورزی پر انہیں سزا ہوئی یہ تحریک عوام کانفرنس نے چلائی تھی اس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔ عدالت نے انہیں سزا دے کر جرمانہ بھی کیا تھا۔ جرمانہ کی وصولی کے لئے وارنٹ برائے قرق جاری ہوئے۔ پولیس نے ان کے گھر جا کر ان کے کھانے پینے کے برتن، اخبارات کی فائیلیں تک ضبط کی تھیں، یہ منظر آفتاب احمد انصاری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ چک ہریام کے جلسہ میں شریک ہوا تھا، یہ جلسہ منگلا ڈیم کی تعمیر کے خلاف تھا۔ حکومت نے اسے عوامی بغاوت قرار دیا تھا اور راہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ پر امن عوام پر لاٹھیاں برسائی گئی تھیں۔ سال 60 کا یہ منظر بھی ان کے سامنے رہا۔

آفتاب احمد انصاری محاذ رائے شماری کے اس کنونشن میں جو 1969ء کو مظفر آباد میں ہوا تھا۔ بطور ڈیلیگیٹ شامل ہوئے تھے، اس کنونشن میں مقبول احمد بٹ شہید کو محاذ رائے شماری کا بلا مقابلہ صدر چنا گیا تھا۔ وہ کشمیر کی پہچان اور قوم کا ہیرو ہے جو جیل توڑ کر بھارتی مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر جب 1969ء میں آیا تھا تو اسے قلعہ گوجرہ میں قید کر دیا گیا، اس کی رہائی کے لئے کشمیریوں نے محاذ رائے شماری کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلوس نکالا تھا، یہ مظاہرہ صدر ہاؤس راولپنڈی کے سامنے پاکستان میں ہوا تھا، جہاں مظاہرہ کیا گیا تھا، وہاں حکومت پاکستان نے دفعہ 144 کے تحت ہر قسم کے جلسہ، جلوس اور پانچ یا پانچ سے زائد افراد کے اجتماع پر پابندی لگا رکھی تھی، کوئی نعرہ نہیں لگا سکتا تھا۔ لیکن محاذ کے جانبازوں نے اپنی جان پر کھیل کر ان تمام قانونی پابندیوں کو پاؤں تلے روندتے ہوئے دفعہ 144 کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دی تھیں۔ آفتاب احمد انصاری اس مظاہرہ میں شریک تھا، اسے کوئی جان کی پرواہ نہ تھی، گنگا طیارہ کے اغواء اور قومی ہیرو مقبول احمد بٹ شہید کی تہاڑ جیل سے رہائی کے لئے ان کی کوششوں کا ذکر آگے آئے گا۔

خاندانی اثر ان پر غالب تھا، وہ جمعیت اہلِ حدیث کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر ہیں۔ گرین لین کی مسجد اہل حدیث (برمنگھم) میں وہ طلباء و طالبات کو اردو، قرآن پاک اور اسلامیات کا درس دیتے رہے ہیں، انہوں نے معلم و مدرس کے فرائض بلا معاوضہ ادا کئے، اہل حدیث برطانیہ کے مختلف شہروں میں بکھرے ہوئے تھے، ان کا کوئی مرکز نہ تھا، مولانا فضل

کریم عاصم میر پوری نے ان سب کو منظّم کیا تھا اور ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔

مولانا عاصم خدا تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، تحریکِ اہلِ حدیث کو منظّم کرنے والے پہلے شخص ہیں جنھوں نے سب کام چھوڑ کر دین کا فریضہ ادا کیا۔ اور مولانا محمود احمد میر پوری رحمۃ اللہ علیہ ان کا اپنا انتخاب تھا، جنہیں وہ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تبلیغ اسلام کے لئے سعودی حکومت سے لائے تھے۔

مولانا محمود احمد میر پوری اپنے نام کے ساتھ میر پوری کا لاحقہ لگایا کرتے تھے، مولانا ایک نوجوان عالم دین تھے اور فلسطینیوں کی تحریک آزادی سے بہت متاثر تھے، انہیں اپنی آزادی کی فکر رہتی تھی، غلام کشمیر کی آزادی کے لئے انہوں نے اپنے ہم وطنوں سے مل کر دن رات کام کیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے تحریک کشمیر کے نام سے کام شروع کیا، اور مولانا منور حسن مشہدی کو صدر بنایا، خود سیکرٹری کا فرض سنبھالا، کشمیر کانفرنس منعقد کی، یہ عالمی کشمیر کانفرنس تھی جس میں آزاد کشمیر کے لیڈروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، اس کانفرنس میں آزاد کشمیر کے سابق صدر مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم آزاد کشمیر کے سابق صدر جنرل حیات خان مرحوم، بیرسٹر سلطان محمود، رشید حسرت اور دیگر زعماء نے شرکت کی تھی، ماسٹر محمد شفیع دت سینئر نائب صدر محاذ رائے شماری نے محاذ کی نمائندگی کی تھی۔ غالباً وہ اس وقت امریکہ سے برطانیہ میں چلے گئے تھے۔

مجھے (راقم کو) حکومت پاکستان نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا تھا، پاکستانی ہائی کمیشن میں مولانا کا بہت اثر ورسوخ تھا، انہوں نے پاکستانی ہائی کمشنر پر زور دیا کہ آل پارٹیز کانفرنس کو کامیاب کرایا جائے، اس میں ملکی اور غیر ملکی نمائندے بھی شامل ہو رہے ہیں، اس لئے محاذ رائے شماری کے صدر کو پاسپورٹ جاری کیا جائے، وہ مجھے بار بار فون پر پوچھتے تھے اور میں نے انہیں بتایا تھا کہ ان کے کہنے پر دوبارہ، سہ بارہ درخواست دی ہیں لیکن پاسپورٹ آفس والوں نے مجھے تحریری طور پر آگاہ کر دیا ہے کہ پاسپورٹ جاری نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت پاکستان نے آپ کے باہر جانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔

کانفرنس کے انعقاد سے ایک روز قبل ہائی کمشنر نے مولانا کو یقین دہانی کرائی کہ شام تک پاسپورٹ مل جائے گا۔ بالآخر میں نے جب انہیں بتایا کہ پاسپورٹ نہیں دیا گیا ہے۔ تو وہ بڑے مایوس ہوئے وہ ان کا آخری فون تھا۔ انہیں تب جا کر علم ہوا کہ پاکستان اور بھارت دونوں کشمیریوں کی آزادی کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے اجلاس میں حکومت پاکستان کے اس رویہ کے خلاف قراردادِ مذمت پیش کی تھی جسے ایوان میں موجود تمام لوگوں نے متفقہ طور پر منظور کر لیا تھا۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے آفتاب احمد انصاری اور ان کے ساتھیوں نے مل کر مولانا مرحوم کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ ہر تحریک میں پیش پیش رہے ہیں۔

مولانا محمود احمد میر پوری عالم، فاضل، محقق، مصنف، صحافی، خطیب، سیاست دان اور دانشور تھے۔ مجھے ان کے

ساتھ مل کر مسئلہ کشمیر کی نسبت اہل وطن کو سیاسی درس دینا پڑا تھا۔ وہ جنرل ضیاء کے حق میں تھے، اور دین سے متعلق ان کے صدارتی احکام کے مداح بھی تھے، لیکن جب ان پر یہ راز کھلا کہ یہ صدارتی آرڈیننس اسلام سے محبت کا نتیجہ نظر نہیں آتے۔ اور صرف اس نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کی فکر میں یہ جاری کئے ہیں اور پاکستانی عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، تو پھر مارشل لاء کے خلاف ہو گئے تھے۔

یہ ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے اس لئے اس پر زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، مولانا فضل کریم عاصم بھی ایک عالم دین تھے، وہ معلم، مدرس، خطیب، مصنف، مؤلف اور اسلامیات پر ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ برطانیہ کی جماعت اہل حدیث کے بانی تھے، وہ اردو، فارسی، عربی اور دیگر زبانوں پر عبور رکھتے تھے، ہمارے ساتھی چوہدری عبدالرحیم پنیام کے بھائی تھے، ڈاکٹر ظفر چوہدری، عبدالرحیم چوہدری کے بیٹے ہیں، ان کے ایک تایا یا چچا محمد بھی تھے جو بطل حریت راجہ محمد اکبر خان میر پوری کے فدایان میں سے تھے، چوہدری عبدالرحیم المعروف پلو بڑے جہاندیدہ شخص تھے، ان کی نگاہیں دوررس تھیں، وہ بادشاہ نہ تھے مگر بادشاہ گر ضرور تھے۔ قبائلی تعصب سے یہ گھرانا پاک تھا، یہ قرآن پاک کی تعلیم کا اثر تھا۔

یہاں ایک دلچسپ لطیفہ سنا دینا چاہتا ہوں کہ قراردادِ مذمت جب پاس کی گئی تھی تو تمام لیڈرانِ کرام نے اس کی پرزور تائید کی تھی، ان لیڈروں کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ان میں جنرل (ر) حیات خان بھی تھے، لیکن جب پاسپورٹ افسر نے ریکارڈ دکھایا تو اس میں حیات خان کا حکم تھا کہ میرا (راقم کا) باہر جانا ملکی مفادات، امن وامان اور ترقیاتی منصوبوں کے خلاف ہے اس لئے پاسپورٹ جاری نہ کیا جائے، یہ حکم انہوں نے اس وقت جاری کیا تھا جب وہ آزاد کشمیر کے صدر تھے۔ جب کشمیر کانفرنس منعقد کی گئی تو وہ صدارت سے فارغ ہو چکے تھے۔

میرا خیال ہے کہ ان سے منسوب حکم کا انہیں پتا نہیں ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ بھول گئے ہوں، غالب خیال یہی ہے کہ ان سے دستخط کروالئے گئے ہوں گے اور انہیں خبر بھی نہ ہونے دی ہوگی، کیونکہ چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس ہی آزاد کشمیر حکومت کو چلاتے ہیں اور وہ صدر سے دستخط کروالیتے ہیں، کسی صدر نے آج تک ان سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ کسی فروعی بات میں اختلاف کیا گیا ہو تو اس کا مجھے علم نہیں ہے۔

یہ باتیں اپنے حافظہ کی مدد سے لکھ رہا ہوں، ممکن ہے کہ میرا حافظہ کوتاہی کر رہا ہو، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں، سب مرنے والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ میری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔

مولانا محمود احمد میر پوری پر ایک ضخیم خط لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن وہ کون لکھے گا، اہلِ قلم تو اس طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا میر پوری سیاسی طور پر مسئلہ کشمیر کا ایک ہی حل قرار دیتے تھے کہ اسے آزادی ملنی چاہیے، ان کے نزدیک الحاق کی حیثیت ثانوی تھی۔ ان کا خیال سو فیصدی درست تھا کہ آزاد ملک جب چاہے گا دوسرے ملکوں کے ساتھ

معاہدے کرنے میں بھی آزاد ہوگا۔ ان کی وفات سے محاذ رائے شماری کو بھی بہت نقصان پہنچا ہے، وہ جواں عمری میں ایک حادثہ کا شکار ہوکر شہادت پاچکے ہیں، خدا انہیں غریقِ رحمت کرے۔

آفتاب احمد انصاری نے ہر موقع اور ہر جگہ محاذ کے لئے کام کیا وہ جہاں بھی گئے انہوں نے کشمیر کی آزادی کے لئے کام کیا۔ محمد صدیق مرزا کے ساتھ یہ تمام راہنما و کارکن مل کر کام کرتے رہے۔ گنگا طیارہ کے اغواء کے قوت برطانیہ میں مقیم کشمیریوں نے جماعتی اختلافات سے بالاتر ہوکر محاذ رائے شماری کے رہنماؤں کی گرفتاری، ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جانے، انہیں شاہی قلعہ لاہور، چونا منڈی لاہور، دلائی ٹارچر سنٹر مظفرآباد اور دیگر اذیت گاہوں میں لے جاکر جو ظلم کیا جارہا تھا اس کے خلاف وہ سراپا احتجاج بن گئے تھے۔ تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

آفتاب احمد انصاری نے ان تمام مواقع پر نہ صرف جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی، بلکہ ان جلسوں کے لئے فنڈز اکٹھے کئے، کارکنوں کو جمع کیا، اور آگے بڑھ کر ان کی راہنمائی بھی کی۔ محاذ رائے شماری کے لئے برطانیہ میں ان کی امداد سے دفتر خریدا گیا۔ مسٹر امان اللہ خان کی رہائش وغیرہ اور وائس آف کشمیر اخبار کے لئے ان کے تعاون کے سلسلہ میں مفصل ذکر آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ)۔

آفتاب احمد انصاری کی دین اسلام سے اتنی محبت ہے کہ وہ کوئی بھی کام کرتے ہوئے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ اسلام کے اصولوں کی خلاف ورزی کا کوئی امکان نہ ہو تو پھر وہ شروع کرتے ہیں، انہوں نے پانچ بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اور 10/12 دفعہ عمرہ کی سعادت حاصل کرچکے ہیں، وہ نہ صرف خود حج وعمرے کرتے رہے بلکہ دوسروں کو بھی حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرانے کے لئے اخراجات برداشت کرتے رہے، یہ تفصیل اپنے مقام پر زیر تحریر لائی جائے گی۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو انگریزی زبان سیکھنے، سکھانے کے لئے B.B.C میں کام کیا۔ خود پڑھا اور دوسروں کو بھی پڑھایا اور سکھایا۔

آفتاب احمد انصاری والد مرحوم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اصلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے چلے آتے ہیں۔ ان کے والد مرحوم کا اس سلسلہ میں ذکر آئے گا۔ افغان جنگ کے دوران لوگوں کی امداد متاثرین زلزلہ کی مدد، سوات سے لوگوں کے انخلاء پر بے سہارا لوگوں کی امداد کے لئے انہوں نے بے مثال کام کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ انصاری کے بیٹے طارق محمود انصاری جو (انصاری ویلفیئر ٹرسٹ) آزاد کشمیر کے چیئرمین ہیں۔ ہمارے عزیز واقارب نے بریڈفورڈ برطانیہ میں ایک ٹرسٹ قائم کررکھا ہے جو انسانیت کی بے لوث مذمت کررہا ہے۔ اس کے آج کل چیئرمین ڈاکٹر محمد یاسین انصاری، آفتاب احمد انصاری نے ٹرسٹ کے چیئرمین طارق محمود انصاری کے ساتھ شامل ہوکر ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب متاثرین زلزلہ میں تقسیم کیا تھا۔ برمنگھم میں اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے۔

آفتاب احمد انصاری اس کے یکے از ٹرسٹیز ہیں۔

آزاد کشمیر و پاکستان میں اس ٹرسٹ کے نمائندہ بھی ہیں ۔آفتاب احمد انصاری نے زلزلہ زدگان، سیلاب زدگان،غریبوں،محتاجوں،یتیموں اور بے گھر ہونے والے افراد کی مدد اپنی جان پر کھیل کر کی ہے۔سوات کے انخلاء کے وقت فضائی حملے ہورہے تھے،خودکش حملے بھی جاری تھے،راستے مخدوش تھے۔برطانیہ کے ٹرسٹ کی طرف دی گئی امداد کی تقسیم کے لئے قاری محمد اعظم خطیب جامع مسجد اہل حدیث کے ساتھ چارسدہ ،نوشہرہ ، دیر، کوہستان،جنوبی پنجاب، جام پور،ضلع راجن پور گئے اور اپنی نگرانی میں مستحق افراد میں ضروری اشیاء اس سال 2011ء میں تقسیم کی ہیں۔

ایک دفعہ مینگورہ ٹاؤن شپ سے لے کرمردان تک خیمہ بستیوں میں جا کرامدادی رقوم تقسیم کی ہیں۔آزاد کشمیر اور پاکستان میں امداد دینے والی ٹیموں کے ساتھ جاتے رہتے ہیں۔آفتاب احمد انصاری نے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جومحاذ رائے شماری کے ایک معروف راہنما تھے،جنہوں نے کوٹلی کی سرزمین میں راولپنڈی سازش کیس کے ملزم کرنل ضیاء کے بھائی عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ مرحوم کے ساتھ مل کرلوگوں کے اندرآزادی کا جذبہ پیدا کیا تھا،موصوف میرپور کی جامع مسجد اہلِ حدیث کے امام وخطیب بھی رہ چکے ہیں۔

وہ اب برطانیہ(برمنگھم) میں مسجد اہلِ حدیث کے امام وخطیب ہیں ۔وہ اسلامک ویلفئیر ٹرسٹ کے کرتا دھرتا ہیں ۔اُن کے ساتھ کوئٹہ(بلوچستان)اور خیبرپختون خواہ کےصوبوں میں امدادی رقوم تقسیم کر کے واپس میرپور آئے ہیں، ان کے ہمراہ قاری محمد اعظم بھی تھے جن کا اوپر ذکرآ چکا ہے۔آفتاب احمد انصاری ایک ایسے شخص کا نام ہے جومتحرک رہتا ہے اورکسی فضول کام میں وقت ضائع نہیں کرتا ہے۔سیاست کوعبادت سمجھتا ہے۔آزادی اس کے خمیر میں ہے۔وہ آزاد پیدا ہوا، وہ قوم کوآزاد دیکھنا چاہتا ہے۔وہ ایک عظیم قومی سرمایہ ہےجس پرمحاذ رائے شماری کوفخر ہے۔اس نے یہ مقام بےلوث خدمت کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

جس کا عمل ہے بےغرض اس کی جزا اور ہے
حور و خیام سے گزر بادۂ و جام سے گزر

مولانا محمد شفیع مرحوم کے کزن محمد حسین انصاری موہڑہ کنیال سے آکرپچھمن فتح پور کے قریب گاؤں میں آباد ہوگئے تھے۔ان کا گاؤں بھی زیرآب آگیا تھا، وہ ایک بار پھراجڑ کربن خرماں میں آباد ہوئے ،وہ میرپور کے نامورعرائض نویس تھے، وہ پرانے مسلم کانفرنسی تھے۔لیکن نظریہ خودمختار کے حامی رہے، ان کا ایک بیٹا عبدالرشید انصاری آج بھی میرے بیٹے ناصرسعید انصاری کا منشی ہے۔عبدالرشید انصاری کا ایک بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے برطانیہ چلا گیا ہے۔اس کی بیٹیاں شادی کے بعد برمنگھم (برطانیہ) میں آباد ہوگئی ہیں، ان کا بیٹا محمد شفیق انصاری ایک دوائیوں کی

دکان پر کام کرتا ہے، ان کا کزن محمد سلیم انصاری ہے جو ایک عرصہ سے برطانیہ میں مقیم ہے۔ اس نے سیاسی پناہ حاصل کر لی تھی، سیاست ان سب کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

پروفیسر محمد اکرم انصاری کے والد محترم مشہور ٹھیکیدار تھے، تاجر اور ہنر مند تھے، وہ اکثر مال مویشی کی منڈیوں میں دیکھے جاتے تھے، مویشیوں کی خرید وفروخت کا بیوپار کرتے تھے، انتہائی نیک اور خوش اخلاق تھے، انہوں نے اپنی اولاد کی اچھی طرح پرورش کی، انہیں تعلیم دلوائی اور اچھے گھرانوں سے ان کی شادیاں کرائیں، ان کے ایک بیٹے محمد اشرف انصاری مرحوم کی شادی ریاست جموں کشمیر کے نامور سیاست دان کامریڈ عبدالعزیز المعروف گودڑی کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ کامریڈ عبدالعزیز کو حاجی وہاب الدین صاحب اور بطل حریت راجہ محمد اکبر خان اس نام سے اس لئے پکارتے تھے کہ وہ ایک چمکتا دھمکتا لعل تھے۔ وہ گودڑی میں چھپے ہوئے قیمتی موتی تھے۔

وہ قید و بند کی سختیاں جھیلنے والا بھلیالہ کا ایک سیاسی راہنما تھا، جس نے 1947ء کے فسادات کے بعد اپنے ساتھیوں سے مل کر عوامی کانفرنس بنائی تھی جس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔ محمد اشرف انصاری نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد کراچی میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور وہاں ہی وفات پا گئے تھے، ان کی بیگم اور بچے کراچی میں آباد تھے۔ اب میرپور آ گئے ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم انصاری کا ذکر آ چکا ہے کہ ان کی شادی اپنے تایا محترم حضرت مولانا عبدالرحمٰن انصاری مرحوم کی بیٹی سے ہوئی تھی جو اسکول کی معلّمہ رہی ہیں اور اب ریٹائرڈ ہو چکی ہیں، ان کا بیٹا آصف اکرم برطانیہ میں معہ اہل وعیال آباد ہے۔ پروفیسر محمد اکرم انصاری کے تایا زاد بھائی ڈاکٹر محمد صدیق انصاری بھی برطانیہ میں آباد ہیں۔ وہ بھی محترم مولانا عبدالرحمٰن انصاری کے داماد ہیں۔ محمد صدیق انصاری کو ڈاکٹر کہتے ہیں۔ وہ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر نہیں ہیں۔ بہت ذہین ہیں، برطانیہ میں بزنس کرتے ہیں۔ اور محاذ رائے شماری کے بانی ممبران میں سے ایک ہیں۔ ان کی پہلی زوجہ سے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ دوسری شادی سے ان کی اولاد ہے اور بیٹا عمر صدیق نے فارمیسی کی ڈگری لی ہے۔

ہمارے ایک بزرگ تھے، ان کے بھتیجے کالا اور ان کی اولاد بہاری سے اوپر ڈگار میں جا کر آباد ہو گئی تھی، ان کے پوتے وغیرہ ہائی ویکم (لندن) میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ کالا کا ایک بیٹا خیرات علی ہے جو مجھے نیوجرسی امریکہ میں خاص طور پر ملنے گیا تھا۔ اس کی بیٹی میرے بیٹے خالد محمود انصاری کی بیگم کے پھوپھی زاد بھائی کی زوجہ ہے۔ ہائی ویکم میں میرے پھوپھی زاد بھائی محمد فضل اور نیک عالم کی اولاد بھی جا کر آباد ہو چکی ہے۔ یہ دونوں بھائی خاندان کے عظیم لوگوں میں سے تھے، نیک و پارسا اور بلند اخلاق اتنے تھے کہ اپنے پرائے سب ان کے گرویدہ تھے۔

مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ کھنیارہ شریف کے میلہ میں ہمیں تلاش کرکے جبراً گھر لے جایا کرتے تھے۔ میں اپنے نانا مرحوم کے بڑے بھائی (بڑے نانا جی) کے پاس جاتا تھا۔ تو چھپ چھپا کر موہڑہ لالاریاں جو پوٹھہ کا گاؤں تھا سے آگے پوٹھہ بنگش چلا جاتا تھا۔ یہ وہ گاؤں ہے جس میں ریاست جموں کشمیر کی مشہور و معروف شخصیت مولوی ڈنڈے والے رہتے تھے۔ پوری ریاست میں پھرتے رہتے تھے اور قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔

وہ عورتوں کو بازاروں میں جانے سے روکتے تھے، ان کی ہمارے گاؤں میں رشتہ داری بھی تھی، ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، جموں شہر میں انہوں نے ریاست کے گورنر چمپت رام چوپڑہ کی بیوی کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور دوکانداروں نے اُسے چھپا کر اندر رکھا ہوا تھا۔ گورنر اطلاع ملنے پر موقع پر پہنچ گیا تو مولوی ڈنڈے والے نے اسے سخت لعن طعن کی، پولیس انہیں گرفتار کرکے لے گئی تھی لیکن ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے واپس آ گئے تھے، گورنر ان کی اصلاح معاشرہ کی تحریک سے واقف تھا۔ اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہتا تھا۔

اگر وہ حوصلہ افزائی نہ کرتا تو تب بھی حکومت کے اختیارات کو مولوی ڈنڈے والے نے چیلنج کر رکھا تھا، انہیں بار بار جیل میں بھیج کر حکومت کچھ حاصل نہ کر سکی تھی۔ وہ ایک بہادر، نڈر اور شیر دل مولوی تھا، بالآخر وہ اپنے ہی لوگوں سے اپنے ہی گاؤں میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کا بیٹا مولوی محمد خلیل برطانیہ میں آباد ہے۔ مولوی ڈنڈے والے بطلِ حریت راجہ محمد اکبر خانؒ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ کے سیاسی رفقا میں سے ایک تھے، یہ آزادی پسندوں کے قافلہ سالار تھے، ان کی اولادیں بھی برطانیہ میں جا کر آباد ہو گئی ہیں۔

مولوی ڈنڈے والے نہ صرف انگریز کے دشمن تھے بلکہ وہ انگریزی زبان کے بھی دشمن تھے، مجھے لڑکپن کا واقعہ یاد ہے۔ میں ایک چھوٹی سی انگریزی کی کتاب جامع مسجد موہڑہ ملکاں میں پڑھ رہا تھا، پیر نگاہ علی شاہ مرحوم بڑے نیک بزرگ تھے، انہوں نے مولوی ڈنڈے والے کو آتے دیکھ لیا اور مجھے کہا کہ یہ کتاب بند کر دیں۔ مولوی ڈنڈے والے آ کر مارنا شروع کر دیں گے، مولوی ڈنڈے والے کے متعلق مشہور تھا کہ وہ پہلے اپنا ڈنڈا چلاتے تھے اور پھر پوچھتے تھے کہ کیا پڑھ رہے تھے؟۔ میری ان سے جان پہچان تھی۔ وہ میرے والدِ محترم خدا ان کی روح پاک پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے، کی دل سے عزت کرتے تھے اور ان کے تقویٰ و پارسائی کے حوالے دیا کرتے تھے۔ اس لئے مولوی ڈنڈے والے سے مجھے کبھی ڈر نہیں لگا، نہ ہی ڈر نے کبھی میرے دل میں جگہ پائی ہے۔ ڈر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہونا چاہیے، جب میں نے مولانا عبدالغنیؒ ڈنڈے والے کو، خدا ان کی شہادت کو قبول فرمائے، پوچھنے پر بتایا کہ اس کتاب میں سید المرسلین محمد نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بارے میں لکھا ہوا مضمون ہے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس کا کچھ حصہ اور اس کا ترجمہ سناؤ خیر میں نے ترجمہ سنا دیا تو وہ خوش ہوئے اور ساتھ ہی کہا کہ مسجد میں انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب نہ لایا کرو، یہ زبان ناپاک

لوگوں کی ہے اورنگریزی حکومت کے خلاف کچھ کہا، جواب یادنہیں ہے۔ ان کے بارے میں بھی ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن کتابیں ان کی لکھی جاتی ہیں جن کے جانشین حکمران ہوں، اور مؤرخ کو کوئی مالی فائدہ حاصل ہو، درویشوں، ولیوں اورصوفیوں کوکون پوچھتا ہے؟۔ یہ بات ضمناً درج ہوگئی ہے۔

میں اپنے بڑے نانا جی کا ذکر کررہا تھا۔ ان کی اولاد دراولاد میرا سے نکل کر برطانیہ میں آباد ہوگئی ہے۔ میرے ماموں زاد بھائی ماسٹر الف دین مرحوم اپنے سسرال والوں کے ساتھ چترپڑی میں آباد ہوگئے تھے،ان کے عزیزواقارب بھی برطانیہ وغیرہ میں جا کرآباد ہوگئے۔ علی شان مرحوم اور دیوان علی مرحوم کی اولاد چترپڑی میں آباد ہے۔ وہ کنڈور سے آکرآباد ہوئے ہیں۔

میرے پھوپھی زاد بھائی محمد فضل مرحوم اور نیک عالم مرحوم کی اولاد میں سے ان کے نامور بیٹے محمد حسین، غلام حسین، محمد حنیف، محمد اصغر، محمد معروف ڈڈیال اور برطانیہ میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ نیک بزرگوں کی یہ اولاد بھی نیک ہے۔ میرے بڑے بھائی نیک عالم کا بیٹا الطاف ڈڈیال میں رہتا ہے،ان کی اولادیں بھی برطانیہ میں جا کرآباد ہوچکی ہیں، جاوید انصاری، محمد طیب انصاری، جمیل انصاری اس وقت بھی سرگرم سیاسی کارکن ورہنما ہیں۔

مسٹر محمد امین انصاری چک سواری میں رہتے ہیں، ان کی بیٹی میرے بھتیجے محمد صابر انصاری کے بیٹے وسیم انصاری کی بیوی ہے، وہ بھی انگلینڈ چلی گئی ہے۔ اب میں محمد صابر انصاری کے نانا جی مرحوم کی جھلک دکھلانا چاہتا ہوں۔ یہ سب باشعور لوگ تھے،سیاست دان تھے، برصغیر کی آزادی کی تحریکوں سے وابستہ رہے،ان کی داستان بھی نسل درنسل قربانی کی ایک طویل داستان ہے۔ انہوں نے بھی سیاست کو تجارت نہیں سمجھا تھا، وہ قومی ملکی اور دینی راہ میں قربانیاں دیتے چلے آتے ہیں۔

میں ان راہنماؤں اورسیکڑوں ہزاروں کارکنوں کونہیں بھولا ہوں جواس راہ میں قربان ہوئے۔ آگ آئی تو اس میں کود پڑے، آندھیاں آئیں تو ان کا رخ موڑ دیا۔ طوفان آئے تو اپنی کشتی کوڈوبنے سے بچالیا، شیطان نے جال بچھایا تو وہ اُس بچ نکلے اور دنیا کی کوئی ترغیب، کوئی لالچ، عہدوں ومناصب کی چمک انہیں راہ حق سے نہ ہٹاسکی، وہ مجھے اپنے رشتہ داروں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

صدیوں کی بات نہیں، ہنوز چند سال ہی گزرے ہیں کہ ایک آزاد منش کھدر پوش وقت کے موڑ پر کھڑا اپنے ہم وطنوں کو پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وطن کی آزادی، اتحاد اور سالمیت کے لئے جدوجہد کو جاری رکھو، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ، غاصب اور جارح قوتوں کا مقابلہ کرو، وہ نوجوانوں کو بتا رہا تھا کہ اس نے اپنے انقلابی ساتھیوں سے مل کر برطانوی سامراج کا مقابلہ کیا، شخصی راج کے خلاف بغاوت کی اور برصغیر کوآزادی ملی، ڈوگرہ راج ختم ہوا، کشمیر آزاد ہوا، لیکن اس پردو

پڑوسی ملکوں نے حملہ کر کے قبضہ کرلیا، دونوں اپنے اور اپنے مفتوحہ علاقوں پر قابض ہو گئے، وہ فاتح بن کر آئے۔ اور انہوں نے ہمیں غلام بنانا چاہا۔لیکن ہم نے ان کی غلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم بھیڑ بکریاں نہیں ہیں، جسم و رُوح رکھنے والے انسان ہیں۔ ہم مر سکتے ہیں لیکن غلامی قبول نہیں کر سکتے۔

اس باغی افرنگ نے نوجوانوں کو دعوت فکر دیتے ہوئے کہا کہ برطانیہ جو ایک وقت میں سپر طاقت تھی وہ عوام کے سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی۔ ڈوگرہ راجہ جو ریاستی عوام کی گردنوں پر تلوار لٹکائے رکھتا تھا، اسے اپنی راجدھانی میں بھی پناہ نہ مل سکی، اسے کشمیر میں مرنا بھی نصیب نہ ہوسکا۔ وہ بے آبرو ہو کر بادشاہت چھوڑ کر جان بچانے کی غرض سے بھاگ گیا اور ہم آزاد ہو گئے۔ اٹھو اور غلامی کا جواء اتار پھینکنے کیلئے تیار ہو جاؤ، اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے تمہیں زمین کا وارث بنا دے گا اور پھر دیکھے گا کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں؟۔

وہ ایک متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنی خودی کو بیچنے کی بجائے غریبی میں نام پیدا کرنے کو اپنی معراج سمجھتا تھا۔ وہ اور ان کے ساتھی ایثار پیشہ لوگ تھے۔ ان کی زندگی کے چند ایک واقعات کو جن کا اثر میں نے قبول کیا، اپنی زندگی کے سفر کی شام ہونے سے پہلے قرطاس و قلم کے سپرد کر رہا ہوں، وہ مردِ قلندر، عاشق رسول ﷺ، مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کے دل کی دھڑکن تھا۔ وہ ریاست کے دور افتادہ گاؤں موہڑہ کنیال میں پیدا ہوا تھا وہ میاں عبدالغنی انصاری کے نام نامی سے جانا جاتا تھا۔ وہ میاں شیر عالم کا بیٹا تھا، اور خود بھی شیر تھا، اس نے فرض جان کر آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا تھا اس راہ میں آنے والی تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا تھا، میں مختصراً ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر کروں گا۔

برادرِ محترم میاں عبدالغنی انصاریؒ کسی اسکول یا کالج کے فارغ التحصیل نہ تھے، انہوں نے مسجد کے کسی امام ہی سے ناظرہ قرآن پاک پڑھا ہوگا۔ البتہ علم کی تڑپ انہیں بہت سی مساجد کی طرف لے گئی، وہ اردو پنجابی پڑھ سکتے تھے، وہ خداداد حافظہ کے مالک تھے، قرآن پاک کا شب و روز مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ انہیں اس کتاب حکیم کا کافی حصہ زبانی یاد تھا، وہ بچوں کو قرآن حکیم پڑھایا کرتے تھے۔ وہ نمازِ تراویح میں قران پاک کا جو حصہ انہیں یاد تھا وہ سنایا کرتے تھے، امامت کے فرائض ادا کرتے رہے، قرآن پاک خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ تو لوگ وجد میں آجاتے تھے۔ اپنے محلّہ کی مسجد کی امامت کے فرائض باقاعدگی سے ادا کرتے رہے، وہ اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے، کھدر پہنتے تھے، کھدر تیار کرتے تھے، کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے بلا معاوضہ دین کی خدمت کی، رزق حلال کمایا، خود بھی کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا۔

وہ بڑے بہادر، جرّی اور جفاکش تھے۔ وہ میرپوری زبان میں تقریر کرتے تھے۔ وہ بیک وقت سیاسی کارکن،

سماجی رہنما، مبلغ اسلام، خطیب اور نعت خواں تھے، انہیں قصص المحسنین اور سیف الملوک کے علاوہ بُھلّے شاہ کی کافیاں تک یاد تھیں، وہ ساری ساری رات بارگاہ رسالت میں ہدیہ نعت پیش کرتے رہتے تھے اور لوگ سنتے رہتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے نہ صرف خود پابند تھے بلکہ لوگوں کو ترغیب دیتے رہتے تھے اور انہوں نے بے شمار لوگوں کو دین اسلام کا شیدائی بنایا۔ وہ خود پنجابی کے شاعر بھی تھے اور صاحب دیوان تھے۔ جب تک گاؤں میں رہے انہوں نے گروسری کی دکان کھول رکھی تھی۔ ڈڈیال میں بزازی کی دکان بھی چلاتے رہے، میرپور آ کر انہوں نے بالآخر پیشہ دکانداری اختیار کر لیا تھا۔

میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاریؒ اور برادرم میاں عبدالغنی انصاریؒ نے بچپن، جوانی اور بڑھاپا ایک ساتھ گزارا۔ وہ مدرسوں میں اکٹھے پڑھتے رہے۔ وہ سفر میں، حضر میں، جیل میں، عرسوں میں، قوالی کی مجلسوں، جلوسوں، میلوں اور کھیلوں میں ایک ساتھ رہے۔ وہ دونوں سیاسی رہنما، مذہبی پیشوا اور سماجی کارکن تھے۔ انہوں نے گاؤں میں اصلاح معاشرہ کی تحریک شروع کی اور قومی سطح کی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دونوں نے اکٹھے ہجرت بھی کی اور ''پھیری'' کا کام بھی کیا۔ ان کی مالی حالت کا نقشہ بیسویں صدی کے سب سے بڑے خطیب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے الفاظ میں یوں کھینچا جا سکتا ہے کہ ''کبھی چھن چھنا، کبھی مٹھی بنا، کبھی کچھ بھی نہیں''۔

قومی سطح کی سیاست میں وہ اس وقت چمکے تھے جب 1931ء کی تحریکِ آزادی شروع ہوئی اور سرینگر میں بائیس نوجوانوں نے اپنے خون شہادت سے ہماری آزادی کے بیج کی آبیاری کی تھی۔ یہ ایک ملک گیر تحریک تھی اور اس نے ڈوگرہ شاہی کے ایوانوں کو لرزا دیا تھا۔ اُس وقت ریاست میں کوئی سیاسی جماعت موجود نہ تھی، ہر قسم کی آزادیاں چھین لی گئی تھیں۔ راجہ کی رعایا بنیادی حقوقِ انسانی سے محروم تھی، ملک میں نچلی سطح پر چوکیدارہ نظام قائم تھا، شخصی راج کے محل کی بنیاد کی اینٹیں چوکیدار، نمبردار، ذیلدار اور چھوٹے چھوٹے جاگیردار تھے، ریاست ایک بڑے جاگیردار مہاراجہ ہری سنگھ کو وراثتاً ملی تھی۔ یہ جاگیر انگریزوں نے اپنے ایک وفادار ملازم کو اس کی اپنی قوم سے غداری کے عوض صرف پچھتر لاکھ روپیہ نانک شاہی میں دی تھی۔ وہ گلاب سنگھ کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ یہ ریاست ایک لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب ریاست کی پیمائش کی گئی تو 84471 مربع میل تک پہنچ کر پیمائش اس کے لئے روک دی گئی تھی کہ اس وقت موسم خراب ہو چکا تھا۔ برف سے ڈھکے ہوئے سر بفلک پہاڑوں کی پیمائش ممکن نہ رہی تھی۔ جتنی پیمائش ہو سکی تھی اسی کو جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا پاؤ گے۔ اس ریاست کا رقبہ تو دنیا کے چھ سات درجن جو آزاد و خودمختار مما لک ہیں ان سے بڑا ہے۔ اور یورپ کی 6/7 آزاد و خودمختار ریاستوں کے مجموعی رقبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کا جاگیردار مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کا آخری جانشین ہری سنگھ تھا۔ جس کے خلاف اس کی باغی رعایا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

برادرانِ محترم میاں غلام نبی انصاری اور میاں عبدالغنی انصاری مہاراجہ کے باغیوں میں سے تھے۔ علاقہ اندر

ہل میں حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ نے بغاوت کی آگ کے شعلوں کو بڑھڑکا یا تھا۔ ریاست جموں وکشمیر کے یہ عظیم رہنما تھے۔ وہ ایک انقلابی مذہبی اور سیاسی رہنما حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے برٹش راج کے خلاف بغاوت شروع کر رکھی تھی۔ وہ مالٹا کے جزیرہ میں بھی کئی برسوں تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

دیوبند مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا سر کٹا تو سکتا ہے وہ سر جھکا نہیں سکتا، وہ صرف خدا کی غلامی کو قبول کر سکتا ہے، دوسرے کسی کی غلامی اسے قبول نہیں ہو سکتی، وہ عزت کی موت کو پسند کرے گا۔ حضرت مولانا سیاکھویؒ ایک معلم، ایک مفکر، ایک محدث اور ایک انقلابی دینی و سیاسی رہنما تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ دن رات امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اور ڈوگرہ دور میں طویل عرصہ تک ڈوگرہ کی جیلوں میں قید و بند کی سزائیں برداشت کیں۔ ایامِ اسیری میں ہی انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ وہ قاری، حافظ اور خطیب تھے۔

علاقہ اندرہل ان کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا، وہ ریاست جموں کشمیر کے دور دراز علاقوں تک مشہور و معروف تھے، وہ حاجی وہاب الدینؒ اور بطلِ حریت راجہ محمد اکبر خانؒ کے دست و بازو بنے اور ریاستی عوام کو جاگیرداری نظام اور ڈوگرہ شاہی سے نجات دلانے کے لئے متحد کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مولانا مرحوم کا یہ شعر برادر محترم میاں عبدالغنی انصاریؒ اکثر جلسوں میں سنایا کرتے تھے۔ ؎

کتھے جھگڑے چپ جرالاں دے
کتھے جٹاں تے کسوالاں دے
کتھے سدھناں تے ملدیالاں دے
کتھے گوجراں تے جرالاں دے
ایہہ ٹوڈیاں دیاں سب چالاں نے
پڑھو لا الٰہ الا اللہ

یہاں حضرت مولانا سیاکھویؒ کا ذکر ضمناً آ گیا ہے۔ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے کنبہ کو جیل، جلاوطنی کی آزمائشیں پیش آئیں۔ ہمارے گھرانے کے یہ شعلہ بیاں مقرر، خوش الحان قاری اور نعت خواں دن رات اس تحریک کو تیز کرنے میں مصروف رہے۔ برادرانِ محترم میاں غلام نبی انصاریؒ میاں عبدالغنی انصاریؒ، میاں محمد شفیعؒ، میاں امام علی انصاریؒ، میاں غلام رسول انصاریؒ، مولوی راجولی انصاریؒ، مولانا عبدالرحمٰن انصاریؒ اور دیگر عزیز واقارب دن کو جلوس نکالتے، رات کو نعرے لگواتے تھے، گاؤں کی بڑی مسجد کے ساتھ ''دارہ'' تھا۔ جہاں شام کے وقت تھکے ہوئے کسان

اور محنت کش بیٹھا کرتے تھے وہاں ایک بہت بڑا کڑاھا رکھا ہوتا تھا، جس میں سرخ رنگ ڈالا ہوا تھا، لوگ آتے اپنی قمیض اتار کر اس میں ڈالتے اور سرخ رنگ دے لیتے۔ اسی وقت نچوڑ کر گیلی قمیص پہن لیتے اور سیدھے تھانہ کی طرف گرفتاری دینے کے لئے چلے جاتے، گرفتاری دینے والوں میں بڑے بوڑھے اور ۱۲،۱۰ سال کے بچے بھی شامل تھے۔ بچوں کو مائیں نئے کپڑے پہنا کر اور آنکھوں میں سرمہ ڈال کر خوشبوئیں لگاتیں اور کہتیں ''جاؤ بیٹا، گرفتاری دو''۔ اور وہ گرفتار ہو جاتے۔ یہ ایسی زبردست تحریک تھی کہ کوئی گھر نہ تھا جہاں سے ایک دو افراد پسِ دیوارِ زنداں نہ گئے ہوں، تھانے بھرے ہوئے تھے۔ جیلوں میں جگہ موجود نہ تھی۔ کھلے میدانوں میں خاردار تار لگا کر جیلیں بنا دی گئی تھیں، ضلع میرپور کی تمام آبادی اب باہر آچکی تھی، منگلا قلعہ بھی بھر گیا تھا۔ پولیس تھانے چھوڑ کر پناہ گاہوں کی تلاش میں تھی، جیلوں کے داروغے لوگوں کے سامنے آنے سے ڈرتے تھے۔ مجسٹریٹ چھپ گئے تھے۔ پرامن تحریک کی وجہ سے حکومت کے اہل کاروں کو نقصان نہ پہنچا تھا۔ اگر تحریک پرتشدد ہوتی تو حکومت کا ایک ایک فرد آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا۔ سرکاری عمارتیں گرا دی جاتیں، لیکن لوگوں نے اپنے رہنماؤں کی ہدایات کی وجہ سے تشدد کا راستہ اختیار نہ کیا تھا۔

چند ایک عمارتوں کو نقصان ضرور پہنچا، لیکن اس میں بھی حکومت کا اپنا قصور تھا۔ برادرم میاں عبدالغنی انصاریؒ نے ایک منظوم کتاب چھپوا کر تقسیم کی تھی، ہر جلسے میں وہ خود بھی پڑھ کر سناتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی اس کو پڑھتے اور سناتے تھے۔ یہ پنجابی دیوان تھا۔ اس میں ڈوگرہ راج کے ظلم، شہداءِ کشمیر کے مقدس خون کو نذرانۂ عقیدت اور غازی الٰہی بخش شہید پر پنڈت وشوامتر کے سنگین سے حملہ پر غم و غصہ کا اظہار تھا، ڈوگرہ فوج اور پولیس اور ڈوگرہ کی قائم کردہ عدالتوں پر لعنت بھیجی گئی تھی، یہ کتاب لوگوں کو بغاوت پر اکساتی تھی۔

تحریک تھم جانے کے بعد برادر محترم پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا انہیں پابجولاں عدالتوں میں گھسیٹا گیا، لیکن وہ شیروں کی طرح چلتے ہوئے عدالت میں گرجتے ہوئے جاتے تھے۔ ان کے وکیل نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ کتاب کی تصنیف اور اس کی اشاعت سے انکار کر دیں تو وہ رہا ہو جائیں گے، کتاب پر کسی کا نام نہ تھا، پریس تو ایسی باغیانہ کتاب چھاپنے کے لئے ہی تیار نہ تھا، پریس لائن دیئے بغیر یہ کتاب چھپی تھی۔

پریس والوں کو ڈر تھا کہ مصنف کا نام لکھا گیا تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اس راز کو فاش کر دے اور نہ صرف پریس مالکان کو پریس ضبط ہونے کا خطرہ تھا بلکہ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ وہ بھی بغاوت کے مقدمہ میں دھر لئے جائیں گے، وکیل تو اپنے مؤکل کو بری کرانے کے لئے اس طرح کے مشورے دیا کرتے ہیں، لیکن ایسے مشورے وہ قبول کرتے ہیں جنہیں سزا کا خوف ہو، جیل کا ڈر ہو، جائیداد کی قرقی و نیلامی کا خطرہ ہو، مگر وہ لوگ جو خود پھانسی کے رسّہ کو چوم کر جھولنے کی تمنائیں رکھتے ہوں وہ ایسے مشوروں کو نہ صرف قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں بلکہ ایسے وکیلوں سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

برادرِ محترم میاں عبدالغنی انصاریؒ نے وکیل کو یہ جواب دیا تھا کہ ڈوگرہ راج کے خاتمہ کے لئے وہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں، انہوں نے یہ قصہ مزے لے لے کر سنایا تھا، مجھے کوئی شعر یاد نہیں ہے، البتہ ڈوگرہ حکمران، ڈوگرہ فوج، ڈوگرہ راج ''وانگ باروداوڑ جاسن'' کا ذکر یاد ہے۔ یہ دیوان ممکن ہے کہ ان کی عدالتی فائل کیساتھ موجود ہو، مقدمہ زیرِ سماعت ہی تھا کہ ڈوگرہ حکمران نے تمام مقدمات واپس لینے کا حکم جاری کر دیا تھا، سرینگر اور جموں کی عدالتوں میں سے سیاسی مقدمات جو زیرِ سماعت تھے واپس لے لئے گئے۔

شیرِ کشمیر اور کشمیری راہنماؤں کے ساتھ ڈوگرہ حکومت کا معاہدہ ہونے کے بعد سیاسی قیدی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ مقدمات واپس ہونے پر برادرِ محترم بھی رہا ہو گئے تھے۔ اسی تحریک میں برادرم مولانا محمد شفیعؒ کو گرفتار کر کے جمّوں جیل میں محبوس کر دیا گیا تھا۔ اور ہری سنگھ ڈوگرہ راجہ کے حکم پر جیل کے اندر اُن کو ٹکٹکی پر چڑھا کر انہیں کوڑے مارے گئے تھے اور وہ ہر کوڑے کی آواز پر

''اسلام کا بول بالا، ڈوگرہ کا منہ کالا، حق کا بول بالا، راجہ کا منہ کالا''

کے نعرے لگاتے تھے۔ جب بے ہوش ہو گئے تب انہیں چھوڑا گیا تھا۔ یہ نعرے ضلع میرپور کے گلی کوچوں میں تحریک کے دوران لگتے رہے۔ اسی تحریک میں چوہدری گلاب جو اسُنیّاں کا رہنے والا تھا اسے بھی گولی مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔

مفتی اعظم آزاد کشمیر مفتی عبدالحکیمؒ کو سیکڑوں کارکنوں سمیت منگلا قلعہ میں بند کر دیا گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں لوگ بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرے تھے۔ ان کا ذکر کوئی مؤرخ کرے گا۔ راقم اپنے گھرانے کے افراد کی نسبت لکھ رہا ہے، اس لئے صرف تحریک کی ایک جھلک دکھائی ہے۔

ہمارے بھائی اور ہمارے کزن صبح جاگتے ہی ڈڈیال پہنچ جاتے تھے، دوپہر میرپور گزارتے تھے، مسجدیں جلسہ گاہوں میں بدل گئی تھیں، ہر مسجد میں نماز کے بعد تقریریں ہوتی تھیں، رات بھر تقریریں جاری رہتی تھیں، ہمارے کزن کبھی رات میرپور گزارتے تھے اور کبھی شام کو گھر پہنچ جاتے تھے۔ ذرائع ابلاغ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ نعروں کے ذریعے دور دراز کے لوگوں کو پیغام پہنچاتے تھے اور چند گھنٹوں کے اندر اُن کا کوٹلی اور بھمبر تک پیغام پہنچ جاتا تھا۔

ذرائع رسل ورسائل کی سہولتیں بھی حاصل نہ تھیں۔ لوگ کوٹلی اور بھمبر سے پیدل چل کر وقت مقررہ پر پہنچ کر جلسے، جلوس اور جنازوں میں شریک ہو جاتے تھے، میں بہت چھوٹا تھا، مجھے دھندلی سی یاد ہے کہ میرے کزن مجھے کندھوں پر بٹھاتے تھے اور کبھی مجھ سے نعرے لگواتے تھے اور کبھی مجھے نعروں کا جواب دینے کی مشق کراتے تھے، میں نے اس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، میری پرورش اس دینی اور سیاسی ماحول میں ہوئی تھی، برادرم محترم میاں ستار محمدؒ ایک گوشہ نشین عالم

دین تھے، میرے سارے کزن، بھائی اور بزرگ مسجدوں کے پیش امام تھے۔ وہ بڑے نیک و پارسا تھے۔ یہ اولیاء اللہ کا ایک گروہ تھا جو لوگوں کو قرآنِ حکیم پڑھایا کرتے، خود بھی قرآن پاک و احادیث پاک اور فقہ کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور لوگوں کو بھی دینی مسائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے، گلستان، بوستان اور مثنوی مولانا رومؒ انہیں ازبر تھیں جو ترنم سے سناتے تھے، ریاست کی سرکاری زبان فارسی تھی اور جن جن علماء سے انہوں نے پڑھا تھا وہ فارسی کے جیّد عالم و فاضل تھے، ان بھائیوں کو فارسی بھی آتی تھی، اردو میں تقریریں بھی کر لیتے تھے۔

خطیبوں کا یہ قابلِ فخر گروہ عوام کو دین اسلام کے بنیادی عقائد سمجھاتا رہتا تھا، یہ بزرگ راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور دن کو محنت و مزدوری کرتے تھے۔ انہوں نے دین کو پیشہ نہیں بنایا تھا، البتہ جب انہیں دن رات دین کی تبلیغ کرنی پڑی، خود بچوں کو پڑھانا پڑا تو ان مین سے میرے ایک کزن میاں محمد شفیع رحمہ اللہ ضلع جہلم کے سرحدی گاؤں پنجور میں لوگوں کے اصرار پر انہیں مسجد کے ایک امام و خطیب اور اردو معلم کے فرائض سرانجام دینے پڑتے۔ ہنجور کی جامع مسجد کے خطیب تھے، گڈاری راجگان میں مولانا عبدالرحمٰنؒ نے امامت کے فرائض سنبھالے۔ خطبہ جمعہ دیتے تو لوگ ان کی قرآن خوانی سے وجد میں آجاتے۔

مولانا راجولیؒ نے لوئر گڈاری کی مسجد میں ایک طویل عرصہ تک امامت کا فرض سنبھالے رکھا، ان علاقوں کے لوگ پڑھے لکھے تھے۔ تقریباً نوے فی صد آبادی فوجیوں پر مشتمل تھی، اس علاقہ کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ یہ بہادر فوجیوں کی سرزمین تھی، جو میرپور کی سرحد کے ساتھ ملتی ہے۔ جموں کشمیر کی آزادی کی ہر تحریک میں بھی انہوں نے کشمیریوں کی مدد کی تھی۔ آخری جنگ جو کشمیریوں کی آزادی کے نام پر لڑی گئی اس کا مرکز بھی گڈاری راجگان تھا۔

رسالدار میجر راجہ شہنواز خان مرحوم مسلم لیگ کے رہنما تھے۔ اور وہی اس کے کمانڈر بھی تھے۔ 1947ء کی جنگ میں انہوں نے ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا آزاد کشمیر کے ضلع میرپور میں جنگ میں حصہ لینے والوں کو اسلحہ فراہم کیا گیا، مہاجرین کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ لشکریوں کو پناہ دی گئی ۔ ہمارے کزن پیش پیش تھے۔ ان لوگوں کے حالاتِ زندگی لکھنے کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ جن لوگوں نے 1947ء کے حالات قلمبند کئے ہیں، انہوں نے اس سنہری باب کو قلم بند ہی نہیں کیا ہے۔ رسالدار میجر راجہ شہنواز خان اور ان کا خاندان، راجہ عبدالرزاق، ڈاکٹر مبارک خان، راجہ خداداد خان، ڈاکٹر ممتاز قلی خان، راجہ اشرف علی خان اور ان کے خاندان نے اس جنگ میں بے لوث خدمت کی تھی، لشکریوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت میں وہ شریک نہ تھے۔ ڈاکٹر راجہ ممتاز قلی خان جو پاکستان کے ہی نہیں بلکہ دنیا کے مشہور و معروف امراضِ چشم کے ماہرین میں سے ایک ہیں ان کے خاندان نے اپنے گھر خالی کر کے مہاجرین کے حوالہ کر دیئے تھے۔

ہمارے کزن میاں ستار محمد جوانب کی مسجد کے ایک حجرہ میں رہ کر دین اسلام کی خدمت کرتے رہے ان کا نامور بیٹا مولوی محمد صادق تھا، جو فوج میں بھرتی ہو کر فوجیوں کو جہاد کا درس دیتا رہا، اور جنگ آزادی میں صفِ اوّل میں کھڑا تھا، وہ لڑتا رہا اور جہادیوں کے حوصلوں کو بھی بڑھاتا رہا۔ وہ ایک معروف سیاست دان تھا، آزاد کشمیر کی سیاست میں بھرپور حصہ لے کر خدا کے حضور چلا گیا۔

جن بھائیوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ بھی خدا کے حضور چلے گئے ہیں ان کی خدمات کا صلہ یہ دنیا کیا دیتی؟ وہ تو ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خدمت خلق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ وہ اس عمل کا اپنے خدا کے حضور انعام پائیں گے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں۔

وہ دنیا سے کسی اجر کے طالب نہیں ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے لوث خدمات کو قبول فرمائے وہ سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ وہ تقریباً سب کے سب پیر مہر علی شاہؒ دربار گولڑہ شریف کے مریدوں میں سے تھے۔ وہ اولیاء اللہ کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے۔ تقریباً سب نے حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی ہوئی تھی۔ ان کی سیاسی تربیت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بھی ان کی نسل کے لوگ بڑی بڑی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں مگر پھر بھی ان کے قافلے آزادی کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

برادرِ محترم میاں عبدالغنی انصاریؒ اپنی تقریر میں پوری پوری نظمیں سنا دیتے تھے، جلسوں میں تلاوت کی سعادت انہیں حاصل ہوتی تھی، قرآن پاک خوش الحانی سے سناتے تھے، تقریر کے دوران حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ کا یہ شعر اکثر سنایا کرتے تھے۔

واہ واہ بخشی کیشو داسہ
چھڈیا لہو نئیں تن وچہ ماشہ
نہ بھوہ چھڈیا نہ گھاسہ
اس لٹ لیا جگ سارا
ہن کھول آکھیں زمیندارا
تیرا لٹیا گیا گھر سارا

ہمارے کنبہ کے لوگوں نے اصلاح معاشرہ کے لئے بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ غیر اسلامی رسموں کو مٹانے، لوگوں کو فضول خرچی کرنے سے روکنے، شادی بیاہ کے موقع پر بے ہودہ گانے اور جہالت کے دور کی یادیں مٹانے کے لئے جدوجہد کی، انہیں گاؤں کے لوگوں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ ابتدائی تعلیم تو وہ خود بچوں کو دیتے تھے، کسانوں

اور محنت کشوں پر زور دیتے تھے کہ وہ بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔

ہمارے گاؤں میں ایک روحانی پیشوا مولوی غلام محمدؒ بھی تھے۔ جو عربی مدرس رہ چکے تھے اور انہوں نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر باقی ساری زندگی حجرہ نشینی میں گزار دی، وہ مسجد کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرہ میں تنہا رہتے تھے۔ انہوں نے دنیا چھوڑ دی تھی، وہ گوشہ نشین ہو چکے تھے، دن رات عبادت میں مشغول رہتے۔ چلے کاٹتے رہتے تھے۔ لیکن صبح وشام بچوں کو قرآن پاک بھی پڑھایا کرتے تھے، نوعِ انسان کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں کے رہنے والے تھے۔

مولانا غلام محمدؒ ایک پڑھے لکھے عالم دین تھے، وہ اپنا وطن، اپنا گھر بار چھوڑ کر ہمارے گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے تھے، وہ گوجر برادری سے تعلق رکھتے تھے، ان کی برادری کا ایک فرد بھی ہمارے گاؤں میں نہیں تھا۔ لیکن سارے گاؤں کے لوگ انہیں اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ بڑے بڑے درباروں کے گدی نشین ان کے پاس پہنچتے تھے۔ وہ درویش خدا یاد خدا میں مست رہتا تھا۔ ان کی مجلس میں لوگ باوضو بیٹھتے تھے وہ ٹھیک وقت پر نماز باجماعت پڑھتے تھے، نماز کی امامت میرے والد محترم کراتے تھے۔ اگر وہ موجود نہ ہوں تو خود مولوی صاحب نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ گاؤں میں دونوں بزرگوں کا بہت اونچا مقام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی تھی۔ اور وہ اپنے بلند مقام پر مرتے دم تک فائز رہے۔ دور دور سے لوگ ان کی زیارت کرنے اور دعائیں کرانے کے لئے حاضری دیتے تھے۔

حضرت مولانا غلام محمد مرحوم کسی کے خلیفہ مجاز تھے یا نہیں؟۔ میرے علم میں نہیں ہے۔ لیکن ایسا پتا چلتا تھا کہ مسند ارشاد انہیں وراثت میں ملی ہے۔ کسی چوکیدار، کسی نمبردار، کسی ذیلدار، کسی تھانیدار، کو ان کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی، وہ بھی اجازت لے کر ان کے پاس اپنے حق میں دعا کرانے کے لئے جاتے تھے۔ انہیں دیکھ کر خدا یاد آ جاتا تھا۔ گاؤں کے سب لوگ ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

گاؤں کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان کا گاؤں اس درویش اور مجسمہ نیکی کی وجہ سے پُرامن طور پر آباد ہے، چوری چکاری اور مقدمہ بازی سے بچا ہوا ہے۔ اس مردِ درویش کو کھانے پینے کی کوئی فکر نہ تھی، ہر قسم کا کھانا، ہر قسم کے پھل اور ضرورت کی چیزیں وافر مقدار میں ان کے پاس موجود ہوتی تھیں، وہ شام تک سب پھل وغیرہ تقسیم کر دیتے تھے۔ انہیں کھانے کے لئے کسی چیز کے بچانے کی ضرورت نہ تھی۔ تازہ مکھن، تازہ دودھ اور تازہ کھانا انہیں وقت پر اللہ تعالیٰ پہنچا دیتا تھا۔ ان کی وجہ سے ہمارے گاؤں کی حالت بدل گئی، وہ یتیم بچوں کو انجمن اسلامیہ لاہور کے یتیم خانہ میں داخل کرا دیتے تھے۔ ماسٹر عطا محمد مرحوم جنہیں اندر ہل کا سرسیّد کہا جاتا ہے۔ وہ یتیم خانہ ہی کے فارغ التحصیل تھے۔ یہ وہی عظیم سیاسی مجاہد ہیں جو بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ کے گاؤں میں اسکول ٹیچر رہے اور راجہ صاحب مرحوم کو اتنا اعتماد تھا کہ ان کے نجی خطوط،

اور جیل سے خطوط، ماسٹر جی کے نام آتے رہے۔

بطلِ حریت کا ایک تاریخی خط بھی انہوں نے ہی تاریخ کے حوالہ کیا تھا جو چھپ چکا ہے۔ان کے کچھ دیگر خطوط بھی مورخین اور اہلِ قلم نے ان سے حاصل کئے تھے ''تاریخ میر پور کا ایک اہم دور'' میں چند خطوط بنام ماسٹر عطا محمد چوہدری موہڑہ کنیال علاقہ اندر ہل چھپ چکے ہیں۔ ماسٹر عطا محمد مرحوم ایک وسیع المطالعہ شخص تھے، وہ محاذ رائے شماری کے راہنماؤں میں سے ایک تھے،انہوں نے بھی حضرت مولانا غلام محمدؒ سے فیض پایا تھا۔

حضرت مولانا غلام محمدؒ جو جھنڈا تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے وہ مولانا محمد عبداللہ لدڑوی کے شاگرد بھی بیان کئے جاتے ہیں۔حضرت مولانا لدڑوی کو میں نے ان کے پاس جاتے ہوئے دیکھا ہے۔وہ خود مسجد کے اندر ہی رات گزارتے تھے، میں نے آزاد کشمیر کے مفتی اعظم مفتی عبدالحکیم کا 1931ء کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں کسی دوسری جگہ ذکر کیا ہے وہ بریلوی مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے تھے،انہوں نے ایک قیدی کی حیثیت سے قلعہ منگلا کی دیوار کے لئے مشقت کی اور اپنے سر پر پتھر اٹھا کر ایک مزدور کی طرح کام کرتے رہے۔ وہ اور ان کے والد گرامی مسجد گکھڑاں میر پور کے خطیب تھے۔ یہ مسجد اس تحریک کے دوران اسی طرح جلسہ گاہ کا کام دیتی تھی جس طرح نلوئی کی جامع مسجد جس کے خطیب حضرت مولانا محمد یوسفؒ تھے،ان کی مسجد بھی مرکزی حیثیت کی حامل تھی۔

حضرت مولانا موصوف نے بھی دیو بند مکتبۂ فکر کے علماء کی طرح جہاد کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہوئے لوگوں کو شخصی راج کے خلاف تیار کیا تھا، اس دور میں کوئی مذہبی تفریق نہ تھی، سب میں فکری اتحاد تھا۔سب ظلم کے خلاف تھے۔ سب غلامی کی لعنت سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔سب نے اپنا حصہ ڈالا تھا۔اور تحریک کو آگے بڑھایا تھا،حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو برادر محترم میاں غلام نبی انصاریؒ اپنا استاد سمجھتے تھے۔اور میری آنکھوں کی بیماری کے لئے ان سے سرمہ لیا کرتے تھے۔میں نے بھی حضرت مولانا سے سرمہ لیا تھا۔اور اسے استعمال کرتا رہا۔

غالباً یہ چالیس کے عشرہ کی بات ہے۔ برادر محترم میاں غلام نبی انصاری کو طب سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ ممکن ہے کہ انہوں نے اس کا نسخہ بھی حاصل کر لیا ہو۔حضرت مولانا محمد یوسفؒ ایک معلم، مدرس، محدث اور مفکر تھے۔ دارالعلوم دیو بند کے فارغ التحصیل تھے۔اردو پنجابی،عربی و فارسی کے عالم و فاضل تھے۔ بڑے بڑے نامور اساتذہ ان کے شاگرد تھے،ان کی دینی و سیاسی خدمات قابل تحسین ہیں۔وہ گاؤں جہاں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا، آج اس کے بیٹے ڈاکٹر، وکیل، انجینئر،سائنس دان، پروفیسر اور بڑے بڑے ہوٹلوں اور کارخانوں کے مالک ہیں۔ان کی اولادیں یورپ اور امریکہ میں آباد ہو چکی ہیں۔ یہ حضرت مولانا غلام محمدؒ کی محنت، دعا اور فیض کا نتیجہ ہے انہوں نے بڑھاپے میں پہنچ کر شادی کی تھی وہ صرف سنت پوری کرنا چاہتے تھے۔

گاؤں کے بزرگ چوہدری محمد علی، چوہدری یار محمد، چوہدری امام علی، چوہدری غلام محمد، چوہدری غلام قادر کوان کی صحبت نصیب ہوئی۔ والد محترم اور مولانا غلام محمدؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ گاؤں کی مسجد میں اکٹھے گزرا ہے۔ ان سے پوری ذیل اوناع کے لوگ بڑی عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور نذرونیاز پیش کر کے دعائیں کراتے تھے۔ جب مولانا مرحوم کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں ان کے آبائی گاؤں میں دفن کیا جائے۔ اور ان کی نمازِ جنازہ میاں غلام نبی انصاریؒ سے پڑھایا جائے۔

خدا تعالیٰ کا یہ نیک و پارسا بندہ 1968ء میں اس عارضی و فانی دنیا کو چھوڑ کر خدا کے حضور چلا گیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پاک پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے، آمین۔ ان کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا گیا۔ میرے ساتھ انہیں بہت پیار تھا۔ اور بچپن میں جب کبھی تقریر کرتا تھا تو وہ میرا حوصلہ بڑھاتے تھے اور میرے لئے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ **کل من علیھا فان ☆ ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ☆**۔

دریائے پونچھ کے مغربی کنارے کسی زمانے میں ''چومکھ'' نام کا ایک مشہور شہر تھا۔ اس شہر کی نسبت سے اس دریا کو دریائے چومکھ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شہر میرپور سے بھی قدیم تھا۔ ڈوگرہ زمانہ میں علاقہ اندرہل میں صرف ایک پولیس تھانہ ہل تھا۔ لیکن 1947ء کے بعد تھانوں کو تحصیلوں کا اور تحصیلوں کو اضلاع کا درجہ دے دیا گیا۔ وزارت (ضلع) میرپور کی تین تحصیلیں میرپور، بھمبر اور کوٹلی تھیں۔ اب میرپور ضلع کے تین اضلاع بن گئے ہیں۔

آزاد کشمیر کا کل رقبہ تقریباً 32 ہزار مربع میل تھا۔ گلگت و بلتستان کا رقبہ 27 ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ باقی 5 ہزار مربع میل کا رقبہ'' آزاد کشمیر'' کہلاتا ہے۔ یہ پرانا صرف ڈیڑھ ضلع بنتا ہے، جس کے اب آٹھ ضلعے بنا دیئے گئے ہیں۔ اور قصبہ ڈڈیال کا تحصیل کو درجہ دے دیا گیا ہے۔ منگلا ڈیم کی وجہ سے زیرآب آنے کے بعد اسے ہمارے گاؤں کے مغرب کی طرف از سرنو آباد کیا گیا ہے۔ آج میرپور کی تحصیل ڈڈیال کے شمال میں پہاڑی سلسلے اور اس کے مشرق و مغرب میں دریائے جہلم اور دریائے پونچھ (جسے آج بھی دریائے چومکھ کہتے ہیں) اس سارے علاقہ کی حد بندی کرتے ہیں۔

اندرہل دوآبہ میں آباد ہے۔ اس کے تین طرف مشرق، مغرب اور جنوب میں پانی ہے۔ دریائے جہلم مغرب سے ہوتا ہوا بل کھاتے ہوئے جنوب کی طرف سے مشرق کی جانب دریائے پونچھ کے ساتھ ڈھنگروٹ (ضلع جہلم) اور چانہ (تحصیل ڈڈیال) کے ساتھ ملنے کے بعد منگلا جھیل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دریائے چومکھ دریائے جہلم کا معاون دریا ہے۔ یہ دونوں دریا اس علاقہ اندرہل کی حد بندی کرتے ہیں۔ یہ علاوہ ریاست جموں و کشمیر کی سرحد ہے جو موجودہ پاکستان کے اضلاع جہلم، گوجر خان (پوٹھوہار) اور راولپنڈی سے ملتا ہے۔ ڈوگرہ زمانہ میں میرپور جانے کے لئے دریا کو کشتی کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا۔

پلاک اور دھان گلی کے پل ڈوگرہ دور کے بعد بنائے گئے ہیں۔ ہر دو دریاؤں کے درمیان اک وسیع میدانی علاقہ تھا، کاشت کے لئے زرخیز زمین بھی موجود تھی۔لیکن ڈوگرہ راجہ نے اس کی ترقی کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا۔ اگر دریاؤں کا پانی استعمال کیا جاتا تو یہ ایک خوبصورت وادی ہوتی جو سیاحوں کی کشش کا مرکز بھی بن سکتی تھی۔لیکن اراضیات بارش کے پانی کی محتاج تھیں،اس لئے ان میں ہر قسم کی پیداوار نہ ہوتی تھی، چوملکھ کے نزدیک کا حصہ بہت زرخیز تھا۔ وہاں ہر قسم کے پھل،سبزیاں،اناج، دالیں وغیرہ پیدا ہوتی تھیں۔

جو علاقہ کی ضروریات کو کسی حد تک پورا کرتی تھیں۔کسان بڑے محنتی تھے۔لیکن چند ایک کو چھوڑ کر اکثر کسانوں کو محنت مزدوری کیلئے پنجاب اور بمبئی تک جانا پڑتا تھا۔سارے علاقہ میں ایک پرائمری اسکول تھا۔طلباء 7,7-6,6 میل دور سے پیدل چل کر آتے تھے۔ بعد میں اسے مڈل کا درجہ دیا گیا تھا۔ضلع میر پور میں صرف ایک ہائی اسکول تھا۔کوٹلی اور نوشہرہ تحصیل کے طلباء بھی اسی اسکول میں پڑھنے آتے تھے۔لوگ اپنا گھر بار بیچ کر اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتے تھے، گنے چنے لوگ ایسے تھے جن کی اولاد میر پور تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی تھی۔

مہاراجہ نے جان بوجھ کر ان علاقوں کے لوگوں کو تعلیم،علاج اور روزگار سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ ریاست کا انتہائی پسماندہ علاقہ تھا۔ان کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔''راجا راج کرے، پرجا بھوکی مرے''۔ کے نعرے بلند ہوتے رہتے تھے۔راجہ کا راج گیا تو لوگ سکھ کا سانس لینے لگے۔اسی کے دور میں کسانوں اور محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد سودی نظام میں جکڑی ہوئی تھی،لوگ بمبئی چلے جاتے، جہازوں پر محنت مزدوری کرتے، جو کچھ کما کر لاتے تھے اسے لینے کے لئے سود خوار ان کے گھروں میں پہلے سے بیٹھا ہوا انتظار کر رہا ہوتا تھا۔ان کے گھر کے افراد سے پہلے ان کے آنے کی خبر ساہوکار کو ہوتی تھی۔

ساہوکار ہندو تھا اور آنے والے مقروض سے شام کو اپنا سود لے کر اٹھتا تھا۔مقروض بے چارہ کوشش کرتا تھا کہ اصل معہ سود دے کر اپنا بوجھ ہلکا کر لے،لیکن یہ ظالم سود خوار اصل رقم لینے سے انکار کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کا ان کے آباؤ اجداد سے پرانے تعلقات چلے آتے ہیں۔وہ ان تعلقات کو ختم نہیں کرے گا۔اس نے کورے اسٹامپ پر اپنے ان گاہکوں کے دستخط کروا رکھے تھے۔وہ ہمیشہ کے لئے اپنے ''گاہکوں'' کو دبائے رکھتا تھا۔ یہ عذاب اس وقت ٹلا جب ان کے قصبہ کو جلا دیا گیا اور وہ سود خوار کچھ قتل کر دیئے گئے، کچھ بھاگ گئے اور اس طرح غریب کسانوں کو نجات ملی۔ان کے ظلم کی داستانیں سارے کشمیر میں مشہور تھیں، مجھے یاد ہے کہ میر پور کے عظیم رہنما سردار بدھ سنگھ نے 1947ء سے قبل ڈڈیال کے ایک جلسہ عام میں ایک پیشن گوئی ان الفاظ میں کی تھی کہ............

''میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ قصبہ ڈڈیال کو آگ لگی ہوئی ہے،اس آگ کے شعلے اور دھواں دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔اے سود خوارو! لوگوں سے سود لینا چھوڑ دو، ورنہ تم اس آگ میں جل جاؤ گے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے

تمہارے ہندو اور سکھ بھائی بھی جلا دیئے جائیں گے، ان بے قصور ہندوؤں پر رحم کھاؤ‘‘۔

اصل الفاظ تو یاد نہیں رہے لیکن اس کا مفہوم یہی تھا کہ یہ اس دیش بھگت کی پیشین گوئی تھی جو 1947ء کے فسادات میں لفظ بہ لفظ پوری ہوئی اور فسادات کے دوران لوگ جلی ہوئی عمارتوں کے اندر ان کورے اسٹامپ کو ڈھونڈ رہے تھے جن پر ان کے بڑوں نے دستخط کئے ہوئے تھے۔ تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ بالآخر ظلم مٹ جاتا ہے۔ جب تقریر سنی تھی تو غالباً اس وقت مڈل اسکول میں پڑھتا تھا۔ صحیح یاد نہیں ہے۔

سردار بدھ سنگھ 1931ء کی تحریک عدم ادائیگی مالیہ میں بھی پیش پیش تھے! میں نے زمانہ طالب علمی میں جبکہ ’’پرنس آف ویلز کالج‘‘ کا طالب علم تھا، ایک میٹنگ میں شامل ہوا تھا۔ اس دیش بھگت کی یہ بات سن کر بہت متاثر ہوا تھا کہ وہ اپنی ضبط شدہ پنشن کو حاصل کرنے کے لئے مہاراجہ کو کبھی درخواست نہیں دیں گے، کہہ رہے تھے کہ یہ پنشن ان کی (سردار بدھ سنگھ کی) ضبط نہ ہوئی تھی بلکہ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی ضبط ہوئی تھی جنہیں وہ دیا کرتے تھے۔ اب وہ اس وقت پنشن کا مطالبہ کریں گے جب خزانہ کی چابیاں شیر کشمیر کے پاس ہوں گی۔

شیر کشمیر کے پاس اپنے دیگر رفقاء سمیت بیٹھے ہوئے تھے اور کہنے لگے کہ یہ اس وقت ہوگا جب ڈوگرہ راج ختم ہو چکا ہوگا۔ سردار بدھ سنگھ کو بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ نے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ہندوستان کی فیڈرل کورٹ نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ سرکاری ملازم کی پنشن اس لئے ضبط نہیں کی جا سکتی کہ وہ وطن کی آزادی کی جنگ میں شریک ہو گیا ہے۔ ریٹائرڈ ملازمین کے لئے سیاست شجرہ ممنوعہ نہیں ہے۔ اور ملازموں کو اس لئے پنشن نہیں دی جاتی کہ وہ ریٹائرڈ ہو کر بھی حکومت کی خدمت کرتے رہیں۔ یہ ان کی ماضی کی خدمات کا صلہ ہے جو انہیں ملتا ہے۔ اس کی تفصیل کسی دوسری جگہ ضبط تحریر میں لاؤں گا، ان شاء اللہ العزیز۔

کامریڈ محمد شفیع

کامریڈ محمد شفیع باغ سر کے رہنے والے تھے وہ ریاست کے بہت بڑے راہنما تھے۔ 1947ء میں اور جب انہیں مرکز سے ہدایت ملی تو وہ لاہور چلے گئے، برصغیر آزاد ہو گیا تھا۔ پاکستان بن گیا۔ وہ دہلی مسلم ہوٹل میں بھی اپنے دوسرے کشمیری لیڈروں کے ساتھ رہے۔ ان پر حملہ کیا گیا، اس وقت قوم پرستوں کے خلاف ایک عنصر اٹھ کھڑا ہوا تھا، نواب ممدوٹ نے اپنی سرکاری گاڑی میں بٹھا کر واہگہ بارڈر کراس کرایا تھا، وہ بچ بچا کر بھارت پہنچ گئے، جموں میں فسادات تھم جانے کے بعد وہ اپنے وطن پہنچے تھے۔

کامریڈ محمد شفیع نے لفظ کامریڈ لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ چوہدری محمد شفیع کے نام سے مشہور تھے۔ وہ کشمیر سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہو کر دہلی چلے گئے تھے۔ چوہدری محمد شفیع مرحوم نے فسادات کے دوران اغوا شدہ مسلمان عورتوں کی برآمدگی کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالے رکھا اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں مغویہ عورتیں اور بچے برآمد کرائے۔ مسلم کانفرنس کے قائد رئیس الاحرار، چوہدری غلام عباس مرحوم کی بیٹی کو برآمد کرانے کے لئے وہ بھارت کے صوبوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اور بالآخر وہ کامیاب ہو گئے تھے۔

اسے بحفاظت پاکستان پہنچا دیا تھا۔ وہ بھارت کی مرکزی سرکار کے بھی معتمد خاص تھے۔ وہ عربی، فارسی، اردو، ہندی، پشتو، پنجابی اور انگریزی کے علاوہ بھارت و پاکستان کی دوسری زبانیں بھی جانتے تھے۔ وہ اورنٹیل کالج کے پرنسپل تھے، ان کے بارے میں کسی دوسری جگہ بھی ذکر آ رہا ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارے محلّہ میں محفوظ رہے اور ڈوگرہ شاہی انہیں گرفتار کرنے میں بری طرح ناکام ہوئی تھی، جموں چھوڑنے کے بعد میری ان سے آخری ملاقات اسلام آباد میں ہوئی تھی جب وہ 1964ء میں شیر کشمیر کے ساتھ وفد میں شامل تھے جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سے ملنے کے لئے آیا تھا وہ مرتے دم تک کشمیر کے مسئلہ کے حل کیلئے جدوجہد کرتے رہے، وہ بہت اچھے مقرر، خطیب اور ادیب تھے۔ حاضر جواب اتنے تھے کہ مخالف کو سر جھکانا پڑتا تھا۔

بخشی غلام محمد کو جب بھارت سے وفاداری کے صلہ میں کشمیر کا وزیراعظم بنایا گیا تو سارے کشمیر کے لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے، وہ شیر کشمیر کا دست راست تھا، لیکن وہ آخر کار ساتھ چھوڑ گیا، شیر کشمیر جیل میں تھے اور وہ کشمیر میں وزیر اعظم بن کر شیر کشمیر کے قول دہراتا رہتا تھا۔ اور جماعت سے بغاوت کرنے کے فیصلہ کو درست قرار دیتا رہتا تھا۔ چوہدری محمد شفیع بھی اس کے اس اقدام سے اس سے نالاں تھے۔

ایک روز چوہدری محمد شفیع پنڈت جواہر لعل نہرو کے بلانے پر اس سے ملاقات کے لئے اس کے دفتر میں جا رہے تھے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کے دفتر میں جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ چوہدری محمد شفیع سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہے تھے تو اتفاق سے اس وقت بخشی غلام محمد پنڈت جی کو مل کر واپس سیڑھیاں اترتے ہوئے آ رہا تھا، یہ دونوں تحریک کے دور میں ساتھی رہ چکے تھے۔ شیر کشمیر کی گرفتاری کے بعد نیشنل کانفرنس کے رہنما پنڈت جی کے خلاف ہو چکے تھے۔ پنڈت جی اور شیر کشمیر نے ایک ساتھ ہو کر انگریز سامراج کے خلاف جنگ لڑی تھی۔

جب شیر کشمیر کے خلاف بغاوت کا مقدمہ بنا تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے منع کرنے کے باوجود وہ آصف علی کو ساتھ لے کر مہاراجہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوہالہ پار کر گئے تھے۔ مہاراجہ نے ان کا ریاست میں داخلہ بند کر رکھا تھا۔ وہ اس حکم کو ٹھکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ڈوگرہ پولیس نے انہیں سنگین مار کر زخمی

بھی کر دیا تھا۔ پنڈت نہرو کہا کرتا تھا کہ ''کشمیر شیخ عبداللہ ہے اور شیخ عبداللہ کشمیر ہے''۔

لیکن جب شیر کشمیر نے ریاست جموں وکشمیر کی آزادی کا سودا کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اس نے اپنے دوست کو جیل میں ڈال دیا تھا اور تمام بین الاقوامی مواعید سے بھی منحرف ہو گیا تھا۔ بخشی غلام محمد نے اس پس منظر میں جب چوہدری محمد شفیع مرحوم سے پوچھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں؟۔ تو چوہدری صاحب نے فوراً جواب دیا کہ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم اوپر چڑھ رہے ہیں اور تم نیچے جا رہے ہو۔ بہرکیف وہ ''چوبارہ'' بھی ایک تاریخی جگہ تھی جہاں تاریخ بنانے والے انقلابی زیر زمین ہو کر آزادی کی تحریکیں چلاتے رہے۔

یہ وہ وقت تھا جب میرپور کے بزرگ ترین رہنما حاجی وہاب الدین نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ اپنے ساتھی بطلِ حریت کی بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو تنہا پا کر سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ برادرانِ محترم میاں غلام نبی انصاریؒ، ومیاں عبدالغنی انصاریؒ تحریک سے وابستہ رہے، اور انقلابیوں کا ساتھ دیتے رہے۔

مجلس احرارِ اسلام کے تیس رضا کاروں کا قافلہ یکم نومبر 1931ء کو چنیوٹ سے میرپور آنے کے لئے جہلم پہنچا، سیالکوٹ بارڈر اور کوہالہ کے راستہ سے قافلے ریاست میں داخل ہو چکے تھے۔ اب اس قافلہ کی باری تھی۔ کوہالہ کے راستہ جانے والے رضا کاروں نے کوہالہ پل سے دریائے جہلم میں چھلانگیں لگا دی تھیں، ڈوگرہ پولیس جو ریاست میں رضا کاروں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے سنگینیں تانے کھڑی تھی ان نڈر، بہادر، اور موت سے لڑنے والوں کی جرأت دیکھ کر حیران ہو گئی تھی، ان کے متعلق جانباز مرزا مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

بغاوت میرا پیشہ ہے باغی کہلاتا ہوں میں
موت سے لڑتا ہوں اور زندگی پاتا ہوں میں

جن لوگوں کو شہادت کا جذبہ کھینچ کر لایا تھا انہیں اونچے اونچے پہاڑ، دریاؤں کی طغیانی، مسلح فوج اور پولیس کی گولیاں اور سنگینیں روکنے سے عاجز تھیں، وہ دریاؤں میں کود پڑے اور موت سے آنکھیں ملاتے ہوئے بڑھتے گئے، دنیا نے ایک اور منظر میرپور کے محاذ پر دیکھا، اس کی منظر کشی سے ایمان کی روح تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی جرأت وشجاعت کی یاد دلِ مسلم کو گرما دیتی ہے، یہ لوگ انہی کے پیروکار تھے، اسلام کے ان پیروکاروں نے اپنے ریاستی مسلمانوں کی حمایت کے لئے ''نعرہ اللہ اکبر'' بلند کیا تھا۔ کشمیر کے بائیس نوجوانوں نے سنٹرل جیل سرینگر کے احاطہ میں اس وقت اپنے سینے پر گولیاں کھائی تھیں جب نمازِ ظہر کا وقت تھا اور ایک نوجوان اذان دے رہا تھا۔ اللہ اکبر کی آواز ان کے کانوں میں پڑ رہی تھی اور ڈوگروں کے مسلح دستوں کی گولیاں بھی چل رہی تھیں۔ وہ

شہید ہوگئے اور کشمیریوں کی آزادی کے بیج کی آبیاری اپنے شہادت کے گرم گرم خون سے کر گئے، 13 جولائی 1931ء کو ریاست کے عوام ان شہداء کی یاد میں جشن مناتی چلی آتی ہے۔

تاریخ اس سچائی کی گواہی دیتی ہے کہ آزادی کا بیج اس وقت تک بارآور نہیں ہوسکتا جب تک ظلم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ کی جائے، کشمیر کے ان جوانوں نے جس وقت آزادی کا نعرہ بلند کیا تھا اس وقت نہ پاکستان کا نام تھا، نہ بھارت کا، اور نہ ہی کسی اور تان کا۔ یہ ریاست جموں وکشمیر کی آزادی، اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی، اپنے دیس میں اپنا راج کا نعرہ تھا۔

کشمیر کے لوگ بھی برصغیر ہندوستان کے آزادی پسندوں کے ساتھ تھے۔ جب وہ انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد کررہے تھے تو اس وقت کشمیری بھی ان کی حمایت میں بدیسی سامراج کے خلاف لڑرہے تھے اور اپنے ملک میں شخصی راج کے خاتمہ کے لئے بھی سینہ سپر تھے۔ آزادی کی تحریک دنیا کے کسی حصہ میں بھی چل رہی ہو، آزادی پسند لوگ ہمیشہ اس کی حمایت کرتے رہے ہیں پہلے ہم برصغیر کے لوگوں کے ساتھ مل کر گورے راج کے خلاف مصروفِ جہاد تھے، اب کالے سامراج کے خلاف لڑرہے ہیں۔

ہمیں یہ یقین ہے کہ دنیا کے تمام آزادی پسندوں کی حمایت ملتی رہے گی، پاکستان اور بھارت کے آزادی پسند عوام بھی ہمارا ساتھ دیتے رہیں گے، آزادی کی تحریک کسانوں، مزدوروں، طلباء، قلم کاروں اور محنت کشوں کی تحریک ہوتی ہے اور یہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے آدمیت احترامِ آدمی کا نام ہے۔

۱۳ جولائی کا واقعہ بھی ظہر کے وقت پیش آیا تھا، چنانچہ حسب معمول نماز ظہر کے بعد چنیوٹ کے سرخ پوشوں کا قافلہ ایک نوجوان شیخ الٰہی بخش چنیوٹی کی قیادت میں سینکڑوں لوگوں کے جلوس کے ساتھ جہلم شہر سے میرپور محاذ کی طرف روانہ ہوا، کچھ لوگ پیدل، کچھ لوگ تانگوں اور لاریوں کے ذریعے پتن تک قافلے کے ساتھ آئے، دریائے جہلم اپنے پورے بہاؤ پر تھا، دریا کے کنارے برٹش انڈیا کی پولیس (پنجاب پولیس) مجسٹریٹ اور دوسرے حکام موجود تھے، وہ رضا کاروں کو برٹش انڈیا کی حکومت کی ہدایت پر رضا کاروں کو ریاست کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی ہوئی تھیں۔

کشتی کے بغیر دریا کو عبور کرنا مشکل تھا۔ ضلعی حکام کی ہدایت پر پتن کی تمام کشتیاں کنارے سے ہٹالی گئی تھیں۔ جہلم سے میرپور پہنچنے کیلئے اور کوئی راستہ بھی موجود نہ تھا۔ نہ اس دریا پر کوئی پل موجود تھا جو جہلم کو میرپور سے ملاتا ہو، اب جو پل نظر آرہا ہے وہ منگلا ڈیم کی تعمیر کے بعد پاکستان نے اپنی ضرورت کے لئے بنایا ہے۔ دریائے جہلم میں جب سیلاب آیا ہوا ہو تو ملاح بھی کشتی چلانے سے ڈرتا ہے۔

ضلعی حکام مطمئن کھڑے تھے کہ رضا کاروں کا یہ جلوس واپس چلا جائے گا،لیکن رضا کاروں نے دریائے جہلم کی طغیانی کو شکست دینے کے لئے بے خطر دریا میں چھلانگیں لگادی تھیں۔ رضا کار کفن بردوش تھے، ان کا مقصود و مطلوب شہادت تھی،شہادت کا نشہ موت کی ترشی سے کب اتر سکتا تھا، وہ دریا میں کود پڑے تھے اور دریا کے اس پار پہنچ گئے تھے، وہ لوگ جو آزادی کے دشمن اور انگریز سامراج کے رکھوالے تھے وہ اس انتظار میں تھے کہ ڈوبتے ہوئے رضا کاروں کی لاشوں کو تیرتے ہوئے دیکھ سکیں گے۔ وہ اسے ایک معجزہ سمجھنے لگے۔

ہر ایک کی زبان پر ان کی شجاعت کی داستانیں تھیں، ان کی بہادری کے قصے تھے، وہ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے تھے، یہ لوگ شاندار ماضی کی تاریخ بن چکے ہیں،قربانی و ایثار کی مثال بن کر آنے والی نسلوں کے لئے ایک نا قابل فراموش اور قابل تقلید نمونہ بن چکے ہیں۔

دریا کے اس پار ریاست میں ڈوگرہ شاہی کی پولیس کی سنگینیں تھیں جو مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھیں۔ڈوگرہ حکمران آزادی پسندوں سے انتقام لینے کے لئے ہر وقت تیار تھا۔سرفروشوں کا وہ قافلہ جو دریا میں کود پڑا تھا اور دریا کی بپھری ہوئی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچ چکا تھا، وہ قافلہ خود موت کو مسکراتے ہوئے گلے لگانا چاہتا تھا۔ان کے رضا کاروں کے اس جذبہ شہادت کو سینکڑوں انسانوں نے خوشی اور جرأت کے ملے جلے جذبات سے دیکھا تھا۔وہ اپنے قافلہ کے سالار کے ساتھ صحیح وسلامت ریاست کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔

قافلہ سالار نے اپنے سرخ پوش رضا کار ساتھیوں کو از سر نو منظّم کر کے ریاست کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑے سے فاصلہ پر کسٹم ہاؤس تھا۔ جہاں کسٹم ادا کرنی پڑتی تھی۔قافلہ وہاں لمحہ بھر کے لئے رکا اور پھر سُوئے منزل روانہ ہو گیا۔ریاست میں سرحدوں پر کسٹم ہاؤس بنائے گئے تھے۔کوئی شخص بھی جو ریاست میں داخل ہوتا تھا اس کا سامان چیک کیا جاتا تھا۔کسٹمز ہاؤس کے ملازمین بڑے ظالم تھے۔اگر کسی شخص کے پاس کسٹم ادا کرنے کیلئے رقم نہ ہوتی تو وہ اس کے کپڑے اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔اور مسافروں کو کہہ دیتے تھے کہ وہ رقم ادا کر کے اپنے کپڑے لے جائیں۔

ریاستی باشندوں کے لئے بھی یہ ایک ظالمانہ ٹیکس تھا،ہمیں یاد ہے کہ ہم جموں سے میر پور آتے تھے تو ہمیں بھی اس لئے ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا کہ ہم پنجاب کے راستے سے ریاست میں داخل ہوتے تھے۔جموں سے میر پور تک کوئی سڑک نہ تھی۔اور نہ ہی ٹرانسپورٹ موجود تھی۔ڈوگرہ دور کے آخری سالوں میں پرانی بس چلنے لگی تھی لیکن وہ سفر بڑا دشوار تھا۔اس لئے ہم سیالکوٹ کے راستہ وزیرآباد پہنچ کر جہلم کے لئے بس میں یا ٹرین میں سوار ہو کر جہلم سے ہوتے ہوئے پتن گیئالیاں پہنچتے تھے۔اور جب کسٹم ہاؤس کے پاس رکتے تھے تو وہ ملازمین سرکار جانتے ہوئے کہ ہم طالب علم تھے اور جموں آتے تھے اور گھروں کو جا رہے تھے وہ ہماری تلاشی لیتے تھے۔اور ہم سے ٹیکس وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان مظالم کے خلاف ضلع میر پور کے علاوہ دوسرے سرحدی اضلاع کے لوگوں نے بھی بارہا احتجاج کیا تھا۔لیکن مہاراجہ کی حکومت نے عوام کے مطالبات تسلیم نہ کئے تھے اور یہ جبری ٹیکس وصولی کا نظام چلتا رہا، جسے 1948ء کے 3/4 سال بعد ختم کر دیا گیا تھا۔

ریاست کی یہ چوکیاں بند کرنے کی ایک گہری سازش تھی۔ یہ چوکیاں سرحدوں کی نشاندہی کرتی تھیں۔ باہر سے آنے والوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ برٹش انڈیا کے پڑوس میں واقع دوسرے ملک کشمیر میں داخل ہو رہے ہیں، لیکن ان نشانات کو مٹا دیا گیا ہے۔ ریاست جموں وکشمیر ایک نیم خودمختار ریاست تھی۔ اس کا اقتدارِ اعلیٰ برطانوی حکومت کے پاس تھا۔ یہ ایک ایسی ریاست تھی جس کا معاہدہ برطانوی حکومت کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کی حیثیت دوسری انڈین ریاستوں سے بھی ممتاز تھی۔ ایسی صرف تین چار ریاستیں تھیں 562 کے لگ بھگ انڈین ریاستوں کا درجہ کم تر تھا، برطانوی راج کے خاتمہ کے بعد ریاست جموں وکشمیر ایک آزاد و خودمختار ریاست کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔

اس کا اقتدارِ اعلیٰ بھی بحال ہو چکا تھا۔ قراردادِ لاہور جسے بعد میں قراردادِ پاکستان بھی کہا جاتا تھا اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اس کا تعلق برٹش انڈیا کے صوبوں سے تھا۔ جن جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ پاکستان کی مملکت کا حصہ بنے تھے۔ ہماری ریاست پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اس کی وضاحت بانیٔ پاکستان نے مسلم لیگ کا موقف بیان کرتے ہوئے کر دی تھی کہ ریاست جموں وکشمیر کا اقتدارِ اعلیٰ پاکستان یا بھارت کو منتقل نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ اقتدارِ اعلیٰ ختم ہو جائے گا اور ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ بحال ہو جائے گا، وہ اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کی مجاز ہے کہ دونوں مملکتوں (بھارت یا پاکستان) کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا مکمل خودمختاری کا اعلان کر کے اقوامِ متحدہ کی ممبر بن جائے۔

اب دونوں پڑوسی ملکوں کے درمیان ریاست حاصل کرنے کی کوششیں بے سود ہیں۔ دنیا امن چاہتی ہے بھارت اور پاکستان کو بھی امن کی ضرورت ہے اور یہ امن اسی وقت ہوگا جب دونوں ملک مقبوضہ ریاست کشمیری عوام کے حوالہ کر کے اس ریاست سے نکل جائیں گے۔ کشمیری عوام اس ریاست کو پاکستان اور بھارت کے مابین دوستی کا پل بنانا چاہتے ہیں۔ یہ ایشیاء کی انگوٹھی کا نگینہ ہے۔ اور جب یہ ریاست عالم مشرق کا جنیوا بن جائے گی تو برّ اعظم ایشیاء کے اربوں انسانوں کے لئے امن کا گہوارہ بن جائے گی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا کے تمام انسانوں کی بلاتفریق مذہب رنگ، نسل، کلچر، تمدن، زبان، ذات، اور برادری خدمت کر سکے گی۔

یہ حصہ ضمناً درج کیا گیا ہے۔ مجلس احرارِ اسلام کے قافلہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ”جب یہ قافلہ کسٹم ہاؤس سے گزر کر کشمیر کی حدود میں داخل ہوا اور ایک چھوٹی سی خشک نہر کا پل عبور کرنے کو بڑھا ہی تھا کہ ریاستی پولیس کے ایک دستے نے

جس کی کمان پنڈت وشوامتر کورٹ انسپکٹر کے ہاتھ میں تھی آگے بڑھ کر اور خود انسپکٹر مذکور نے اچانک ایک جھاڑی سے نکل کر شیخ الٰہی بخش پر اپنی سنگین کا ایسا مہلک وار کیا کے دیکھتے دیکھتے اس بہادر جانباز نے جامِ شہادت نوش کیا''۔

غیر کشمیری مسلمان کا کشمیر کی سرزمین (میر پور) پر یہ پہلا خون تھا جو اپنے کشمیری مسلمان بھائی کو ایک ظالم حکمران سے نجات دلانے کے لئے گرا تھا۔ الٰہی بخش کی شہادت نے کشمیر کو نئی زندگی دی۔ اور یہی وہ خون تھا جس نے زعفران کے کھیتوں کو پھر سے رنگ وروغن بخشا۔

سالارِ قافلہ کی شہادت کے باوجود یہ قافلہ حافظ دوست محمد جو چنیوٹ سے قافلہ کے ساتھ آئے تھے کی قیادت میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا، اور میر پور پہنچ کر اپنے بھائیوں کی تحریک آزادی کے لئے نکالے گئے جلوس میں شامل ہو گیا۔

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

درمیانہ قد، گھٹیلا جسم، گندمی رنگ کے خوبصورت چہرے پر سیاہ داڑھی، یہ تھے شیخ الٰہی بخش (غازی الٰہی بخش شہید رحمۃ اللہ علیہ) جو یکم جولائی 1900ء کو شیخ کریم بخش تجار کے گھر چنیوٹ میں پیدا ہوئے، 31 سال کا یہ نوجوان کشمیریوں کو آزادی دلانے کے لئے آیا تھا، اور خود شہادت کا بلند مرتبہ پا کر ہمیشہ کیلئے زندہ ہو گیا۔

میرے خاک وخون سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

مجلسِ احرار اسلام عجیب کاررواں تھا، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بکھرے موتی اس حسن وخوبی سے یکجا کر کے مالا بنائی کہ اس کی مثال نہیں ملتی، چوہدری افضل حقؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ، مولانا مظفر علی شمس، مولانا احمد داؤد غزنوی، غازی عبدالرحمٰن امرتسری، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ، مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، آغا عبدالکریم شورش کاشمیریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، سائیں محمد حیات پسروریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مرزا غلام نبی جانبازؒ، الحاج سید امین گیلانیؒ، جوہر جہلمیؒ، استاد دامنؒ، خالد لطیفؒ، (کے ایل گابا) اس مالا کے وہ موتی ہیں جن کی چمک سے صدیوں تک تاریخ کا چہرہ تابناک رہے گا۔

کشمیر کے عوام اوران کی نسلیں ان کے احسانات کو نہ بھول سکیں گی ، یہ ایک مردہ قوم تھی ،صدیوں کی غلامی نے انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا، ان اکابرین ملت نے صورِ اسرافیل پھونک کر ان کو جگایا تھا، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پاک روحوں پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرماتا رہے، آمین۔

غازی الٰہی بخش چنیوٹی شہیدؒ کا جنازہ ہزاروں انسانوں نے پڑھا۔ ضلع میر پور کا کوئی مرد اپنے گھروں میں نہیں رہا تھا۔ میر پور، بھمبر، کوٹلی کے معذوروں کو چھوڑ کر سب لوگ اس جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ برادر محترم میاں غلام نبی انصاری اور برادر محترم میاں عبدالغنی انصاری نے بتایا تھا کہ اتنا بڑا جنازہ نہ میر پور کی تاریخ میں کبھی ہوا اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دوڑ رہا تھا۔

شہید کا پہلا اور آخری دیدار کرنے کیلئے میر پور کا ہر فرزند تڑپ رہا تھا۔ یہ جنازہ کیا تھا جشن کا سماں تھا، ہزاروں لوگ اللہ اکبر کے نعروں سے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے ان کا استقبال کر رہے تھے۔ اور سب کی خواہش تھی کہ ان کو بھی ایسی ہی موت نصیب ہو۔ وہ قوم جو اپنے سائے سے بھی ڈرتی تھی اس کے اندر اتنی جرأت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اس راہ میں موت سے مسکرا کر آنکھیں ملا رہی تھی، ڈوگرہ کی فوج اور پولیس نے شکست تسلیم کر لی تھی اور اس تحریک کو ختم کرنے کیلئے گورا فوج بلائی گئی تھی۔ ریاست کا وزیر اعظم ایک انگریز کو بنا دیا گیا تھا۔ اگر برطانوی سامراج کی ڈوگرہ شاہی کو مدد نہ ملتی تو ریاست سے شخصی راج کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ چند ایک اصلاحات کے وعدے پر تحریک کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔

وادیٔ کشمیر میں تحریک ختم ہوگئی، لیکن لیڈروں کی اپیلوں کے باوجود میر پور میں عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک زور و شور سے چلتی رہی۔ میر پور کی عدالتیں، میر پور کے تھانے اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ حکومت کی رٹ ختم ہو چکی تھی۔ اور لوگوں کی زبان پر یہ شعر تھا کہ ؎

مسلماناں نوں چھیڑو نائیں یہ دبی ہوئی نار جے
جے بھڑک اٹھے شعلے تو پھر بجھنے دشوار جے

ڈوگرہ حکومت نے سینکڑوں مجاہدین آزادی کو گرفتار کیا، مقدمات چلائے گئے، جیلیں بھری گئیں۔ قرقیاں کی گئیں، اور ہر قسم کی آزمائشوں سے ہمارے رہنماؤں کو گزرنا پڑا۔ ''تاریخ کشمیر کا اہم دَور'' میں پروفیسر عبدالواحد قریشی نے برٹش لائبریری سے حاصل کردہ چند کاغذات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ راجہ اکبر خان (بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ) مولوی عبداللہ سیاکھویؒ (حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ) مولوی عبدالکریم پنڈ کلا اللہ، مولوی عبدالکریم آف پنیام، باتا خان، پیر صادق شاہ، راجہ لعل خان عرف پیر لعل بادشاہ اور مولوی عبدالمجید (مولانا عبدالمجید ملنگ جہلمیؒ) کے نام لکھے ہیں جنہوں نے تحریک عدم ادائیگی مالیہ میں روح پھونکی اور اپنے جوش و جذبہ سے وہ مقام دلایا جو تاریخ میر پور میں صدیوں

تک زندہ جاوید رہے گا۔

میں ان ناموں کے ساتھ میاں غلام نبی انصاریؒ، میاں عبدالغنی انصاریؒ میاں محمد شفیع انصاریؒ کے ناموں کا بھی اضافہ کرتا ہوں، ان کے علاوہ بھی بہت سے بہادر مجاہد، سرفروش اور جانباز رہنما بھی تھے، جو دن رات آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے، وہ گمنام ہیں لیکن ہم ان سب کو سلام کرتے ہیں۔اسی طرح دیگر لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں............

''جب 32-1931ء میں عوامی سطح پر شخصی راج کے خلاف بغاوت ہوئی تو میر پور اور کوٹلی میں تحریک کی باگ دوڑ جن ہاتھوں میں تھی وہ (بطل حریت) راجہ محمد اکبر خان، مولانا عبداللہ سیاکھویؒ، حاجی وہاب الدین، سردار بدھ سنگھ، غازی عبدالرحمٰن، پیر صبح صادق شاہ، راجہ ولائت خان، غازی محمد بخش (ملک) فضل احمد، غازی الٰہی بخشؒ، حافظ محمد آف سموال، مولوی عبدالکریم آف کوٹ قندو، مولوی عبدالکریم آف پنیام، مولانا محمد یوسف، مولوی عبدالحکیم، صوبے دار راجہ بشیر خان بڑھنگ، نمبر دار اللہ دتہ خان ملوٹ، راجہ محمد زمان المعروف راجہ بڈھے خان سہنی، راجہ لعل خان المعروف سائیں لعل بادشاہ چڑہوئی، راجہ کرم داد خان المعروف کیا خان پنجیڑہ وغیرہ شامل تھے۔ان میں پیر، مولوی، عام لوگ اور راجے ہیں جنہوں نے جانی، مالی ہر قسم کی قربانی دی۔ان تمام حضرات کا تحریک عدم ادائیگی مالیہ میں کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے''۔

پروفیسر عبدالواحد قریشی نے بڑی محنت سے تاریخ کے ان گم شدہ اوراق کو تلاش کیا اور آنے والی نسلوں کو تاریکیوں میں بھٹکنے سے بچالیا، پروفیسر عبدالواحد قریشی نے قوم پر عظیم احسان کیا ہے جس کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا، قوموں میں بہت کم لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اپنے گھروں کو جلا کر دوسروں کے لئے روشنی پیدا کرتے ہیں۔

چمنستان کشمیر کی یہ قابل فخر ہستی ہے۔اس موضوع پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک سے متعلق اس کتاب میں آنے والی نسلوں کے لئے کافی مواد موجود ہے۔اور اگر کمی رہ گئی ہو تو وہ اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس تحریک میں بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ نے جو رول ادا کیا تھا اور جس طرح انہوں ل ے حکیم الامت علامہ اقبالؒ سے رہنمائی حاصل کی تھی اس کی نسبت مجھے مفتی عبدالحکیمؒ نے بہت کچھ بتایا تھا۔مفتی عبدالحکیمؒ اور راجہ صاحب اکٹھے علامہ اقبالؒ سے ملتے رہے۔حاجی وہاب الدین نے پسماندہ طبقہ کو بیدار کیا اور اس تحریک کے دوران جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ نے اس عشق کی آگ کو جس طرح بڑھکایا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

تاریخ کے ان گم شدہ اوراق کو تلاش کرنا قوم کے فرزندوں پر ایک قرض باقی ہے۔حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ نے میر پور کے لوگوں کو جرأت دلائی، ان کی ایک نظم کے چند بند بھی کتاب مذکور میں شامل ہیں جو راقم نے مولانا سیاکھویؒ سے خود سنے تھے۔

اے میر پور غازیاں ، شیراں دا
نہیں گدڑاں ، لومڑاں ، بھیڑاں دا
اے شیر مرد دلیراں دا
چڑھ سولی پڑھدے الا اللہ
کہو الا اللہ جی الا اللہ

میں اس موقع پر شیر کشمیر کے ان الفاظ کو دھراتا ہوں جو انہوں نے 1937ء کی تحریک کے ختم ہونے کے بعد کہے تھے کہ............

''تحریک سے وادیٔ کشمیر کے لوگوں میں سب سے زیادہ سیاسی شعور پیدا ہوا، سب سے زیادہ قربانیاں میر پور کے لوگوں نے دیں اور سب سے زیادہ فائدہ جمّوں کے لوگوں نے اٹھایا''۔

شیر کشمیر کے اس قول سے ایک غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے اسے دور کرنا چاہتا ہوں۔تحریک کے بعد جو چند ایک اصلاحات کی گئی تھیں ان میں مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمت کے دروازے بھی کھولے گئے تھے۔ چونکہ جموں کے لوگوں کو کالج کی سہولت حاصل تھی، ان میں کچھ پڑھے لکھے موجود تھے اور ان کو کچھ محکموں میں اچھے عہدے مل گئے تھے جو تحریک سے قبل انہیں نہیں مل سکتے تھے، اس لئے انہوں نے اس ضمن میں یہ ذکر کیا تھا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ کشمیری رہنما کو جموں کے لوگوں سے محبت نہ تھی۔ ان دونوں صوبوں کے درمیان ڈوگرہ راجہ نے نفرت پیدا کی ہوئی تھی تا کہ وہ وقت ضرورت اس سے اپنے ''راج'' کو بچا سکے۔

1931ء کی تحریک ریاست جموں وکشمیر کے دکھی اور مظلوم انسانوں کی تحریک تھی۔ یہ تحریک ہندوؤں کے خلاف نہ تھی، اور نہ ہی ڈوگروں کے ساتھ کسی دشمنی کی وجہ سے چلائی گئی تھی، یہ شخصی راج کے خلاف بغاوت تھی، ریاست کے ہندو ڈوگرہ اور دوسرے غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرح مظلوم تھے۔ اس تحریک میں نامور ہندو اور سکھ بھی شامل ہو گئے تھے۔ اور یہ غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر چل رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی بستیوں میں جو غیر مسلم آباد تھے، ان میں کچھ لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا تھا، لیکن یہ مقامی نوعیت کے معاملات تھے۔ اس میں تحریک کے رہنماؤں کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ نہ ان کے اشارے پر کسی ہندو یا سکھ کا مکان جلایا گیا، نہ دکان لوٹی گئی، نہ کسی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اِس وقت باغیوں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ وہ چاہتے تو میر پور، کوٹلی اور راجوری کے شہروں کو آگ لگا کر انہیں خاکستر بنا دیتے۔

لیکن تحریک کے رہنماؤں نے کسی بھی شخص کو ایسی جرأت نہ دلائی تھی، بلکہ وہ خود سینہ سپر ہو کر مشتعل باغیوں کے آگے کھڑے ہو کر اس سیلاب کا رُخ موڑتے رہے، تاریخ گواہ ہے کہ حاجی وہاب الدین اور بطلِ حریت راجہ محمد اکبر خان

نے میر پور شہر کے لوگوں کو بچایا تھا، جس کا ہندو ہم وطنوں نے بھی اعتراف کیا تھا۔

ڈوگرہ راجہ اور اس کے مراعات یافتہ طبقہ کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اس تحریک کو مذہبی رنگ دے کر اسے ہندو مسلم فسادات کی صورت میں بدل دیا جائے۔ وہ اس طرح برصغیر میں بسنے والے ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا۔لیکن اسے کامیابی نہ ہوسکی۔ اس کے چوکیدار، نمبردار، ذیلدار اور حاشیہ بردار اس تحریک کو ناکام بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ پنجاب کی یونینسٹ گورنمنٹ اور برصغیر کی مرکزی حکومت نے اس تحریک کو منطقی انجام تک نہ پہنچنے دیا۔انہوں نے روح آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا۔اور چند اصلاحات پر رہنماؤں کو راضی کر لیا۔

تاہم اس تحریک کے نتیجہ میں پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی ملی، لوگوں کو رائے دہی کا حق ملا، ایک اسمبلی (ڈوگرہ سبھا، پرجا سبھا) بنائی گئی، اگرچہ اس کے اختیارات محدود تھے، ووٹ کا حق بھی محدود و مشروط تھا،لیکن اس کا حق تو اس وقت تک ہندوستان کے صوبوں کو بھی نہ ملا تھا۔ بلاشبہ اس میں انگریز نے سب سے بڑا فائدہ اٹھایا اور مہاراجہ ہری سنگھ کو خوف زدہ کر کے گلگت کا کچھ رقبہ پٹہ پر لے لیا تھا۔لیکن اس کے باوجود ریاست کا جھنڈا ساری ریاست پر لہراتا رہا۔

برٹش راج کے ختم ہونے کے بعد یہ حقوق پٹہ داری ختم ہو گئے تھے۔اور گلگت کا آخری گورنر گھنسارا سنگھ تھا، جسے گلگت کے عوام اور مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج کے باغی افسروں نے مل کر اسے گرفتار کر کے گلگت کو آزاد کرا لیا تھا۔ گلگت و بلتستان قانونی طور پر ریاست جموں و کشمیر کا جزو لاینفک ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر کی وحدت، سالمیت اور آزادی کی جنگ جاری ہے۔ برطانوی راج کے ختم ہونے کے بعد دونوں نئی مملکتیں بھارت اور پاکستان آزادی کا پھل کھا رہی ہیں،لیکن مظلوم کشمیری، گورے سامراج اور شخصی راج سے نجات پانے کے باوجود کالے سامراج کی غلامی کی زنجیریں اور طوق سلاسل پہننے پر مجبور کئے گئے ہیں۔لیکن یہ زنجیریں بھی ایک دن ٹوٹ جائیں گی۔ کشمیری قوم نے نہ کل غلامی کو قبول کیا تھا اور نہ آج قبول کریں گے۔

تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت کا مصنف لکھتا ہے کہ............

"1931ء میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف کشمیری مسلمانوں نے زبردست تحریک چلائی۔مجلسِ احرار اسلام نے مسلمانوں کی تحریک کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ یہ مجلسِ احرار اسلام کا ہی امتیاز ہے کہ اس نے سب سے پہلے مظلوم کشمیریوں کے حق میں آواز بلند کی۔جبکہ برصغیر کی دیگر مسلم و غیر مسلم جماعتیں مہر بلب تھیں۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء میں کشمیریوں کا قومی دن ہے، اس دن کو پورے کشمیر میں ہر سال منایا جاتا ہے، اس روز کشمیر کے بائیس نوجوانوں نے اپنے سینہ پر ڈوگرہ دورِ حکومت میں گولیاں کھا کر کشمیریوں کے آزادی کے بیج کی اپنے گرم گرم خون سے آبیاری کی تھی۔ ڈوگرہ کے ظلم کے خلاف ساری ریاست جموں و کشمیر میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ اس

تحریک کے بانی رہنماؤں میں شیر کشمیرؒ اور رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس اور ان کے ساتھی تھے۔ بیرون کشمیر حکیم الامت علامہ اقبال اور بیسوی صدی کے سب سے بڑے خطیب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس تحریک کی حمایت کرر ہے تھے۔ یہ دونوں بھی کشمیر کے مایہ ناز فرزند تھے۔

کشمیر کمیٹی کے چیئرمین مرزا بشیر الدین محمود تھے، وہ مرزائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، اس نے انہیں ہٹا کر اس کمیٹی کا چیئرمین علامہ اقبال کو بنا دیا گیا تھا۔ تفصیلات کشمیر سے متعلق لکھی گئی تمام کتابوں میں مل سکتی ہیں۔ بعنامہ امرتسر سے لے کر اس تحریک تک ظلم کی داستان لکھی ہوئی موجود ہے۔ میں ان تفصیلات میں جانے کی بجائے صرف ایک واقعہ دہرانا چاہتا ہوں جس کا تعلق میر پور سے ہے۔ ''مجلس احرارِ اسلام نے چلو چلو کشمیر چلو تحریک چلائی، ہزاروں لوگوں نے کشمیر کی طرف مارچ کیا، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ اور گجرات سے آئے ہوئے لوگوں کو سیالکوٹ کے قریب ایک کھلے میدان میں قید کر دیا گیا۔ جس کے ارد گرد خار دار تار لگے ہوئے تھے۔ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی، اس قدر انتظام اور اہتمام کے باوجود نہ تو قافلوں کی راہ میں پہاڑ حائل ہو سکے نہ برطانوی جبر و استبداد رکاوٹ بن سکا۔ لوگ سیالکوٹ کے راستہ جموں پہنچ گئے۔

اس تحریک میں ایک قافلہ بارات کی صورت میں جانباز مرزا مرحوم کی قیادت میں سرینگر پہنچ گیا تھا۔ لوگوں نے کشمیر میں داخل ہونے کے لئے مصنوعی جنازوں اور باراتوں کا روپ بھی اختیار کیا۔ انگریز لوگوں کی تحریک آزادی کشمیر سے وابستگی اور کشمیری عوام کے ساتھ ان کی عقیدت سے عاجز آ گیا۔ سینکڑوں جانثار شہید ہوئے۔ انہوں نے لاہور، سیالکوٹ اور فیروز پور غرضیکہ پنجاب بھر کی جیلیں کاٹیں۔

غرض فوری سماعت کی عدالتوں میں پیش کر کے انہیں سزائیں سنائی گئیں۔ ستمبر اور اکتوبر 1931ء میں سیالکوٹ سے سوچیت گڑھ جو کشمیر کے بارڈر کے قریب ایک علاقہ ہے وہاں دو دو تین تین جتھے ہر روز پیدل گرفتاری پیش کرتے تھے۔ سیالکوٹ شہر اور مضافات میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جو گھر میں موجود ہو، اس وقت چالیس ہزار کے قریب افراد نے گرفتاری کے لئے پیش کیا تھا۔

میر پور میں احرار کارکن داخل ہوئے۔ جہلم کا محاذ شیخ محمد اشرف عطا جو تحریک کے بعد روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تھے، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ جنہیں برصغیر کے بٹوارے کے بعد خطیب پاکستان کا خطاب ملا تھا۔ اور چوہدری غلام نبی تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت کے مصنف کی ذمہ داری میں تھا۔

سول نافرمانی شروع ہوتے ہی محمد اشرف عطاء اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کو مرکز کے حکم پر رضا کاروں کی بھرتی اور چندہ کی فراہمی کے لئے پنجاب کے دوسرے اضلاع میں بھیج دیا گیا۔ اس طرح اس محاذ کی تمام تر ذمہ داری

چوہدری غلام نبی کے سر آن پڑی۔ان کے فرائض میں تھا کہ باہر سے آئے ہوئے قافلوں کو ترتیب دیتے اور انہیں رخصت کرنے پٹن تک جاتے۔

1931ء کی تحریک سے متعلق میرپور کے عظیم فرزند پروفیسر عبدالواحد قریشی نے ''تاریخ میرپور کا ایک اہم دور'' کتاب لکھ کر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے جو نئی نسل کے لئے انتہائی قیمتی ورثہ ہے نئی نسل کے لئے ان کے آباؤ اجداد کا اصل ورثہ یہی ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے سیاسی نظریات کی جھلک بھی دکھلائی ہے۔ وہ نہ سیاست دان ہیں اور نہ ہی انہوں نے اس میدان میں کام کیا ہے۔ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔لیکن انہوں نے دیانتداری سے واقعات کو پیش کیا ہے۔تاریخ کو مسخ کرنے کی ذرہ بھی کوشش نہیں کی ہے۔

ریاست کی آزادی، سالمیت، وحدت اور خودمختاری کو ناقابل عمل قرار نہیں دیا ہے۔حالانکہ جن دنوں وہ کالج کے پرنسپل تھے اس وقت تمام کالجوں اور اسکولوں میں پاکستان کی بنائی ہوئی حکومت آزاد کشمیر کے حکم سے ایسے نعرے لگوائے جاتے تھے جو قابل اعتراض تھے۔جن نعروں نے کشمیر کی تقسیم کی راہ ہموار کی تھی۔وہ ایک پارٹی کا سیاسی نعرہ تھا۔وہ قومی نعرہ نہ تھا۔لیکن مراعات یافتہ طبقہ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایسے نعرے لگواتا رہا اور طلباء اس کی مخالفت کرتے رہے اور آزادی کے نعرے لگانے کے جرم میں سزائیں بھی برداشت کرتے رہے۔

آج بھی جو خلفشار پایا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کشمیری طلباء کو نہ ملک کا جغرافیہ پڑھایا جاتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی ریاست کی تاریخ کا علم رکھتے ہیں۔اب بھی یہ موقع ہے کہ پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک وہ تاریخ و جغرافیہ کو لازمی مضمون قرار دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھ سکیں۔

انگولا 500 سال کے بعد آزاد ہوا تھا۔پچاس ساٹھ سال کا عرصہ تو بہت مختصر ہے۔برصغیر بھی برطانوی سامراج سے دو صدیوں کے بعد آزاد ہوا تھا۔اس لئے کشمیری مایوس نہیں۔اور آزادی کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اس کو تقسیم کرنے کے لئے مذاکرات کرتی آرہی ہیں۔لیکن مسئلہ کشمیر پانی کا مسئلہ نہیں ہے۔نہ یہ دریاؤں، جنگلوں، زعفران کے کھیتوں اور بھیڑ بکریوں کی تقسیم کا مسئلہ ہے۔یہ علاقائی تنازعہ بھی نہیں ہے۔جس کے لئے دونوں ملک فریق بننے کی کوشش کررہے ہیں۔یہ جسم وروح رکھنے والے انسانوں کی آزادی کا مسئلہ ہے۔

یہ غیر ملکی فوجوں کا کشمیر سے نکل جانے کا مسئلہ ہے جس نے کشمیری عوام کو تقسیم کررکھا ہے۔جب بھی دونوں ملک اس حقیقت کو تسلیم کرلیں گے جنوبی ایشیا میں امن قائم ہوجائے گا۔دنیا امن کی خواہش مند ہے اور کشمیری تو ایک امن پسند قوم ہے۔اس قوم کو غیروں کے طعنے بھی سننے پڑے لیکن اس نے امن کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

اس نے اپنے دفاع کے لئے ضرور ہتھیار اٹھائے لیکن ایک مختصر سے وقفے کے بعد اس یقین دہانی پر ہتھیار رکھ

دیئے کہ کشمیر پر مذاکرات ہوں گے اور مسئلہ کشمیر کو کشمیریوں کی خواہشات کے مطابق حل کیا جائے گا۔ دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ کشمیریوں کا ایک ہی نعرہ ہے۔ ایک ہی مطالبہ ہے۔ اور ایک ہی خواہش ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی وحدت وسالمیت کو قائم کر کے اسے آزاد کر دیا جائے۔ کشمیر، کشمیریوں کا نعرہ بھی انہی معنوں میں لگایا جاتا ہے۔ اگر پاکستان، پاکستانیوں کا ہے، بھارت بھارتیوں کا ہے، چین چینیوں کا ہے۔ تاجکستان تاجک کا ہے، افغانستان افغانیوں کا ہے تو کشمیر بھی کشمیریوں کا ہے۔ اس حقیقت کو جتنی جلد تسلیم کر لیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

دونوں پڑوسی ملک ایٹمی قوت بن چکے ہیں، اور ایٹمی جنگ کی صورت میں نہ صرف پاک بھارت تباہ ہوں گے بلکہ ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اس نوعِ انسانی کی تباہی کے ذمہ دار یہ دونوں ملک ہوں گے۔ ساری دنیا کو بالعموم اور دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کو بالخصوص مداخلت کر کے نوعِ انسانی کو اس تباہی سے بچانا ہوگا۔

پرنس آف ویلز کالج جموں میں سرگرمیاں

میں میٹرک پاس کرنے کے بعد پرنس آف ویلز کالج جموں میں داخلہ لینے چلا گیا تھا۔ ان دنوں جموں پہنچنا مشکل تھا۔ ایک غریب گھرانے کے فرد کو چار سال تک تعلیم حاصل کرنا مشکل تھا۔ لاکھوں کی آبادی میں سے ہم پانچ چھ طالب علم ہی میرپور سے کالج میں داخل ہوئے تھے۔ مجھے اور میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاری مرحوم کو یہ مشورہ دیا جاتا تھا کہ کسی ایسے ادارے میں داخلہ لے لیں جہاں سے معاشری علوم میں سے فارسی یا عربی یا اردو فاضل کا امتحان پاس کر کے انگریزی میں امتحان دے کر بی اے یا ایم اے کی ڈگری لے لیں۔ سب ودست، آشنا اور ہمدرد لوگ یہی مشورہ دیتے تھے۔ لیکن میری طبیعت نہ مانتی تھی۔ ہم ایسے لوگوں کو جو علومِ مشرقی میں فاضل کر کے صرف انگریزی کا امتحان دے کر ڈگری لیتے تھے انہیں براستہ بھٹنڈہ گریجویٹ قرار دے کر اس کی تذلیل کیا کرتے تھے۔ یہ عام طلبہ کی عادت تھی۔ حالانکہ ان لوگوں میں بڑی عظیم شخصیات گزری تھیں۔ ہمارے گاؤں کے نزدیک خواجہ میرزمان ایک متمول شخص اور علم دوست تھے۔ وہ صاحب مال وثروت تھے۔ انگلستان میں کام کرتے تھے۔ ان دنوں گھر آئے ہوئے تھے۔ ڈڈیال میں میرے اسکول میں اول آنے کا چرچہ تھا اور ساتھ ہی یہ بھی مشہور تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے میرپور تک نہیں جاسکیں گے۔ حالانکہ میرپور کا جانا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ کیونکہ ہمارے خاندان کے بزرگ اور پھوپھا عالم دین مرحوم میرپور کے پاس واقع ایک گاؤں آڑہ دھرم ارتھ میں رہتے تھے۔ جہاں سے ہائی اسکول آجا سکتے تھے وہ خود بھی بڑے مال دار تھے۔ میں نے ان کے پاس رہ کر میٹرک پاس کیا تھا۔ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ میں کالج میں ضرور داخلہ لوں حاجی وہاب الدین مرحوم صاحب،

ریاست جموں و کشمیر کی نامور شخصیت تھے۔جنہوں نے 1931ء کی تحریک آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ وہ ہمارے قبیلہ کے سب سے بڑے سربراہ تھے۔اوران کا مشن تھا کہ جہالت کو ختم کیا جائے۔ وہ ایک مبلغ کی حیثیت سے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ دسویں پاس کرنے کے بعد جب میں گاؤں گیا میرے اپنے سب بھائی مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن مرحوم، مولانا محمد شفیع مرحوم، مولانا راج ولی مرحوم اور سارے قبیلہ کے معززین کی خواہش تھی کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں، کیونکہ اس وقت تک ہمارے قبیلہ میں ایک فرد بھی گریجویٹ نہ تھا۔ جب میں چھٹیوں میں جموں سے گھر جاتا تھا تو ڈڈیال کے اکثر ہندو، مہاجن مجھے اپنے پاس بیٹھا کر ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں کا اردو ترجمہ سنا کرتے تھے۔اس طرح ڈڈیال کے کم وبیش بہت سے لوگ میرے بارے میں اچھا نظریہ رکھتے تھے۔انہیں بھی تشویش ہوتی تھی کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہ جا سکا۔ میر پور ہائی سکول سے دسویں پاس کر کے پرنس آف ویلز کالج میں داخلہ کا جب علم ہوا تو انہوں نے یہ جان کر کہ خواجہ میر نور زمان مرحوم صاحب نے مجھے خود جا کر جموں کالج میں داخل کرایا ہے۔ وہ خواجہ نور زمان مرحوم کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

واقع یہ ہے کہ جب خواجہ میر نور زمان مرحوم صاحب کو پتہ چلا کہ محض تعلیمی اخراجات برداشت نہ کرنے کی وجہ سے مجھے اعلیٰ تعلیم سے محروم ہونا پڑا ہے وہ میرے بڑے بھائی کے دوست بھی تھے، انہوں نے میرے بڑے بھائی صاحب کو اور مجھے ساتھ لیا اور جموں لے گئے۔ وہاں تمام ابتدائی اخراجات انہوں نے برداشت کئے۔انہوں نے میرے بھائی کو یقین دلایا کہ اگر کسی مہینے کا خرچہ نہ بھیج سکے تو وہ انہیں (خواجہ نور زمان صاحب) کو بتائیں گے وہ اس کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ان دنوں ہمارا ہاسٹل کا خرچہ غالباً اٹھارہ یا بیس روپے ماہانہ نہ تھا۔ دیگر اخراجات ملا کر پچیس یا تیس روپے ماہانہ میں گزارا ہو سکتا تھا۔

مہاراجہ کے دور میں ہمارا علاقہ بہت پسماندہ تھا۔ وہ اتنی رقم بھی اکٹھی نہیں کر سکتا تھا۔اس نے مسلم سکالرشپ کے نام سے ایک فنڈ قائم کر رکھا تھا۔ جو تقریباً تمام مسلمان طلباء کو مل جاتا تھا۔ یہ میرٹ کی بنیاد پر تھا۔مسلم سکالرشپ کی حاصل کردہ رقم فیس ادا کرنے کے لئے کافی تھی۔اس لئے ہمارا گزارا ہو جاتا تھا۔

پرنس آف ویلز کالج میں داخل ہونے کے بعد میں نے دیگر طلباء سے مل کر سٹوڈنٹس یونین بنائی تھی اس دور میں آزادی کی تحریکیں عروج پر تھیں سیکنڈ ورلڈ وار میں برطانیہ اگرچہ فتح مند گروہ کے ساتھ تھا لیکن اس کی اندرونی مالی حالت خراب ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں بغاوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔آزادی کی تحریکیں بڑے جوش وخروش سے چل رہی تھیں۔ ہندوستانی ریاستوں میں جموں کشمیر سیاسی طور پر زیادہ انقلابی ریاست سمجھی جاتی تھی۔ 1944ء میں ہندوستانی ریاستوں میں یہ پہلی ریاست ہے جس نے انڈیا چھوڑ دو کی تحریک کی طرح کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بلند کیا تھا۔

پوری ریاست میں گرفتاریاں جاری تھیں دوسری طرف گورنر جنرل ہندوستان نے ایک قانون لاگو کیا جس میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ جو باغی فوجوں یا باغی سرکاری ملازم ہوں کی تحریری یا تقریری مدد کرے گا وہ قانون کی رُو سے شدید سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ باغیوں کی سزا موت اوران کی جائیداد کی ضبطی تھی۔ اس قانون نے تمام سیاسی جماعتوں کو متحرک کر دیا تھا۔

ان دنوں پنڈت جواہر لعل نہرو نے اعلان کیا تھا کہ وہ فوجی باغیوں کا مقدمہ خود لڑیں گے۔ انگریزی راج کے خلاف بغاوت کرنا یہ ہر ہندوستانی کا حق ہے۔ ہم غلام رہنا نہیں چاہتے۔ چونکہ سارے ہندوستان بشمول ریاست جموں وکشمیر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی میں سرکاری یونین (کالج کی طلباء یونین) کا منتخب جنرل سیکرٹری تھا۔ اور غیر سرکاری طلبای کی یونین کا بھی صدررہا ہوں ہم نے جموں میں مظاہروں اور جلسوں کا پروگرام بنایا اورتقریباً ہر چھٹی کے بعد روزانہ اور جب چھٹی نہ ہوتی کالج اور سکول بند ہونے کے بعد ہم انگریزی راج اور ڈوگرہ شاہی کے خلاف جلوس نکالتے رہتے تھے۔ چونکہ ہم نے یہ جلوس مہاراجہ کے محلوں کے پاس سے گزارنا شروع کر دیئے۔

میں پرنس آف ویلز کالج جموں کے ہاسٹل میں بیٹھا ہوا تھا ایک پولیس انسپکٹر مجھے گرفتار کر کے سٹی تھانہ جموں میں لے آیا۔ اور چند گھنٹوں کی حراست کے بعد مجھے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔ میری گرفتاری کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی تھی ہر طرف مظاہرے شروع ہو گئے تھے۔ کشمیر چھوڑ دو تحریک کی وجہ سے ہماری گرفتاریاں نہ کی جاتی تھیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ اوراس کے درباریوں نے باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ اورصرف وادیٔ کشمیر میں اس کے خلاف بھرپور کارروائی کر کے ہندوستان میں یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ در اصل وادی کے مسلمانوں کی راجہ کے خلاف تحریک اس لئے چلائی جا رہی ہے کہ وہ ہندو ڈوگرہ ہے۔ وہ اس تحریک کو ہندو مسلم فسادات کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ اور کانگرس کی حمایت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن کانگرس نے مہاراجہ کے سرکاری پروپیگنڈہ سے تاثر قبول نہ کیا اور کشمیریوں کو حق خودارادیت دینے کو تسلیم کیا ہماری تنظیمیں اگرچہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کے ساتھ جماعتی طور پر شامل نہ تھیں تاہم طلبہ کا انقلابی گروہ اس سے اتنا متاثر تھا وہ جیلوں میں جانے کے لئے تیار تھے۔ لیکن حکومت کے نرم رویہ کی وجہ سے اگر کوئی گرفتاری عمل میں لائی جاتی تھی تو صرف چند گھنٹوں کے بعد طلباء کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور میرے ساتھ پولیس کا یہی برتاؤ رہا۔

کالج کی زندگی میں میری یہ پہلی گرفتاری تھی جو میں نے خود پیش کی تھی۔ کیپٹن شاہنواز سہگل ڈھلوں او ربریگیڈ یئر راجہ حبیب الرحمٰن کے خلاف بغاوت کے مقدمات بنا کر فوجی عدالتوں میں ان کا ٹرائل شروع ہوا تو ہم نے کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ انہیں پھانسی پر لٹکانے کی بجائے ہمیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

اوپر خواجہ نور زمان مرحوم کا ذکر آیا ہے۔ وہ محاذ رائے شماری کے سرکردہ رہنما صوفی محمد زمان صاحب مرحوم کے

بہنوئی خواجہ شیر زمان کے بڑے بھائی تھے۔ جو کہ 1931ء کی تحریک آزادی کشمیر کے صف اول کے رہنما غازی محمد بخش آف سگوال مرحوم کے آپس میں ماموں زاد پھوپھی زاد کا رشتہ رکھتے تھے۔ یہ سب بڑے عظیم اور ایثار پیشہ تھے۔ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ مرحوم کے پیروکاروں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

میرے بڑے بھائی صاحب اپنے والدین کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور میرے بڑے بھائی محمد صادق انصاری مدرس تھے۔ گھر کا نظام اچھی طرح چل رہا تھا۔ میں کالج کے دوران کسی طرح کی کوئی مالی معاونت حاصل نہ کی گئی تھی۔ اگر وقت پر فیس ادا کرنے کے لئے منی آرڈر نہیں پہنچتا تھا تو ہمیں اس کی فکر نہ تھی۔ کیونکہ میرے ایک اور ساتھی طالب علم چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ تھے۔ جو میرے روم میٹ بھی تھے انہیں سب مسلمان طلباء شہزادہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے بھائی چوہدری محمد شریف مرحوم بمبئی میں بزنس کرتے تھے۔ اور ان کو ضرورت سے زیادہ رقم بجھوا دیا کرتے تھے۔ چوہدری شاہ ولی صاحب علی صاحب ایڈووکیٹ اپنی فیس ادا کرنے کے لئے جاتے تھے تو ہمیں پتہ بھی نہ لگنے دیتے تھے اور میرے اور دو چار ساتھیوں کی فیس بھی ادا کر کے ہمیں رسیدیں دے دیتے اور جب منی آرڈر پہنچتا تھا تو ہم انہیں یہ رقم ادا کر دیتے تھے۔

جناب چوہدری شاہ ولی علی صاحب ایڈووکیٹ بڑے بہادر، نیک سیرت شاہ خرچ اور لائق ترین طلبہ میں سے تھے۔ تعلیمی قابلیت کی بنا پر انہیں بھی کالج کی انتظامیہ مستحق انعامات سمجھتی رہی ہے۔ میرے ساتھ ان کو انعامات ملتے رہے اور ہم روم میٹ تھے۔ اور میرے وارنٹوں کے ساتھ ان کے وارنٹ نکلتے رہے۔ جبکہ وہ نظریاتی طور پر ہمارے ساتھی نہ تھے۔ وہ دوقومی نظریہ کے حامی تھے۔ البتہ کشمیر میں وہ مسلم کانفرنس اور پاکستان ہندوستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دیتے تھے۔ ہمارے آپس میں نظریاتی اختلاف کے باوجود ہمارے درمیان کبھی نوک جھونک پیدا نہ ہوئی۔ اور نہ کبھی محض اظہارِ رائے پر رنجش پیدا نہ ہوتی ہمارا کالج کا زمانہ بڑی خوشگوار حالت میں گزرا۔

چوہدری شاہد ولی ایڈووکیٹ سخی دل اور مخیّر حضرات میں سے ایک تھے۔ البتہ جوانی کی حالت میں جو کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اس سے ہماری طرح مستثنیٰ نہیں تھے۔ لیکن نیک چلن اور باوفا دوست اور ساتھی تھے۔ ہماری عملی زندگی میں بھی ایک آدھ بار ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تو وہ بھی عارضی تھا۔ چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ صاحب کو میری خاطر بہت سی تکلیفیں بھی اٹھانا پڑی ہیں لیکن انہوں نے کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔

میری اس تحریک میں میرے بہت سے ساتھی تھے جناب وید بھسین، جناب اوم مہتا، جناب بل راج پوری میرے کلاس فیلو ہی نہ تھے بلکہ وہ اس تحریک کے صف اوّل کے راہنماؤں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم دوست اور مسلمان بھی تھے ان کی یادوں کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ بلراج پوری سے آج بھی دوستی اُسی طرح قائم ہے اُن کے بچے لو پوری اور اُن کی بیٹی لورا پوری میری تیمارداری کے لئے آئے تھے۔ بلراج پوری خود میرپور آ کر میرے گھر تشریف لائے اُس وقت

میں میر پور میں موجود نہیں تھا۔ اُنہوں نے عزیزی محمد صابر انصاری ایڈوکیٹ سے خصوصی ملاقات کی اور میرے گھر تشریف لائے اور میری بیٹی میمونہ خالد سے ملاقات کی۔ جناب وید بھسین متعدد دفعہ میری موجودگی میں میر پور تشریف لائے۔ چند ماہ قبل میری تیمارداری کا سُن کر وہ اور کرشن دیو سیٹھی خصوصی طور پر میر پور تشریف لائے۔

کرشن دیو سیٹھی اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں وہ بطلِ حریت راجہ اکبر خان مرحوم کے ساتھیوں میں سے ہیں اُن کی ڈوگرہ حکومت کے خلاف جدوجہد لازوال ہے۔ وہ کشمیر چھوڑ دو تحریک میں بھی جیل گئے تھے۔ 1947ء میں فسادات کے موقعے پر وہ میر پور سے جموں چلے گئے اور وہاں کشمیر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ ایک آزاد منش شخصیت ہیں۔ اُن کے پائے کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ وہ ایک انقلابی مفکر ہیں اور قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں رکھتے۔ ساہوکاروں کے خلاف اُن کے جدوجہد نا قابلِ فراموش ہے۔ اُنہوں نے اپنے والدین کے برعکس جب ابھی وہ نوجوان تھے، سودی رجسٹر نظرِ آتش کر دیئے اور اعلان کر دیا کہ اُنہوں نے سود کا تمام ریکارڈ جلا دیا ہے اس طرح اُنہوں نے عملی طور پر ثابت کیا کہ وہ ریاست میں ساہوکاری نظام کے خلاف ہیں اور سچے کامریڈ ہیں۔ وہ ریاست جموں کشمیر کی مایہ ناز شخصیت ہیں۔ میر پور کی سرزمین اُن پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

ایک واقعہ ہندوستانی راہنماؤں کی جموں آمد کے سلسلہ میں آگے آ رہا ہے۔ کالج کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات کا مختصراً تذکرہ بھی کروں تو ایک ضخیم کتاب لکھی پڑے گی، میں دو چار واقعات کا مختصراً ذکر کرتا ہوں۔ جس کا اثر میرے دور کے دوستوں پر پڑا تھا۔ ایک واقعہ انعامات کی تقسیم کا ہے ہم کالج میں اول آنے والے طلباء میں سے تھے اور ہمیں مختلف قسم کے انعامات کتابی صورتوں میں اور ٹرافی کی شکل میں تقریباً ہر سال ملتے رہتے تھے۔ لیکن پرنس آف ویلز کالج جموں میں یہ پہلی بار تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی تھی جسمیں مہارانی تارا دیوی (مہاراجہ ہری سنگھ کی زوجہ محترمہ) تشریف لائی تھیں کالج کو اس طرح سنوارا گیا تھا کہ جیسے شادی کا مہمان ہو۔ ان کے ہمراہ دربار کی دیگر بیگمات بھی تشریف لائیں۔ کالج کے تمام اساتذہ عملہ اور سرکاری عملہ سے تعلق رکھنے والے لوگ مہارانی کے راستہ کو رنگ برنگ جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا اور کالج ہال کو سبز سرخ سفید اور رنگا رنگ جھنڈیوں سے سجایا گیا۔

انتہائی قیمتی قالین بچھائے گئے دیواریں بھی انتہائی قیمتی اور ریشمی کپڑوں سے ڈھکی گئیں۔ ہال کے چھت پر طرح طرح کے فانوس غبارے لگائے گئے۔ جو سرکاری دفتروں اور سرکار کے بڑے بڑے افسروں کے گھروں سے آئے تھے۔ طلباء میں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ہر ملازم اپنی ترقی کی خواہش رکھتا تھا۔ کالج کے پرنسپل اور سٹاف کو یہ فکر لاحق تھی کہ کسی طرح بد انتظامی نہ ہو جائے ان دنوں کشمیر چھوڑ دو تحریک پورے زوروں پر تھی اور ملک بھر میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ کالج کے پرنسپل اور معزز اساتذہ ایک ایک طالب علم کو نظر میں رکھے ہوئے تھے۔ مہاراجہ کی خفیہ ایجنسیاں بھی پوری طرح

نگرانی کر رہی تھیں اور میرے ہم خیال ساتھیوں پر کڑی نظر رکھی جا رہی تھی لیکن انہیں یہ یقین تھا کہ تشدد کی کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔

کیونکہ ہمارے سب ساتھی کانگرس کی عدم تشدد کی پالیسی کو اپنائے ہوئے تھے۔ کالج سٹاف نے طلباء کے لئے کتابیں بڑے لمبے میز پر سجا رکھی تھیں۔ اور طلباء کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اپنی اپنی پسند کی کتابیں چن کر لائبریرین کے حوالہ کریں جو بنڈل بنا کر اپنی تحویل میں رکھے گا۔ میں نے اپنی پسند کی کتابیں منتخب کیں اور اسکے بھی تین بنڈل بنائے گئے تھے وہ مختلف مضامین امتیازی نمبر حاصل کرنے والوں کے لئے رکھے گئے تھے۔

کالج کے دیگر شعبہ جات کے لئے ٹرافیاں رکھی گئی تھی۔ یونین کے عہدے دار کے لئے ٹرافی اور مختلف مباحثوں میں حصہ لے کر اول پوزیشن حاصل کرنے والوں کے لئے اور دیگر مجموعی طور پر اچھا چلن رکھنے والوں کے لئے ٹرافیاں رکھی گئی تھیں۔ جو بطور انعامات مہارانی نے دینی تھیں۔ تقسیم انعامات سے قبل تقریباً تین دن کے لئے عملی ریہرسل کرائی گئی تاکہ نظم وضبط میں کوئی کمی نہ رہے۔ ہمیں درباری سلام اور طریقہ بتایا گیا سب طالب علموں کو سکھایا گیا کہ انعامات حاصل کرنے کے لئے شاہی دربار کے طریقے سامنے رکھے جائیں درباری طریقہ یہ تھا کہ مہارانی کے پاس جانے کے چند گزوں کے فاصلہ پر انسان کو سر نیچا کرنا ہوگا۔ اور تین مقامات میں رکوع کی حالت میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اور رکوع کی حالت میں تھوڑا سر اٹھا کر انعام وصول کر کے پیچھے آنا ہوگا۔ اور پیٹھ مہارانی کی طرف نہیں ہونی چاہیے۔ جس حالت میں آگے بڑھنا ہوگا اسی حالت میں واپس بھی آنا ہوگا۔

دو چار ساتھیوں کو اس بارے میں علم تھا کہ میں ایسا ہر گز نہیں کروں گا۔ اور باقی سٹاف بھی مطمئن تھا۔ ہندو طلباء بھی یقین رکھتے تھے۔ وہ مہارز زانی کا باعزت استقبال کریں گے وقت قریب آیا اور انعامات تقسیم ہونے لگے۔ مجھے دو تین طلباء کے بعد بلایا گیا۔ میں اپنی نشست سے کھڑا ہو کر مہارانی کے پاس چلا گیا اور نہ سر جھکایا اور نہ کمر جھکائی اور نہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا بلکہ سیدھا جا کر اپنا انعام حاصل کیا اور مہارانی کی طرف پشت کر کے واپس اپنی نشست پر آکر بیٹھ گیا۔ میں کھدر پوش تھا۔ اور سر پر ترکی (رومی) ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جو تحریک خلافت میں پہنی جاتی تھی۔ میرے واپس آنے تک پورے ہال میں سناٹا چھا گیا۔

سٹاف کے لئے یہ مشکل تھی کہ میرے پانچ چھ انعامات کی ٹرافیاں وغیرہ رکھی گئی تھیں اور وہ ساری کی ساری مہارانی کے سامنے تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ دوسری بار مجھے نہ بلایا جائے۔ لیکن انہیں مجبوراً بلانا پڑا اور میں نے ہر بار اسی طرح انعامات وصول کئے اور واپس آتا رہا۔ میری کوئی ایسی حرکت نہ تھی جو غیر سنجیدہ ہو لیکن شاہی آداب کے خلاف ضرور تھیں۔ تقریب ختم ہوئی اور ہر طرف یہی چرچا تھا کہ کالج کی بدنامی ہوئی ہے مہارانی کی تذلیل کی گئی ہے اور یہ ایک مسلمان

لڑکے نے ایسا کیا ہے۔اس میں کوئی سازش ضرور ہے۔

تقریب ختم ہونے کے بعد ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔اور پرنسپل نے سٹاف میٹنگ بلا کر ایک دو مسلمان پروفیسروں کو میٹنگ میں بلایا اور کردار کشی کا الزام لگایا گیا۔اور مجھے بھی کالج کے سٹاف کے سامنے پیش ہو کر اپنی اس حرکت پر جواز پیش کرنے کیلیئے بلایا گیا۔میں نے سٹاف کے سامنے کہہ دیا کہ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو غیر اسلامی ہو میں چاہتا تو کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بھی لگا سکتا تھا۔لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے سر جھکانا اور رکوع کی حالت میں آنا نہ صرف ناپسندیدہ فعل ہے بلکہ شرک وکفر ہےاور دربار(مہاراجہ) کو چاہیےاس طریقہ آداب کو بدل دے۔

مسلمانوں سے یہ توقع رکھے کہ اس کے آگے رکوع کریں گے یا سجدہ ریز ہوں گے یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔کئی دن کے سوچ وبچار کے بعد سٹاف نے پرنسپل کو مشورہ دیا کہ ہندو مسلم فسادات پھیل رہے ہیں ان کا روکنا ضروری ہےاور اگر کوئی قدم بھی اٹھایا گیا تو فسادات پھیل جائیں گے مجھے زبانی پرنسپل نے نصیحت کی کہ مجھے اپنا کیریئر خراب نہیں کرنا چاہیے۔اور میں نے ان کے سامنے کہا،میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کا حصہ بننا چاہتا ہوں۔کہنے لگے تعلیم سے فارغ ہو کر عملی سیاست میں حصہ لیں۔اور اپنا شاندار کیریئر خراب نہ کریں۔

میرے گھر میں بھی یہ اطلاع کر دی گئی کہ سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں انہیں کالج سے نکالے جانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور میرے گھر والوں کو مشورہ دیا گیا کہ مجھے سمجھائیں میرے گھرانے کے لوگ سیاست کو عبادت سمجھتے تھے انہوں نے اس خط کا نہ کوئی نوٹس لیا اور نہ ہی میرے بڑے بھائی مولانا غلام نبی انصاری مرحومؒ نے مجھے اس سے روکا۔بلکہ مجھے بڑے بھائی صاحب نے ایک بار کہا تھا کہ مجھے اس لئے تعلیم دلوا رہے ہیں کہ میں لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کروں۔اور قومی آزادی کے لئے جدوجہد کر سکوں۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ تمام اخراجات کے خود متحمل ہوں گے اور مجھ سے روپیہ کمانے اور گھریلو اخراجات برداشت کرنے کے لئے کبھی مطالبہ نہیں کریں گے۔جموں شہر میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔اور مسلمان تعداد میں کم تھے۔1943ء سے لے کر 1947ء تک کا زمانہ میں نے جموں شہر میں گزارا ہے۔

جنگ عظیم دوم اور انڈیا چھوڑ دو تحریک اور ریاست میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کے علاوہ بھی ہندوستان میں دوسری جماعتوں نے برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد تیز کر رکھی تھی۔برطانوی حکومت کو ہندوستان چھوڑنا ہی تھا تو اس نے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی حوصلہ افزائی کی جموں میں مسلمان اپنے دفاع کے لئے گتکا وغیرہ کی ٹریننگ نوجوانوں کو دیا کرتے تھے۔اس ٹریننگ سنٹر میں جاتا رہا ریاستی ہندو راجپوتوں کو تو اسلحہ رکھنے کی اجازت تھی۔

جبکہ حکام سے نہتے لوگ کیسے لڑ سکتے تھے لیکن اپنی بساط کے مطابق ہر دو فرقوں میں جب کبھی لڑائی ہوتی اقلیتی فرقہ اپنے مخالف پر بھاری رہا۔ مسلمانوں کا مذہبی تہوار عید میلا دالنبی ﷺ بڑی شان وشوکت سے منایا جاتا تھا۔ اور ہندو مذہبی تہوار اور جنم اشٹمیٔ تھا۔ وہ بھی مقابلے میں شان وشوکت سے مناتے تھے۔ لیکن یہ بدقسمتی تھی کہ دونوں فرقوں میں معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔

مذہب کوئی بھی ہو وہ محبت، پیار، ایثار اور انسانی خدمت کا درس دیتا ہے۔ اور معصوم بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہماری واحد طلباء یونین تھی جو ان فسادات کے موقعہ پر بھائی چارے کا درس دیتی تھی۔ اور بہت سے بے گناہ انسانوں کو درندہ صفت انسانوں کے حملوں سے بچایا تھا۔ مہاراجہ کو کرفیو لگانا پڑتا تھا۔ اور فوج کو بلالیا جاتا اور پھر مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیڈر اکٹھے ہو کر مہاراجہ سے اپیل کرتے کہ وہ کرفیو ہٹالیں۔

ان دِنوں امرتسر، سیالکوٹ اور دوسرے شہروں سے بھی لوگ اپنے اپنے جنگجو بلالیا کرتے تھے بالآخر فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکی اور 1947ء میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور وہ ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ اس طرح میر پور میں بھی ہزاروں ہندوؤں کو قتل کیا گیا اور انہیں بھی گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز خوش وخرم اپنا دامن بچا کر اپنے وطن لوٹ گیا اور ہندوستان میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اتنی نفرت پھیلی کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزارنے کے باوجود بھی دو آزاد ملک آپس میں اچھے پڑوسی بن کر نہ رہ سکے۔

اب بھی بات چیت جاری ہے وہ ملک جن کی بنیاد نفرت پر رکھی گئی ہو وہ اچھے دوست اور اچھے ہمسایہ ملک نہیں بن سکتے۔ جموں میں ہم نے ہندو مسلم سکھ اتحاد کے نعرے کو گلی گلی کوچے کوچے میں پھیلایا۔ لیکن مذہبی نفرت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ان فسادات کو نہ گاندھی کی اپیل روک سکی نہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی خطابت کام آئی۔ نہ علامہ مشرقی کی وعظ ونصیحت نے کام کیا اور نہ ہی قوم پرست تنظیموں کی قربانیوں نے اس کو روکنے میں کچھ مدد دی۔

کچھ کرپانیں ہلاتے رہے۔ کچھ نیزوں کو سیدھا کرتے رہے اور کچھ اس طرح گولیاں برساتے رہے جیسے شادی کا میلہ ہو عصمتیں لٹ رہی تھیں۔ مکانات جل رہے تھے معصوم بچے نیزوں کی نوک پر تھے۔ عورتیں کرپانوں سے لہولہان تھیں ماں بہن اور بیٹی کی کوئی تمیز نہ رہ گئی تھی ہر کوئی اپنی جان کی فکر میں تھا۔ اس قدر دلدوز اور اندوہ ناک واقعات ہوئے کہ باپ نے اپنی جوان بیٹیوں کو خود قتل کر دیا۔ تاکہ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ہاتھ آ کر اپنی عزتیں بچانے میں کامیاب ہو سکیں اس دور میں ایسے بہادر مسلمان سکھ اور ہندو بھی موجود تھے جنہوں نے عظمت انسانی کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا کر دوسروں کی جانوں کو بچایا۔

ہم نے جموں اصلاحی کمیٹیاں بنا رکھی تھیں لیکن حالت یہ ہو چکی تھی کہ ہندوؤں کے محلّہ کا آدمی مسلمان محلّہ سے

گزر نہیں سکتا تھا۔ اور مسلمان محلّہ کا آدمی ہندو محلّہ سے گزر کر اپنے کھانے کے لئے چیزیں خرید کر لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ میں ایک روز ہندو محلّہ میں طلباء یونین کے اجلاس میں شامل تھا کہ شور مچ گیا کہ فسادات پھوٹ پڑے ہیں۔ مجھے اس محلّہ سے واپس محلّہ جیون شاہ میں آنا تھا کیونکہ وہاں ہم نے ایک معزز خاتون شاستر و شانی کا مکان کرایہ پر لے کر رہائش رکھی ہوئی تھی۔ میرے ساتھیوں کو ڈر تھا کہ محلّہ سے گزرتے ہوئے ہندو حملہ آور ہو کر مجھے قتل نہ کر دیں۔ اور مجھے یہ ڈر تھا کہ جب یہ ساتھی اردو بازار کے قریب پہنچیں گے تو مسلمان حملہ آور ان کو قتل نہ کر دیں ہم نے چھپ چھپا کر اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

محلّہ جیون شاہ میں جیون شاہ کے مزار کے ساتھ ایک مسجد تھی اس کے ساتھ سے سڑک گزرتی تھی جس کے دوسری طرف ہمارا کرایہ کا مکان تھا۔ ہم اس مکان میں اس وقت تک رہے جب ہوسٹل کا کمرہ خالی نہ ہوا ایک کمرہ ہوسٹل میں مل گیا تھا جس میں میں نے اور پرنس شاہ ولی ایڈووکیٹ صاحب جا کر رہائش پذیر ہوئے تھے۔

بابا جیون شاہ کے اس مکان میں ہمارے پاس بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ اور حضرت مولانا عبداللہ سیاکھویؒ مرحوم بھی ہمارے پاس ٹھہرے تھے۔ وہ پروفیسر مرتضیٰ جوان دنوں پرنس آف ویلز کالج سے واپس گھر جا چکے تھے۔ ان کے خلاف مقامی ذیلدار نے گاؤکشی کا مقدمہ بنالیا تھا۔ میں اس وقت اس مقدمے کے بارے میں لکھنا غیر ضروری سمجھتا ہوں البتہ ان کے خلاف جب مقدمہ گاؤکشی کا بنایا تو راجہ محمد اکبر خان مرحوم اور مولانا عبداللہ سیاکھوی مرحوم ان کی مدد کو جموں گئے تھے۔ میرپور کے امور حیوانات کے ڈاکٹر جو غالباً ماسٹر روشن لال مدیر روزنامہ سچ جموں کے مدیر تھے ان کے رشتہ دار تھے۔ ماسٹر روشن لال پکے ازنیشنلسٹ تھے اور بطل حریت کے پیروکاروں میں تھے۔ سچ اخبار ہفت روزہ تھا۔ جو بطل حریت کی نگرانی میں چھپ رہا تھا۔

1947ء کے بعد اس کی یاد میں ماسٹر روشن لال جیسے عظیم کشمیری رہنما سیاست دان اور صحافی نے جموں میں پناہ گزیں ہو کر اسے روزنامہ سچ کے نام سے شائع کرنا شروع کر دیا۔ غالباً ابھی تک وہ اخبار شائع ہو رہا ہے۔ ماسٹر روشن لال نے ڈاکٹر امور حیوانات سے طبی رپورٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے رشتہ دار کو پولیس کی رپورٹ ابتدائی کے خلاف کہا تھا۔ یہ علم نہیں درست بات کیا تھی البتہ میرپور کے ڈاکٹر نے جو طبی رپورٹ پولیس کے حوالہ کی تھی وہ پولیس رپورٹ کی تائید نہ کرتی تھی۔ پولیس نے گائے کا چمڑا جموں بھیج کر ان سے رائے طلب کی تھی اس مقدمہ کا انحصار اس رپورٹ پر تھا۔

ڈائریکٹر امور حیوانات ایک مسلمان تھا بطل حریت جب ہمارے پاس پہنچے۔ ان کی معرفت پتہ چلا کہ اس ڈائریکٹر کا مکان بھی ہمارے محلّہ میں ہے۔ ہم اسے بالکل نہیں جانتے تھے۔ اس چھوٹی سی مسجد میں جو ہمارے محلّہ میں تھی کوئی پیش امام نہ تھا۔ میں جماعت کرا دیا کرتا تھا۔ چند محلّہ کے نوجوان ایک دو بوڑھے اشخاص بھی آکر نماز باجماعت ادا

کر دیا کرتے تھے۔اس بوڑھے شخص نے مجھے کئی بار اگر حافظہ نے کوتاہی نہیں کی تو ناشتہ وغیرہ کرنے کی دعوت دی۔مگر میں اس کے گھر نہ گیا اور نہ میں نے نام پوچھنے کی ضرورت محسوس کی۔ مجھے ان کے گھر کا علم تھا۔

بطل حریت اور مولانا عبداللہ سیاکھویؒ مجھے لے کر اس مکان کی طرف گئے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ نیک سیرت بزرگ سفید ریش سامنے آیا مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بطل حریت اور مولانا عبداللہ سیاکھویؒ کو جموں کے تمام نوجوان بوڑھے عورتیں جانتے تھے۔اور پہچانتے تھے۔ان کے پہنچنے پر پورے شہر کوعلم ہو گیا تھا کہ میرپور کی دو عظیم شخصیات جموں تشریف لائی ہوئی ہیں۔میں نے ضعیف العمر بزرگ سے ملنے کی وجہ بتائی تو اس نے فوراً کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو راجہ صاحب کی بات پہنچادے گا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ راجہ صاحب اور مولانا کی بات نہ مانے۔

اس نے بطل حریت کو یقین دلایا کہ راقم کے آنے پر بہت خوش ہوئے ہیں۔تو انہیں باجماعت کا قصہ بھی سنایا۔ میں اتنا پریشان تھا کہ راجہ صاحب یا مولانا صاحب کو غلط فہمی پیدا ہوگی کہ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں کسی ایسے شخص کو جس کا وہ نام لے رہے تھے نہیں جانتا تھا۔اور نہ ہی واقفیت تھی لیکن اس بوڑھے ضعیف نے خود ہی بتا دیا کہ ہماری مسجد میں ہی ملاقات ہوئی ہے اور کوئی انہیں واقفیت نہ تھی یہ میرا خیال ہے کہ اس وقت پروفیسر مرتضٰی مرحوم بھی ان کے ہمراہ تھے۔بطل حریت نے فخرِ کشمیر مرزا محمد افضل بیگ مرحوم کو سارے حالات بتائے اور انہوں نے بھی ان کی امداد کرنے کا یقین دلایا۔ڈاکٹر نے ایک ایسی رپورٹ دی جو مہمل تھی لیکن اس کا فائدہ ملزمان کو ہی ملنا تھا۔اس نے لکھا تھا کہ چمڑا اتنا پرانا ہے کہ اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ذبح کیا گیا یا مرا ہوا تھا۔

اس طرح پروفیسر محمد مرتضٰی مرحوم جو غربت کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور مدرس ہو گئے تھے تو پرائیویٹ امتحان دے کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی۔اور ڈگری کالج پروفیسر و پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے یہ ہمارا عظیم ساتھی اللہ کو پیارا ہو گیا اس کی زندگی پر ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔لیکن اب وہ فرصت کہاں سے لائی جائے۔

ہم بابا جیون شاہ کے محلّہ سے نکل کر پرنس آف ویلز کالج ہوسٹل میں رہائش رکھنے لگے۔اور آخر تک ہوسٹل ہی میں رہے۔اس وقت ہندو مسلم فسادات اتنی تیزی سے پھیلے کہ مسلمان طلباء کو ہماری ضرورت بھی تھی کیونکہ ہوسٹل میں مسلمان طلباء کی تعداد کم تھی۔اور چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ صاحب مانے ہوئے گتکا باز تھے ہمارے جانے سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ہاسٹل میں ہندو طلباء کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ ہندو طلبہ کو جائز و ناجائز مراعات دیتے تھے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور مسلمان سپرنٹنڈنٹ ہندو طلباء سے خائف تھا۔

یہاں ایک واقعہ لکھ دیتا ہوں۔طلباء امتحانات سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک الوداعی تقریب منعقد کی مسلمان طلباء اپنے مسلمان سپرنٹنڈنٹ سے بہت نالاں تھے مسلمان طلباء میرے پاس آئے تقریباً دو چار مسلم طلباء کے علاوہ

سبھی مجھ سے ملتے رہے اور یہ مجبور کرتے رہے کہ تقریب میں سپرنٹنڈنٹ کے خلاف احتجاج کروں۔ دوسرے دن تقریب میں ایک وزیر صاحب آئے اور انہوں نے تقریب کی صدارت کی۔

سپرنٹنڈنٹ کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کے خلاف شکایت پیش کی جائیں گی اس لئے اس نے اس تقریب کو اس طرح مختصر کر دیا کہ جناب وزیر صاحب بڑے اہم کام کے لئے واپس جانا ہے اس لئے تقریب صرف سپرنٹنڈنٹ ہاسٹل اور وزیر صاحب ہی تقریر کریں گے۔ تقریب شروع ہوئی تو ہاسٹل کے ایک طالب علم نے ان مختصر الفاظ میں طلباء کو بتایا کہ وہ معذرت خواہ ہیں اس لئے انہیں تقریر کا موقع نہین دیا جاسکتا اس بات کا مجھے صبح سیر کے وقت پتہ چلا تھا جب ایک طالب علم نے مجھے دھمکی آمیز الفاظ میں ڈرایا۔ اگر میں نے کوئی شکایت کی تو مجھے قتل کر دیں گے۔ میں حیران ہوا کہ ہاسٹل میں پہنچ کر سب طلباء باری باری اور اکٹھے بھی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے تقریب میں تقریر یا بولنے سے بڑی خوشامد کر کے منع کیا۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ان منع کرنے والوں میں میرے قریبی حلقہ کے دوست اور طلبہ بھی شامل تھے۔

میں خود پریشان تھا کہ جن دوستوں نے مجھے اپنی ترجمانی کے لئے تیار کیا تھا وہ اب خود اس بات سے روک رہے ہیں کہ سچ نہ کہا جائے۔ اب میرے لئے دو ہی راستے تھے ایک تو یہ کہ میں دوستوں کو راضی رکھوں یا سچائی کا اعلان کر کے فرض کو نبھاؤں۔ میں نے ہر صورت میں تقریر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تقریب شروع ہوئی تو ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ قابل احترام ڈوگرہ شاہی کے وزیر کی خدمت میں تحسین کے الفاظ پیش کئے اور کہا کہ اب جناب وزیر صاحب (ان کا نام یاد نہیں رہا) پہلی بار عوام سے لئے گئے تھے اور انعامات کی تقسیم کرنے کے لئے اٹھے تو میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ جناب وزیر صاحب آپ کی تقریر سب سے آخر میں ہونی چاہیے میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں جن کے سننے کی ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ کو تاب نہیں ہے۔ انہیں اپنے بارے میں شکایات پیش کئے جانے کو اس طرح روکا گیا ہے کہ طلباء کو اجازت نہیں دی گئی۔

وزیر موصوف مسکرائے اور یہ فرمایا کہ آپ تقریر کریں میں اپنی تقریر بعد میں کروں گا۔ یہ تقریبات اس لئے ہوتی ہیں کہ ان میں اصلاح کی تجاویز دی جائیں میں نے تقریر کی اور ساتھ ہی طلباء کے چہروں کو دیکھتا رہا مسلمان طلباء بہت پریشان تھے اور ہندو طلباء میں سے صرف وہی طلباء ناراض تھے جو سپرنٹنڈنٹ کے چہیتے تھے۔ تقریر سننے کے بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب کو وزیر موصوف نے ان شکایات کے سلسلہ میں آپ اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور طلباء کو بھی کہا کہ اگر کوئی تقریر کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے وزیر موصوف نے طلباء کو کہا کہ کالج کی زندگی سے یہی تعلیم ملتی ہے کہ ہر وقت ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے جو سچی بات ہو وہ کہہ دی جائے تقریب ختم ہوگئی اور وزیر موصوف نے ہر ایک طالب علم سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ اب ان کا بی اے۔ بی ایس سی سے فارغ ہو کر آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟۔

ہر طالب علم نے اپنا اپنا پروگرام بتایا اور جب مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ میرا آئندہ کا پروگرام یہ ہے کہ میں کشمیر چھوڑ دو تحریک میں عملی حصہ لے کر جیل میں جاؤں اور شخصی راج کو ختم کر کے عوامی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لائیں گے۔ وزیر موصوف میری اس بات سے بہت شرمندہ ہوا کیونکہ وہ ڈوگرہ راج کے حق میں تھا تقریب کے ختم ہونے کے بعد مسلم طلباء نے مجھ سے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کرتے ہوئے میس سے کھانا بند کرا دیا۔ اور دوسری طرف نیشنلسٹ طلباء نے اپنے میس میں میرے برتن لائے اور مسلمان باورچی منگوالیا اور مجھے کہا کہ میں ان کے میس میں سے کھانا کھا سکتا ہوں رات ہوگئی اور صبح کے اخبارات میں جلی حروف میں خبر شائع ہوئی کہ یہ مسٹر عبدالخالق انصاری نے ہاسٹل سے کھانا بند کئے جانے پر بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کیونکہ ٹک شاپ کا مالک بدل دیا گیا اور سپرنٹنڈنٹ ہاسٹل بھی رخصت پر چلے گئے اور نئی انتظامیہ منتخب ہوگئی۔ ناراض طلباء بھی راضی ہوئے۔ سپرنٹنڈنٹ کالج کے سینئر پروفیسر تھے۔ ہندو طلباء کی اکثریت کے وجہ سے انہوں نے غلط فیصلے کئے۔ جن کی وجہ سے انہیں شرمندہ ہونا پڑا۔

ہمارے کالج کے زمانہ میں جموں شہر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چیت رام چوپڑا جموں کے گورنر تھے۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھے۔ ان کی بیگم ایک دوکان میں چھپی ہوئی تھی دکان کے سامنے لوگوں کا ایک جم غفیر جمع تھا۔ ایک شرعی چہرے کا شخص ڈنڈا لئے ہوئے دروازے پر کھڑا تھا فوری طور پر گورنر کو بلایا گیا اور وہ پولیس کے ہمراہ دوکان پر پہنچے انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اعلان کر رکھا ہے کہ کوئی عورت بازار میں خرید و فروخت کے لئے نہیں آئے گی چچیت رام چوپڑا مسکرائے اور مولانا کو پولیس کے دستے کے حوالہ کیا اور خود اپنی بیگم کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

سب لوگ قیاس آرائیاں کر رہے تھے اب مولانا بچ نہیں سکیں گے۔ ابھی بھیڑ وہاں موجود تھی کہ مولانا ہاتھ میں ڈانڈا لئے ہوئے اعلان کرتے ہوئے آئے کہ مہاراجہ کی نگری میں عورت بازاروں میں نہیں پھر سکتی ہے۔ یہ مولانا عبدالغنیؒ ڈنڈے والے پوری ریاست میں اسی نام سے مشہور تھے۔ اور سماجی خدمت میں مشہور تھے۔ لیکن اتنے انگریز دشمن تھے کہ اگر کسی کے پاس انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب دیکھتے تھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر دور پھینک دیتے تھے اور منع کرتے تھے کہ ان کی زبان سیکھو نہ ان کی طرح کا لباس پہنو۔ ان سے مکمل بائیکاٹ کرو اور وہ بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں مولانا عبداللہ سیاکھویؒ کا ایک شاگرد ہوں۔

جن دنوں وہ جموں جاتے تو دودھ بیچنے والی عورتیں احتیاط کے ساتھ چھپ چھپا کر شہر میں داخل ہوتی تھیں۔ میرپور کے لوگوں کو جموں کے تمام لوگ بلالحاظِ مذہب بڑی اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب کبھی فسادات ہوتے تھے تو مسٹر اے ار ساغر شعلہ بیاں مقرر تھے اکثر اپنی تقریروں میں جموں کے ہندوؤں کو للکارتے تھے۔ اگر انہوں نے مسلمانوں پر

ہاتھ اٹھایا تو وہ میر پور سے بچ کر نہیں آسکیں گے۔ اکثر جموں کے خاندانوں کے میر پور میں رشتہ دار تھے۔ انہیں اس کا اقرار تھا کہ میر پور کے مسلمان انسان دوست ہیں۔

1947ء میں ریاست میں حملہ ہوا اور لشکری بھی حملہ آور ہوئے تو قتل و غارت کی انتہاء نہ رہی۔ میر پور سے لے کر جموں تک اور جموں سے لے کر سیالکوٹ تک دونوں مذاہب کے لوگوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ تاریخ ان کی ماتم سرائی سے آج تک فارغ نہیں ہوسکی۔ جن سنگھ راشٹریا سنگھ اور مسلم ڈنڈا فورس کے لوگ اس داغ کو مٹا نہیں سکتے جو ہندوستان کے خوبصورت چہرے پر لگے ہوئے نفرت پھیلانے میں وقت قوت، مال مل کر اتنی دیر نہیں لگا سکتے جتنی نفرت مذہب کے نام پر پھیلانے میں دیر لگتی ہے۔

نفرت پھیلانا آسان ہے۔ محبت پھیلانے کے لئے صدیوں کی محنت درکار ہوتی ہے۔ اور جب انسان دوستی کے لئے کام شروع کرے گا تو اس کو بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن اس کا صلہ آنے والی نسلوں کو بہشت ارضی کی صورت میں ملے گا۔ مجھے اب یاد نہیں ہے کہ وہ کون سے دوست تھے جنہوں نے مجھے 1947ء میں فسادات زدہ علاقے سے نکالا تھا۔

میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے گاؤں (اوناع موہڑہ کینال) پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک میر پور اور ڈڈیال کے شہر اور قصبے آباد تھے۔ کالج کے زمانہ طالب علمی میں قائداعظمؒ کشمیر جانے کے لئے جموں کے راستے آتے تھے۔ ہماری طلباء تنظیم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ برصغیر کا کوئی رہنما بھی ریاست میں تشریف لائے تو اس کو بطور مہمان شاندار استقبال کیا جائے۔ مسلم کانفرنس نے شاہانہ استقبال کیا تھا۔ اور ہماری طلبہ تنظیم بھی اس استقبال میں پورے جوش وخروش کے ساتھ شامل ہوئی۔

یہ بعد کے واقعات ہیں کہ وادیٔ کشمیر میں پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد اور باچا خان کے خلاف مظاہرے کئے گئے اسی طرح قائداعظم کے خلاف بھی مظاہرے ہوئے۔ لیکن قوم پرست تنظیموں نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا۔ میں یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ جماعتیں نیشنلسٹ کا ترجمہ قوم پرست کرتی تھیں حالانکہ ان میں شامل لوگ خدا پرست بھی ہوتے ہیں لیکن خدا پرست کسی اور کی پرستش نہیں کرسکتا۔

یہاں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نیشنلسٹ کا ترجمہ قوم پروری ہے۔ وہ اپنی قوم کو غلامی سے نجات دلانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے۔ تاریخ نے مظاہروں کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار قلمبند کر رکھا ہے۔ اسطرح کے مظاہروں سے فضا مسموم ہوتی چلی گئی اور عوام اس سیلاب میں بہہ گئے۔ جس کا نتیجہ ایک ہی وطن کے رہنے والوں کو ایک لکیر کے ذریعے الگ الگ حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ پہلے یہ مشہور تھا کہ تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ اور اب یہ مشہور ہو گیا ہے کہ تقسیم کرو اور ملک

چھوڑ دو، کشمیر چھوڑ دو تحریک بڑے زوروں پر تھی اس کا چرچا پورے برصغیر میں تھا اس کا ذکر کرنے سے قبل ایک مشہور واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں............

’’1945ء میں نیشنل کانفرنس کا مرکزی اجلاس یا مرکزی رہنماؤں کا اجتماع جموں شہر میں ہوا تھا۔ ہماری تنظیم کے کچھ مطالبات تھے وہ ہم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں ایک وفد کی صورت میں ملے تھے۔ ان کے سامنے کھل کر بات کرنا مشکل تھا۔ وہ بڑے وجیہہ اور جاہ و جلال کے مالک تھے۔ لیکن سب محبت اور بہت شفقت سے پیش آئے۔ وہاں بطل حریت راجہ محمد اکبر خان مرحوم اور کامریڈ محمد شفیع چوہدری باغسر بھمبر کے بھی موجود تھے۔ سردار بدھ سنگھ جو میرپور کے رہنے والے تھے وہ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ ہم نے مطالبات پیش کئے تو ہمیں ابھی شیرِ کشمیر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ لیکن کامریڈ محمد شفیع فوراً بول پڑے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے کہ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے ساتھ طلباء بھی جو نوجوان نسل ہے آپ کا ساتھ دے رہی ہے۔ اگر یہ طلباء میرے ساتھ ہوتے تو مین شام تک مہاراجہ کو گدی سے اتار کر جمہوری اور انقلابی حکومت کا اعلان کر چکا ہوتا۔ سب نے قہقہہ لگایا‘‘۔

بطل حریت نے ایک مقدمہ کا ذکر کیا ان دنوں فیڈرل کورٹ نے ایک فیصلہ دیا تھا جس کا عوامی حلقوں میں بہت اچھا اثر ہو رہا تھا۔ فیصلے میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ حکومت کے ملازم جو ریٹائرڈ ہو کر پنشن حاصل کرتے ہیں ان کی پنشن ضبط کرنے کا حکومت کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ملازموں کو یہ پنشن ان کی ماضی میں خدمات کے صلہ میں دی جاتی ہے۔ وہ اس کے پابند نہیں ہیں کہ وہ مستقبل میں حکومت کے بہی خواہ رہیں۔ انہیں آزادی حاصل کرنے کے لئے ملک کی کسی بھی سیاسی جماعت سے مل کر کام کرنے کا بنیادی حق حاصل ہے۔

بطل حریت نے شیرِ کشمیر کو کہا کہ اس فیصلہ کی روشنی میں سردار بدھ سنگھ کی ضبط شدہ پنشن حاصل کرنے کی کارروائی کریں۔ تب جا کر لوگوں کو پتہ چلا کہ سردار بدھ سنگھ کی پنشن ڈوگرہ راج نے ضبط کر رکھی ہے۔ سردار بدھ سنگھ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا یہ ان کی پنشن ضبط نہیں ہوئی بلکہ یتیموں اور بیوگان کی ضبط ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی تمام پنشن یتیموں اور بیوگان اور طلباء کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اب وہ پنشن اس وقت لیں گے جب خزانہ کی چابیاں شیرِ کشمیر کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اس محفل میں فخرِ کشمیر مرزا محمد افضل بیگ نے بھی چند لطیفے سنائے ساری محفل زعفران زار ہوگئی۔ طلباء کا مسئلہ چوہدری محمد شفیع کامریڈ کے حوالہ کر دیا گیا۔

چوہدری محمد شفیع بعد میں آزاد ہندوستان کی لوک سبھا کے ممبر بنے ان سے میری آخری ملاقات شیرِ کشمیر کے دورہ پاکستان کے وقت پر ہوئی تھی وہ اس وفد میں شریک تھے جو جنرل ایوب خان سے ملنے آیا تھا۔ اس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

کشمیر چھوڑ دو کی تحریک میں ہندوستان کی تمام قوم پرست تنظیموں نے ساتھ دیا تھا۔ ایک وفد ہندوستان کے تین عظیم رہنماؤں پر مشتمل تحریک چلانے کے لئے جموں کے راستہ سرینگر جانا چاہتا تھا اس گروپ میں ہندوستان کی شیر دل مس ارونا آصف علی برصغیر کے شعلہ بیاں مقرر جناب شورش کاشمیری اور ہندوستان کی مزدور جماعتوں کے مشہور و معروف لیڈر (ایک لیڈر) تھے۔ نیشنل کانفرنس کا جموں کے حلقہ میں بہت کم اثر تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے سوچیت گڑھ کے قریب چند میلوں کے فاصلے پر غالباً انبیر سنگھ پورہ میں ایک استقبالیہ جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ ڈوگرہ راج اور اس کے حواری یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ ان کے داخلہ کو روکا جائے یا انہیں جلوس میں خطاب کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ مسز ارونا آصف علی نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں حصہ لیا تھا۔ اس کے برصغیر کے تمام صوبوں میں گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے گئے۔ لیکن برطانوی ہند میں وہ تمام صوبوں میں گھومی پھری جلسوں سے خطاب کرتی رہی۔

کانگریس کی کمیٹیوں کے اجلاس میں شریک ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ کئی بار پولیس اور فوج کے گھیراؤ میں آتی رہی لیکن حکومت ہند اسے گرفتار کرنے میں بری طرح ناکام رہی وہ بڑی بہادر اور شیر دل خاتون تھیں۔ ساری دیسی ریاستوں میں بھی اس کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ ڈوگرہ راج کو ڈر تھا کہ اگر اس کو ریاست میں داخل ہونے سے روکا گیا تو تمام کانگرسی رہنما اور کارکن ریاست پر دھاوا بول دیں گے۔

جناب شورش کاشمیری سے ڈرتے تھے کہ مجلس احرارِ اسلام کے جانباز کشمیر کا رخ کر لیں گے مزدور لیڈر جو پشاور سے بمبئی تک مشہور تھے ان کا خوف تھا کہ وہ ریاست میں شدید بے چینی پھیلا دیں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ جلسے ناکام کئے جائیں کیونکہ انہوں نے تمام ڈھول بجانے والے لوگ اور فرقہ پرست ہندو تنظیموں اور ڈوگرہ راج کے بہی خواہوں کو تیار کیا کہ وہ جلسے میں ہڑبونگ مچائیں اور اتنا شور ہو کہ تقریریں سنی نہ جا سکیں۔

نیشنل کانفرنس کے کارکن محدود تعداد میں تھے، انہوں نے اچھی طرح جلسے کا اعلان بھی نہ کیا تھا لیکن اخبارات میں خبر شائع ہونے کی وجہ سے ان چوٹی کے رہنماؤں کو سننے کے لئے سب بے تاب تھے۔ ہماری طلباء یونین کو جب پتہ چلا تو یونین کے ممبران نے فیصلہ کیا کہ جلسہ میں شامل ہو کر جلسے کی رونق کو بڑھایا جائے جب ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ اس علاقے میں اتنا بڑا جلسہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ سیکڑوں ڈھول اور باجے والے لوگ جلسہ گاہ کے چند گزوں کے فاصلے پر جلسے کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور برصغیر کی یہ عظیم شخصیتیں سٹیج پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ نیشنل کانفرنس کے سیکرٹری جنرل جو ہمارے محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما ممتاز حیدر سمنائی ایڈووکیٹ کے چچا تھے۔ وہ بڑے پریشان تھے۔ ڈھولک بجانے والوں نے ڈھول بجانا شروع کر دیئے باجے بجانے والوں نے باجے بجانا شروع کر دیئے گولے پھینکے گئے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تحصیلدار مجسٹریٹ ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اور پولیس اور افواج کے باوردی لوگ

بھی پاس موجود تھے وہ شر پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے تو پولیس کے دستہ میں ہمارے میر پور کے ملک عبدالعزیز مرحوم غالباً اس وقت ہیڈ کانسٹیبل تھے۔ وہ بھی موجود تھے۔

جناب شورش کاشمیری کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بڑے بڑے ہنگاموں کا مقابلہ کرنے والا شخص تھا۔ وہ مائیک کے سامنے آنے لگے تو جن سنگھیوں نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سمنانی صاحب کے سر پر کلہاڑی کا وار کر دیا۔ وہ خون میں لت پت ہو گئے۔ شورش کاشمیری کا حال یہ تھا کہ اس نے مسز ارونا آصف علی کو کہا کہ یہاں جلسہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انشاء کے جلسہ میں خطاب کریں گے۔ مسز ارونا آصف علی کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں میں تقریر کروں گی اس پر شورش کاشمیری کو غصہ آ گیا اور اس نے اعلان کیا کہ کانگریس عدم تشدد کی حامی ہے۔ میرا تعلق مجلس احرار سے ہے اور یہ ہمارے دوستوں جو ہمارے ہم خیال ہیں ڈنڈے سنبھال لوان سے کلہاڑیاں چھین لو۔ ڈھول چھین کر مجسٹریٹ کے سر پر مارو جو وردی والا فوجی یا سویلین نظر آ رہا ہے ان کو ماردو اس فعل کی ذمہ داری شورش کاشمیری اپنے سر لے گا۔ ڈیوٹی مجسٹریٹ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم آپ کی حفاظت کیلئے آئے ہوئے ہیں۔ شورش کی زبان سے یہ شعر بے اختیار نکلا

کی میرے قتل کے بعد تو نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیماں ہونا

کاش اس تقریر کو تحریر میں لایا جاسکتا۔ شورش اس دن میں اپنے منہ سے انگارے پھینک رہا تھا اور شورش برپا کر رہا تھا۔ سامعین کا یہ حال تھا کہ سناٹا چھایا ہوا تھا اور ڈھول بجانے والے کوئی ایک فرلانگ دور چھوڑ جلسہ گاہ کے قریب شورش کی تقریر سن رہے تھے۔ ایسے لگ رہا تھا پورے مجمع کو سحر زدہ کر دیا گیا ہے۔ پولیس اور افواج کے لوگ بھی بڑے ادب واحترام سے کھڑے اور بیٹھے شورش نیند کی روانی سے مدہوش ہو رہے تھے۔

شورش نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اور اس کی فوج کو للکارتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے کسی برصغیر کے رہنما کو کشمیر میں داخل ہونے سے روکا تو تم اور تمہاری فوج بھی ہمارے برصغیر میں قدم نہیں رکھ سکے گی۔ سیلاب اُمڈ رہا تھا۔ بادلوں کی سی گرج چمک تھی گڑ بڑ کے دوران ہم نے ایک ایسا منظر بھی دیکھا کہ مہاراجہ فوج اور پولیس کا اعتماد کھو بیٹھا ہے۔ ہمارے ملک عبدالعزیز ہیڈ کانسٹیبل جو موہڑہ ملکاں ڈڈیال کے رہنے والے تھے وہ پولیس ڈنڈہ لے کر ڈھولک اور باجے بجانے والوں کو طلباء سے مل کر جلسہ سے بھگا رہے تھے۔ اور ڈیوٹی مجسٹریٹ جب قریب ہوتا وہ ہاتھ اٹھا کر نوجوانوں کو کہتے آپ پر امن رہیں جلسہ ہوگا۔ شورش مرحوم مختصر سی تقریر کے بعد بیٹھ گئے۔

اب وہ مسز ارونا آصف علی اس طنز پر کہ شورش تم مرد ہو کہ مہاراجہ کی بزدل فوج اور پولیس سے ڈرتے ہو۔ میں خود تقریر کروں گی اور یہاں مہاتما گاندھی کا امن کا پیغام پہنچاؤں گی۔ شورش کاشمیری یہ الفاظ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور

مائیک سنبھال لیا اور مسز ارونا آصف علی کو سننے کے لئے جموں کے تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین پہنچے ہوئے تھے۔ بلکہ سیالکوٹ تک کے لوگ انہیں سننے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ بہادر خاتون نے مہاراجہ کو للکارتے ہوئے کہا کہ ہم میدانِ جنگ سے بھاگنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جنگ سے بھاگنے والوں کے پیچھے جہنم کے دہکتے ہوئے انگارے پیچھا کرتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس نے کیا الفاظ استعمال کئے تھے۔لیکن اتنا یاد ہے کہ جب میں جناب شاہ ولی ایڈووکیٹ کو کہا وہ ہمارے ساتھ اس جلسہ میں چلیں تو وہ مذاق سے کہہ رہے تھے کہ کانگریس نے ہندو مسلم باہمی شادیوں کے بغیر کیا دیا ہے؟۔

ڈاکٹر خان کی بیٹی کہاں چلی گئی ہے اور مسٹر آصف علی جیسا آدمی کس عورت سے شادی کر بیٹھا ہے حالانکہ چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ بڑے آزاد خیال آدمی تھے۔ ہمارے ہر جلسہ میں شریک ہوتے تھے۔ وہ تحریک پاکستان کے جانباز کارکنوں میں سے تھے۔لیکن ہمارا ساتھ نہ ٹوٹا یہی وجہ تھی میرے وارنٹوں کے ساتھ ان کے وارنٹ بھی جاری ہوئے تھے۔ جب پولیس کو معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت حال کچھ اور ہے تو وہ انہیں حوالات میں بند نہیں کرتے تھے۔مسز ارونا آصف علی اسلام سے بہت متاثر تھیں اس نے کہا مسلمان میدانِ جنگ میں شہادت پاتا ہے یا غازی بن کر واپس لوٹتا ہے وہ بزدلوں کی طرح جہنم کی آگ کے شعلوں کو دعوت نہیں دیتا میں چوہدری شاہ ولی کو جلسہ کے بعد یہ باتیں یاد کراتا تو وہ مسکرایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یقیناً مسز ارونا آصف علی کو شیر دل عورت کا خطاب دینے والے حق بجانب ہیں۔ مسز ارونا آصف علی نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی کہا مجھے شیر کے لفظ سے بڑی نفرت ہے۔ شیر ایک درندہ ہے۔ اس کی فطرت میں پھاڑ کر کھانا لکھا ہے۔ آج مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ شیر کشمیر کو شیر کیوں کہتے ہیں۔ یہاں کا مہاراجہ ایک درندہ ہے اس کی فوج اور پولیس سب درندے ہیں۔ یہ سٹیج پر بیٹھا ہوا نیشنل کانفرنس کا سیکرٹری جنرل زندہ ثبوت ہے۔ اگر شیر کشمیر جیسے بہادر لوگ نہ ہوتے تو ہری سنگھ اور اس کے فوجی اور سو پلیس درندے پوری قوم کو کھا جاتے۔

جلسہ بخیر و خوبی گڑ بڑ کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ اور وہ بشنا کی طرف کاروں پر روانہ ہوئے راستہ میں فوج کے بریگیڈیئر (وہ ایک مسلمان تھے، ان کا نام یاد نہیں رہا) اپنے فوجی دستہ کے ہمراہ راستے روکے کھڑے تھے۔ راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ ہم نوجوانوں کا گروپ بھی اسی طرف چلا گیا تاکہ تماشا دیکھیں لیکن وہ تماشا نہ ہوا جب مہمان رہنماؤں کی کاریں رکاوٹوں کے قریب پہنچیں تو بریگیڈیئر نے ان مہمانوں کو واپس جانے کے لئے کہا لیکن وہ انہیں کوئی ایسا حکم دکھا نہ سکا۔ اس نے کہا کہ ہمیں زبانی حکم ملا ہے تو مسز ارونا آصف علی نے کہا کہ آپ کے پاس تحریری حکم بھی ہوتا تو بھی ہم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کاروں سے اتریں اور ایک پگڈنڈی راستہ اختیار کر کے آگے بڑھی کچھ رکاوٹیں ہم نے ہٹا دی تھیں اور کچھ فوجی جوانوں نے ہٹا دیں اور آگے چل کر کاروں پر بیٹھ گئے۔

اور ہم کو جموں پہنچنے کے لئے ہدایت کی۔

ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے اس لئے وقت اور الفاظ جو استعمال کئے تھے۔ ذہن میں محفوظ نہیں ہیں۔ بالآخر وہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے جموں شہر میں پہنچ گئیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس سے بڑے حادثہ سے دوچار ہوئے جب کشمیر کا مقدمہ شیرِ کشمیر کے خلاف بغاوت کے الزم میں بنایا گیا تو مسز ارونا آصف علی بیرسٹر ایٹ لا اس مقدمہ کی پیروی کے لئے سری نگر گئی تھیں۔ان کے ہمراہ پنڈت جواہر لال نہرو بھی تھے جو چند ہفتوں کے بعد برصغیر کے وزیر اعظم بننے والے تھے۔ وہ کوہالہ پُل کراس کر کے جب ریاست میں داخل ہونے لگے تو پولیس نے راستہ روک رکھا تھا۔اور سنگین تان رکھی تھی۔ان کے منع کرنے کے باوجود پنڈت جواہر لال نہرو ایک بہادر سپہ سالار کی طرح آگے بڑھے اور پولیس کی سنگین لگنے سے زخمی ہو گئے تھے۔ وہ دولائی چناری کے راستے سری نگر حکومت کے افسروں کی حراست میں پہنچے، تو انہوں نے واپس آنے سے انکار کر دیا تو مہاراجہ کی درخواست پر گورنر جنرل لارڈ ویول ان کے کہنے کے بعد واپس چلے گئے۔

مسز ارونا آصف علی، شورش کاشمیری اور ان کے ساتھی جموں کے علاقے میں بغاوت کی آگ بھڑکا کر چلے گئے تھے۔ جموں میں سوائے ڈوگروں اور چند ہندوؤں کے علاوہ تحریک کا کوئی بھی مخالف نہ تھا۔اس تحریک میں ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔اور مہاراجہ کو آئینی سربراہ تسلیم کرنے کی آمادگی ظاہر کی گئی تھی۔ یہ ان نوجوانوں کی خواہشات کے مطابق نہ تھی، جو مکمل ڈوگرہ راج ختم کرنے اور مکمل آزادی اور انقلابی ریاست کے خواہش مند تھے۔ جب شیر کشمیر کو حکومت سنبھالنے کو کہا گیا تو وہ عارضی طور پر وزیر اعظم بنائے گئے البتہ جب جمہوری عمل وجود میں آیا تو اس وقت بھی مہاراجہ کے بیٹے کو ہی صدر بنایا گیا، ایمرجنسی کی وجہ سے بااختیار حکومت نہ بنائی جا سکی۔شیرِ کشمیر ریاست کی خودمختاری اور مکمل آزادی کے حق میں تھے۔ بعد کے حالات ان کا ساتھ نہ دے سکے۔

قائداعظم کے نظریات ریاستوں کے بارے میں

1947ء میں ہندوستان آزاد ہوا۔ برصغیر دو حصوں ہندوستان اور پاکستان میں بٹ گیا۔مسلمان آزاد نہ ہوئے بلکہ مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔جس سے ان کی وحدت وقوت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔قائداعظمؒ نے ریاستوں کے بارے میں جو پالیسی اختیار کی اس سے ریاستی عوام کو نقصان پہنچا اگرچہ قائداعظم کا یہ بیان کہ ریاستیں ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کرنے کی پابند نہیں ہیں۔ بلکہ وہ چاہیں تو آزاد و خودمختار بھی رہ سکتی ہیں۔لیکن یہ اختیار ریاستی نوابوں،

امیروں اور راجاؤں کو دیا گیا جس کی وجہ سے کشمیر آج تک مہاراجہ ہری سنگھ کے فیصلہ کی وجہ سے غلام ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس پاکستان کا خواب نہ دیکھا تھا جو 1947ء میں معرضِ وجود میں آیا تھا۔اس میں پورا پنجاب پورا بنگال اور صوبہ آسام کے علاقے تھے جو خودمختار ریاستوں کی شکل میں وجود میں آنے چاہیئں تھے۔لیکن مسلم لیگ نے پنجاب کی تقسیم کو قبول کرلیا اور سنہرا بنگال کا تجارتی اور خوشحال علاقہ ہندوستان کے حوالے کرنے پر رضامند ہوگئی۔

صوبہ آسام کا صرف ایک ضلع چٹا گانگ پاکستان کو ملا وہ بھی بدھوں کا علاقہ تھا۔صوبوں کی تقسیم کے خلاف مسلم لیگ نے کوئی اقدام نہ اٹھایا۔اسے یہ ڈر تھا کہ انگریز سامراج برصغیر چھوڑنے کا آخری فیصلہ کر چکا تھا۔اور اگر اس نے کوئی رکاوٹ ڈالی تو پاکستان کے مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا جائے گا۔اور یہ وقت ہاتھ میں نہیں آئے گا۔

قائداعظم نے قانون آزادی ہند کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ریاستیں آزاد وخودمختار رہ سکتی ہیں۔اور اپنی مرضی کے مطابق جس ہمسایہ ملک سے معاملات کرنا چاہیں تو وہ کرسکیں گی۔ ہندوستان کے رہنماؤں کی یہ واضح پالیسی تھی کہ ریاستوں کے لئے ہر دوملکوں میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ ملنا ضروری ہے۔قائداعظم نے یہ تو صحیح اعلان کر دیا تھا کہ ریاستیں آزاد وخودمختار رہ سکتی ہیں لیکن یہ تشریح نہ کی تھی کہ ریاستوں سے مراد ریاستی عوام ہیں یا ریاستی راجے مہاراجے اور نواب بلکہ عملاً یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہر ریاست کا راجہ نواب اپنی ریاست کے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے چونکہ جونا گڑھ کی ریاست میں ہندو اکثریت تھی اس کا نواب ایک مسلمان تھا۔نواب آف جونا گڑھ نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا تو قائد اعظم اور مسلم لیگ نے اس کو تسلیم کرلیا اس طرح نواب آف دکن نے مکمل خودمختاری کا فیصلہ کیا تو پاکستان نے نہ صرف دکن کی خودمختاری کو تسلیم کیا بلکہ اس ریاست کا مقدمہ اقوامِ متحدہ میں جا کر لڑا بھارت نے جونا گڑھ کو اس بنا پر کہ ہندوؤں کی اکثریت ریاست ہے اس پر جبراً قبضہ کرلیا اور اس ریاست اور دکن میں بھی فوج کشی کی اور عوام کو ابھارا اور اس ریاست کے نواب کے ساتھ جبر کر کے بھارت میں شامل کرلیا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو پاکستان کو اپنی ریاست جونا گڑھ کے لئے بھارت سے نہ صرف مطالبہ کرنا چاہیے بلکہ طاقت کے زور پر اسے پاکستان کا حصہ بنانا چاہیے تھا۔ بھارت کے لیڈروں کا کہنا تھا کہ ریاستی مہاراجے نواب وغیرہ انگریز حکومت کے وفادار چلے آرہے ہیں اور انگریزوں کی خواہش ہے کہ وہ ریاستی ہندوستان میں کچھ ریاستوں کو خودمختاری کی تحریک کو تقویت پہنچانی چاہیے تا کہ انگریزی سامراج کے خلاف بھارت کے اندر اڈوں کا کام دے سکیں اور قائداعظم کا کیا ارادہ تھا ان کی نیت کیا تھی؟۔اس کو ہم نہیں جانتے لیکن ہمارا خیال ہے کہ وہ نیک نیتی سے ریاستوں کی خودمختاری کے اس لئے حق میں تھے کہ وہ 562 ریاستوں میں سے اکثر ریاستوں کے خودمختار رہنے کو پاکستان کے لئے مفید سمجھتے تھے۔

بھارتی ریاستیں خودمختار ہوتی تو بھارت ایک کمزور ملک ہوتا اور پاکستان کو اپنے کمزور ہمسایہ سے کوئی خطرہ نہیں

ہوسکتا تھا۔ بھارت کی مضبوطی پاکستان کے دفاع کے لئے نقصان دہ تھی پاکستان کو معاشی طور پر غلام بننا پڑا کیونکہ وہ اپنے ہمسایہ ملک کو دفاعی لحاظ سے مضبوط دیکھ کر اپنی آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ دونوں ملکوں کی بنیاد نفرت پر قائم ہوئی تھی۔ اسے بھارت کے ایٹمی بموں کے تجربوں کے مقابلے میں خود بھی ایٹم بم بنانے پڑے جو کبھی استعمال نہیں ہوں گے۔ اس طرح ایک مسلمان ملک کے چاروں طرف مسلمانوں کی اکثریت ہے اس طرح ایک مسلمان ملک کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر ایٹمی حملہ کرسکے گا۔

پاکستان کے دفاع کو مضبوط بناتے بناتے ملک کو دوحصوں میں تقسیم کردیا گیا اور بنگلہ دیش ایک ملک بن گیا او رجولوگ (فوجی) کہتے تھے کہ اگران کے پاس ایٹم بم ہوتا تو کبھی بنگلہ دیش نہ بنتا لیکن کارگل میں حملہ کرکے شکست تسلیم کرتے ہوئے اپنی فوجیں واپس بلالیں اوراس وقت ایٹم بم کا حملہ کیوں نہ کیا گیا۔ بھارت کو اپنی تاریخ سے سبق سیکھنا چاہیے کہ اس پر جتنے بھی حملے ہوئے تو وہ شمال مغرب کی طرف سے ہی ہوتے رہے اگر پاکستان کمزور ہوگیا تو یہ بھارت کے لئے بھی نقصان دہ ہے دونوں ملکوں کو تعصّبات چھوڑ کر دوست بن کر رہنا ہوگا تا کہ ایک ارب سے زیادہ انسانوں کو روٹی کپڑا اور مکان مل سکے۔

دوستی کی راہ میں صرف جموں وکشمیر رکاوٹ ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ دونون کشمیر کو کشمیریوں کے حوالہ کردیں اوراپنی اپنی فوجیں نکال لیں اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ کشمیر ایشیا کی انگوٹھی کا نگینہ ہے۔ اسے ایشیا کا سوئیٹرز لینڈ بننے دیں۔

ایک بحث اس طرح بھی ہوتی ہے کہ کشمیر پر حملہ کس نے کیا۔ جارح کون تھا؟۔ اورتحریک آزادی جموں وکشمیر کو نقصان کس طرح پہنچا؟۔ مہاراجہ اور قائداعظم کے درمیان قانون آزادیٔ ہند کے تحت قائداعظم کی قانونی تشریحات کے مطابق پاکستان سے جوں کا توں معاہدہ کرلیا تھا۔ ڈاک وتار، رسل ورسائل اورضروریات زندگی گندم، دودھ، چائے وغیرہ پاکستان سے آتے تھے۔ وہ بدستور اس معاہدہ کے مطابق ریاست میں آنے سے نہ روکنا چاہیے تھا۔

لیکن چند سیاستدانوں اورفوجی جرنیلوں نے یہ سمجھا کہ فوری طور پر حملہ کرکے ریاست پر قبضہ کیا جائے۔ لیکن انہیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ مسلح فوجی دستے داخل کریں۔ انہوں نے ریاست میں پرانے فوجیوں کو داخل کیا اور سرحد کے دور دراز علاقوں سے لشکری بھیج کر انہیں یہ کہا کہ ریاست میں داخل ہوجاؤ ملک ہمارا ہوگا اور مال تمہارا ہوگا۔

1947ء میں جب تحریک شروع ہوئی تو میرپور کے لوگ بھی بے گھر ہوئے۔ میں اس وقت اوناع موہڑہ کنیال ڈڈیال اپنے گاؤں میں تھا اخبارات کی بندش تھی۔ حالات کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ریاست کے اندر مہاراجہ کی فوج نے بھی لڑنا مرنا شروع کردیا تھا۔ پنجاب سے تربیت یافتہ فوجی داخل ہورہے تھے۔ مسلم کانفرنس کے رہنما جیلوں میں پڑے

تھے۔ جو باہر تھے وہ ہندوستان اور پاکستان میں اپنی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھے۔

میرے گاؤں کے قریب قصبہ ڈڈیال بھی اجڑ چکا تھا۔ چاروں طرف نعروں کی آوازیں گونج رہی تھیں کہ میرے بھائی مولانا عبدالرحمٰن لہری گڈاری سے آئے انہوں نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کیا اور لہری گڈاری کو چلنے کا کہا۔ لہڑی گڈاری تحصیل وضلع جہلم میں واقع ہے اور یہ ہمارے اندرہل کے ساتھ ملتا ہے۔ درمیان میں دریائے جہلم گزرتا ہے۔ پہلے ہم گھروں کو چھوڑ کر پلاک جا چکے گئے۔ اور پلاک سے آگے دولڑ گاؤں میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ وہاں ہمارے رشتہ دار موجود تھے۔ لیکن اس گاؤں کے لوگ بھی بے چین تھے۔ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ رہے تھے۔ اس لئے ہم واپس اپنے گاؤں میں آ گئے۔ گاؤں کا آنکھوں دیکھا حال بتانا چاہتا ہوں............

''قصبہ ڈڈیال پوری طرح گھیراؤ میں تھا۔ ہم لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حملہ آوروں میں سے نہیں ہیں۔ تو ہمیں گاؤں چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارے گاؤں میں دو چار فوجی ریٹائرڈ موجود تھے۔ لیکن ان کا علم بھی بڑا محدود تھا صرف ایک پٹی آفیسر چوہدری نواب خان مرحوم تھے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ڈڈیال سے فائر گاؤں نہیں پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے گاؤں کے لوگ پریشان تھے۔ لیکن انہوں نے گھروں کو نہ چھوڑا۔ ڈڈیال اور ہمارے گاؤں کے درمیان سگوال گاؤں ہے۔ جہاں 1931ء کی تحریک آزادی کشمیر کے رہنما، غازی محمد بخش رہتے تھے۔

یہ اپنے دور کا عظیم شخص تھا اس کی مادرِوطن کے لئے خدمات کسی سے کم نہیں ہیں۔ قید و بند کا بھی یہ شخص شکار رہا۔ ان کا ایک بھتیجا انگلینڈ سے آیا ہوا تھا۔ اس نے دومنزلہ مکان بنا رکھا تھا۔ جو دور سے نظر آتا ہے۔ صبح کا وقت تھا نمازِ صبح کے بعد میں اپنے گھر سے موہڑہ کنیال کی طرف سیر کرتے ہوئے نکلا تو سارے گاؤں میں شور اٹھا کہ بھاگ جاؤ، چھپ جاؤ یا لیٹ جاؤ دشمن کی گولہ باری ہو رہی ہے۔ میں اپنے خیال میں سوچ رہا تھا کہ لوگ ویسے ہی دوڑ رہے ہیں چونکہ میں واپس جا رہا تھا اور ایک گولی ہمارے مکان کو لگی اور ایک جانور بھی زخمی ہوا اصل میں ڈوگرہ فوج کے چند سپاہی برین گن لے کر غازی محمد بخش کے متذکرہ دومنزلہ مکان پر آ کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے مورچہ لگا کر فائرنگ شروع کر دی ہمارا گاؤں ایک پہاڑی کے دامن میں واقعہ ہے۔ اس لئے رات کے وقت رٹہ تک کے لوگ وہاں کھڑے ہو کر نعرے لگاتے تھے۔ اس بہادری میں اور انب کے لوگ بھی شامل تھے۔ ڈوگرہ فوج کے سپاہی یہ سمجھتے تھے کہ ان کا دشمن اس پہاڑی کے دامن میں بیٹھا ہوا ہے۔ نعرہ لگانے والوں کے پاس ڈنڈے اور کلہاڑیاں تھیں۔ شاید کسی ایک آدھ کے پاس درہ میڈ بندوق ہوئی ہوگی۔ گاؤں کے مرد و عورتیں بچے بھاگتے ہوئے نالہ کی طرف پہاڑ کی اوٹ میں جا کر چھپتے تھے۔

ایک ماں نے اپنے گود کے بچے کے متعلق پوچھا کہ آپ نے اس کو دیکھا ہوگا وہ بچے کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔

ہمارے والد محترم گھر پر ہی رہے۔ کیونکہ ہماری دادی مرحومہ ضعیف نابینا اور ایک سو سال سے زیادہ عمر کی بوڑھی ماں تھیں۔ وہ ہماری دادی مرحومہ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ بہرحال یہ فوجی دستہ آگے نہ بڑھا شام ہوگئی تو لوگ واپس آنے لگے۔ ہمارے بڑے بھائی مولانا عبدالرحمٰن مرحوم جو ہمیں لہڑی گڈاری لے جانے کے لئے آئے تھے۔انہوں نے سب کی منتیں کیں کہ لہڑی گڈاری کی طرف چلیں جبکہ کوئی بھی رضامند نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرے چھوٹے بھائی (محمد عبدالخالق انصاری) کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے کیونکہ یہ ہٹ لسٹ پر ہے اور جن لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اس میں شامل ہے۔

چونکہ برادرِ محترم میاں عبدالغنی انصاری مرحوم اور میرے بڑے بھائی میاں غلام نبی انصاری مرحوم کے مشورہ کے بعد طے پایا کہ یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ہماری ایک اور دشواری یہ تھی کہ ہماری بھابھی فضل بی بہت نیک اور پارسا تھیں وہ محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کی والدہ تھیں۔اور اس وقت امید سے تھیں اور ان کو لے جانا ابھی خطرے سے خالی نہ تھا۔لیکن مجبوراً ہمیں سفر کرنا پڑا۔اور ہم لہڑی گڈاری پہنچے تو کئی گھنٹوں کی مسافت اور پہاڑی علاقے کا سفر کرنے کی وجہ سے ہماری بھابھی بالکل نڈھال ہوچکی تھیں جس کا نتیجہ ان کی موت پر ختم ہوا۔اور وہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ پھر ان کی میت کو واپس گاؤں لاکر دفن کرنا پڑا۔ یہ بھی بڑا ہولناک منظر تھا۔ جسے ہم آج تک بھول نہیں سکے۔

ہم سب لوگ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے گھر اور عظیم فوجی جنرل اور مسلم لیگ کے سپاہ سالار ضلع جہلم، مسلم لیگ کے صدر رسالدار اور میجر راجہ شاہنواز خان، راجہ اللہ داد خان مرحوم اور امراضِ چشم کے ماہر راجہ محمد ممتاز مرحوم کے گھروں میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہ لوگ بڑے بلند بااخلاق ایثار پیشہ اور بہادر لوگ تھے انہوں نے مہاجرین کے لئے اپنے مکانات خالی کردیئے ہم کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد جہلم چلے گئے اور پھر چند سالوں کے بعد واپس میرپور آگئے۔

ہمیں لہڑی گڈاری جا کر علم ہوا کہ میرپور کی جنگ آزادی کا اصل مرکز یہی تھا اس گاؤں کے اردگرد کے تمام علاقہ میں یا تو فوجی ملازم بستے ہیں۔ یا فوج سے ریٹائرڈ ہوکر آنے والے لوگ یہاں آرام کرتے ہیں۔ اور لشکریوں کا میرپور میں داخل ہونے کا یہی راستہ تھا۔ ڈڈیال، فتح پور میرپور کے دوسرے مہاجرین بھی یہاں آکر پناہ گزین ہوتے تھے۔ راجہ محمد صدیق ایڈووکیٹ مرحوم کے حقیقی رشتہ داران گڈاری میں رہتے تھے۔ رسالدار میجر راجہ شاہنواز خان نے سرکاری اسلحہ خانہ سے بندوقیں لے کر علاقہ ڈڈیال میں اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ تقسیم کیں۔ ان کے قریبی دوست واحباب جو کمیشن آفیسرز تھے اس کا وقت یہ حال تھا کہ وہ انہیں دیکھ کر بھاگ جاتے تھے انہیں یہ یقین ہی نہیں تھا کہ مہاراجہ اس علاقہ سے دستبردار ہوسکتا ہے۔

سیاسی کارکن اپنے ٹھکانے ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن اس عظیم مجاہد نے تین قسم کی ذمہ داریاں قبول کر رکھی تھیں وہ

مہاجرین کے لئے حکومت پاکستان سے کھانے پینے کا سامان لاتے جن سے مہاجرین کی مدد کی جاتی۔ سرحد کے دور دراز علاقوں سے آنے والے لشکریوں کے لئے لنگر قائم کیا گیا تھا۔ انہیں مختلف پگڈنڈیوں راستوں کے ذریعہ انہیں میرپور اورڈڈیال کے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا جنگ کے دوران مہاجرین کو رہائش کے لئے مکانات وغیرہ مہیا کرتے تھے۔ اسلحہ بھی مہیا کیا جاتا تھا۔

رسالدار میجر راجہ شاہ نواز خان کے ایک بھائی جنگ کے دوران وادیٔ کشمیر میں افسر مال تھے۔ مجسٹریٹ درجہ اول تھے۔ یہ مجسٹریٹ راجہ لال خان مرحوم کے والد بزرگوار تھے۔ راجہ لال خان مرحوم آزاد کشمیر حکومت میں مختلف محکموں کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ وہ چیف کنزرویٹو آف فاریسٹ بھی رہ چکے تھے۔ اور باعزت ریٹائرڈ ہوئے ان کے گھرانے نے کوئی صلہ حاصل نہ کیا بلکہ ممتاز فوجی رہنما راجہ شاہ نواز خان مرحوم نے اپنا سب کچھ اس راہ میں لٹا دیا راجہ محمد صدیق ایڈووکیٹ کے کزن بنفس نفیس فوجی دستوں میں شامل ہو کر لڑتے رہے۔ انہوں نے لشکریوں کی کارروائیاں دیکھ کر میدان سے واپسی کی راہ اختیار کی۔

راجہ عبدالرزاق بڑا شیر دل تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ جہاد کے لئے ریاست میں گئے تھے۔ لیکن وہاں تو لوٹ مار مچی ہوئی ہے بے گناہ انسانوں کو قتل کیا جارہا ہے۔ عزت مآب عورتوں کو اغوا کرکے لے گئے ہیں۔ معصوم اور دودھ پیتے گود کے بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ میرپور فتح ہو چکا تھا تو لوگ گھروں کو واپس جانے لگے۔ میرپور شہر کے اکثر لوگ جہلم شہر اور اس کے گردونواح میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے۔

گڈاری میں مسجد آباد تھی۔ جس کے خطیب میرے کزن مولانا عبدالرحمٰن مرحوم تھے۔ وہ بہت خوش گلو تھے۔ ان کی تلاوت قرآن پاک سے لوگ بہت متاثر ہوتے تھے۔ جب تک میں وہاں رہا وہ مجھے خطبہ سے پہلے تقریر کے لئے کھڑا کر دیتے تھے۔ لوگوں کا اصرار بڑھتا جاتا تھا۔ اور میں تیاری کرکے جہاد وغیرہ کے موضوع پر خطبہ دیتا تھا۔ اور میرے خطبہ کے بعد لوگ مسجد سے نکل کر آپس میں بحث ومباحثہ کرتے تھے اور جنگ آزادی کے خلاف باتیں کرنے لگتے تھے۔ مسلمان گھروں کو لوٹنا بے گناہ ہندوؤں کو قتل کرنا، شہر کو آگ لگانا۔ عورتوں اور بچوں کو اغوا کرنا اور مندروں کو گرانا کہاں کا جہاد ہے۔ لشکریوں نے پاکستان کو بھی لوٹا۔ بھیڑیں، بکریاں، گائیں، بھینسیں، بیل اور اونٹ سب اکٹھا کرکے لے گئے تھے۔

میں راجہ عبدالرزاق کی ایک دکھ بھری داستان جس نے انہیں میدانِ جنگ سے واپس آنے پر مجبور کیا تھا، اس کو لکھ کر زندہ رہنے والے انسانوں کے لئے دکھ کا سامان پیدا نہیں کرنا چاہتا میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے کزن مولانا عبدالرحمٰن خطیب جامع مسجد گڈاری مولانا محمد شفیع مرحوم خطیب جامع مسجد پنجور اور مولانا راج ولی خطیب جامع مسجد لہڑی گڈاری اپنے ملک کی آزادی کے لئے تحریک میں شامل ہونے کے لئے زبردست جہدوجہد شروع کررکھی تھی۔ جنگ کے

اندر جو زیادتیاں ہوئی تھیں ان کی رپورٹ جب انہیں ملتی تھی تو وہ حکام بالا تک پہنچاتے جو میدانِ جنگ میں لڑنے والے کمانڈروں تک پہنچ جاتی تھیں۔لیکن یہ جنگ روایتی جنگ نہ تھی بلکہ مختلف گروپ اپنے ساتھیوں سے مل کر اپنی مرضی سے محاذ جنگ پر جاتے اور اپنے اپنے پروگرام کے تحت گولے اور گولیاں چلاتے تھے۔آپس میں بھی الجھ جاتے تھے سویلین آبادی بہت خوفزدہ تھی یہ باتیں رسالدار میجر راجہ شاہنواز خان کو بہت بری لگتی تھیں۔

اور جو قافلے آتے ان میں جہاد، جہاد فی سبیل اللہ پر لیکچر دینے کے لئے مجھے کہا کرتے تھے۔لشکریوں کے ایسے گروپ میں نے دیکھے جو پشتو زبان کے علاوہ دوسری زبان سمجھتے ہی نہیں تھے اس کے باوجود راجہ صاحب محترم ان کے کیمپوں میں جا کر ان کو خوردونوش کی چیزیں سپلائی کرتے رہتے تھے۔گڈاری ایک ایسا مقام تھا کہ وہاں پولیس کا بڑے سے بڑا افسر بھی اجازت لئے بغیر نہیں جاسکتا تھا۔وہاں وہ جسے چاہیں پناہ دیتے تھے۔ان کی پناہ میں آنے والا ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔

ایک واقعہ ایسا بھی گزرا ہے کہ پولیس کی ایک بڑی تعداد گڈاری پہنچی وہ مجھے گرفتار کرنے آئے تھے۔راجہ صاحب کے ہاں وہ ٹھہرے انہوں نے وارنٹ گرفتاری دکھائے۔راجہ صاحب نے پولیس آفیسر سے پوچھا کہ ان کے خلاف الزام کیا ہے؟۔تو انہوں نے بتایا کہ ڈاک سے ایک خط ملا ہے جسے سنسر کیا گیا ہے۔تو وہ ایک ہندو کا لکھا ہوا ہے ان کے ہندوؤں سے تعلقات ہیں۔اور یہ پاکستان دشمنی کا کھلا ثبوت ہے۔وہ خط جموں کے مشہور سیاسی رہنما مسٹر بلراج پوری کا لکھا ہوا تھا جو انہوں ایک وقت میں شیر کشمیر اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان مفاہمت کا رول ادا کیا تھا۔

وہ جموں کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔اس خط میں انہوں نے میرے ذریعے پروفیسر محمود ہاشمی کے متعلق خیریت دریافت کی تھی۔وہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بلراج پوری پروفیسر ہاشمی اور چند اور لوگوں سے مل کر مسلمان مغوی عورتوں کی برآمدگی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔محمود ہاشمی صاحب ان کو بتائے بغیر بارڈر کراس کر کے آزاد کشمیر چلے آئے تھے۔بلراج پوری اور ان کے ساتھیوں کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں چلے گئے ہیں ان کو ڈر تھا کہ کہیں جن سنگھوں نے قتل نہ کر دیا ہو۔وارنٹ دیکھنے اور خط پڑھنے کے بعد انہیں کوئی قابل گرفت چیز نظر نہ آئی تو انہوں نے پولیس والوں کو وہاں سے چلے جانے کا کہا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ (محمد عبدالخالق انصاری) میرے مہمان ہیں، انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

میں اس وقت گڈاری میں موجود نہ تھا۔بی اے کے ریاضی کے پرچہ کا سپلیمنٹری امتحان دینے کے لئے راولپنڈی گیا ہوا تھا میرے اپنے ٹیچر کی پیشین گوئی 100 فیصد سچی ثابت ہوئی تھی۔امتحان کے دنوں میں اور اس سے قبل پانچ چھ ماہ روزانہ جلسے جلوس اور مظاہروں میں شرکت کرتا تھا۔اور کلاس میں حاضری کے لئے وقت نہیں ملتا تھا۔بہر حال میں امتحان دے کر واپس گڈاری آرہا تھا کہ سوہاوہ کے نزدیک بڑی تعداد میں پولیس کھڑی تھی اور وہ سواریوں کو دیکھ رہی

تھی۔ ان کی تلاشی لے رہی تھی۔

مجھے تعجب ہوا کہ کوئی بڑا واقعہ رونما ہوا ہے جس کی تفتیش پولیس کر رہی ہے۔ میں بس سے نکل کر وہیں سڑک پر آگے پیچھے پھر رہا تھا۔ اور جب بس چلنے لگی تو میں بس میں بیٹھ گیا اور دینہ پہنچ گیا گڈاری پہنچ کر اصل واقعات کا علم ہوا۔ میں جب برطانیہ گیا تو پروفیسر محمود ہاشمی سے اس دور کا واقعہ سنایا تو وہ بڑے ہنسے اور کہنے لگے کہ کئی ہفتوں تک پولیس ان سے بھی اس خط کے بارے میں تفتیش کرتی رہی۔

پروفیسر محمود ہاشمی علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ ایم اے اور ایل ایل بی کیا ہوا تھا۔ اور وہ کالج کے پروفیسر تھے۔ پرنس آف ویلز کالج سے سرینگر کالج جانے کا پروگرام اس لئے ملتوی ہو گیا تھا کہ پروفیسر محمود ہاشمی نہ جا سکے تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ برطانیہ سے اردو اخبارات جاری کرتے تھے اور وہ عوام کے چہیتے تھے۔ ایک قابل فخر شخصیت ہیں۔ انتہائی مخلص دیانت دار اور علم دوست ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ اور آج بھی برصغیر ہندوستان پاکستان کا یہ نامور ادیب صحافی ماہر تعلیم گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا ہے۔

لیکن محمود ہاشمی صاحب پوری طرح مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے لوگوں کو تعلیم کے راستے پر لگایا۔ ان کی اردو کی ابتدائی کتابیں برطانوی سکولوں میں بطورِ نصاب پڑھائی جاتی ہیں۔ اور حقیقتاً اردو ادب کی یورپ میں داغ بیل ڈالی۔

گڈاری میں اور اس کے ارد گرد گاؤں میں مساجد کے ائمہ کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی ہے۔ اس لئے میں بھی باعزت طور پر اس گاؤں کو چھوڑ آیا تھا۔ وہاں مجھے ایک سرکاری ملازم نے بتایا تھا کہ اس گاؤں میں کوئی پڑھا لکھا آدمی بغیر پٹائی واپس نہیں گیا۔ جس سے پتہ چلا کہ وہ لوگ چھتری عینک اور سر سے ننگا پھرنے والوں کو اچھے چال چلن کا آدمی نہیں سمجھتے ہیں۔ پرنس آف ویلز کالج سے لے کر اس وقت تک یہ عادت تھی کہ میں ننگے سر رہتا تھا۔ بصارت کی کمزوری کی وجہ سے میں میٹرک سے آج تک عینک استعمال کرتا چلا آیا ہوں۔ چھتری تو دھوپ اور بارش سے بچنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھ کر واپس جا رہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ تین نوجوانوں نے میرا ایک گلی میں گھیراؤ کر لیا۔ اور مجھے کہا کہ یہ عینک کیوں پہن رکھی ہے؟۔ میں نے عینک اتار کر ان میں سے ایک سرکردہ نوجوان کو دیکھ کر کہا کہ رنگین شیشوں والی عینک نہیں ہے جس میں سے عیاش لوگ جھانکتے ہیں۔ آپ خود میری عینک لگا کر دیکھ لیں۔ آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ان تینوں نے باری باری عینک لگا کر دیکھا اور میری بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہوتا تو عینک گر کر ٹوٹ چکی ہوتی۔ اور انہیں ہمیشہ کے لئے نادم ہونا پڑتا۔

بہر حال وہ مطمئن ہو گئے یہ الفاظ اور یہ واقعہ ذہن پر زور دے کر لکھوا رہا ہوں ان میں حافظہ کی کوتاہی کے

امکانات نہیں۔ اس سے کوئی غلط نتیجہ نہ نکالا جائے۔ وہاں کے لوگ بڑے محبت کرنے والے بھی ہیں اور دوسروں کی عزت بھی کرتے ہیں۔ میں نے اس سارے عرصہ میں سر پر ایک تولیہ رکھا۔ اور اسی طرح تولیہ لے کر ہی مسجد اور دوسری جگہوں پر جاتا رہا۔ چھتری کا مجھے آج تک پتہ نہیں چلا کہ وہ کیوں ممنوع تھی۔ بہر حال ہم نے جو عرصہ گزارا وہ ہمیں آج بھی نہیں بھولتا ہے۔

بزرگوں کی شفقت نوجوانوں کے ساتھ اور بچوں کی طرف سے عزت و احترام یاد آتے ہیں۔ وہاں کی مائیں بہنیں، بیٹیاں خالص دیہاتی لباس میں رہتی تھیں۔ اس دور میں بھی ان لوگوں کو فیصل آباد، سرگودھا، جھنگ اور بہاول پور میں فوجی خدمات کے صلہ میں بڑے بڑے اراضی کے رقبے ملے ہوئے تھے۔ اب تو تقریباً وہ لوگ اپنے گاؤں سے جا چکے ہیں۔ اور شہروں میں بستے ہیں۔ ہمارے گڈاری کے دور میں میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاریؒ، میاں عبدالغنی انصاریؒ اور میاں کالو مرحوم پھیری کا کام کرتے تھے۔ وہ کپڑے اٹھا کر جاتے تھے اور مختلف گاؤں میں جا کر بیچتے تھے۔ وہ علاقہ اس لحاظ سے خطرناک سمجھا جاتا تھا کہ وہ کسی کو بھی گولی مارنے میں ذرا بھی توقف نہیں کرتے تھے۔ چوروں، قاتلوں، ڈاکوؤں کے لئے وہاں کا جنگل پناہ کا کام دیتا ہے۔ کوئی شخص بھی اندھیری راتوں میں وہاں سے گزر نہیں سکتا۔

ایک دفعہ ہمارے یہ بھائی گھیراؤ میں آ گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم رسالدار میجر راجہ شاہنواز کے مہمان ہیں تو انہوں نے اسی وقت راستہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے یہ واقعہ راجہ صاحب محترم کو سنایا تو سارے گاؤں میں اس واقعہ کی بڑی شہرت تھی۔ پولیس کا دستہ بھی ایک دفعہ وہاں سے مار کھا کر نکلا۔

پروفیسر محمد اکرم انصاری کے والد محترم مویشیوں کے کاروبار میں بہت مشہور تھے۔ ان کا نام محمد حسین انصاری تھا۔ لیکن علاقہ کے لوگوں میں بسوئی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو جب بھی تلاش کرنا پڑا تو وہ منڈی مویشیاں ہی میں ملتے تھے۔ اکثر انہیں خسارہ ہوتا تو لوگ مولانا عبدالرحمٰن کے پاس آ کر فریاد کرتے اور وہ ان کے بقایاجات ادا کرتے تھے۔

بہت شریف النفس انسان تھے ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک مسکراہٹ رہتی تھی۔ ان کے بال بچوں کا بھی مولانا عبدالرحمٰن خیال رکھتے تھے۔ پروفیسر محمد اکرم انصاری کو ان کے تایا ہی نے تعلیم دلائی۔ اور انہیں اپنی بیٹی دے کر داماد بنایا۔ ان کے اخراجات بھی مولانا عبدالرحمٰن برداشت کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں میں بہت پیار تھا۔

گڈاری ہی میں ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ ہم لاہور سے واپس آ رہے تھے اور شام دینہ میں ہوگئی۔ ان دنوں کوئی ٹانگہ رکشہ وغیرہ نہ جاتا تھا۔ گڈاری تک جانے کے لئے کوئی سڑک موجود نہ تھی۔ بہت بعد میں پاکستان کے معروف ڈاکٹر ماہر امراض چشم راجہ ممتاز احمد خان نے ایک سڑک اپنے ایک مریض جرنیل کو کہہ کر بنوائی تھی۔ یہ لوگ بہت بااثر تھے۔ یہ سڑکوں کا جال بچھا سکتے تھے۔ ٹیوب ویل لگوا سکتے تھے۔ انگریزی دور میں بھی ان کو براہِ راست انگریز جرنیلوں تک رسائی

حاصل تھی۔ وہ کبھی ان کی درخواست کورد نہیں کر سکتے تھے۔ جنگ عظیم دوم میں ان لوگوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ سیاست سے چند لوگوں کے علاوہ دوسروں کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔

تاہم جب ہم دینہ پہنچے تو کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ ان دنوں دینہ میں چند دکانیں تھیں۔ رہائش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ میرے ساتھ میرے پھوپھی زاد بھائی مرزا غلام حسین تھے۔ ان کا مشورہ بھی تھا کہ گھر چل کر آرام کریں گے۔ ہم نے اللہ کا نام لے کر چلنا شروع کر دیا اور اس گھنے جنگل کے راستہ سے گزرتے ہوئے راہ بھٹک گئے۔ وہاں کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ ہر طرف پگڈنڈیاں تھیں۔ رات کافی حصہ چلتے چلتے تھک گئے۔ اور چلنے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ اس وقت ہم کہیں جنگل کے وسط میں تھے۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور بوندا باندی بھی شروع ہوگئی۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ ہم نے ارد گرد کچھ لکڑیاں اکٹھی کیں۔ اور انہیں آگ لگا کر اپنے آپ کو سردی سے بچایا۔ اور دونوں سو گئے۔

ہم نے سن رکھا تھا کہ اس جنگل میں شیر کا بچہ بھی دیکھا گیا ہے۔ ہم صبح اذان کے وقت اٹھے۔ اور اندازاً گڈاری کی طرف چل پڑے لوئر گڈاری میں پہنچے تو ہمیں مولانا راج ولی صاحب ملے۔ اور جبراً ناشتہ کے لئے روک لیا۔ ان کے ملنے والے لوگ بھی وہاں اکٹھے ہوگئے۔ انہیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ ہم نے رات جنگل میں گزاری ہے۔ وہ سب متعجب ہوئے۔ موت اللہ کے حکم سے مقررہ وقت پر آتی ہے۔ اور اپنی جگہ پر آتی ہے۔ ہم زندہ سلامت بچ کر نکل آئے۔ گڈاری جب بھی یاد آتا ہے تو دل میں ایک ہمک پیدا ہوتی ہے۔

بہادروں کے درمیان رہنے سے انسان کے اندر بہادری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ ان بہادروں کے اندر دو گروپ بنے ہوئے تھے۔ پسماندہ طبقہ کے لوگوں کو بھی انہوں نے تقسیم کر رکھا تھا۔ ان کے درمیان قتل و غارت نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا۔ ہمارے محترم رسالدار راجہ شاہنواز خان کا ایک اکلوتا بیٹا قتل کر کے لمبی سزا کاٹ کر آرہا تھا۔ میں اس کو خواہش کے باوجود نہ مل سکا۔ گڈاری چھوڑ کر جہلم پہنچے جہاں اپنی پھوپھی محترم کے پاس ٹھہرا وہاں سے جا کر لاء کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔

1947ء میں ہی جب مہاجر بن کر گڈاری گئے تھے تو فتح پور آڑہ دھرم ارتھ کے لوگ بھی گڈاری پناہ لینے آ گئے تھے۔ ہمارے پھوپھا مرزا عالم دین صاحب مرحوم نے جہلم میں کپڑا بننے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگایا تھا وہاں اس وقت تک رہے جب تک میرپور میں فسادات کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ میرپور کے تمام تقریباً لوگ مہاجر ہوئے کوئی مقامی مہاجر تھا اور کوئی سرحد پار سے آیا ہوا مہاجر تھا۔ ہجرت میں جن تکالیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ ضلع میرپور کے تمام لوگوں کو اس کا شدید احساس ہے۔

لاء کالج لاہور میں داخلہ لیا تو اس وقت کوئی مالی پریشانی نہ تھی۔ ہجرت سے پہلے بھی میرے بڑے بھائی میاں محمد

صادق انصاری سرکاری ملازم ہوگئے تھے۔ وہ مدرس تھے۔ بڑے بھائی محترم میاں غلام نبی انصاری بھی ہنرمند پیشہ ور تاجر تھے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر اپنی مالی حالت کو درست کر لیا ہوا تھا۔

لاء کالج لاہور میں داخلہ لیا تو اس وقت جنگ بند ہو چکی تھی۔ اور آزاد کشمیر حکومت کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ اس کے اختیارات آزاد ملک کی بلدیہ سے بھی کم ہیں تاہم حکمرانوں کا گرفتار ہونے کا خطرہ ٹل گیا تھا۔ وزارت امورِ کشمیر قائم ہو چکی تھی۔ یہ وزارت ہی آزاد حکومت کا نظام چلاتی تھی۔ آزاد کشمیر کے صدر اس وزارت کے ایک جائنٹ سیکرٹری کے حکم سے بنتے تھے۔ وزرا کو بھی ان کی مرضی سے منتخب کیا جاتا تھا۔

مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اس کی منظوری دے دیا کرتی۔ ہم اصولی طور پر اس کے خلاف تھے اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ حکومت غیر آئینی غیر اخلاقی ہے۔ وزارت امورِ کشمیر نے طلباء کیلئے خاص رقم بطور وظائف اسکالرشپ مختص کی ہوئی تھی۔ میں نے سکالرشپ لینے سے انکار کر دیا تو میرے بہترین دوست چوہدری فرمان علی اور ان کے ساتھی بضد تھے کہ خزانہ میں رقوم ہمارے ٹیکسوں سے بھرا جاتا ہے۔ یہ ہماری اپنی رقوم ہیں۔ اور یہ عوام کا پیسہ ہے کسی فرد یا وزارت امورِ کشمیر کا نہیں ہے۔ اور یہ سکالرشپ چوہدری فرمان علی میرے انتہائی قریبی ساتھی تھے۔ ہمارے مطالبہ پر جب انتخابات کے ذریعے حکومت بننی شروع ہوئی تو انہوں نے انتخاب لڑ کر اسمبلی کی سیٹ جیتی۔ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کے سپیکر بھی بنے۔ انہوں نے کمیٹی سے بڑی لڑائی لی اور جو سکالرشپ دینے کے لئے یہ شرط لگائی کہ طالب علم لکھ کر دے کہ وہ مسلم کانفرنس اور الحاق پاکستان کا حامی ہے۔

میں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میں اپنے ضمیر اپنے اصولوں کا سودا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جس قافلے میں انقلاب کا سفر شروع کیا تھا اس سے غداری نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اپنا ضمیر بیچنا گوارہ نہ تھا۔

یہ معاملہ کمیٹی کے چیئرمین تک پہنچا اور ہمارے لوکل رہنماؤں کی دلیلوں کو ردّ کر دیا گیا۔ اس وقت کمیٹی کے سربراہ اسحاق قریشی (پروفیسر) تھے۔ جو مجھے پرنس آف ویلز کالج سے جانتے تھے۔ یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ رئیس احرار چوہدری غلام عباس مرحوم صدر مسلم کانفرنس اور سپریم ہیڈ آزاد کشمیر کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ طلباء پر کوئی شرط عائد نہ کی جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ جن طلباء کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرحوم کے حامی ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ ہم سے بھی بڑے محبّ وطن ہیں۔ اگر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرحوم کا بیٹا بھی زیر تعلیم ہو تو ہم اسے بھی سکالرشپ دیں گے۔ مخالف گروپ شرمندہ ہو کر واپس ہو گیا۔ اور بالآخر سکالرشپ کی یہ رقم کالج کے پرنسپل کے حوالہ کی جاتی تھی۔ وہ اپنے کالج کے طلباء میں تقسیم کرتے تھے۔ مہاجر اور مقامی کی کوئی قید نہ تھی۔ متذکرہ باتیں لکھوائی ہیں اس کے راوی بھی ہمارے دوست تھے۔

بالکل صحیح الفاظ یادنہیں ہیں۔

اس دور میں 250 روپے ماہانہ ملتے تھے۔جس سے ہمارے میس کا خرچہ پورا ہو جاتا تھا۔ہم نے کالج کا یہ زمانہ بہت اچھی طرح گزارہ تھا۔میرے تمام کزن لاہور میں مجھے ملنے آیا کرتے تھے۔سارا سال شاندار کامیابی کی خاطر محنت کی۔سالانہ دوڑوں میں حصہ لینے کی تیاری کی۔مختلف کالجوں کے مابین مباحثوں میں حصہ لینے کے لئے کالج میں ایک ٹیم منتخب کی گئی۔اس میں ستر طلباء نے حصہ لیا۔اور مجھے بھی دوستوں نے جبرا کھڑا کر کے تقریر کرنے کے لئے سٹیج پر لے گئے۔

ہمارے پروفیسر مسٹر ملک محمد اقبال جو ریاستی باشندہ تھے۔جو ہمیں ضابطہ دیوانی پڑھایا کرتے تھے۔وہ میرے شوق مطالعہ سے بہت متاثر تھے۔بعد میں وہ لاہور کی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز رہ کر باکمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارشل لاء قانون کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کر دیا اور ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

اس طرح 1949-50ء اور 1950-51ء کے سال اپنے ساتھی طلباء کے ساتھ اچھی طرح گزرے۔مباحثہ کے لئے جو ٹیم منتخب کی گئی اس میں میرا نام بھی شامل تھا۔لاء کالج میں یہ روایت بڑے عرصہ سے چلی آتی تھی۔کہ وہ ہمیشہ ٹرافی جیت لیا کرتے ہیں۔گورنمنٹ کالج لاہور کے طلباء نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ لاء کالج کے طلبہ کو تقریر نہیں کرنے دی جائے گی۔شور شرابہ کا پروگرام بنا رکھا تھا۔میں جب بحث کیلئے کھڑا ہوا تو پورے ہال میں کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔منصف بھی پریشان تھے۔لڑکے ناچتے کودتے میرے پاس پہنچے لیکن میں نے تقریر جاری رکھی۔اور ہم نے پھر یہ ٹرافی جیت لی۔کالج کی زندگی میں پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔اس لئے اختصار بے معنی ہو جاتا ہے۔

تاہم میں ایک اہم واقعہ بتانا چاہتا ہوں۔کالج ہوسٹل میں میرے کزن میاں عبدالغنی انصاریؒ مرحوم ملنے آئے رات گزار کر ان کی خواہش پر باٹا پور چلے گئے۔ان کے ایک بچپن کے ہمراز اور دوست رہتے تھے۔چاچا سلطان محمود مرحوم باٹا پور کمپنی میں ملازم تھے۔وہ مزدور یونین کے عہدے دار بھی تھے۔باٹا پور کمپنی کا ہر فرد ان کو جانتا تھا۔ہم جونہی دروازے پر پہنچ گئے تو گیٹ کیپر نے فوری طور پر ان کے پاس پہنچا دیا۔

ہمیں بھی باٹا پور کمپنی کے مختلف ڈیپارٹمنٹ دیکھنے کا شوق تھا۔میں اس وقت صحت مند تھا۔اور ہر روز ایک میل سے زیادہ دوڑ لگایا کرتا تھا۔چچا سلطان محمود بھی ہنستے،کھیلتے،مسکراتے پہنچے۔دونوں دوست مل کر بہت خوش ہوئے۔اور آپس میں مذاق کرنے لگے۔چچا سلطان محمود ایک سچا اور مخلص مزدور رہنما تھا۔غریبوں سے انہیں اتنا پیار تھا کہ وہ غریب طالب علموں کو اعلیٰ قسم کے بوٹ خرید کر دیا کرتے تھے۔

طلباء بی اے اور ایم اے میں پڑھتے تھے۔انہیں پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ چچا سلطان محمود انہیں کہاں لے جارہے ہیں دکان کے اندر پہنچ کر ان کے پاؤں سے جوتے اتر واتے اور نئے جوتے پہننے کو کہتے۔طلباء کے انکار کے باوجود جوتے

پہناتے۔ کتابیں اور کپڑے بھی خرید کر دیتے تھے۔ سیاسی طور پر وہ بہت باشعور رہنما تھے۔ جب گھر آئے اس وقت عوامی کانفرنس اور پھر محاذ رائے شماری تنظیم قائم ہو چکی تھی۔ انہوں نے سیاست میں ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا۔

چچا سلطان محمود مرحوم چوہدری شاہ باز خان مرحوم، چوہدری محمد صادق مرحوم، چوہدری کرم الٰہی قائد اندرہل، چوہدری اللہ دتہ جیسے مخلص ساتھی ان جماعتوں میں آخر دم تک رہے۔ چوہدری چچا سلطان محمود مرحوم، چوہدری محمد یوسف سابق وزیر حکومت آزاد کشمیر جیسے رہنما سے بھی محاذ رائے شماری کے سالانہ کنونشن کے لئے چندہ لا کر دیتے رہے۔ چوہدری محمد یوسف ہمارے نظریات کے حق میں تھے۔ لیکن اقتدار کی سیاست کی وجہ سے وہ مسلم کانفرنس میں رہے۔

چوہدری محمد یوسف ہمارے عظیم بزرگ کامریڈ محمد حسین کے ذاتی دوست بھی تھے۔ کامریڈ محمد حسین ایک نظریاتی اور وفا کا پیکر تھے۔ ساری زندگی ان کی عوامی جدوجہد میں گزری ان کے بیٹے کامریڈ مشتاق اور امتیاز بھی زندگی بھر ساتھ رہے۔ ان کا پورا خاندان ایثار پیشہ محبّ وطن اور وفا کا پیکر تھا۔ چچا سلطان محمود بڑے خوش اخلاق با مذاق آدمی تھے۔

کشمیر ٹیکسٹائل ملز اور پیپر مارٹ میں وہ دونوں بھی محمد یوسف کے ساتھ تھے۔ وہ چوہدری محمد یوسف کو ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ آپ کے خلاف (مسلم کانفرنس کے خلاف) محاذ رائے شماری کا سالانہ کنونشن دور دور سے یعنی پشاور سے لے کر کراچی تک اور آزاد کشمیر کے دور دراز حصوں سے بھی مہمان آ رہے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ محاذ کے مہمان ہیں۔ اس لئے آپ چندہ دیں۔ تو چوہدری محمد یوسف صاحب مسکرا کر اچھی بڑی رقم انہیں دے کر کہا کرتے تھے کہ ان کا اعلان نہ کیا جائے کہ انہوں نے چندہ دیا ہے۔

اسی طرح ہمارے میر پور کے چوہدری فرمان علی مرحوم جو بلدیہ میر پور کے پہلے وائس چیئر مین رہ چکے ہیں۔ وہ بڑے کھلے دل کے آدمی تھے۔ وہ گھر آ کر صوفی محمد زمان صاحب مرحوم کو چندہ دے جایا کرتے تھے۔ یہی حال غازی محمد اسماعیل کا بھی ہے یہ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں میں سے تھے۔ حاجی محمد سلیم صاحب مرحوم پٹرول پمپ والے بھی محاذ رائے شماری کی معاونت کر رہے ہیں۔ سیاسی رہنماؤں میں وسعت دل ہو تو سیاست پاک رہتی ہے۔ دھڑے بندیوں کی بجائے اصولوں کی خاطر رہنماؤں کا اکٹھے ہو کر کام کرنے سے عوامی مفاد کو تقویت ملتی ہے۔ اس طرح تمام لوگ اپنے اپنے سیاسی اختلاف رائے کے باوجود ملک و قوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔

چچا سلطان محمود ہمیں باٹا پور کے اس حصہ میں لے گئے جہاں چمڑا رنگا جاتا ہے۔ وہاں شدید قسم کی بدبو تھی۔ مجھے الٹی شروع ہو گئی۔ میرے دونوں ساتھی قابل احترام ہنستے ہنستے وہاں پہنچے تھے۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا میری انتڑیاں منہ کے راستہ باہر آنے لگی ہیں۔ جو مجھے الٹیاں لگ آنے لگی وہ خون کی الٹیاں تھیں مجھے یہ لوگ ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ میرے دونوں پھیپھڑے خراب ہو چکے ہیں۔ اور یہ ٹی بی کا مرض ہے۔ مجھے پہلے کھانسی بھی نہیں ہوئی اور نہ

بخار ہوا تھا۔ جو ٹی بی کی علامات ہیں۔ وہ موجود نہ تھیں۔

میں اس دن سے اس واقعہ کے بعد اتنا کمزور ہو گیا کہ مجھے تھام کر ہوسٹل پہنچایا گیا۔ میں ایک میل کی دوڑ لگایا کرتا تھا بیماری کا پتہ چلنے پر ایک قدم بھی نہ اٹھتا تھا۔ برادرم محترم مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم بہت مغموم تھے۔ وہ مجھے ہوسٹل چھوڑ کر تسلی دیتے ہوئے گھر واپس چلے گئے۔ میرے ساتھیوں کو پتہ چلا تو سب تیمارداری کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ اور میرے علاج کے لئے باہمی مشورہ کرے لگے۔ ان دنوں ٹی بی کی بیماری مہلک اور لا علاج سمجھی جاتی تھی۔ آج کل کینسر کی بیماری کا سن کر سب مایوس ہو جاتے ہیں مریض ہفتوں یا چند مہینوں کا مہمان ہے۔

سال 1950ء سے پہلے بھی یہی صورت حال ٹی بی کے مریضوں کی تھی۔ میرے عظیم ساتھیوں میں جن میں چوہدری فرمان علی مرحوم، چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ چوہدری محمد یوسف عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ کوٹلی اور محمد صادق وغیرہ نے سوچا کہ سانبلی سینی ٹوریم یا کسی ٹی بی کے ہسپتال میں داخلہ کی کوشش کی جائے۔

میرے عظیم ساتھی چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ اور محمد صادق راولپنڈی چلے گئے اور واپس آ کر اطلاع دی کہ انہوں نے لسینی ٹوریم میں ایک بیڈ حاصل کر لیا ہے لیکن وہاں 9 ماہ کے بعد داخلہ ملے گا ادھر طلبہ نے ملک عبدالقیوم پرنسپل لاء کالج کے نوٹس میں یہ بات لائی تو انہوں نے باکمال مہربانی فرمائی اور گلاب دیوی ہسپتال کے انچارج کو میرے متعلق بتایا۔ اس وقت گلاب دیوی کے انچارج ڈاکٹر مبشر جو نئے نئے سوئیٹرز لینڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔ وہ ٹی بی کے ریسرچ سکالر تھے ان دنوں سوئیٹرز لینڈ میں پہلی بار ٹی بی کے مریض کا پھیپھڑا نکال کر اس کو دوسرا پھیپھڑا (غالباً کسی جانور کا نام یاد نہیں) لگایا تھا۔ اور وہ کامیاب آپریشن ہوا تھا۔

ان کے آنے کے بعد لوگوں میں شعور پیدا کرنے کے لئے سرکاری سطح پر اشتہار جاری کئے گئے یہ ٹی بی قابل علاج مرض ہے۔ ڈاکٹر مبشر غالباً اس وقت ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز تھے۔ انہوں نے پرنسپل کو فون پر کہا کہ وہ مریض کو بھیج دیں۔ مجھے میرے ساتھی گلاب دیوی ہسپتال لے گئے۔ وہاں مجھے ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر مبشر نے آ کر میرا معائینہ کیا ایکسرے لئے اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ بیماری کی صورتِ حال کیا ہے؟۔ کب تک ٹھیک ہو جاؤں گا؟ تو انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ تین ماہ کے بعد دوبارہ ایکسرے لیں گے۔ اور طبی معائنہ کریں گے پھر بتا سکیں گے کہ بیماری کی صورت حال کیا ہے؟۔

جب مجھے چارپائی پر لٹا دیا گیا تو اس کی پائتی کی طرف چھ چھ اینٹیں رکھ کر اسے اونچا کیا گیا اور میرا سر نیچے کی طرف تھا ایک بیماری کی پریشانی اور نیند بھی نہ آتی تھی۔ ہر وقت کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار بھوک کا مر جانا، میرے لئے اذیت ناک تھا۔ تین ماہ کی مدت سن کر میں پریشان ہو گیا کہ اتنی مدت کے بعد دوبارہ معائنہ ہو گا۔ پھر پتہ چلے گا کہ بیماری کس

مقام پر ہے۔ دوائی کوئی نہ دی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلنے کا حکم دیا گیا۔ اس پر میں نے اپنا بستر باندھا اور سیدھا لاء کالج ہاسٹل میں واپس چلا گیا۔ اور دوستوں کو ساری صورت حال بتائی۔ تو انہوں نے ملک عبدالقیوم صاحب جیسے نیک دل شخص کو جا کر بتلایا کہ میں علاج سے مطمئن نہیں ہوں۔ اگر میو ہسپتال کی ٹی بی وارڈ میں جگہ مل جائے تو میں مطمئن ہو جاؤں گا۔

محترم ملک صاحب نے ہسپتال سے رابطہ کیا۔ اور ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ صاحب جو قائداعظم کے خصوصی معالج تھے۔ وہ ان کا ٹی بی کا علاج کرتے تھے انہوں نے میو ہسپتال میں میرا بیڈ لگوا دیا۔ میں وہاں داخل ہو گیا۔ ملک صاحب اور ڈاکٹر ریاض شاہ میں گہرا تعلق تھا۔ ادھر انہوں نے رابطہ کیا تو مجھے فوراً جگہ مل گئی سید ریاض علی شاہ مرحوم کو کشمیریوں سے بہت پیار تھا۔ وہ تحریک کے ساتھی تھے۔ شاہ صاحب تشریف لائے تو انہوں نے میرا علاج شروع کر دیا۔

ڈاکٹر مبشر صاحب کے علاج کا عرصہ چھ ماہ تھا۔ جبکہ نئے علاج کا عرصہ تین چار سال پر محیط تھا۔ میں اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی خطاء میں مارا گیا۔ ڈاکٹر شاہ صاحب نے میری A.P شروع کر دی انہوں نے ہوا بھر کے پھیپھڑے کو بھرنا شروع کیا۔ جس سے ٹی بی کے جراثیم ختم ہونا شروع ہو گئے۔ A.P ہر روز پھر دوسرے، تیسرے روز ہوتی۔ اور پھر ہفتہ کے بعد ہونے لگی۔ میں ہوسٹل میں ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاری مرحوم پہنچے۔ ساتھیوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر انہوں نے یادگار کے لئے فوٹوز لئے ہر آنکھ اشکبار تھی۔

میرے بھائی منہ دوسری طرف کر کے آنسو بہا رہے تھے میں نے اپنے دوستوں اور بڑے بھائی صاحب کو کہا کہ انسان اللہ کے حکم سے مرتا ہے، بیماری سے نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو عمر لکھ دی ہے اس سے آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ موت اپنے وقت پر اور اپنی جگہ پر واپس آتی ہے۔ میں نے سب کو مسکراتے ہوئے تسلی دی۔ اس وقت مجھے موت کا کوئی ڈر اور خوف نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد جہلم میں اپنی پھوپھی صاحبہ کے پاس رہتا تھا۔ جہلم کے ڈاکٹر محمد صدیق صاحب (صدیق ہسپتال) ہر ہفتہ کے بعد A.P کے لئے جایا کرتا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے میری ملاقات بطل حریت راجہ محمد اکبر صاحب مرحوم کے امیر مجلس سے میری ملاقات ہوتی تھی۔ اس سے آگے ایک درویش صفت باغی افرنگ 1931ء کی تحریک کے صف اول کے مجاہد اور بطل حریت کے پسندیدہ رہنما حضرت مولانا عبدالمجید ملنگ جہلمی سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ وہ میری خاطر وہاں جایا کرتے تھے۔ اور ڈاکٹر مرزا محمد صدیق صاحب کو کہتے کہ اس طالب علم سے رعایتی فیس لی جائے۔ وہ ایسا ہی کرتے وہ میرے لئے بڑے مہربان تھے۔ اس طرح میں نے مشین محلّہ نمبر 3 جہلم میں اپنے بزرگ اور مشہور سیاستدان مرزا عالم الدین صاحب مرحوم کے گھر وقت گزارا۔ اور 1952ء میں وکالت کا لائسنس لے لیا تھا۔

میو ہسپتال کے ڈاکٹر سید ریاض علی نے میری عرضداشت کو قبول نہ کرتے ہوئے سختی سے حکم دیا تھا کہ میں امتحان

کی تیاری نہ کروں کیونکہ اس سے بیماری پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ وہ درجن دو درجن بغیر دوائیاں دیتے تھے۔اور مجھے کھانی پڑتی تھیں اور پھیپھڑے میں ہوا بھرنے کا اپنی نگرانی میں انتظام کرتے۔انہوں نے مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر آرام نہ کیا تو وہ مجھے بیڈ خالی کرنے کا حکم دے دیں گے۔ میں نے ان کی سنی اَن سنی کردی اور میں نے امتحان دے دیا۔اور پوزیشن لینے میں کامیاب ہوگیا۔

وائس چانسلر نے تقسیم اسناد کی تقریب کی صدارت کی اور طلباء کو ڈگریاں دیں۔ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب اپنے میڈیکل طلباء کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ میں اپنے پروفیسر کے ساتھ تھا۔ جب ان کو علم ہوا کہ میں نے امتحان دے کر ڈگری حاصل کر لی ہے وہ بہت خوش ہوئے میرے ساتھ وہ ہمیشہ مسئلہ کشمیر پر بحث کرتے۔اور میرے ساتھ اتفاق رکھتے تھے۔کہ اس کا حل صرف خودمختاری ہے اور یہی قائداعظم کا نظریہ بھی تھا۔اس بارے میں اخبارات میں جو بحث شروع ہوئی تھی اس کا بیان بھی میں نے اپنی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے اخبارات میں دیا تھا۔

کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم کے ساتھ میری شناسائی جہلم میں ہوئی۔ یہ اپنے دور کا عظیم سیاستدان ، جرأت کا پیکر اور وفا کا بے تاج بادشاہ تھا۔مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔وہ میرے قریبی ہمسفر تھے اور مرتے دم تک ساتھ رہے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین۔

لاہور ہی میں رہتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت اور برصغیر کے عظیم خطیب اور ولی اللہ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نہ صرف ملاقاتیں ہوتی رہیں بلکہ میں نے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ قیام پاکستان تک کی تمام سیاسی گفتگو سنتا رہتا تھا۔اور کشمیر کیلئے جو تحریک آزادی مجلس احرار نے چلائی تھی اس پر بھی بے شمار دفعہ واقعات سنائے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس جا کر ان کے درس میں شامل ہوتا تھا۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں انہوں نے مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم کو اپنے پاس بلایا تھا اور مجھے انہوں نے حکم دیا کہ میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دوں۔ میرے لئے یہ بہت بڑی سعادت تھی کہ میں مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا ظفر علی خان مرحوم کو سنا اور مجھے فخر ہے کہ میں نے ان دونوں بزرگوں سے ڈھیروں دعائیں بھی لیں۔مولانا ظفر علی خان مرحوم بہت بوڑھے اور بیمار ہو چکے تھے۔ان سے کھڑا ہونا بھی مشکل تھا۔غالباً یہ شعر ان ہی کی زبان سے سنے تھے۔

قادیان کا نام ذرا دیر سے مٹا
حضرت حق سے یہ اک ڈھیل ہوگئی

مسلمانوں کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے

اس طرح ان کی کئی نظمیں سنیں۔ وہ میری باتوں سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے پاس جب بھی بیٹھا تو وہ ہمارے بزرگ اور عظیم سیاسی سماجی اور مذہبی قائد الحاج وہاب الدین کی نسبت مجھ سے دریافت کرتے رہتے۔ جب میں نے یہ بتایا کہ ان پر قوم پرستی کے الزام میں کلہاڑی کا سدھا وار کیا گیا وہ زخمی ہوئے تھے ان کو اللہ نے بچا لیا تھا۔

ہمارے شہر کے خاکروب حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مسلمان ہوئے تھے۔ انہیں حضرت مولانا وہاب الدین صاحب ہی میرپور لائے تھے۔ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان صاحب مرحوم اور حضرت حاجی وہاب الدین صاحب مرحوم کا آپس میں گہرا رابطہ تھا۔ دونوں ہستیاں نوعِ انسانی کے لئے زندگی بھر جدوجہد کرتی رہیں۔

ان کے نظریئے کے مطابق ہر مذہب کے آدمی کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کا حق ہے۔ یہ عظیم رہنما آزادی کے چمپیئن تھے۔ میں جہلم میں گنبد والی جامع مسجد میں جایا کرتا تھا۔ لاہور ہی میں مومنین کانفرنس کے دفتر اکثر جاتا تھا۔ فسادات کے بعد اپنے بزرگ اور مربی شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ، مدبر اعظم وصدر آل انڈیا مومنین کانفرنس سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ ان کے پیروکاروں کا جم گھٹا رہتا تھا۔

لاہور کے معروف سیاسی اور ادبی ہفت روزہ ''چٹان'' کے دفتر میں بھی باقاعدگی سے جایا کرتا۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اور جماعت اسلامی سے مسئلہ کشمیر کے حوالہ سے تبادلہ خیال ہوتا رہتا۔ اس وقت ہماری رائے سے پوری طرح متفق تھے۔ علامہ عنایت اللہ المشرقیؒ نے مجھے اپنی جماعت میں ورکنگ کمیٹی کا ممبر رکھ لیا تھا۔ جو میں نے اس لئے قبول نہ کیا تھا کیونکہ اس وقت T.B کا مریض تھا۔ انہوں نے میری معذرت سن کر اجازت دے دی کہ میں ان کے جہاد کے نظریہ کو کشمیر میں پھیلاتا رہوں۔ پاکستان ٹائمز اور امروز کے روزناموں میں کے دفتر میں لاہور کے انقلابیوں کے ساتھ جاتے رہے۔

لاہور کے ادبی کلبوں اور شعراء کی مجلس میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ استاد دامن برصغیر کے کمال کے استاد اور شعراء میں شامل ہیں۔ ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر فیض حاصل کیا۔ اور حضرت علامہ اقبالؒ کے مزار پر درجنوں دفعہ جا کر فاتحہ پڑھی۔ اور داتا نگری میں پھر آتے تھے۔ لوگوں کو ان کے غلط عقائد پر عوام کو سمجھاتے تھے۔

مجھے ملک اقبال مرحوم چیف جسٹس اپنے دفتر میں رکھنا چاہتے تھے میں نے ان سے گزارش کی کہ میرا وطن ابھی غلام ہے اور میری قوم کو غلامی پر قناعت کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ میں آزاد کشمیر جا کر عوام کو بیدار کرنے کا کام کروں گا۔ جسٹس ملک محمد اقبال نے شروع میں آزاد کشمیر میں سب جج کی پوسٹ پر اپنی درخواست دی تھی۔ لیکن حکومت آزاد کشمیر نے ان کی ذہانت اور قانونی قابلیت سے فائدہ نہ اٹھایا وہ نابغۂ روزگار شخصیت تھیں۔ انہیں حکومت پاکستان نے براہِ راست

چند سالوں کے بعد ہائی کورٹ کا جج مقرر کر دیا۔

جہلم میں حضرت مولانا عبدالمجید ملنگ مرحوم جو حضرت اور مولانا کے لفظوں سے بہت ناراض ہوتے تھے۔ ان کے متعلق سنا کہ وہ اپنی مسجد میں جو خطبہ دیتے ہیں وہ علامہ اقبال مرحوم کے فلسفۂ خودی پر ہوتا ہے جو جامع پر اثر ہوتا ہے ان کی چھوٹی مسجد دریائے جہلم کے کنارے واقع تھی۔ نوجوان طبقہ اس مسجد میں جاتا تھا۔ جہلم شہر کی ہر گلی میں ان کا چرچا تھا۔ وہ بہت بڑے انقلابی لیڈر اور رہنما تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ جیلوں، جلاوطنیوں اور پولیس کی حوالاتوں میں گزارہ ہے۔ میں نمازِ جمعہ مولانا عبداللطیف جہلمیؒ کی مسجد میں پڑھتا تھا۔ وہ وقت پر نماز پڑھایا کرتے لیکن اس کے برعکس مولانا عبدالمجید ملنگ جہلمی عصر کی نماز کے وقت سے ذرا پہلے ہی جمعہ پڑھاتے۔

میں ایک دفعہ ان کی مسجد میں گیا اس وقت وہ مجھے نہیں جانتے تھے وہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اور علامہ اقبال کی کتابوں کا ڈھیر منبر کے پاس رکھا ہوا تھا، موسم سخت گرمی کا تھا۔ قمیض اتاری ہوئی تھی۔ میں صف میں بیٹھ گیا دو تین آدمی اور بھی آ کر بیٹھ گئے۔ مولانا عبدالمجید ملنگ مرحوم نے کہا کہ تمہارے اندر چاچا امام دین (CID) آلو شورے یا کوئی لفظ استعمال کیا جو گوروں کے زمانہ میں گوروں کے لئے جاسوسی کرنے والے کے متعلق بولے جاتے ہیں۔

ایک اور دفعہ سورۂ فاتحہ کی تفصیل سنا رہے تھے سب تعریفیں ملکہ برطانیہ کے لئے ہیں جو پاکستان کی پالنہار ہے۔ جو بڑی مہربان اور رحم دل والی ہے۔ اے ملکہ برطانیہ ہم تیری غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اے امریکہ والو! ہم تم سے گندم مانگتے ہیں اے ملکہ برطانیہ سیدھی راہ دکھا دے جو سیدھی واشنگٹن جاتی ہو۔ ان کی راہ دکھا جن پر تیری بڑی مہربانیاں ہوئیں جن کو تو نے جاگیریں عہدے خطابات، وظیفے اور خانقاہوں کے ساتھ بڑے بڑے زمینی رقبے دیئے۔ ان جاگیرداروں، نوابوں، پیروں اور سر کے خطاب پانے والے کو دیئے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم بھی ان کا خطاب یافتہ تھا وہ سر علامہ اقبال تھا۔

ملکہ برطانیہ وہ راہ نہ دکھا جس پر تو غضبناک ہو جائے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور سوباش چندر بوس جیسے لوگوں کی راہ نہ چلانا۔ نواب زادہ لیاقت اور رعنا لیاقت علی تیرے پسندیدہ نہیں تو ایک مسکراہٹ کا اربوں روپیہ لیتی ہے۔ اب پاکستان میں کارخانے لگانے کی ضرورت نہیں اس کو کہو کہ وہ مسکراہٹیں بکھیرتی رہے کھربوں روپیہ پاکستان کو بھیجتی رہے۔ یہ دولتانے، ٹوانے یہ نون پاکستان پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ سب تیری روحانی اولادیں ہیں۔ ان دنوں لیاقت علی وزیر اعظم پاکستان تھے۔ اور دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب تھے۔ پھر جوش میں آ کر کہنے لگے کہ دولتانہ نے لاہور سے گوجرانوالہ کی طرف جاتا تھا۔ تو لاہور سے لے کر گوجرانوالہ تک اور گوجرانوالہ سے لے کر گوجرخان تک تمام بٹیرے اکٹھے کروا لئے لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ پرندوں کا گوشت کھا رہے ہیں۔ لوگوں کے بدن پر کپڑا تک نہیں ہے ان کے لئے سلے سلائے

سوٹ برطانیہ سے آتے ہیں۔اب یہ ملک ہمارا نہیں یہ برطانیہ اورامریکہ کا ہے۔

علامہ اقبال ایک ایسا شخص بننا چاہتا تھااور ظاہر کرتا ہے کہ وہ ساری مخلوق خدا کی ہے۔لیکن اپنا کلام بیٹے کے نام منسوب کرتا ہےاوراس کے حق میں تمام حقوق محفوظ کر دیتا ہے۔قائداعظم کے بارے میں جو کچھ کہا اسے صفحۂ قرطاس پر آج بھی لانا مشکل ہے۔مولانا عبدالمجید ملنگ جہلمی بے خوف اور بہت نڈر انسان تھے۔ان کا جسم مٹی اور گارے کا نہیں تھا۔وہ فولادی جسم رکھتے تھے۔یہ باتیں لفظ بہ لفظ نوٹ نہیں کی گئی ہیں۔حافظہ میں جو کچھ تھا وہ وہ لکھوارہا ہوں۔وہ بہت سخت باتیں تھیں۔ان کو نرم الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔جس طرح اوپر بیان لکھوایا ہے۔

اس ساری باتوں کے بعد انہوں نے سورۂ فاتحہ کے پہلے لفظ کی غالباً تشریح کی کہ ''حمد'' کیا ہے؟۔''رب'' کیا ہے؟۔''عالمین'' کیا ہے؟۔اس آیت کی تفصیل ختم نہ کر سکے تھے کہ جماعت شروع کرادی اور میں چپکے سے مسجد سے نکل آیا کیونکہ میں نماز جمعہ پڑھ کر وہاں گیا تھا یہ میرا معمول تھا یہ نماز پڑھ کر مسجد میں ان کی تقریر سننے جاتے۔بعد میں مولانا عبدالمجید ملنگ سے تعارف ہوا تو وہ جب بھی میرپور آتے تو مجھے ضرور مل کر چمہال بطل حریت راجہ محمد اکبر خان صاحب مرحوم کے گھر جایا کرتے۔میرپور میں ان کا ٹھکانہ کا مریڈ محمد مقبول احمد خاور مرحوم اور محمد دین زرگر مرحوم بھینسوں والے یا میرے گھر ہوتا تھا۔ہم مولانا عبدالمجید صاحب ملنگ مرحوم کا خطاب سننے کے لئے میرپور میں جلسے بھی کرتے رہے۔اور وہ عشاء کی نماز کے بعد تقریر شروع کرتے اور صبح کی اذان کے ساتھ ہمارے اصرار پر تقریر بند کرتے۔

جس گھر سے کھانا کھاتے ان کو اپنے کھانیکی قیمت بھی ادا کرتے اگر ان سے کوئی پیسے نہ لے تو اس گھر سے کھانا تک نہ کھاتے۔اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔یہ صفت انہوں نے اپنے اندر پیدا کی۔بچوں کو تعلیم دے کر رزق حلال کماتے تھے۔اور وہ اسی کو خودی کا نچوڑ سمجھتے تھے۔جس کو علامہ اقبال مرحوم نے فلسفہ خودی بیان کرتے ہوئے اشعار میں ظاہر کیا ہے۔میں نے تین چار سال کا طویل عرصہ بیماری میں گزارہ تھا اور اس وقت بھی زیر علاج تھا۔میں جب سرگودھا گیا تو اس وقت 1954ء میں بھی زیر علاج تھا۔جب مظفرآباد سنٹرل جیل میں مقید تھا۔میں نے اوپر درویش صفت باغی افرنگ عبدالمجید ملنگ جہلمی مرحوم کا پاکستان سے لوگوں پر طنز کرتے ہوئے ان کی سورۂ فاتحہ کا مختصر ذکر اوپر بیان کیا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ سورۂ فاتحہ کے معنی سمجھا دوں...........

اللہ کے نام سے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے۔ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے۔جو رحمت والا ہے۔اور جس کی رحمت تمام مخلوقات کو اپنی بخششوں سے مالا مال کررہی ہے۔جو اس دن کا مالک ہے جس دن کاموں کا بدلہ لوگوں کے حصے میں آئے گا۔(خدایا) ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔اور صرف تو ہی ہے جس سے (اپنی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں۔(خدایا) ہم پر (سعادت) کی سیدھی راہ کھول دے وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ

ہوئی جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔

میو ہسپتال میں لاہور کے T.B وارڈ میں بے شمار بزرگ دوست کزن اور ساتھی عیادت کے لئے جاتے رہے۔ دو چار نام ایسے ہیں جو میرے دل پر نقش ہیں۔ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔مولوی فضل دین بھٹی ایڈووکیٹ مرحوم بڑے محسن تھے۔ان کی دعائیں ہمیشہ میرے لئے شامل حال رہیں۔وہ جب بھی ملتے تو مجھے دعا پڑھ کر مجھے یاد کراتے تھے۔میں وہ آج تک یاد کرتا چلا آ رہا ہوں۔مولوی فضل دین بھٹی مرحوم صاحب پوری ریاست میں جانے پہچانے جاتے تھے۔میر پور میں دو تین وکیلوں میں سے ایک تھے۔جو غیروں کی قانونی مدد کرتے رہے اپنے بیٹے عزیز محترم عبدالجبار بھٹی مرحوم کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ میرے لئے اپنے میس سے کھانے بھجوائے۔

ہسپتال کا کھانا معیاری نہیں ہے۔ بڑے نیک اور سادا دل تھے ان کے چہرے پر مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ ٹی بی وارڈ میں بہت اچھا انتظام ہے۔ٹی بی کے مریضوں کو دودھ،دہی مکھن گوشت اور پھل وغیرہ ملتے رہتے ہیں اور بھنی ہوئی کلیجی بھی کھلائی جاتی ہے۔ یہ بیماری غریبوں کو لگتی ہے۔اور امیروں کا کھانا مانگتی ہے۔ان دنوں محترم عبدالجبار بھٹی میڈیکل کے طالب علم تھے۔لاہور میں ہی مجھے خان محمد صدیق خان جو کرنال مشرقی پاکستان کے رہنے والے تھے ملتے رہے۔وہ برصغیر آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ انبالہ مشرقی پنجاب کے پیروکار تھے۔ میرا ان سے تعارف مومن کانفرنس کے دفتر لاہور میں ہوا تھا۔اس کا ذکر آگے آئے گا۔

تین چار سال علاج میں گزارے اور آج تک ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرتا آیا ہوں میں جہاں بھی گیا میں امریکہ برطانیہ خاص طور پر اس کا طبی معائنہ کراتا رہا ہوں۔اللہ کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں کہ اس نے اس بیماری سے نجات دی اب جبکہ بڑھاپا آ گیا یہ سطور لکھوا رہا ہوں فالج کے مرض میں مبتلا ہوں۔

وکالت اور عملی سیاست کی ابتدا

1952ء میں لاہور ہائی کورٹ سے لائسنس لے کر سرگودھا میں وکالت شروع کر دی۔میرے انتہائی قابل قدر بزرگ جناب شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ مجھے ساتھ لے کر گئے تھے۔میرا سرگودھا وکالت کرنے کا ارادہ نہ تھا۔لیکن دو چار ہفتوں کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ میرے دوست خان محمد صدیق خان نے میری شادی کے سلسلہ میں بڑے بھائی محترم میاں غلام نبی انصاری مرحوم سے رابطہ کیا ہوا ہے۔جب مجھے اس کی بھنک پڑی تو میں نے شیخ محمد ظہیر الدین مرحوم ایڈووکیٹ قبلہ محترم کو بتائے بغیر پھر میر پور چلا آیا۔

وہ بڑے حیران ہوئے کہ اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے صرف ایک دو مقدموں میں جناب شیخ محمد ظہیر الدین مرحوم کو عدالت میں پیش ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت وکالت چھوڑ چکے تھے۔ لیکن میری خاطر وہ عدالتوں میں جانے لگے ایک اپیل میں پیش ہوئے تو سیشن جج صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور مخالف وکیل کو کہا کہ بحث کا آغاز کریں۔ ابھی اس نے دو چار فقرے استعمال کئے تھے تو سیشن جج نے اپیل کا فیصلہ بحق شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ مرحوم کے موکل کے حق میں کر دیا انہیں بولنے کی زحمت ہی نہ دی۔

ان کی تمام لوگ عدلیہ سمیت عزت کرتے تھے۔ دوسرا مقدمہ غالباً نقض امن میرے حوالہ کر کے گھر چلے آئے تھے۔ مقدمہ ابتدائی عدالت میں تھا۔ میں ابھی پیش ہی ہوا تھا کہ عدالت نے مقدمہ خارج کر دیا اور مسولان کو طلب تک نہ کیا۔ میں گھر پہنچا تو شیخ صاحب کو بتایا کہ عدالت نے مقدمہ خارج کر دیا تو انہوں نے فرمایا اسے خارج ہی ہونا تھا۔ میرے لئے یہ اعزاز کی بات تھی۔ ان کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے لوگوں سے شناسائی ہوئی۔

میرپور پہنچ کر میں نے مکان کرایہ پر لیا اور عدالت جانے لگا میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاری مرحوم کے دوست چوہدری کرم الٰہی صاحب مرحوم کو پتہ چلا کہ ابھی لائسنس وکالت نہیں لیا ہے۔ انہوں نے مجھے لائسنس فیس دے کر مظفر آباد بھیج دیا اور پہلی دفعہ مظفر آباد گیا۔ میرے لئے مظفر آباد اس وقت ایک اجنبی شہر تھا واپس آ کر تو ایک مقدمہ بھی چوہدری کرم الٰہی مرحوم لے کر آ گئے میں نے وہ واپس کر دیا۔

لائسنس کی فیس اور کرایہ کی رقم جو لے کر گیا تھا وہ انہیں الگ کر کے دے دی۔ وہ واپس لینے کو تیار نہ تھے۔ لیکن میں نے قرضِ حسنہ کے طور پر رقم لی تھی۔ اس طرح بدوں کسی سینئر وکیل کے اپنی وکالت شروع کر دی۔ اصل میں وکیل دوسرے وکیلوں اور ججوں کے فیصلے سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ میں عدالت میں جا کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

اور دونوں طرف کے وکلاء کی جرح اور بحث غور سے سنتا۔ اور اس طرح مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہونی شروع ہوئی اس پیشہ سے پچاس سال تک منسلک ہوا۔ نائب تحصیل دار سے لے کر سپریم کورٹ میں پیش ہوتا آ رہا ہوں۔ عرصہ 10 سال قبل وکالت کو خیر آباد کر کے بچوں کے پاس امریکہ چلا گیا۔

1952ء میں وکالت کا آغاز کیا دوست احباب اور ہم خیال لوگ اکٹھے ہونے شروع ہوئے۔ شروع، شروع میں ہم پرانے میرپور شہر کی صفائی کی طرف متوجہ ہوئے۔ میرپور جل چکا تھا۔ جو مکان بچا ہوا تھا۔ اس کی اینٹیں اور بالے وغیرہ لوگ اٹھا کر گھروں میں لے گئے۔ کنوئیں متعفن لاشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف گندگی کے ڈھیر تھے۔ لشکری دیواروں کے پاس دبے ہوئے سونے چاندی کی تلاش میں خندقیں کھود رہے تھے۔ یہ شہر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔

سانپوں اور مچھروں نے اسے اپنا گھر بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے میونسپل کمیٹی بنانے کی تحریک

شروع کی تو یہ مطالبہ مان لیا گیا اور ضلعی انتظامیہ نے ایک کمیٹی نامزد کر دی تھی۔ہم نے میونسپل کمیٹی کے لئے انتخابات کا دن طے کرنا شروع کر دیا جو ایک جدوجہد کے بعد تسلیم کر لیا گیا۔آزاد حکومت قائم ہو چکی تھی۔جس کے اختیارات ایک آزاد ملک کی بلدیہ سے کم تھے۔لوگوں کا ڈوگرہ دور کے حاصل کئے گئے۔حق رائے سے محروم کر دیا گیا۔

کوئی بھی منتخب ادارہ موجود نہ تھا۔ وزارت امورِ کشمیر کے ایک جائنٹ سیکرٹری ہی سیاہ و سفید ما مالک تھا۔ وزارت امورِ کشمیر صرف ایک سیاسی جماعت کو تسلیم کرتی تھی۔ اور وہ مسلم کانفرنس تھی۔ مسلم کانفرنس تین دھڑوں میں (عباس گروپ)،(میرواعظ گروپ)،(ابراہیم گروپ) میں بٹی ہوئی تھی۔قومی آزادی کے لئے کوئی سیاسی جماعت کام نہ کر رہی تھی۔

تحریک آزادی جموں وکشمیر کو پس پشت ڈال دیا گیا اور اس مفاداتی سیاست سے ہٹ کر مسلم کانفرنس کے مقابلہ میں ایک نئی جماعت بنانے پر سوچنا شروع کر دیا گیا۔جن کا منتہائے مقصود جموں وکشمیر کی وحدت و سالمیت آزادی وخود مختاری اور عوام کی فلاح و بہبود ہو۔تین دھڑوں میں بٹی مسلم کانفرنس کا مقصد حکومت کا اقتدار حاصل کرنا تھا۔ یہ جماعت وظیفوں اور لائسنسوں پر چل رہی تھی۔اور مہاجرین کے نام پر کوٹھیاں، کارخانے اور مربے آلاٹ کروا رہی تھی۔اور رزق حلال کمانا ان کے لئے غیر ضروری تھا۔

ان کی اولادیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھیں۔ان حالات میں کشمیر کے تین نامور ساتھیوں نے ایک جماعت بنانے کے لئے مجھ سے مشورہ کیا اور میں نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے اس کی ضرورت قرار دیا۔کامریڈ مقبول احمد خاور مرحوم میرپور میں مسلم کانفرنس میرپور کے ضلعی عہدے دار تھے۔کامریڈ عبدالعزیز المعروف عبدالعزیز گوڈری میرپور میں نیشنل کانفرنس کے اہم رکن تھے وہ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان مرحوم،مولانا عبداللہ سیاکھوی مرحوم کے ساتھیوں میں سے تھے۔اور ڈوگرہ سامراج کے دور میں جیلیں کاٹ چکے تھے۔

ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم بھی راجہ صاحب اور حضرت مولانا حاجی وہاب الدین کے کارکنوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ اس وقت سکول ٹیچر بھی تھے۔کامریڈ محمد مقبول احمد خاور مجلس احرار کی صحبتوں کی وجہ سے بڑے صبر و تحمل کے مالک تھے۔ اس ماحول میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔جو انگریزوں اور شخصی راج کے دشمن تھے۔

عوامی رائے جاننے کے لئے ساتھیوں سے میرپور آزاد کشمیر میں دورے شروع کر دیئے۔ میرپور شہر میں نوجوانوں نے بہت جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔میرے پھوپھا مرزا عالم الدین مرحوم کے رفقاء پہلے ہی خواہش مند تھے۔یہ تمام لوگ نیشنل کانفرنس سے وابستہ تھے۔ یہ ان رہنماؤں کارکنوں اور بزرگوں نے بڑی حوصلہ افزائی کی۔الحاج وہاب الدین مرحوم جنہیں شیر کشمیر اپنا سیاسی باپ سمجھتے تھے انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت مولانا فضل دین بھٹی وکیل بہت تجربہ کار اور اس میدان کے آزمائے ہوئے کھلاڑی تھے۔ انہوں نے بھی 1947ء میں اپنی جان بڑی مشکل سے بچائی تھی۔ ان کی بڑی تلاش کی گئی لیکن وہ اللہ کے فضل وکرم سے چھپ چھپا کر گھر سے نکل گئے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مشورے دیئے کہ مسلم کانفرنس حکمران جماعت ہے اور اس کے کارکن نیشنل کانفرنس کے کارکنوں، لیڈروں اور بزرگوں تک کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہی ہے۔ ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی پہلے ہی ابراہیم گروپ میں شامل ہو چکے تھے انہوں نے بھی مشورے دیئے۔ وہ ہمیں کسی گروپ میں شامل ہونے کے مشورے بھی دیئے میرے ساتھی حضرت مولانا عبداللہ سیاکھوی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنی داڑھی دکھلاتے ہوئے انہیں بتایا جو میرا حال اس جماعت نے کیا ہے وہ آپ لوگ دیکھ لیں ان دنوں ہی مسلم کانفرنسی کارکنوں نے ایک ابراہیم گروپ کے رہنما کی ناک کاٹنے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے لیڈر کا منہ کالا کر کے شہر میں پھرایا گیا الحاج وہاب الدین خان مرحوم کے زخم کا نشان ابھی مندمل نہ ہوا تھا وہ بھی ان غنڈوں سے پریشان تھے۔ ہم نے بتایا کہ اب مسلم کانفرنس کے وہ نوجوان اس قسم کی غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکتیں کرتے رہے۔ وہ تائب ہو کر نئی جماعت میں شامل ہونے کو تیار ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ سیاکھوی مرحوم نے فرمایا تھا کہ ان کے عظیم رفیق ساتھی بطل حریت راجہ محمد اکبر خان مرحوم وفات پا چکے ہیں۔ ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہے چاروں طرف دشمنوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ وہ حمایت میں شامل ہوں گے مگر اس وقت نہیں۔ مولانا عبدالغنی انصاری اور میرے بھائی غلام نبی انصاری مرحوم میرے ساتھ تھے۔ علاقہ کے کئی معزز لوگوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ بڑبن کے میاں عبدالرب نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ ان کے فرزند عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ مرحوم تو مرتے دم تک میرے دست و بازو بنے رہے۔

پہلے جماعت بنانے کے لئے نام کی تجویز کی اور تجویز پہلے آئی کہ جماعت کا نام ''جناح عوامی لیگ'' رکھا جائے۔ اور بھی نام پیش ہوئے بالآخر عوامی مسلم کانفرنس نام رکھنے پر سب نے اتفاق کر لیا لیکن ایک سال کے بعد عوامی کانفرنس کا نام دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عوامی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے جموں وکشمیر کی قومی آزادی کیلئے کام شروع کر دیا گیا۔ میرپور کے عوامی رہنماؤں میں شیخ عبدالرحمٰن مرحوم غازی عبدالمجید مرحوم شیخ محمد ایوب مرحوم عطاء اللہ زرگر ڈاکٹر محمد مرحوم اور دوسرے مسلم کانفرنسی نوجوانوں نے عوامی کانفرنس کا پرچم تھام لیا۔ جس کا پہلا نعرہ تھا کہ ریاست جموں وکشمیر کی مصنوعی لائن کو ختم کیا جائے اور ریاست کو متحد کر کے ایک آزاد ریاست خودمختاری دی جائے گی۔

اسے ایشیا کا سوئٹزرلینڈ بنائیں گے۔ ہماری ریاست ہندوستان اور پاکستان کے درمیان دوستی کا پل ہوگی۔ اور آزاد کشمیر میں وزارت امورِ کشمیر کا کنٹرول ختم کر کے آزاد کشمیر ایک حقیقی انقلابی اور آزاد حکومت کو تسلیم کر لیا جائے۔ عوام کو

حق رائے دہی کا حق ڈوگرہ شاہی سے بزورقوت حاصل ہو گیا تھا۔اسے بھی چھین لیا گیا وہ حق کشمیر کے عوام کو واپس دلایا جائے گا۔

آئین ساز اسمبلی قائم کی جائے جو اپنا آئین خود تیار کرے۔مہاجرین کے تمام حقوق انسانی دلائے جائیں گے اور وادی جموں، میر پور، مظفر آباد، پونچھ، راجوری سے ہجرت کرنے والوں کو واپس ان کے گھروں میں آباد کیا جائے۔ عوامی کانفرنس کا آئین میں انسانی حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کا طریقہ بھی وضع کیا گیا۔بالآخر وہ منزل آگئی کہ عوامی کانفرنس کو آزاد حکومت اور وزارت امورِ کشمیر کو کھٹکنے لگی دونوں حکومتیں عوامی کانفرنس کے کارکنوں کا اس طرح پیچھا کرتی تھیں جیسے یہ لوگ غیر ملکی ہوں اور دشمن کے ایجنٹ کے طور پر آزاد کشمیر میں داخل ہوں گے۔

اس ضمن میں یہاں ایک واقعہ سنا دینا چاہتا ہوں۔ہم نے مطالبہ کیا کہ الیکشن کرائے جائیں۔مطالبہ ماننے کے بعد الیکشن کروائے گئے۔الیکشن بالکل فیئر ہوئے لیکن گنتی کے وقت جب مسلم کانفرنس کے لیڈر کو شکست ہوئی تو ڈپٹی کمشنر نے دھاندلی سے کامیاب قرار دے دیا۔مجاہد شیخ عبدالرحمٰن مرحوم نے عدالت میں کھڑے ہو کر ڈپٹی ہائی کمشنر کو للکارا اور کہا کہ اب ہماری جنگ شروع ہو گئی ہے جس کے تم ذمہ دار ہو۔عوامی کانفرنس کا بہت بڑا اجتماع چاہ رتن سنگھ کے پاس ہوا۔ کامریڈ محمد مقبول خاور کی تقریر کو قابل اعتراض سمجھ کر ڈپٹی کمشنر نے وارنٹ جاری کر دیئے۔

دوسری طرف ہم نے یہ اعلان کر دیا کہ پولیس چھاپے مارنا بند کرے کامریڈ محمد مقبول خاور مقررہ تاریخ پر پیش ہو جائیں گے۔لیکن پولیس ہر جگہ چھاپے مارتی رہی اور دہشت پھیلاتی رہی۔ہم نے تاریخِ مقررہ پر ایک تاریخی جلوس نکالا۔کامریڈ محمد مقبول احمد خاور کو پھولوں سے لاد دیا گیا اور کچہری لے گئے۔ڈپٹی کمشنر نے فوراً فوج کا ایک دستہ منگوالیا اور اپنے دفتر میں مشین گن لگوادی۔ملک محمد اسلم ایڈیشنل مجسٹریٹ نے کہا کہ جلسوں کو روکیں بلاوجہ جانی نقصان ہو گا۔

ہم نے یہ بات نہ مانی اور احاطہ کچہری میں داخل ہو کر خوب نعرہ بازی کی اور مقامی انتظامیہ کے خلاف یہ نعرہ بازی تھی۔جلوس بالکل پرامن تھا۔ جب عدالت میں پکارا ہوا تو وکلاء، پولیس اور ضلعی عملہ سے عدالت بھری ہوئی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ ہار اُتار دو۔کامریڈ مرحوم نے فوراً جواب دیا۔قانون کی کوئی دفعہ بتاؤ جس میں لکھا ہو کہ عدالت ہار اتروا سکتی ہے۔اس نے غصے میں آ کر انسپکٹر پولیس کو کہا یہ ہار اُتار دو۔کامریڈ محمد مقبول نے للکار کر کہا اگر انسپکٹر پولیس میری طرف بڑھا تو میں دانت توڑ دوں گا۔بہت شور ہوا اس نے جلدی جلدی تاریخ دے کر جوڈیشنل حوالات میں لے جانے کے لئے کہا۔

ہم کامریڈ محمد مقبول احمد خاور کو پھولوں کے ہاروں میں لائے زندہ باد کے نعروں کے ساتھ جیل تک پہنچایا۔فوج مسکراتی رہی فوج کا آفیسر کیپٹن یا میجر ہمارے علاقہ ڈڈیال کا رہنے والا تھا۔اس نے کہا کہ اس نے رپورٹ بھیجی تھی کہ

کیمونسٹ عدالتوں کا گھیراؤ کر کے عدالتوں کو جلانا چاہتے ہیں۔ آفیسروں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور عدالتی ریکارڈ کو آگ لگا دیں گے۔ ان میں کوئی بات سچ نہ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اعلیٰ فوجی افسروں کو رپورٹ لکھ کر بھیج دی ہے۔ ڈپٹی کمشنر انتہائی نااہل اور پرامن فضا کو خراب کرنے والا ہے۔ بعد میں مقدمہ چلا وہ مذاق بنتا رہا۔

عوامی کانفرنس کی بنیاد رکھنے کے بعد اس کے پلیٹ فارم سے جلسے اور جلوس نکالتے تھے۔ عوامی مسلم کانفرنس نے ایک اشتہار بھی تیار کیا جس میں لوگوں سے اپیل کی گئی کہ عوامی مسلم کانفرنس میں شامل ہو جائیں۔ یہ اشتہار بھی محترم شیخ نبی بخش نظامی مرحوم کا تحریر کردہ تھا۔ ان کا گھرانہ ادبی گھرانہ تھا۔ مولانا چراغ حسن حسرت اسی گھرانے کے فرد تھے جو ادب کی تاریخ میں آج بھی چمک رہے ہیں۔ عوامی کانفرنس شیخ فضل الٰہی مرحوم بھی شامل ہوئے۔ چاچا جمال الدین ہمارے سرپرست تھے وہ خزانچی بھی رہے۔

ان کے بیٹے محمد دین، بشیر بھٹی تادم مرگ میرے ساتھ رہے۔ محمد دین ڈار مرحوم جو محمد اصغر ڈار کے والد تھے۔ ہمارے عظیم ساتھی تھے۔ پہلوان محمد شفیع مشتاق حسین زرگر ماسٹر محمد ابراہیم مرحوم ٹیلر ماسٹر مرزا شاہ نواز مرحوم، محمد بشیر بھٹی مرحوم اور ان کے ساتھیوں کی شمولیت سے عوامی کانفرنس کا پلہ بھاری ہو گیا۔ مقامی طور پر عوامی کانفرنس کے مقابلہ میں زیادہ منظّم اور متحد تھی۔ عوامی مسلم کانفرنس کو عوامی کانفرنس کا نام دینے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جماعت ملک گیر بن سکے۔ اس میں بلاتمیز رنگ و نسل زبان، علاقہ اور نسل کے لوگ شامل ہو کر ملک کی آزادی کے لئے متحدہ کوششیں کی جاسکتیں۔

ڈڈیال میں راجہ فضل الرحمٰن مرحوم، چوہدری شاہ باز خان صاحب مرحوم، چوہدری حاجی محمد صادق مرحوم، ٹھیکیدار محمد شفیع رانا مرحوم میرے کزن نیک عالم مرحوم، محمد فضل انصاری مرحوم اور خواجہ محمد شریف اپنے کنبوں سمیت میرے ساتھ شامل رہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اندربل کے مشہور قائد اندرہل چوہدری اللہ دتہ صاحب اور مشہور استاد جو علاقہ کے سرسید تھے۔ ماسٹر عطا محمد صاحب اوناع سے چوہدری کرم الٰہی شامل ہو گئے عوامی کانفرنس واحد جماعت تھی جس نے علاقہ کے لوگوں کو سیاسی طور متحرک کیا۔

میرپور تحصیل میں حاجی گلزار صاحب مرحوم، مرزا فضل الٰہی مرحوم، محمد حنیف انصاری میرے ہمنوا رہے۔ ساتھیوں کی مدد سے اس کی شاخیں مونڈا، بڑبن چک گیہاں آڑہ سموال شریف چکسواری اور ڈڈیال میں قائم ہو گئیں اس جماعت کا اس سرعت سے پھیلنا وزارت امورِ کشمیر اور حکومت آزاد کشمیر کو ناگوار گزر رہا تھا۔ ان کا ہمارے خلاف گٹھ جوڑ ہو گیا۔

میری پہلی گرفتاری

میری پہلی گرفتاری سیفٹی ایکٹ جیسے کالے قانون کے تحت عمل میں لا کر کچہری احاطہ سے گرفتار کر کے مظفرآباد جیل 1950ء میں بھیج دیا گیا۔ بھوکا پیاسا رکھتے ہوئے مجھے پہلے راولپنڈی رات کسی تھانہ میں بند کیا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے مظفرآباد سفر کے دوران کوہالہ پار کرتے ہوئے میرے دوست پروفیسر مرتضٰی صاحب مل گئے۔ انہوں نے مجھے اور کانسٹیبل کو کھانا کھلایا مرغ پکوا کر کھلایا۔ ہم نے کھانا کھانے کے بعد مظفرآباد کا رخ کیا۔ پروفیسر مرتضٰی مرحوم ان دنوں محکمہ تعلیم میں ملازم تھے۔

مظفرآباد جیل میں داروغہ جیل نے میرے وارنٹ لے کر مجھے پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور خود دفتر چلے گئے۔ میرے متعلق کرنل شیر احمد خان مرحوم صدر حکومت اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میرپور کی ہدایت تھی کہ ملاقات پر مکمل پابندی ہے۔ اخبارات پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ داروغہ جیل ڈوگرہ دور کا ملازم اور حکومت کی ہدایات کا پابند تھا۔ اس نے ان ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔ چوہدری جلال الدین مرحوم علاقہ کھڑی کے رہنے والے تھے۔

میرے ایک دوست قاسم ظفر آف کھڑی جو میرے کلاس فیلو تھے۔ ان کے علاقے کے تھے۔ مرحوم قاسم ظفر ان دنوں سیکرٹریٹ میں ملازم تھے۔ انہوں نے داروغہ جیل کو میرے متعلق بہت سی ہدایات دی تھیں جن کا علم مجھے جیل سے فارغ ہونے کے بعد ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد داروغہ جیل گھی کا ڈبہ لے کر آ گئے اور استعمال کرنے کی اجازت دی نہ میں نے پوچھا نہ ہی داروغہ جیل نے بتایا کہ جیل میں دی جانے والی خوراک کا حصہ ہے یا گھی وغیرہ داروغہ جیل نے اپنے پاس سے دی ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب میرے دوست قاسم ظفر کی مہربانی تھی۔ انہوں نے داروغہ جیل کو یہ چیزیں دینے کو کہا۔ میں قید تنہائی کاٹ رہا تھا بعد میں مجھے بےضرر سمجھ کر جیل کے اندر پھرنے کی اجازت دی گئی۔

اس دوران قیدیوں نے مجھے اپنی اپنی شکایات سنانا شروع کر دیں۔ سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ جیل قواعد میں دی گئی ہدایات کے برعکس سلوک کیا جاتا تھا۔ اور جیل قواعد کی رعایتیں نہ ملتی تھیں۔ دو دو دن رات سفر کرنے والی عورتیں اپنے بچوں سے ملاقات نہ کر سکتی تھیں ان کے لئے لائے گئے تحائف بھی چھین لئے جاتے تھے۔ بیس بیس سیر گندم قیدی کو دے کر ان سے پسوائی جاتی۔ بان کی رسیاں بناتے تھے اس طرح ان سے کام لئے جاتے جو جسمانی اذیت کا باعث تھے۔ انہیں خطوط تک لکھنے کی اجازت نہ تھی۔

وہ کئی کئی سالوں سے یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ان کے گھروں کی کیا حالت ہے ان کی بوڑھی ماں زندہ بھی ہے یا نہیں؟۔ میں شکایتیں سنتا تھا۔ میں سب سے پہلے جیل کے قیدیوں اور نمبرداروں کو ملا کر نمازِ جمعہ شروع کر دی۔ میں مختصر سا خطبہ دیتا تھا۔ اور قیدیوں کے مطالبات دوہراتا تھا۔ ایک جمعہ کے موقعہ پر خطبہ کے موقع پر جیل حکام دو دن کا نوٹس دیا کہ

جیل قواعد کے مطابق عمل کرنے کی یقین دہانی نہ کرائی گئی تو جمعہ کے دن سب قیدی بھوک ہڑتال کی گئی ہے۔

اور کوئی مشقت نہیں کرے گا۔ جیل حکام نے مجھے قید تنہائی سے نکال کر جیل کے بڑے احاطہ سے نکال کر باہر دفتر کے ساتھ جو کمرہ تھا، اس میں بند کر دیا۔ جس میں کبھی کبھی عورتیں حوالاتی کے طور پر رکھی جاتی تھیں۔ یہ کمرہ گارے اور پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ڈیڑھ دو گز چوڑا چھت کے بغیر برآمدہ تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی دیواروں سے بند تھا۔ صرف دروازے سے جھانک کر آدمی کو آتے جاتے دیکھا جا سکتا تھا۔ جیل حکام نے جمعہ کے روز ہونے والی قیدیوں کی بھوک ہڑتال کا فوراً نوٹس لیا۔ اور ضلعی انتظامیہ کو بتایا کہ سیاسی قیدی بھی بھوک ہڑتال پر ہے۔ میرے خلاف جو لکھ سکتے تھے لکھا حکومت نے فوری نوٹس لیا اور اسسٹنٹ کمشنر کو ملاقات کے لئے میرے پاس بھیجا۔ میں زمین پر ایک بوسیدہ کمبل پر پڑا ہوا تھا۔

یہ اسسٹینٹ کمشنر راجہ عبدالخالق صاحب تھے۔ جو میرے کالج کے ساتھی تھے۔ انہوں نے مجھے بغور دیکھا حالت بگڑی ہوئی تھی۔ وہ بہت ہی پریشان ہوئے وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ حکومت جاننا چاہتی ہے کہ آپ کے کیا مطالبات ہیں؟۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرا کوئی ذاتی مطالبہ نہیں ہے، قیدیوں سے جانوروں جیسا سلوک ہو رہا ہے یہ چکی کی مشقت ڈوگرہ دور کی یادگار ہے۔ اب ملک آزاد ہو چکا ہے اس لئے اسلامی قانون کے مطابق قیدیوں سے سلوک کیا جانا ضروری ہے۔ راجہ عبدالخالق صاحب نے سب مطالبات سنے اور قیدیوں کے پاس چلے گئے۔ اور قیدیوں نے جو مطالبات لکھ کر دیتے تھے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ وہ جیل قوانین کی پابندی کر رہے ہیں۔ لیکن جیل میں وہ رعایتیں نہیں دی جاتیں جو قواعد میں درج ہیں۔

راجہ وہاں سے نکل کر آئے اور مجھے کہا کہ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے تمام مطالبات منظور کئے جاتے ہیں۔ آپ قیدیوں کو کہیں کہ وہ قوانین کی پابندی کریں۔ اور کام شروع کریں۔ قیدیوں کو مقفل کمروں میں بند کیا گیا تھا۔ میرے کہنے پر سب نے بھوک ہڑتال ختم کر دی اور ان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جیلوں میں چکی پسوانے، بان کی رسیاں بٹنے اور دیگر اذیت ناک کاموں سے نجات پانے کے لئے حکومت نے تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے گئے کہ وہ فرسودہ نظام کو ختم کر دیں۔ جیل کا امن بحال ہو گیا۔ ملاقاتی بھی آنے شروع ہو گئے۔ خطوط لکھے جانے لگے۔

اس روز اسسٹنٹ کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ جیل بھی تشریف لائے تھے وہ مجھے پہلے سے جانتے تھے۔ کیونکہ وہ میرپور جیل کے سپرنٹنڈنٹ رہ چکے تھے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم محض کشمیر جہاد میں اپنی خدمات پیش کرنے کراچی سے مظفرآباد آئے تھے۔ اور آزاد کشمیر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ وہ بڑے علم دوست کے ساتھ دل کے بھی بڑے نرم تھے۔ انہوں نے داروغہ جیل کو کہا کہ مجھے قید تنہائی میں کیوں رکھا گیا۔ اس کمرہ میں تو صاف کمبل بھی نہیں ہیں۔ حکومت کے

مطابق میں سی کلاس کا قیدی تھا۔ کیونکہ حکومت نے مجھے نظر بندی میں کوئی کلاس نہ دی تھی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے مجھے دودھ انڈے بھی دینے کا حکم دیا۔ اور ہفتے میں دو تین دفعہ گوشت بھی دینے کا حکم دیا۔ میری خوراک باقی قیدیوں سے بہتر تھی۔ مجھے ایک قیدی بھی دیا گیا۔ میرے کھانا پکانے پانی لانے، کپڑے صاف کرنے وغیرہ کام پر مامور کر دیا گیا۔

ایک قیدی غالباً اس کا نام ثناء اللہ تھا۔ وہ قائد اعظم کے کچن میں ملازم رہ چکا تھا۔ بڑی دلچسپ کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے وہ گھر آیا۔ اس کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا یا بقول قیدی الزام لگایا گیا تھا۔ اس میں لمبی سزا کاٹ رہا تھا۔ اس طرح میری قید کا پہلا مرحلہ گزرا اور مظفر آباد میں جب یہ شور مچا کہ راقم (عبدالخالق انصاری پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ غالباً یہ باتیں سن کر راجہ حیدر مرحوم اور ان کے ہمراہی راجہ محمد اکرم خان مجھے ملنے کے لئے جیل میں آئے۔ راجہ حیدر خان مرحوم مظفر آباد کا بڑا بہادر لیڈر تھا۔ وہ سردار محمد ابراہیم مرحوم کے مسلم کانفرنس کا ایک سنجیدہ، مخلص اور ایثار پیشہ رہنما تھا۔ وزارت امورِ کشمیر کی مداخلت کی وجہ سے بیزار ہو کر انہوں نے آزاد کشمیر میں متوازی حکومت بنانے کا اعلان کر رکھا تھا، وہ متوازی حکومت کے صدر تھے۔

راجہ محمد اکرم خان مرحوم مشہور قانون دان ہیں وہ فلسفی ادیب صحافی مصنف ہیں۔ قانون کے میدان میں بھی انہوں نے نمایاں ترقی کی۔ اور وہ ہائی کورٹ کے سینئر جج کی حیثیت سے اس عہدہ جلیلہ سے ریٹائیر ہوئے۔ میری قید کے زمانہ میں وہ مظفر آباد میں وکالت کرتے تھے۔ ہم لاء کالج اکٹھے پڑھتے رہے ہیں۔ لاء کالج ہوسٹل میں رہتے تھے وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ مجسٹریٹ درجہ دوم سے فارغ ہو کر وکالت کرنے کی نیت سے لاء کالج میں داخل ہوئے۔ البتہ ایک سال مجھ سے جونیئر تھے۔ ہمارے آپس میں برادرانہ تعلقات تھے۔ ہم بھائیوں کی طرح رہتے رہے وہ میرے مخلص ترین دوستوں میں سے تھے، ان رہنماؤں سے مل کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ کئی ماہ کے بعد وہ پہلی دفعہ ملنے آئے تھے۔ اس سے قبل بہت سے لوگوں نے کوششیں کیں لیکن حکومت نے کسی کو ملنے کی اجازت نہ دی تھی۔ میں کئی ماہ سے دنیا سے کٹا ہوا تھا۔

غالباً وہ ہائی کورٹ سے اجازت لے کر آئے تھے۔ اسی ملاقات میں مجھے راجہ حیدر خان مرحوم نے ہزاروں روپیوں کی دتھی دے کر کہا کہ یہ آپ جیل کے ایام میں اپنے استعمال میں لائیں، میں نے بڑے ادب واحترام سے انکار کرتے ہوئے انہیں واپس کر دی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان پر بوجھ بنوں۔ راجہ محمد اکرم خان صاحب مرحوم نے کہا ان کو بتائیں کہ مجھے ضرورت بھی پڑے گی میں خود ان سے منگوا لوں گا۔ اس وقت حکومت کو آزمانے دیا جائے ابھی زندگی میں کئی بار آنا ہوگا۔ اور یقین ہو جائے گا کہ نہ ہمارے لوگ جنس بے جا کی درخواست کرتے ہیں اور نہ کلاس کا مطالبہ کرتے ہیں اور

انہیں کہا کہ اگر حبس بے جا کی درخواست دائر کر دی ہے وہ واپس کر لی جائے۔ میں اس کی پیروی نہیں کروں گا۔ وہ دونوں ساتھی خوش ہو کر واپس چلے گئے۔ داروغہ جیل یا جیل کے کسی ملازم کو ہمارے پاس آ کر ہماری باتیں سننے کی جرأت نہ تھی۔ قید تنہائی کا یہ سارا عرصہ پورے اطمینان سے گزرا اور قرآن پاک پڑھنے کی اجازت داروغہ جیل نے بطور احسان دے دی تھی۔ میں موقعہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن حکیم حفظ کرنا شروع کر دیا۔ اللہ پاک کا ہزار ہزار شکر گزار ہوں کہ ایک تہائی کے قریب قرآن پاک میں نے جیل میں حفظ کیا تھا۔

ڈاکٹر انصاری مرحوم مجھے قرآن پاک لا کر دیتے تھے۔ اس کے مترجم اور مفسر جناب پرویز مرحوم تھے۔ اس کو بھی مطالعہ کرتا رہا۔ بعد میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مجھے لکھنے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن میں قرآن پاک کو حفظ کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آج بھی کوئی مجھ سے پوچھے کہ جیل نے مجھے کیا دیا؟۔ تو اس کو یہی جواب دوں گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق دی جو میری مصروف زندگی میں یہ سعادت کبھی حاصل نہ ہوئی۔ اسی دوران مجھے ایک نوجوان ملا جسے شاید میں نے دیکھا ہوا تھا۔ لیکن میں پہچان نہیں سکتا تھا۔ داروغہ جیل اسے ساتھ لایا تھا اور ان سے ملاقات کرائی وہ ہمارے عوامی کانفرنس اور بعد محاذ رائے شماری کے اہم ترین رکن کا بیٹا تھا۔ جمعہ بھٹی مرحوم ہمارے محاذ رائے شماری کا قیمتی سرمایہ تھا۔ ان کا یہ بیٹا تھا۔ جو باہر دفتر میں آیا لیکن اس کو اجازت نہ ملی تھی۔ اتفاق سے جیل کے باہر کھڑا تھا اور داروغہ جیل سے ملا وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ یہ میری پہلی ان سے ملاقات تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر رو پڑے میں نے انہیں تسلی دے کر واپس بھیج دیا۔ بعد میں ایک دن حیران رہ گیا کہ صوفی محمد زمان مرحوم صاحب کیسے جیل میں پہنچ گئے۔

وہ چوہدری شاہ باز خان صاحب کے ساتھ انجمن تاجراں آزاد کشمیر کی میٹنگ میں شمولیت کی خاطر مظفرآباد آئے چوہدری شاہ باز خان مرحوم مشہور تاجر تھے۔ لیکن وہ صوفی محمد زمان صاحب مرحوم کا انجمن تاجراں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ وہ صرف میرے ساتھ ملاقات کے لئے آئے یہ عظیم عوام دوست شخص بعد میں محاذ رائے شماری کا صدر بھی بنا۔ مرحوم صوفی محمد زمان بے باک نڈر اور ایک بہادر سپوت تھا۔ ان کی عوامی خدمات اہل میرپور صدیوں تک نہ بھلا سکیں گے۔

یہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ صوفی محمد زمان صاحب مرحوم ابھی تک عوامی کانفرنس شامل میں نہ ہوئے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدالجبار بٹ ہمارے اولین ساتھیوں میں سے تھے۔ عبدالجبار بٹ انگلینڈ میں محاذ رائے شماری کے کئی سال مسلسل صدر رہے۔ اور جب انگلینڈ میں محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کیا گیا تو بھی عبدالجبار بٹ ہی تھے جنہیں پھر صدر منتخب کر لیا۔ اور زندگی کی جدوجہد اہل وطن کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ چوہدری شاہ باز خان مرحوم عوامی کانفرنس کے متحرک رہنماؤں میں سے تھے۔ دونوں کو علم تھا کہ میرے ساتھ ملاقات مشکل امر ہے۔ چوہدری شاہ باز خان نے بڑی سادگی سے داروغہ جیل کو کہا کہ وہ انجمن تاجران کے ممبر ہیں۔ ان سے میرے ساتھ ملنے کی اجازت مانگی۔

داروغہ جیل انہیں ساتھ لے کر میرے پاس آئے۔ ہماری تحریک کے بارے میں کافی دیر بحث ہوتی رہی اور بہت سی معلومات بھی ان سے ملی تھیں۔

انہوں نے داروغہ جیل کے سامنے ایک بھاری رقم نکالی مجھے دینے لگے جب میں نے انکار کیا تو انہوں نے خود کہا کہ جیل سے باہر آ کر آپ سے یہ رقم واپس لے لیں گے۔ یہ قرضِ حسنہ ہے۔ جیل کی ضروریات کے لئے آپ کے پاس رقم ہونی چاہیے۔ شریف النفس داروغہ جیل نے ہنس کر کہا کہ آپ نہیں لیتے تو میں لے لوں۔

بہرحال میں نے رقم لے لی اور رہائی کے بعد میں نے یہ رقم انہیں واپس کر دی۔ صوفی محمد زمان مرحوم مجھ سے جیل کی سختیاں اور صعوبتوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ صوفی محمد زمان مرحوم اور ان کے بھائی عبدالجبار بٹ ہماری تنظیم کے گوہرِ نایاب تھے۔ جس کمرے میں مجھے بند رکھا گیا تھا۔ وہ بعد میں بڑا کام آیا۔ گنگا ہائی جیکنگ کیس میں مسٹر جسٹس یعقوب علی خان چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان نے میری شہادت کے درست ہونے کی تصدیق کے لئے لاہور سے مظفر آباد تک سفر کیا تھا۔ تفصیلات آگے آئیں گی۔

میری نظر بندی کا حکم چھ ماہ کے لئے تھا۔ قیدی بھائی دعائیں کرتے تھے کہ یہ مدت بڑھ جائے وہ میرے دورِ اسیری میں ہر قسم کے تشدد سے بچے ہوئے تھے۔ ابھی چھ ماہ کی مدت ختم ہونے میں کچھ مدت باقی تھی کہ جیل سپرنٹنڈنٹ کو نیا حکم ملا جس میں میری اسیری کی مدت کو مزید چھ ماہ کے لئے بڑھا دیا گیا تھا۔ میں اس کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ میں نے اپنی مدت اسیری کو بڑھانے کے لئے اللہ سے دعا نہ کی تھی۔

لیکن دل میں خیال آتا تھا۔ کہ حاکموں کے دل میں یہ بات ڈال دے۔ کیونکہ اس وقت میں قرآن پاک یاد کرنے میں مصروف تھا۔ اور بڑی تیزی سے سورتیں یاد ہو رہی تھیں۔ البتہ مدت بڑھانے کے بعد ابھی کچھ ہفتے باقی تھے کہ سال 1956ء اچانک ایک حکم ملا کہ مجھے یعنی نظر بند کو رہا کر دیا جائے۔ داروغہ جیل بہت خوش ہوا آ کر مجھے یہ پیغام دیا۔ جب مجھے جیل لایا گیا تھا تو مجھ سے پہلے چوہدری اکبر نقی سیاسی قیدی کالے قوانین کے تحت مظفر آباد جیل میں قید تھے۔ چوہدری اکبر نقی چوہدری نور حسین صاحب کے دست راست تھے۔ سیاسی فہم و بصیرت کے مالک تھے۔ مظفر آباد جیل میں پہنچ کر مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا۔ ہمارے بہادر ساتھی اور مشہور سماجی شخصیت صوفی محمد یعقوب مرحوم ڈھانگری کو محمد مقبول احمد خاور کے ساتھ پلندری جیل میں بھیج دیا گیا ہے۔

چوہدری اکبر نقی مرحوم اور دوسرے دونوں رہنماؤں سے میری جیل میں ملاقات نہ ہو سکی۔ میں تنہا سیاسی قیدی رہ گیا تھا کرنل شیر احمد خان اور حکومت اور چوہدری نور حسین صاحب کی آپس میں ٹھنی رہی وہ اکٹھے مل کر حکومت نہ چلا سکتے۔ میری رہائی کے حکم کے ساتھ مجھے جب رہا کیا گیا میں مظفر آباد دوستوں سے بھی نہ مل سکا۔ رہائی کے وقت میرے پاس کرایہ

تک نہ تھا۔ میں اس وقت سیدھا اپنے ساتھی دوست اور ملک کی نامور شخصیت راجہ محمد اکرم خان مرحوم کے پاس چلا گیا۔ وہ غالباً عدالت میں ملے تھے۔ میں نے ان سے کرائے کے لئے رقم مانگی جو انہوں نے خوشدلی سے مجھے دے دی۔ اور کہا کہ میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے میں نے ان سے عرض کی تھی کہ میرپور جا کر ڈاک خانہ کے ذریعہ آپ کو یہ رقم واپس بھیج دوں گا۔ وہ بہت غمزدہ ہوئے لیکن میں انہیں راضی کر کے میرپور آ گیا۔

انہوں نے احتجاج بھی کیا تھا کہ حکومت اپنے فرائض کو بھولی ہوئی ہے۔ حکومت کا فرض تھا کہ قیدی کو اس کے گھر جا کر چھوڑے۔ میں سب سے پہلے مشین محلّہ نمبر۳ جہلم پہنچا تو مجھ سے پہلے میری رہائی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ میرے منع کرنے کے باوجود جلوس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ میری رہائی کی خبر میرپور شہر اور گردونواح میں پہنچ چکی تھی جب ہم سنگھوٹ کے قریب پہنچے تو انسانوں کا جم غفیر تھا۔

دوستوں، کارکنوں نے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار پکڑ رکھے تھے۔ میں اس وقت اور زیادہ شرمندی ہوا کہ وہاں مجلس احرارِ اسلام کے بزرگ لیڈر جنہوں نے اپنی زندگی قید و بند میں گزاری تھی یہ مولانا عبدالرحیم جوہر رحمہ اللہ تھے۔ جو میرے ساتھیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ بطل حریت کے امیر مجلس محمد دین باغی افرنگ بھی موجود تھے۔

مسلم کانفرنس کے سوا تمام سیاسی جماعتوں کے رہنما بھی موجود تھے۔ مجھے جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ تک نعروں اور گل پاشی اور جھنڈیوں کے ساتھ پہنچایا گیا سارا بازار اور پنڈال دروازوں اور جھنڈیوں کے ساتھ راتوں رات ہی سجا دیا گیا تھا۔ تقاریر میں وزارت امورِ کشمیر حکومت آزاد کشمیر اور ضلعی حکومت کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بڑی تعداد میں پولیس موجود تھی اور سمجھا یہ جا رہا تھا کہ ہم آج گھروں تک نہ پہنچ سکیں گے ہم نے جلسہ پرامن کیا سب راہنماؤں جن میں احراری راہنما بھی شامل تھے، سخت تقاریر کیں۔

فوجی حکمران کرنل شیر احمد خان کے پاس رپورٹ پہنچی اور وزارت امورِ کشمیر کے جوائنٹ سیکرٹری نیازی کو رپورٹ ملی۔ سب نے مل کر ہماری تحریک کو کچلنے کا پروگرام بنایا۔ ہمارے خلاف کالے قوانین کے تحت نظر بندی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم نے بلدیاتی الیکشن دھاندلی، جھرلو اور ٹھپے کے خلاف باقاعدہ جیل بھرو تحریک شروع کر رکھی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میرپور نے کچھ ذاتی عناد اور کچھ حکومت کے اشارے پر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری لاگو کر دی تھی۔ اور ہر قسم کے اجتماع اور نعرے بازی کو خلاف قانون قرار دے دیا۔

ہمارے بہادر جاں نثار کارکنوں اور رہنماؤں نے اس قانون کو پاؤں تلے روند ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور فیصلہ یہ کیا کہ ہر روز رضا کار بازار میں نعرے لگاتے ایس پی کے دفتر کے سامنے سے گزر کر ڈپٹی کمشنر/ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے غیر نمائندہ حکومت مردہ باد ڈپٹی کمشنر مردہ باد خود مختار کشمیر زندہ باد کے نعرے لگاتے اور اس وقت تک نعرے لگاتے

رہتے جب تک پولیس آ کر گرفتار نہ کر لیتی ۔ حاجی عبداللطیف انصاری مرحوم نعرے لگاتے ہوئے جس نشان سے گزرے تھے۔ وہ اس وقت کے لوگوں کے دلوں پر نقش ہے۔

ڈڈیال سے مولانا عبدالغنی، مولانا غلام انصاری نے گرفتاریاں پیش کیں۔ظفر اقبال ظفر وغیرہ نے فتح پور سے آ کر گرفتاری دی قربان حسین سب سے کم عمر نوجوان نے بھی گرفتاری دی۔ آڑہ دھرم ارتھ سے حاجی محمد گلزار انصاری اللہ داد مرحوم مرزا فضل الٰہی مرحوم عبدالمالک مرحوم، محمد غالب مرحوم نے گرفتاریاں پیش کیں۔ سموال شریف سے بہت ہی مشہور و معروف سیاسی رہنما عبدالعزیز گوڈری۔ بڑبن سے کامریڈ عنایت اللہ مرحوم محمد اسلم جنجوعہ مرحوم نے فاتحانہ انداز میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔

حکومت نے ایڈوائز جاری کر دی تھی اور پریس کو خبریں شائع کرنے سے منع کر دیا گیا۔ گرفتاری کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اکیلا کارکن گلے میں ہار ڈال کر چوک لوہاراں کے پاس آ کر نعرہ لگاتا تھا۔ اور خود ہی زندہ باد کہتا مردہ باد کہتا ہوا آگے بڑھتا اور سارا بازار اس کے پیچھے چلتا اور نعرے لگتے۔ ایس پی کے دفتر کے سامنے نعرے لگاتے، احتجاج کرتے، نعرے لگاتے اور گلی سڑی سرکار کو ایک دھکا اور دو کے نعرے بھی لگاتے۔

وہاں سے ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے سامنے کھڑے ہو کر نعرے لگاتے ،حکومت نے پولیس کو ہدایت دے دی کہ جن جن گاؤں سے لوگ آتے ہیں ان کے نوجوانوں کو بوڑھوں اور بچوں کو تھانے میں لے جا کر تشدد کرتے پولیس کے اس سفاکانہ تشدد کے خلاف ضلع بھر میں نفرت بڑھتی چلی گئی۔ نوجوان جوش و جذبے اور ولولے کے ساتھ خود آ کر گرفتاریاں دیتے گئے۔ چک گیہاں سے حاجی محمد سلیمان مرحوم، محمد ایوب انصاری مرحوم محمد سوداگر بھٹی اور ان کے خاندان کے لوگ رضا کارانہ طور پر نعرے لگاتے ہوئے عدالتوں کے احاطے سے گرفتاریاں دیتے۔ حکومت انہیں گرفتار کر کے جیل پہنچا دیتی تھی۔ ان قیدی رہنماؤں کو جب عدالت میں پیش ہونے کے لئے جیل سے لایا جاتا اس دن پورا میرپور شہر جیل کے دروازہ پر پہنچ جاتا ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جاتیں۔ ان کے گلوں میں ہار ڈالے جاتے، عدالتوں کا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا۔

اس کے لئے کوئی ایسی تدبیر نہ لگا سکے۔ جس سے عدالتوں سے کام جاری رہتا یہ سلسلہ اتنی دیر چلتا رہا کہ ریاستی اخباروں کو اس کے خلاف ایڈیٹوریل لکھنے پڑے۔ ریاستی جماعتوں میں جوش و خروش پیدا کیا گیا۔ اگر یہ تحریک تشدد سے نہ روکی جاتی تو آزاد کشمیر کے طول و عرض میں ایک ہنگامہ پیدا ہو جاتا۔ عدالتوں میں ملزموں کے پیش ہونے سے قبل ہی انہیں سزا دینے کا فیصلہ لکھ کر رکھا ہوتا ان کی جائیدادیں منقولہ کے قرق ہونے کا فیصلہ سنا کر انہیں حوالات جوڈیشل میں بھیج دیتے۔

میرے محترم کزن عبدالغنی انصاری کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ مولانا مرحوم کو چکی کی مشقت دی گئی جب انہیں

20 سیر گندم پیسنے کے لئے دی گئی تو انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ڈاکوؤں، چوروں، قاتلوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہیں ہوتا یہاں 20 سیر دانے پیس کر مولانا عبدالغنی مرحوم داروغہ جیل کے پاس گئے۔قیدی دیکھ رہے تھے تو انہوں نے داروغہ جیل کو آٹا دکھا کر کہا یہ موٹا تو نہیں ہے۔اور ساتھ ہی کہا کہ اور دانے دو ابھی دن باقی ہے۔اس پر داروغہ جیل بہت شرمندہ ہوا۔اور کہا کہ مولانا صاحب آج کے بعد آپ سے مشقت نہیں لی جائے گی وہ قیدیوں سے معافی مانگ رہا تھا۔

حاجی محمد سلیمان نے اخبار مانگا تو داروغہ نے کہا کہ آپ سیاسی قیدی نہیں ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ڈاکہ تو نہیں مارا ہے، چوری نہیں کی ہے۔ہم سیاسی حقوق کی جدوجہد کرنے والے لوگ ہیں۔کرنل ریٹائرڈ شیر احمد مرحوم فوجی ہے اس کو آزاد کشمیر میں حکومت کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟۔

اور بہت سی باتیں کہیں حکومت اس تحریک کو مجلس احرارِ اسلام کی کشمیر چلو تحریک سے ملاتے تھے۔ملازمتوں کے حلقے میں حکومت کے خلاف نفرت بڑھنے لگی اس تحریک کی وجہ سے ہمارے کارکنوں، رہنماؤں کو جیل جانے کی تربیت مل گئی اور قومی شعور اجاگر کرنے اور جدوجہد کرنے کی ہمت کو اور جلا ملی۔مسلم کانفرنسی حکومتوں نے اس تحریک سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کسر نہ چھوڑی۔وفاداری کا پٹہ ڈالنے کے لئے حکومت کے پاس مخبریاں ان کا وطیرہ بن گیا تھا۔حکمران جانتے تھے کہ ہم خود مختار کشمیر کے حامی ہیں۔اور الحاقِ پاکستان کو غلامی کا پٹہ سمجھتے تھے۔

بلکہ ہمارا یہ بھی ماننا تھا کہ الحاق کا فیصلہ اپنی عزتوں کا سودا کرنے کے مترادف ہے۔پاکستان حملہ آور ہے۔اور ہندوستانی سامراج ایک جارح ملک ہے اس کو بھی جموں وکشمیر میں فوجیں رکھنے کا قطعاً حق نہیں ہے۔لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہماری اس تحریک کو پنڈت پریم ناتھ بزاز کے علاوہ ہماری تحریک کے حق میں کسی نے کوئی آواز نہ اٹھائی ہم پاکستان اور آزاد کشمیر میں تعداد کم تھے۔حکومت یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ ہم پاکستان کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔

ہمارے درجنوں ساتھی اس راہ میں قید ہوئے تھے۔بدقسمتی یہ ہے کہ اس کی کوئی فہرست میرے پاس موجود نہیں ہے حقیقتاً بہت نام رہ گئے ہیں۔ان میں اگر کوئی آج بھی زندہ ہے تو میں ان سے معافی کا طلب گار ہوں اگر وفات پا گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو سکون عطا فرمائے، آمین۔آڑہ دھرم ارتھا وناع موہڑہ کینال ڈڈیال پوٹھہ شیرہ حویلی مونڈہ بڑبن فتح پور، پنڈ چک سواری جہلم کے لوگوں کی آزادی کے لئے قربانی بے مثال تھی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو جزائے خیر دے میرپور شہر کے نو آباد اور پرانے لوگ جو ہماری تحریک کا حصہ تھے انہوں نے بے حد مصائب جھیلے۔

کامریڈ محمد مقبول احمد خاور کو تھانہ میں بلا کر تھانے دار نے اس قدر تشدد کیا کہ منہ پر زوردار تھپڑ مارتا تھا۔اور انہیں کہتا کہ وہ ایک بار اپنی زبان سے کہہ دے کہ وہ تقریر نہیں کرے گا تو وہ چھوڑ دیں گے۔اور پھر منتیں اور خوشامدیں بھی کیں۔

صرف میرے سامنے ایک دفعہ ہاں کر دے۔لیکن مقبول احمد خاور نے کہا زبان اللہ کی دی ہوئی ہے۔جب تک سلامت ہے حق اور سچ سے باز نہیں آ سکتی۔تم اس زبان کو کاٹ تو سکتے ہو۔لیکن اپنے حاکموں کی تعریف اگلوا نہیں سکتے۔تھانے دار نے عاجز ہو کر چھوڑ دیا۔اس تشدد کی وجہ سے ان کی بصارت بہت متاثر ہوئی تھی۔

عظیم مجاہد صوفی محمد یعقوب خان کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شیخ محمد صادق انسپکٹر پولیس جو ڈوگرہ زمانہ کے مشہور بدنام زمانہ اور ظلم کرنے والے تھے۔انہوں نے تسلیم کیا کہ انہوں نے بڑے بڑے ڈاکوؤں، قاتلوں اور رہزنوں کو بھی منوا لیا تھا۔لیکن وہ تمام ظلم اور تمام حربے جو ڈاکوؤں پر استعمال کئے گئے تھے۔کر کے دیکھ لئے صوفی محمد یعقوب کا ایک ایک بال نوچ کر دیکھ لیا لیکن یہ شخص ہمارے ظلم سے خوف زدہ نہیں ہوا۔یہ لوگ گارے اور مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہیں ان کے جسم فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ان کے ارادے چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔

پورے میر پور شہر میں مقبول احمد پر جو تشدد کیا گیا اس وقت کے نوجوان میرے ساتھی میرے بھائی محمد بشیر تبسم نے تھانہ کے پاس گاڑی کھڑی کر کے۔لاؤڈ سپیکر پر وہ لعن طعن کی کہ پولیس کمروں کے اندر بند ہو گئی۔سارا شہر سراپا احتجاج کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ایک وقت پھر ایسا آیا کہ پولیس ہمارے کسی ساتھی کارکن پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کانپتی تھی۔تھانے کے انچارج مسلم کانفرنسی بنے ہوئے تھے۔تحصیل جاؤ تو تحصیلدار مسلم کانفرنس کا نمائندہ بن کر بیٹھا ہوا تھا۔

تھانہ علاقہ مجسٹریٹ کے پاس جاؤ تو مسلم کانفرنس کا ملازم پہلے ہوتا عہدے دار بعد میں ہوتا۔ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، وزارت امور کشمیر کے ہاتھوں کھلونا بنا ہوا ہوتا۔حکومت ایک جس کو بنانے والے وزارت امورِ کشمیر کا ایک جوائنٹ سیکرٹری کی سطح کا ہوتا تھا۔ان حالات میں حکومت مخالف گروہوں کا مقابلہ پرامن طور پر جلسوں اور جلوسوں اور مظاہرے کے ذریعے کرتے رہے۔ہم نے جہاں بھی جلسہ کیا وہاں ہمارے خلاف تھانہ میں کیس رجسٹر ہو جاتا۔علی بیگ ہو یا افضل پور منگلا چوکی یا میر پور کا تھانہ، ڈڈیال کا تھانہ ہو یا کوٹلی کا تھانہ غرض کہ میر پور سے لے کر پونچھ، مظفر آباد اور گلگت و بلتستان تک کوئی تھانہ کوئی چوکی ایسی نہ رہ گئی تھی جس میں ہم اور ہمارے دوسرے ساتھی قید و بند نہ ہوئے ہوں میں یہاں ایک مقدمہ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

ضلعی افسروں نے اپنے ماتحت تھانے داروں کو حکم دے رکھا تھا کہ کیس رجسٹرڈ کر دیا کریں لیکن ان کو گرفتار اس وقت کریں جب SP یا DC حکم دیں۔جب بھی ہائی کورٹ کا سیشن میر پور میں ہوتا تو ہماری تاریخ مقدمہ بھی ہوتی تھی۔اور ماتحت عدالتوں میں ہمیں معمول کے مطابق جلوس اور نعروں کے ساتھ لے جایا جاتا تھا۔لوگ جیل کے دروازہ کے پاس پہنچ جاتے اور ہمارے پیچھے پیچھے نعرے لگاتے ہوئے عدالت کی طرف چل پڑتے۔اس جوش و خروش کی وجہ سے عدالت العالیہ کا کام بھی متاثر ہوتا اور جلد ہی جج صاحبان ضلعی افیسروں کے خلاف ہونے شروع ہو گئے۔ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ SP

کو بلا کر انہوں نے وارننگ دی کہ اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو عدالت ضلعی افسروں کے خلاف توہین عدالت کا از خود کیس کرے گی۔

یہ لوگ گھبرا گئے، تھانہ ڈڈیال میں ہمارے خلاف مقدمہ رجسٹرڈ تھا۔ہم نے فیصلہ کیا کہ از خود تھانہ جا کر گرفتاری پیش کریں۔جس روز ہم نے ڈڈیال جانا تھا۔اس روز مقبول خاور کی دادی مرحومہ فوت ہو گئیں۔انہوں نے اپنی ماں کا منہ دیکھا آنسو بہائے اور ڈڈیال کی طرف چل نکلے۔ چک سواری کے قریب پہنچے تو تھانے دار ٹانگے سے اتر کر ہم سے پوچھا کہ ہم لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ تو ہم نے جواب دیا کہ ہم تھانہ ڈڈیال میں آپ کے پاس اپنی گرفتاری دینے جا رہے ہیں۔انہوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ ان کے خلاف کوئی کیس نہیں ہے۔ہم نے اس کی بات کو سنی اَن سنی کر دی۔تھانہ پہنچ کر دیکھا کہ وہاں تھانے میں کوئی اے ایس آئی اور حوالدار تک موجود نہ تھا صرف ایک سپاہی کھڑا تھا جو پہرا دے رہا تھا۔ہم نے اس کو بتایا کہ ہم گرفتاری دینے آئے ہیں۔

وہ بھاگا بھاگا ہیڈ کانسٹیبل کے پاس پہنچا وہ بازار میں کسی دوکان کے پچھواڑے کے کمرہ میں سو رہا تھا۔جب اس نے سنا تو وہ دوکان چھوڑ کر بھاگ گیا۔اسی دکان پر نام یاد نہیں پورا بازار ڈڈیال انسانوں سے بھر گیا تھا۔اور ہمارے نعروں کا جواب دے رہا تھا۔لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے کہ پولیس جو اپنی حوالاتوں سے لوگوں کو ڈراتی ہے۔آج اس کا یہ حال ہے۔ تھانہ چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ ہیڈ کانسٹیبل تھانہ آیا اس نے گرفتار کرنے سے انکار کر دیا ہم نے تحریری درخواست دی اور گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ بالآخر مجبور ہو کر اس نے ہمیں حوالات میں بند کر دیا۔حوالات کو مقفل کیا۔لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے۔حوالات کے اندر داخل ہوتے ہی نماز کا وقت آیا، ہم میں سے کسی نے اذان دی اور نماز باجماعت ادا کی۔

اتنا یاد ہے کہ مرحوم صوفی محمد زمان صاحب نے کمرہ کے اندر بازیاں لگانی شروع کر دیں (جس طرح نٹ بازیاں لگاتے ہیں، لوگ قہقہے لگاتے تھے اور ناچ رہے تھے اس وقت مجھے منظور حسین شاہ صاحب مرحوم یاد آ رہے ہیں وہ گوشت فروخت کا کام کرتے تھے۔ وہ ہمارے لئے گوشت پکوا کر گھر سے لائے اور صبح کا ناشتہ انڈوں، پراٹھوں اور گوشت سے کرایا۔ اس نے دو چار فقروں میں کہا کہ سچائی کو بندوقیں اور گولیاں نہیں ڈرا سکتیں۔ یہ لوگ شہدائے کربلا کے پیروکار ہیں۔ میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔

پولیس نے ہمیں ہتھکڑیاں لگا کر میرپور کی طرف بھیج دیا۔لوگ ڈڈیال کی حدود تک نعرے لگاتے ہوئے الوداع کر کے واپس چلے گئے۔ پنڈی ڈھکی میرپور کے قریب پہنچ کر ہمارے نعروں کی آواز سن کر سارا شہر ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھا اس طرح ہمیں نعروں کی گونج میں عدالت میں پیش کر دیا عدالت العالیہ کا بنچ اس روز بھی میرپور آیا ہوا تھا۔ اور مقدمات کی سماعت کر رہا تھا۔ ضلعی آفیسروں نے پورے تھانے کے عملہ کو معطل کر دیا۔اور لائن حاضر کر دیا۔اور اے ڈی

ایم میر پور نے عدالت میں پہنچنے سے قبل کارروائی کر کے ہمیں حوالات جوڈیشل بھیج دیا گیا۔اس کا بھی نوٹس عدالت العالیہ نے لیا۔اور ضلعی انتظامیہ کو سرزنش کی۔اس طرح ضلعی انتظامیہ کا غرور مٹی میں غروب ہو گیا۔

وہ ہماری منتیں کرتے کہ ہم اپنی ضمانتیں کروالیں ہم نے ضمانت پر رہا نہ ہونے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔اس مرحلہ پر اختصار سے عرض کرتا چلوں۔چند اہم باتیں ضروری ہیں۔ہر مقدمہ میں تقریباً ایک گواہ استغاثہ پبلک کا نمائندہ ہوتا تھا۔بلکہ ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی اپنی اپنی پارٹیوں کے مرکزی رہنما تھے۔وہ ضلعی انتظامیہ کے منظورِ نظر تھے۔ایک مقدمے میں لبریشن لیگ کے پی کے شائق (پنوں خان) شائق تھے، پیش ہوئے تو کورٹ انسپکٹر نے ان سے بیان دینے کو کہا۔وہ عدالت میں پیش ہونے سے پہلے روز مجھے ملنے آئے تھے۔کہنے لگے کہ وہ شہادت دینے آئے ہیں۔تو میں نے کہا کہ بڑے شوق سے شہادت دیجئے۔عدالت میں پیش ہوئے تو عدالت میں جو الزامات کا مرید محمد مقبول خاور کے خلاف لگائے گئے تھے انہوں نے ان الزامات کو غالباً صوفی صاحب کے ذمہ لگا دیا۔کورٹ انسپکٹر کو پتہ ہی نہ چلا کہ کس ملزم کے خلاف کیا الزامات ہیں؟۔

اس لئے نہ تو انہیں ورغلیدہ قرار دلوایا اور نہ ہی اس پر جرح کی،اس کا بیان ختم ہوا تو میں نے بھی اس پر کوئی جرح نہ کی۔کورٹ انسپکٹر نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ کوئی سوال نہیں پوچھ رہے۔ملک محمد اسلم صاحب اس وقت ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے وہ زیرلب مسکرائے ہمارے خلاف کوئی گواہ پیش نہ ہوا تھا ایک اور مقدمہ میں چوہدری عبدالعزیز رٹوی مرحوم پیش ہوئے۔کورٹ انسپکٹر نے ان کو بطور گواہ استغاثہ پیش کیا۔چوہدری عبدالعزیز رٹوی بڑے منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔انہوں نے کورٹ انسپکٹر کے پہلے ہی سوال کا یہ جواب دیا کہ وہ کوئی ڈائری نویس نہ تھے کہ انہوں نے تقریر ریکارڈ کی ہو، کورٹ انسپکٹر نے ورغلیدہ قرار دے کر جرح کی۔انہوں نے براہِ راست قابل اعتراض جملہ کی نسبت پوچھا کہ یہ فلاں ملزم نے بات کی تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی لفظ بھی قابل اعتراض استعمال نہیں کیا گیا۔

☆ چوہدری عبدالعزیز کچھ عرصہ چوہدری نور حسین کے ساتھ سیاسی میدان میں جدوجہد کرتے رہے پھر وہ مسلم کانفرنس میں شامل ہو کر سیاسی جدوجہد کرتے رہے۔چوہدری نور حسین صاحب کو اپنے اس ساتھی کے چھوٹ جانے کا کوئی افسوس نہیں ہوا۔اور تیسرا گواہ مسلم کانفرنس کے سرگرم رکن محمد عالم زرگر تھے۔ان کے دونوں بھتیجے مشتاق حسین زرگر اور پہلوان محمد شفیع تھے یہ دونوں ہماری جماعت عوامی کانفرنس کے مضبوط ستون تھے۔محمد عالم زرگر کو بیان سے قبل روزانہ کورٹ انسپکٹر کے دفتر میں بلایا جاتا اور اسے بیان پڑھا جاتا تھا۔اس گواہ کو جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے میری حمایت میں نکالے جانے والے جلوس کی داستان سنائی وہ بازار سے جلوس کے پنڈال تک آنے کی باتیں لکھواتا رہا۔تقریباً

آدھ گھنٹہ تک عدالت بیان لکھتی رہی۔

جب کورٹ انسپکٹر نے یہ سوال پوچھا کہ وہ جلسہ کی کارروائی کے بارے میں کیا جانتا ہے؟ اس نے بتایا کہ سارا بازار امڈ کر جلسہ گاہ میں پہنچ آیا تھا۔ اور زندہ باد کے نعروں سے پنڈال گونج رہا تھا۔ انہوں نے مولانا عبدالرحیم جوہر کی نظم سنی اور اس کے بعد واپس چلا گیا۔ وہ جوہر جہلمی کا بڑا معتقد تھا۔ اس لئے میں جلوس میں شامل ہو کر جلسہ گاہ تک پہنچا۔ کورٹ انسپکٹر نے بڑی کوشش کی کہ کوئی بات ان سے کہلوا سکے۔

حالانکہ ہمیں خدشہ تھا کہ وہ غازی الٰہی بخش مرحوم بھی گواہ کی موجودگی میں کورٹ انسپکٹر کے کمرہ میں جایا کرتے تھے۔ ان دنوں اللہ مغفرت کرے غازی الٰہی بخش مرحوم سے ہمارے سیاسی تعلقات بہت خراب تھے۔ لیکن سیاسی لوگوں کو یہ احساس ضرور تھا۔ اور یہ روایت تھی کہ وہ اپنے سیاسی رہنماؤں کے خلاف یا مخالف رہنماؤں کے خلاف پولیس گواہ کے طور پر کبھی نہ پیش ہوتے تھے اور نہ بیان دیتے تھے ہمارے خلاف درجن بھر مقدموں میں پولیس کے سرکاری گواہوں یا ایجنٹوں تک نے کبھی استغاثہ کی طرف گواہ نامزد ہونے کے باوجود شہادت نہیں دی۔ البتہ استغاثہ اس امید پر مقدموں کو چلاتا رہتا تھا کہ ملزمان خود پولیس کے الزامات کی تائید کریں۔

استفسارات کے مرحلہ پر ملک محمد اسلم خان جو سپریم کورٹ کے جج رہ کر ریٹائر ہوئے تھے تو انہوں نے بھی کوئی سوالات نہ پوچھے۔ اس طرح ہم عدالتوں سے بری ہوتے رہے۔ اسسٹنٹ کمشنر علاقہ مجسٹریٹ میں ایک مقدمہ کے دوران ہمارے ساتھیوں سے پوچھا کہ ان کا پیشہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ غیر آئینی، غیر اخلاقی اور غیر جمہوری حکومت کے خلاف نفرت پھیلانا۔ مجھے بار بار کہا کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو یہ نہیں بتایا کہ ان کا عدالت میں استفسار قلمبند ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا گھر کہاں ہے؟ تو ملزم نے جواب دیا تھا کہ گھر تو ہے مگر سود خوروں نے قرقی کروالیا ہے۔ اب جہاں جگہ ملتی ہے دن رات گزار لیتے ہیں۔ عدالت بہت پریشان ہوئی بالآخر شہادتوں کے بعد اس میں بھی بری ہو گئے۔

ایک اور مقدمہ بڑا دلچسپ تھا۔ ڈپٹی کمشنر/ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے خلاف تقریر کرنے کا شاخسانہ تھا۔ آغا عاشق حسین مرحوم نے ڈپٹی کمشنر کو مشورہ دیا کہ وہ اس مقدمہ کی خود سماعت نہ کریں، کسی اور مجسٹریٹ کے پاس بھیج دیں یہ سیاسی کارکن آپ کے منہ پر بھی وہ الفاظ دہرائیں گے۔ جو انہوں نے پبلک جلسے میں کہے ہیں۔ جناب آغا عاشق مرحوم بعد میں منگلا ڈیم/کمشنر مال ریٹائر ہوئے تھے۔ وہ بڑے قانون دان اور ایک ایثار پیشہ سیاسی رہنما بھی تھے۔

ڈپٹی کمشنر نے ان کا مشورہ نہ مانا جب سماعت شروع ہوئی تو مقبول احمد خاور نے ڈپٹی کمشنر صاحب کو مخاطب ہو کر کہا آپ کا یہ رپورٹر ایک لفظ نہیں لکھ سکتا اس کو کاغذ پنسل دیں۔ میں تقریر کرتا ہوں وہ لکھ کر دکھائے ساری عدالت وکلاء

وملازموں اور سیاسی کارکنوں سے بھری ہوئی تھی۔عدالت نے ڈائری نویس کو قلم اور کاغذ دیا اور تقریر لکھنے کو کہا۔مقبول احمد خاور نے فی البدیہہ تقریر شروع کردی وہ منہ دیکھتا رہ گیا۔ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ وہ مضمون دیتا ہے اس پر تقریر کرو۔مقبول احمد خاور نے تقریر شروع کردی اور ڈپٹی کمشنر پر تابڑتوڑ حملے کئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تقریر بند کروائی لوگ ہنس رہے تھے۔اور اس نے ڈائری نویس کو کہا دکھاؤ کیا لکھا ہے؟ تو اس کاغذ پر ایک لفظ بھی لکھا ہوا نہیں تھا۔اس پر ڈپٹی کمشنر نے اس سرکاری اہلکار کو کہا کس احمق نے تجھے اے ایس آئی بنایا تو وہ بولا جناب کی سفارش سے بنایا گیا ہوں۔عدالت میں بیٹھے لوگ اپنی ہنسی نہ روک سکے۔اور ڈپٹی کمشنر غصے کی حالت میں اپنے چیمبر میں چلا گیا لوگ باہر آ گئے۔ان مقدمات کی مثلہ جات عدالت ڈسٹرکٹ عدالت اے ڈی ایم عدالت اسسٹنٹ مجسٹریٹ علاقے کے محافظ خانے میں موجود ہیں۔حکومت ہمارے کسی بھی کارکن کو سزا نہ دے سکی۔البتہ کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم کو ڈپٹی کمشنر نے سزا دے دی۔ جسے سیشن جج نے اپیل منظور کرتے ہوئے سزا کا فیصلہ مسترد کر دیا تھا۔ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے۔اب الفاظ اور جملے ہو بہو نہیں ہو سکتے۔اس لئے اگر کوئی ریسرچ کرنا چاہے تو محافظ خانہ کے ریکارڈ کو دیکھ کر حقیقت حال سے واقف ہو سکتا ہے۔

ایک اور مقدمہ میں ڈائری نویس پر جرح کرتے ہوئے پوچھا کہ ڈاکٹر مصدق کون ہے؟۔جس کی رہائی کا مطالبہ عوامی کانفرنس میں کیا گیا۔اس نے جواب دیا کہ مظفر آباد کا کوئی آدمی ہے۔البتہ اسے یہ پتہ نہیں کہ شہر کا رہنے والا ہے یا دیہات کا ہے مجسٹریٹ صاحب اور سامعین جو عدالت میں بیٹھے ہوئے تھے بہت ہنسے۔ان دنوں ڈاکٹر مصدق کو شہنشاہ ایران کی اتحادی پارٹیاں پھانسی پر لٹکوانا چاہتی تھیں وہ بغاوت کے مقدمہ میں ایران کی جیل میں پڑے تھے۔ہم نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ حکومت پاکستان اپنے سیاسی اثر ورسوخ کے ذریعہ ڈاکٹر مصدق مرحوم کی رہائی کے لئے کوشش کرے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ محبّ الوطنوں کو جھوٹے بغاوت، ملک دشمنی کے الزامات لگا کر انہیں پھانسیاں دی گئیں۔ہم نے عوامی کانفرنس کو مضبوط بنانے کے لئے عوامی رابطہ مہم شروع کی۔ چک گیپیاں میں ہمارے جلسہ کو خراب کیا گیا۔ بڑبن جلسہ میں ہمارے جلسہ گاہ کے سٹیج کو توڑ دیا گیا۔سموال شریف میں ایک بوڑھے شخص کو کھڑا کر کے ہمارے خلاف تقریر کرائی گئی۔ ہم ہر جگہ اپنے مخالفین کو موقع دیتے تھے وہ آ کر ہمارے خلاف جو کچھ لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں بتا دیں۔ بڑبن میں ایک نوجوان کو بلایا۔اس نے ہمارے خلاف تقریر شروع کر دی۔ ہمارے جانے سے پہلے گردونواح کے گاؤں میں مشہور کر دیا گیا تھا کہ جلسہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔جھگڑا ہو گا۔

ہم نے اپنے خلاف تقریر کے بعد ان کے الزامات کا جواب دیا۔ ہماری قراردادیں عوامی حقوق سے متعلق تھیں، سینکڑوں لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے عوامی کانفرنس زندہ باد کے نعرے لگائے۔ بڑبن کے ایک نمبردار جو لوگ اکٹھے

کر کے لائے تھے۔ انہوں نے ہی ہمیں دعوت پر بلایا اور کامیاب جلسہ کر کے واپس آئے۔ ڈڈیال شہر میں جلسہ ناکام بنانے کے لئے ایک آدمی اٹھا۔ ہم نے انہیں فوراً سٹیج پر بلالیا۔ جلسہ عام میں چوہدری اللہ دتہ مرحوم عوامی کانفرنس اور اس کے لیڈروں کے حق میں نعرے لگوائے۔ کامریڈ مقبول احمد خاور ان کے حق میں قائد اندربل چوہدری اللہ دتہ کے زندہ باد کے نعرے لگوائے۔ یہ قابل فخر دوست زندگی کی آخری سانس تک عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے ساتھ رہے۔ لوگ ان کا نام ہی بھول گئے۔ قائد اندربل ہی کے نام جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ماسٹر عطا محمد مرحوم چوہدری کرم الٰہی مرحوم جیسے لوگ عوامی کانفرنس میں شامل ہو چکے تھے۔ جنہوں نے ساری زندگی ہمارے ساتھ نظریہ آزادی کی حمایت میں گزارے۔ مظفرآباد میں ہم نے جلسہ کیا۔ تو جلسہ گاہ میں 15 سے زیادہ آدمی نہ تھے۔

ان میں اکثریت بھی ہمارے میرپور کے ساتھیوں کی تھی۔ وہاں ایک آدمی اللہ جانتا ہے کہ صحیح ہے کہ نہیں۔ مسلم کانفرنس کے مقامی رہنماؤں نے ان کو شراب پلا کر ہم پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ زبان سے موٹے موٹے لفظ نکال رہا تھا۔ اور ہماری طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کے پیچھے ایک نوجوان جو وادیٔ کشمیر کا لباس پہنے ہوا تھا۔ اسے گھسیٹ کر لے گیا۔ اور ہمیں اس نے کہا کہ تقریر جاری رکھیں۔ وہ بڑا خوبصورت نوجوان تھا۔

مجلس عاملہ مسلم کانفرنس کا ممبر تھا۔ بڑا باشعور سیاسی رہنما تھا۔ اس نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا یہ انسان بااخلاق انسان ہے اس وقت وہ مظفرآباد شہر میں صراف تھا۔ نہ وہ ہمیں جانتا تھا نہ ہم اس کو جانتے تھے۔ ہم نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ ایسا مثالی انسان اور رہنما ہماری صفوں میں شامل ہوسکتا ہے۔ بالآخر محاذ رائے شماری بننے کے بعد وہ محاذ میں شامل ہوگیا۔ اس نے پورے مظفرآباد شہر میں اس نے نظریہ خودمختاری کو اسطرح مقبول کر دیا کہ لوگ محمد یوسف زرگر کے نام سے اسے خوش آمدید کہنے لگے۔ وادی کے تقریباً 90 فیصد لوگ ہماری صفوں میں آملے

یہ محاذ رائے شماری کا عظیم سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے 2005ء میں زلزلہ سے بچایا۔ جبکہ ان کی بیوی کو اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔ زلزلہ سے متاثر ہونے کے باوجود اس عظیم شخص نے اپنی خودی کو فروخت نہ کیا۔

پچاس کے عشرہ کی بات ہے کہ مجھے سیشن جج کی طرف سے ایک نوٹس ملا کہ حکومت نے انہیں ایک تقریر کا خلاصہ بھیجا جس پر وکالت کا لائسنس منسوخ کئے جانیکی کارروائی کی جائے۔ حکومت ہمیں جیلوں میں ڈال کو قید تنہائی میں رکھ کر مقدمہ چلا کر عاجز اور بے بس ہوگئی تھی۔ انہوں نے یہ آخری حربہ بھی استعمال کیا تھا کہ میرا وکالت ذریعہ معاش چھین لیں۔ اس وقت سیشن جج سردار یار محمد خان بارایٹ لا وہ ایک سیاسی رہنما رہ چکے تھے۔

وہ مسلم کانفرنس کے جائنٹ سیکرٹری رہ چکے تھے۔ بڑے باشعور اور محبّ وطن سیاستدان تھے ان کے ساتھ میرا گہرا رابطہ تھا۔ یہاں تک کہ اگر ہمیں کوئی ایسے پمفلٹ جو قابل اعتراض سمجھے جا سکتے ہیں انہیں محفوظ رکھنے کے لئے ان کو

دے کر آتے تھے۔ وہ ملازمت میں نہ ہوتے۔ تو کشمیریوں کی بہترین رہنمائی کر سکتے تھے۔ وہ پونچھ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے علاقے سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ وہ پاکستان کی طرف دی جانے والی مہاجرین کو رعایت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ وہ پاکستان کی طرف سے وظیفہ ملنے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اس لئے انہوں نے عدلیہ میں شامل ہو کر اپنا مستقبل سنوارا۔

عدلیہ میں ان کی بہت شہرت تھی۔ البتہ سردار محمد ابراہیم خان صاحب سے ان کی نہ بن سکی تھی۔ آزاد کشمیر کے چیف جسٹس کو علم تھا یہ پرانی دشمنیاں چل رہی ہیں وہ سردار یار محمد کو کھل کر سپورٹ کرتے تھے۔ مجھے نوٹس ملا تو میں عدالت چلا گیا۔ میں نے ایک تحریری بیان شامل مثل کرنے دیا۔ مجھے اس کی تفصیل یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ میں نے کہا تھا کہ یہی تفصیل پہلی حکومت بہری تھی اور یہ حکومت اندھی بھی ہے۔ اور اندھی حکومت جموں و کشمیر کی آزادی کے لئے کیا قدم اٹھا سکتی ہے۔ ایسی حکومتوں کو ہم تو پیروں سے سیدھا کریں گے۔ میں نے یہ تسلیم کیا تھا کہ سیاق وسباق کے بغیر بے معنی لفظ اور مہمل جملے تھے۔ لیکن الزامات سے انکار نہ کیا۔ آخر میں سورۃ الحج کی آیات لکھیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہی رازق ہے وہی رزق دیتا ہے۔ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

میرا جواب پڑھ کر جناب سردار یار محمد صاحب نے کہا آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا۔ لیکن جو کچھ آپ نے کہا سچ کہا ہے اور بحث کے لئے تاریخ مقرر کر دی۔ جناب سیشن جج سردار یار محمد خان مرحوم خدا ان کی روح پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے انہوں نے لائبریری کو چھان مارا ان کا سپرنٹنڈنٹ ایک لائق آدمی تھا۔ بدر دین مرحوم کوٹلی کا رہنے والا تھا اس نے ایک جموں و کشمیر ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ نکالا وہ مقدمہ محاذ رائے شماری کے قابل فخر کشمیر مرزا محمد افضل بیگ مرحوم کے خلاف تھا۔ اس میں ایسے ہی الزامات تھے کہ وہ گورنمنٹ میں نفرت پھیلا رہے ہیں۔ بغاوت کے بیج بو رہے ہیں ملک میں فسادات بھڑکنے کے امکانات ہیں یہ مقدمہ ان پر برصغیر کی تقسیم سے قبل دائر ہوا تھا۔

ہائی کورٹ نے بڑا وزنی اور پرزور دلائل فیصلہ قلمبند کیا تھا۔ مرزا افضل بیگ پر لگائے گئے الزامات کی چارج شیٹ کو ختم کر دیا گیا۔ اس فیصلہ کی بنیاد بنا کر بری کر دیا گیا۔ سردار یار محمد خان مرحوم ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ملازمت کے دوران وفات پا گئے۔ جن کا تابوت ان کی وصیت کے مطابق میر پور شہر میں ان کے مکان کے ایک کونے میں دفنا دیا گیا۔ تاکہ ان کی اولاد مکان بیچ کر بکھر نہ جائے۔ اور میر پور میں دفن ہونا پسند کیا۔

میرا مقدمہ ختم ہوا اس مقدمہ کی روئیداد بھی سیشن جج میر پور کے محافظ خانہ سے مل سکتی ہے۔ یہ مثل سپرنٹنڈنٹ نے عدالت کی عام امثالہ جات کے ساتھ محفوظ رکھا ہوا ہے۔ تفصیلات وہاں سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ حکومت کو پرائیویٹ لوگوں نے بھی درخواستیں دیں کہ مجھے وکالت کے لئے پونچھ بھیج دیا جائے۔ ضلعی انتظامیہ کی حماقت کی یہ بدترین مثال

ہے۔ وہ وکیل کو سرکاری ملازمت سمجھتے ہیں۔ یا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ روزی رساں ہیں۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، نہ کوئی رزق دور کر سکتا ہے اور نہ کوئی موت قریب لا سکتا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ حکومت نے جسمانی ذہنی اور روحانی ہر طرح کی تکلیف پہنچائی۔ میر پور جیل کا واقعہ بھولنے کے باوجود بھلایا نہیں جا سکتا۔

ہم اس وقت تین قیدی جیل میں پڑے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ صوفی محمد یعقوب صاحب مرحوم ڈھانگری اور کامریڈ محمد مقبول احمد خاور مرحوم تھے۔ ہمارے خلاف مقدمہ جو بنایا گیا اس میں ہماری وہ تقریریں تھیں جو ہم نے پبلک جلسہ عام میں کی تھیں۔ ہم تحریک ختم نبوت کے حامیوں میں سے تھے۔ اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کے حقوق کی بات کرتے تھے۔ بادشاہ خان (خان عبدالغفار خان مرحوم کی رہائی اور سرخ پوشوں کو آزاد پاکستان میں سیاسی عمل جاری رکھنے کی تائید کرتے تھے۔ باچا خان کی مسلسل قید و بند کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ جمہوریت کے نام پر آمریت کی مذمت کرتے۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ خالی مخالفت کی بجائے ان کے ساتھ دوستی جن کے نشیمن سے ستارے بھی قریب تھے کے مخالف تھے۔ اپنی آزادی وخود مختاری کو بطور بھیک مانگنے کے حق میں نہ تھے۔

آزادی ہمارا حق ہے اور اسے چھین لینے کے لئے قوم کو تیار کرتے رہتے تھے۔ آزادی ہمارا حق تھا۔ حق ہے ہم اس حق کو لینے کے لئے بدستور جدوجہد ہر حال میں جاری رکھیں گے۔ یہ ہمارا وطن ہے اور دینی فریضہ بھی ہے لا الٰہ الا اللہ کا مقصد ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی حکومت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ نہ اس کے آگے سر جھکایا جائے۔ نہ کسی کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالا جائے۔ زمین اللہ کی ہے اس کا حکمران بھی وہی ہے۔ اور قانون بھی اسی کا تسلیم کیا جائے۔

البتہ ہم نے اپنے ارادوں کو کبھی چھپا کر نہ رکھا تھا۔ پولیس نے چالان پیش کر کے میر پور جیل میں بھیج دیا تھا۔ داروغہ جیل ایک پرانا جیلر تھا۔ ڈوگرہ زمانہ میں وہ جیلر سب سے زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ جو قیدیوں پر بے انتہا ظلم ڈھاتا تھا۔ اور ان سے وہ کام لیتا تھا جو جانوروں سے بھی نہیں لیا جا سکتا ہم نے جیل جاتے ہی اپنا وجود منوانے کی کوشش کی وہ اپنا وجود منوانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک قتل کے قیدی کو جو پونچھ کا رہنے والا تھا اسے ساتھ ملا کر اسے جیل سے رہا کرانے کا وعدہ کیا تا کہ وہ مجھ پر حملہ کر سکے۔ جب تالہ بندی ہوتی تھی اور قیدیوں کو بارکوں میں بند کیا جاتا۔ تو اس وقت بند ہونے سے انکار کر دیا، وہ عصر کے قریب بند کر دیتے تھے۔

ہم نمازِ عصر کے بعد جیل کے احاطے میں چہل قدمی کرتے تھے۔ یہ داروغہ جیل کو پسند نہ تھا۔ داروغہ جیل نے اسے کہا جب وہ ہم میں سے کوئی پھرتا پھرا تا ادھر آئے تو وہ اس پر حملہ کر دے۔ یہ بات خفیہ تھی، لیکن دوسرے قیدی نے ہمارے ایک ساتھی کو بتا دی تھی۔ وہ پونچھ کے قیدی کو کہتا تھا کہ میر پور کے لوگ کرنل شیر احمد خان صدر حکومت کے خلاف ہیں کیونکہ وہ سدھن ہے۔ ہمارے ساتھیوں میں سدھن برادری کے لوگ بھی شامل تھے۔ جو ہماری سیاسی جدوجہد میں

ہمارے شانہ بشانہ تھے۔ سدھن برادری کے تمام رہنما راولاکوٹ کے رہنے والے سردار علی محمد نویس پہلے آدمی تھے جو محاذ رائے شماری کے رکن بنے وہ خودمختاری کے حامی تھے۔ان کے بھانجے سردار رشید حسرت ہماری صفوں میں شامل ہوئے۔ یہ شخص نہ صرف بہادر تھا بلکہ غیور کارکن تھا وہ اس پہچان یہ ہے کہ مکمل طور پر فریڈم فائٹر تھا۔اس کا باپ 1947ء میں مقبوضہ کشمیر میں گم ہوگیا تھا آج تک یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ وہ شہید ہوئے یا کب فوت ہوئے۔ سردار رشید حسرت محاذ رائے شماری کے صدر منتخب ہوئے اس طرح انہوں نے قوم کی رہنمائی کی اور نیشنل لبریشن فرنٹ عسکری ونگ میں ان کی خدمات کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ وہ مسلح جدوجہد کے سخت حامیوں میں تھے اور کسی قسم کی خوف ان کے اندر نہ تھا۔اسی تحریک میں انہوں نے اپنی زندگی قربان کردی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

ہجیرہ کے سردار حیات خان، سردار خادم حسین، سردار محمد صدیق بھی ہمارے ساتھی رہے۔نوجوان بھی سردار زرین خان سردار مشتاق قادری نثار اور بے شمار نوجوان ہمارے دست و بازو تھے۔انہوں نے مل کر خودمختاری کے نظریہ کو ایک حقیقت میں بدل دیا۔آج پونچھ کے قریہ قریہ گاؤں گاؤں میں آزادی وخودمختاری کے ترانے گائے جاتے ہیں۔اور یہ جوش وجذبہ قابل دیدنی ہوتا ہے۔

برادری ازم کا دھوکہ دے کر داروغہ جیل اپنی خدائی منوانا چاہتا تھا۔ جب ہم کو معلوم ہوا تو صوفی محمد یعقوب خان مرحوم نے اعلان کردیا کہ اب جیل کے خود حاکم ومختار ہیں۔ ہیڈ وارڈر کو کہا کہ وہ اس کو بتا دے کہ وہ جیل کے اندر آنا بند کردے وہ اگر ہمیں اندر مل گیا تو ہم ان سب قیدیوں کا بدلہ لیں گے جن پر یہ تشدد کرتا رہا ہے۔قیدیوں کو علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے۔انہوں نے جیل حکام کا حکم ماننے سے انکار کردیا کچھ دن یہ سلسلہ چلتا رہا۔

اور جیل حکام ضلعی انتظامیہ کو کہتے رہے کہ وہ ہمیں کسی دوسری جیل میں بھجوادیں۔اور ہمارا مقدمہ بھی کسی دوسرے ضلع میں بھیج دیا جائے۔ یہ ممکن نہ ہوسکا۔صوفی محمد یعقوب مرحوم آف ڈھانگری نے شہادت پا کر ثابت کیا کہ اسے جان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔وہ بڑا بہادر اور شیر دل ساتھی تھا۔کامریڈ محمد مقبول خاور ہر وقت لڑنے مارنے کو تیار رہتے تھے۔ جیل کے حالات بگڑ چکے تھے۔سپرنٹنڈنٹ جیل نے آکر ہمارے ساتھ ملاقات کی۔ہم سے وعدہ کیا کہ جب تک ہم جیل میں ہیں داروغہ نہیں آئے گا۔قیدی اتنے آزاد ہو چکے ہیں۔وہ کوئی کام کرنے کو تیار نہ تھے۔

آپ ہماری مدد فرمائیں۔اس عرصہ میں مسٹر جسٹس چوہدری نیاز محمد بھی آئے تھے جن کے ساتھ ہماری لمبی چوڑی گفتگو ہوئی۔جیل کے کمبل اور اکھڑی ہوئی دیواریں پر گڑھے پڑے تھے۔اور جیل کی خستہ حالت دکھائی گئی۔ ہماری باتوں سے مطمئن ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہم نے عدالت العالیہ کے ججوں کو بھی نہیں بخشا سب سے مل کر مسکرا کر چلے گئے۔آگے بڑھنے سے قبل یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جتنے لوگ ہمارے خلاف تھے اور جن

لوگوں نے ہم ظلم کیا تھا۔ جن جن حکمرانوں نے ہمارے خلاف سازشیں ترتیب دی تھیں ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں اور مدتوں پہلے ہم ان سب کو معاف کر چکے ہیں۔ اور اپنی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ پاک ذات ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

جیل میں ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ضمانت کروا کر پاکستان کے لیڈروں سے ملاقات کر کے ان کو آزاد کشمیر کے حالات بتائے جائیں۔ صوفی محمد یعقوب مرحوم کے تعلقات ایک طرف شیخ مجیب الرحمٰن صدر عوامی لیگ کے ساتھ تھے ان کے تعلقات جنرل ایوب خان کے بیٹے گوہر ایوب کے ساتھ بھی تھے۔ کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم احرار کے رہنماؤں سے تعلقات رکھتے تھے۔ مجھے انہوں نے میاں محمود علی قصوری مرحوم سے ملنے کے لئے لاہور جانے کو کہا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے وکلاء بھائیوں نے ضلعی انتظامیہ کے دباؤ کی وجہ سے ہمارے مقدمہ کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مقدمہ کی پیروی تو مجھے خود کرنا تھی لیکن ہم نے تمام وکلاء بھائیوں سے استدعا کی کہ وہ ہم سے فیس لے کر مقدمہ کی پیروی کریں۔ لیکن ان سب نے ماسوائے ایک دو دوستوں کے جو دیوانی مقدمات لیتے تھے انکار کر دیا۔ دیوانی مقدمات سے دوستوں نے معذرت کر لی تھی۔ ضمانت ہونے کے بعد میں لاہور چلا گیا۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ میرے ساتھ کامریڈ مقبول خاور مرحوم یا صوفی محمد زمان مرحوم تھے۔ ہم دو تین آدمی لاہور گئے۔

ہم میاں صاحب کو یا کسی اور کو وکیل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ہمیں یہ یقین تھا کہ وزارتِ امورِ کشمیر کو جب پتہ چلے گا کہ بین الاقوامی شہرت کا حامل وکیل مقدمہ کی پیروی کے لئے آزاد کشمیر جا رہا ہے تو وہ ضلعی انتظامیہ کو مجبور کریں گے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں میاں محمود علی قصوری ایک دانشور، محبّ وطن سیاستدان تجربہ کار رہنما اور ارباب سیاست میں بلند مقام رکھنے کے علاوہ انسانی حقوق کے علمبرداروں میں سے سب سے اونچا مقام رکھتے تھے۔ وہ کالے قوانین کے تحت گرفتار کئے جانے والوں کے مقدمات بدوں فیس پیروی کرتے تھے۔

وہ عالم اقوام کی تمام انسانی حقوق کی محافظ انجمنوں میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ ہمارے مقدمہ کی پیروی کے لئے میرپور چلیں جو فیس مانگیں گے وہ دی جائے گی۔ وہ مسکرائے اور پوچھنے لگے کہ کیا آزاد کشمیر میں عدالتوں میں پڑھے لکھے جج نہیں پاکستان کے لوگوں کو یہ بھی علم نہ تھا کہ آزاد کشمیر میں ایک عدالتی ڈھانچہ موجود ہے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ جسٹس خواجہ محمد شریف مرحوم ان کے کلاس فیلو ہیں اور چیف جسٹس فیاض حسین شاہ مرحوم بارایٹ لاء ریٹائرڈ سیشن جج ہائی کورٹ اب چیف جسٹس ہیں۔

تو وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ میری فیس تو بہت زیادہ ہے۔ ان دِنوں بڑے سے بڑا وکیل چند سینکڑے مقدمہ کی فیس لیتا تھا۔ انہوں نے ایک ہزار روپیہ روزانہ کی فیس مانگی تو آنے جانے اور رہائش کے اخراجات وغیرہ مانگے اور فوراً

کہنے لگے کہ ابتدائی رپورٹ کی نقل ساتھ لائے ہو؟۔ میں نے کہا کہ وہ عدالت ایسی نہیں ہے۔آپ جیسا بڑا وکیل وہاں جا کر کھڑا ہو ہمارا مقدمہ ابھی ابتدائی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔

اور رپورٹ کی نقل جب دی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے ہم سب کو باری باری دیکھا۔ ہمارے ساتھیوں میں کسی نے میاں محمود علی قصوری کو میرے متعلق بتایا کہ میں شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ کا ہونے والا داماد ہوں۔ وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے میرے ساتھ ملے اور فرمایا کہ یہ سیاسی مقدمہ ہے حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ میں ان مقدمات میں فیس نہیں لیا کرتا۔ میں ضرور آؤں گا کوئی فیس نہیں لوں گا میں نے وکالت نامہ رکھا اور انہوں نے فوراً دستخط کر دیئے۔ہم نے انہیں بتایا کہ جب آپ کی ضرورت ہوگی تو ہم سب آپ کو تکلیف دیں گے۔

ہم نے خبر اخبارات میں بھیج دی کہ میرپور سیاسی رہنماؤں کا مقدمہ لڑنے کے لئے میاں محمود علی قصوری ایڈووکیٹ نے اپنی خدمات بدوں فیس لئے پیش کر دی ہیں۔آزاد کشمیر اور وزارتِ امورِ کشمیر میں بہت شور پڑا اور ہمارے معاملے میں حکمرانوں کا رویہ اچانک بدل گیا وہ ہم سے ملاقات کرتے ہوئے ڈرتے تھے وہ آ کر ہمیں ملنے لگے۔اس دور کے حالات آج کا سیاسی کارکن اندازہ نہیں کرسکتا ہے کہ وہ دور سیاسی کارکنوں کے لئے کتنا مشکل دور تھا۔

میرے خلاف جیل میں قتل کرانے کا منصوبہ بنا اور جیل کے باہر ایک سازش کے تحت مجھے وکلاء کے چیمبر میں بلایا گیا اور مجھ پر میرے ہی دوستوں نے حملہ کر دیا۔ وکلاء قانونی لڑائی کرتے ہیں ان سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان پڑھ دیہاتیوں کی طرح دست و گریبان بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ بازوں کی طاقت کی نمائش کرسکتے ہیں۔اس حملہ کی خبر جنگل میں لگائی گئی آگ کی طرح پھیل گئی۔سارا شہر بند ہوگیا بوتھی کے سید محمد حنیف سیا کھ کے فوجی بہادر محمد زمان پوٹہ شیر سے میرے پھوپھی زاد نیک عالم بھی عدالتوں میں پہنچ گئے۔

مذکورہ اشخاص لڑنے میں بہت مشہور تھے۔ میرپور شہر کے پہلوان بھی آ گئے کون کس وقت آیا مجھے یاد نہیں۔ عدالتوں کے وکلاء اور اہل کاروں نے یہ منظر دیکھا اور اسے شرمناک قرار دیا۔حملہ آور بھائی دوڑ کر ڈپٹی کمشنر کی پناہ میں چلا گیا۔ میرے دفتر کے سامنے ایک ہجوم تھا۔ جو بدلہ لینا چاہتا تھا۔انہیں میں نے بڑے اچھے طریقے سے رخصت کیا۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کی باتیں سنیں۔ڈپٹی کمشنر ایک شریف آدمی تھا۔اس نے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا۔

میں نے عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ میرے خیال میں اس وقت بار ایسوسی ایشن میرپور نے کثرت رائے سے ایک قرارداد پاس کی تھی اے ڈی ایم میرپور کرپٹ ہے۔رشوت وغیرہ کے الزامات لگا کر ایک میمورنڈم پر دستخط کئے تھے۔اور اسے حکومت کے جائنٹ سیکرٹری اور وزارتِ امورِ کشمیر کو بھیجا گیا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور میں کچھ وکلاء عدالت کے خوشامدی ہوتے ہیں۔اور بادشاہ سے زیادہ بادشاہ کے حامی ہوتے ہیں۔

مختصراً بتانا چاہتا ہوں کہ وکلاء دستخط کنندگان میں سے بیان سے انحراف کیا ۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل میمورنڈم جائنٹ سیکرٹری وزیر امورِ کشمیر نے مجھے دے دیا تھا مسٹر جسٹس خان عبدالحمید نے مجھے بلایا اور مسکرا کر کہنے لگے آپ کے وکیل بھائی بھی منحرف ہوگئے ہیں، میں نے انہیں اصل میمورنڈم دے دیا کہا کہ انہیں بلا کر انہیں دستخط دکھائے جائیں وکلاء نے دستخط دیکھ کر شرمندہ ہو کر کہنے لگے ہمارا اصل مقصد اے ڈی ایم کو تبدیل کرنا چاہیے۔ وہ تبدیل ہوگیا ہم اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

خان عبدالحمید خان مرحوم جتنا نرم تھا وہ پٹھان ہونے کی وجہ سے سخت دل تھا۔ اس نے کہا کہ ایک میرے دل میں آپ کی عزت میں اضافہ ہوا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ساتھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکے۔ رپورٹ چیف جسٹس کے پاس پہنچی تو جہاں مسٹر جسٹس عبدالحمید خان نے لکھا ہوا تھا اے ڈی ایم اچھی شہرت کا مالک ہے اس نے اسے دائرہ میں رکھ کر اس کے سامنے لکھا کہ رپورٹ کا حصہ نادرست ہے۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس کی شہرت بہت خراب ہے۔ اور پورے آزاد کشمیر میں بدنام ہے۔

سکریننگ کے دوران چیف جسٹس کی رپورٹ پر اسے فارغ کر دیا گیا۔ یہ بات مجھے چیف جسٹس نے بتائی تھی۔ میں نے اپنا استغاثہ واپس لے لیا وہ ریکارڈ اے ڈی ایم میں موجود ہے۔ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور ان دوستوں میں سے کسی بھی کے خلاف کوئی گلہ نہیں تھا۔ وہ سب باری باری معذرت کرتے تھے تو میں شرمندگی محسوس کرتا تھا۔ اور کہا وکلاء برادری کے اتحاد ہی میں سب کی عزت ہے۔ یہ سب لوگ جتنا عرصہ تک ساتھی رہے مجھے کسی کے خلاف نہ ان کی حیات میں شکوہ تھا نہ ان کے وصال الٰہی نصیب ہونے کے بعد کوئی شکوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

میں چند حقائق لکھوا رہا ہوں اسی احاطہ میں کامریڈ مقبول احمد خاور کو گلے سے پکڑا گیا اس پر حملہ آور ہوئے اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے ان کی جان چھڑائی تھی۔ اسی دوران ان کی دکان پر ایک بھنگی سے نجاست کی لپائی کرائی گئی ان کی دوکان کے دروازے اور سامنے کا سارا حصہ غلاظت سے اٹا ہوا تھا۔ بازار سے گزرتے وقت ہم پر آوازے کسے جاتے یہ دور ہماری آزمائش کا تھا۔ انتہائی مشکل آزمائشی دور سے ہم گزر کر اس مقام پر پہنچے۔

حکومت اور ہماری تحریک کے مخالف دشمنوں نے ہمیں مقدمات میں الجھانے کی ہمیشہ کوشش میں ہماری تنظیم میں جاٹ راجپوت، سدھن، گجر اور دیگر تمام برادریوں کے لوگ تھے۔ وہ اسے مغلوں اور ان کے مخالف لوگوں کی جماعت قرار دینے لگے انہوں نے آڑہ دھرم ارتھ کو نشانہ بنایا آڑہ دھرم ارتھ عوامی کانفرنس کا مرکزی مقام تھا۔ وہاں انہوں نے مغلوں اور جاٹوں کو ایک چھوٹے سے رقبہ پر لڑا دیا۔

محمد حنیف انصاری، ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری محمد یعقوب انصاری محمد مطلوب انصاری کے والد عالم دین کے

ایک کمرہ کو گرا دیا۔ یہ لوگ صدیوں سے آپس میں اکٹھے رہتے چلے آتے تھے۔ لیکن انہوں نے جاٹ برادری کے لیڈروں اور ضلعی انتظامیہ کی سازش کو نہ سمجھا اور نائب تحصیلدار میر زمان افسر مال کے ساتھ مل کر یہ حرکت کی اگرچہ بعد میں ان لوگوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا تھا۔ عالم الدین نے قانونی چارہ جوئی کی اور کمشنر راجہ عدالت خان مرحوم نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ واپسی پر انہوں نے اپنا کمرہ بنانا چاہا تو ان کے پڑوسی دوستوں ساتھیوں اور ہمدردوں نے جو جاٹ برادری سے تعلق رکھتے تھے حملہ کردیا۔ چچا رحم علی مرحوم کی پسلیاں ٹوٹ گئیں آٹھ دس آدمی بری طرح مضروب ہوئے۔ اس طرح اس گاؤں کی دونوں پارٹیوں نے عدالت کا رخ کیا۔

اس مقدمہ میں حملہ آوروں کو سزائیں ہوئیں وہ جیل کاٹ کر رہا ہوئے۔ منگلا ڈیم کی وجہ سے اجڑ گئے اور پھر بکھر کر رہ گئے۔ اور الگ الگ جگہوں پر رہائش پذیر ہوئے۔ صدیق مرزا اور اس کے گھرانے میں سے کوئی بھی اس لڑائی میں شامل نہ تھا۔ میرے پاس بڑے بڑے لیڈر آئے انہوں نے کہا کہ یہ برادری کا تعصب پھیلایا جارہا ہے اس میں صلح کی خاطر چوہدری نور حسین بھی گاؤں گئے۔ حاجی گلزار انصاری مرحوم نے چوہدری نور حسین کو کہا کہ مسجد میں باوضو ہو کر ہم سب بیٹھے ہیں۔ اور آپ کی صلح جوئی کی کوشش کو سراہتے ہیں۔

آپ کا فیصلہ قبول کریں گے بشرطیکہ آپ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر یہ کہیں کہ آپ برادری سے بلند ہو کر صحیح فیصلہ کریں گے۔ وہ کمرہ جو بنایا گیا تھا اس کو نمبردار کی اجازت اور موجودگی میں بنایا گیا تھا۔ اس کی مرضی سے بنایا گیا اس گاؤں کے لوگ نمبردار کی اجازت لے کر اپنے مردے دفناتے ہیں گاؤں کا نمبردار یا وہ لوگ طاقت میں بڑھ کر نہ تھے۔ محض ان کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھ نہ سکے اور یہ واقعہ پیش آیا۔ چیف جسٹس نے مجھے بتایا کہ ان کے ساتھی جج خان عبدالحمید نے انہیں بتایا تھا کہ جسٹس چوہدری نیاز احمد خان نے ان سے کہا تھا کہ ملزموں کو چھوڑ دو۔

سید فیاض حسن شاہ کو سید بشیر احمد شاہ قائل کر کے آئے تھے۔ مقدمہ کی سماعت سے پہلے انہوں نے ان کو جا کر بتایا تھا کہ ملزمان پارٹی اپنی برادری کے لیڈروں کی شہہ پر ایسی حرکتیں کر رہی ہے۔ تاکہ محمد عبدالخالق انصاری کو سر اٹھانے نہ دیا جائے۔ یہ بڑے عزت دار لوگ ہیں۔ رزق حلال کماتے اور کھاتے ہیں۔ ان کے خلاف محض ہنرمند ہونے کی وجہ سے نفرت پھیلائی جارہی ہے۔ سید شبیر شاہ پبلک پراسیکیوٹر تھے۔ ان کا چیف جسٹس سے گہرا تعلق تھا۔ وہ میرے بھی دوست تھے اور ہمسایہ بھی تھے۔ بلند پایہ قانون دان اور اچھے مقرر بھی تھے۔

وہ پرنس آف ویلز کالج سے آشنا تھے۔ وہ کالج کے لائبریرین بھی رہے۔ سید بشیر حسین شاہ صاحب مرحوم چوہدری غلام عباس مرحوم کے بھانجے تھے۔ اس لئے ان کی پیٹھ مضبوط تھی۔ وہ سب کی نگاہوں میں باعزت شمار ہوتے تھے میں نے کبھی بھی سید بشیر شاہ صاحب کو نہیں کہا تھا کہ وہ اس مقدمہ میں استغاثہ کی مدد کریں۔ لیکن انہوں نے اس مقدمہ کو

ذاتی مقدمہ بنالیا۔ ہائی کورٹ میں ملزمان ناکام ہوئے۔ان کے لیڈر لبریشن لیگ کے رہنما اور صدر آزاد کشمیر کے پاس بھی پہنچے ادھر میرے قابل فخر ساتھی صوفی محمد زمان مرحوم مجھے بتائے بغیر وہ بھی کے ایچ خورشید صاحب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے سارے واقعات ان کو بتائے اور انہیں کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور بڑی برادریوں والے ہمیں اقلیت کہتے ہیں۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے تو آپ کو ان کی مدد کرنی چاہیے۔منصف جج ان کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔

صدر حکومت نے چیف جسٹس کو خط لکھ کر رائے طلب کی۔تو انہوں نے بہت سخت جواب لکھا کہ قانون کی حکرانی کی بجائے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چل رہا ہے۔ریکارڈ ملاحظہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔سید بشیر حسین شاہ صاحب میرے بھائی غلام نبی انصاری کے بھی دوست تھے۔جب انہیں بھی شہری آزادیوں کی بحالی کی تحریک میں گرفتار کیا گیا تو ان کی اپیل سردار یار محمد خان مرحوم نے سنی۔سید بشیر حسین خان صاحب نے عدالت میں کہا ک میاں غلام نبی انصاری کا جرم یہ ہے کہ وہ محمد عبدالخالق انصاری کے بڑے بھائی ہیں۔اور اپیل منظور کر لی گئی۔

آڑہ دھرم ارتھ والے کیس میں سردار یار محمد نے سرار محمد اشرف خان کے پاس بھیج کر یہ پیغام پہنچایا تھا کہ آڑہ دھرم ارتھ والا کیس تمام مظلوم برادریوں کا کیس ہے۔ بڑے بڑے کھڑپینچ تمہارے پاس سفارشیں کر رہے ہیں۔فیصلہ اصل حقائق کی بنیاد پر کرنا ہوگا۔یہ میرا کیس ہے محترم بشیر خان صاحب نے میرا باز و پکڑا ہوا تھا اور وہ پیغام پہنچا رہے تھے وہ زیرلب مسکرائے اور ہم باہر چلے گئے۔سردار محمد اشرف کی دی گئی سزاؤں میں سردار یار محمد خان مرحوم نے اضافہ کر دیا۔

یہ لوگ انصاف پر مبنی فیصلے دیتے تھے۔ہم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ عوامی کانفرنس کشمیری قوم کی صحیح ترجمان ہے۔یہ کسی خاص رنگ نسل،زبان،مذہب اور علاقہ کی جماعت نہیں ہے۔

دوسری طرف حکومت اور ضلعی انتظامی نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ سچائی کے اس بیج کو اگنے نہیں دیا جائے گا۔وزارت امورِ کشمیر کی انہیں پشت پناہی حاصل تھی۔ضلعی انتظامیہ جب چاہتی گرفتار کر لیتی ایک شام کا وقت تھا میں اپنی رہائش پر بیٹھا ہوا تھا کہ تھانیدار صاحب آئے اس نے مجھے گرفتار کر کے تھانہ کی حوالات میں بند کر دیا اور افواہ پھیل گئی کہ یہ گائے یا بھینس کی چوری میں گرفتاری عمل میں آئی ہے۔شہر میں ہڑتال شروع ہوگئی لوگوں نے جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے تھانہ کی طرف رُخ کیا۔صوفی محمد زمان مرحوم اور میرے دوسرے ساتھیوں نے تھانہ میں جا کر تھانیدار کو کہا کہ وہ ضمانت دینا چاہتے ہیں۔اس لئے محمد عبدالخالق انصاری کو رہا کیا جائے۔

اس نے کہا کہ عدالت ہی ضمانت پر چھوڑ سکتی ہے اس کے اختیار میں نہیں۔وہی جلوس اے ڈی ایم کی رہائش گاہ کی طرف پولیس دھاندلی غیر آئینی حکومت اور بزدل انتظامیہ کے خلاف نعرے لگاتا پہنچا۔نعروں سے میر پور گونج رہا تھا۔

اے ڈی ایم کو درخواست دی گئی تو اس نے کہا کہ جب تک پولیس رپورٹ نہیں ملتی وہ درخواست کو زیرِغور نہیں لا سکتے۔ انہوں نے درخواست کو اے ڈی ایم سے رپورٹ دیئے جانے کا حکم لکھوایا اور پھر تھانہ کی طرف آ گئے۔

مختصراً بیان کرتا ہوں اصل واقعہ یہ ہے کہ جہلم پولیس کا کانسٹیبل ایک ڈاک لے کر آیا اور اسے کسی گائے یا بھینس کی چوری میں تفتیش کے لئے ایک ملزم کی گرفتاری مطلوب تھی وہ ڈاکٹ تھانے دار میرپور کے نام تھا۔ تھانے دار میرپور نے ایک کانسٹیبل اس کے ہمراہ بھیجا۔ وہ ایک آدمی کو پکڑ لائے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ آدمی بڑا نیک اور بہادر ہے۔ اس نے انہیں کہا کہ میرے ساتھ چلیں پہلے میں اپنے ایک ساتھی سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ دونوں سپاہیوں کو لے کر میری رہائش گاہ پر آ گیا۔ میں نے دیکھا وہ چوہدری شیر باز خان ہے وہ میرے دوست اور ساتھی چوہدری شاہ ولی ایڈووکیٹ کا بھائی ہے۔ شیر باز نے مجھے بتایا تو میں نے کانسٹیبل سے ڈاکٹ طلب کیا وہ پہلے دکھانے سے انکار کرتا رہا لیکن میرے اصرار پر اس نے مجھے ڈاکٹ دکھایا میں نے چائے کے لئے گھر والوں کو کہا ان کے لئے چائے بنوائی۔

میں نے انہیں چائے میں مشغول کر دیا اور چوہدری شیر باز کو دوسرے کمرے میں لے جا کر بتایا کہ مویشیوں کے چوری کے سلسلہ میں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ گواہ کے طور پر بلایا گیا ہے اور عدالت میں گواہی دینی ہوگی۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ یہ دھوکہ دیکر لائے ہیں جن لوگوں نے رپورٹ دی ہے وہ میرے پرانے دشمن ہیں۔ اور پنیام کے رہنے والے ہیں۔ ان کی کشتیاں جلائی گئی تھیں۔ اور اس میں مجھے ملزم رکھا۔ ان دنوں پنیام کے چند لوگ جیل میں تھے۔ چوہدری شیر باز خان میرے دوسرے کمرے کے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا میں نے اس کے بھاگنے کے بعد کافی دیر تک ان کو چائے وغیرہ میں مشغول رکھا۔ جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ شیر باز خان کہاں ہے؟ تو میں نے پولیس والوں کو کہا کہ تم ایک شریف آدمی کو دھوکہ دے کر لائے ہو۔ میں تمہارے خلاف استغاثہ دائر کروں گا۔

دونوں تھانے میں چلے گئے اور تھانے دار راجہ محمد شفیع نے مجھے چند دفعات کے تحت گرفتار کر لیا تھا۔ اس نے وہ رپورٹ لکھ کر دی۔ میرے ساتھی صوفی محمد زمان صاحب، حاجی گلزار احمد صاحب مقبول احمد خاور اور محمد بشیر تبسم لے کر اے ڈی ایم کے پاس گئے عدالت کے حکم لے کر پولیس نے مجھے رہا کر دیا اور جلوس کی شکل میں مجھے گھر پہنچایا۔ کسی کانسٹیبل نے ہمارے ساتھیوں کو بتایا کہ گائے کی چوری میں محمد عبدالخالق انصاری کو گرفتار کیا گیا ہے۔ خبر نہ صرف شہر بلکہ مضافات میں بھی پھیل گئی۔ میرے خلاف چالان پیش ہوا۔ اور میں نے اس کے خلاف تھانے دار کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ عدالت نے اسے بطور ملزم طلب کیا۔ اور جب عدالت ختم ہوئی تو وہ اے ڈی ایم کے گھر گیا۔ اس نے پوچھا کہ کیوں طلب کیا گیا ہے؟۔

ملک اسلم صاحب اے ڈی ایم نے اسے بتایا کہ وہ اس مقدمہ میں سزا کے بغیر نہیں رہ سکتا میں بری ہو گیا۔ اور

میرا مقدمہ کوئی آٹھ دس سال تک چلتا رہا۔اس نے کرنل شیر احمد سے مل کر اپنا تبادلہ کرالیا اور اس عرصہ میں مظفر آباد ضلع میں رہا عدالت وارنٹ بلا ضمانت نکالتی رہی کئی مجسٹریٹ تبدیل ہوئے اور ہر مجسٹریٹ نے وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت نکالے اور انسپکٹر پولیس کو خط بھی لکھتے رہے کہ عدالت کے حکم کی تعمیل نہیں ہو رہی یہ لوگ عدالتوں کو تماشا گاہ سمجھتے رہے۔عدالت نے صدر کرنل شیر احمد کو بھی خط لکھے۔ وارنٹ بھیجے ۔ ملزم ملازمت میں بحال رہا۔آخر عدالت نے تنگ آ کر اپنی رسوائی کو چھپانے کے لئے مثل کو محافظ خانہ میں بھیج دیا۔آخری حکم لکھا کہ ملزم حاضر نہیں ہو رہا سالہا سال گزر گئے ۔عدالت بے بس ہے۔اور جب ملزم دستیاب ہوگا تو اس کے خلاف کارروائی شروع کی جائے گی۔

اس طرح یہ مقدمہ بھی محافظ خانے میں پڑا ہوا ہے اور ملزم کا انتظار ہوتا رہا۔اب ملزم وفات پا کر اس دنیا سے چل بسا۔ ہمارے سب ساتھیوں نے اس کو زندگی میں ہی معاف کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کے آخری ایام بہت تلخ گزرے۔ وہ ہمارے پاس خود معافی مانگنے آ گیا تھا وہ کہتا تھا کہ میں نے بہت سوچا کہ اس کی بیماری ختم کیوں نہیں ہوتی؟ اس کی زندگی تلخ کیوں ہوگئی ہے۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے کہا کہ کامریڈ مقبول خاور سے جا کر معافی مانگو۔اس نے انہیں تلاش کر کے معافی مانگی اور پھر مجھے مل کر واپس چلا گیا۔

میرے تمام ساتھیوں نے اس کی خستہ حالی کو دیکھ کر اسے معاف کر دیا تھا۔ہم سب اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان سب کو معاف کرے۔ ہمارے اندر ذاتی انتقام کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ استغاثہ جھوٹ پر مبنی تھا۔اس وقت قانون حوالگی موجود تھا۔ چند ایک جرائم میں پنجاب پولیس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اجازت لے کر گرفتار کر سکتی تھی۔ اسی طرح میر پور کی پولیس ملزم کے ڈسٹرکٹ سے وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اجازت لے کر اسے میر پور لا سکتی تھی۔

قانون میں باضابطہ قواعد وضع کئے ہیں لیکن دھاندلی کا یہ حال ہے کہ پولیس عدالت کے احاطہ سے پکڑ کر لے جاتی تھی۔ اور اپنی ضمنیات میں درج کرتی تھی کہ بڑی حکمت عملی کے ساتھ تھانہ کے قریب ایک قبرستان میں سے ملزم کو گرفتار کیا گیا ہے نہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو آنے کی اطلاع کرتے نہ کسی مقدمہ کا ذکر کرتے اب تو قانون حوالگی ختم کر دیا گیا ہے۔ قانون حوالگی کو ختم کرنے اور چنگیوں کو ہٹا لینے سے ریاست کی علیحدہ حیثیت کو ختم کر دیا گیا۔اس میں کچھ تو سازشی لوگ شامل ہیں اور کچھ مفاد پرست عناصر کا ہاتھ تھا۔کشمیر اور کشمیریوں کو اس کا کوئی فائدہ نہ ملا۔عوامی کانفرنس نے ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کیا لیکن یہ آواز سنی ان سنی کر دی گئی۔

ہمارا تجربہ ہے کہ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ظالم سے ظالم حکومت کے اندر نیک دل افیسران بھی ہوتے ہیں۔ان کو ملازمت سے زیادہ اللہ کا ڈر ہوتا ہے اگر چہ وہ سامنے آ کر مدد نہ کریں۔لیکن وہ اپنے ذرائع سے حق دار لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ظالم سے ظالم شخص بھی سچے اور ایماندار سیاسی کارکن کے آگے جھک جایا کرتے ہیں۔

ایک واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے۔ اور نتائج کے لحاظ سے تاریخ کا حصہ ہے۔ ضلعی انتظامیہ نے حکومت (کرنل شیر احمد خان مرحوم) کے کہنے پر ہمارے خلاف تشدد کا حربہ آزمانے کی کوشش کی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تمام ماتحت مجسٹریٹوں کو بلایا۔ ضلعی پولیس افیسران بھی موجود تھے۔ انہوں نے تھانے دار کو بلا کر کہا کہ عبدالخالق انصاری، مقبول احمد خاور اور صوفی محمد یعقوب آف ڈھانگری کی پٹائی کی جائے اور تھانے دار کو یقین دلانے لگے کہ یہ ذمہ داری قبول کریں گے۔ اور آپ کو صدر کا پیغام ہے۔

میں عدالت سے واپس آ رہا تھا تو اسسٹنٹ کمشنر سردار رحمت اللہ نے اپنا چپڑاسی بھیجا اور مجھے راستہ سے الگ کر کے لے گیا اس نے اس میٹنگ کی کارروائی سنائی اور ساتھ ہی سردار رحمت اللہ خان مرحوم کا پیغام بھیجا کہ ہم تینوں کسی طرح روپوش ہو جائیں۔ دو تین دن کے لئے جہلم کی طرف چلے جائیں اور اس طرح اس بلا کو ٹال دیں۔ میں نے ساری باتیں سنیں اور کامریڈ مقبول احمد خاور اور محمد یعقوب صاحب ڈھانگری شیر دل کو بلا کر مشورہ کیا کہ یہ دونوں بڑے بہادر رہنما، بڑے مضبوط ارادے اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔

انہوں نے کہا کہ ہماری جنگ حکومت اور اس کے چیلے چانٹوں سے ہے۔ وہ زور آزمالیں ہم سچائی کا لوہا منوائیں گے۔ میں نے صوفی محمد یعقوب سے کہا کہ آپ میرے پاس ٹھہر جائیں اور شام کو ہم تینوں گرفتاری دینے تھانے چلیں گے۔ یہ لوگ آپ کو ڈھانگری سے پکڑ کر لائیں گے۔ تو وہاں بھی شور ہوگا۔ اور آپ کے گھر بھی پریشانی ہوگی میرے منشی محمد عبداللہ مرحوم اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب فرمائے وہ زندہ تھے میں نے انہیں کہا کہ ان کے ذریعے ڈھانگری آپ کے گھر پیغام پہنچا دیا جائے گا وہ نہ مانے اور گھر چلے گئے محمد مقبول احمد خاور میرے پاس بیٹھے رہے۔ میری رہائش گاہ سے دو راستے نکلتے تھے۔ تھانے دار نے دونوں راستوں کو پولیس کانسٹیبلان کے ذریعہ بلاک کیا ہوا تھا۔ ہم نے نماز ادا کی میری رہائش گاہ کے قریب محمد مشتاق زرگر کے والد کی دکان تھی۔ اس کے ساتھ سے راستہ گزرتا تھا۔ اس دوکان میں ایک سپاہی بیٹھا ہوا تھا۔

ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ ہم نکلے اور دیکھا کہ وہ تمباکو کی چلم کو پھونکیں مار رہا ہے۔ ہم باتیں کرتے ہوئے اس کے قریب سے گزر گئے۔ یہ اللہ کی مدد تھی کہ اس کو ہمارے جانے کا پتہ نہ چلا ہم سیدھے تھانہ میں گئے تھانہ خالی پڑا تھا۔ ایک کچن کا ملازم وہاں تھا۔ اس سے پوچھا کہ تھانے دار صاحب کہاں ہیں تو اس نے بتایا کہ وہ پولیس لائن سے نفری منگوا کر تھانہ کی نفری کے ساتھ لے کر باہر گئے ہیں۔ اسے معلوم نہیں ہے کہاں گئے ہیں۔

وہاں سے ہم نکل کر معمول کے مطابق سیر کرتے ہوئے سنگوٹ کی طرف پہنچے تو وہاں دیکھا کہ بڑی تعداد میں پولیس آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس وقت ہم واپس آ رہے تھے۔ رات اندھیری ہو چکی تھی ہم نے کمبل لپیٹے ہوئے تھے

وہ پہچان نہ سکے۔ میں نے زور سے آواز دے کر کہا راجہ محمد شفیع صاحب ہیں تو وہ میری آواز سن کر کھڑا ہو گیا۔ اور پولیس کو کہا کہ تم شہر کی طرف چلو راجہ محمد شفیع نے مجھے الگ کر کے سارا واقعہ سُنایا۔

یہ واقعہ اس سے پہلے اسسٹنٹ کمشنر اپنے چپڑاسی کے ذریعے بھی سن چکا تھا۔ اسسٹنٹ کمشنر کو یقین نہ آیا کہ میں یہ واقعہ سن چکا ہوں۔ وہ عدالت سے چھٹی کر کے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا راستہ میرے مکان کے پاس سے نہیں گزرتا تھا۔ لیکن وہ میرے مکان کے دوسرے راستے سے مل کر واقعہ سنا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ شام کے وقت گرفتاری عمل میں آئے گی۔ سردار رحمت اللہ شریف النفس اور خاندانی آدمی تھا۔ اسے بڑا دکھ تھا کہ ضلعی انتظامیہ ہم پر ظلم کرنے کے لئے ہراو چھا حربہ استعمال کر رہی ہے۔

وہ باتیں سنا کر جلدی جلدی میری رہائش گاہ سے چلا گیا تھا۔ جب راجہ محمد شفیع سنگوٹ میں تھے اور مجھے الگ کر کے یہ بھی کہا وہ ملازمت کی خاطر یہ ظلم کرتے آ رہے ہیں انہوں نے دل میں وعدہ کیا اب وہ کبھی بے گناہ انسانوں کو تختۂ مشق نہیں بنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج نہ ملتے تو ہماری ملازمت کا خاتمہ تھا۔ آپ نے ہمیں بچا لیا۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان دونوں ساتھیوں کو میری طرف سے درخواست کریں کہ انہیں رات کے بارہ بجنے کے بعد ایک کمرے میں بلاؤں گا۔ اور وہاں میں دیواروں، میزوں، کرسیوں اور چھتوں پر ڈنڈے برساؤں گا۔ وہ صرف یہ شور مچائیں کہ نہ مارو ہم تو یہ تقریر نہیں کریں گے۔

میں اس لئے درخواست کرتا ہوں ایس پی خداداد خان نے اپنی پسند کے کانسٹیبلان تھانے میں بھیجے ہیں۔ وہ تھانے کی خبریں پہنچانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ وہ ایس پی کے خاص آدمی ہیں میں نے راجہ محمد شفیع کو کہا آپ جانتے ہیں کہ کامریڈ محمد مقبول خاور اور صوفی محمد یعقوب کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں وہ فولادی جسم رکھتے ہیں وہ میری بات بھی نہیں مانیں گے۔ البتہ میں کوشش ضرور کروں گا وہ ایس پی کو بتا کر آیا تھا کہ وہ محمد عبدالخالق انصاری کو ہاتھ نہیں لگائے گا وہ ٹی بی کے مریض تھے، مر گئے تو میں قتل کے الزام میں پھنس جاؤں گا۔

ایس پی نے اتنی رعایت دے دی ان باتوں کے بعد ہم تھانے پہنچ گئے۔ محمد مقبول خاور سے یہ بات کی تھی اور ساتھ ہی کہا کہ اس شخص پر یقین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ دھوکہ دے رہا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ پرانے میرپور کے تھانہ کی حوالات کے مغربی جانب مجھے مقفل کر دیا گیا اور مشرقی جانب دوسرے دونوں ساتھیوں کو مقفل کر دیا گیا میں نے نمازِ عشا ادا کی۔ دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ اور گہری نیند سو گیا کوئی ایک دو بجے کا وقت تھا میرے کمرے کی چھوٹی سی کھڑکی کو کسی نے کھٹکھٹایا۔ میں نے کھڑکی کے پاس دیکھا کہ مقبول احمد خاور کھڑے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ بھائی جی مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا وہ خود ہی شور و غل کرتا رہا، اپنے اور دیواروں پر ڈنڈے مارتا رہا۔ اور مجھے کہا آپ

سو جائیں ان کے کمرہ کے اندر جانے کے بعد صوفی محمد یعقوب ڈھانگری کو کمرہ سے نکال کر تھانے دار کی طرف لے گئے۔

میں جاگ رہا تھا چیخوں کی آوازیں آرہی تھیں شور وغل مچا ہوا تھا۔ دیواروں پر لگنے والے ڈنڈے میں سمجھ رہا تھا کہ وہ صوفی محمد یعقوب ڈھانگری پر برسائے جارہے ہیں کافی شور وغل کے بعد وہ میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ ہم سونے لگے ہیں۔ آپ بھی سو جائیں۔ میں یہ سوچتا رہ گیا کہ دونوں ساتھی مجھے تسلی دینے کے لئے کہہ رہے ہیں راجہ محمد شفیع نے کمرے کے پاس جو کانسٹیبل کھڑے کئے تھے وہ بھی شور مچا رہے تھے۔ اس طرف کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ سچی بات ہے کہ میں اس کے بعد صبح تک سو نہیں سکا۔ صبح کی نماز کے بعد آواز سنی یہ شور اٹھا آج کے بعد ان کی لیڈری ختم کر دی گئی ہے۔

ڈپٹی کمشنر میرپور کا خاص آدمی جو سردار محمد ابراہیم خان گروپ کا مشہور لیڈر تھا۔ وہ آیا اور تھانے دار سے مل کر ہمارے ساتھیوں کے پاس گیا وہ یہ سمجھ کر آیا تھا کہ ان کو لہولہان کر دیا گیا ہوگا۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا تھا۔ اب وہ ڈپٹی کمشنر صاحب سے معافی مانگ لیں گے۔ صوفی محمد یعقوب صاحب نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور سلاخوں کے اندر اس کے ہاتھ کو کھینچ لیا اس نے جو باتیں کی تھیں اس پر سخت لعنت بھیجی اور ضلعی انتظامیہ کے حواریوں پر لعنت بھیجی اور ہاتھ اتنے زور سے کھینچا وہ لیڈر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے چھڑاؤ پولیس کانسٹیبلان نے یہ منظر دیکھا تو وہ مسکرانے لگے وہ معافی مانگ کر تھانے سے باہر نکلا سارے شہر میں شور مچ گیا کہ ہم تینوں کو تھانہ میں وحشیانہ طور پر زدوکوب کیا گیا۔ یہ گرفتاری بھی ایک جلسہ میں تقریریں کرنے کی بنا پر عمل میں لائی گئی۔

شہر کے بے شمار لوگ باہر نکل آئے۔ پولیس ہمیں بازار کے راستہ سے اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت میں لے گئی۔ ایک بڑا جلوس ہمارے پیچھے زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتا ہوا ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ عدالتوں کے تمام اہل کار دوسرے لوگ جلوس کو دیکھ کر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر رحمت اللہ خان نے فوراً پکارا کرایا یہ دونوں لیڈر علامہ اقبال کے شعر پڑھتے ہوئے اور نعرے لگاتے ہوئے عدالت کے کمرہ میں داخل ہوئے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ راجہ محمد شفیع مار پیٹ کے بغیر چھوڑ دے گا۔

مجھے سردار رحمت اللہ نے اپنے کمرہ میں بلا کر پوچھا تو وہ بہت خوش ہوا کہ اس ظالم کے ہاتھوں سے بچ گئے ہو اللہ جب چاہتا ہے تو ظالموں کے دل میں بھی رحم ڈال دیتا ہے حافظے کی مدد سے یہ مختصراً لکھوا رہا ہوں۔ البتہ صحیح الفاظ کیا تھے؟ یاد نہیں ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی میر پور آمد

1950ء کے عشرہ میں پاکستان کی عظیم شخصیت جسے پاکستان کے لوگ مادرِوطن کے نام سے جانتے تھے۔ انہوں نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا تھا۔محترمہ مادرِملت فاطمہ جناحؒ ایک بڑی بہادر خاتون تھیں۔جس نے ایوب خان کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ جمہوریت پسند تھیں۔ان کا استقبال جگو ہیڈ میر پور کے پاس کیا گیا۔استقبال کرنے والوں کی نرالی شان تھی۔ کسگماں، پنجیڑی، کلری، سرائے عالمگیر کی طرف سے راجپوت برادری کے لوگ گھوڑوں پر سوار استقبال کے لئے کھڑے تھے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ کا سن کر سارا میر پور جگو ہیڈ پہنچ چکا تھا۔

حکومت کی کوشش تھی کہ عوامی کانفرنس کا کوئی آدمی وہاں نہ پہنچے کیونکہ دنیا بھر کا پریس وہاں آیا ہوا تھا۔اور عوامی کانفرنس کے کتبے نعرے دیکھ کر اس جماعت کی تشہیر ہوئی ہمیں اس کا علم تھا ہم نے حکام پر واضح کیا جیسے ہم استقبال کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔اس وقت محمد گلزار انصاری مرحوم نے رضا کاروں کے لئے خاکی سوٹ تیار کروائے چار پانچ درجن رضا کار تیار کر لئے گئے۔اور جب تک ساری پولیس جگو ہیڈ کی طرف نہ چلی گئی ہم میر پور شہر میں تھے۔اس روز بس تک بھی نہ ملتی تھی۔اتفاق سے ایک بس استقبال کرنے والے گروپ کو چھوڑ کر واپس آئی تو ہم سارے ساتھی سفید لباس میں اس بس پر بیٹھ کر جگو ہیڈ پہنچ گئے۔

سڑکوں کے دونوں طرف لوگوں کی بھیڑ تھی۔ پولیس کے افیسر آئے انہوں نے استقبال والی جگہ سے کوئی ڈیڑھ دوسو گز پر کھڑا ہونے کی اجازت دی۔اور خاکی کپڑوں کی کھڑی بس سے اتار کر سب رضا کار ایک درخت کی اوٹ میں جا کر خالی کپڑے پہن لئے۔ ہاتھوں میں خوبصورت لاٹھیاں تھیں۔استقبال کرنے کے لئے ابھی لوگ آرہے تھے۔اور ہمارے پاس کھڑے ہوتے گئے۔اور حکومت نے جو پالیسی اختیار کی تھی کہ عوامی کانفرنس کے چند لوگ ہیں وہ کامیاب نہ ہو سکی۔

ہمارے پاس تازہ پھولوں کے ہار تھے۔رویل، چنبیلی، موتیہ اور گلاب کے پھولوں سے فضا میں خوشبو پھیلا رہے تھے۔ یہ ہار چوہدری عبدالخالق، چوہدری محمد اسحاق، چوہدری محمد یعقوب اور ان کے ساتھیوں نے مل کر بنوائے تھے۔ رضا کاروں کے ہاتھوں کتبے تھے جن میں نمایاں الفاظ تھے کہ قائداعظم کا اعلان کشمیر کی نسبت صحیح ترجمان ہے۔قائداعظم نے فرمایا تھا کہ کشمیری خودمختار رہ سکتے ہیں۔قائداعظم زندہ باد، مادرِملت زندہ بار، خودمختار کشمیر زندہ باد اور عوامی کانفرنس کے نعرے لگائے جاتے رہے۔ ہمارے رضا کاروں میں فوجی ریٹائرڈ تھے ان میں سے سالار سید محمد چوہدری، شاہ باز خان، مرزا افضل الہی، چوہدری گلاب دین، حاجی محمد گلزار اور بزرگ ترین شخصیت حاجی حسن محمد، سالار محمد شریف وغیرہ کے نام میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔کاش اس وقت فہرست بنائی ہوتی تو سب کے نام دیئے جاتے۔ یہ سب لوگ قوم کا قیمتی سرمایہ تھے۔

ہمارے نعروں کی آواز نے سب کی توجہ ہماری طرف کردی۔ وزارت امورِ کشمیر اور سردار محمد ابراہیم خان کے ساتھی سب ہی ہمارے پاس سے گزرتے تھے۔ کوئی ہمیں زندہ باد کہتا کوئی ہمیں جلوس کے بعد کالا قلعہ مظفرآباد بھیجنے سے ڈراتا تھا۔ ہمارے ساتھی خوشی سے ناچ رہے تھے۔ حکومت نے یہ بھی طریقہ نکالا کہ محترمہ فاطمہ جناح کو جگو ہیڈ کے پاس شہر کے معززین سے ملایا جائے۔ اور انہیں کار میں بٹھا کر تیزی سے نکالا جائے تاکہ وہ ہمارے جلوس کو نہ دیکھ سکیں۔

جب جلوس روانہ ہوا۔ ہمارے جلوس کے قریب محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی کار کھڑی کروائی اور ڈرائیور سے دروازہ کھلوایا۔ میں نے آگے بڑھ کر ہار ڈالے، کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم صوفی محمد زمان مرحوم محمد بشیر تبسم نے بھی ہار ڈالے محترمہ چل پڑی اور ایک ایک رضا کار سے ہاتھ ملائے۔ ہر ایک رضا کار نے بھی ان کے گلے میں ہار ڈالے وہ ہاروں کو بازوں پر لپیٹتی رہیں۔ قاضی عبدالحمید، شیخ عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے میرپوری بھنگڑا ڈالا اور محترمہ ان کے پاس گئیں۔ یہ سب نوجوان تھے۔ ان کو تھپکی دی، پیار کیا اور ایک ایک کتبے کو پڑا اور خوشی سے ان کے چہرے پر رونق آ گئی۔ راجپوتوں اور جاٹ برادری نے بھی بڑی شان وشوکت کا مظاہرہ کیا

جاٹ برادری تعداد میں زیادہ تھی لیکن ان کا استقبال شان وشوکت سے نہ کرسکی۔ راجپوتوں کے لیڈر میرے پاس آئے جاٹ برادری کے رہنما بھی آئے انہوں نے کہا کہ آج کا میلہ آپ لوگوں نے لوٹ لیا ہے سردار ابراہیم اس وقت صدر حکومت تھے یہ کہنا پڑا کہ یہ تھوڑے ہیں لیکن منظّم ہیں۔ انہوں نے بھی ہمارا شکریہ ادا کیا کیونکہ ضلعی انتظامیہ نے انہیں بتایا تھا کہ یہ جلوس میں گڑبڑ کر کے خرابی پیدا کریں گے۔ پاکستان اور دنیا کے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں نے ہم سے کہا کہ وہ آج تک جانتے نہیں تھے کہ عوامی کانفرنس موجود ہے انہوں نے ہمارے انٹرویو بھی لئے ریاستی پریس اور پاکستانی پریس میں خبریں آئیں، لیکن ان کو نمایاں جگہ نہ دی گئی۔ ہمارا وفد محترمہ فاطمہ جناح سے ملا تھا۔ سیاسی کارکنوں کو علم ہونا چاہیے کہ جو وفد ملایا جاتا ہے۔ اس کی مختصرسی تاریخ بھی ساتھ لکھ دی جاتی ہے کہ معزز مہمان کو پتہ چل سکے کہ یہ وفد پاکستان مخالف یا حکومت کے حامیوں کا ہے۔

ہمیں علم تھا کہ حکومت ہمارے خلاف محترمہ فاطمہ جناح کے کان بھرے گی ہمارے وفد میں مقبول احمد خاور مرحوم، محمد گلزار انصاری مرحوم محمد بشیر تبسم، صوفی محمد زمان مرحوم، حاجی عبداللطیف مرحوم غالباً چوہدری عبدالخالق اور دوسرے تین چار ساتھی بھی تھے۔ صوفی محمد زمان مرحوم ٹیبل ٹاک کے ماہر تھے خصوصاً عورت کی نفسیات کو خوب سمجھتے تھے۔ وفد کے پہنچتے ہی محترمہ فاطمہ جناحؒ نے سوال کیا کہ عوامی کانفرنس کیسی تنظیم ہے؟۔ صوفی صاحب مرحوم نے فوراً جواب دیا اس کا عوامی لیگ سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی ہم کبھی بنگالی لیڈروں سے ملے ہیں آپ تشریف لائی ہیں آپ خود دیکھ لیں یہاں مسلم کانفرنس تین دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ عباس گروپ، میرواعظ گروپ اور براہیم گروپ کے نام سے یہ تنظیم ٹکڑے

ٹکڑے ہوچکی ہے۔اس کا واحد نظریہ یہ ہے کہ کرسی اقتدار تک پہنچا جائے۔ یہ لوگ وزارتوں ،صدارتوں اور عہدوں کے لئے لڑرہے ہیں۔صرف واحد ہماری جماعت ہے جو قائداعظم کا پیغام گھر گھر پہنچانا چاہتی ہے۔اس کی منزل مراد مفادات نہیں بلکہ ریاست جموں وکشمیر کی وحدت سالمیت اورریاست کی آزادی وخودمختاری ہے۔ہم پاکستان کومضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔تا کہ وہ ہماری آزادی کی ضمانت دے سکے۔ پاکستان کی سیاست، پاکستان کے رہنماؤں کی طرح بھانت بھانت کی بولیاں اور قائداعظم کے چھوڑے ہوئے راستے کو بھول چکے ہیں۔محترمہ فاطمہ جناح نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔لوگ یہ سمجھتے تھے کہ محترمہ ہمارے ساتھ لڑے گی وہ حیران رہ گئے کہ محترمہ جناح نے بڑے پیار سے وفد کوالوداع کہا۔ بلکہ محترمہ نے اپنے غصہ کا اظہار کیا کہ ان کے نوٹس میں عوامی کانفرنس کوعوامی لیگ کی ریاستی جماعت قرار دیا تھا۔

اس سے حکومت کے سلسلے کا سارارویہ بدل گیا۔ جب ہم کمرہ سے باہر آئے تو منتظر وفود ہمیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ محترمہ کارویہ کیسا ہے؟ تو صوفی صاحب نے مسکرا کر جواب دیا کہ جو ماں کا بیٹوں کے ساتھ یا بہن کا اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے میں یہاں خلاصہ بیان کررہا ہوں۔وفود میں شامل لوگوں نے باتیں کیں ہم نے ایک ہی مطالبہ کیا تھا کہ ان تینوں گروپوں کو اکٹھا کر کے جمہوریت کو بحال کیا جائے اور جمہوری حکومت بحال کر کے کشمیر کی جنگ آزادی کو تیز کیا جائے۔

پچاس کے عشرہ میں وزیراعظم پاکستان چوہدری محمد علی مرحوم آزاد کشمیر کے دورہ مظفرآباد آئے اس وقت کرنل شیر احمد کی حکومت تھی۔حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ کسی لیڈر کومیرپور سے مظفر آباد نہ جانے دیا جائے۔ ہمارے کانوں میں یہ خبر پہنچی تھی کہ ہمیں آزاد کشمیر یا پاکستان میں گرفتار کرلیا جائے گا۔ اور وزیراعظم سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔پاکستان کی ایجنسیوں نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ وزیراعظم کے مظفرآباد میں رہنے تک آپ کو پاکستان کی کسی حوالات میں رکھیں گے۔ اور پھر چھوڑ دیں گے۔مظفرآباد سے ایک سیاسی رہنما جوڈپٹی منسٹر رہ چکے تھے یا شاید وہ اس وقت حکومت میں تھے نام یادنہیں آرہا۔ نام بھول رہا ہوں، غالباً گیلانی تھے۔ وہ میرپور آئے اورانہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھ پر زور دیا کہ میں مظفرآباد ہرصورت پہنچوں۔وہ ہماری مدد کریں گے۔کیونکہ مسلم کانفرنس کی مزارعین کے بارے میں پالیسی منافقانہ ہے۔

وہ اگر میرپور میں جاگیرداری کی حمایت کرتے ہیں تو مظفرآباد میں مزارعین کے خلاف ہیں۔اگر میرپور میں مزارعین کی امداد کریں تو مظفرآباد میں جاگیرداروں کے حمایتی بن جاتے ہیں۔صرف آپ کی جماعت ایسی ہے جو جاگیرداری نظام کے خلاف ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں کوشش کروں گا ہمارے وفد میں مقبول احمد خاور،صوفی عبداللطیف مرحوم، ماسٹرعبدالرحمٰن مرحوم۔محمد بشیر تبسم اوردوتین آدمی تھے۔ہم مظفرآباد پہنچے تواس وقت سارا کنٹرول پاکستان کی پولیس کے ہاتھ میں تھا۔ڈپٹی کمشنرعنایت اللہ قریشی تھے۔

وزیراعظم کے پاس پہنچے تو ہماری رہنمائی راجہ عبدالخالق مرحوم اسسٹنٹ کمشنر نے کی انہوں نے مجھے بتایا کہ پہلے انٹرویو لینا ہوتا ہے۔آپ کو ڈپٹی کمشنر چند سوال کرے گا اگر وہ اجازت دے تو ملاقات ہو سکے گی۔ہم سیدھے ڈپٹی کمشنر کے دفتر پہنچے۔ڈپٹی کمشنر نے ٹالنے کی کوشش کی۔اس نے پوچھا کہ آپ وزیراعظم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟۔ہم نے کہا کہ ہم وزیراعظم سے مسئلہ کشمیر پر بات کریں گے۔انہوں نے کہا کہ شام کے اجلاس میں وزیراعظم کی تقریر ہورہی ہے۔وہ پاکستان کی پالیسی کی وضاحت کردیں گے۔اس لئے آپ کو ملاقات کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ آپ بات چیت کریں۔ آپ مجھ سے بات چیت کریں میں آپ کو جواب دوں گا۔میں نے اسے کہا کہ اگر ڈپٹی کمشنر کی سطح کی بات ہوتی تو ہم میرپور میں ڈپٹی کمشنر سے بات کرلیتے۔آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کی پالیسی وزارتِ امورِکشمیر کے اختیارات حکومت آزاد کی نااہلی پر باتیں ہوں گی۔اوراس طرح کا جواب وزیراعظم ہی دے سکتے ہیں محمد علی چوہدری وزیراعظم پاکستان شیخ محمد عبداللہ کے کالج فیلو بھی ہیں۔

ادارہ اقوامِ متحدہ میں کشمیر کے اجلاس میں دونوں راہنما وہاں موجود تھے۔امریکہ میں ان کی بات چیت ہوئی تھی۔اس بارے میں بھی معلومات حاصل کرنی ہیں جب اس نے ہمیں غصہ دلایا تو میں نے کہا کہ قریشی صاحب آپ پاکستان میں اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر تھے۔آپ یہاں ڈپٹی کمشنر بن کر کیسے آ گئے۔کیا راجہ عبدالخالق اوران کے ساتھ اکھٹے آپ ایک ہی اکیڈمی میں نہ تھے۔کیا آپ راجہ عبدالخالق مرحوم سے زیادہ لائق ہیں یا وہ غلام قوم کا آدمی ہے اور آپ حاکم قوم کے آدمی ہیں میں یہ بات وزیراعظم کو بھی بتاؤں گا آپ ریونیو کے مقدمات سنتے ہیں۔اوراس کی اپیل کمشنر مال راجہ عدالت خان مرحوم تھے۔ان کی قابلیت اور نیک نیتی پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن وہ قانون مال گزاری تو نہیں جانتے۔

ایک فوجی قانونی فیصلہ کیسے کرسکتا ہے؟ پھر کمشنر کے فیصلہ کے خلاف فنانشل کمشنر کے پاس جانا پڑتا ہے۔اس وقت ہمارے چوہدری عبدالکریم صاحب مرحوم منسٹر تھے۔وہ محکمہ مال کی اپیلیں سنتے تھے۔جبکہ وہ سڑکوں کے ٹھیکیدار تھے۔ اس کے بعد کرنل شیر احمد کو درخواست دینی پڑتی ہے جو خچروں والی فوج کا کرنل ہے اسے انسانوں کی کمانڈ کرنے کے لئے کیوں رکھا گیا اس طرح کی باتیں ہوئیں۔جو ڈپٹی کمشنر سے ذاتی تعلق رکھتی تھیں۔

میں نے کہا کہ آزاد کشمیر میں آزادی پسندوں، لیڈروں کا ملک ہے، اس کا انسپکٹر جنرل اعلیٰ پولیس آفسر ہے۔ انتظامیہ کا اعلیٰ افسر سیکرٹری جنرل ہے اس طرح دو تین اور بھی جنرل ہیں۔آزاد کشمیر کا ڈی آئی جی، IG نہیں بن سکتا آزاد کشمیر کا سیکرٹری، سیکرٹری جنرل نہیں بن سکتا۔کلیدی آسامیوں پر پاکستان سے افسر بھیجے گئے۔وہاں اے ایس آئی۔ایس آئی کا لباس نہیں پہن سکتا انسپکٹر پولیس سپرنٹنڈنٹ کا لباس پہنے ہوئے ہے۔وہ پولیس افیسروں کو کمی سمجھتے ہیں۔اس طرح

تمام محکموں کی حالت بتائی تو وہ ہمارا منہ دیکھتا رہ گیا پھر اس نے کہا کہ آپ کا نام فہرست میں لکھ دیا ہے۔

اتفاق سے کمرہ ملاقات کے ساتھ تقریباً پانچ، دس کے گز فاصلہ پر سٹیج بنایا گیا۔ یہ کافی اونچی تھی۔ اور دو تین قدم اوپر تھی۔ پنڈال میں دریاں بچھائی گئیں اور سائباں بھی لگا ہوا تھا۔ لیکن سٹیج خالی تھی۔ دوسرے روز وفود ملنے کے لئے لان میں کھڑے تھے۔ صدر وزیر حکومت کے تمام محکموں کے سربراہان ضلع انتظامیہ پولیس وزارت امورِ کشمیر کے جائنٹ سیکرٹری وغیرہ کھڑے تھے۔ باری باری وفود کو اندر بھیجا جاتا۔ میں جب گیا تو راجہ عبدالخالق مرحوم نے مجھے اپنے اعتماد میں لے کر کہا کہ حکومت کا فیصلہ ہے کہ آپ کے وفد کو ملنے نہیں دیا جائے گا۔ فہرست میں آپ کا نام درج ہے

آپ کی باری آنے تک وزیر اعظم کسی دوسری تقریب میں چلے جائیں گے۔ ہم نے باہمی مشورہ کیا۔ اور سٹیج پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ محمد بشیر تبسم، محمد مقبول احمد خاور مرحوم، صوفی عبداللطیف سٹیج پر چڑھ گئے۔ مقبول احمد خاور نے ترنم سے علامہ اقبال کا کلام سنانا شروع کر دیا۔ سارے وفود ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور پنڈال میں خاصی گڑ بڑ پیدا ہو گئی ایک دو پولیس افسروں نے سٹیج پر چڑھنے کی کوشش کی۔ تو ہمارے ساتھیوں نے اسے ناکام بنا دیا۔

علامہ اقبال کے اشعار سنائے جانے کے بعد میں نے تقریر شروع کر دی اور جو ڈپٹی کمشنر کے ساتھ بحث و مباحثہ ہوا تھا اس کی تفصیلات سنانی شروع کر دیں۔ چوہدری محمد علی وزیر پاکستان نے پنڈال کی طرف کھڑکی کھول دی اور اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ تقریر کے نوٹس لے اور خود بھی بغور تقریر سننے لگے۔ میں تقریر کرتا رہا۔ میں نے وزیر اعظم کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم صدارت، وزارت منصب اور عہدہ نہیں چاہتے۔ مسلم کانفرنس تین دھڑوں میں محض کرسی کی صدارت کے لئے بٹی ہوئی ہے اور تحریک آزادی کو نقصان پہنچ رہا ہے ان کو متحد کر کے عوام کے ذریعہ انتخابات کرا کر جمہوری حکومت تشکیل کی جائے۔ ہمارے ملازموں اور پاکستان کے ملازموں کی تنخواہوں میں تفاوت کیوں ہے؟۔ سب سے مساوی سلوک کیا جائے۔ یہ حکومت ہمیں آپ سے ملنے کی اجازت اس لئے نہیں دے رہی ہے کہ اصل واقعات آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ آپ کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سب لوگ آپ کے استقبال کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔

اسی دوران وزیر اعظم کا پرسنل سیکرٹری (غالباً نواب زادہ صدیق علی خان) سٹیج کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کے وفد کو بات چیت کے لئے دعوت دی ہے۔ میں نے کہا کہ ہم وزیر اعظم سے نہیں ملیں گے۔ بلکہ وہ خود آ کر سب وفود سے اکٹھے ملیں جو وفد چوری چوری ایک دوسرے سے شکایتیں کرتے ہیں ہماری اس بات پر سب نے اتفاق کیا۔ اور سٹیج پر کھڑے ہو کر سب نے کہا کہ ہم اکٹھے ملیں گے۔ گیلانی صاحب پیش پیش تھے۔ آخر جب میں نے یہ کہا کہ پولیس سب انسپکٹر کے ہاتھ میں بدوں نام لکھے ہماری گرفتاری کے وارنٹ ہیں اور مجھے دھوکے سے سٹیج سے اتار کر گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ میں اس مظفر آباد میں ایک سال کی طویل جیل کاٹ چکا ہوں مجھے گرفتار کرنا ہے تو کر لیں لیکن میں اس وقت

گرفتاری پیش کروں گا جب وزیراعظم سے مل لوں گا۔ وزیراعظم نے پیغام بھیجا کہ وہ باہر آ کر وفود کے نمائندگان سے ملیں گے۔

ہم سب نے مسلم کانفرنس کے رہنما شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ کو سب کی طرف سے ترجمانی کے لئے منتخب کرلیا۔ تمام سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں میں اتفاق ہوگیا۔ وفود کے رہنما برآمدہ میں لائن بنا کر کھڑے ہوئے۔ ان کے ہمراہی و ممبران وفود دو تین گز کے فاصلہ پر لان میں کھڑے تھے۔ ہمارا اتحاد اس پر ہوا تھا کہ وہ آزاد کشمیر میں جمہوری حکومت قائم کریں اور وزارت امور کو جو اختیار حکومت ہٹانے کا تھا۔ وہ ختم کیا جائے کالے قوانین ختم کئے جائیں اور ملازموں کی تنخواہیں پاکستانی ملازموں کے مساوی ہوں۔ لینٹ آفیسر واپس بلائے جائیں۔ اور عدلیہ کو آزادی دیں صرف اس بات پر شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ مرحوم راضی نہ ہوئے کہ وہ منگلا ڈیم کے بارے میں بات کریں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آخر میں آپ بات کردیں۔

وزیراعظم باہر تشریف لائے۔ بڑی عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ چند منٹوں میں شیخ صاحب نے استقبالیہ فقرے دوہرائے۔ اور مطالبات پیش کرتے ہوئے استدعا کی کہ وہ قومی مطالبات پر توجہ دیں۔ اس کے فوراً بعد میں نے کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دریا کا پانی آپ استعمال نہ کریں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ منگلا ڈیم کی بجائے قلعہ روہتاس کے قریب ڈیم بنایا جائے اور حکومت پنجاب کی پرائی سکیم پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ مہاراجہ کشمیر نے بھی انہیں منگلا ڈیم بنانے کی اجازت نہ دی تھی۔ منگلا ڈیم ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے۔

اور یہ ریاست ایک متنازعہ علاقہ کی حیثیت رکھتی ہے متنازعہ علاقہ میں پاکستان یا ہندوستان کو کوئی ترقیاتی منصوبہ بنانے کا حق نہیں ہے۔ اس سے رائے شماری پر اثر پڑے گا۔ اور مسئلہ کشمیر متاثر ہوگا۔ چوہدری محمد علی مرحوم نے بڑے تحمل سے سب مطالبات کا جواب دیا۔ لیکن وہ ایک بیوروکریٹ تھے۔ سیاسی آدمی نہ تھے۔ آخر میں ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ منگلا ڈیم جہاں بنایا جارہا ہے متنازعہ نہیں ہے بلکہ ہمارا فتح کیا ہوا علاقہ ہے بات سچی تھی لیکن موقعہ کی مناسبت سے درست نہ تھی۔

اس ایک فقرے پر لان میں کھڑے سب لوگوں نے بیک زبان کہا کہ یہ مفتوحہ علاقہ نہیں ہے ہمارا آزاد کشمیر ہے اور نعرے بازی شروع ہوگئی۔ چوہدری محمد علی وزیراعظم کمرے میں واپس چلے گئے ہم لوگ واپس میر پور آ گئے۔ مظفر آباد سے آتے ہوئے بالا کوٹ سے گزرے تو یقین ہوگیا کہ ہم گرفتاری سے بچ گئے۔ وہاں چوہدری محمد علی مرحوم کی تقریر سے ہمارے اہل وطن کو بھی یقین ہوگیا کہ پاکستان کی سرکاری پالیسی یہی ہے کہ یہ علاقہ ان کا مفتوحہ علاقہ ہے اور آج تک اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جا رہا ہے جو قابض ملک اپنے مفتوحہ علاقوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایکٹ

1974ء اس کی واضح اور بین حقیقت ظاہر کر رہا ہے۔

وزیراعظم پاکستان فیروز خان مظفر آباد کے دورہ پر تشریف لائے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے کچھ گوشوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے مسئلہ کشمیر کا پر امن حل اور منصفانہ حل یہ قرار دیا تھا کہ اسے دریائے چناب کو لائن تسلیم کرلیا جائے۔ انہوں نے اپنی کتاب جس کا اردو ترجمہ ''نا قابل فراموش'' کے نام سے چھپا تھا۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ چناب کی تقسیم ہی مسئلہ کشمیر کا واحد حل ہے۔ ہمارے لداخ میں بدھ مذہب کے لوگ ہوں گے انہیں چٹا گانگ کے بدھوں کی طرح تمام حقوق ہوں گے۔ اس کتاب کو میں نے کراچی سے پشاور تک اور پورے آزاد کشمیر میں لوگوں کو قابل اعتراض حصے پڑھ کر سنائے تھے۔

ویسے ملک فیروز خان ایک جاگیردار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی جاگیردارانہ ذہنیت ویسی ہی تھی وہ جموں و کشمیر کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔ اور اسے انسانی آزادی کی بجائے زمین کا حصہ قرار دیتے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں یہ پڑھا ہوا تھا کہ وہ جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ میں انڈیا کے ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ ان سے ایک پریس کانفرنس میں ایک صحافی نے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کس کی نمائندگی کرتے ہیں۔؟

انڈیا تو ایک غلام ملک ہے۔ وہ لوگ اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ملک فیروز خان نے شرم و حیا محسوس کئے بغیر یہ جواب دیا کہ انڈیا کے لوگ غلام نہیں ہیں۔ برطانیہ وہاں قابض نہیں ہے بلکہ ہندوستان کو حکومت کرنے کا ڈھنگ سکھایا جا رہا ہے، کیا چار کروڑ چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر حکومت کر سکتے ہیں۔ اور چار کروڑ برطانوی باشندوں میں چند سیکڑے برطانوی فوج کے لوگ ہیں۔ وہ ہندوستان کے وحشی قبائل سے ہندوستان کے اصل باشندوں کو بچا کر ان کے لئے امن قائم کر رہے ہیں۔ ایسی ذہنیت کے شخص کو ملنا میرے نزدیک کوئی اچھی بات نہ تھی۔ ویسے بھی پاکستان کی یونینسٹ پارٹی انگریزوں کی اتحادی رہی ہے لیکن ہمیں ریاست کے بلند پایہ رہنما کیپٹن جنرل سید احمد علی شاہ راجہ میجر عباس اور چوہدری نور حسین نے مختلف ذرائع سے اثر پیدا کر کے ملاقات کے لئے تیار کیا تھا۔ سید علی احمد شاہ صرف بلند پایہ سیاسی شخصیت ہی نہ تھے بلکہ وہ مذہبی اور روحانی رہنما بھی تھے۔

خود مختار کشمیر کے نہ صرف حامی تھے۔ بلکہ انہوں نے ہی قائداعظم کا بیان جو انہوں نے کشمیر کی خود مختاری کا دیا تھا وہ ہمیں دیا تھا۔ وہ قوم کا انتہائی سرمایہ تھے۔ وہ آزاد کشمیر کے صدر اور ڈیفنس منسٹر رہ چکے تھے۔ وہ مسلم کانفرنس کی پارلیمینٹری بورڈ کے چیئر مین تھے وہ مسلم کانفرنس سے اس لئے نالاں تھے کیونکہ مسلم کانفرنس آزاد کشمیر میں جمہوری حکومت کے قیام کے خلاف تھی۔ وہ انہیں کہتے تھے کہ اگر الیکشن کرانا نہیں چاہتے تو مجھے بورڈ کا چیئر مین کیوں مقرر کر رکھا ہے۔ یہی مؤقف انہوں نے چوہدری محمد علی وزیراعظم کی پاکستان میں بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ کراچی میں دیا تھا وہ ہمیں جمہوری

حکومت کے قیام اور تقسیم کشمیر کی مخالفت کرنے کے لئے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

راجہ میجر عباس مرحوم پختہ ارادے کے مالک تھے۔ وہ جس کام کو سچا سمجھتے تھے اس کے لئے تن من دھن قربان کرنے کو تیار رہتے۔ منگلا ڈیم کی تعمیر کے خلاف تحریک میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ منگلا ڈیم کی مخالفت کے لئے جو کمیٹی بنی تھی اس میں وکیل سیاستدان مذہبی رہنما پیر بھی شامل تھے۔ یہ جتنے عہدے دار تھے انہوں نے قرآن پاک پر حلف لیا تھا کہ تن من دھن قربان کر دیں گے۔ ان میں وہ واحد شخص تھے قرآن پاک پر حلف لینے والوں میں واحد شخصیت تھے۔ راجہ میجر عباس خان مرحوم اپنے حلف پر تادمِ واپسیں قائم رہے۔ ان کو جیل میں یہ دھمکی بھی دی گئی کہ ان کے بیٹے راجہ سروپ خان کو فوج سے ڈسمس کر کے نکال دیا جائے گا۔ انہوں نے اسی وقت جواب دے دیا میں اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوں۔

میں فوج کی دھمکیوں سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ قرار نہیں دے سکتا وہ کچھ عرصہ جلاوطن ہو کر انگلینڈ رہے انہوں نے ایک کتابچہ بھی لکھا جس کو حکومت نے ضبط کر لیا اور اسے قابل گرفت قرار دیا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران بھارت کی طرف سے انہیں دلکش پیشکشیں ہوئی لیکن انہوں نے اپنی جوتی کی نوک سے ٹھکرا دیا۔ راجہ محمد اکبر خان مرحوم کے بعد میرپور میں یہ راجہ میجر عباس خان ہیں جن کو ان کی برادری میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ بھی چاہتے تھے کہ ہم ان کے ساتھ ملاقات کے لئے مظفرآباد چلیں۔

چوہدری نور حسین صاحب تو ہمیشہ ساتھ رکھنے کے خواہشمند رہے ان کو ملاقات میں ساتھ لے جایا گیا۔ صوفی محمد زمان مرحوم نے کہا کہ چوہدری صاحب اپنے ذاتی مفادات کی بات کریں گے اس لئے ان کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ وہ صرف قومی مفادات کی حد تک اپنے مطالبات پیش کریں گے۔ صوفی محمد زمان مرحوم عوامی کانفرنس کی کونسل کو نپل پھوٹنے سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک اس قومی جماعت کی آبیاری کرتے رہے۔ محاذ رائے شماری میں عوامی کانفرنس کو شامل کرنے کے لئے انہوں نے بھی کوششیں کی تھیں محمد بشیر تبسم تو عوامی کانفرنس کے بانیوں سے تھے۔ اور عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے کلیدی عہدوں پر تعینات رہ کر عوامی حقوق کی نمائندگی کرتے چلے آئے ہیں یہ بھی درجنوں بار صوفی محمد زمان مرحوم کی طرح جیلوں اور حوالات میں رہے۔ بغاوت کے مقدمات لڑتے رہے لیکن کوئی عدالت ان رہنماؤں کو کوئی سزا نہ دے سکی۔ یہ لوگ میرے جیل کے ساتھی ہی نہ رہے بلکہ جہاں جہاں جانا ہوتا میرے ساتھ رہتے تھے۔

میجر راجہ عباس خان مرحوم نے ہمیں یقین دلایا کہ کوئی شخص بھی اپنے ذاتی مفادات کی بات ملاقات میں نہیں کرے گا وفد کی ترجمانی کیپٹن جنرل سید احمد علی شاہ مرحوم صاحب کو کرنا تھی لیکن وہ قوت سماعت سے محروم تھے۔ اس لئے چوہدری نور حسین جو اپنی پارٹی کے لیڈر تھے ان کو موقع دیا گیا کہ وہ بات کریں موقع کی مناسبت سے ہر ممبر بات کر سکتا تھا۔

کسی پر کوئی خاص پابندی نہ تھی، ملک فیروز خان نون سے ملاقات کے دوران چوہدری نور حسین خان صاحب نے اپنی فیکٹری کا ذکر کر دیا انہوں نے جاتلاں کھڑی میں کوئی فیکٹری لگائی تھی جسے غالباً حکومت پاکستان نے بند کر دیا تھا۔ انہیں ملک سے چند سال تک کیوں جلاوطن رہنا پڑا فیکٹری کے بند ہونے کی وجوہات کیا تھیں۔ البتہ انہوں نے فیکٹری کا نام ہی لیا تھا تو صوفی محمد زمان مرحوم نے فوراً انہیں ٹوک دیا اور کہنے لگے کہ وفد کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے وفد کے ممبران اس گڑبڑ سے پریشان ہوئے تو میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعظم چوہدری صاحب کو الگ وقت دیں اور ہماری باتیں سن لی جائیں وزیراعظم نے الگ وقت دیا۔ ہم نے ملک میں جمہوری حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ اور ملک صاحب کو بتایا کہ مسئلہ کشمیر کو پاکستانی قیادت نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے میں نے انہیں کتاب کے قابل اعتراض حصے بھی دکھائے اور انہیں کہا کہ وہ اپنا بیان دیں کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ بحیثیت وزیراعظم پاکستان وہ کشمیریوں کے موقف کے حامی ہیں کہ لوگوں کو حق خود ارادیت دیا جائے۔ اور انہیں کسی صورت تقسیم ہونا قبول نہیں ہے۔ باتیں خوشگوار ماحول میں ہوئیں۔ اور ہم آپس میں ایک دوسرے سے بدگمان ہو کر واپس آئے۔ تجربہ یہ کہتا ہے کہ وفد میں صرف اور صرف ایک ہی نظریہ کے لوگ شامل ہونے چاہییں۔ اور لوگ بھی ایسے ہوں جنہیں جیلوں کا ڈر خوف نہ ہو۔ اور جیل بھی کاٹ سکے۔ جیل کا ڈر اور اللہ تعالیٰ کا خوف ایک دِل میں جمع نہیں ہو سکتے اس سارے واقعات کا یہ خلاصہ ہے۔

چوہدری نور حسین خان نے انگلینڈ جا کر ایک کارروائی کی انہوں نے عالمی شہرت کے مالک ڈینگل فٹ کی خدمات مستعار لی تھیں اور انہیں کشمیر سازش کیس جس کے بڑے ملزم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ تھے اس کی پیروی کے لئے تیار کیا تھا۔ لیکن بھارت نے کسی غیر ملکی وکیل کو مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت نہ دے کر اپنی ہی شہرت کو خراب کیا تھا۔ اس دور میں ایک خط بھی سمگل کیا گیا تھا جس کا حکومت پاکستان نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ غالباً وہ خط جو جیل سے جیل حکام اور عملہ سے چھپ چھپا کر باہر بھی بھیجا گیا غازی عبدالرحمٰن رٹہ مرحوم محاذ رائے شماری کے جھنڈے تلے انگلینڈ میں ملک کی آزادی کی خاطر کام کرتے رہے۔ وہ خط انہوں نے ہی سمگل کرایا تھا۔ اور اقوامِ متحدہ میں پیش کیا گیا تھا۔ یورپ امریکہ اور بھارت میں اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر ہوئی کشمیری کارکنوں کے حوصلے بھی بلند ہوئے جو آزادی کے لئے کام کرتے تھے۔

غالباً 1958ء کے دوران چوہدری غلام عباس مرحوم نے کشمیر لبریشن موومنٹ KLM شروع کی اور یہ اعلان کیا گیا کہ سیز فائر لائن کو عبور کریں گے۔ اور کشمیر میں ایک ایسی تحریک اٹھے گی جس کے لئے بھارتی حکومت کو دبانا مشکل ہوگا۔ سینکڑوں لوگ میرپور کوٹلی پونچھ اور پاکستان کے شہروں سے چناری مظفر آباد کی طرف مارچ کرتے رہے اور ہر جگہ گرفتاریاں کی گئیں لیکن کوئی بھی سیز فائر لائن کراس نہ کر سکا۔

دوسری حکومت پاکستان خصوصاً صدر پاکستان سکندر مرزا کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے ایما پر تحریک شروع کی گئی تاکہ پاکستان میں افراتفری کو بنیاد بنا کر مارشل لا نافذ کیا جا سکے۔اور دوسری طرف سردار ابراہیم یہ کہتے رہے کہ یہ تحریک ان کو صدارت سے ہٹانے کی خاطر کی گئی ہے۔کیا سچ ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔البتہ میر پور کے ہمارے چند نوجوان لوگوں نے حکومتی طعنے سن کر برداشت نہ کر سکے انہوں نے غالبًا جنگس کے مقام سے بارڈر کراس کر لیا بارڈر کراس کرانے والوں میں سے عوامی کانفرنس کے چند ورکر شامل تھے۔ان بارڈر کراس کرنے والوں میں سے سپہ سالار مسلم کانفرنس کے منجھے ہوئے نوجوان سالار محمد لطیف تھے۔ان کے ساتھیوں میں سے شیخ عاشق حسین غازی یعقوب مرحوم، شیخ محمد جمیل، شیخ حمید قابل ذکر ہیں۔باقی کے نام یاد نہیں آ رہے۔

وہ جنگس کے راستے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے وہاں حکومت ہندوستان نے ان پر بے پناہ تشدد کیا ان کو سزائیں دے کر جموں جیل میں رکھا گیا بعد میں حکومت ہندوستان نے بیانات ریڈیو پر نشر کرنے شروع کر دیئے۔تشدد کے ذریعے ان کے بیانات نشر ہوئے ان سے کہلوایا گیا کہ پاکستان میں ظلم ہو رہا ہے حکومت زبردستی منگلا ڈیم بنا رہی ہے۔ستم ظریفی کی یہ انتہا تھی اس طرح مسلم کانفرنس کے چوٹی کے راہنماؤں نے یہ بیان دیئے کہ ان کا کشمیر لبریشن موومنٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے قبل پچاس کے عشرہ میں ایک اہم واقعہ امت اسلامیہ کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔تحریک ختم نبوت پورے پاکستان میں بڑے زور وشور سے چل رہی تھی۔مارشل لا بھی لگا دیا گیا۔پاکستان کے جید علماء کرام مفسر قرآن اور دوسرے چند لوگوں کو سزائے موت کا حکم بھی سنا دیا گیا تھا اگرچہ پھانسی کی سزا پانے والے سزا سے بچ گئے لیکن اس تحریک نے حکومت کے ایوانوں کو لرزا دیا تھا نہ ناظم الدین رہے اور نہ دولتانہ اپنی وزارت بچا سکا۔اس کے لئے ایک کمیشن بھی مقرر ہوا۔حکومت جہاں کسی معاملہ کو ٹالنا چاہتی ہو وہاں کمیشن بنا دیا کرتی ہے۔اس طرح بڑی بڑی تحریکیں کچھ عرصہ کے بعد ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔

1957ء میں ہزاروں انسان جیلوں میں گئے۔میر پور میں تمام مذہبی جماعتیں تحریک ختم نبوت کی حامی تھیں۔لیکن کوئی جلسہ کرنے کو تیار نہ تھا۔عوامی کانفرنس نے تحریک ختم نبوت کی حمایت میں جلسے کا اعلان کیا۔علماء سے ملاقاتیں کیں۔لیکن جلسہ میں سوائے مولوی کرم الدین صاحب زرگر کوئی بھی شامل نہ تھا۔کچھ علماء حکومت کے ملازم تھے اور کچھ علماء کے بیٹے ملازم تھے۔اس لئے وہ کھل کر تحریک ختم نبوت کی حمایت کرنے سے معذور تھے ہم نے ڈٹ کر جلسہ کیا اور کھل کر تحریک کی حمایت کی۔اور پھر حوالات سے لے کر جیل تک پہنچا دیا گیا۔ہم نے خود مقدمہ بھی لڑا اس وقت ضلعی حکمران بھی لاہوری گروپ کا تھا اور کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے اور اپنا دین ظاہر نہیں کرتے تھے۔کچھ عرصہ کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔

منگلا ڈیم کے کچھ ملازم پاکستانی تھے۔جنہوں نے مقامی لوگوں کی نرمی کا فائدہ اٹھانے کی کوششیں شروع کردیں۔ان دنوں ایک ڈاکٹر محمد دین میر پور آیا۔وہ کٹر مرزائی تھا۔وہ لوگوں کو مفت دوائیاں بھی دیتا تھا۔اور مقصد قادیانیت کی تبلیغ تھا۔شہر میں نفرت بڑھنے لگی، ہمارے علم کے بغیر اہل شہر نے ایک میٹنگ رکھی۔اس میں تمام پارٹیوں کو اکٹھا کیا گیا۔شہر کے لوگوں میں خاصہ سیاسی شعور تھا۔انہوں نے کہا کہ لیڈر لوگ عوام کو آگے کر دیتے ہیں گولیاں چلیں تو عام لوگ مرتے ہیں اور لیڈر بچ نکلتے ہیں۔

میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ ڈاکٹر کی دکان کے سامنے پکٹنگ کی جائے اور لوگوں کو اس کی دکان پر جانے سے روکا جائے۔اس کی دکان گورنمنٹ کالج کے قریب تھی اور ایس پی کا دفتر بھی پاس تھا۔پاس سے سڑک گزرتی تھی فیصلہ کے مطابق دو دو آدمیوں نے ہر روز پکٹنگ کرنی تھی۔پہلے روز کے لئے میری اور غازی الٰہی بخش مرحوم کی ڈیوٹی لگائی گئی۔رات ہی کا کچھ وقت گزرا تھا کہ غازی صاحب مجھے ملے اور کہنے لگے کہ پکٹنگ کل سے شروع کریں۔

مرزائی کا واقعہ

کیونکہ انہیں ایک ضروری ماتم کے سلسلہ میں جہلم جانا پڑا ہے۔میں نے ان سے کہا کہ لوگوں کے اندر بدگمانی پیدا ہوگی اور جوش وخروش ٹھنڈا پڑ جائے گا۔اور چونکہ انسپکٹر جنرل پولیس یہاں ہوگا اور انتظامیہ کو فیصلہ کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوگی میں نے ان سے اجازت لے لی کہ میں اکیلا ہی دوکان کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا رہا کہ یہ مرزائی کی دوکان ہے مرزائی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔پورے پنجاب میں ان کے پبلک جلسوں میں پابندی لگادی گئی ہے وہ مرزائیوں کی کانفرنس میر پور میں کرنا چاہتے ہیں اور میر پور کے لوگ اسے پسند نہیں کرتے اور یہ سارا فتنہ اس مرزائی ڈاکٹر کی وجہ سے ہے۔

کالج کے نوجوان لڑکے بھی میرے اردگرد اکٹھے ہوگئے بھیڑ لگنی شروع ہوگئی اور ڈاکٹر اپنی دوکان بند کر کے گھر چلا گیا شام کے وقت مجھے ضلعی انتظامیہ کی طرف سے پیغام ملا کہ ہنگامی بنیادوں پر ایک میٹنگ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے طلب کر لی ہے۔میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے میں نے چند کتابیں اور ضروریات کی اشیاء ساتھ رکھیں گاڑی میں بیٹھ کر ڈپٹی کمشنر کے دفتر چلا گیا۔وہاں ایس پی اور مجسٹریٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ڈاکٹر بھی وہاں موجود تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مخاطب ہو کر مجھ سے کہا کہ یہ مذہبی فساد شروع ہوجائے گا میر پور پرامن علاقہ ہے آپ اس کا حل بتائیں۔میں نے کہا اس کا حل بہت ہی مختصر ہے آپ مجھے اور ڈاکٹر کو ضلع بدر کر دیں۔میر پور سے نکل جانے کے بعد میر پور

میں کوئی فساد نہ ہوگا۔

ڈپٹی کمشنر نے کہا پھر کیا ہوگا؟ میں نے کہا کہ ڈاکٹر اپنے گھر چلا جائے گا اس لئے کہ وہ آزاد کشمیر کا باشندہ نہیں ہے۔ میں واپس آجاؤں گا کیونکہ میں یہاں کا رہنے والا ہوں۔ مقدمہ بھگت لوں گا اور سزا کاٹ کر وکالت شروع کر دوں گا۔ اور اپنے اس ضلع کو جھوٹے نبی کی دعوت سے بچالوں گا جو انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے۔ وہ اسے گملے میں لگا کر اپنے ملک برطانیہ چلا گیا ہے۔ اس طرح امت گمراہ ہونے سے بچ جائے گی۔

اس اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میٹنگ ختم ہونے سے پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بریف کیس وغیرہ کیسے لائے ہو؟۔ میں نے کہا کہ میں سوچ رہا تھا کہ آپ گرفتار کریں گے اور میں تیار ہو کر آیا ہوں۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے میری باتیں سنیں پھر ڈاکٹر میر پور چھوڑ کر چلا گیا اور مجوزہ کانفرنس نہ ہو سکی۔

پیر مہر علی شاہؒ

ہمارا خاندان پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کے مریدوں پر مشتمل تھا۔ والد محترم اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے میری بڑے بھائی غلام نبی انصاری میرے بھائی کزن مولانا عبدالغنی انصاری اور دیگر تقریباً سب لوگ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ برصغیر ہندو پاکستان کے ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ انہوں نے مرزائیوں کو قادیانیوں کو لاہوریوں کو کئی بار مناظرہ اور مباحثہ کے لئے للکارا۔

وہ کئی دن بادشاہی مسجد میں قادیانی پیشواؤں کا انتظار کرتے رہے۔ ہزاروں انسان اس مباحثہ اور مناظرے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مرزائیوں کے رد میں کئی کتابیں بھی لکھیں۔ پیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اب ایسا گھرانہ جس کے خون میں قادیانیت کے خلاف نفرت بھری ہو وہ کیسے اپنے دل میں کسی گوشہ میں کوئی نرم گوشہ رکھ سکتا ہے۔ میرے بڑے بھائی روزگار کی تلاش میں شملہ ہندوستان میں تھے۔ وہاں بابا کالا خان کی ایک کپڑے کی دوکان تھی اس میں سیلز مین کا کام کرتے تھے۔ بابا کالا خان نامی غالباً محمد عظیم دت ایڈووکیٹ کے نانا لگتے تھے۔ ان کی دوکان پر چوہدری ظفر اللہ آئے تھے۔ ان کی بیگم بھی آتی تھیں اور دوسری مستورات بھی ساتھ لاتی تھیں۔

سر ظفر اللہ خان اور ان کی بیگم کی خواہش تھی کہ میرے بھائی کو منشی فاضل یا مولوی فاضل کا کورس کرا دیں اور انہیں وائسرائے کی کمیٹی میں ملازم کرا دیں۔ میرے بھائی کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ نوجوان بڑا ذہین وفطین ہے اور آگے بڑھنے والا ہے۔ وہ اس طرح انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر قادیانیت پھیلانا چاہتے تھے۔ یہ راز فاش ہوگیا۔ ہمارے والد محترم مرحوم

نے کالا خان کو خطوط لکھنے شروع کر دیئے کہ وہ غلام نبی انصاری مرحوم کو گھر بھیجیں والد مرحوم کے اصرار پر وہ گھر تشریف لائے۔ یہ کہانی بھائی صاحب خود سنایا کرتے تھے۔ انہیں باقاعدہ غسل دلوایا گیا اور از سرنو مسلم بنایا گیا۔ حالانکہ وہ کہتے تھے کہ میں نے کبھی بھی قادیانیت قبول نہیں کی۔

وہ مجلس احرارِ اسلام کے تمام علماء سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا محمد علی جالندھری قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا احمد علی لاہوری، ماسٹر تاج الدین انصاری اور دیگر علماء کے مدارس میں شریک رہے۔ اور ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ میرے گھر والے مجھے بھی ایک بار گولڑہ شریف لے گئے تھے اس وقت پیر مہر علی شاہ صاحب کا وصال ہو چکا تھا اور پیر غلام محی الدین صاحب ان کے جانشین تھے ہم اپنے گاؤں سے گوجر خان کے راستہ گولڑہ شریف پہنچے۔

ہمارا خاندان گولڑہ شریف سے فیض یاب ہوتا رہا۔ اس لئے مجھے ان کے خلاف جان دے کر مقابلہ کرنے میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ یہ علماء کرام ہماری دعوت پر میر پور آتے رہے۔ اور جلسوں سے خطاب کرتے تھے۔ چوہدری عبدالخالق اور ان کے بھائی عبدالعزیز علماء کو میر پور لانے میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ یہ لوگ دین اسلام کی تبلیغ میں ڈوبے ہوئے تھے ابتداء میں ہم نے انجمن فدایانِ اسلام بنائی تھی جس کے پلیٹ فارم سے نوجوانوں کو دعوت اسلام دیا کرتے اس کا بہت اثر رہتا تھا۔ ان کی تقریروں میں ایک شعر سب کی زبان پر ہوتا تھا ؎

ٹیچی ٹیچی کے دوش پر
جناب ٹل مسیح کا جنازہ دھوم دھام سے اٹھ گیا
میں قادیان سے کیا لڑوں فرصت آج کل نہیں
رکوع سے قیود سے قیام سے سجود سے

حضورِ انور ﷺ پر ایک نہیں ہزاروں جانیں نثار کرتا ہوں۔

آزاد کشمیر میں اپوزیشن جماعتیں اور متحدہ محاذ سے لے کر محاذ رائے شماری کا قیام :

پچاس کے عشرہ میں آزاد کشمیر اور پاکستان میں نئی نئی جماعتیں اپنے اغراض و مقاصد کو لے کر سامنے آ گئی تھیں۔ ان سب کے اغراض و مقاصد میں ریاست جموں و کشمیر کی خود مختاری اور مکمل آزادی کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ پیپلز کانفرنس، کسان مزدور کانفرنس، انجمن نوجوانانِ کشمیر ریپبلکن پارٹی محاذ رائے شماری پشاور و کراچی اور اس طرح دوسری جماعتیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ مسلم کانفرنس کے چوٹی کے رہنما الگ ہو چکے تھے۔

وہ مسلم کانفرنس سے اس لئے نالاں تھے کہ یہ وظیفہ خوروں، مفاد پرستوں، ملازموں اور سرکار کی ترجمان جماعت بن گئی تھی۔ اس میں چوٹی کے سب لیڈر مہاجر تھے۔ دو چار کو چھوڑ کر وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا وطن واپس جانا محال

ہے۔اس لئے وہ مستقل پاکستان میں سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے زمینیں مربعے کارخانے الاٹ کروائے امپورٹ لائسنس کے لئے مسلم کانفرنس کی تحصیل کی سطح کی تنظیم کے ورکروں کو بھی وظیفے دیئے جاتے تھے۔اور حکومت پاکستان کو یہ بتایا جاتا کہ یہ کارکن آزادی کی تحریک کے لئے کام کررہے ہیں۔

ہم نے اپنے ساتھیوں سے مشورے کئے۔مختلف مقامات پر گئے سب نے اتفاق کیا کہ جب تک ایک جماعت نہیں بن جاتی تب تک ایک متحدہ محاذ بنالیا جائے۔سب نے اتفاق کیا۔متحدہ محاذ کا پہلا کنونشن میرپور میں ہونا تھا۔پشاور سے کراچی تک تاؤبٹ سے میرپور تک لیڈر اور قومی رہنما میرپور آ گئے۔پنڈال تیار ہو چکا تھا۔

اسے خوبصورت جھنڈیوں محرابوں اور کتبوں سے سجایا گیا تھا۔ پارٹی رہنماؤں کی میٹنگ میری رہائش گاہ پر ہورہی تھی۔کیپٹن جنرل سید علی احمد شاہؒ،عبدالسلام یاتو میرعبدالعزیز خواجہ غلام نبی گلکار انور ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ میرعبدالقیوم مقبول احمد بٹ محمد سعید شاہ نازکی میرعبدالمنان، امان اللہ خان، ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم کا مرید مقبول احمد خاور اور خورشید عالم اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔نام یاد نہیں۔البتہ ریاست کی ذہین ترین سوسائٹی کے ذہین ترین رہنما مل کر بیٹھے تھے۔کیپٹن سید احمد علی شاہ کے قدو قامت کا پوری ریاست میں کوئی لیڈر نہ تھا۔عبدالسلام یاتو ایک منجھے ہوئے سیاستدان، میرعبدالعزیز ایڈیٹر انصاف اور مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل رہ چکے تھے۔ جناب ملک عبدالمجید صاحب ایڈووکیٹ بھی اپنی پارٹی کے سربراہ تھے۔میرعبدالمنان اور میرعبدالقیوم شہداء کی اس نسل میں سے تھے جس نے پاکستان کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔امان اللہ خان گلگت وسرینگر میں اور آزاد کشمیر میں جانے پہچانے سرگرم رہنما تھے۔مجید امجد بٹ،ایڈیٹر ہفتہ وار جموں کے ان فداکاروں میں سے تھے جو ہمیشہ حلیفِ اول میں جنگ آزادی لڑتے تھے۔میٹنگ جاری تھی کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف سے حکم ملا کہ متحدہ محاذ پر قانونی پابندی لگادی گئی ہے۔ یہ جلسہ نہیں کرسکتی۔پولیس کے بڑے دستے نے مجسٹریٹ کی سربراہی میں پنڈال کو گھیرے میں لے لیا۔صوفی محمد زمان، محمد بشیر تبسم، محمد گلزار انصاری نے قانونی پابندی کی خلاف ورزی پر زور دیا۔لیکن کیپٹن جنرل احمد علی شاہ جو ہمیشہ قانون کی پاسداری کرتے رہے ہیں انہوں نے نوجوانوں کو اس کے نتائج سے باخبر کیا اور اجلاس میں جو قراردادیں پاس ہوئی تھیں وہ پاس ہوکر اخباری نمائندوں کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

پولیس وارنٹ گرفتاری لے کر میری رہائش گاہ پر پہنچی انہوں نے میرعبدالعزیز اور خواجہ غلام نبی گلکار انور کو وارنٹ گرفتاری دکھائے، خواجہ غلام نبی گلکار انور آزاد کشمیر حکومت کے بانی صدر رہیں وہ اس وقت ''ہمارا کشمیر پارٹی'' کے سربراہ تھے۔ان دواشخاص نے خودمختار کشمیر کے لئے کام کیا ہے۔اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ جلاوطن ہوئے اور جیلوں میں گئے۔اخبارات کے ڈکلریشن منسوخ ہوئے ان پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں۔لیکن انہوں نے اپنے وطن کے لئے

یہ سب مصیبتیں ہنسی خوشی جھیلیں۔ ہمارا کنونشن ہوجاتا تو شاید اس کو اتنی پبلسٹی نہ ملتی جتنی ہمیں جلسہ روکنے اور ملک بدر کئے جانے سے ملی۔ اخبارات میں بڑے جلی حروف میں خبریں شائع ہوئیں اور کشمیر کا پڑھا لکھا طبقہ ہمارے حق میں خود بخود پروپیگنڈہ کرنے لگا۔

محمد بشیر تبسم خواجہ غلام نبی گلکار انور اور میر عبدالعزیز وغیرہ کے ساتھ جا کر سرائے عالمگیر چھوڑ آئے تھے۔ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ان کو جگو ہیڈ کے پاس اتار دیں گے۔ آدھی رات کا وقت ہے اس وقت کوئی بس بھی نہ ملتی تھی اس لئے پریشانی دور کرنے کے لئے محمد بشیر تبسم ان ساتھیوں کو سرائے عالمگیر چھوڑ آئے تھے۔ ان سب پارٹیوں کے اتحاد کا نقطہ آغاز تھا جو بعد میں محاذ رائے شماری کی شکل میں سامنے آیا۔ اس کے بعد یہ پارٹیاں محاذ رائے شماری میں مدغم ہوگئیں۔

میری شادی

25 دسمبر 1955ء کو میری شادی ہوئی تھی۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر مدبر اعظم شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ انبالہ سے میری پہلی ملاقات چالیس کے عشرہ کے آغاز میں میر پور میں ہوئی تھی۔ مرزا عالم الدین الحاج وہاب الدین مولانا عبدالغنی انصاری مولانا غلام نبی انصاری حاجی حسن محمد مرحوم۔ گلزار احمد مرحوم مولانا فضل الدین بھٹی وکیل ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی، اور ان کے ہمراہیوں نے آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر گھر میر پور میں مومن کانفرس کی شاخ کو خطاب کرنے کے لئے رابطہ کیا تھا۔ اس اجلاس کا اہتمام درجنوں انصاری برادری کے لوگوں نے کیا تھا اس اجلاس میں، میں نے بھی تقریر کی تھی۔ جو انہیں بہت پسند آئی تھی، اس کے بعد اُن سے رابطہ برصغیر ہندو پاک کی تقسیم کے بعد لاہور میں ہوا تھا۔

میں اس وقت لاء کالج کا طالب علم تھا۔ لاہور میں مومن کانفرنس کا دفتر قائم تھا۔ اور میں وہاں آتا جاتا رہا۔ میری بیماری کے ایام بھی لاہور میں گزرے تھے لاء کالج سے فارغ ہو کر سرگودھا جا کر ان کی زیر تربیت پریکٹس شروع کی تھی۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد واپس آ گیا۔ اس دوران وہ خود بھی TB کے مریض بن گئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ ایسی جگہ جائیں جہاں چیل وغیرہ کے درخت ہوں میری خوش قسمتی تھی کہ میرے ایک دوست عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ کوٹلی میں رہتے تھے۔ موصوف بڑے نیک دل اور پارسا تھے۔

انہوں نے شیخ صاحب کے لئے سنگیام کوٹلی میں رہائش کا انتظام کیا اور وہ سنگیام چلے گئے۔ ہم نے میر پور شہر میں عدالتوں کے احاطہ میں ان کے اعزاز میں عصرانہ کا انتظام کیا تھا جس میں تمام وکلاء عدالتوں کے جج صاحبان اور شہر کے مشہور سیاسی سماجی اور مذہبی انجمنوں کے لیڈروں نے شرکت کی تھی۔ ان کی تقریر سے ہر شخص متاثر ہوا۔ 1947ء میں ہندو مسلم فسادات کا انہوں نے ذکر کیا جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ وہ ظلم کی داستان بیان کرتے ہوئے

اشکبار ہو گئے اور کوئی آنکھ بھی ایسی نہ تھی جو پرنم نہ ہوئی ہو۔

میری شادی کا انتظام میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاری، چوہدری کرم الٰہی مرحوم، سید شبیر حسین شاہ صاحب مرحوم وکیل سرکار، ملک محمد اسلم خان ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میرپور اور میرے دوسرے سیاسی ساتھیوں نے مل کر کیا تھا۔

1955ء میں جیلوں کی زندگی سے تھوڑی سی فرصت مل گئی تھی تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شادی کی تاریخ رکھوائی گئی۔ میری خواہش تھی کہ میں ایک دو کاریں لے کر جاؤں گا اور دوپہر کا کھانا کھا کر شام کو واپس آ جائیں گے۔ شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ اور ان کے رفقاء اسے اپنی اعانت سمجھتے تھے۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ 70، 80 سے کم آدمیوں کی بارات کا وہ استقبال کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ میں اتنے بڑے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چوہدری کرم الٰہی مرحوم نے سارا ذمہ اٹھایا اور بڑے بھائی صاحب کو کہا ان کی بات مان لی جائے۔

تاریخ مقرر کی گئی اور بارات میں شامل کرنے کے لئے فہرست بھی دوسرے ساتھیوں نے ترتیب دی۔ البتہ مشورہ مجھ سے ضرور لیتے رہے۔ میری بارات میں کیپٹن جنرل سید علی احمد شاہ صاحب مرحوم سابق صدر حکومت چوہدری نور حسین سابق سینئر وزیر تعلیمات و مال، سیشن جج صاحبان اور دوسرے مجسٹریٹوں کے علاوہ کامریڈ محمد مقبول احمد خاور، صوفی محمد یعقوب آف ڈھانگری غازی عبدالرحمٰن شیخ چوہدری شاہباز خان، چوہدری محمد صادق، حاجی برادران بلاگالہ پوٹھہ مشیر اور موہڑہ کینال وغیرہ سے چیدہ چیدہ مذہبی اور سیاسی شخصیتیں شامل تھیں۔ ملک محمد اسلم خان مرحوم نے سید زمان شاہ سے ایک بس جو بالکل نئی تھی وہ لی تھی۔ اور دوسری بس سید زمان شاہ مرحوم نے بدوں وصولی کرایہ خود دے دی تھی۔ پانچ چھ کاریں تھیں اور ایک خوبصورت بالکل نئی جیپ جو چوہدری نور حسین نے چند دن پہلے پہاڑی علاقوں کا دورہ کرنے کے لئے خریدی تھی جو افسروں کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ ان دنوں سرگودھا کا نصف دِن سے زیادہ لمبا راستہ تھا۔ سڑکیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ رات کو ڈاکوؤں نے ڈیرے ڈالے ہوتے تھے۔ ہمیں راستہ میں ایک بس کی خرابی کی وجہ سے رکنا پڑا اور بارات جو صبح چلی تھی وہ شام کے اندھیرے میں پہنچی۔

ہمارے راستے کو وہاں کے لوگوں نے بقعہ نور بنا رکھا تھا۔ دولہا کے لئے جو انتظامات کئے جاتے ہیں اور جو خاص لباس پہنایا جاتا ہے سرگودھا کے رواج کے مطابق سب موجود تھے ایک خوبصورت گھوڑا بھی ساتھ رکھا ہوا تھا مجھے انہوں نے گاڑی سے نکال کر لباس ہار، سہرا، پگڑی وغیرہ پہننے کے لئے بہت اصرار کیا لیکن میں نے پاجامہ قمیض، شیروانی پہن رکھی تھی اور سر پر قراقلی ٹوپی تھی میں اسی سادہ لباس میں وہاں بارات کے ساتھ پہنچا تھا۔ جو اس غرض کے لئے سجائی گئی تھی میں غریب ضرور تھا ایک مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے گھر میں پیدا ہوا تھا اور اسی غریب گھرانے میں پرورش پائی تھی لیکن میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شہزادوں کی طرح بسر ہوئی۔

میرے بھائیوں نے انگلینڈ سے مارکس اینڈ سپینسر کے بنے ہوئے اعلیٰ ترین اور نہایت قیمتی سوٹ بھیجے تھے میرے بڑے بھائی محمد صادق انصاری اور چھوٹے بھائی عبدالمالک انصاری نے ہر ہر قدم پر میری مدد کی اور ہمارے انتہائی مخلص دوست چوہدری کرم الٰہی کے کئے گئے تمام اخراجات اپنی پہلی فرصت میں بھیج دیئے تھے۔ کام ادھار پر چلتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہی کہ اس نے مجھے قرض کے بوجھ تلے دبنے نہیں دیا۔

چوہدری نور حسین بہت بڑا فیاض اور لمبے ہاتھ والا ہے ویسے اس کے ہاتھ دیکھیں تو چھوٹے چھوٹے ہیں جب ان سے ایک دفعہ جنرل چشتی نے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ تو بہت چھوٹے ہیں تو انہوں نے فوراً جواب دیا یہ بریگیڈیئر حیات خان سے پوچھو وہ پہلے ان کی ہاتھا پائی کی شکایت جنرل چشتی سے کر چکا تھا۔ چوہدری نور حسین نے میرے لئے ایک ٹائی جو قمیض کے ساتھ لگی ہوئی تھی وہ خرید کر لائے وہ ایک گھر کے کمرے میں لے گئے اور سینہ زوری سے مجھے پہنا دی۔ وہ بالکل مجھے پوری بھی تھی۔ اب میں سوٹ میں اس دور کے رواج کے مطابق صحیح دولہا لگ رہا تھا۔

80-90 کے قریب لوگ بارات کے ساتھ تھے۔ تین دِن تک ہمیں رکھا گیا کھانے تیار کرنے والے دہلی کے مشہور پکانے والے وازہ وان اور کک تھے۔ انہوں نے تین دن تک مختلف اور لذیذ کھانے کھلائے، صبح اٹھتے ہی چائے تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ دیا جاتا پھر کھانا کھلایا جاتا۔ ظہر کے بعد چائے اور دیگر لوازمات ہوتے۔ شام کے بعد کھانا کھلایا جاتا تھا۔

وہاں انہوں نے اسکول خالی کرار کھے تھے جس میں بستر اور چار پائیاں بچھا رکھی تھیں۔ سب کو اپنے اپنے مذاق اور پسند کے مطابق آرام کرنے کی جگہ ملی تھی۔ تین دِن کے بعد ہم واپس آئے میرے پاس چوہدری نور حسین کی جیپ تھی مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ بس میں یا کار میں کسی دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر واپس آئے تھے۔ سرگودھا کے بڑے بڑے سردار نواب، سیاست دان اکٹھے تھے۔ اور ساری رات سیاسی بحثوں میں گزار دیتے تھے۔ یہ عرصہ دِلوں میں نقش بٹھا گیا۔

میں نے شادی کی تھی میں نے اپنی ہونے والی بیگم کو نہ دیکھا تھا۔ نہ ہی بیگم نے مجھے دیکھا تھا۔ یہ پرانے دستور کے مطابق ہی دونوں طرف کے بزرگوں نے رشتہ جوڑ دیا تھا۔ مجھے اس وقت پتہ نہیں تھا لیکن اب 86 برس گزر چکے ہیں اور شادی کو 57 برس گزر گئے مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ عظیم باپ کی بیٹی ہے جس کی بدولت میری سیاسی جدوجہد میں کوئی فرق نہ آیا کتابیں لکھنے میں اس نے مدد کی۔ بچوں کی پرورش میں اس نے سارا عرصہ گزارا۔ میرے تمام بچے خدا کے فضل و کرم سے نیک اور صالح ہیں۔ انہوں نے ایک بہادر ماں کی گود میں پرورش پا کر کبھی بھی کسی موقعہ پر کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اولاد کو عزت واحترام دے اور انہیں آخرت میں سابقون الاوّلون کا درجہ دے

اور متقیوں کا امام بنائے۔ یحیٰ حکمران کے دور میں میری گرفتاری کے بعد ہر طرف یہ شور سا اٹھا تھا کہ اس دفعہ ہم بچ نہیں سکیں گے اور غداری کے مقدمہ میں ہمیں سزائے موت ہو جائے گی۔ یہ خبر جب جناب شیخ محمد ظہیر الدین ایڈووکیٹ کے پاس پہنچی تو یقیناً پریشان ہوئے ہوں گے ان کے تعلقات پاکستان میں بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ تھے۔ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت تک ان کی رسائی تھی وہ میرپور آئے تو اپنی بیٹی سے ان خدشات کا اظہار کیا اور کہا اب ایک ہی صورت رہتی ہے کہ بیٹی اگر تمہاری طرف سے کوئی درخواست دی جائے تو شاید اس کا فائدہ ہو تو اس پر میری اس عظیم بیوی نے کہا کہ ابا جی یہ بتائیں کہ میرا خاوند حق پر ہے کہ نہیں ہے؟ وہ سچا ہے کہ نہیں؟ تو اس پر شیخ صاحب نے بیٹی سے کہا کہ بیٹی ہے تو وہ حق پر اور سچا بھی ہے۔

اس پر میری بیوی نے اپنے ابا کو مخاطب ہو کر کہا کہ ابا جی اگر میرے خاوند حق اور سچ پر ہیں تو سچ کی خاطر پھانسی لگتے ہیں تو لگنے دیں۔ میں کبھی ایسی درخواست دے کر ان کے لئے ندامت کا باعث نہیں بن سکتی۔ میرے بھائیوں نے اس راہ میں اپنا سب کچھ لٹایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش اور محنتیں قبول فرمائے، آمین۔

منگلا ڈیم کی تعمیر پر گرفتاری

شادی کے بعد آزمائشوں کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ متحدہ محاذ بن جانے کے بعد مختلف شہروں اور مقامات پر جلسے اور جلوس رکھے گئے۔ اب ہر جلسے میں تقریباً تمام پارٹیوں کے لوگ شریک ہوئے اسی دوران منگلا ڈیم کی تعمیر کا سلسلہ زور و شور سے شروع ہو گیا تھا۔ تحصیل میرپور کے لوگ یہ یقین ہی نہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کبھی دریاؤں کے رخ بھی موڑے گئے ہیں یا ان کو بند کیا گیا ہے۔ جہالت عام تھی لیکن جب بڑے بڑے لکڑی کے اونچے اونچے بلے لگانے لگے تو پیمائش اراضی کرنے والا محکمہ بھی پہنچ گیا۔ اور اب محسوس کرنے لگے کہ ان سب کا اُجڑنا قریب آ لگا ہے۔ اسی طرح پوری تحصیل میں ہل چل مچ گئی۔ اب جب کبھی جلسے کرنے کی ضرورت ہوتی اشتہار کی بھی ضرورت نہ تھی۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے فوراً خبریں مل جاتی تھیں۔ دو چار مقامات پر اراضی پیمائش کرنے والوں اور مکانوں پر نمبر لگانے اور لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا بھی ہوا تھا۔

بڑی تعداد میں غیر ملکی بھی داخل ہو گئے۔ دوسرے اضلاع کے لوگوں کو ماہانہ وظیفہ دے کر میرپور میں منگلا ڈیم کے حق میں زمین ہموار کرنے کے لئے لایا گیا۔ ضلع میرپور کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے وظیفے بھی لگ گئے۔ کسی بڑی سے بڑی جماعت کو یہ سچ کہنا نصیب نہ ہوا کہ منگلا ڈیم متنازعہ علاقہ میں بنایا جا رہا ہے۔ اور اس کے عوض چناب اور راوی بیچے جا رہے ہیں۔ مسئلہ کشمیر اس کی تعمیر سے متاثر ہو گا۔ بلکہ پاکستان کشمیر کا دو تہائی حصہ کھو بیٹھے گا ہمارے ہم وطنوں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ پاکستان کی وزارت خارجہ اور دوسرے رہنما مسئلہ کشمیر کو پانی کا مسئلہ بنا کر اسے بنگلہ دیش سے ملاتے

تھے جب کوئی سپر پاور اس سے پوچھتی کہ کشمیر کا مسئلہ کیونکر متنازعہ بنایا گیا تو یہ جواب دیتے کہ پاکستان کی معیشت کا انحصار زرعی اراضیات پر ہے اور اگر کشمیر کے دریاؤں کا پانی روک دیا جائے تو پنجاب بنجر ہو جائے گا اور ملک تباہ ہو جائے گا وہ ان کو یہ نہیں کہتے تھے کہ جموں وکشمیر کا مسئلہ بنیادی طور پر حقوق انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ کشمیریوں کو حق خود ارادیت ملنا چاہیے سپر پاور نے کہا کہ ڈیم بنالو اور جھگڑے ختم کرو۔ منگلا ڈیم بن گیا مگر جھگڑا ختم نہ ہوا۔

پاکستان کے سیاستدان بہت بڑے کم ظرف کے مالک ہیں انہوں نے جبر سے ڈیم بنالیا لیکن خالص انسانی مسئلہ حل نہ کر سکے منگلا ڈیم تحصیل میرپور کے ہر مرد وزن کا مسئلہ تھا۔ وہ اپنے صدیوں پرانے گھروں کے ماحول سے اجاڑے جانے والے تھے۔ انہیں اپنا مستقبل ہر لحاظ سے تاریک نظر آتا تھا۔ چونکہ 12 دسمبر 1960ء کو ایک جلسہ چک ہریام میں ہوا یہ جلسہ ایک قسم کی رائے شماری کے مطابق تھا۔ تحصیل میرپور کے لوگ چاروں طرف سے جلوسوں کی شکل میں چک ہریام اکٹھے ہو گئے۔ جلوسوں کا ایک سرا چک ہریام اور دوسرا سرا میرپور شہر کے گورنمنٹ کالج گراؤنڈ تک تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔

حکومت نے فوج کو بلا لیا تھا۔ پاکستان سے پولیس کانسٹیبلری بھی بڑی تعداد میں موجود تھی اس وقت ملک کا صدر کے ایچ خورشید ڈاک بنگلہ میں بیٹھا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پولیس نفری کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ اور پاکستان کی پولیس ہمارے صدر کی حفاظت کر رہی تھی۔ حکومت نے فیصلہ کیا کہ فوج استعمال کی جائے دس بیس آدمی مرتے ہیں تو مر جائیں ہمیں یہ تمام خبریں مل رہی تھیں۔

ہم نے جلسہ گاہ کالج گراؤنڈ میں لوگوں کو لا کر کہا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں پر امن چلے جائیں پولیس نے تمام مساجد اور دوکانوں کا گھیراؤ کر رکھا تھا سیاسی لیڈروں کے گھروں پر اردگرد پولیس کا پہرہ تھا۔ شام ہوتے ہی بے شمار لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے اور محمد بشیر تبسم، غازی الٰہی بخش، میجر راجہ عباس، راجہ محمد نجیب، صوفی محمد زمان، جناب چوہدری شیر زمان صاحب ملک عبدالمجید صاحب چک دیاراں کے مرزا محمد حسین وغیرہ کو تھانہ لے جایا گیا۔ ہم دو چار آدمیوں کو فوج کے احاطہ میں لے جایا گیا۔ فوج اس طرح کھڑی تھی جیسے جنگ کی حالت ہو۔

کچھ دیر ہم پر فوج کا رعب ڈالنے کے لئے وہاں رکھا گیا اور پھر تھانہ میں گرفتار شدہ حالت میں لایا گیا جہاں سے ہمیں بارش اور آندھی کے باوجود کسی جگہ آرام کے بغیر مظفرآباد جیل لے جایا گیا۔ ملک عبدالمجید صاحب اور چوہدری شیر زمان کو مظفرآباد تھانے لے جایا گیا جبکہ ہمیں دولائی ٹارچر سیل میں لایا گیا۔ راستہ ہم نے بڑی مشکل سے طے کیا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ راجہ محمد نجیب بار بار پولیس افسران کی منتیں کرتے کہ وہ بس کو روکیں کیونکہ وہ مریض تھے اور ناقابل برداشت تکلیف سے بچنے کے لئے پیشاب کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ان ظالموں نے بس نہ روکی صوفی محمد زمان مرحوم نے بس کے آگے کی نشستوں پر بیٹھے آواز دی کہ شیشہ کھولو اور پیشاب کرلو۔ ادھر تیز ہواؤں کی وجہ سے چھینٹے اندر آرہے تھے۔ جہاں پولیس بیٹھی ہوئی تھی۔ راستہ میں مرزا محمد حسین نے بہت سے لطیفے بھی سنائے۔ انہوں نے ASI سے پوچھا کہ اسے کس جرم کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا ہے وہ تو منگلا ڈیم کی تعمیر کے حق میں ہیں۔ بلکہ ان کے لیڈر غازی الٰہی بخش مرحوم بھی آگے کی نشستوں پر ہمارے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ بھی منگلا ڈیم کی تعمیر کے مخالف نہیں ہیں یہ اندھا دھند گرفتاریاں کیوں عمل میں لائی گئیں ہیں؟۔

انہوں نے کہا کہ ایک سفید کاغذ لے کر آؤ۔ میں اس پر دستخط کر کے دیتا ہوں کہ اس کو معافی نامہ کی عبارت سمجھ کر سنبھال لیں۔ میں تو انگلینڈ جا رہا ہوں مجھے ابھی راستہ ہی میں چھوڑ دو میں میرپور مڑ کر نہیں دیکھوں گا۔ سیدھا انگلینڈ چلا جاؤں گا وہ مذاق بھی کر رہے تھے اور معافی بھی مانگ رہے تھے۔ جب انہوں نے کہا کہ کورے کاغذ پر دستخط کرنے کو تیار ہیں اس کا طلاق نامہ بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں بس میں دو چار ساتھی خاموش رہے باقی سب زور زور سے ہنستے رہے۔ مرزا محمد حسین بڑا خوبصورت نوجوان تھا اس کی باتوں میں ظرافت تھی اور وہ روتے دوستوں کو ہنسا سکتا تھا۔ بااخلاق، بامروت تھا۔ پارٹی کے ساتھ اس کی لگن بڑی مضبوط تھی۔

اس نے جب یہ کہا کہ گرفتاری کے وقت پولیس نے ہر چیز ضبط کر لی تھی۔ اب اس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ نہیں ہے لیکن صاحب آپ مجھے یہاں اتار دیں میں آپ سے کرایہ بھی نہیں مانگوں گا۔ اور نہ کسی خلافِ قانون حرکت کا ارتکاب کروں گا۔ تو ASI جو پٹھان تھا اسے صوفی محمد زمان کے اس سوال پر کہ پانی یزید نے روکا تھا اور تم اس کے نقش قدم پر چل کر یزیدیت کا ثبوت دو گے تو صوفی محمد زمان نے سر اٹھا کر کہا کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کا پانی روکا تھا۔ اگر حضرت امام حسینؓ نے یزید کا پانی روکا ہوتا تو تاریخ مختلف ہوتی۔ ہم تمہیں پانی تول تول کر دیں گے۔ ASI نے کہا نمک تم ہمارا کھاتے ہو تو صوفی محمد زمان مرحوم نے فوراً جواب دیا کہ ہم نمک کے پیسے دیتے ہیں۔ پاکستانی قوم کو جس کو اللہ تعالیٰ نے نمک کے پہاڑ دیئے ہیں وہ اپنی قوم کو بھی نمک بیچتے ہیں اس طرح کی باتیں کرتے دولائی پہنچے کچھ ساتھی سنٹرل جیل مظفرآباد لے جائے گئے۔ مرزا محمد حسین واپس چلے گئے اور چند دِنوں کے بعد راجہ محمد نجیب صاحب بہت ہی خلیق قسم کے آدمی تھے ہم سے ملے بغیر گھروں کو واپس چلے گئے۔

مرزا محمد حسین چار دن کے قریب دولائی جیل، محمد بشیر تبسم اور صوفی محمد زمان کے ساتھ رہے پھر حکومت سے معافی مانگ کر گھر چلے گئے۔ صوفی محمد زمان اور محمد بشیر تبسم وہاں ہی پڑے رہے۔ چوہدری محمد شیر زمان خان ایڈووکیٹ بعد میں سپریم کورٹ کے جج اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے اور ملک عبدالمجید صاحب ایڈووکیٹ وہ بھی ہائی کورٹ کے

چیف جسٹس ریٹائر ہوئے وہ بھی چند دِنوں کے بعد گھر کو چلے گئے۔

ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ ایک اعلیٰ پایہ کے قانون دان ہیں اوران کے تاریخ ساز فیصلے وکلاء کے لئے مشعل راہ ہیں۔گلگت و بلتستان کا تاریخی فیصلہ ان ہی کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ سیاسی میدان میں وہ ایک مشہور دانشور سیاستدان متصور تصور ہوتے ہیں۔وہ آج بھی جموں وکشمیر کی آزادی کے لئے سرگرم ہیں اورلبریشن لیگ کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں۔مسئلہ کشمیر کواقوامِ متحدہ سے لے کر دہلی اور جموں سرینگر تک اس کی اصل شکل میں پیش کیا وہ میرے سیاست کے رفیق رہے ہیں اور ہراہم واقعہ پران کی شرکت کولازمی سمجھا جاتا ہے۔ان کے ماموں عبدالعزیز پولیس انسپکٹر تھے۔انسپکٹر پولیس نے انہیں ملازمت سے سبکدوش کرنے کی دھمکی دی تھی۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ دلوں کا حال اسی کومعلوم ہے یہ لوگ قوم کا سرمایہ ہیں۔اورعدالتی فیصلوں میں بھی اپنا نام کمایا۔

ہم باقی پانچ ساتھی رِہ گئے تھے غازی الٰہی بخش مرحوم جن کی گردن ڈوگرہ کے آگے نہ جھکی تھی وہ بیماری کی وجہ سے گھر چلے گئے شیخ عبدالحیٔ ایک نامور بیوروکریٹ سیاستدان تھے۔سیاست ان کے گھر کی لونڈی تھی وہ میرے پاس آئے ہم دونوں غازی صاحب کے پاس پہنچے انہیں وہاں کوئی علاج میسر نہ تھا۔ جب تک ان کی صحت ٹھیک رہی میں اور وہ دونوں میں اکٹھے لکھتے رہےاورانہیں یہ گلہ مسلم کانفرنس سے تھا کہ جس مسلم کانفرنس کے لئے انہوں نے ساری زندگی لگا رکھی تھی۔ جب وہ گرفتار ہوئے تو مسلم کانفرنس کوایک قرارداد بھی پاس کرنے کی اخلاقی جرأت نہ ہوئی میں نے انہیں ہفتوں تک بحث ومباحثہ کے بعد تیار کیا تھا۔ کہ وہ اب حکومت میں بحثیت کیبنٹ ممبر کے شامل ہونے کا مطالبہ کریں ایک بات تفصیل طلب ہے وہ کابینہ کے ممبر بھی ہے۔اورایک سیاسی رہنما کی خدمات کوسراہا گیا۔

راجہ میجر عباس خان مرحوم کوجیل میں دھمکیاں دی گئیں کہ ان کے ہونہاراور جرأت مند بیٹے کوفوج سے نکال دیا جائے گا وہ بیٹا جنرل بھی بنااور پھر پنجاب کا گورنر رہا۔میجر عباس خان صاحب نے ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ ہمالیہ سے بلند ارادوں کے مالک تھے۔ وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے فوج کوصاف صاف بتادیا تھا کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ راجہ سروپ خان کوفوج سے نکال دیا جائے تو وہ باخوشی نکال دیں میں منگلا ڈیم کی مخالفت سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ منگلا ڈیم کے خلاف انہوں نے ایک پمفلٹ بھی لکھا تھا۔ جس کو حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر نے خلاف قانون قرار دے کر ضبط کرلیا تھا۔ وہ رہائی کے کچھ عرصہ بعد انگلینڈ چلے گئے۔ جہاں انہیں انڈین حکومت کی طرف سے دلکش پیشکش کی گئی لیکن وہ بہادر، ملک دوست، خداپرست اورسچائی کا مجسمہ کسی قیمت پر خریدا نہ جاسکا۔اللہ تعالیٰ ان کی روح پر پھول نچھاور کرے۔کچھ مہینوں کے بعد محمد بشیر تبسم اورصوفی محمد زمان مرحوم کوبھی حکومت نے رہا کردیا۔

حکومت عوامی دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکی۔اب میں تنہا جیل میں باقی رہ گیا تھا کچھ ہفتوں کے بعد مجھے بھی رہا کر دیا گیا۔اس مقدمہ کی نقل ابتدائی ڈسٹرکٹ جج منگلا ڈیم کی عدالت میں موجود ہے۔اس میں ہمارے سب کے بیانات شامل ہیں۔محمد بشیر تبسم کی کتاب چھپ کر آئی تھی تو ہاتھوں ہاتھ لوگوں نے خرید لی تھی۔

غازی الٰہی بخش مرحوم کا بیان بھی اس مثل میں شامل ہے جو کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لیکن اس کا املا غازی صاحب نے خود کرا دیا تھا۔اس کے ہر صفحہ پر غازی مرحوم کے دستخط کروائے تھے۔اب نئی نسل کا کام ہے کہ ان بیانات کو چھپوائے اور قوم کی سیاسی تربیت کرے۔دوسرے مقدمے میں میرے کزن مولانا عبدالغنی صاحب اور میرے ساتھی چوہدری شاہ باز خان نے بھی تحریری بیان داخل کئے تھے۔وہ بھی اس مثل میں شامل ہیں انہیں بھی شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

انٹیروگیشن سنٹر دولائی کیمپ میں تشدد

اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔اگرچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنے والے کو بہت دیر کے بعد محسوس ہوتا ہے ہم پر دولائی میں تشدد کا منصوبہ بنایا گیا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔جو پنجاب پولیس منگوائی گئی تھی انہیں دولائی تعینات کیا گیا ان میں چند کانسٹیبلان کو IG راؤ عبدالرشید نے اپنے ساتھ بطور حفاظتی دستہ رکھا تھا۔اور کچھ کانسٹیبلان کو صدر کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔یہ مشہور کیا گیا کہ چک ہریام کے جلسے کے بعد سرکاری ملازموں کو قتل کر دیا جائے گا۔سرکاری عمارتیں نظر آتش کر دی جائیں گی۔اس طرح وہاں نئی حکومت بنائی جائے گی۔اور بہت سی باتیں گردش کرتی رہیں،سب یاد نہیں۔

پنجاب کانسٹیبلری (P.C) کے چند کانسٹیبلان چک ہریام میں موجود تھے۔انہوں نے ہماری تقریریں سنی تھیں۔ہم نے لوگوں کو پرامن رہ کر مطالبات پیش کرنے کو کہا تھا یہ سارا ڈرامہ ختم ہوا میں دولائی میں اندھیرے کمرے میں بند تھا۔اس کی کھڑکی میں ایک چھوٹا سوراخ تھا میرے کمرے کے پچھواڑے میں (P.C) کا دفتر تھا۔انسپکٹر پولیس مہاجر تھا اس نے پولیس نفری کو اکٹھا کر کے کہا کہ ہم نے بارڈر سے بھارتی جاسوس پکڑے ہیں۔

اور یہاں لائے ہیں ان کو یہ ترغیب دے رہا تھا۔کہ ان دشمنوں سے اچھی طرح نبٹے وہ تقریر ختم کر چکا تو تین چار کانسٹیبلان کھڑے ہو گئے۔انہوں نے کہا خان صاحب یہ سب باتیں جھوٹی ہیں ہم چک ہریام کے جلسہ میں موجود تھے ہماری موجودگی میں انہوں نے تقریریں کی تھیں۔اور امن کی تلقین کرتے رہے وہ معاوضے طلب کرتے تھے ان کو ڈیم کی وجہ سے گھروں سے نکالا جا رہا ہے۔افسوس کی بات ہے کہ آپ اتنے اچھے لوگوں کو ہم سے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سلوک روا رکھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔

انسپکٹر پولیس شرمندہ ہوا اس نے اگلا قدم اٹھانے سے پہلے مظفر آباد کا رخ کر لیا وہاں IG کو سب کچھ بتایا۔ آئی جی نے آزاد کشمیر کی ٹیم اس کے حوالہ کی جسے تشدد کا کام سونپا گیا تھا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی مدد ہر وقت پہنچتی رہتی ہے۔ انسان کو بہت دیر کے بعد پتہ چلتا ہے۔ پندرہ دِن تک دال کے شوربہ میں اور روٹی میں ریت ملا کر کھانے کو دی جاتی تھی۔ جو بمشکل زندہ رہنے کے لئے کھائی جاتی تھی۔ ایک دن میں تنہائی میں ہنس رہا تھا کہ کوئی مشکل وقت آنے والا ہے۔

میں نے شورش کاشمیری مرحوم کی کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ پولیس جب تشدد کرتی ہے تو مرغن غذائیں کھلاتی ہے یہ غذا کھانے کے بعد سخت نیند آتی ہے اور قیدی کو کسی نہ کسی بہانے جگائے رکھتے ہیں اور سونے نہیں دیتے۔ میرا یہ حال تھا کہ مجھے کھڑا کر دیا گیا اور میرے ہاتھ آسمان کی طرف کئے گئے اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں پاؤں تک نہیں ہلاؤں۔ ایک تو میں کمزور ہو گیا تھا۔ دوسرے نیند کے چکر آ رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس دن مرغ کھلایا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر تک رہا۔ لیکن بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ایک کانسٹیبل بڑا جسیم تھا اس کی شکل وصورت وحشت ناک تھی۔ وہ آ کر میرے پاس بیٹھ گیا اس نے مجھے کہا کہ میں ان کا ساتھ دوں حکومت ان پر جبر کر رہی ہے بچوں کی خاطر ملازمت چھوڑ نہیں سکتا اگر آپ میرے بچوں کا کچھ کر سکیں تو ابھی سے ملازمت سے استعفیٰ دے کر گھر چلا جاؤں گا میں نے اسے بتایا کہ نہ میں کوئی جاگیردار ہوں اور نہ کوئی کارخانہ دار ہوں نہ کوئی سرمایہ موجود ہے کہ میں یہ ذمہ داری لے سکوں۔ اس لئے آپ کو جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کریں۔ وہ شکل وصورت میں وحشی درندہ نظر آتا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ فرشتہ صفت انسان تھا۔

اس نے کہا میں ان کی اس طرح مدد کروں کہ جب کوئی بھی آئے اور مجھے بلائے تو میں اس کا کوئی جواب نہ دوں اور اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کروں اور میں سمجھتا تھا کہ تشدد کرنے کا یہ بھی کوئی طریقہ ہو گا میں نے اس پر اعتبار نہیں کیا اور چپ کر کے لیٹا رہا۔ وہ میرے پاس سے اٹھا اور اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر چلانا اور شور مچانا شروع کر دیا کہ ہائے قیدی مر گیا، قیدی مر گیا وہ کئی منٹوں تک چیختا رہا اور پولیس نفری اکٹھی ہو گئی اور وہ میرے چاروں طرف کھڑے اور بیٹھے میری نبضیں میری آنکھیں میرے جسم کا ایک ایک حصہ دیکھتی رہیں۔ درمیان میں سے کئی سپاہیوں نے مجھے آواز دی سچی بات یہ ہے کہ میں نیم مردہ حالت میں تھا۔ اور بول ہی نہیں سکتا تھا۔ البتہ ان کی آوازیں کانوں میں آتی تھیں۔ میں نے بڑے بوڑھوں سے سن رکھا تھا کہ جب آدمی غشی کی حالت میں ہو اور وہ جان دے رہا ہو تو اس کے پاس بین نہ کئے جائیں اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس حالت میں بھی سنتا رہتا ہے۔

پولیس آفیسروں کی گاڑیوں کی دوڑ لگ گئی یہ معاملہ صدر حکومت مسٹر کے ایچ خورشید کے پاس پہنچا راؤ عبدالرشید اور انسپکٹر جنرل پولیس نے فوری طور پر ڈاکٹر حیات کو دوائی پہنچایا۔ ڈاکٹر حیات مرحوم میرے ساتھ بہت مہربان تھا اس

نے پہنچ کر مجھے دیکھا لیکن اس نے جان کر کہا کہ میں اس مریض کو دوائی نہیں دے سکتا کیونکہ تم نے اس کو مار دیا ہے اور کل تم مجھ سے اس امر کا سرٹیفکیٹ مانگو گے کہ مریض پر کوئی تشدد نہیں ہوا ہے وہ میں سرٹیفکیٹ نہیں دوں گا۔ پولیس اور حکومت نے ان کی منتیں کیں کہ میری مدد کریں اس نے فرش سے اٹھوا کر مجھے چارپائی پر رکھا کچھ دوائیاں دیں اور کچھ دیر بیٹھے رہے کوئی ٹیکہ بھی لگایا۔ اس طرح میں گہری نیند سو گیا بعد میں پتہ نہیں کتنی مدت کے بعد کتنے گھنٹوں کے بعد جاگا تھا۔ غازی الٰہی بخش مرحوم اپنے کمرے میں بند تھے۔ میجر راجہ عباس خان کو میرے کمرے کے پچھواڑے میں رکھا گیا تھا۔

ان دونوں کو کوئی پتہ نہ تھا ان تین ہفتوں میں میرے ان دو قیدی ساتھیوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ میں اہل حرم کے ہاتھوں کیا سزا برداشت کر رہا ہوں۔ یہ بڑی خفیہ سازش تھی۔ لیکن اس سازش کا مجھے بھی پتہ چل گیا تھا۔ میرے دوست ساتھی سیاستدان خواجہ محمد یوسف صراف نے رہائی کے بعد مجھے بتایا تھا کہ مسٹر کے ایچ خورشید اور راؤ عبدالرشید اور ان کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں انہوں نے مسٹر جسٹس یوسف صراف نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اس تحریک میں پولیس صرف مسٹر انصاری کو اپنا ہم نوا بنا لے تو باقی سارے لیڈر خود بخود جیل سے باہر آ جائیں گے۔

خواجہ محمد یوسف صراف نے مجھے یہ بتلایا تھا اور ساتھ ہی افسوس کا اظہار کیا کہ ان کے نزدیک ترغیب و تحریص کے ذریعہ انصاری صاحب پر اثر جمانا مقصود تھا۔ ان کا تشدد کے بارے میں یہ خیال تک نہ تھا کہ پولیس آپ پر بھی ایسے حربے استعمال کرے گی وہ مجھ سے اس فعل کی معافی طلب کرتے تھے میں نے ویسے بھی سب کو معاف کر دیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ جب راؤ رشید خود قلعہ میں نظر بند کیا گیا اور ان کو بھی میری طرح کے حالات پیش آئے تھے۔ تو انہوں نے جیل سے باہر نکل کر اپنے دوستوں کو کہا تھا کہ آزاد کشمیر کے قیام کے دوران جبکہ وہ انسپکٹر جنرل پولیس تھے انہوں نے ایک بے گناہ اور معصوم قیدی کو (محمد عبدالخالق انصاری) کو تشدد کا نشانہ بنوایا تھا۔ اس کی سزا تھی جو انہیں قید خانے میں ڈال کر دی گئی میں ان کے دفتر گیا تھا اور وہاں ایک چٹ چھوڑی تھی جس میں لکھا تھا کہ مجھ پر کی گئی زیادتیاں میں نے باخوشی معاف کر دی ہیں وہ اس وقت نہ مل سکے۔ میں نے اوپر لکھا ہے کہ عظیم باپ کی بیٹی نے میرے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے جب میں منگلا ڈیم کی تحریک میں جیل میں تھا تو ہمارے بزرگ شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ وہ بھی مارشل لاء کی اتھارٹی کے حکم سے غالباً ساہیوال جیل میں خان عبدالقیوم خان صدر مسلم لیگ پاکستان وہ بھی جیل میں تھے۔ انہوں نے وہاں عرصہ گزارا تھا میری بیگم کو اس لئے پریشانی نہ تھی کہ میرے بڑے بھائی غلام نبی انصاری نے گھر سنبھال رکھا تھا۔ اور بچوں کی تربیت کا فرض بھی بخوبی نبھاتے رہے۔

ہفت روزہ ''نئی سحر'' کا اجرا

اسی عشرہ میں چاروں طرف سے مطالبہ شروع ہوا کہ عوامی کانفرنس کو اپنا اخبار جاری کرنا چاہیے۔ ان دِنوں پریس پر سخت پابندیاں تھیں ۔قومی سطح کے اخبارات بھی حکومت کے زیرِ عتاب تھے۔ان کے ایڈیٹر بھی پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ کسی ہفت روزہ کا جاری کرنا آسان کام نہ تھا۔ جناب کامریڈ مقبول احمد خاور اور صوفی محمد زمان صاحب کی پاکستان کے ایریا آفیسر سے خاصی ملاقات رہتی تھی۔ مسٹر قمر انسپکٹر پولیس پاکستان کی سراغ رساں ایجنسی کا نمائندہ تھا۔ وہ انگریز دور کا ملازم تھا۔ اور سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کا مدعا تھا۔

مقبول احمد خاور بھی شاہ جی کے پیروکاروں میں سے تھے۔ یہ دونوں کے درمیان مشترک رشتہ تھا۔ اس نے بھی کہا کہ اخبار ضرور نکالا جائے اور قمر مرحوم نے خود راستہ بتایا کہ کسی پاکستانی شہریت کے حامل کو آگے لایا جائے تو وہ اس کی تصدیق کر دیں گے۔ اخبار کا ڈیکلریشن حکومت آزاد کشمیر نہیں دے سکتی البتہ ڈپٹی کمشنر ضلع متعلقہ سے رپورٹ وزارت امورِ کشمیر بھیجی جاتی ہے۔ اور یہ وزارت امورِ کشمیر کے احاطہ اختیار میں تھا کہ وہ جس کو چاہیں ڈیکلریشن دے دیں ہمارا ایک ساتھی یورش کاشمیری پرانا کشمیری تھا۔ جو پنجاب میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ وہ بہت بڑے مکینک تھے سلائی مشین درست کرتے تھے۔ اور فروخت بھی کرتے تھے۔ وہ میرپور آ کر اپنا کاروبار شروع کرنے لگے۔

وہ ہماری پارٹی کے سرکردہ ممبر تھے۔ آزادیٔ کشمیر کی تڑپ ان کی نس نس میں موجود تھی۔ وہ بہادر، دلیر، شاعر اور مقرر تھے۔ ان کے پنجابی شعروں سے ہمارے جلسوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی تھی۔ لوگ ان کا بے تابی سے انتظار کرتے جب نئے اخبار کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اسے اپنی عزت افزائی سمجھتے تھے۔ بالآخر ہم نے ان کی طرف سے ایک ہفت روزہ کے ڈیکلریشن کے لئے درخواست دے دی اور حکومت آزاد کشمیر کے تمام محکموں نے سفارش کر دی کہ وہ محبّ وطن پاکستانی ہیں۔ پاکستان کو ان کے قلم یا زبان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ڈپٹی کمشنر کی سفارش کے بعد ایریا افسر میرپور نے اس معاملہ میں گوجرانوالہ جا کر تحقیقات شروع کی اور ڈیکلریشن جاری کرنے کے لئے پرزور سفارش کی۔

ہمارے اخبار کا نام ''نئی سحر'' تھا اور اس کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

میری نظر کے سامنے ہے اک نئی سحر
اس تحریکِ شب سے ہراساں نہیں ہوں میں

اخبار کے پہلے صفحہ پر قائداعظمؒ کا بیان شائع ہوتا رہتا تھا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ برصغیر کی آزادی کے بعد ریاستوں کو خود بخود اقتدارِ اعلیٰ منتقل ہو جائے گا اور ریاستیں خودمختار اور مکمل آزاد رہنے کا حق رکھتی ہیں۔ یہ اخبار ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم چوری چھپے چھپواتے تھے اس کا زیادہ حصہ میں اور باقی ساتھی لکھتے تھے۔ اس کا خرچہ عوامی کانفرنس کے ساتھی

برداشت کرتے تھے۔ یہ مشہور تھا کہ حاجی برادران عوامی کانفرنس کا بنک ہے۔

حاجی محمد ابراہیم سیٹھ محمد شریف مرحوم، حاجی عبداللطیف مرحوم اور حاجی محمد نجیب مرحوم اور ان کے ساتھی خوشدلی سے عطیات دیتے تھے۔ اخبارات پر جو ٹکٹ لگائے جاتے تھے۔ اس میں بھی حکومت کی طرف سے کوئی رعایت نہ تھی۔ اور حکومت سے کوئی اشتہار نہ ملتا تھا۔ ہمارے لئے اخبار ایک سفید ہاتھی بن گیا تھا۔ جس کے اخراجات پورے کرنا مشکل تھا۔

منگلا ڈیم کے خلاف پرزور اداریئے لکھے گئے۔ خطوط شائع کئے گئے حکومت کی طرف وارننگ دی جاتی رہی ہم اپنی جگہ خوش تھے کہ حکومت اس اخبار کو بند کردے تو ہمارا نام رہ جائے گا اگرچہ ہمارے ساتھی اس قدر مضبوط ارادوں کے تھے وہ سمجھتے تھے کہ وہ اخبار چلاتے رہیں گے۔ اس اخبار میں ہمارے عظیم دوست شمیم احمد شمیم بھی لکھتے تھے ہر طرف اخبار کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ بالآخر حکومت کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد پریس پر چھاپا مار کر پولیس نے ہمارا آخری پرچہ ضبط کرلیا اور ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔

حکومت کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ میں نے غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان صدر حکومت کو خط لکھ کر ڈیکلریشن کی منسوخی کے خلاف احتجاج کیا تو انہوں نے اپنے ذاتی پیڈ پر مجھے لکھا کہ ان سے نہ ہی وزارت امورِ کشمیر نے پوچھا ہے اور نہ ہی حکومت آزاد کشمیر کے پاس ڈیکلریشن کے اختیارات ہیں۔ میں آزادئ صحافت کا پرزور حامی ہوں اور آپ لوگوں کے ساتھ یہ انتہائی بے انصافی ہوئی۔ افسوس ہے کہ میں اس کا ازالہ کرنے کے اختیارات بھی نہیں رکھتا۔

یہ تھا وہ کالا دور جس میں زبانیں بند تھیں، قلمیں کاٹ دی گئیں تھیں ہاتھ پابند سلاسل تھے۔ اور پاؤں میں زنجیریں تھیں۔ وہ قتل بھی کرتے تھے تو بدنام نہیں ہوتے تھے ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی تھی اس اخبار کے ذریعے ایک اہم کام ہم نے یہ بھی کیا تھا کہ لوگوں کے عدالتی بیانات چھاپ کر اقوامِ متحدہ اور دوسرے ملکوں میں بھیجے تھے۔ میرے خلاف ایک ریاستی اخبار نے منگلا ڈیم کے حوالہ سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں الزام تراشی کی گئی تھی ہمیں موقعہ مل گیا کہ اس کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کیا جائے۔ میں نے یہ دعویٰ عبدالمجید قریشی مرحوم کے خلاف عدالت سب جج میں دعویٰ دائر کردیا۔ میرا مقصد قطعاً یہ نہ تھا کہ ان کو پریشان کیا جائے۔ میرا اصل مقصد یہ تھا کہ اس دعویٰ میں نامور سیاستدانوں مشہور وکلا، تاجر رہنماؤں طلباء لیڈروں، مزدوروں، کسانوں کے بیانات قلم بند کرائے جائیں اور پھر عدالت سے اس کی مصدقہ نقل لے کر یورپ اور امریکہ میں بھیجی جائیں اور اس طرح دنیا کی رائے عامہ کو اپنے حق میں تبدیل کیا جائے ہمارا موقف یہ تھا کہ ریاست جموں وکشمیر ایک متنازعہ ریاست ہے اس کا ایک ایک رنچ بلکہ اتنا حصہ جس میں ہوا میں اڑنے والا ذرہ بھی سما سکے۔ وہ متنازعہ ہے اس میں پاکستان یا بھارت کو کسی طرح ترقیاتی منصوبہ بنانے کا حق نہیں ہے۔ اس موقف کو پاک و بھارت میں بھی اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم کرکے مانا ہوا تھا۔

منگلا ڈیم سے ہزاروں کشمیری اپنے گھروں سے اجڑ کر پاکستان چلے جائیں گے۔اس طرح رائے شماری کا مطالبہ بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ یہ علاقہ پاکستان کسی صورت چھوڑنے کو تیار نہ ہوگا۔اور بھارت کو موقعہ مل جائے گا کہ رائے شماری سے منحرف ہو جائے۔ سندھ طاس معاہدے کی رُو سے کشمیر کے دریاؤں راوی اور چناب پر بھارت کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا اس طرح بھارت اپنے مقبوضہ کشمیر سے ہاتھ اٹھانے کو تیار نہ ہوگا۔ پاکستان اسے پانی کا معاملہ بتا رہا ہے۔ جبکہ یہ خالص انسانی آزادی کا مسئلہ ہے۔

یہ مختصراً لکھ رہا ہوں تفصیلات کے لئے عوامی کانفرنس کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ہم نے جو دعویٰ کیا تھا وہ ایک دو گواہوں کے پیش کرنے سے ہی قابل رفتار ہو سکتا ہے۔صریح شہادت ایک دو گواہوں کی کافی ہوتی ہے۔ عدالت کے افیسر جلیس مرزا صاحب تھے۔ میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ اس دعویٰ کا اصل مقصد کیا ہے۔ وہ خوش تھے کہ بڑے بڑے لیڈروں اور سرکردہ رہنماؤں کے عدالتی بیانات سے حکومت کو بھی لوگوں کا موقف معلوم ہو جائے گا۔

عبدالمجید قریشی مرحوم بزرگ رہنما تھے اور میں ان کی عزت کرتا تھا۔ان کا بیٹا میرا کالج فیلو بھی تھا۔میں نے ان کے خلاف کیپٹن سید احمد علی شاہ کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم راجہ لہراسب خان ایڈووکیٹ ،صوفی محمد یعقوب خان آف ڈھانگری اور تین درجن کے قریب مذہبی راہنماؤں اور تاجروں کو بطور گواہ استغاثہ پیش کیا تھا۔

صحافی بھی پیش ہوئے۔ یہ سارا ریکارڈ سب جج مجسٹریٹ درجہ اول کے محافظ خانہ میں پڑا ہوا ہے اسے ملاحظہ کر کے شائع بھی کیا جا سکتا ہے ہم نے یہ سب بیانات لے کر مصدقہ نقول لے کر ہر ادارے کو بھیجے۔لیکن ہمیں اس وقت یہ علم ہی نہ تھا کہ اس ترقیاتی منصوبہ میں بھارت بھی پاکستان کو مالی امداد دے رہا ہے اور دنیا کے بڑے بڑے مما لک کے بینک بھی اپنا روپیہ سود حاصل کرنے کے لئے لگا رہے ہیں۔حکومت کے مقابلہ میں ہماری زبان ہر لحاظ سے کمزور اور بے وقعت تھی بالآخر طاقت والوں نے فوج اور پولیس کے علاوہ خزانوں کے منہ کھول کر اس منصوبہ کو جاری رکھا اور عوام اجڑ گئے۔آج بھی تیسری نسل کو بھی علم نہیں ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

یورش کاشمیری مرحوم نے اپنے اخبار نئی سحر میں یہ بیانات غالباً شائع کئے تھے مقدمہ کا راضی نامہ ہو گیا تھا کیونکہ عبدالمجید قریشی نے اپنے الزامات جو میرے خلاف لگائے تھے واپس لے لئے تھے اور صلح کر لی تھی۔ یورش کاشمیری مرحوم کو اس کشمیر کی آزادی کے لئے اور صحافت کی آزادی کے لئے بے پناہ قربانیاں دینی پڑیں۔ پولیس ہر وقت ان کا پیچھا کرتی رہتی ان کی دیانت اور امانت کی وجہ سے ان کا جو کاروبار چمکا تھا تو وہ خسارے میں جانے لگا وہ میرپور چھوڑ کر کوٹلی چلے گئے تھے۔کوٹلی میں مولانا محمد ابراہیم میرپوری جیسا ساتھی نصیب ہوا۔عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ بھی ان کے ساتھی تھے۔سید سردار علی شاہ صاحب جنہوں نے آزاد کشمیر میں آزادی کی راہ میں اتنا تشدد برداشت کیا۔اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ بھی ان

کے گرویدہ تھے۔

کوٹلی بھی عوامی کانفرنس کے بعد محاذ رائے شماری کا گڑھ بن گیا۔ خالد کاشمیری جیسا خوش گلو رہنما بھی سینئر کارکنانِ وطن سے مل گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد الگ بھی ہو گئے کوٹلی میں آج بھی ملک اصغر سیٹھی ایڈووکیٹ اس نظریئے کو تھامے ہوئے ہیں ان کا پورا خاندان اس منزل کا مسافر ہے۔ یورش کاشمیری کوٹلی میں بھی آرام سے کام نہ کر سکا۔ یورش کاشمیری تنگ آ کر متحدہ عرب امارات کی طرف چلا گیا اور اپنے بچوں کی پرورش کرتا رہا۔ ان کا آخری سانس نانگی میرپور میں نکلا انہیں آبائی وطن گوجرانوالہ میں جا کر دفن کیا گیا۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ جو اس وقت قطر میں ہیں۔ ہمارے ماضی کے ساتھیوں کی زندگی پر لکھنے کے لئے کسی نہ کسی کو ایک دن اس لئے توجہ دینا پڑے گی کہ وہ قوم کا سرمایہ ہیں اور وطن کشمیر کی آبرو ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ مولانا محمد ابراہیم میرپور سے انگلینڈ چلے گئے ہمارے مخلص ترین ساتھی عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ کو عرصہ ہوا وصال بھی نصیب ہو چکا۔ سید سردار شاہ بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ اس لئے کوٹلی کا وہ دور ختم ہو چکا ہے جس میں خالد کاشمیری جیسے لوگ جلسے کو گرمایا کرتے تھے لیکن میں پرامید ہوں کہ اگلی نسل آزادی کے پرچم کو مضبوطی سے تھام لے گی۔

ساٹھ کا عشرہ بھی ہماری جیلوں، جلاوطنیوں اور مقدمات کی پیروی میں گزرا ہمارے خلاف بغاوت ملک دشمنی پاکستانی دشمنی نفرت اور حقارت پھیلانے ترقیاتی منصوبوں کی مخالفت کرنے کے بھونڈے الزمات کی پیروی کرتے ہوئے گزرا۔

1960ء کے عشرہ میں میرے ساتھیوں نے مجھے انگلیند آنے کی دعوت دی لیکن مجھے پاسپورٹ نہ ملا میں نے پاسپورٹ کے لئے درخواست اس لئے نہ دی تھی کہ پاسپورٹ آفیسر میرا کلاس فیلو تھا اس نے مجھے بتایا کہ میرا نام اس لسٹ میں شامل ہے جس میں بیرون ملک جانے کی پابندی ہے۔ اس لئے بھی میں نے پاسپورٹ کے لئے زیادہ تگ ودو نہیں کی۔

آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ سرینگر

لیکن اس دور میں ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر میں آل پارٹیز کانفرنس کرنے کا اعلان کیا اور بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کو بھی لکھا کہ وہ کانفرس کے مدعوین کو سرینگر جانے سے نہ روکیں۔ انہوں نے دعوت نامے پیر مقبول گیلانی کو بھیج دیئے۔ مرحوم نے مجھے بھی دعوت نامہ دیا۔ ساتھیوں کے اصرار پر میں نے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے باضابطہ کارروائی کی۔ اس موقعہ پر پاکستان کے سیاستدانوں نے ایک چال یہ چلی کہ بھارت کو بدنام

کیا جائے کہ وہ پاسپورٹ اور ویزہ کی سہولتیں دینے کو تیار نہیں ہے بھارت نہیں چاہتا کہ کشمیری لیڈرشپ وہاں مقبوضہ کشمیر پہنچے۔

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ دل سے چاہتے تھے کہ کشمیری کسی ایک فارمولہ پر اکٹھے ہوں اور اپنے وطن کو آزاد کراسکیں۔ پاکستان میں پروپیگنڈہ مہم بہت زور سے جاری رہی میری درخواست پر ڈپٹی کمشنر نے پاسپورٹ دیئے جانے کی سفارش کردی تھی۔ مرزا نذیر ڈپٹی کمشنر تھے۔ وہ ہمارے ہم خیال تو تھے لیکن بچ بچ کر چلنے والے تھے۔ وہ ملازمت کو کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ میرے پاسپورٹ کے کاغذات وزارت امورِ کشمیر میں پہنچے تو انہوں نے باکمال مہربانی فرما کر مرزا نذیر حسین ڈپٹی کمشنر میرپور کو لکھا کہ میں ان ناپسندیدہ اشخاص سے ہوں جن کا بیرون ملک جانا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔

چونکہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ وہ وزارت امورِ کشمیر کا پیغام مسٹر انصاری تک پہنچادیں کہ انہیں کبھی پاسپورٹ نہیں ملے گا اور انہیں آئندہ بھی کبھی پاسپورٹ کے حصول کے لئے کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ مرزا نذیر حسین مرحوم نے مجھے سرکاری خط لکھا اور مجھے پاسپورٹ کے حصول کے لئے درخواست دینے سے روکا میں نے وہ خط سنبھال لیا۔

پیر مقبول گیلانی نے لیاقت باغ میں تمام لیڈروں کو ایک جلسہ میں خطاب کرنے کے لئے دعوت نامے بھیجے مجھے بھی دعوت نامہ ملا دنیا بھر کے پریس نمائندگان بلائے گئے حکومت نے اس کام پر بہت خرچ کیا اور سب کی کوشش تھی کہ اجلاس کامیاب ہو اور بھارت دنیا میں بدنام ہو جائے ویسے تو جموں وکشمیر کی وجہ سے بہت بدنام ہو چکا ہے۔ اس کو نیک نامی کیسے مل سکتی ہے۔ وہ بین الاقوامی معاہدوں سے منحرف ہو چکا ہے جب ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو تمام جماعتوں کے نمائندگان موجود تھے۔ وہ اپنی دھواں دھار تقریروں میں بھارت کے ہائی کمشنر پر الزمات لگا رہے تھے کہ وہ انہیں ویزہ نہیں دے رہا۔ اور شیر کشمیر کو ناکام بنانا چاہتا ہے۔

البتہ ان مقررین نے وظیفہ خوری کا حق ادا کر دیا تھا مجھے ان تین چار مقرروں کے بعد دعوت دی گئی میں نے سب سے پہلے مسئلہ کشمیر اور اس کے واحد حل جو باوقار بھی ہو اور پرامن بھی ہو اور دونوں کو شکست کا احساس بھی نہ ہو۔ یہ حل پیش کر دیا کہ ریاست جموں وکشمیر کی وحدت اور سالمیت کو قائم کرنے کے لئے دونوں ملکوں کی فوجیں ہمارے ارضِ کشمیر سے نکل جائیں اور ان پر دو ملکوں کے باشندوں کو بھی واپس جانا ہوگا۔ اور دونوں ملکوں کو ریاست جموں وکشمیر کی آزادی وخود مختاری کو تسلیم کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ کو اس امر کی ضمانت دینی چاہیے کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کو خود مختار تسلیم کرتے ہوئے اس کی سالمیت کو کسی خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس طرح اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل بھی ہو جائے گا۔ اور دونوں ملکوں کی ناک کٹنے سے رہ جائے گی اور ایک غلام قوم کو آزادی مل جائے گی اسی کا نام حق خودارادیت اور حق خوداختیاری ہے۔

میں نے اس بھرے جلسے میں شیر کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے ہواؤں کے ذریعے پیغام پہنچایا تھا کہ کشمیر کے مسئلے کا ایک ہی حل ہے۔ اور اس کے متبادل کوئی دوسرا حل نہیں ہے۔ میری تقریر کو بڑے سکون سے سنا جا رہا تھا۔ میں نے ذرائع ابلاغ کے نمائندگان کو کشمیر کے سیاستدانوں کو اور پاکستان کے شاطر سیاستدانوں کو بتایا کہ یہ جو الزامات بھارتی ہائی کمیشن کے خلاف لگائے جا رہے ہیں یہی الزامات پاکستان کے ہائی کمیشن کے خلاف بھی لگائے جانے چاہیں۔

دونوں ملک اس حق میں نہیں ہیں کہ کشمیریوں کو اکٹھے بیٹھ کر سوچنے کا موقع دیا جائے کشمیر ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اور یہ لوگ ایک دوسرے پر الزامات لگا کر حقیقت حال کو چھپانا چاہتے ہیں میں نے کہا کہ میرے پاس سرکاری خط موجود ہے جس میں انہوں نے مجھے نہ صرف پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا بلکہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ میں آئندہ بھی پاسپورٹ حاصل کرنے کی کوشش نہ کروں کیونکہ میں ان ناپسندیدہ افراد میں سے ایک ہوں جنہیں ملک کی خاطر ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

بیرونی پریس کے نمائندے پاکستان اور ریاستی ایڈیٹر میرے پاس آ گئے انہوں نے خط کا مطالبہ کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرے پاس یہی ایک خط ہے ان دنوں فوٹو سٹیٹ کا پیاں نہیں بنائی جاسکتی تھیں یا اور کوئی طریقہ میرے پاس نہیں تھا کہ میں اس خط کی نقول تقسیم کر دیتا پریس کے نمائندگان نے میرے اس سرکاری خط کو دیکھا جس پر ڈپٹی کمشنر میر پور کی مہر ثبت تھی۔ اور پوری طرح مطمئن ہو گئے جب میں نے کہا کہ اے پریس والو! پاکستان سے پوچھو کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟ کیا میرے خلاف کوئی مقدمہ درج ہے؟ کیا میرے خلاف کوئی رپورٹ موجود ہے میں ایک سیاسی کارکن ہوں اور میر پور میں وکالت کرتا ہوں اور پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے پاسپورٹ دینے سے انکار کیا گیا ہے۔ اگر میرے پاس پاسپورٹ ہوتا میں بھارتی ہائی کمیشن کو پاسپورٹ بھیج کر ویزہ کی درخواست دیتا وہ مجھے ویزہ سے انکار کرتے۔ تو پھر ان کے خلاف بات کرنے کا جواز ہوتا اور ہندوستان کو بے نقاب کیا جاتا۔

تو اس طرح کی تقریریں جو پہلے کی گئی ہیں ان میں کچھ وزن ہوتا۔ اگر ایک درخواست لکھ کر چالیس پچاس نام لکھ کر بھارتی ہائی کمیشن کو درخواست دی جائے کہ انہیں ویزہ دیا جائے تو وہ درخواست قابل استرداد ہوتی ہے۔ ویزہ کے لئے ہر ملک کے اپنے اصول وضوابط ہیں۔ ان لوگوں سے پوچھو کتنے لوگ ہیں جنہوں نے باقاعدہ پاسپورٹ بھیج کر ویزہ کی درخواست دی ہے میں نے پاکستان اور انڈیا دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ملک قابض ہیں۔ دونوں نے اپنی اپنی فوجیں کشمیر میں رکھ کر جموں وکشمیر کے باشندوں کو آنے جانے سے روک رکھا ہے۔

دونوں نے قانون بنا رکھے ہیں کہ سیز فائر لائن توڑ کر آنے والے کشمیریوں کو سزا دی جاسکتی ہے وہ بدوں مقدمہ چلائے مدت موت تک نظر بند رکھے جاسکتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ نے جب یہ سیز فائر لائن قائم کی تھی تو جموں وکشمیر کے شہریوں

پر یہ پابندی نہ لگائی تھی کہ وہ اپنے ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں نہیں جا سکتے۔ آج ماں باپ بہن بھائی رشتے دار دوست سب بکھرے پڑے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو ملنے کے لئے ترس رہے ہیں۔ کبھی ان بے رحم قابض قوتوں کو کشمیریوں کے حال زار پر رحم نہیں آتا۔ میں نے اپنی تقریر کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

میری تقریر کو پولیس نے ٹیپ بھی کیا تھا۔ میں فارغ ہو کر آیا تو سب نے ایک ایک کر کے جسے سلام کیا میں نے انہیں بتایا کہ میں اصل خط نہیں دے سکتا۔ کل وہ میرے خلاف مقدمہ چلائیں تو میرے پاس اس خط کے سوا اور کوئی ثبوت موجود نہیں وہ مجھے بدوں ثبوت الزام لگانے اور بغاوت کے جرم میں سزا کا مستحق گردانتے ہوئے پس دیوارِ زنداں بھیج سکتے ہیں۔ جلسہ میں باقی مقررین نے بہت مختصر الفاظ میں تقریریں کرتے ہوئے اکثر دوستوں نے میری تقریر کی تائید کی۔ وزارت امورِ کشمیر کی ساری سازش بے نقاب کر دی۔ پیر مقبول گیلانی مرحوم جو شیر کشمیر کے دست راست تھے۔ اور جن کو یہ کام سونپا گیا تھا وہ بڑے پریشان تھے۔ انہوں نے الگ ہو کر مجھے کہا کہ انصاری صاحب آپ نے ہمارا کھیل تباہ کر دیا ہے۔ لیکن مجھے آپ پر کوئی گلہ نہیں ہے۔ قومی آزادی کے مسئلہ پر پسپائی اچھی بات نہیں۔ میں آپ کے اس کردار کو سراہتا ہوں۔

اگرچہ وزارتِ امورِ کشمیر کا سارا اعتماد مجھ پر سے اٹھ جائے گا۔ میں نے ان سے معذرت کی اور بتایا کہ اگر میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے تو میں ان کی بھرے جلسے میں تعریف کرتا لیکن افسوس ہے کہ حکومت ہر موقعہ پر ہمارے ہی ساتھیوں سے بدسلوکی سے پیش آتی ہے کوئی فرد ہم سے یہ توقع نہ کرے کہ ہم قومی آزادی کے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ یہ حکومت کی بھول ہو گی بالآخر نقصان ان ہی حکمرانوں کا ہو گا۔

شیخ محمد عبداللہ کا دورۂ پاکستان

اس سے قبل ساٹھ کے عشرہ ہی میں ایک تاریخی واقعہ پیش آ چکا تھا شیر کشمیر پاکستان اور آزاد کشمیر کے دورہ پر تشریف لانے کی خبریں اخبارات میں جلی حروف میں چھپیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو سے کشمیر پر بات چیت کے بعد جنرل صدر ایوب سے ملنے پاکستان آ رہے ہیں۔ ان کے وفد میں فخر کشمیر مرزا محمد افضل بیگ مرحوم مولانا سید مسعودی مرحوم، کامریڈ محمد شفیع مرحوم شامل تھے۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کی کشمیری جماعتوں کے رہنماؤں نے اس عظیم لیڈر کا استقبال کرنے کے لئے پروگرام ترتیب دینے شروع کر دیئے۔

نظریاتی اختلاف کے باوجود مسلم کانفرنس بھی شاندار استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ اس وقت آزاد کشمیر کے صدر کے ایچ خورشید تھے۔ وادی کی نمائندگی میر واعظ مولانا محمد یوسف کر رہے تھے۔ کشمیری مہاجرین کے چہرے چاند کی طرح چمکنے لگے وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید ان کی آزمائش ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ گھروں میں جا کر اپنے اہل وعیال

سے مل سکیں گے۔عوامی کانفرنس نظریاتی طور پر شیر کشمیر کے ہمنوا تھی۔ وہ بھی کشمیر کو خود مختار ریاست کا درجہ دینے کے حق میں تھے۔اور عوامی کانفرنس کا آئین بھی اس کے حق میں تھا۔

ضلع میر پور میں اس وقت ڈپٹی کمشنر اے آر سلیم تھے ایس پی سردار محمد ابراہیم خان سدھن قبیلہ کے تھے انہوں نے ہم سے ہر طرح کے تعاون کی یقین دھانی کرائی۔ بلکہ وہ آگے بڑھ کر ہماری ضرورتوں کو بھی پورا کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ ہر طرف گہما گہمی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ سب کشمیری چاہتے تھے کہ یہ مسئلہ حل ہو اور جموں کشمیر کے لوگ آرام چین کی زندگی بسر کر سکیں۔راستے میں صرف بھارت کی ہٹ دھرمی نے مسئلہ کو کھٹائی میں ڈال رکھا تھا۔

بھارتی وزیر اعظم کے اعلان بڑے دلکش تھے اور بھارت کا شیر کشمیر کو پاکستان بھیجنا اس بات کی علامت تھی کہ بھارت اب پاکستان سے مل بیٹھ کر مسئلہ حل کر لیں گے۔ساری دنیا کے اخبارات خبریں نشر کر رہے تھے۔

ہم نے راولپنڈی ایئر پورٹ پر جا کر استقبال کرنے کا پروگرام بنایا تھا ایک دو دن پہلے ایک اجازت نامہ ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ اور پیپلز کانفرنس لے کر آئے تھے جس میں انہیں لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔کمشنر راولپنڈی نے حکم جاری کیا ہوا تھا کہ استقبال کے روز کوئی لاؤڈ سپیکر استعمال نہیں کر سکے گا۔حکومت پاکستان کی پالیسی لمحہ لمحہ بدلتی رہتی ہے۔

بہر حال ہم نے اس اجازت نامے کا خوب فائدہ اٹھایا۔ ہمارے ساتھ جانے والوں میں طلباء، وکلاء، تاجر، صحافی اور نوجوان، سیاسی کارکن تھے جبکہ کچھ سرکاری ملازم بھی بسوں میں بیٹھ گئے۔ہمیں ایک اور بس حاجی محمد سلیم صاحب مرحوم پٹرول پمپ والوں نے دی تھی۔آنے جانے کا کرایہ بھی نہیں لیا تھا۔

ہماری خواہش تھی کہ کچھ دوستوں کو ایک بس میں بٹھا دیا جائے جو راستے میں کوئی نعرہ نہ لگائے تاکہ وہ ایئر پورٹ تک پہنچ سکیں۔ہمیں اطلاع مل رہی تھی کہ ہماری بسوں کو گوجر خان اور سہالہ کے قریب روک لیا جائے گا اس تصادم سے بچنے کے لئے میں نے اپنے بزرگ بھائیوں میاں غلام نبی انصاری، میاں عبدالغنی انصاری، حاجی محمد ابراہیم اور حاجی برادران کو بہت روکا اور اس بس میں بیٹھنے کو کہا۔اس وقت اتنا جوش و خروش تھا کہ سب ہمیں کہتے اگر آپ جیل جائیں گے تو ہم آزادی کے لئے جیل سے ڈر کر اس بس کو کیوں چھوڑ دیں جس میں آزادی جمہوریت اور انصاف کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔آزاد کشمیر پٹن سے بسیں آ رہی تھیں۔

وہ نعرے بلند کر رہی تھیں۔ ہمارا قافلہ روکنے کے لئے پولیس کھڑی تھی۔لیکن جونہی ان کی نظر استقبالیہ نعروں سے مزین بینرز پر بڑی تو وہ سہالہ روڈ کی طرف نکل گئے ہم ٹھیک اس وقت پہنچے جب جہاز لینڈ کر چکا تھا اور شیر کشمیر باہر آنے والے تھے۔ دوسروں کے پاس کوئی لاؤڈ سپیکر نہ تھا۔ اس لئے ان کی آوازیں ہماری آوازوں کے نیچے دب گئی

تھیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر خود مختار کشمیر زندہ باد، متحدہ کشمیر زندہ باد اور ایک کشمیر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ہمارے کاررواں کو دیکھ کر شیر کشمیر بہت خوش ہوئے ان کے ساتھیوں نے ہاتھ ہلائے۔ شیر کشمیر جب ایئر پورٹ سے گزر گئے تو ہم نے بسوں میں بیٹھ کر لیاقت باغ کی طرف جانے کی بجائے ایوانِ صدر روڈ کا رخ کر لیا اور وہاں بسیں کھڑی کر کے ایوانِ صدر کے سامنے منظّم طریقے سے کھڑے ہو گئے۔ سب ساتھیوں کے ہاتھ میں کتبے تھے۔ بینرز جھنڈے اور خود مختار کشمیر کے نعرے والے کتبے تھے۔

تھوڑی دیر میں مہمانوں کا قافلہ صدر ہاؤس کے سامنے پہنچا انہوں نے گاڑیوں کی رفتار سست کر لی۔ ایک ایک جھنڈے پر لکھی ہوئی عبارت بینرز اور کتبوں کو پڑھا وہاں یوسف ثانی نے کمال مظاہرہ کیا وہ ٹاٹ کا لمبا پیراہن پہنے ہوئے تھا وہ ہاتھ نیچے کرتا تو خود مختار کشمیر کا لکھا ہوا نعرہ سامنے آجاتا وہ ہاتھ پھیلاتا تو حق خود ارادیت کشمیریوں کا پیدائشی حق ہے کا نعرہ بڑے لفظوں میں لکھا سامنے آجاتا۔ فوٹو گرافرز ایک ایک بینرز وغیرہ کے فوٹوز لے رہے تھے۔ اور ہر کارکن سے عوامی کانفرنس خود مختار کشمیر شیر کشمیر پاک و بھارت کی سہ فریقی کانفرنس کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ یوسف ثانی کو انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ وہ انہیں اطمینان کے ساتھ جواب دے رہا تھا۔

صوفی محمد زمان حاجی محمد گلزار صاحب کارکنوں کو سڑک پر آنے سے روکے ہوئے تھے۔ بڑا دلکش منظر تھا کارکنان عوامی کانفرنس خوشی سے ناچ رہے تھے۔ دوسری جماعتوں کے کارکن بھی پوری طرح ساتھ دے رہے تھے۔ کشمیر کے واحد رہنما جو اس دور کے بڈ شاہ تھے وہ ہاتھ پھیلا کر اپنے کارکنوں کو گلے لگا رہے تھے۔ پولیس یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اور اسے آگ لگی ہوئی تھی۔ پاکستان کے کچھ نادان دوست یہ بھی کہتے تھے کہ پاک و بھارت کو رائے شماری کے لئے زور دینا چاہیے۔ پاکستان نے کشمیریوں کو پناہ گاہیں، وظیفے دیئے، زمین اور کارخانے دیئے، وہ پاکستانیوں سے زیادہ خوشحال نہیں لیکن انہوں نے اپنے لیڈر کو دیکھتے ہی منہ پھیر لیا وہ پاکستان اور بھارت سے الگ ہو کر خود مختاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اب اس قوم کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔ قافلہ آہستہ آہستہ رواں دواں صدر ہاؤس کی طرف چلا گیا پولیس جو اس عرصہ میں صف بندی کر رہی تھی اس نے ہم سب کو گھیرے میں لے کر بسوں میں بٹھا دیا۔ ہماری بسیں وہاں پہنچ چکی تھیں۔ ہم میر پور کے لوگ بسوں میں بیٹھ کر پولیس کی حراست میں تھانہ لال کڑتی میں پہنچ گئے۔ تھانہ میں دو تین سو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تھانہ کے باہر ہم سب کو ننگے فرش پر بٹھا دیا گیا۔ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

مظاہرہ پر امن اور با مقصد رہا۔ سب تھک چکے تھے۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر سمیت بسیں بھی قید کر دی گئیں۔ ہماری تو نگرانی کے لئے اتنی کم نفری تھی کہ ہم چاہتے تو ہماری بڑی تعداد نکل کر آزاد ہو جاتی لیکن اس قید ہونے پر خوش تھی۔ اللہ

تعالیٰ کی مدد ہر جگہ شامل حال رہی۔ تھانوں کا رویہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ تھانہ میں آتے ہی قیدی کی دھنائی کر دی جاتی ہے۔ وہ ملزموں کو مار پٹائی کر کے اپنا رعب اپنی دہشت اور اپنا خوف پھیلاتی ہے۔ لیکن ملک وارث خان مرحوم جن کا نام بھٹو کیس میں بہت مشہور ہوا تھا وہ وہاں کے انچارج تھے۔ وہ میرے پرنس آف ویلز جموں کے کالج فیلو تھے۔ آزادی کے بعد ہم دوستوں کی اس حالت میں ملاقات ہوئی تھی انہوں نے ابھی پروگرام بنایا تھا کہ ہمارے بارے میں کیا کیا جائے تو راؤ عبدالرشید جو آزاد کشمیر میں انسپکٹر جنرل پولیس رہ کر گئے تھے وہ اس وقت راولپنڈی میں ایس ایس پی تھے اس نے بڑے ترش لہجے میں مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے مجھے آزاد کشمیر کے عرصہ تعیناتی کے دوران تنگ کر رکھا تھا۔ اور اب یہاں آ کر ہمارے لئے عذاب بن رہے ہو۔ اب اٹک قلعہ میں پہنچ کر تم سے سارا حساب چکایا جائے گا۔

وہ بڑے غصے میں واپس چلے گئے۔ ملک وارث بھی ان کے پیچھے ان کے دفتر میں چلے گئے وہاں انہوں نے ایس پی کو کہا کہ میرا تبادلہ لال کڑتی تھانہ سے کسی دوسری جگہ کیا جائے انہوں نے صاف طور پر بتا دیا کہ میں ان کا کالج فیلو ہوں اور ہماری دوستی بھی مثالی تھی یہ ڈیوٹی نہیں دے سکتا ایس ایس پی نے اسے کہا کہ آپ تھانے چلیں آپ کی فکرمندی دور کر دوں گا۔ تھانہ پہنچتے ہی ایک فون آیا اس نے سب پولیس والوں کو کہا کہ چائے اور بسکٹ فوری طور پر لے آئیں۔ میرا خیال ہے کہ راجہ خالد اکبر نے موقعہ پا کر کامریڈ محمد شفیع سے مل چکا تھا۔ وہ کسی طرح ہمارے ساتھیوں سے الگ ہو کر نکل گیا تھا۔ یہ بات شیر کشمیر تک پہنچی تو شیر کشمیر نے حکومت پاکستان کے اس اقدام کو غیر دانشمندانہ قرار دیا اور غصہ منایا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو کہا کہ اس موقعہ پر گرفتاریاں پاکستان کے مفاد میں نہیں ہیں۔

اس نے فوری طور پر کمشنر کو حکم دیا کہ وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو رہا کر دے جن میں محمد بشیر تبسم صاحب، صوفی محمد زمان، جناب یوسف ثانی، جناب غازی محمد بخش اور دیگر قابل ذکر ہیں۔ نوجوانوں کے گروپ کو ہم سے رات کو الگ رکھا گیا۔ جس میں طالب علم رہنما بھی تھے۔ ان میں مشہور طالب علم راہنما جاوید نظامی، امان اللہ چیمہ، مسعود لون محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کے علاوہ دیگر طالب علم ساتھی تھے۔ انہیں پولیس جہلم لے گئی جہاں سے جہلم پولیس نے ان کو میرپور تھانہ پہنچایا وہاں سے ان کو رہا کر دیا۔

ہمیں دوسرے دن راولپنڈی میں رہا کر دیا گیا اور ہم لیاقت باغ کے جلسہ میں شریک نہ ہو سکے۔ بہر حال رہائی کے بعد میں میرپور واپس آ گیا۔ کیونکہ شیر کشمیر کو دو چار روز کے بعد میرپور آنا تھا۔ اور ہمیں اس کے لئے تیاری کرنا تھی۔ کارکنوں کے حوصلے بلند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس موقعہ پر حاجی محمد سلیم صاحب نے پٹرول پمپ والے (چک سواری) جو میرے دوست تھے انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اگر کشمیر آزاد ہو گیا تو وہ اپنی بسیں عوامی کانفرنس کے حوالہ کر دیں گے جو بغیر کرایہ پٹرول کے اخراجات کے ان کے کنٹرول میں ہوں گی اور وہ تمام اخراجات بمعہ پٹرول وہ خود

برداشت کریں گے۔ ایسے عظیم لوگ بھی اس سرزمین میں موجود ہیں جو آزادی کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس سفر میں ہمارے ساتھ ہمارے بزرگ واجب الاحترام رہنما حاجی وہاب الدین مرحوم بھی ساتھ تھے جو شیر کشمیر کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔

سب دوست گھروں میں چلے گئے اور استقبال کی تیاریاں زور وشور سے شروع ہو گئیں جبکہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ ہم لیاقت باغ کے جلسہ میں شرکت نہ کر سکے اس جلسہ عام میں اہم ترین بات یہ ہوئی تھی کہ رئیس احرار چوہدری غلام عباس مرحوم نے جلسہ عام میں اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ وہ شیر کشمیر کو اپنا قائد تسلیم کرتے ہیں اور ان کا ہر فیصلہ ان کو منظور ہوگا تقریر کے دوران اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 1965ء کے بعد بھارت چین جنگ کی وجہ سے ایک اہم جغرافیائی تبدیلی واقعہ ہوئی ہے۔

دونوں ملک قبضے کی بنیاد پر فریق بنتے ہیں اور چین کے پاس آزاد کشمیر سے دوگنا علاقہ چین کے زیر قبضہ ہے۔ وہ بھی ہمسایہ ملک ہے اسے بھی مسئلہ کشمیر میں ایک فریق کی حیثیت کا درجہ دیا جائے۔ اس کا جواب شیر کشمیر نے دوستانہ لہجہ میں اپنی تقریر کے دوران دیا تھا کہ ابھی دو ہمسایہ ملکوں سے جان چھڑانی مشکل ہے تیسرے فریق کو شامل کر کے مسئلہ مزید مشکل ہو جائے گا میں کوشش کر رہا ہوں کہ دونوں ہمسایہ ملک تمام تنازعات کو ختم کر کے اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں۔ ہم کشمیر کو دوستی کا پل بنانا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح ہزاروں انسانوں کے اس عظیم اجتماع میں اپنا موقف بیان کر کے داد حاصل کی۔

میرپور آنے سے قبل انہوں نے اپنے دورہ میرپور کا تحریر شدہ پروگرام دیکھا تو اس میں ایک ترمیم یہ کرائی کہ وہ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان چھمالوی کے گاؤں جانا چاہتے ہیں۔ اور دوسرے عوامی کانفرنس کے عصرانے میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ شیر کشمیر مسٹر کے ایچ خورشید کے ہمراہ مظفر آباد تشریف لے گئے۔ راستہ میں جو ان کی میٹنگ ہوئی تھی ان کو زیر بحث لایا گیا چوہدری غلام عباس مرحوم اور ان کے ساتھیوں نے شیر کشمیر کو یہی فیصلہ سنایا تھا کہ کشمیر متحد ہو کر خود مختار ریاست بن جائے اور اسے اقوامِ متحدہ کا ممبر بنایا جائے اور سب ہمسایہ ملکوں سے دوستانہ تعلقات رکھے۔

مولانا میر واعظ محمد یوسف شاہ مرحوم نے بھی یہی مشورہ شیر کشمیر کو دیا تھا۔ مسٹر کے ایچ خورشید تو اسی مشورہ کی بنیاد پر صدارت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مظفر آباد پہنچتے ہی یہ خبر نشر ہو گئی کہ پنڈت جواہر لال نہرو فوت ہو چکے ہیں۔ تمام پروگرام منسوخ کر کے برصغیر کے عظیم لیڈر کی ارتھی کو کندھا دینے کے لئے واپس دہلی جاتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کو بتایا کہ وہ اپنا پروگرام جاری رکھیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل ایوب خان صاحب نے سفید چیک شیر کشمیر کے حوالہ کیا تھا۔ کہا کہ وہ جو فیصلہ چاہیں کریں انہیں منظور ہوگا بعد میں ان کی کتاب Friends Not Master ''آقا نہیں دوست'' چھپی تھی جس میں کافی متنازعہ باتیں تھیں۔ شیر کشمیر نے بتایا تھا کہ دو ملکوں کے لیڈر یہی کہتے ہیں کہ جو فیصلہ کریں ان کے مفاد کو مدنظر

رکھیں پریس میں ان کا گلہ یہ چھپا تھا کہ دونوں لیڈر اپنے اپنے مفاد کا بار بار تذکرہ کرتے ہیں جبکہ کشمیر کے مفاد کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جس وقت بھی مسئلہ کشمیر حل ہونے کے قریب آیا کوئی نہ کوئی ناگہانی حادثہ پیش آ گیا۔

وہ بڑے بڑے لیڈر آہستہ آہستہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور مسئلہ کشمیر 1947ء سے بھی پہلے غلامی کے دور میں چلا گیا ہر کوئی اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ جس صدر آزاد کشمیر کے ایچ خورشید نے مجھے 1960ء میں دولائی بھیجا تھا ایک سال کے بعد واپس آ گیا تھا اسی دولائی ٹارچر سیل میں اس وقت دولائی بھیج دیئے گئے جبکہ وہ ابھی اپنی صدارت کی معیاد بھی پوری نہ کر سکے تھے۔ اور بدقسمتی کی انتہاء ہے کہ جن جن لوگوں کو انہوں نے بڑی بڑی مراعات دی تھیں۔ انہوں نے ان کے حق میں کوئی احتجاج کوئی ہڑتال کوئی مظاہرہ تک نہ کیا۔ عوامی کانفرنس نے اس غیر جمہوری رویہ کے خلاف تمام طریقے استعمال کئے اور قراردادیں پاس کیں۔ مظاہرے کئے اور جلوس میں رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

جو سٹیٹ کونسل بنی ہوئی تھی اس میں سے مہاجرین کے نمائندوں کو نکال دیا گیا آزاد کشمیر کے نمائندے ہی سٹیٹ کونسل کے ممبران باقی رہ گئے اور ان ممبران نے نئے نامزد صدر خان عبدالحمید خان کے حق میں اعتماد کی قرارداد پاس کی اور کسی ایک لیڈر نے بھی کے ایچ خورشید کی غیر آئینی سبکدوشی کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا۔ خدا کا قانون مکافات عمل بھی اٹل ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ عوامی کانفرنس کے کارکن سرفخر سے اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے مسٹر کے ایچ خورشید کی رہائی کے لئے پشاور سے لے کر کراچی تک اور میرپور سے لے کر انگلینڈ تک ان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

ایک نیا مقدمہ قائم کرنے کی گھناؤنی سازش

1964ء میں مجھے دوسرا واقعہ پیش آیا۔ شاید وزارت امورِ کشمیر ہم سے شیر کشمیر کے والہانہ استقبال کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس وقت انہیں یقین تھا کہ شیر کشمیر واپس آ کر دورہ مکمل کریں گے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ میری ان سے ملاقات نہ ہو انہوں نے ایس پی میرپور اور ڈپٹی کمشنر میرپور کو دفتر میں بلوایا۔ اس وقت جائینٹ سیکرٹری مسٹر امان اللہ خان نیازی تھے۔ مجھے ایس پی نے یہ واقعہ سنایا تھا۔ انہوں نے دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ میرے خلاف ریپ کا کیس بنایا جائے۔ اور اس بازار کی کسی عورت کو پکڑ کر دونوں کو میرپور بازار میں گھمایا جائے اور ان کی فوٹوز اور خبریں مجھے بھیج دیں۔ وزارت امورِ کشمیران خبروں اور فوٹوز کی اشاعت خود کرائے گی۔ ایس پی سردار محمد ابراہیم نے کہا کہ وہ ایسا کرنے سے معذور ہیں بلکہ میرے متعلق اور اس طرح کی حرکت میرپور میں پوری پولیس کو بدنام کر دے گی۔ بلکہ انہوں نے پیشکش بھی کر دی کہ ان کا تبادلہ کسی اور ضلع میں کر دیا جائے۔

ڈپٹی کمشنر میرپور نے جو نیم دلی سے مان لیا تھا وہ بھی ان کے ہمنوا ہو گئے جب چیف ایڈوائزر نے دیکھا کہ

دونوں آفیسران اس کی ہدایات کو ماننے کے لئے پس و پیش کر رہے ہیں تو مسٹر نیازی نے کہا کہ ہم پولیس کو حکم دیں تو وہ لاش لے کر ہمارے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ یہ پنجاب پولیس کرتی ہے لیکن تم دونوں آفیسر یہ معمولی کام بھی نہیں کر سکتے ہو۔ تو سردار محمد ابراہیم خان نے بتلایا کہ اس کا غصہ دیکھ کر میں نے یہ تجویز پیش کی کہ کوئی اور مقدمہ بنا لیتے ہیں جس میں پولیس کو خفت نہ اٹھانی پڑے اور جو آپ کا مقصد ہے وہ بھی پورا ہو جائے۔ ان دنوں لوگ پاسپورٹ بنوانے کا کام کرتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم پاسپورٹ بنوا کر دینے کا فریب اور دھوکہ دہی کا مقدمہ بنا لیں گے۔ بشرطیکہ ڈپٹی کمشنر ہمارے ساتھ تعاون کریں اور ہمیں مستغیث مقدمہ لا کر دیں یہ طے کر کے وہ آئے تھے۔ چونکہ میرے خلاف امانت میں خیانت، دھوکہ فریب کا کیس بنانے کے لئے ایک آدمی کو لایا گیا اور اسے ڈرا کر دھمکا کر مستغیث مقدمہ بنایا گیا۔ دفتر ہی میں درخواست لکھی گئی اور مستغیث اور درخواست کو پولیس تھانہ میرپور کے حوالہ کر دیا گیا۔ وہ اس وقت مستغیث یا مخالف فریق کا انگوٹھا لگوانے یا دستخط کروانے بھول گئے۔ پولیس اس شخص کو لے کر تھانہ میں آ گئی۔ اس وقت تھانہ میں انسپکٹر پولیس ملک عبدالعزیز مرحوم انچارج تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے چک سواری کا دورہ رکھ لیا اور انچارج تھانہ کے حوالہ درخواست کر دی۔ یہ قصہ دو تین دن چلتا رہا۔ پولیس میرے پاس آ رہی تھی اور مجھے گھر پر دیکھ کر چلی جاتی تھی۔ پولیس کا ہیڈ کانسٹیبل یا اے ایس آئی تھا اس کو گرفتاری کی ڈیوٹی سونپی گئی وہ بھی اپنا دامن بچانا چاہتا تھا اس نے میرے کزن محمد گلزار انصاری کو کہا کہ مجھے قبل از گرفتاری ضمانت کرانی چاہیے۔ ہیڈ کانسٹیبل کا اصل نام یاد نہیں آ رہا۔ اس کے پاس معقول عذر تھا وہ شخص پیشاب کرنے کی اجازت لے کر تھانہ سے باہر آیا اور موقعہ پاتے ہی وہ وہاں سے اسقدر تیزی سے بھاگا کہ پولیس اس کی تلاش میں دو تین دن تک مارے مارے پھرتی رہی اس نے گھر جا کر اپنی بیوی کو قصہ سنایا اس نے اپنے شوہر کو جھوٹی درخواست دینے سے منع کر دیا۔ وہ عورت چوہدری عبدالخالق الراعی جو بعد میں جماعت اسلامی کے امیر بھی رہے ان کے پاس چلی گئی اور سارا قصہ بیان کر دیا۔

چوہدری عبدالخالق نے انتہائی دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے شوہر کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اس عورت کو کہا کہ مکان کے دروازہ کو تالا لگا کر اپنے رشتہ دار کے گھر چلی جائے۔ چوہدری محمد عبدالخالق میرے عزیز ترین ساتھیوں میں سے ہیں ہم نے مل کر سیاسی، دینی اور سماجی خدمت میں حصہ لیا۔ ان کو ان لوگوں کی زبانی پتہ چل گیا تھا کہ کوئی کیس بنایا جا رہا ہے لیکن انہیں یہ علم نہ تھا کہ وزارت امورِ کشمیر نے یہ سازش ترتیب دی ہے۔ اس نے اس مستغیث مقدمہ جس کا نام یاد نہیں ہے پہلے اپنے گھر رکھا اور پھر اسے میرپور شہر میں اپنے مکان میں لا کر چھپا دیا۔ چاروں طرف دوست احباب نے مجھ پر زور ڈالا کہ میں جا کر ضمانت قبل از گرفتاری کرا لوں۔ حوالاتیں ہمارا کھیل بن چکی تھیں۔ مجھے اس کا ڈر نہ تھا۔ میں نے دوستوں کو بتلایا کہ پولیس کے پاس درخواستیں دی جاتی ہیں پولیس معمول کے مطابق انکوائری کر کے گرفتاری

عمل میں لاتی ہے۔اس وقت میر پورشہر کے حالات میرے حق میں تھے شیر کشمیر کی پاکستان میں آمد کے بعد ہماری جماعت کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ بڑے بڑے لوگ ہمارے پاس آتے تھے کہ شیر کشمیر سے ان کی ملاقات کرائی جائے۔ وہ دورہ تو نامکمل رہا۔ میں اپنی جگہ مطمئن تھا کہ ڈپٹی کمشنر ایس پی میر پور اورانچارج تھانہ میرے حق میں تھے۔ میں نے اس لئے ضرورت نہ سمجھی کہ ضمانت قبل از گرفتاری کے لئے درخواست دے دوں۔

محترم چوہدری عبدالخالق صاحب سابق امیر جماعت اسلامی نے جب مجھے کہا کہ ضمانت کروالیں تو میں نے انہیں کہا کہ اگرضرورت ہوئی تو میں ان کے پاس آدمی بھیج دوں گا کہ وہ مستغیث کسی طرح سیشن جج کی عدالت میں پہنچا دیں گے راستہ بھر پولیس کانسٹیبلان کھڑے نگرانی کرتے رہے۔ میں نے یہ صورتِ حال راجہ امداد علی خان اے ڈی ایم مرحوم کو جا کر قصہ بتایا تو انہوں نے کورٹ دروازے بند کرا کے مجھے کہا وہ بتانے کے لئے تیار نہ تھے۔لیکن آپ کو (راقم) کو پتہ چل چکا ہےاس لئے تفصیل بتا تا ہوں کہ آج تمام مجسٹریٹوں اورضلعی افیسران کی میٹنگ ہوئی ہےان میں سب کو ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ میری ضمانت نہیں لیں گے۔

میں نے راجہ صاحب کو کہا کہ گرفتاری سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تو انہوں نے ایسا جواب دیا کہ میں گم سم ہو کر رہ گیا انہوں نے کہا کہ ہم جس قوم میں پیدا ہوئے ہیں وہ ایسی ہے کہ ان کے 90 فیصد لوگ مان جائیں گے کہ یہ الزام درست ہے۔ اس لئے اس سے بچ جانا اچھا ہے۔ آپ جلدی جلدی جا کر سیشن جج چوہدری رحیم داد خان مرحوم کے پاس جا کر درخواست دائر کردیں۔ تھوڑی دیر تک صدر حکومت یا وزارت امورِ کشمیر کا خصوصی ایلچی سیشن جج کے پاس پہنچنے والا ہے۔ میں نے وہ ریپ کا قصہ بھی تھوڑا تھوڑا سن لیا تھا۔ میں پہلی دفعہ پریشان ہوا درخواست میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے سیشن جج کی عدالت میں بیٹھ کر لکھی میں نے چوہدری عبدالخالق الراعی سابق امیر جماعت اسلامی کو بھیج کر درخواست دہندہ کو سیشن جج کی عدالت میں لانے کو بھیج دیا، تھوڑا عرصہ گزرا، جن حالات میں گزرا تفصیلات غیر ضروری ہیں۔ مذکورہ شخص کو عورت کے بھیس میں لا کر عدالت میں پیش کر دیا گیا۔

اس وقت سیشن جج ایک مقدمہ سن رہے تھے۔ انہیں بہت غصہ آیا اور میں نے کھڑے ہو کر درخواست عدالت کے آگے رکھ دی اور اس آدمی کو اپنے ساتھ عدالت کے اندر بٹھا دیا۔ عدالت نے درخواست کی سماعت سے قبل درخواست دہندہ کا بیان زبانی سنا اسے قلمبند نہ کیا اور مجھے ذاتی مچلکہ پر رہا کر دیا۔ اور پولیس کو بلا کر کہا کہ کسی بھی مقدمہ میں مطلوب مسٹر انصاری کو بدون ان کی اجازت سے گرفتار نہ کیا جائے۔ عدالت نے اس امر کا اظہار کیا کہ حکومت اتنے گھٹیا ہتھیار استعمال کرنے لگی ہے۔ خان عبدالحمید خان صدر حکومت بھی میرے بزرگ اور دوستوں میں شمار ہوتے تھے مجھے ان پر مکمل بھروسہ تھا کہ وہ وزارتِ امورِ کشمیر کی اس گری ہوئی ذہنیت کا ساتھ نہیں دیں گے۔ چونکہ میں مچلکہ داخل کر کے دوسری

عدالت میں چلا گیا۔سیشن جج نے کہا کہ یہ مجسٹریٹ ہی بیان لکھ سکتا ہے۔

اس لئے درخواست منجانب درخواست دہندہ مستغیث مقدمہ اے ڈی ایم کے پاس پیش کی جائے۔میں اے ڈی ایم کی عدالت میں گیا وہ بہت خوش ہوئے کہ عدالت سیشن نے محکلہ لے کر میری گرفتاری کے آگے بند باندھ دیا تھا لیکن بیان لکھنے سے انکار کیا کہ علاقہ مجسٹریٹ اسسٹنٹ کمشنر ہے اس کے پاس جائیں۔جب میں اس کے پاس گیا تو اس وقت غالباً خلیل قریشی نئے اسسٹنٹ کمشنر لگے تھے۔

انہوں نے درخواست پر لکھا اور میری منت کی کہ وہ ملازمت میں نئے بھرتی ہوئے ہیں،اس لئے اے ڈی ایم کے پاس جا کر بیان قلمبند کروایا جائے میں اے ڈی ایم کے پاس پھر چلا گیا۔اور اے ڈی ایم صاحب کو سارا قصہ سنایا وہ ہنسے اور انہوں نے عدالت کے دروازے بند کرا دیئے۔پھر مستغیث مقدمہ سے پوچھا اس نے سارا بیان سنا دیا۔اس کے بعد دروازے کھول دیئے۔اور اس کا بیان قلمبند کرنا شروع کیا بیان قلمبند کرنے کے بعد آپ نے کلرک کو کہا کہ اس بیان کو محفوظ کرلیں یہ چوری ہوسکتا ہے اور مجھے کہا کہ آپ اس کی مصدقہ نقل لے لیں۔

اس وقت کچہری ہمارے ساتھیوں سے بھری ہوئی تھی اور یہ سارا قصہ پورے شہر میں پھیل گیا۔اور حکومت کے ایوانوں تک پہنچا ڈپٹی کمشنر میرپور کو اپنے ذرائع سے پتہ چلا کہ حکومت ان کے خلاف کسی اور مقدمہ میں کارروائی کرنا چاہتی ہے۔وہ بھاگتا ہوا مظفرآباد پہنچا اس نے اپنی گرفتاری قبل از گرفتاری عدالت العالیہ سے کرائی۔درخواست کی نسبت ریکارڈ محافظ خانے سے مل سکتا ہے۔اس روز شام کو ایک پبلک جلسہ ہوا جس میں تمام مقررین نے انتظامیہ اور ڈپٹی کمشنر کی حب الوطنی کی تعریف کی تھی۔مقررین میں سے کسی کو سازش کا علم ہی نہ تھا۔اس کے باوجود وزارتِ امورِ کشمیر پر سخت تنقید کی گئی۔ جس کی وجہ سے انتظامیہ وزارتِ امورِ کشمیر کی نظر میں مشکوک ہوگئی تھی۔

میں یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کو یہ علم ہونا چاہیے کہ ضلعی انتظامیہ سے لڑنے سے وہ اپنی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ سکتے۔1960ء میں جب ہم پر تشدد کیا جارہا تھا۔مجھے P.C کی تحویل میں ہتھکڑیاں لگا کر عدالت اے ڈی ایم میں پیش کیا گیا اس وقت مظفرآباد میں راجہ امداد علی خان صاحب مرحوم ایم ڈی ایم مظفرآباد تھے۔راجہ صاحب نرم مزاج بھی تھے۔لیکن وہ غصہ کے عالم میں بہت سخت تھے۔جونہی انسپکٹر پنجاب کانسٹیبلری عدالت میں داخل ہوا تو راجہ صاحب نے ڈائس چھوڑ کر نیچے آ کر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور اس انسپکٹر کو غضبناک حالت میں عدالت سے باہر نکال دیا۔

انہوں نے چائے منگوائی ہم نے اکٹھے چائے پی۔پولیس نے 1964ء میں ضابطہ فوجداری کے تحت میرا بیان قلمبند کرانا چاہتی تھی پولیس نے ڈائری کھول کر دیکھایا کہ ایک نظم جس کا یہ شعر بہت مشہور ہوا تھا کہ

کوئی مٹا سکتا نہیں نام و نشانِ میرپور
ہم نہیں ہیں تو نورِ خدا ہے پاسبانِ میرپور

یہ ساری نظم میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس کی تفتیش کے لئے بہت سی ایجنسیاں مامور کی گئی تھیں وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ کون شاعر ہے جس نے جلتی آگ کو تیل میں ڈال کر مزید بھڑکا یا ہے۔ میرا منشی حاجی محمد عبداللہ بڑا نیک اور دیانتدار مخلص اور ایثار پیشہ تھا۔ وہ میری غیر حاضری میں بھی پورے سال تک باقاعدہ دفتر جاتا رہا اور دوسرے وکیلوں کی منتوں کے باوجود وہ ان کے ساتھ کام کرنے کو تیار نہ تھا۔

ڈائری اہل مقدمہ کی تھی جس میں تاریخ پیشیاں کے اندراجات تھے۔ حاجی محمد منشی عبداللہ مرحوم نے پولیس کے کہنے پر ان کے حوالہ کی تھی۔ ڈائری میں جو لکھا تھا وہ مجھے اس وقت یاد تھا۔ اب بھول گیا ہوں یہ میری مثل مقدمہ ڈسٹرکٹ جج منگلا ڈیم کی عدالت میں موجود ہے۔ میں نے دو تین سطروں میں عدالت میں بیان ریکارڈ کرایا تھا کہ یہ ڈائری میری ہے۔ اور میں نے ہی ڈائری پر اپنے قلم سے یہ نظم لکھی ہے۔ جج نے اس پر دستخط کر کے اسے حوالہ کرتے ہوئے انسپکٹر کو ڈانٹا کہ تم نے سینکڑوں لوگوں کو اس نظم کے لئے گرفتار کیا ہے۔ ان کے لیڈر انکار کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ وہ ہار مان سکتے ہیں۔ پولیس نے تشدد کر کے انتہائی ذلیل حرکت کی ہے۔ پولیس انسپکٹر کو میرے بیان کا اثر معلوم نہ ہوا وہ یہ نہ پوچھ سکا کہ اس کا مصنف کون ہے؟ یہ نظم اصل میں غلام حیدر گھگڑ و اس وقت ایڈیشن سیشن جج صاحب ہو گئے تھے وہ خوف کی وجہ سے انگلینڈ چلے گئے وہاں کچھ عرصہ رہے اور چند ماہ کے بعد آبائی گاؤں بھدروہ جا کر فوت ہو گئے۔ مجھے دو لائی بھیج کر ساری پولیس نفری کو بلا کر انسپکٹر نے کہا کہ اس نے خود لکھا ہے کہ یہ لوگ وکلاء عدالتیں ان کی بہت عزت کرتی ہیں اور ہمیں بدنام کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد تشدد کا سلسلہ بھی کم ہو گیا تھا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عدالت کا معمولی سا رویہ ملزم کے حق میں پولیس کے پتھر دِلوں کو موم بنا دیتا ہے راجہ امداد علی خان مرحوم میں یہ خوبیاں تھیں اور یہ کہ ان کی ذاتی مہربانیاں تھیں جن کی وجہ سے میں ان کے ساتھ مرتے دَم تک عزت واحترام سے پیش آتا رہا۔ اگر چہ میرے ساتھی کسی کو بخشنے والے نہ تھے۔

محاذ رائے شماری کا قیام

سرحد پار سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں کہ ایک آواز ہو ایک جماعت ہو تو یہی ایک صورت ہے کہ ہم آزادی کے پروانوں کی مدد کر سکتے ہیں آزاد کشمیر اور پاکستان میں مقیم کشمیری ورکروں نے شیر کشمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اکٹھے ہونا شروع کر دیا۔ شیر کشمیر کا دورہ مکمل نہ ہو سکا۔ اس سے قبل کشمیر انڈی پینڈنٹ کمیٹی بنائی گئی تھی۔ جس میں تقریباً 14 کے قریب رہنما شامل تھے۔ ان میں خواجہ غلام نبی گلکار، میر عبدالعزیز، امان اللہ خان میر عبدالقیوم میر عبدالمنان جناب خورشید

عالم، غلام محمد لون، امجد بٹ، جناب ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ، خورشید عالم اور سعید شاہ ناز کی شامل تھے۔

اور اس کمیٹی نے ریاست کی مکمل خودمختاری کو متبادل حل قرار دے کر جدوجہد کا اعلان کیا تھا۔ وزارتِ امورِ کشمیر نے سب کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ اس طرح تنظیم کو پھیلنے اور نظریئے کی اشاعت کا موقعہ نہ ملا۔ کشمیر انڈیپنڈنٹ کمیٹی میں شامل تمام لیڈروں کے نام گنگا کیس کے فیصلہ میں سب آ چکے ہیں۔ آج ان میں سے صرف تین پارٹیوں کے رہنما زندہ موجود ہیں۔ باقی سب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ جو باقی موجود ہیں وہ زندگی کے آخری مراحل میں بڑھاپے سے گزر رہے ہیں۔ ان میں جناب امان اللہ خان صاحب اور ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ شامل ہیں۔ البتہ کشمیر انڈیپنڈنٹ کمیٹی کے بعد یونائیٹڈ فرنٹ اور دوسری تنظیموں نے مل کر چار پانچ اپریل 1965ء میں سیالکوٹ کے مقام پر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کی بنیاد رکھی اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں امان اللہ خان، میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان، جی ایم، لون اور ماسٹر عبدالرحمٰن نے دن رات محنت کی اور ہم خیال لوگوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مسٹر امان اللہ خان نے دن رات آزاد کشمیر و پاکستان کے دورے کر کے اس نئی تنظیم کو وجود میں لانے کی کوشش کی۔

محاذ رائے شماری کا پہلا کنونشن تھا جس میں عوامی کانفرنس کو بھی مدغم کر دیا گیا تھا۔ اس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کی کشمیری تنظیموں کے سربراہ اور صف اوّل کے رہنما محاذ میں شامل ہوئے تھے۔ ہمارے عہدے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ البتہ عہدے دار بھی ایک کارکن ہوتا ہے۔ ہم میرپور کے دوستوں نے باہمی طور پر فیصلہ کیا محاذ کا صدر جس کو لوگ چاہیں منتخب کریں ہم لوگ غیر مشروط طور پر ساتھ دیں گے۔ اگر وہ آزاد کشمیر سے صدر منتخب کرنا چاہیں تو ہم ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ کو آگے لائیں گے۔ وہ علم و دانش والے شخص ہیں۔ ہم نے یہ صیغۂ راز میں رکھا تھا۔ میں نے صوفی محمد زمان مرحوم کو کہا تھا کہ وہ ملک صاحب کو عہدۂ صدارت قبول کر لینے کے لئے آمادہ کریں۔

میں نے جاتے ہوئے راستہ میں ملک صاحب سے بھی باتیں کیں تو انہوں نے عہدہ قبول کرنے سے معذرت کی۔ یہ جماعت وزارت صدارت، مناصب اور عہدوں کی دوڑ سے دور رہنا چاہتی تھی۔

بہرحال ہم خاموش ہو گئے اور جب انتخاب کا وقت آیا تو میں نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر میرے نام کے مقابلے میں کوئی دوسرا نام آیا تو میں اس کے حق میں دستبردار ہو جاؤں گا۔ کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے دوست پہلے سے مجھے تیار کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میری صحت اجازت نہیں دیتی۔ لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔

بالآخر فیصلہ متفقہ طور پر کیا گیا اس کی تفصیلات کسی کتابچہ میں موجود ہوں گی۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے پاکستان کے دورہ نامکمل کے بعد بیرونی ممالک کا دورہ کیا تھا۔ انگلینڈ میں ہمارے ساتھی مقبول احمد خاور، محمد حنیف انصاری، محمد صادق انصاری، محمد صدیق مرزا۔ عبدالجبار بٹ اور چوہدری عبدالغفور بھلیالوی اوناع اور دوسرے ساتھیوں نے کشمیری

راہنماؤں سے ملاقات کی تھی۔ جناب غلام نبی لون صاحب نے مکہ مکرمہ میں کشمیری رہنماؤں سے اس موضوع پر بات چیت کی تھی کہ آزاد کشمیر میں بھی محاذ رائے شماری کے نام سے تنظیم قائم کی جائے۔ کشمیری رہنماؤں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اورانہوں نے بتایا تھا کہ محاذ اپنے آئین کے مطابق کام کرے گا۔لیکن آزادی وطن کے لئے دونوں طرف ایک ہی آواز ہوگی کہ کشمیری اپنے وطن کی وحدت، سالمیت اور آزادی چاہتے ہیں۔ چنانچہ 1965ء میں جموں وکشمیر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کا وجود قائم کیا گیا۔ ہمارے محاذ بنانے سے قبل وزارتِ امورِ کشمیر بھی ان خطوط پر سوچتی رہی بلکہ کشمیر کے ایک سینئر لیڈر اور منسٹر غلام دین وانی نے یہ کام شروع کر دیا تھا۔

مگر ہمارے محاذ رائے شماری کے قیام کے بعد ان کی تدبیریں الٹ گئیں اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ وزارت امورِ کشمیر اس طرف کے محاذ کو محض پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتی تھی۔ لیکن محاذ رائے شماری میں منجھے اور آزمودہ کار سیاستدان اکٹھے ہوئے تھے اس لئے ان کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔

مسٹر امان اللہ خان اس کے پہلے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ مسٹر جی ایم لون۔ نائب صدر۔ میر برادر عبدالقیوم و میر عبدالمنان کے پاس بھی عہدے تھے۔مقبول احمد بٹ شہید اس کے پہلے پبلسٹی سیکرٹری منتخب ہوئے۔

صوفی محمد زمان صاحب بھی محاذ کے مرکزی عہدے دار تھے۔لیفٹیننٹ اکرام اللہ بھلوال میر عبدالعزیز، محمد سعید شاہ نازکی خواجہ غلام نبی گلکار انور ربانی صدر آزاد ریاست جموں وکشمیر جیسے لوگ جو ہواؤں میں بھی سازش کی بو کو سونگھ لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انہیں حکومت کسی طرح بھی خرید نہیں سکتی تھی۔ اس محاذ رائے شماری کے مرکزی کمیٹی کے ممبر ملک عبدالمجید صاحب ایڈووکیٹ شیخ حسین شمیم لاہور، محمد بشیر تبسم، جناب ڈاکٹر غلام احمد جراح، مجید امجد بٹ نعیم اللہ قریشی راولپنڈی، ملک فیض سیالکوٹ، راجہ شاہنواز خان مرحوم جیسے اعلیٰ پائے کے نظریاتی لوگوں کو کوئی بھی ان کے نظریہ سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔تفصیلات محاذ کے لٹریچر میں ملیں گی۔

1965ء کی جنگ اور معاہدہ تاشقند

1965ء میں کشمیر میں نئی انقلابی حکومت کا اعلان کیا گیا اور چند مہم جو جرنیلوں نے اور سیاسی راہنماؤں نے گوریلا جنگ کے نام پر جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں کسی بھی نامور شخصیت شیر کشمیر محمد عبداللہ فخر کشمیر مرزا افضل بیگ، غازی ملت سردار ابراہیم، رئیس احرار چوہدری غلام عباس مرحوم اور میر واعظ گروپ کے کسی رہنما سے مشورہ تک نہ کیا گیا مسٹر کے ایچ خورشید کو دلائی ٹارچر انٹیروگیشن سنٹر میں قید کر دیا گیا۔ ان دنوں میں محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ریلیکس ہوٹل راولپنڈی میں ہوئی۔

ہمارے محاذ رائے شماری کا نقطہ نظر یہی تھا کہ اس جنگ کا انجام کشمیریوں کے خلاف ہوگا۔ لیکن ہم نے اس کی

مخالفت اس لئے نہ کی کہ ہم سمجھتے تھے کہ کشمیری نوجوانوں کو آزادی کی جنگ لڑنے کی تربیت حاصل ہو جائے گی۔ جو وہ اپنے طور پر لڑ سکیں گے۔ حکومت آزاد کشمیر کے صدر خان عبدالحمید خان نے میرا نام انقلابی کونسل میں بدون پوچھے بغیر داخل کر دیا اور ریڈیو سے اعلان کر دیا گیا کہ یہ انقلابی کونسل پروفیسر عبدالعزیز ایم اے علیگ کی سربراہی میں بنائی گئی۔ محاذ رائے شماری کے کارکنوں نے اپنے تحفظات کے باوجود مدد کی، لٹریچر شائع کیا گیا، فنڈز اکٹھے کئے گئے۔ مہاجرین کی آبادکاری کے لئے کوششیں بروئے کار لائی گئیں۔

بالآخر یہ جنگ ختم ہوئی اور معاہدہ تاشقند میں دستخط کر کے ہندوستان اور پاکستان نے بین الاقوامی مسئلہ کی بجائے دوملکوں کا معاملہ قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ معاہدہ تاشقند پر دستخط کر کے پاکستان نے اپنی برتری ختم کر دی۔ ایک بین الاقوامی مسئلہ کو دوملکوں کا علاقائی جھگڑا یا سرحدی تنازعہ بنا کر رکھ دیا گیا۔ پاکستان نے اپنے موقف سے ہٹ کر اپنی پسپائی تسلیم کر لی۔ اس معاہدہ میں کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو بے حد نقصان پہنچایا البتہ کشمیریوں پر اس معاہدے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ معاہدہ کے فریق نہیں ہیں۔ اور اس معاہدہ سے ان لوگوں کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ پاکستان کشمیریوں کا وکیل نہ تھا۔ نہ کبھی بنا نہ کبھی بنایا گیا۔ صرف وہ لوگ جو صدارت، وزارت کے پیچھے بھاگتے تھے۔ وہ اس معاہدہ کی اپنے مفاد کی خاطر تشریح کر کے اسے درست قرار دیتے ہیں۔

محاذ رائے شماری نے اول روز سے ہی معاہدہ بیعنامہ امرتسر اقوامِ متحدہ کی قراردادیں معاہدہ تاشقند اور معاہدہ شملہ اور اس کے بعد آج تک ہونے والے تمام معاہدے جن میں لاہور ڈیکلریشن اور اسلام آباد ڈیکلریشن شامل ہیں ان کو مسترد کر دیا ہوا ہے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کشمیریوں کے خلاف یہ غلط الزام لگایا گیا کہ انہوں نے پاکستانی فوج یعنی گوریلوں کی مدد نہیں کی تھی۔

حالانکہ پاکستان گوریلہ فورس نے جنگ کے بعد کئی بار کشمیری عوام کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا کہ انہوں نے اپنی عزتوں اور جانوں کو خطرے میں ڈال کر ان کی مدد کی ان کو راستے بتائے ان کو پناہ گاہیں مہیا کیں۔ اور جو کچھ بھی ان کے بس میں تھا کرتے رہے۔ لیکن ایک مخصوص گروہ اپنی مہم جوئی کو درست ثابت کرنے کے لئے بے سروپا الزام لگاتا چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے یہ جنگ چھیڑ کر سمجھا تھا کہ یہ جنگ کشمیر کی حدود تک محدود رہے گی وہ ناپختہ ذہن کے لوگ تھے۔ بھارت نے فوری طور پر پاکستان پر جنگ مسلط نہ کی بلکہ اس وقت بھارت کے وزیراعظم نے اعلان کیا تھا کہ کشمیر پر پاکستان کی جنگ بھارت کے خلاف جنگ ہے اور بھارت اپنی مرضی کا محاذ چننے کا اختیار رکھتا ہے۔ اتنے بڑے اعلان کے بعد یہ کہہ دینا کہ اچانک حملہ ہو گیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے مہم جو فوجی رہنما اور سیاسی رہنما نظر آتے ہیں انہوں نے اپنی قوم کو اندھیرے میں رکھا۔ اور پاکستان کو توڑنے کے لئے بنیادی اینٹوں کی دیوار کو مضبوط بنایا۔

محاذ رائے شماری کے قیام عمل میں آنے کے بعد اس کو مضبوط بنانے کے لئے فضا ہموار تھی ۔ 1965ء کی جنگ نے ہمیں پورے آزاد کشمیر میں دورہ کرنے اور لوگوں کو ملک کی آزادی کا درس دینے کے لئے مکمل چھٹی مل چکی تھی ۔ ہم نے میرپور سے آٹھ مقام تک سفر کیا تقریباً آزاد کشمیر کے تمام شہروں میں جلسے کئے اور لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہوتے گئے ۔ اس جماعت نے اتنی مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ آزاد کشمیر کے باہر پاکستان برطانیہ یورپ امریکہ اور وسطی ایشیا میں مقبول جماعت سمجھی جانے لگی ۔

لیکن 1965ء کی جنگ میں ایک بھاری نقصان بھی ہوا کہ محاذ رائے شماری کے اندر چند جوشیلے نوجوانوں نے اپنے طور پر گوریلہ جنگ لڑنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے ۔ محاذ رائے شماری کی مرکزی مجلس عاملہ کے چند ممبروں میں مسٹر امان اللہ خان، مقبول احمد بٹ شہید، میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان اور غلام محمد لون کے علاوہ کسی کو کوئی علم نہ تھا کہ جماعت کے اندر انقلابی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں ۔ ایک میٹنگ میں، میں نے مسٹر امان اللہ خان سے پوچھا کہ مسٹر محمد مقبول احمد بٹ شہید محاذ کی مجلس عاملہ میں شریک نہیں ہو رہے ہیں ۔ اور نہ ہی ان کا کسی کو اتہ پتہ ہے کہ وہ کہاں ہیں ۔ تو مسٹر امان اللہ خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ وہ سندھ کے کسی اندرونی حصہ میں ہیں کالج میں پروفیسر بن کر طلبہ کو پڑھا رہے ہیں ۔

بات آئی گئی ہوگئی لیکن کچھ دِنوں کے بعد مجھے اپنے چار ساتھیوں کا خط ملا جو میر عبدالعزیز، خواجہ غلام نبی گلکار انور راکرام اللہ جسوال اور نعیم اللہ قریشی ایڈووکیٹ کے دستخط کے ساتھ تھا ان چاروں حضرات کو اپنے ذرائع سے علم ہوا تھا کہ مقبول بٹ شہید مقبوضہ کشمیر میں گوریلا کارروائی میں گرفتار کر لئے گئے ہیں ۔ اور ان لوگوں نے جماعت کے اندر ایک خفیہ تنظیم بنائی ہے اور وہ بھارت کے خلاف گوریلا جنگ لڑنے کے لئے گئے تھے ۔ ان رہنماؤں نے مطالبہ کیا کہ محاذ کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا جائے ۔ اور محاذ رائے شماری کے آئین کی خلاف ورزی کے جرم میں ان کو جماعت سے نکال دیا جائے ۔

چنانچہ میں نے مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس فوری طور پر میرپور میں طلب کر لیا جو میرپور کے نئے شہر میں پہلی بار محاذ رائے شماری کے تمام اراکین مجلس عاملہ اکٹھے ہوئے یہ اجلاس خادم حسین مرزا کے مکان پر ہوا اور میں نے ان کے سامنے اجلاس کا ایجنڈا رکھ دیا ۔ محاذ کی مجلس عاملہ کے ممبران کے علاوہ سینئر محاذ رائے شماری کے رہنما بھی موجود تھے ۔ کراچی سے جناب جی ایم لون، مسٹر امان اللہ خان، میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان، غلام محی الدین بانکا بابا صدیق لاہور سے سعید شاہ نازکی، حسن شیخ شمیم سیالکوٹ سے ڈاکٹر غلام احمد جراح ملک محمد فیض مجید امجد بٹ راولپنڈی سے غلام احمد بٹ مظفرآباد سے محمد زمان عباسی کوٹلی سے عبدالقیوم قادری الحاج ٹھیکیدار محمد صادق چوہدری، شاہباز خان مرحوم، راجہ فضل الرحمٰن، جناب ملک

عبدالمجید ایڈووکیٹ، صوفی محمد زمان صاحب محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ اور راولاکوٹ سے دوست موجود تھے۔ میرے پاس ریکارڈ محفوظ نہیں۔

میں یہ اپنے حافظہ سے لکھوا رہا ہوں۔ محاذ کے سرکردہ دیگر رہنماؤں میں ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ محمد بشیر بھٹی خالد کاشمیری کوٹلی فضل کریم یورش اور ماسٹر عبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ ان سب میں سے پانچ سات آدمی باقی ہیں۔ باقی سب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

راولپنڈی کے چاروں رہنما نامور سیاست دان تھے۔ ان میں خواجہ غلام نبی گلکار انور پہلے کشمیری رہنما ہیں جو اپنے ساتھیوں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ وغیرہ کے ساتھ 1931ء کی تحریک میں ہری پربت قلعہ میں نظر بند رکھے گئے تھے۔ وہ سیاست دان، صحافی، دانشور اور وسیع المطالعہ تھے۔ وہ سیاست کی زبان کو سمجھتے تھے۔ جہاد کا مقصد بھی انہیں پتہ تھا۔ اپنا اخبار باقاعدگی سے نکالتے تھے۔ اخبار بند ہوتے رہے۔ ان پر تشدد بھی ہوا، قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والا یہ شخص مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ممبر رہ چکا تھا۔ اور ریاستی اسمبلی میں تقسیم سے پہلے ممبر اسمبلی منتخب ہوا تھا۔

میر عبدالعزیز مرحوم بھی ایک ذہین سیاستدان تھا۔ وہ صحافی بھی تھے۔ اخبار ''انصاف'' نکالتے تھے۔ وہ مختلف جماعتوں میں محاذ میں شامل ہونے سے پہلے کلیدی عہدوں پر تعینات رہے۔ اس کے قلم میں تلوار کی کاٹ تھی۔ وہ طلبہ فیڈریشن کے لیڈر کی حیثیت سے چمکا، وہ کسان مزدور کانفرنس کا رہنما بھی تھا۔ اس نے یورپ میں ہونے والی انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کی۔ وہ خودمختار کشمیر کا بیج بوتا ہوا رخصت ہو گیا۔ وہ برصغیر کے صحافیوں میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ مصنف، مولف، ناقد اور دانشور سیاست دان تھا۔

ایسے دانشوروں کو دلائل سے شکست دینا مشکل تھا۔ حکومت پاکستان کا خطاب یافتہ بھی تھا۔ اگرچہ وہ خطاب محاذ رائے شماری سے الگ ہونے کے بعد ایک صحافی کی حیثیت سے ملا تھا۔ اکرام اللہ جسوال نے لمبی ترین قید و مشقت کی جیلیں اور نظر بندیاں دیکھی تھیں۔ وہ صحافی بھی تھے اور سیاست دان بھی تھے۔ اور تلوار کے دھنی بھی تھے۔

مسٹر نعیم اللہ قریشی ایڈووکیٹ بڑے دانا تھے، وہ اتنے اچھے پائلٹ تھے کہ گنگا طیارہ آیا تھا تو وہ لاہور ائیرپورٹ پر کھڑا کر دیا گیا۔ مسٹر قریشی اپنے ملک کے حکمرانوں کی بزدلی سے واقف تھے۔ انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا تھا اور اجازت چاہی تھی وہ گنگا طیارہ کو کسی دوسرے ملک میں لے جائیں گے۔ پاکستان اس گوریلہ کارروائی کے لئے بھارتی دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور محبّ الوطنوں کو کچل دیا جائے گا۔

لیکن میں نے اس وقت انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ ہماری تحریک کا اندرونِ ملک کسی کو علم نہ تھا۔ بیرونی دنیا ہم کو کیسے پناہ دے گی۔ اب ان چار بڑے سیاستدانوں کا مقابلہ مرکزی سیاستدانوں کو کرنا تھا۔ سب سے پہلے میر عبدالعزیز نے تمام

واقعات سنائے اور مطالبہ کیا کہ مسٹر مقبول احمد بٹ کو جماعت سے نکال دیا جائے۔ راولپنڈی کے باقی ساتھی بھی ان کی حمایت کر رہے تھے۔ کراچی کے دوست بہت زیادہ پریشان تھے۔ وہ ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس طرح تمام محاذی ساتھیوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ہم میر پور کے ساتھیوں نے آپس میں اجلاس سے قبل گفتگو کی تھی۔ صوفی محمد زمان مرحوم، محمد بشیر تبسم، چوہدری شاہ باز خان صاحب اور راقم محمد عبدالخالق انصاری کا موقف بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک مقبول احمد بٹ کو نوٹس جاری نہ کیا جائے اور وہ خود حاضر ہو کر جواب نہ دے سکے تو اس وقت کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی جا سکتی ہے۔

ہم مقدمہ کی نوعیت کے بارے کچھ نہیں لکھ سکتے۔ اگر میر عبدالعزیز کا یہ موقف درست ہے کہ وہ گوریلا کارروائیاں کر رہے تھے اور ایک ٹکراؤ ہوا اس میں گرفتار ہوئے ہیں۔ تو اس وقت ان کے اقدام کو سراہتے ہوئے مقبول احمد بٹ کو سلیوٹ پیش کرتا ہوں یہ پہلا رہنما ہے جس نے کشمیر کی آزادی کے لئے تختۂ دار پر لٹک جانا پسند کیا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

میرے دلائل کے بعد حاضرین نے اپنا موقف بدل لیا۔ یہاں تک کہ میر عبدالعزیز اور خواجہ غلام نبی گلکار کا بھی ذاتی نوعیت کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ اور میر عبدالعزیز نے خواجہ غلام نبی گلکار کو کہا کہ وہ قادیانی ہیں اور قادیانی تو جہاد بالسیف پر ایمان نہیں رکھتے۔ آپ نے اس گوریلہ کارروائی کو کیسے جائز قرار دے دیا تو خواجہ غلام نبی گلکار نے کہا کہ ہمارے ملک پر فوج کشی کی گئی اور فوج کشی کا مقابلہ ہتھیاروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور انہوں نے بڑے جذباتی انداز میں میرے موقف کو سراہا، مسٹر نعیم اللہ قریشی اور مسٹر اکرام اللہ جیسوال تھے بھی سابقہ فوجی ان کی تربیت فوج میں ہی ہوئی تھی۔

انہوں نے ہماری تائید کر دی۔ اور کراچی کے دوست لاہور اور سیالکوٹ کے دوستوں کے ساتھ خوشی سے جھومنے لگے۔ میں نے پہلے ایک قرارداد لکھ کر تیار کر رکھی تھی۔ وہ پڑھ کر سنائی اور جس میں مقبول احمد بٹ شہید کی اس کارروائی کو شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ اور محاذ رائے شماری کے کارکنوں کو کہا کہ وہ اپنے آئین میں لکھ چکے ہیں کہ آزادی کے لئے دیگر ذرائع بھی استعمال کئے جائیں گے۔ اور گوریلہ جنگ دیگر ذرائع کی اصطلاح میں آتی ہے۔

اب اس پر غور کرنا ہوگا ہم سب نے مل کر میر عبدالعزیز کو کہا کہ یہ اگر ایک ساتھی کو پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہو اس وقت اس کے فعل کی مذمت کرنا دشمنوں کی کھلی مدد ہے۔ ہماری طرف سے بھارت کو یہ پیغام پہنچ جانا چاہیے کہ محاذ رائے شماری اپنے وطن کی آزادی کے لئے ہر ذریعہ استعمال کرے گی۔ وہ اپنے دشمنوں کا سمندروں میں خشکیوں میں جنگلوں میں

صحراؤں میں پہاڑوں اور میدانوں میں ہر جگہ مقابلہ کرے گی۔ کشمیر جب تک آزاد نہیں ہو جاتا۔ کشمیری عوام امن کی کسی بات کو سننے کو تیار نہیں ہیں۔ محاذ رائے شماری کا یہ اجلاس کامیاب ترین تھا۔ باہر افواہیں پھیل رہی تھیں کہ محاذ ٹوٹ جائے گا لیکن ہم نے سب کو اکٹھا رہنے کی تلقین کی اور آزادی کی خاطر سب نے مل جل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ایک شرط لگائی تھی کہ آئندہ اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرے گا جس کا اثر پوری جماعت پر ہو۔ اس اقدام سے محاذ کے دو چار دوستوں میں شکوک ضرور پیدا ہو گئے تھے۔ اور وہ سرگرمی سے حصہ نہ لیتے تھے۔ اس دور میں محاذ رائے شماری کے لیڈروں کارکنوں نے آزاد کشمیر کے گھر گھر تک آزادی کا پیغام پہنچایا تھا۔ اور یہ جماعت بڑی جماعتوں میں شمار ہوتی تھی۔

چوہدری نور حسین پر فائرنگ

ساٹھ کے عشرہ میں ایک اور واقعہ ہوا جس کا اثر بنیادی طور پر محاذ رائے شماری پر پڑا تھا۔ یہ آزاد کشمیر کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا کہ ضلعی انتظامیہ پولیس اور حکومت نے مل کر آزاد کشمیر کے ایک دو لیڈروں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگر چہ حکومت کو علم نہ تھا لیکن ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے کہنے پر انہوں نے کھلے اختیارات دے دیئے تھے۔ کہ وہ جلسہ اور جلوس کو درہم برہم کرنے کے لئے طاقت استعمال کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ میر پور کے مشہور و معروف لیڈر جو کابینہ کے سینئر منسٹر رِہ چکے تھے اور ان کے چوہدری خادم حسین اپنے بڑے بھائی چوہدری نور حسین کے ساتھ سٹیٹ کونسل کے ممبر بھی رِہ چکے تھے۔ انہوں نے میر پور کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ اپنے حقوق منوانے کے لئے ایک جلوس نکالا اس جلوس کی قیادت چوہدری نور حسین خود کر رہے تھے۔

چوہدری خادم حسین مرحوم شامل تھے۔ جلوس میں حکومت کے خلاف احتجاجی نعرے لگائے اور جلوس ڈپٹی کمشنر کے دفتر تک جا پہنچا ہم وکلا اس وقت ہائی کورٹ کے لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شور سنا چاروں طرف لوگ بھاگ رہے ہیں۔ اے ڈی ایم میر پور پولیس کے ساتھ عوام کو بھاگنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ فائرنگ کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد یہ خبر آئی کہ چوہدری نور حسین کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور چوہدری خادم حسین آخری سانسیں لے رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میر پور کے مقبول ترین اور جانباز سیاسی رہنما محمد یعقوب شہید ڈھانگری اور چاچا حسین علی میرے پاس آئے انہوں نے بتایا کہ چوہدری نور حسین ہسپتال میں پڑا ہے اس کو گولی لگی ہے اور بچنے کی امید نہیں ہے۔ اور مجھے کہا کہ میں ہسپتال چلوں اور ان کے ساتھ مل کر ڈاکٹروں سے ہمدردانہ طور پر علاج کرنے اور قیمتی جان کو بچانے کی کوشش کریں۔ میں صوفی محمد یعقوب کے ساتھ ہسپتال چلا گیا۔

کرنل رشید مرحوم ہسپتال کے انچارج تھے یہ ہسپتال سی ایم ایچ کہلاتا تھا۔ ہم نے ہسپتال پہنچ کر چوہدری نور حسین سے ملاقات کی اجازت چاہی ہسپتال کے تمام ڈاکٹر صوفی محمد یعقوب ڈھانگری شہید کے نہ صرف واقف تھے۔ بلکہ

ان کی سماجی خدمات کے بھی معترف تھے۔ جب ہم اپریشن تھیٹر پہنچے تو چوہدری نور حسین کو ایک تختے پر لٹایا ہوا تھا اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے۔ لیکن ان کی زبان پر درود پاک جاری تھا۔

یہ عوامی رہنما بڑا انڈر رہے اور موت کا اسے کوئی ڈر نہ تھا۔ وہ بڑے بڑے ظالموں کا تن تنہا مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن وہ سیاسی جلسوں میں اسلحہ کے استعمال کا مخالف تھا۔ وہ پر امن جلوس لے کر گیا تھا۔ انہوں نے کوئی تخریب کاری نہ کی تھی۔ انتظامیہ کا الزام تھا کہ انہوں نے حکومت کے صدر، ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کو ماں بہن کی ننگی گالیاں دی ہیں۔ اور چچیاں یونیورسٹی کی زبان استعمال کی ہے۔ اور اس وقت چچیاں میں کوئی یونیورسٹی نہ تھی۔ طنزیہ لوگ چچیاں یونیورسٹی سے منسوب کرتے تھے۔ دنیا کی کسی لغت میں ان گالیوں کا وجود نہ تھا۔ صرف اس یونیورسٹی میں یہ گالیاں سنائی جاتی تھیں۔

ہم نے آپریشن تھیٹر میں چوہدری نور حسین کو سلام کیا اور اس واقعہ پر انتظامیہ کی مذمت کی اور وہ بول نہیں سکتے تھے ہم نے بھی انہیں بلانے کی تکلیف نہیں دی۔ بہرحال انہوں نے ہمیں اچھی طرح دیکھا باہر نکل کر ڈاکٹروں سے پوچھا کہ کیا صورتِ حال ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ گولی شہ رگ کے بالکل قریب لگی ہے اس کا سکہ پھنسا ہوا ہے اگر سکہ نکالتے تو موت واقع ہو جاتی ہے اس لئے ہم سوچ و بچار کر رہے ہیں کہ کیا کیا جائے؟۔

ہم ہسپتال سے واپس آئے تو میرے دفتر کے سامنے کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ صحافی اور کارخاص کے لوگ بھی ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ صحافیوں نے میرے تاثرات قلمبند کرنے کے لئے بہت سے سوالات کئے تو میں نے انہیں کہا کہ مجھے اصل واقعات کا پتہ نہیں ہے۔ البتہ آپ نے جو بتایا ہے کہ گالیوں کے جواب میں گولی چلائی گئی ہے تو میں اس لئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ گالی کا جواب گولی نہیں ہے۔ اور پر امن جلوس پر لاٹھی چارج اور تشدد جمہوریت کی نفی ہے۔ عوام کو حق حاصل ہے کہ عوامی مطالبات پیش کرنے کے لئے اکٹھے جلوس نکالیں۔ دفعہ 144 بھی نافذ نہ تھی۔ اس لئے نہتے عوام پر بے دریغ لاٹھی چارج اور ان کے قائدین پر حملہ ضلعی آفیسران کی ملی بھگت اور سازش کا نتیجہ ہے۔ ہم اس فعل کی مذمت کرتے ہیں۔ مجھے جب یہ بتایا گیا کہ ہمارے محاذ رائے شماری کے ساتھی محمد دین پہلوان مرحوم جو کئی دفعہ کونسلر منتخب ہوتے رہے عوامی خدمت میں بے مثال تھے۔ کے دو بھائی بھی پولیس میں شامل ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے تھے۔

مطالبہ کیا کہ اس واقعہ کی تحقیقات ہائی کورٹ کے جج سے کرائی جائیں۔ ایک کمیشن بٹھایا جائے جس میں عوام کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پاکستان کے ایریا آفیسر آئے انہوں نے مجھ سے الگ ہو کر بات کرنا چاہی وہ مجھے اعتماد میں لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کل مجھے عدالت میں نہیں آنا چاہیے۔ کیونکہ ضلعی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ کل عدالت نہ آئیں۔

میں نے یہ سن لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ چاچا حسن علی جو ایک طبقہ کی نمائندگی کرتے تھے سٹیٹ کونسل کے ممبر بھی

تھے۔اور وہ جمہوری اقداروں کے پاسدار تھے۔دفتروں میں انہیں بڑی عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ان کا کام کردیا جاتا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ وہ رپورٹ ابتدائی کی مصدقہ نقل لے کرفوراًلائیں اور ہمارے ساتھی صوفی محمد یعقوب ڈھانگری کے ساتھ جا کر خورشید حسن میر کو لے آئیں تا کہ چوہدری نور حسین کی ضمانت کرائی جاسکے۔چوہدری نورحسین موت وحیات کی کشمکش میں تھے۔پولیس نے ان کے خلاف سنگین جرائم کے تحت مقدمہ رجسٹر کر کے پولیس کی ہدایت پر ہسپتال رکھا ہوا تھا۔ چاچا حسین علی نے بتایا کہ ان کی کوششوں کے باوجود انہیں کوئی نقل مہیا نہیں کر رہا ہے۔آفیسران نے منہ موڑ لیا ہے۔اور فضا مکدر ہو چکی تھی۔

صوفی محمد یعقوب ڈھانگری اور چچا حسن علی کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا وہ چوہدری نور حسین کے مخالف کیمپ میں تھے لیکن ان کے اندر ایک انسان کا دِل دھڑکتا تھا۔ وہ محض انسانی ہمدردی کے پیش نظر دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے تھے۔چوہدری نور حسین اوراس کے بھائی چوہدری خادم حسن کو زندہ بچانے کی فکر میں تھے۔ چوہدری خادم حسین کو بہت ضربات آئیں تھیں۔اوران کے متعلق مشہور ہو گیا کہ وہ بھی قتل ہو گئے ہیں لیکن ہماری معلومات کے مطابق ان کی زندگی خطرے سے باہر تھی۔

ہم عدالتوں کا وقت ختم ہونے سے پہلے واپس چلے آئے۔اور صوفی محمد یعقوب ڈھانگری مرحوم نے ہمیں بتایا کر کہ وہ خورشید حسن میر کو کل ساتھ لائیں گے۔اور پھر کوشش کریں گے کہ کس طرح ہم اپنے طور پر چوہدری نور حسین کا علاج کر سکیں۔خورشید حسن میر پی پی کے رہنما تھے۔وہ کابینہ کے ممبر بھی رہے۔

بڑے حوصلہ مند نوجوان تھے دوسرے دِن وہ آ گئے لیکن انہیں کوئی قانونی مدد کی ضرورت نہ پڑی اس کی وجہ ہمارا ایک فیصلہ تھا۔سارا شہر غمگین تھا فسادات پھوٹ پڑنے کا امکان تھا۔ جب ہم گھر واپس پہنچے تو ہم نے اس پر غور کیا کہ نور حسین کو کس طرح اور کیسے بچایا جائے۔ایریا آفیسر اور دیگر ذرائع سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ چوہدری نور حسین کو رات کے وقت ہسپتال میں گولی مروا کر کسی غریب کو ملزم بنا کر معاملہ ختم کر دیا جائے گا۔ ہمارے ساتھی صوفی محمد زمان مرحوم کے کرنل رشید سے ذاتی تعلقات تھے۔ان کا آپس میں ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم کرنل رشید سے مل کر چوہدری نور حسین کو صبح ہونے سے پہلے پہلے سی ایم ایچ راولپنڈی میں بھجوا دیا جائے۔ ہمارا میر پور ابھی پوری طرح آباد نہ ہوا تھا۔مکانات زیرِ تعمیر تھے۔ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کرنل رشید کے گھر پہنچ گئے۔محمد بشیر تبسم بھی ساتھ تھے۔ اس فیصلہ میں ان کا زیادہ ہاتھ تھا۔وہ کرنل رشید صاحب کو بھی ذاتی طور پر جانتے تھے۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آدھی رات کے وقت ہمیں کرنل رشید تک کون پہنچنے دے گا۔ زبردست پہرہ لگا ہوا تھا۔ ہسپتال فوج کے زیرِ انتظام تھا۔کرنل رشید صاحب مسٹر کے ایچ خورشید کے رشتہ کے بھائی تھے۔ جب ہم نے پہرے دار

کو کہا کہ ہمیں کرنل صاحب سے ذاتی کام ہے ملاقات کرائی جائے تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ ابھی ابھی سونے کے کمرے میں گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی محمد بشیر تبسم نے گارڈ کو باتوں میں الجھا دیا اور صوفی محمد زمان آنکھیں بچا کر دوڑ کر دروازے پر پہنچ گئے۔اورانہوں نے زورزور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

کرنل عبدالرشید مرحوم فوراً باہر آ گئے اور صوفی صاحب کو لے کر ہمارے پاس سڑک پر آ گئے، وہ بہت پریشان تھے۔ہم نے انہیں بتایا کہ ضلعی انتظامیہ نے چوہدری نورحسین کو قتل کرنے کے لئے منصوبہ بنایا ہے وہ ہسپتال میں گولی مار کر ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔اس طرح آپ کی پوزیشن بھی خراب ہوگی کیونکہ موجودہ حکمران کو صدارت مسٹر کے ایچ خورشید سے چھین کر دی گئی وہ کہیں گے کہ خورشید صاحب کے بھائی کرنل رشید نے قتل کرا دیا ہے۔اس طرح ایک تیر سے دوشکار کرنا چاہتے ہیں۔تو فوراً بول اٹھے کہ سازش یقیناً بنائی گئی ہوگی کیونکہ ضلع پولیس کے آفیسر یا ضلعی انتظامیہ کے افسر نے صحیح یاد نہیں رہا کہ ڈپٹی کمشنر کے متعلق کہا کہ میں ایس پی کے متعلق کہا تھا انہوں نے دو تین دفعہ فون کر کے پوچھا اور گالی دے کر کہا کہ وہ ابھی زندہ ہے؟۔

کہنے لگے کہ میں حیران تھا کہ انہیں اس کی موت کی کیوں خواہش ہے۔ وہ بڑے پریشان تھے ہم نے انہیں مشورہ دیا کہ تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اور چوہدری نورحسین کو ہسپتال کی گاڑی میں فوجی گارڈ ساتھ لگا کر سی ایم ایچ راولپنڈی بھیج دیا جائے۔ کیونکہ مضروبین کی حالت تشویشناک ہے۔اس قابل ہے کہ سینئر ڈاکٹر علاج کریں۔ وہ فوراً مان گئے۔اورانہوں نے ہمیں ساتھ رکھا اور چند لمحوں میں کاغذات مکمل کئے اور راتوں رات چوہدری نورحسین کو راولپنڈی ہسپتال میں فوج کی نگرانی میں بھیج دیا گیا تھا۔اور ہم مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔

صبح کے وقت عدالتوں میں جانے کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ صوفی محمد یعقوب ڈھانگری نے بتایا کہ مسٹر خورشید حسن میر پور جلد پہنچ جائیں گے۔ وہ راولپنڈی سے ہو کر آئے تھے۔ میں نے صوفی محمد یعقوب شہید کو بتایا کہ اب ان شاءاللہ کوئی خطرہ نہیں ان کو بھی انتظامیہ کی سازش کا پتہ چل گیا تھا۔انہوں نے بھی مشورہ دیا کہ میں عدالت میں نہ جاؤں۔ صوفی محمد زمان مرحوم ایس پی سے لڑ کر آئے تھے۔اورانہیں کہا تھا کہ تم نے سیاسی حقوق مانگنے والوں پر گولیاں چلائی ہیں۔ اس کا بدلہ لیا جائے گا اس پر ایس پی نے کہا کہ اب نورے کے بعد پیرے کی باری ہے۔تو صوفی صاحب نے کہا کہ اگر انصاری صاحب پر ہاتھ اٹھایا گیا تو تمہاری لاش دفتر سے لائی جائے گی۔

چنانچہ ساتھیوں کے مشورہ سے میں چند دوستوں کے ہمراہ عدالتوں کی طرف گیا۔ ڈاکٹر غلام رسول میر مرحوم اپنے دو چار ساتھیوں سمیت پہنچ گئے۔اس وقت ہماری سڑک پر چند مکانات تعمیر ہو رہے تھے۔ ایک ویرانہ سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔

چنانچہ سازشیوں کی سازش ناکام بنادی گئی۔خورشید حسن میر کی بھی مسٹر کرنل رشید سے دور پار کی کوئی رشتہ داری تھی۔ انہوں نے کرنل رشید کو جا کر بتایا کہ وہ ایک سازش سے بچ نکلے ہیں کرنل رشید صاحب صوفی محمد زمان مرحوم کے بڑے مداح تھے۔ کیونکہ صوفی صاحب مرحوم ہر روز کسی نہ کسی مریض کرلے کر ہسپتال پہنچ جایا کرتے تھے۔ان کی بے لوث خدمت بڑے بڑے لوگوں کے کام میں آئی۔ عدالت میں شور مچا کہ چوہدری نور حسین نہ صرف زندہ ہے بلکہ وہ اپنے راولپنڈی کے گھر میں ہے۔اس طرح یہ تماشا ختم ہوا۔

حکومت نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جو اس واقعہ کی تحقیقات کر کے حکومت کو بھیجنے کا پابند تھا۔ میں نے (راقم) اس کمیشن کے سامنے بیان دیا تھا کہ گالی کا جواب گولی نہیں ہوسکتا ہے۔جس پر انتظامیہ میرے خلاف رہی لیکن مجھے اس کی پرواہ نہ تھی۔ یہ تحریری بیان غالباً کا مریڈ محمد مشتاق مرحوم نے چھپ چھپا کر لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔ چوہدری نور حسین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بھی زندہ ہے۔جموں و کشمیر میں صف اوّل کے رہنماؤں میں اس کا شمار ہوتا ہے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جدوجہد کرتا چلا آیا ہے۔

خان آف منگ کی جیل سے رہائی

ساٹھ کے عشرہ میں محاذ رائے شماری کا پیغام جلسوں جلوسوں اشتہاروں اور پمفلٹ کے ذریعے گھر گھر تک پہنچا ۔بھمبر سے لے کر تاؤبٹ تک اور گلگت و بلتستان تک پیغام پہنچا۔ 1968ء ایکٹ کے خلاف تحریک چلائی اور ایک جمہوری حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا اسی عشرہ میں ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ کیپٹن خان محمد خان آف منگ کو جیل سے نکلوایا۔ وہ پلندری کی آزادی کی تحریک میں سرحد عبور کر کے بھارتی مقبوضہ کشمیر چلے گئے تھے۔ پھر واپس آ کر انہوں نے اپنے آپ کو تفتیشی ٹیموں کے سپرد کر دیا وہ کبھی مظفر آباد جیل میں ہوتے اور کبھی پنجاب کی جیلوں میں ہوتے تھے۔ان کی آزادی کے لئے آزاد کشمیر ہائی کورٹ میں حبسِ بے جا کی درخواست دی جاتی تو پولیس اور فوج انہیں کو ہالہ پار کر کے یہ بیان دے دیتی تھی کہ وہ آزاد کشمیر کی کسی جیل میں یا کسی تفتیشی مراکز میں نہیں ہیں۔اور اس طرح درخواست خارج ہو جاتی۔ جب پاکستان کی ہائی کورٹ میں درخواست دی جاتی تھی تو وہاں کی پولیس اور فوج یہ بیان دے دیتی کہ مسٹر خان پاکستان میں نہیں ہیں۔

وہ آزاد کشمیر میں ہیں اور وہ یہ معاملہ کئی سال تک لٹکاتے رہے۔ میں نے اور صوفی محمد زمان مرحوم اور محمد بشیر تبسم نے ان کے ساتھ جیل میں رابطہ کیا وہ اس وقت میر پور جیل میں تھے۔ پتہ چلا کہ حکومت انہیں اس شرط پر چھوڑنا چاہتی ہے کہ وہ اپنے تھانہ کی حدود میں رہیں گے۔اور پاکستان یا راولپنڈی نہیں جائیں گے۔

مسٹر خان کسی غیر مشروط رہائی کے لئے تیار تھے۔لیکن کوئی قید کوئی پابندی اور کوئی شرط انہیں منظور نہ تھی۔ہم نے یہ طریقہ نکالا کہ ان کو بتائے بغیر انہیں آزادی دلائی جائے۔صدر حکومت آزاد کشمیر خان عبدالحمید کے ساتھ ہمارے ذاتی

تعلقات کام میں آ گئے ۔ وہ میری بات مان گئے کہ پاکستانی آفیسروں کو بتائے بغیر ان کو رہا کر دیا جائے گا لیکن ان کی طرف سے کوئی ضمانت نامہ اس امر کا داخل کرے کہ وہ اسے رہا کرنے کا حکم جاری کر دیں گے۔

صوفی محمد زمان مرحوم نے ضمانت نامہ پر دستخط کر دیئے اور لکھ دیا کہ اگر کیپٹن محمد خان نے کوئی شرط تسلیم نہ کی تو ان کی جائیداد یعنی صوفی محمد زمان کی جائیداد بحق سرکار قرق کی جاسکتی ہے میں نے ہنستے ہوئے صوفی محمد زمان مرحوم کو کہا کہ وہ ہٹ کے بڑے پکے ہیں۔ وہ دوسرے دن راولپنڈی میں جا کر سر نکالیں گے تو انہوں نے کہا کہ میری جائیداد ہی کیا ہے؟ حکومت جو چاہے نیلام کرے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو یہ کہا جاتا ہے کہ میر پور کا فاتح ہے وہ میر پور جیل میں رِہ کر میر پوریوں کی غیرت کو چیلنج کر رہا ہے۔

بہر حال ہم نے خان عبدالحمید سے پروانہ آزادی حاصل کیا اور ایس پی میر پور کے پاس چلے گئے ۔ سردار محمد ابراہیم خان سدھن قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے میری بات مان لی کہ وہ سول لباس میں اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر چھوڑ آئیں گے۔ وہ کسی سرکاری وردی والے کے ساتھ نہیں جانا چاہتے تھے۔ انہیں بتلایا کہ جو شرائط لکھ کر دی ہیں اور قبول کرتے ہوئے ضمانت نامہ داخل کرایا ہے۔ اس کا علم کیپٹن خان آف منگ کو بھی نہیں ہے۔

اسے کسی طرح پتہ نہیں چلنا چاہیے تھانہ دار متعلقہ کو ہدایت کر دی جائے وہ اسے نہ چھیڑیں اور آزادی سے پھرنے دیں۔ خان آف منگ کو سردار ابراہیم ساتھ لے کر گھر چھوڑ آئے اور متعلقہ تھانے دار کو ہدایات زبانی بھی دے آئے ۔ اور خان آف منگ کو دو دن بعد راولپنڈی میں دیکھا گیا جس کی رپورٹ CID والوں نے صدر حکومت اور پولیس آفیسروں کو دے دی۔ صدر حکومت کا دورہ میر پور تھا انہوں نے ہمیں بلا کر بتلایا کہ اس نے کوئی شرط قبول نہیں کی ہم نے صدر خان عبدالحمید خان کو یقین دلایا کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے ایک طویل عرصہ جیل میں رِہ کر دیکھ لیا ہے کہ ان کے قریبی رشتہ دار بھی ان سے ملاقات کے لئے نہیں جاتے تھے۔ اور ان کے ہم خیال اور دوست سیاسی ساتھیوں نے بھی عملاً ان سے ملنا ترک کر دیا تھا۔ خان عبدالحمید خان نے پولیس کو ہدایت کر دی کہ انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور وہ آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں۔

یونائیٹڈ پروگریسو لمیٹڈ کمپنی کی بنیاد

اسی عشرہ میں صدر حکومت نے ہم سے ملاقات کر کے ہمیں کہا کہ میر پور کے لوگ انڈسٹری کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ تاکہ میر پور میں کارخانے لگ سکیں اس کے لئے انڈسٹریل ایریا مختص کر دیا گیا ہے۔ ہم سب ساتھیوں سے مشورہ کے بعد یونائیٹڈ کشمیر پروگریسو لمیٹڈ کمپنی رجسٹر کرائی اس کی اہم بات یہ تھی کہ سودی کاروبار نہیں کرے گی ۔ اس کمپنی میں محاذ کے ساتھیوں کے علاوہ غیر سیاسی دوست بھی شامل ہوئے تھے۔ یہ تقریباً سیکٹر B/2 اور B/4 سے

تعلق رکھتے تھے۔

کارخانے چلانے کا تجربہ صرف دو اشخاص کو تھا۔ ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم پر سب کی نگاہیں تھیں۔لیکن وہ ایک حادثہ میں شہید ہوگئے تو اس طرح دوستوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا افتتاح کے لئے خان عبدالحمید نے کہا کہ کمپنی کا افتتاح چیف ایڈوائزر سے کروایا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ میری گزشتہ کئی سالوں سے جنگ جاری ہے وہ ہمارے نزدیک ناپسندیدہ شخص ہیں۔خان صاحب کہنے لگے کہ وہ خود مجھے خان عبدالحمید خان کو کہیں گئے کہ وہ افتتاح کریں۔میں نے انہیں بتایا کہ سرکاری لوگ اپنے استقبال کے بڑے بھوکے ہوتے ہیں وہ خود تیار ہوجائیں گے۔اور ہمارے لئے سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔

خان عبدالحمید خان صاحب مجھے ساتھ لے کر چیف ایڈوائزر کے پاس پہنچے تو جب میں نے انہیں کہا کہ وزارتِ امورِ کشمیر کے کہنے پر لوگوں کو انڈسٹری کی طرف رغبت دلائی ہے تو لوگ دلچسپی لینے لگے ہیں بہتر ہوگا کہ آپ اس کا افتتاح کریں۔اس نے فوراً کہا کہ وہ خود آئیں گے۔خان عبدالحمید خان میری طرف دیکھ کر پریشان ہوئے لیکن چند منٹوں کے بعد فارغ ہوگئے۔میں موقعہ پا کر راجہ حبیب الرحمٰن خان کے پاس چلا گیا۔

ان کو ساری صورتِ حال بتلائی اور انہیں کہا کہ وہ کسی طرح خود تشریف لا کر افتتاح کریں بریگیڈیئر حبیب الرحمٰن سبھاش چندر بوس کے سیکرٹری تھے۔اور انڈین نیشنل آرمی کے ایک آفیسر کی حیثیت سے ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا جن کی رہائی کے لئے پرنس آف ویلز کالج کے طلباء نے ہمارے کہنے پر کئی دِن احتجاج جاری رکھا تھا۔

بالآخر وہی تشریف لائے اور اس میں انہوں نے شاندار تقریر کی کمپنی نے دوستوں کی منشاء پر میں اور چوہدری شہباز خان صاحب کراچی چلے گئے تھے۔اور وہاں سے لانچز خریدی گئی تھیں۔اور کمپنی کا کاروبار شروع کردیا گیا کمپنی نے ادارۂ خدمت خلق بنانے کی منظوری دی تھی۔اور مجھے سارے اختیارات دے کر کمپنی رجسٹر کرانے کو کہا گیا۔یہ ادارہ کمپنی کے زکوٰۃ فنڈ سے قائم کیا گیا۔شروع میں ہم نے ایک پلاٹ خرید لیا تھا۔لیکن ابھی آمدن کے ذرائع نہ تھے۔اس لئے یہ پلاٹ کئی سال تک خالی پڑا رہا۔

ان سب کے مشورہ سے حکومت، ایم ڈی اے انتظامیہ اور بلدیہ کی طرف سے ہمیں B/1 اور B/4 کا درمیانی نالہ جو نا قابلِ الاٹ تھا اسے مفادِ عامہ کے لئے مختص کرتے ہوئے ادارہ کے لئے بلڈنگ کی تعمیر کی اجازت دے دی تھی۔یہ زبانی اجازت تھی ادارہ مفادِ عامہ کا کام کررہا ہے کمپنی نے نیا کام بند کردیا تھا اور حصے داروں کو ان کے حصص واپس کردیئے گئے تھے۔اور ادارہ خدمت خلق کا پلاٹ فروخت کر کے اہل محلّہ B/2 اور B/4 ایم ڈی اے بلدیہ اور حکومت کے صدر وزراء کی رضامندی سے ادارہ خدمت خلق کی بلڈنگ کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر کی گئی جس میں آج کل اکبر پبلک

لائبریری فری ڈسپنسری موجود ہے۔ جہاں اہل علم ودانش علم کی پیاس بجھانے اور بیماری کے فری علاج کے لئے جاتے ہیں۔ مسجد، مدرسہ، ٹیوب ویل، چلڈرن پارک عیدگاہ وغیرہ بنائی گئی۔

ایکٹ 1968 اور 1970 کا نفاذ

اسی عشرہ میں ایکٹ 1968ء لاگو کیا گیا جسے محاذ رائے شماری نے دستاویز غلامی کی ایک نئی صورت دیکھ کرا سے مسترد کر دیا۔ مسلم کانفرنس اور دوسری جماعتوں نے بھی اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ ایکٹ حقیقتاً رولز آف بزنس کے عین مطابق تھا جسے تجارتی اداروں ویزہ ایجنسیاں بناتی اور لاگو کرتی چلی آتی ہیں۔

حکومت آزاد کشمیر کو ایک تجارتی ادارہ بنا دیا گیا۔ بہرحال 1970ء ایکٹ بھی لاگو کر دیا گیا جو ایکٹ 1968ء کی معمولی ترمیم کے ساتھ لاگو کیا گیا تھا۔ اسے محاذ رائے شماری نے مسترد کرتے ہوئے پورے آزاد کشمیر میں الیکشن کے بائیکاٹ کی تحریک چلائی تھی۔

1960ء کے آخری عشرہ میں بھی آل پاکستان پارٹیز کی گول میز کانفرنس بلائی گئی تھی۔ مشرقی پاکستان کے لیڈروں کو بھی دعوت دی گئی اور شیخ مجیب الرحمٰن جیسے عوامی قائد کے خلاف اگرتلہ سازش کیس کے ملزم کو بھی حکومت کو عوامی دباؤ کی وجہ سے شامل کرنا پڑا تھا۔ گول میز کانفرنس کے موقع پر ہم نے تمام لیڈروں کو محاذ رائے شماری کی طرف سے میمورنڈم پیش کیا تھا۔ جس میں آزاد کشمیر میں نئے نئے آئین کے تحت انقلابی حکومت بنائے جانے کا مطالبہ دہرایا تھا۔ گول میز کانفرنس کے موقعہ پر مسٹر ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ کو ملنے گئے تھے۔ میرے ہمراہ محمد بشیر تبسم اور ایم اے فاروق تھے۔

دوسری صبح کو اجلاس منعقد کیا جانا تھا۔ ہم نے یہ میمورنڈم ایس ایم ظفر کے حوالہ کرنا تھا۔ جو اس وقت صدر ایوب خان کے بہت چہیتے تھے۔ اور جنرل ایوب ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے۔ گارڈ نے ان کے آفس کی طرف جانے سے ہمیں یہ کہہ کر روک دیا کہ وہ اتنے مصروف ہیں کہ مرکزی وزراء تک بھی کو ملنے سے انکار کر چکے ہیں۔ ان کو ہدایت ہے کہ کل کا ایجنڈا تیار کر کے لائیں۔ اس مصروفیت کی بنا پر وہ معذرت طلب ہیں۔ ہم نے گارڈ کو کہا کہ ان کو صرف یہ کہہ دیں کہ آپ کے کالج کے ساتھی ملنے آرہے ہیں۔ وہ بھی دو تین منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیں گے۔

چنانچہ اس نے ہماری طرف سے لکھی ہوئی چٹ کو دیکھا اور فوراً بلا لیا ہم جب پہنچے تو ان کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ انہوں نے پاکستان کے سیاسی اور خاص طور پر مشرقی پاکستان کے لیڈروں کی شکایت کی تھی کہ ملک کو متحد رکھنا ضروری ہے۔ وہ جنرل ایوب خان کی کابینہ میں شامل ہو کر حالات بہتر بنا رہے تھے۔ لیکن ان میں کوئی بھی اقتدار میں نہیں آنا چاہتا۔

مشرقی پاکستان کے ہر گھر میں غیر قانونی اسلحہ موجود ہے۔ اور اناج تک موجود نہیں ہے۔ ملک ٹوٹ رہا ہے وہ

اسی فکر میں ہیں ان حالات میں کشمیر کے مسئلہ کی طرف کون توجہ دے گا۔ بہر حال ہمیں اٹھنے نہیں دیا اور کافی دیر تک جنرل ایوب خان کی باتیں سناتے رہے۔ ہم نے انہیں تحریر شدہ میمورنڈم دے کر رخصت چاہی ہم تینوں ساتھی ہم عمر تھے۔ وہ ہم سے کسی کو نہ پہچان سکے ہم نے اپنا خود تعارف کرایا۔

یہ میمورنڈم دیا۔ اور واپس آ گئے۔ صدر ہاؤس کے سامنے ہر قسم کے اجتماع کی پابندی لگائی گئی تھی لیکن ہم نے ریکس ہوٹل میں بیٹھ کر فیصلہ کیا تھا کہ ایک ایک دو دو آدمی چلیں الگ الگ چلیں گے اور وہاں پہنچ کر کشمیر کی آزادی کا مطالبہ کریں گے۔ مسٹر مقبول بٹ شہید کو تفتیشی ایجنسیوں نے ہمارے مظاہرے کے پروگرام کا اعلان سن کر حکومت نے رہا کر دیا تھا۔

ایریا آفیسر نے ہمیں آ کر بتایا کہ وہ مقبول بٹ شہید کو رہا کر دیں گے۔ اس لئے ملکی حالات کی نزاکت کے پیش نظر صدر ہاؤس کے سامنے مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ہم نے کہا کہ جب تک ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے تب تک مظاہرے کا پروگرام واپس نہیں ہوگا۔ اور ہمارے جانے سے پہلے وہ رہا تو کر دیئے گئے لیکن ابھی تک راولپنڈی نہ پہنچ سکے تھے۔ ہم نے اپنے اعلان کے مطابق جہاں فوج اور پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہیں اجازت دی گئی کہ خلاف ورزی کی صورت میں وہ گولی چلا سکتے ہیں ہم نے اس کی پرواہ نہ کی اور مظاہرہ جاری رکھا۔

لیڈروں کی گاڑیاں قطار اندر قطار آ رہی تھیں ہم انہیں اپنا میمورنڈم بھی دے رہے تھے وہ سب ہمیں دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجاتے تھے کہ کشمیری اپنا حق مانگنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ جب سب لوگ ایوانِ صدر چلے گئے تو ہمیں کسی پولیس نے چھیڑا تک نہیں فوج اور پولیس کے ملازمین ہمیں دیکھتے رہے درمیان میں پولیس کمشنر کے ایک آدمی نے آ کر کہا کہ پولیس کمشنر ملنا چاہتے ہیں۔ تو میں نے جواب دیا گرفتار کرنا ہے تو سب کو گرفتار کر لیں۔ اگر بات چیت کرنی ہے تو مظاہرے کے بعد کریں گے۔

وہاں ایک دلچسپ واقعہ یاد آتا ہے صوفی محمد زمان مرحوم نے اپنے سر پر ایک موٹی سی چادر لپیٹ رکھی تھی وہ دیہاتی لباس میں تھے کمشنر سے ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ یہ اَن پڑھ دیہاتی پکڑ لائے ہیں ان کا سیاست سے کیا تعلق ہے؟ تو کمشنر نے کہا یہ انقلابی آدمی ہے وہ لاٹھیاں کھانے کے لئے تیاری کر کے آیا ہے۔

چنانچہ وہ دونوں میرے پاس آ کر صوفی محمد زمان کے بارے میں پوچھنے لگے۔ میں نے انہیں مختصر سی سیاسی تاریخ بتاتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارے مرکزی رہنما ہیں اور کئی بار جیلوں کی سزائیں کاٹ چکے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر حیران رِہ گیا۔ دونوں نے ہمیں کہا کہ سڑک پر کوئی نہ آئے اور آپ لوگ پر امن احتجاج کرتے رہیں۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہمارے ساتھیوں کے اس سے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے جی بھر کر انقلابی نعرے لگائے ماریں گے مر جائیں گے کشمیر آزاد کرائیں

گے۔ہم پرامن احتجاج کے بعد واپس ریکس ہوٹل میں آ گئے جہاں مقبول احمد بٹ شہید بیٹھے ہوئے تھے۔غالباً پولیس انہیں وہاں چھوڑ گئی تھی۔

سزائے موت پانے والا بہادر کشمیری پاکستان کے تفتیشی مراکز سے رہا ہوکر واپس پہنچ گیا جہاں مرکزی رہنماؤں سے ملاقات ہوئی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اعلان کے ساتھ ہی حکومت نے ان کی رہائی کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ہم نے مقبول احمد بٹ کے استقبالیہ جلسوں جلوسوں اور دعوتوں کے انتظامات کا پروگرام مرتب کیا۔اور واپس میر پور چلے آئے۔ دوسرے ساتھی اپنے گھروں کو چلے گئے۔ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم بڑے مہمان نواز اور چاروں طرف سے آنے والے کشمیری سیاسی کارکنوں کو اپنی رہائش گاہ پر اپنے مہمان خانے میں ان کو جگہ دیتے اور کھلے دِل سے ان کی تواضع کرتے تھے۔

1969ء میں محاذ رائے شماری کا کنونشن مظفر آباد میں

اسی 1960ء کے عشرہ کے اختتام پر 1969ء میں محاذ رائے شماری کا سالانہ کنونشن منعقد ہوا یہ کنونشن زیر صدارت کامریڈ عبدالعزیز گوڈری ہوا۔ ہمارے دیرینہ ساتھیوں میں جن میں لیفٹیننٹ اکرام اللہ جسوال پیش پیش تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مقبول احمد بٹ کو محاذ کا صدر بنا کر محاذ رائے شماری کے لئے نئی آزمائش پیدا کریں۔لیکن میری یہ خواہش تھی کہ محاذ رائے شماری کا صدر مقبول احمد بٹ کو اس لئے بنایا جائے تاکہ وہ اس کے عسکری بازو N.L.F (نیشنل لبریشن فرنٹ) کو بھی منظّم کر سکیں تمام مرکزی ساتھی اپنے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ جوڑ توڑ میں مصروف تھے کہ کنونشن کی تاریخیں نزدیک آ گئیں اور ہم اپنے اپنے پروگرام کے مطابق مظفر آباد چل پڑے۔

میر پور والوں کا بہت بڑا قافلہ اس میں شریک ہوا اس میں میر پور کے وہ سیاسی رہنما جو انگلینڈ میں تھے وہ بھی شریک ہوئے تھے۔آفتاب انصاری کا نام یاد ہے۔ میر پور سے محاذ رائے شماری کے تمام مرکزی رہنما ڈیلی گیٹس شامل تھے۔جن میں سے کامریڈ عبدالعزیز گوڈری حاجی محمد ابراہیم صاحب، حاجی عبداللطیف، حاجی محمد نجیب، محمد ایوب انصاری، نذیر انجم، مولانا عبدالغنی انصاری، مولانا غلام نبی انصاری، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ، محمد شریف، سالار سید محمد، چوہدری محمد صادق ٹھیکیدار، راجہ فضل الرحمٰن، ڈاکٹر غلام رسول میر، مرزا فضل الٰہی، مرزا اقبال، کامریڈ محمد حسین مرحوم، بشیر تبسم، صوفی محمد زمان، قربان حسین، ظفر انصاری، اشفاق انصاری، ماسٹر عطا محمد، جناب ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ، شفیع دت، محمد گلزار انصاری، محمد عظیم دت ایڈووکیٹ، محمد اسلم زرگر، اور ارشد انصاری وغیرہ کے نام یاد آ رہے ہیں۔ممکن ہے اس میں بھی حافظہ نے غلطی کھائی ہو۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرکزی رہنماؤں میں سے مجلس عاملہ کے تمام ممبران شامل تھے۔ حاجی محمد سلیمان صاحب مرحوم دیگوں والے بہت بڑے مہمان نواز پارٹی کے رہنما تھے۔انتظامیہ کے سربراہ تھے۔

انہوں نے میرپور سے جانے والے قافلہ کو مری کے پہاڑ پر چڑھ کر درختوں کے سایہ میں بٹھا کر تازہ کھانا کھلایا تھا۔ وہ دیگیں وغیرہ سب سامان خورد و نوش ساتھ لے کر گئے تھے۔ ہم سب نے مری کے کوہساروں کا نظارہ دیکھا۔ اور تازہ دم ہوکر مظفر آباد چلے گئے۔ اس کنونشن میں دو باتوں میں ہمیں بڑی پریشانی ہوئی تھی۔ ہم نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں نئے عہدہ داروں کا متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا تھا تا کہ جنرل کونسل کے اجلاس میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

انتخابات شروع ہوئے تو مقبول احمد بٹ کے مقابلہ میں غالباً کسی نے خواجہ غلام نبی گلکار کا نام پیش کردیا تھا۔ اور کسی حلقے نے میرے نام کو تجویز کیا تھا۔ خواجہ غلام گلکار انور اس وقت ہال میں موجود نہ تھے۔ ان کو بلوایا گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے آئے اور میرے استفسار پر جواب دیا کہ وہ امیدوار نہیں ہیں۔ میں نے پہلے ہی اپنا نام واپس لے لیا تھا۔ اور محمد مقبول بٹ شہید بلا مقابلہ صدر زندہ باد نعروں کی گونج میں صدر چن لئے گئے۔ یہ مرحلہ بہت آسانی سے طے ہوگیا اگلا مرحلہ سیاسی سوجھ بوجھ لوگوں کے لئے بڑی آزمائش کا تھا۔ مظفر آباد کے ایک حلقے میں جہاں سے صرف چند محاذ کے کارکن شریک تھے۔ انہوں نے ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی کو محاذ میں شامل کرکے ڈیلی گیٹ بنا کرلائے تھے۔ جب نائب صدر کے لئے انتخاب کا وقت آیا تو مجلس عاملہ کے متفقہ امیدوار ڈاکٹر غلام احمد جراح تھے ان پر سب کا اتفاق تھا۔ جب مقابلہ کا وقت آیا تو مظفر آباد کے اس حلقہ کے لوگوں نے ڈی ایس پی کو اپنا امیدوار نامزد کردیا ڈاکٹر غلام احمد جراح کا نام بہت سے حلقوں کی جانب سے پیش ہوا۔ اور اس کے ساتھ ڈاکٹر غلام رسول میر کا نام بھی کسی نے پیش کردیا اگر ان تینوں میں مقابلہ ہوتا تو ڈی ایس پی اس طرح محکمہ سراغ ایجنسی کا مستقل نمائندہ ہماری صفوں میں بیٹھ جاتا۔ اور نہ محاذ رائے شماری سکون سے پروگرام چلاسکتی تھی اور نہ ہی بھی محاذ رائے شماری کا کوئی راز باقی رہتا اور اس طرح نیشنل لبریشن فرنٹ کو سخت خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

ڈاکٹر غلام احمد جراح صاحب جموں کے بہت پرانے کشمیری رہنما تھے۔ ان کی قربانیوں کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ بیوی بچے رشتہ دار 1947ء کے فسادات میں ذبح کردیئے گئے تھے وہ خود کسی عہدہ کے خواہش مند نہ تھے۔ لیکن سیالکوٹ کے دوستوں کے دِلوں میں یہ شک پیدا ہوجاتا کہ میرپور کے لوگوں نے ان کی مخالفت کرکے ان کا حق چھینا ہے۔ میں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ڈاکٹر غلام رسول میر کو سمجھایا اور درخواست کی کہ وہ اپنا نام واپس لے لیں لیکن انہوں نے نہ مانا میں نے ان کو یہ بھی کہا کہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں ان کا نام کسی نے پیش نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اس عہدے کے خواہش مند تھے تو وہ کھل کر بیان کرتے لیکن اس نے ایسا کیوں نہیں کیا اب ایسی صورت محاذ کو بچانے کے لئے اپنا نام واپس لے لینا چاہیے۔

ڈاکٹر غلام میر محاذ رائے شماری کے ایک انمول سیاسی رہنما تھے۔ ان کی مالی قربانیاں بھی ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے مرکزی فیصلہ سے اعراض برتا اور مرکزی رہنماؤں نے مل کر انہیں کامیاب کرادیا تھا۔ لیکن

دِلوں میں میل پڑ گئی ۔ جسے غلام رسول میر صاحب کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا۔انہوں نے ذاتی وجہ کی بنا پر استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ نظریہ کے اس قدر پختہ تھے۔محاذ سے الگ ہو کر بھی اسی نظریئے کا پرچار کرتے رہے۔

یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا میرپور میں پیپلز پارٹی کا ایک جلسہ ہوا۔اس پبلک جلسہ میں خورشید حسن میر کو بھی دعوت دی گئی تھی ۔ جلسہ کی صدارت غالباًفیض اللہ جوشی نے کی ۔ وہ مسلم کانفرنس کے کسی ذیلی ادارے کے چیئر مین تھے۔ اجلاس میں خورشید حسن میر نے اپنی وفاداریاں پاکستان سے جتلاتے ہوئے کہا کہ یہاں سب لوگ الحاق کے حامی ہیں ایک طرف سے آواز آئی غلط ہے غلط ہے۔سب خودمختار کشمیر چاہتے ہیں۔خورشید حسن میر نے اس کا نشانہ ڈاکٹر غلام رسول میر کو بناتے ہوئے کہا کہ وہ محاذ کو اس لئے چھوڑ کر آئے ہیں۔

میر غلام رسول نے کہا یہاں لوگوں سے پوچھ لو وہ اپنے عہدہ کے لحاظ سے پیپلز پارٹی کے مزکری رہنما تھے انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا۔ کہ ان کی تقریر سے لوگ متاثر ہوں گے۔انہوں نے عوام سے کہا کہ جو لوگ خودمختار چاہتے ہیں وہ ہاتھ کھڑے کریں۔سامعین میں سے دو چار کو چھوڑ کر دو دو ہاتھ کھڑے کئے اس میں یہ دلچسپ منظر یہ تھا جلسہ کے صدر فیض اللہ جوشی نے بھی خودمختار کے حق میں ہاتھ کھڑا کیا۔اس پر خورشید حسن میر کو سخت ندامت اٹھانی پڑی۔اس نے میر غلام رسول میر کی طرف اشارہ کرکے کہا وہ محاذ سے باہر کیوں آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا میں نے محاذ کو چھوڑا ہے نظریہ کو نہیں چھوڑا مسلم کانفرنس کے حامی حلقوں میں بعد یہ تاثر دیا گیا کہ وہ مسلم کانفرنس میں شامل ہوکر مسلم کانفرنس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام رسول کا تعلق میرے ساتھ ذاتی تھا۔انہوں نے جب یہ سنا تھا کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے سازش کی گئی ہے تو وہ چار پانچ جانبازوں کو ساتھ لے کر آئے اور میری رہائش گاہ سے لے کر عدالتوں تک جاتے اور عدالتوں میں بھی اس نے جانباز بٹھا رکھے ہوتے تھے۔میرے کہنے پر انہوں نے یہ سلسلہ بند کر دیا تھا۔ یہ گھرانہ پرانا سیاسی گھرانہ ہے۔

1931ء کی تحریک میں انہوں نے بہت قربانیاں دیں۔ 1947ء کی تحریک میں بھی وہ پیش پیش رہے اور ان کے بڑے بھائی میر اسماعیل قید و بند کی صعوبتوں میں مقید رہے آج تک یہ گھرانہ کسی نہ کسی شکل میں سیاسی دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ آخری دم تک محاذ کے خاموش کارکن رہے۔صوفی محمد زمان مرحوم اور میر غلام رسول کا پرانا بہت تعلق تھا۔ یہ لوگ صرف سیاسی نعرے بازی پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ بیماروں کی مدد کرتے رہتے۔

ایک دفعہ صوفی محمد زمان مرحوم ہاتھ میں شیشی تھامے کوئی چیز لئے تیز تیز جا رہے تھے کہ انہیں آگے ملک عبدالمجید صاحب ایڈووکیٹ مل گئے۔انہوں نے صوفی صاحب کو پریشان حال دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تیزی سے جا رہے

ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری خالہ بیمار ہے اس کے لئے دوائی لینے جا رہا ہوں۔ ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ ان کے سارے گھرانے کو جانتے تھے ان کی کوئی خالہ بیمار نہ تھی انہوں نے پوچھا کہ کونسی خالہ بیمار ہے؟ تو صوفی صاحب نے جواب دیا وہ جو محلے میں صفائی کرتی ہے۔ جاروب کش ہے، خاکروب ہے۔ وہ میری ماسی ہے۔ اور میں اس کے لئے دوائی لئے جا رہا ہوں وہ اپنے پاس سے پیسے خرچ کر کے دوائی لائے وہ ڈاکٹر غلام رسول میر کو بھی کہتے رہتے تھے کہ وہ اپنی دکان سے غریبوں کی مفت مدد کیا کرو۔

ڈاکٹر صاحب کی دوائیوں کی دکان تھی۔ ڈاکٹر غلام رسول میر غریبوں مسکینوں محتاجوں کے لئے درد دل رکھتے تھے۔ ان ہی کے خاندان کے ایک عزیز میر آزاد بصیر محاذ رائے شماری بن خرماں کے ستون تھے۔ ایک شیشے کی طرح صاف و شفاف سیاسی کارکن ہے۔ جو محاذ رائے شماری کا بہت بڑا اثاثہ تھا۔ اب بھی میر آزاد کشمیر بھر میں اسی نظریئے کا پرچار کرتا نظر آتا ہے۔ جھکنا، بکنا اس نے کسی سے نہیں سیکھا ہے۔

الیکشن میں محاذ رائے شماری کا بائیکاٹ اور گلگت بلتستان کی صورتِ حال، دورۂ گلگت بلتستان

گول میز کانفرنس ختم ہو چکی تھی۔ ون یونٹ ٹوٹ چکا تھا اب ایک آدمی کا ایک ہی ووٹ شمار کیا جاتا تھا۔ بنگالیوں کی اکثریت تھی۔ اقلیت نے ان کا حق چھین کر یہ پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کو برابر کے حقوق دینے کے لئے ون یونٹ بنایا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اکثریت (مشرقی پاکستان) اقلیت (مغربی پاکستان) سے اپنا حق طلب کر رہا تھا۔ جو انہیں نہیں دیا گیا۔ حکمران طبقہ نے پاکستان کا ٹوٹ جانا قبول کر لیا لیکن مشرقی پاکستان کی اکثریت کو تسلیم نہیں کیا۔ گول میز کانفرنس کے بعد الیکشن کا دور شروع ہوا۔

آزاد کشمیر کے لوگوں کو ایک اور غلامی کی زنجیر پہنا دی گئی ایکٹ 1970 کو محاذ رائے شماری نے دستاویز غلامی قرار دے کر مسترد کر دیا تھا۔ آزاد کشمیر کی تینوں بڑی جماعتوں نے مطالبہ کر رکھا تھا کہ گلگت کے لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے وہ تقریروں میں الیکشن بائیکاٹ کی دھمکی بھی دیتے رہے۔ لیکن جوں جوں وقت قریب آیا۔ انہوں نے الیکشن کے لئے دوڑ لگا دی صرف واحد محاذ رائے شماری جماعت تھی جو اپنے موقف پر قائم رہی۔

محاذ رائے شماری کے رہنما بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیتے رہے۔ تاکہ مقامی مسائل کے حل میں لوگوں کی مدد کر سکیں۔ صوفی عبداللطیف پرانے میرپور کے بلدیاتی انتخاب میں میونسپل کمشنر منتخب ہوئے۔ نئے میرپور میں حاجی نذیر انجم، ماسٹر محمد شفیع دت حاجی عبداللطیف، ارشد انصاری، راجہ محمد بزاز، جناب محمد دین بٹ، خواجہ محمد دین پہلوان مرحوم اور میر

خالد، چوہدری محمد رفیق اپنے اپنے وقت پر ممبر منتخب ہوتے رہے۔ محاذ رائے شماری نے اسمبلیوں میں جانے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اسمبلیاں محض دکھاوے کے لئے بنائی جاتی رہیں۔

اس کے انتخاب میں حصہ نہ لینے کی وجوہات مختلف پمفلٹ میں بیان کی جاتی رہی تھی۔ لیکن چند ضروری نکات بیان کرتا ہوں اس اسمبلی کے اختیارات محدود تھے۔ اور اس میں گلگت و بلتستان کے لوگوں کو حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا تھا۔ بلکہ گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیا گیا۔ اب گلگت و بلتستان بھارتی مقبوضہ کشمیر کا تھا۔ نہ پاکستان کا نہ آزاد کشمیر کا۔ دراصل گلگت و بلتستان کو قبضہ میں رکھنے کی بھونڈی شکل اختیار کی گئی۔ انتظامیہ مقنّنہ اور عدلیہ میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ گلگت کے لوگ وزارتِ امورِ کشمیر کے ایک جائینٹ سیکرٹری کے ماتحت تھے۔ وہ ہی پولیس کا بڑا افسر، عدلیہ کا انچارج اور قانون بنانے والا تھا۔ لوگوں کو بدون سماعت مقدمہ اور حق دفاع دینے کی بجائے وارنٹ پر سزا کا حکم لکھ کر انہیں ہری پور جیل بھیج دیا جاتا تھا۔

پشاور ہائی کورٹ، پنجاب ہائی کورٹ ان کی اپیلیں نہیں سن سکتی تھی کیوں کہ وہ اُن کے دائرۂ اختیار سے باہر تھا۔ آزاد کشمیر اسمبلی نہ بجٹ بنا سکتی تھی نہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکتی ہے۔ آزاد کشمیر اسمبلی کو قانون بنانے کا حق نہیں تھا۔ اور نافذ شدہ قوانین کو ترمیم کا بھی حق نہ تھا۔ ایمرجنسی لگانے کے اختیارات وزارتِ امورِ کشمیر کے ذریعے حکومت پاکستان کو حاصل تھے۔ یہ اسمبلی محض تنخواہیں دینے والی اسمبلی تھی۔

اور مفادِ عامہ کے کام سڑک، پل، کالج تعلیمی ادارے اور ملک کی پیداوار کا حصہ منگلا ڈیم کی رائیلٹی کا مطالبہ کرنے کا حق بھی نہ رکھتی تھی۔ صدارتی نظام اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک شخص کو تختِ شاہی پر بٹھا کر اپنی طرف سے جاری کردہ نوٹیفکیشن احکامات پر اس کے دستخط کرا سکیں۔ یہ حکومت فردِ واحد کی حکومت تھی۔ جو حکومت پاکستان کا ملازم اور جائنٹ سیکرٹری کی سطح کا تیسرے درجے کا آفیسر ہوتا تھا۔

آزاد کشمیر کے لوگوں کو سفری دستاویزات رکھنے کے اختیارات نہیں تھے۔ اس طرح منگلا ڈیم کا پورا کنٹرول بجلی گھر بھی پاکستان کے قبضہ میں ہے۔ آزاد کشمیر کے لوگوں کو انسان نہیں بلکہ بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جاتا ہے۔ ٹیکس بھی حکومت پاکستان وصول کرتی ہے۔ اور ڈیویلپمنٹ بھی ان کے ہاتھوں میں ہے۔

ان حالات میں یہ اسمبلیاں محض بے کار بے فائدہ ادارہ تھیں۔ اس میں حصہ لینا قوم کی غلامی کے عرصہ کو دراز کرنا تھا۔ ہم اس گناہ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اگر چہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم نے یہ ثابت کرنے کے لئے جزوی طور پر اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا ان کے پاس جواز موجود تھا وہ ان لوگوں کو جو پاکستان سے الحاق نہیں چاہتے ان کے کاغذات مسترد ہونے کے بعد قوم کو دکھا دیں کہ قابض حکمرانوں کی نیتیں کیا ہیں؟ اور کیسی ہیں؟۔

جہاں الحاق پاکستان کے قانون کو نہیں چھیڑا گیا وہاں ایک قوم پرست کو بھی الیکشن جیتنے نہیں دیا گیا۔ بلکہ الیکشن جیتنے کا اعلان کرنے کے بعد دوبارہ اعلان کر دیا کہ وہ چند ووٹوں سے ہار گئے ہیں ہم نے بائیکاٹ کی مہم میں بہت اہم کام کئے۔لوگوں کو سیاسی شعور دیا۔پہلی دفعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کا اجلاس الیکشن کے روز گلگت میں ہوگا تاکہ وہ اپنے کشمیری بھائیوں سے مل کر یومِ سیاہ منا سکیں۔

ایکٹ 1970ء کے خلاف ہم نے پاکستان بھر میں مہم چلائی۔کراچی سے پشاور تک اہم شہروں میں جلسے کئے اور اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔آزاد کشمیر کے ہر قصبہ، گاؤں اور شہروں میں درجنوں جلسے کئے۔کوئی ڈسٹرکٹ ایسا نہ تھا جس میں ہماری تقریروں کو قابل مواخذہ نہ سمجھا گیا۔تمام تھانوں میں مقدمات رجسٹرڈ کئے گئے۔لیکن کوئی بھی گرفتاری عمل میں نہیں لائی گئی۔ہم گلگت جانے کیلئے راولپنڈی پہنچے۔ٹکٹ خرید لئے گئے۔لیکن حکومت نے ہمیں روکنے کے لئے ہوائی جہازوں کی اڑان پر پابندی لگا دی۔ہم واپس ریکس ہوٹل چلے گئے۔راولپنڈی سے گلگت جانے والی پروازوں کے غیر معینہ مدت کے لئے پابندی لگائے جانے کا آرڈر بھی ائیر پورٹ پر اطلاعی صورت میں لگا دیا گیا تھا۔

آخر میں ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم صرف چار آدمی گلگت جائیں گے۔اس وقت محاذ رائے شماری کے صدر محمد مقبول بٹ سیکرٹری جنرل میر عبدالمنان تھے۔ہم دونوں (راقم) اور مسٹر امان اللہ خان کو بھی ساتھ لے جانے کی ورکنگ کمیٹی نے ہدایت کی تھی۔ہم نے چاروں نے چک لالہ ائیر پورٹ سے گلگت جاتے ہوئے اپنی ریاست اپنی دھرتی کے خوبصورت مناظر دیکھے اور ائیر پورٹ پر جب اترے تو وہاں ناردرن سکاؤٹس اور ضلعی آفیسران کے علاوہ پولیس کے دستے موجود تھے ہم جہاز سے اترے تو سب سے پہلے فاتح گلگت کیپٹن بابر خان سے ملاقات ہوئی۔مسٹر امان اللہ نے مختصر سا میرا تعارف کرایا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ مفصل حالات جاننا چاہتے ہیں۔باقی سب ایک طرف ہو گئے اور کیپٹن بابر خان جو اس وقت ایس پی کی وردی پہنے ہوئے تھے بڑے اداس اور دکھی نظر آئے۔وہ زبان حال سے بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہے تھے کہ

ع بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے

وہ مجھے بتانے لگے کہ گلگت و بلتستان پر پاکستان نے اپنا قبضہ مضبوط کر لیا ہے۔اب ہم ان کے بوٹ پالش کرتے رہتے ہیں۔انہوں نے یہاں کے پرانے نمبرداروں وغیرہ کو خرید رکھا ہے وہ سب کے سب پاکستانی ایجنٹوں کا رول ادا کر رہے ہیں۔ہم یہاں اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ وزارت امورِ کشمیر سے آپ کے بارے میں کیا حکم ملتا ہے؟ ابھی تک وہ شش و پنج میں ہیں کہ آپ لوگوں کو گرفتار کیا جائے یا گلگت بدر کر دیا جائے۔

یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جس سے آپ لوگ گلگت میں داخل نہ ہو سکیں۔گلگت میں سب سے بڑا آفیسر

سپرنٹنڈنٹ پولیس ہی ہوتا ہے وہ کہنے لگے کہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مجھے آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو گرفتار کرنے کا حکم دینا پڑے گا۔ وہ مجھے پیار سے گلے لگا کر ملے تھے۔ اوران کی آنکھوں میں اشک رواں تھے۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ ہم آپ کے امن وامان میں کوئی خلل نہیں ڈالیں گے۔ اور آپ کو جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کریں ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی۔ وہ بہادر، نڈر اور محبّ وطن کشمیر کا سپوت جس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر گلگت کو آزاد کرایا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے بس غلام سمجھتا تھا۔ یہ شیر دل سپاہی گنگا کیس میں بھی پیش ہوا تھا اس نے اپنی نوکری کی پرواہ کئے بغیر عدالت میں سچے واقعات پیش کر دیئے تھے۔ ہم ان سے الگ ہو کر گلگت شہر چلے آئے۔ ایک ہوٹل میں کرائے کے کمرے لئے اور کوئی بازار کی طرف چلا گیا۔ کوئی نماز پڑھنے مسجد چلا گیا۔ میں محاذ کا لٹریچر لے کر ایک ایک دکان پر پھینکتا چلا گیا۔ سارے بازار میں شور تھا کہ گلگت میں آزادی کا جھنڈا لہرا دیا گیا ہے۔ مقبول بٹ شہید نے اپنے ہوٹل میں محاذ کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ اتفاق سے اس دن پولو کھیل ہو رہے تھے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ گراؤنڈ میں جمع تھے۔ کھیل ختم ہوا تو ہم نے اپنا لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا یہ لوگ مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے وہ بڑی خوشی سے لٹریچر لے کر اپنی جیبوں میں چھپاتے تھے اور اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جو بازار میں لٹریچر دوکانوں پر تقسیم کیا گیا تھا وہ پولیس کا ایک کانسٹیبل تمام دوکانداروں سے لیکر اکٹھے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ بازار میں لوگوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا انہوں نے ایک عدد اپنے پاس چھپا کر رکھا اور دوسرا کانسٹیبل کو اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ اور بڑے خوف زدہ تھے۔ پولو گراؤنڈ کی طرف سے آنے سے پہلے میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ مغرب کی نماز قریب ہے اور اگر انہیں اعتراض نہ ہو تو میں نمازِ مغرب کے بعد مسجد میں لوگوں کو خطاب کرلوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ کل جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے وہ کبھی نہیں ہو سکے گا میں نے سرکاری ملازموں کے تیوروں سے اندازہ کرلیا تھا۔ لیکن ساتھیوں نے میری بات سے اتفاق نہ کیا۔ اور مجھے تقریر نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ حالانکہ میں دین اسلام پر روشنی ڈالنا چاہتا تھا۔ اور دانستہ سیاست کی کوئی بات نہیں کرتا۔ تاکہ انتظامیہ کو جلسہ کو بند کرنے کے لئے کوئی جواز مہیا نہ ہو سکے۔

ہوٹل کے اردگرد نوجوان، دوکاندار اور پولو گراؤنڈ سے واپس آنے والے سب مقامی بھنگڑے ڈال رہے تھے آزادی ہمارا حق ہے کے نعرے لگا رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم ہوٹل میں اپنے اپنے کمروں میں بیٹھ گئے۔ اور ملاقاتیوں کی لائین لگ گئی۔ جو بھی آتا تھا وہ ہمیں راز میں رکھ کر کہتا تھا کہ کل گولی چلے گی اور وہ پولیٹیکل ایجنٹ کو گولی مارے گا۔ وہ بڑے خوش تھے ہم انہیں پرامن رہنے کی دعوت دیتے تھے۔ ان کو سمجھاتے تھے کہ آپ جس ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہاں پرامن طریقے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں ہمیں کچھ لوگوں نے دعوت دی کہ ہم ان کے ساتھ

اندھیرے میں نکل چلیں اور رات ہمارے پاس گزاریں۔ کیونکہ ہوٹل سے پولیس گرفتار کر لے گی۔ہم باتیں کرتے رہے، سنتے رہے۔تقریباً آدھی رات کا وقت ہوگا کہ تر دی بیگ انچارج تھانہ گلگت اپنی پولیس نفری کے ساتھ ہوٹل میں آ گئے اور ہمیں تھانہ میں لے گئے تر دی بیگ نے ہم سے معافیاں مانگیں کہ ان کا کوئی ہاتھ نہیں۔انہوں نے کوئی رپورٹ نہیں دی۔ کہ کس طرح کا امن عامہ میں خطرہ ہے یہ سب کچھ پاکستانی افسروں اور وزارتِ امورِ کشمیر کے حکم میں تعمیل ہورہا ہے۔

اس نے ایک گاڑی پر ہمیں بٹھایا اور تین چار مسلح کانسٹیبل ہمارے ساتھ بٹھا دیئے۔اور ان کو خفیہ طور پر ہدایات دے دیں۔مسٹر امان اللہ خان ملنے والوں کی بڑی تعداد میں گھرے ہوئے تھے۔مسٹر امان اللہ خان بہت خوش تھے۔میر عبدالمنان کشمیر کا سپوت مسکرا رہا تھا کہ جلسہ کرنے سے ملک بدری زیادہ اثر پیدا کرے گی۔اس کے نتائج ہمارے حق میں ہوں گے۔ یہ پہلا قدم تھا جو کشمیر کی کسی سیاسی پارٹی نے اٹھایا تھا۔

ہمارے جانے سے پہلے کہیں پچاس کے عشرے میں چوہدری غلام عباس گلگت گئے تھے۔ان کا مشن غیر سیاسی تھا۔اس کے باوجود انہیں گلگت جانے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ واپس چلے آئے تھے اور انہوں نے کوئی کوشش تک نہ کی تھی۔گلگت کے طلبہ کراچی میں پڑھتے تھے۔مسٹر امان اللہ خان اپنے ان بھائیوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ اور ان میں سیاسی شعور پیدا کرتے رہے۔ وہ بڑے مقبول تھے۔لوگ ان سے ملتے تو وہ انہیں مقبول احمد بٹ کی طرف بھیج دیتے جو انہیں آزادی کا اصل مفہوم سمجھاتے تھے اس عرصہ میں گلگت میں کشمیریت کا احساس تک ختم کر دیا گیا میں تو یہ سن کر حیران رہ گیا کہ بچوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ان کے نصاب میں درج ہے کہ اگر راستہ پر جاتے ہوئے سامنے سانپ اور کشمیری مل جائیں تو پہلے کشمیری کو قتل کرو کیونکہ سانپ کا ڈسا بچ جاتا ہے لیکن کشمیری کا ڈسا ہوا کبھی بھی نہیں بچ سکتا۔تم کشمیری نہیں ہو صرف ویلی کے کشمیری لوگ ہیں۔

نوجوان نسل جو کراچی میں پڑھ رہی تھی انہوں نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ حکومت کے مرکزی نمائندے سانپ سے زیادہ زہریلے پہلے نوکر شاہی کو کچلو اور پھر سانپ کے سر پر ڈنڈا مارو۔اب تو وہاں حالات کافی مختلف ہیں۔وہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ 85 ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست جموں وکشمیر کا جزولاینفک ہے۔الگ رکھے جانے کے باوجود وہ ریاست کے ساتھ ایک کشمیری کی طرح زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔اور مرنا چاہتے ہیں گلگت میں ایجنسی نظام کیوں؟ پر ایک خوبصورت کتابچہ ہمارے ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ نے لکھا تھا۔

ممتاز ہاشمی ایک عالم فاضل شخصیت تھے وہ ہمارے ساتھ قید و بند بھی رہے لیکن ان کے ارادوں کو کوئی متزلزل نہ کر سکا۔ وہ محاذ رائے شماری کا دماغ تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے۔ وہ بہت جلدی ہمارا ساتھ چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ میں مختصراً اس دورہ کی باتیں سنا رہا ہوں حکومت گلگت نے ہمیں وطن سے بے وطن کر دیا اور پولیس نے ہمیں

جس جگہ چھوڑا اس کے میل ہا میل تک کوئی قصبہ، کوئی گاؤں کوئی گھر نظر نہ آیا۔ وہ بالکل ویرانہ تھا۔ اسے یاغستان کہتے ہیں۔ وہ جگہ نہ پاکستان میں ہے اور نہ افغانستان میں تھی وہ آزاد قبائل کے زیر قبضہ تھی۔ نہ کوئی تھانہ نہ تحصیل تھی نہ عدالتیں تھیں اگر کوئی قتل ہو جائے تو مقتول کے وارث اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک قاتل سے قتل کا بدلہ نہ لے لیں۔

یہ واقعہ ہم نے اپنی آنکھوں اس طرح دیکھا جہاں ہمیں اتارا گیا تھا وہاں دریائے سندھ کے دونوں اطراف بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور ایک شخص دوڑ رہا تھا۔ ہمیں وہاں آرمی والوں نے بتایا کہ یہ صبح سے اس طرح دوڑتا چلا آتا ہے۔ اس کے پیچھے مقتول کے وارث بدلہ لینے کیلئے دوڑ رہے ہیں۔ اور جتنا چاہے یہ دوڑتا رہے وہ اسکو نہیں چھوڑیں گے میں نے مسکرا کر میجر کو کہا کہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں ہمیں جو چاہے مار دے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمارے وارث بھی نہیں پہنچ سکتے۔ کوئی تھانہ موجود نہیں جس میں رپورٹ درج کرائی جا سکے۔ اس آزاد علاقہ میں پولیس کانسٹیبلان ہمارے ساتھ رہے۔

انہوں نے پیشکش کی کہ یہ گاڑی کی چابیاں لے لیں اور اپنی بندوقیں پیش کر دیں اور کہنے لگے کہ اگر وہ محاذ رائے شماری میں شامل ہو کر آزادی کی جنگ لڑیں تو کیا انہیں شامل کر لیا جائے گا۔ وہ واپس جانا نہیں چاہتے تھے۔ اگر آپ لوگ چین کی طرف نکل جائیں۔ تو وہ رہنمائی کرنے کو تیار تھے۔ انہیں بہت دکھ ہوا کہ وطن کے اصل مالکوں کو قابض ملکوں کے کارندے جبر سے ملک سے جبراً نکال رہے ہیں مسٹر محمد مقبول احمد بٹ شہید نے ہمارے ساتھ مل کر ان کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اس وقت نہ انہیں بندوق کی ضرورت ہے نہ ابھی وہ چین جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ایسی بغاوت پھیلانا چاہتے ہیں۔ جس سے عام لوگ مارے جائیں۔

پہلے لوگوں کی تربیت کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ہمارا متبادل بندوبست نہیں ہو جاتا ان دنوں شاہراہِ ریشم (سلک روڈ) بن رہی تھی پاکستان کی فوج کا ایک دستہ بھی ان میں شامل تھا۔ راستہ میں چینی ماہرین ملے وہ سڑک پر کام کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد انجینئر کور کے جنرل تشریف لائے وہ اپنے پاکستانی انجینئروں کی مدد کر رہے تھے۔ شام کو وہ اپنے اپنے کیمپوں میں واپس جا رہے تھے۔

گلگت انتظامیہ یا وزارت امورِ کشمیر میں کسی افسر نے ہمارے گلگت سے نکالے جانے کی خبر دے دی تھی۔ انہوں نے اپنی گاڑی روکی اور ہم سب سے بڑے پرتپاک طریقے سے ملے۔ انہوں نے غصے میں کہا بھارت ریڈیو تو مقبول بٹ کو زندہ یا مردہ لانے اور انعامات حاصل کرنے کا اعلان کرتا رہتا ہے یہ شخص بہت بہادر ہے اور حکومت پاکستان بہادروں کی قدر دان نہیں ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا اور ساتھ ہی کہا کہ شام بالکل قریب ہے اس وقت کوئی گاڑی نہیں ملے گی اس وقت کوئی ٹرک گزرتا ہے جس میں لکڑی بالن لدے ہوئے ہوتے تھے۔

جنرل صاحب نے کہا اگر ہم لوگوں کے مہمان بننا پسند کریں گے تو رات ان کے ساتھ گزاریں اور صبح دن کے وقت آگے بڑھیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ چاہیں تو میجر صاحب کے ساتھ چلے آئیں اور ان کے مہمان بنیں۔ میجر ایک نوجوان پاکستانی آفیسر تھا۔ وہ بہت خوش ہوا وہ اس شش و پنج میں تھا کہ ہمیں کیمپ میں ٹھہرا سکتا ہے یا نہیں؟ جنرل کے کہنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ کھل کر باتیں کرنے لگا۔ گلگت کی پولیس واپس چلی گئی ہم میجر کے ساتھ بیٹھ کر فوجی کیمپ میں چلے گئے فوج نے بہت عزت اور احترام کے ساتھ ہمیں اپنے پاس رکھا میں تھکا ہوا تھا سو گیا تھا۔ لیکن باقی ساتھی فوجی آفیسروں سے بات چیت میں شامل تھے۔ ایک بہادر ہی دوسرے بہادر اور وطن کے سپوت کی تعریف کر سکتا ہے۔ جسے اب یہ خیال پیدا ہوتا ہے گلگت سے جو اسلحہ گنگا کیس میں ضبط کر کے پیش کیا گیا تھا وہ انہی فوجیوں نے مقبول احمد بٹ کو دیا ہو گا میں نے اس سلسلہ میں کبھی نہ پوچھا نہ ہی موقعہ ملا۔

اس اسلحہ کا گواہ کیپٹن بابر نے اپنے سرکاری آفیسر کو گواہ استغاثہ پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو (خفیہ) گلگت میں امن و امان کو برباد کرنے اور طاقت کے ذریعے اسے آزاد کشمیر میں شامل کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ کیپٹن بابر نے بیان دیتے ہوئے کہا ملزمان نے یہ اسلحہ اس لئے اکٹھا کیا تھا کہ وہ اپنے ساتھی بھائیوں کو جنگ بندی کی دوسری طرف پہنچاتے تھے۔ جو بھارت کے خلاف مسلح جدو جہد کر رہے ہیں۔ محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو قومی محاذ آزادی نے کبھی امن و امان کو خطرے میں نہیں ڈالا بلکہ وہ پر امن جدو جہد سے گلگت میں پاکستان پینل کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کرتے رہے۔ جبکہ گلگت کے باقی ریاستی حصہ میں ایف سی آر فرنٹیئر کرائم ریگولیشن نافذ نہیں ہے تو گلگت میں یہ کیوں نافذ کیا گیا۔ گلگت کے لوگوں نے مہاراجہ کی فوج کو گلگت سے نکال کر اسے آزاد کرایا تھا۔

نومبر 1947ء تک وہاں رنبیر پینل کوڈ نافذ تھا۔ تو پاکستان نے کس بنا پر یہ وحشیانہ قانون نافذ کر رکھا ہے گنگا کیس کے ٹربیونل کے چیئرمین چوہدری یعقوب علی خان اور استغاثہ کے وکیل مسٹر جنجوعہ دیکھتے رہ گئے ان کی ساری عمارت ہی ریت کی دیوار پر کھڑی تھی جو پاش پاش ہو گئی۔ یہی حال مظفر آباد سے اسلحہ ضبط ہونے کے سلسلہ میں حکومت آزاد کشمیر کے ہوم سیکرٹری سید فرمان علی شاہ جو ایس ایس پی تھے۔ اسلحہ کی ضبطی اور امن و امان کے بارے میں ملزمان کے متعلق کہی تھی۔ ملزمان کو شہادت صفائی پیش کرنے کی بھی اس سلسلہ میں ضرورت پیش نہ آئی تھی۔

تفصیلات گنگا کیس میں نظر آئیں گی۔ رات کو فوجی کیمپ میں گزارنے کے بعد دوسری صبح ناشتہ وغیرہ کر کے ہم سڑک پر کھڑے ہو گئے اس وقت کوئی کوئی ٹرک دو دو گھنٹوں کے بعد گزرتا تھا۔ جس پر لکڑیاں اور بالن وغیرہ لدا ہوتا تھا۔ ایک ٹرک آیا جس میں مجھے اور میر عبدالمنان کو ڈرائیور والی سیٹ کے ساتھ بٹھا دیا گیا اور مسٹر امان اللہ خان اور مقبول احمد بٹ ٹرک پر لدی ہوئی لکڑیوں اور بالن پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھڑے ہو گئے۔ اگر ذرا سا جھٹکا لگتا تو ٹرک دریائے سندھ

میں جا گرتا۔ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے راولپنڈی ریکس ہوٹل میں پہنچا دیا۔

ہم رستے میں گاڑیاں تبدیل کرتے آئے۔ اور واپس پہنچ گئے۔ ریکس ہوٹل میں پہنچ کر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ گلگت جانے کے لئے بار بار کوششیں کریں گے اور اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک حکومت گرفتار نہیں کر لیتی ہم پھر چکلالہ ایئر پورٹ اور گلگت جانے والی پرواز کا انتظار کرتے رہے تھے۔

چند سپاہی وردی میں ملبوس وہاں ٹہل رہے تھے اور انتظار کنندگان کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے عینک اتار رکھی تھی اور غالباً انہیں میرا حلیہ بتایا گیا تھا وہ میری ہی تلاش میں تھے میں نے ہتھکڑی والے سپاہی کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تم محمد عبدالخالق انصاری کو تلاش کر رہے ہو تو اس نے ہنس کر جواب دیا کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ ان لوگوں کو گلگت نہ جانے دیا جائے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے سپاہیوں کے ساتھ ہولیا۔ اس نے ہتھکڑی لگائی اور بتا دیا کہ وہ ایبٹ آباد لے جائے گا اور وہاں فوجی عدالت میں سماعت مقدمہ ہوگی۔ میں نے ان کے ساتھ ہولیا۔ اور ایبٹ آباد حوالات میں جا کر سو گیا دوسرے روز مجھے ایک میجر کی عدالت میں پیش کیا گیا ہمارے خلاف کراچی سے لے کر پشاور تک مقدمات بنے ہوئے تھے۔ ہم نے مارشل لاء کے نفاذ پر ہر جگہ تنقید کی تھی۔ اور جنرل یحییٰ خان کو ہر جلسہ میں للکار کر کہا تھا کہ گلگت ریاست جموں و کشمیر کا جزو لاینفک حصہ ہے۔

یحییٰ خان کے باوا کی جاگیر نہیں ہے میر عبدالمنان صاحب مرحوم گرفتاری کے وقت بہت خوش ہوئے۔ کہ اب میدان مار لیا ہے۔ اور ان کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے یہ میرے حصے میں نہ آئی۔ میری گرفتاری کے باوجود محاذ رائے شماری کا وفد بار بار گلگت و بلتستان جاتا رہا۔ اور ان سے محاذ رائے شماری کا لٹریچر حکومت چھین لیتی رہی۔ مسٹر امان اللہ خان کو حکومت نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا تھا۔ جو بعد میں عرصہ کے بعد گنگا طیارہ کے اغوا کے بعد چھوڑ گئے تھے۔

محاذ رائے شماری نے کئی بار گلگت جانے کی کوشش کی اس کا لٹریچر چھین لیا جاتا رہا۔ لاؤڈ سپیکر ضبط کر لئے گئے۔ جی ایم میر اور ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ بھی ان سخت مراحل سے گلگت انتظامیہ کے ہاتھوں گزرے اور مصائب جھیلتے رہے۔ ادھر میں اکیلا مقدمہ لڑتا رہا۔ اور میرا ہدایت اللہ سابق ڈیفنس سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر اور ڈاکٹر فاروق حیدر میرے کام آتے رہے۔ مقدمہ کی روئیداد کسی اور جگہ بیان کی ہوگی۔

عبدالقیوم خان صدر حکومت کا نیا شاہی فرمان

1970ء کا سال محاذ رائے شماری کے کارکنوں اور اس کے ہمدردوں کے ساتھ بڑی آزمائش کا تھا۔ سردار عبدالقیوم خان نے براہِ راست محاذ رائے شماری سے ٹکر لے رکھی تھی۔ کالجوں اور سکولوں کے پرنسپل کو حکم دیا گیا کہ کالج شروع ہونے سے پہلے دعا کے ساتھ کشمیر بنے گا پاکستان کا نعرہ لگوایا کریں۔ میرپور کے طلباء نے خصوصاً نیشنل سٹوڈنٹس

فیڈ ریشن نے بھی اس کو اپنے لئے چیلنج سمجھا۔ جونہی پرنسپل مائیک پر آ کر کھڑے ہو کر یہ کہتا کہ کشمیر بنے گا تو طلباء کی طرف سے بھرپور جواب ملتا کہ خودمختار، خودمختار۔

خالد جوشی جو کسی وقت محاذ کے ڈپٹی سیکرٹر جنرل رہے ہیں عبدالقیوم انصاری اور اس کے دوستوں کی ٹیم جن میں میر ارشد ساجد الرحمٰن چوہدری ممتاز وغیرہ شامل ہیں وہ کالج کے زمانہ میں اس گسے پٹے نعرے کا جواب دیتے عبدالقیوم انصاری یورپ میں بھی محاذ کا کام کرتے رہے ہیں ان نعروں کے خلاف کوئی مخالفت میں کوئی آواز نہ اٹھتی یہ نوجوان حوالاتوں اور جیلوں کی مشقتیں برداشت کرتے رہے۔

☆ اسی سال 1970ء میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ محمد عبدالقیوم خان نے ہاؤس ٹیکس وغیرہ اپنے طور پر لگانے کا فیصلہ کیا۔ تو میرپور میں پہلی بار تمام وکلاء جو مسلم کانفرنس سے تعلق رکھتے تھے یا جن کی ہمدردیاں محمد عبدالقیوم صاحب کے ساتھ تھیں، وہ بھی سڑکوں پر نکل آئے۔ تمام تاجر برادری، تانگہ بان، رکشہ ڈرائیور اور پرائمری سکولوں کے بچے بھی باہر آ گئے۔ اور ٹیکس کے خلاف نعرے لگائے۔ محمد عبدالقیوم خان اس وقت ریسٹ ہاؤس میں موجود یہ مناظر دیکھتے رہے۔ طلباء، وکلاء اور معزز شہریوں پر لاٹھی چارج کا حکم دے دیا گیا۔

پولیس نے نہ صرف بے تحاشا لاٹھی چارج کیا بلکہ محمد عبدالقیوم خان کے بڑے بھائی سردار غفار خان نے فائرنگ بھی کی۔ جو چوہدری محمد رفیق، جو کہ کئی بار حوالاتوں اور جیل میں جا چکا تھا، اس کو پیٹ میں گولی لگی۔

طالب علموں میں سہیل شاہین، عبدالغفار انقلابی، خواجہ نذیر، رضا شاہ، ملک طاہر، راجہ شوکت اور ان کے دیگر ساتھیوں کو زخمی کیا گیا۔ جبکہ دیگر طلبہ بھی زخمی ہوئے۔ چوہدری محمد رفیق ہسپتال میں داخل رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی بخشی تھی اور بچ نکلے۔ آزاد کشمیر کے طالب علموں نے تحریک آزادی کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، گولیاں کھائیں اور تشدد برداشت کیا۔ اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

میرپور میں ابتداء میں ایسے طالب علم منظرِ عام پر آئے جنہوں نے سیاسی جماعتوں سے زیادہ اس نظریئے کی آبیاری کی۔ گورنمنٹ کالج میرپور اس کی نمایاں مثال ہے۔ اس کالج کے بے شمار طالب علم جن میں محمد ریاض جنجوعہ، جاوید نظامی، جناب ممتاز احمد راٹھور، عارف کمال، فاروق سہیل، پروفیسر خواجہ محمد حنیف۔ محمد ریاض انقلابی، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ، چوہدری عبدالمجید، مسعود لون، پروفیسر محمد عارف خان، جسٹس محمد یونس سرکھوی، نصرت راجہ، پروفیسر نذیر انجم قابل ذکر ہیں۔

ان طالب علموں نے پہلی بار آزاد کشمیر میں طالب علموں کی تنظیم نیشنل سٹوڈنٹس فیڈ ریشن بنائی اور پورے آزاد کشمیر میں اس تنظیم کو منظّم کیا۔ یہ ایک آزاد تنظیم تھی لیکن کئی سالوں تک یہ تنظیم محاذ رائے شماری کے شانہ بشانہ چلتی رہی۔ اور

قومی آزادی اور خودمختاری کے نظریہ کوتقویت دیتی رہی۔ ابتدا ہی سے ان طالب علموں کے لئے حکمرانوں نے جیل کے دروازے کھول دیئے۔اس تنظیم کے کئی سرکردہ رہنما دولائی جیل مظفرآباد جیل میں مقیّد رہے۔

غالبًا اس کے پہلے صدر ممتاز حسین راٹھور (سابق وزیراعظم آزاد کشمیر) تھے۔ اوراس کے سیکرٹری محمد ریاض انقلابی ایڈووکیٹ تھے۔ اس کے بعد اس تنظیم میں غفار انقلابی، سہیل شاہین، میر خالد محمود ایڈووکیٹ، محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ، خواجہ نذیر ڈڈیال، ملک طاہر، چوہدری محمد اعظم ایڈووکیٹ، نعیم انصاری، ارشد انصاری، عبدالقیوم تبسم، رضا شاہ بخاری، گل نواز بٹ، عطاء اللہ، جاوید نثار، قاری نثار، خواجہ جاوید ایڈووکیٹ، شوکت راجہ ایڈووکیٹ، وغیرہ کےعلاوہ بے شمار طالب علم ہیں جن کی قربانیاں اس قوم وملت کے لئے ہیں۔ان طالب علموں کی جوانمردی ہمت بہادری، جذبے وشوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے وطن کے ان بیٹوں کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اورامن وسلامتی دے۔تاکہ وہ ہر میدان میں کامیابیاں سمیٹیں، اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہو۔

قیوم خان کے حکم سے سیکڑوں آدمیوں کو گرفتار کرکے مقامی تھانوں اور جیل میں بھیج دیا گیا اورلوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ایک ممبر پر مشتمل کمیشن قائم کر دیا گیا۔اس کے پاس تحقیقات کے لئے ایک لمبی چوڑی گواہان کی فہرست پیش کردی گئی۔ جس میں یہ الزام لگایا گیا کہ ''جنرل یحییٰ جاوے ہی جاوے، اندرا گاندھی آوے ہی آوے''۔ ''پاکستان مردہ باد اور ہندوستان زندہ باد'' کے نعرے لگوائے گئے۔اس طرح پاکستان کے خلاف بغاوت پھیلائی گئی۔

الزام تھا کہ محمد عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ نعرے لگواتا تھا۔اورلوگ جواب دیتے تھے۔ یہ بھارتی ایجنٹ ہے اور بھارت سے معقول معاوضہ لے کر پاکستان اور آزاد کشمیر میں نفرت پھیلا رہا ہے ملک دشمن عناصر کا قلع قمع کیا جانا ضروری ہے۔

کمیشن کے چیئرمین خواجہ محمد شریف چیف جسٹس تھے۔ میں مظاہرے کے وقت چیئرمین (چیف جسٹس خواجہ شریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ اپنا زخمی ہاتھ چیف جسٹس کو دکھایا تھا کہ وہ جلوس میں تھے بعد میں ہائی کورٹ کے جج بھی بنے اوروکلاء پر بری طرح پولیس نے لاٹھی چارج کیا گیا۔ میں اتفاق سے بیمار تھا بخار میں مبتلا تھا۔میرا ایک قتل کا کیس تھا جس میں گواہان آئے ہوئے تھےلیکن میری حالت یہ تھی کہ میں کھڑا ہونے کے قابل نہ تھا۔ میں صرف سیشن جج کو اپنی حالت دکھانے گیا تھا۔اورتاریخ التوا کی درخواست کی تھی۔

میں جب سیشن جج کے پاس پہنچا تو عدالت میں ہو کا عالم تھا۔ مجھے کلرکوں نے بتایا سب وکلاء احتجاج کرنے سڑکوں پر نکل گئے ہیں اور سیشن جج صاحب چیف جسٹس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں سیدھا چیف جسٹس کے پاس چلا گیا انہوں نے مجھے بھی اپنے چیمبر میں بیٹھنے کو کہا جہاں سیشن جج بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی شخص بھی تھا کہ نہیں یاد نہیں۔ چیف

جسٹس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا انصاری صاحب آپ کو تو جلوس کی قیادت کرنا تھی۔

آپ یہاں کیسے آ گئے۔ تو میں نے انہیں بخار کی بابت بتایا۔ تھوڑی دیر کے بعد گولیاں چلنے پتھراؤ ہونے اور شور کی آواز آئی۔ تو چیف جسٹس دروازہ کھول کر بالکل باہر نکل کر کالج کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے انہیں پکڑ کر چیمبر میں بٹھایا اور کہا کہ گولی یہ نہیں دیکھتی کہ چھاتی کس کی ہے؟ گولیاں تحصیل کی دیوار کو لگ رہی تھیں۔ شور مچا ہوا تھا۔ کہ ایک لڑکا مر گیا ہے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب جلوس منتشر ہو گیا تو وکلاء چیف جسٹس کی عدالت میں پہنچے اور میں کچہری روڈ سے ہوتا ہوا گھر واپس آ گیا۔ اور دوائی کھانے کے بعد سو گیا۔

پولیس انسپکٹر وارنٹ لئے ہوئے میرے گھر پہنچا تو میرے بچوں نے اسے بتایا کہ وہ بیمار ہیں اور سو رہے ہیں۔ پولیس انسپکٹر یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب جاگیں گے تو ان کو بتا دینا کہ وہ تھانہ میں مطلوب ہیں۔ جب جاگا اور مجھے اطلاع ملی تو میں نے حسبِ معمول چند کتابیں اور کپڑے لئے اور تھانہ کی طرف چل پڑا۔ جب محمد بشیر تبسم نے مجھے دیکھا تو انہوں نے بستر باندھا وہ بھی بستر اٹھائے تھانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پولیس اکٹھی تھی افسر بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے وارنٹ نہیں ہیں۔ محمد بشیر تبسم نے کہا کہ یہ تم رات کو جا کر اہل خانہ کو پریشان کرو گے، میں خود ہی آ گیا ہوں مجھے گرفتار کر لو۔ چنانچہ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ تھانہ سے منگلا چوکی اور پھر حوالات جوڈیشنل میر پور میں رکھا گیا اور چند دِن کے بعد رہا کر دیا گیا۔

بار ایسوسی ایشن کے ممتاز وکلاء جن میں آغا عاشق حسین، چوہدری شریف طارق، یونس سرکھوی، عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ، عبدالمجید چوہدری، چوہدری سلیمان ایڈووکیٹ، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ، عبداللطیف ایڈووکیٹ، سردار آفتاب احمد مرحوم اور چوہدر اعظم کے علاوہ بے شمار وکلاء گرفتار کئے گئے۔

چیف جسٹس خواجہ محمد شریف صاحب بہت شرمندہ تھے کیونکہ وکلاء نعرے لگا رہے تھے کہ ’’کمیشن نامنظور، یک کمیشن نامنظور‘‘۔ میں نے چیف جسٹس کو بتلایا کہ وکلاء آپ کے خلاف نہیں ہیں وہ حکومت کے خلاف ہیں اس لئے انہوں نے مطالبہ کر رکھا ہے کہ کمیشن میں وکلاء کے نمائندہ کو شامل کیا جائے۔ یہ مطالبہ کسی نے ماننا تھا نہ کسی نے مانا۔

بہر حال کمیشن نے اپنی کارروائی جاری رکھی وکلاء نے کمیشن کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ مجھے اور دو تین وکلاء کو کہا کہ وہ کمیشن کی کارروائی کو نوٹ کرتے رہیں تو ہم گواہوں کی شہادت سنتے رہے۔ اور چیف جسٹس کا غصہ بھی دیکھتے رہے اگر ان کے بس میں ہوتا تو ڈائس چھوڑ کر نیچے اتر آتے اور گواہی دینے والوں کی اپنی ہاتھوں سے پٹائی کرتے۔

ایک موقعہ پر ایک گواہ کو انہوں نے کہا کہ نعرے لگوانے والا محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ ہو گا وہ بھی کمرے میں موجود تھا۔ چیف جسٹس نے اسے دیکھ کر کہا کہ وہ سامنے محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ بیٹھے ہیں یہ نعرے لگوا رہے ہوں گے تو

بڑے پراعتماد طریقے سے کہا اور میری طرف اشارہ کیا کہ وہ عبدالخالق انصاری صاحب کو جانتے ہیں وہ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں تو اس وقت ان کا پارہ تیز ہو گیا۔ چیف جسٹس خواجہ محمد شریف بڑے نیک دل اور سنجیدہ ترین اشخاص میں سے تھے۔ عدل وانصاف میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا انہوں نے گواہ کو غصے میں آ کر (جو عدالت میں بیٹھ کر بطور جج کبھی ایک بار بھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا) انہوں نے گوجرانوالہ والے اڈہ کی زبان استعمال کی اور کھڑے ہو گئے ہم بھی آہستہ سے باہر نکل آئے۔ اور باقی کارروائی نہ دیکھ سکے۔

دوسرے روز جب کارروائی شروع ہوئی تو میں نے چیف جسٹس سے گذارش کی کہ اگر وہ اجازت دیں اور اسے کمیشن کا حصہ نہ بنائیں تو ایک بات ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ آپ بتائیں آپ کا مشورہ قبول کر لیا جائے گا۔ میں نے کہا یہ مثل مکمل ہو کر اوپر جائے گی اور اس میں مکمل ثبوت ہو گا کہ آزاد کشمیر کے سیاستدان، وکلاء، تاجر، صحافی، مذہبی اور سماجی کارکن اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب پاکستان کے مخالف ہیں۔ اور اگر اس مثل کو چوری کر کے بھارت کے حوالہ کر دیا گیا یا اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں بھیج دیا گیا تو کیا پاکستان کا مقدمہ یا مؤقف مسئلہ کشمیر سے متعلق کمزور نہیں پڑے گا؟۔ جب انہوں نے یہ سنا تو کہا یہ ظلم میرے ہاتھوں کروایا جا رہا ہے۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا۔ انہوں نے کارروائی رجسٹر بند کیا کارروائی کے متعلق تمام ریکارڈ لے کر مظفرآباد چلے گئے۔ پھر اس مثل کا کیا ہوا؟ اسے صرف محمد عبدالقیوم خان یا چیف جسٹس خواجہ محمد شریف ہی جانتے ہیں باقی ہم میں سے کسی کو کوئی خبر یا علم نہیں ہے کہ اس ڈرامہ کا انجام کیا ہوا۔ چیف جسٹس نے ان کو کہا ''تمہاری بنیاد ہی جھوٹ پر مبنی ہے''۔

میں تو خود اس کا گواہ ہوں کہ تمام عرصہ میں جو نعروں اور ہڑتالوں میں گزرا مسٹر عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ میرے پاس موجود رہے۔ بلکہ وہ مجھے باہر سے پکڑ کر چیمبرز کے اندر لے آئے تھے کہ گولیاں چل رہی ہیں۔ پتھراؤ ہو رہا ہے اور لاٹھیاں برس رہی ہیں۔ مجمع بھاگ رہا ہے تو ایسی حالت میں مجھے اپنا آپ بچانا چاہیے۔

یومِ سیاہ

اسی دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ ہماری جماعت محاذ رائے شماری نے انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان انتخابات کے خلاف گلگت کے بھائیوں کے ساتھ مل کر یومِ سیاہ منانے کا پروگرام بنایا تھا۔ حکومت پاکستان کی نوکر شاہی بھارت کے خلاف ہمیشہ پروپیگنڈہ کرتی رہی کہ بھارت کی دھونس دھاندلی اور ٹھپے والی سرکار کے خلاف کشمیریوں نے الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا ہے اب کی بار پاکستان کے خلاف ایسا ہی پروپیگنڈہ جاری تھا کہ پاکستان کے حیلہ جو لیڈروں نے نئی جماعت محاذ رائے شماری بنا ڈالی اگرچہ اس کا نام ذرا مختلف تھا لیکن اسے پروپیگنڈہ کے لئے ریڈیو اور اخبارات کو پوری طرح استعمال کیا گیا۔ ادھر الیکشن ختم ہوئے تو وہ جماعت بھی ختم ہو گئی۔ اس جماعت کے صدر چوہدری

محمد شریف طارق ایڈووکیٹ تھے۔اور سیکرٹری جنرل میر عبدالعزیز تھے۔

میر عبدالعزیز مرحوم اپنی سیاسی جماعت جموں کشمیر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کو چھوڑ کر الگ ہوئے تھے۔ میں تفاصیل میں نہیں جاتا ان کو الیکشن لڑنے کا حق یا پارٹی چھوڑنے کا، پارٹی بنانے کا حق تھا۔لیکن عام لوگوں میں یہ الجھن پیدا ہوگئی کہ ایک طرف جماعت نے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے اور دوسری طرف جماعت نے صدارت کے لئے امیدوار بھی کھڑا کر دیا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی کمی کی وجہ سے لوگ اصل حقیقت سے آشنا نہ ہو سکے اور کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ الجھن باقی تھی وزارت امورِ کشمیر جو کشمیری جماعتوں کے بنانے اور توڑنے میں مہارت رکھتی ہے۔ وہ اس جماعت کو کبھی انصاری گروپ اور کبھی دوسرے گروپ کے نام سے اپنی خط و کتابت میں لکھتی رہی۔ البتہ محاذ رائے شماری آج بھی اپنے موقف پر قائم ہے۔ وہ جموں کشمیر کی آزادی کی تحریک کے لئے کام کر رہا ہے۔ گلگت و بلتستان پر شروع دن سے پاکستان نے نگاہیں رکھی ہوئی تھیں اور اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

گلگت و بلتستان کی تاریخی حیثیت

1947ء میں ہنزہ سٹیٹ مہاراجہ ہری سنگھ کی جاگیر تھی یہ کوئی الگ ریاست نہ تھی۔ چینی اور پونچھ کی طرح باج گزار ریاست تھی۔ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ڈوگرہ بادشاہ اور عوام تھے۔ لفظ سٹیٹ کا غلط مفہوم لے کر لیاقت علی خان، وزیراعظم پاکستان نے ہنزہ کے راجہ سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرا لئے تھے۔ اس کا علم ہمیں بھی اس وقت ہوا جب ہم 70 تا 80 کے عشرہ میں ہنزہ گئے تھے۔ تو ایک درباری نے ہمیں باقاعدہ دعوت دی تھی کہ ان کی کابینہ کا اجلاس ہو رہا ہے اس لئے ہم بھی ان کے دربار میں پہنچ کر کارروائی کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔ ہمارے پاس وقت نہ تھا۔ ہم نے معذرت کر لی تھی۔ ہنزہ کوئی 9 یا 10 ہزار افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا پہاڑی قصبہ تھا۔

وہاں سنیوں کی مسجد بتا رہی تھی کہ یہ ساری سنی آبادی ہے۔ بعد میں آغا خانی گروپ نے آ کر مالی مدد کے بہانے طالب علموں کو کراچی لے جا کر تعلیم دلوانی شروع کی اور آہستہ آہستہ اس ساری آبادی کو آغا خانی گروپ میں تبدیل کر دیا۔ ہنزہ کے دوسری طرف دریا کے پار نگر کی آبادی ہے۔ جس کی اکثریت شیعوں پر مشتمل ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے راجواڑے ریاست کے ماتحت تھے۔ پرجا سبھا (سٹیٹ اسمبلی) میں ان کو نمائندگی دی گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے یہ غیر قانونی دستاویز اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔ تاکہ وقتِ ضرورت استعمال کر سکے۔

حکومت پاکستان نے اس علاقہ کو بشمول گلگت اپنے ریذیڈنٹ کے ماتحت کر دیا تھا۔ جو جوائنٹ سیکرٹری کے عہدے کا پاکستانی ملازم تھا۔ 1947ء میں ان علاقوں میں سڑکیں نہیں تھیں۔ بار برداری کے جانوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا استعمال خوراک پہنچانے کے لئے پاکستان نے شروع کر رکھا تھا اور اس کو ایک وجہ بنا کر آہستہ آہستہ

کراچی معاہدہ کے نام ایک غیر قانونی دستاویز تیار کی گئی۔ چوہدری غلام عباس مسلم کانفرنس کے صدر تھے لیکن تقسیم برصغیر کے بعد مہاجرین کے نمائندہ بن کر رہ گئے۔ وہ کسی تنظیم کے منتخب نمائندے نہ تھے البتہ وزارتِ امورِ کشمیر نے انہیں سپریم ہیڈ کا خطاب دے رکھا تھا۔

محمد ابراہیم خان حکومت پاکستان کے نامزد صدر تھے۔ 1947ء سے لے کر سال 1960ء تک کبھی انتخاب ہی نہیں ہوئے نہ کوئی اسمبلی کا وجود تھا۔ اور نہ کوئی اور منتخب ادارہ موجود تھا۔ ان کے دستخط کے بھی جواز کے لئے کوئی قانونی دلیل موجود نہیں ہے۔ وہ خود غیر منتخب تھے۔ وزیر امورِ کشمیر مسٹر گورمانی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔ لیکن اسے باہمی افہام و تفہیم کے غرض سے لکھا گیا۔ ہر ایک کی حدود متعین کر دی گئیں۔ اس معاہدہ کے بعد صدر آزاد کشمیر وہاں جا سکا نہ مسلم کانفرنس کے صدر اور سپریم ہیڈ وہاں اپنی تنظیم قائم کر سکے۔ معاہدہ کی نسبت محمد ابراہیم نے بڑی وضاحت کی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ کبھی کراچی ہی نہیں گئے کہ اس معاہدہ پر دستخط کرتے۔

چوہدری غلام عباس مرحوم اور مسٹر گورمانی کے مابین یہ معاہدہ ہوا تھا، ان کا خیال تھا کہ محمد ابراہیم خان دستخط نہیں کریں گے۔ اور انہیں صدارت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ سردار محمد ابراہیم نے معاہدہ دیکھ کر دستخط کر دیئے کیونکہ اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ طلباء کے ایک وفد نے سردار محمد ابراہیم خان مرحوم سے پوچھا کہ معاہدہ کی نوعیت کیا تھی اور کہا کہ آپ نے کشمیر کو بیچ دیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ میں نے کسی بیعنامہ پر دستخط کئے ہیں۔ تو میری انگلیاں کاٹ دی جائیں۔ ذرائع آمد و رفت کا بہانہ بنا کر حکومت پاکستان نے یہ دستاویز تیار کی۔ جس کی اہمیت یہ ہے کہ دو حکومتوں کے درمیان باہمی مشورے سے اختیارات کو تقسیم کیا گیا ہے۔

پچاس کے عشرہ کی بات ہے کہ وزیر اعظم پاکستان چوہدری محمد علی مرحوم نے آزاد کشمیر کے وفود سے ملاقات کے دوران جبکہ سب کشمیری راہنما اکٹھے کھڑے تھے۔ تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو کہا جا رہا ہے کہ منگلا ڈیم متنازعہ علاقے میں تعمیر کیا جا رہا ہے جب یہ سارا علاقہ ہمارا (پاکستان) فتح کیا ہوا ہے ...... تو وہاں کھڑے لوگوں نے اس پر سخت احتجاج کیا تھا۔ اور واضح طور پر کہا تھا کہ کشمیر کشمیریوں کا ہے۔

گلگت اور آزاد کشمیر کے علاقے میں یہ احتجاج دیکھ کر وزیر اعظم کمرے کے اندر چلے گئے۔ سب کو پتہ چل گیا تھا کہ پاکستان کی نیت صحیح نہیں ہے بلکہ ان میں کھوٹ ہے۔ پاکستان اقوامِ متحدہ کا ممبر ہے اور اس کی حکومت کو قانونی تسلیم کیا جاتا ہے۔ پاکستان اقوامِ متحدہ میں کئے گئے فیصلوں کا احترام کرنے کے لئے قانونی طور پر پابند ہے پاکستان نے سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کو تسلیم کر رکھا ہے کہ آزاد کشمیر بشمول گلگت بلتستان کا ایک نظم و نسق علاقائی نوعیت کا ہے۔ ہم بھی یہی کہتے رہے کہ آزاد حکومت کو اتنے اختیارات نہیں ہیں جتنے ایک آزاد ملک کی بلدیہ اور کارپوریشن کو حاصل ہوتے ہیں۔ رولز

آف بزنس ایکٹ 1968ء ایکٹ 1971ء اور ایکٹ 1974ء میں جان بوجھ کر آزاد کشمیر کے رقبہ سے گلگت بلتستان کو الگ کیا گیا۔

ایک حکومت پرائیویٹ ادارے سے کیا معاہدہ کر سکتی ہے اس لئے کراچی معاہدہ بھی کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا ہے اسی لئے اسے پاکستان کی اسمبلی نے آج تک پاس نہیں کیا۔ یہ معاہدہ اس قابل نہ تھا کہ اسے بحث ومباحثہ کے لئے پیش کیا جاتا۔

نوکر شاہی نے سب سے پہلے اس کا نام بدلنے کی کوشش کی اور اسے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کہنا شروع کیا۔ لیکن اس کی بھی پاکستان میں پذیرائی نہ ہوسکی نہ ہی پاکستان کے شمالی علاقوں نے اس کو اپنا علاقہ تسلیم کیا۔ پاکستان کے جغرافیہ میں پاکستان کی حدود میں یہ رقبہ شامل نہیں ہے۔ اور نہ آج تک شامل کیا گیا۔ اس کا نام بدلنے پر ہر طرف کشمیریوں نے احتجاج کیا اور گلگت و بلتستان کا صدیوں پرانا نام اب بھی باقی ہے۔ پاکستان نے دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے کہ یہ علاقہ پاکستان کا ہے اس لئے جب کبھی مارشل لاء لگایا گیا تو اس کو مارشل لاء زون میں دکھایا گیا ہے۔ لوگوں نے اس پر بھی احتجاج کیا۔ پاکستان نے گلگت تمام سفیروں کی دعوت کا انتظام کیا تو بھارتی سفیر نے صدرِ پاکستان کو (جنرل ضیاء) کو خط لکھا کہ یہ گلگت بلتستان بھارت کا حصہ ہے اور پاکستان کو بھارت میں دنیا کے سفیروں کو دعوت پر بلانا اقوامِ متحدہ کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ وہ بطور احتجاج اس میں شامل نہ ہوا۔ اس کے احتجاجی خط کی نقول تمام سفیروں کو بھیجیں اس طرح پاکستان کی یہ چال بھی ناکام ہوگئی ہے۔

پاکستان میں نصف سے زیادہ عرصہ تک مارشل لاء کی حکومتیں رہیں اور یہ حکومتیں بظاہر سول حکومتیں نظر آتی تھیں ان پر بھی فوج کا سایہ رہا۔ وہ ہر وقت ''میرے ہم وطن بھائیو!'' کے اعلان کے منتظر رہے کہ ایک حکومت پر قبضہ کرلیا جاتا فوجی حکومت اپنے وطن کو مستقل زون میں تقسیم کرتی رہی اور گلگت کو E زون شمار کرتی رہی۔ آزاد کشمیر کی جوں کی توں حالت رکھنے کے لئے مجبور تھی ورنہ اس کو بھی کوئی فوجی نام دے دیتی لیکن گلگت و بلتستان کو نہ فوجی زون رکھنے کا حق تھا نہ کوئی جواز تھا محض اس کو پاکستان کا علاقہ ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا رہا۔

اسکردو میں ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا۔ تو اس کے افتتاح کے لئے وزیراعظم پاکستان مسٹر جونیجو گئے تھے۔ آزاد کشمیر کے وزیراعظم اور صدر حکومت نے جونیجو کو خط میں مشورہ دیا تھا کہ وہ آزاد کشمیر کے صدر یا وزیراعظم کو وہاں میزبان کے طور پر جانے دیں۔ لیکن انہوں نے اس تقریب میں آزاد کشمیر کے حکّام کو جان بوجھ کر دور رکھا۔ تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ علاقہ پاکستان کا ہے مگر وہ کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ پاک چین معاہدہ ہوا جس میں کشمیر کی سرحد کا جو چین سے ملتی تھی اس کا کچھ حصہ سڑک وغیرہ بنوانے کے لئے چین کو دیا گیا تھا۔ تو چین نے یہ شق رکھوائی تھی کہ یہ علاقہ متنازعہ ہے اور اس کا فیصلہ

ہونے کے بعد دوبارہ معاہدہ کریں گے۔ یہ چین اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدہ تھا۔ شملہ معاہدہ کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے جلسوں میں آزاد کشمیر کو بھی صوبہ بنانے کا اعلان کیا تھا۔ اس بارے میں عوامی رائے عامہ اپنے حق میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ''بچہ بچہ کٹ مرے گا۔ کشمیر صوبہ نہیں بنے گا'' کے فلک شگاف نعروں میں مسٹر بھٹو کو اپنا اعلان واپس لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مسٹر بھٹو بانگ دہل اعلان کرتے رہے کہ کشمیر کی آزادی کے لئے انہیں ایک ہزار سال تک جنگ کرنی پڑے تو وہ لڑتے رہیں گے۔

مسٹر بھٹو مرحوم کے اس عزم، ارادے اور جرأت نے کشمیریوں کو مسٹر بھٹو کا مداح بنا دیا تھا۔ مسٹر بھٹو کے داماد مسٹر زرداری نے گلگت پر گورنر راج قائم کر کے یہ کوشش کی یہ گلگت کو پاکستان کا پانچواں صوبہ قرار دیں لیکن پاکستان اور کشمیر کے عوام نے اسے مسترد کر دیا اور جب ہر طرف تنقید ہونے لگی تو پاکستان کے وزراء نے اپنی اپنی بولیاں بولنا شروع کر دیں۔ کسی نے کہا پیپلز پارٹی نے پاکستان کے رقبہ کو بڑھا دیا ہے کسی نے کہا انہوں نے گلگت کو اس کی اصل شناخت دی ہے۔ کسی نے کہا کہ نصف صدی سے جو گلگت سے ناانصافیاں ہوتی رہیں وہ دور ہو گئیں۔ لیکن ان کے دلائل کو کسی نے قبول نہ کیا۔ گلگت کی شناخت اس وقت چھن گئی جب اس کو اصل نام سے پکارنے کی بجائے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ شناخت چند سالوں تک رہی۔ اور پھر گلگت و بلتستان اپنا صدیوں پرانا نام واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ریاست جموں و کشمیر کا جز و لاینفک ہے یہ ریاست کا شمال مغربی صوبہ ہے اس کا واحد حل آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کو اکٹھا کر کے نئی آئین ساز اسمبلی بنا کر انہیں حقِ خود ارادیت دلانے کی جنگ جاری رکھنا ہوگی تاکہ پھر کشمیر کی وحدت و سالمیت قائم ہو جائے۔

نوکر شاہی نے گلگت و بلتستان کو کشمیر سے کاٹنے کے لئے ایک سازش یہ کی جو سلک روڈ بنائی گئی اُسے گلگت قمری آٹھمقام مظفرآباد کی طرف سے اسلام آباد تک نہ ملایا گیا۔ سب آبادیاں سڑک کے مشرقی جانب واقع ہیں لیکن ایک غیر آباد حصہ سے یہ سڑک گزاری گئی جہاں میلوں تک کوئی قصبہ کوئی آبادی اور گاؤں تک نہیں ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ علاقہ آزاد کشمیر سے دور دراز تک الگ رکھا جائے۔ گلگت کے حق کو کس نے چھینا تھا؟۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں انہیں حق رائے دہی حاصل تھا لیکن حکومت پاکستان نے قبضہ کر کے وہاں کے لوگوں کو حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا۔ یہ شناخت پاکستان نے چھینی تھی۔ پاکستان نے شناخت نہیں دی بلکہ اس کی شناخت مدتوں سے چھین رکھی ہے۔ جو انہوں نے اپنی جدوجہد سے واپس حاصل کی لیکن اس کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکومت نے اسے پاکستان کا صوبہ بنا کر اپنا گورنر قائم کیا تھا جو زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ پاکستان کی اسمبلی نے اس کی توثیق نہیں کی ہے۔

پاکستان کے صدر نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ اس علاقہ کو اپنا علاقہ قرار دیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ واحد واقعہ ہے کہ کسی ملک نے اپنے ملک کے باہر بھی آرڈیننس جاری کرنے کا ایسا حکم دیا ہے۔ آرڈیننس کے ذریعے ملک میں رہنے والوں کو اپنے ہم وطنوں کو قانون کی زد میں لایا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسرے ملک کو اپنا ملک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج بھی چھوٹے چھوٹے ملک موجود ہیں جنہیں بڑی طاقتیں آرڈیننس کے ذریعے اپنے ملک میں شامل کرسکتی ہیں۔

گنگا کیس

پاکستان جوڈیشنل ٹربیونل کے ملزمان

1971ء میں حکومت پاکستان نے ہمارے خلاف ایک جوڈیشنل ٹربیونل قائم کیا تھا۔ جس کے چیئرمین پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس چوہدری یعقوب علی اور اس کے دوسرے ممبر سندھ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس مسٹر عبدالقادر شیخ تھے۔ پولیس نے عدالت میں چالان پیش کیا تھا اور ہمارے ساتھی محمد مقبول بٹ شہید، جی ایم لون مرحوم، میر عبدالمنان مرحوم، میر عبدالقیوم مرحوم، ہاشم قریشی اور اشرف قریشی ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے کئے گئے تھے جبکہ میر ہدایت اللہ مرحوم، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی، مسٹر امان اللہ خان، صوفی محمد زمان، محمد بشیر تبسم، جی ایم میر، ممتاز ہاشمی ایڈووکیٹ، سردار رشید حسرت مرحوم اور محمد عبدالخالق انصاری (راقم) کی غیر حاضری میں اس مقدمہ کی سماعت سال 1973ء تک جاری رہی، اس مقدمہ کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔

یہ اعلیٰ سطح کا ٹربیونل قائم کرنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی تھی کہ سرکاری وکیل مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے حکومت پاکستان (جنرل یحیٰ خان) کو مشورہ دیا تھا کہ ہوائی جہازوں کی عالمی تنظیم (IOTA) جس میں بھارت کی حکومت نے جو دعویٰ دائر کر رکھا ہے وہ فوجی عدالت کے فیصلہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگی۔

حکومتِ پاکستان نے مجبور ہو کر یہ ٹربیونل قائم کیا تھا۔ جنرل یحیٰ خان اور اس کے ساتھی جنرلز نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ہمارے ساتھیوں کے خلاف فوجداری عدالت میں مقدمہ پیش کرکے انہیں سزائے موت دے کر بھارتی واویلا کو ختم کر دیا جائے، فوجی جرنیلوں کے اس ٹولے نے پہلے تمام مرکزی اور اضلاعی رہنماؤں کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرلیا تھا جن کی تعداد چالیس رہنماؤں کے لگ بھگ تھی۔ پھر اس تعداد کو کم کرکے چھ ملزمان کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتے تھے۔

لیکن زندگی و موت کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کوئی فرعون، کوئی نمرود، کوئی ڈکٹیٹر (فوجی ہو یا سول) کسی کو تختہ دار پر نہیں لٹکا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے موت کا وقت اور جگہ بھی مقرر کر رکھی ہے، وقت سے پہلے موت نہیں

آ سکتی۔ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہے ان کے ارادے بدل سکتا ہے۔ اور جب چاہے کہ کسی ڈکٹیٹر کا رہتی دنیا تک منہ کالا رہے وہ اپنے بندے کو اس سے پھانسی دلوا کر تاریخ میں اس کا نام روشن کر سکتا ہے۔ تختہ دار پر کھڑے کر کے ساری دنیا کو اس کا مداح بنا سکتا ہے۔

میدانِ جنگ سے بھاگ کر جان نہیں بچائی جا سکتی، موت اسے اپنی جگہ پر لے جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں خدا کے ازلی دشمنوں سے بچا کر سُرخ رو کر دیا تھا۔ چنانچہ ہمارے اُن چھ کشمیری رہنماؤں کو تو عدالت میں لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے خلاف ہماری غیر حاضری میں سماعت کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نور العارفین کمیشن نے اپنے سیاسی فیصلہ میں یہ لکھا تھا کہ گنگا طیارہ اغوا کرنے والوں کے ساتھیوں کے خلاف بھی تفتیش کی جائے۔

گنگا طیارہ کا اغوا تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے جانبازوں کا ایک ایسا کارنامہ تھا جو ریاست جموں کشمیر کی تاریخ کا انوکھا اور نا قابلِ فراموش واقعہ ہے، بھارت کا طیارہ سرینگر سے دلی جا رہا تھا، یہ طیارہ اڑ کر ابھی تھوڑی دور تک پہنچا تھا کہ طیارے میں دو کشمیری نوجوان بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے طیارے کا رُخ دلی سے لاہور کی طرف موڑنے کے لئے پائیلٹ کو مجبور کر دیا تھا۔ یہ دونوں حریت پسند (ٹین ایجز کے تھے) ان کی عمریں بیس سال سے بھی کم تھیں۔

اشرف قریشی تو اس وقت 16/17 سال کی عمر کے لگ بھگ تھا۔ ہاشم قریشی بھی تھوڑا عرصہ پہلے بارڈر سکیورٹی فورس میں ملازم ہوا تھا، ابھی یہ دونوں نوجوان ناپختہ ذہن کے تھے، لیکن بھارتی سامراج کے خلاف ان کے دلوں میں انتقام کا ایک آتش فشاں اُبل رہا تھا۔ وہ اپنی تاریخ کے ان اوراق کو پلٹ کر واپس لانا چاہتے تھے جبکہ کشمیر ایک شیر تھا اور جس کے بارے میں یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کہ جاگے گا تو نہ سنبھالا جائے گا۔ اب سویا ہوا شیر جاگ اٹھا تھا۔

وہ اپنی بزدلی کے تمام داغ دھبے دھو کر دنیا کو دکھا رہا تھا کہ بھارت جیسے بڑے ملک اور فوجی قوت کا وہ مقابلہ کر سکتا ہے۔ بھارت کا گنگا طیارہ لاہور ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا۔ ہاشم قریشی کے کہنے پر مقبول احمد بٹ شہید اور ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو بلا لیا گیا تھا۔ اس طیارہ کے اغوء ہونے کی خبریں ساری دنیا کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ تمام ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو نشر کیا۔ پورے پاکستان اور آزاد کشمیر میں جشن کا سماں تھا۔

عوام الناس کو لمحہ لمحہ کی خبریں ملتی رہی ہیں اس کا ریکارڈ موجود ہے، میں ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ میں ان واقعات کو سامنے لانا چاہتا ہوں جو پریس کی زینت نہ بن سکے تھے۔ ہائی جیکرز کا ایئرپورٹ پر شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے مطالبات کی فہرست جو ایجنسیوں نے تیار کی تھی وہ بھارت کی حکومت کو بھیج دی گئی، مجھے ڈاکٹر مبشر نے کہا کہ کشمیر سے نوجوان لائے جائیں جو جہاز کا گھیراؤ کر لیں۔

اگر سواریاں چھوڑ دی گئیں تو کوئی مطالبہ بھی نہیں مانا جائے گا۔ ہم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد لے کر لاہور

ائیر پورٹ پر پہنچے تو سواریاں نکل کر ایک ہوٹل میں جا چکی تھیں۔حکومت پاکستان کے مشیروں کو کبھی ایسے واقعہ سے دو چار نہیں ہونا پڑا تھا۔ایئر پورٹ تو چیف سیکرٹری، ایریا کمانڈر اور پولیس کے قبضہ میں تھا۔

ہائی جیکرز کو وہ جس طرح مشورے دیتے تھے وہ ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے۔دونوں طرف مفاہمت کی فضا تھی۔اب خالی جہاز کا معاملہ تھا، اس میں محاذ رائے شماری کے صرف ایک رہنما جی ایم لون مرحوم کی صائب رائے تھی کہ جہاز حکومت پاکستان کے حوالہ کر دیا جائے۔جہاز انشورڈ ہوتے ہیں، بھارت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔لیکن اس کو جلانے سے حکومتِ پاکستان کے لئے ایک مسئلہ بن جائے گا، مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم اور ہم سب کی رائے تھی کہ جہاز کو اس لئے جلا دیا جائے کہ کشمیریوں پر جو یہ الزام بلکہ تہمت ہے کہ وہ بزدل قوم ہے اس پر جو ''تپسی تے ٹھس کرسی'' کی پھبتی کسی جاتی ہے وہ صادق آ جائے گی۔ہمارے کہنے پر نہیں بلکہ حکومت پاکستان کے ان افسروں کے کہنے پر جنہوں نے ایئر پورٹ کا سارا انتظام سنبھال رکھا تھا۔جہاز کو آگ لگا دی گئی تھی۔

ان جانبازوں کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔لاہور، گوجرانوالہ، راولپنڈی، میر پور میں ان کے شاندار استقبال کئے گئے جن کی تفاصیل بھی اس وقت کے اخبارات میں چھپتی رہی ہیں۔حکومت پاکستان نے ان کو سیاسی پناہ دے دی۔وہ ہمارے پاس آ گئے، اور میر پور میں قیام کیا۔مقبول احمد بٹ شہید ان کے ہمراہ رہے۔

ان کے خلاف ٹانڈہ ڈیم کے مقام پر اعلیٰ سطح کا تحقیقاتی کمیشن بیٹھا۔سیاسی پناہ دینے سے پہلے بھی حکومت پاکستان کی تمام ایجنسیوں نے انہیں محبِ وطن اور پاکستان دوست قرار دیا تھا۔''ٹانڈہ ڈیم''انکوائری کے بعد ہی اس کمیشن نے انہیں ''وائٹ'' قرار دیا تھا۔حکومت پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں اور تفتیش کنندگان نے تین الفاظ چن کر رکھے ہوئے ہیں۔ان کے نزدیک جس پر کوئی شک نہ ہو اسے ''سفید'' وائٹ قرار دیتے ہیں۔جو جاسوس یا دشمن ہو یا دشمن کا ایجنٹ ہو وہ اسے بلیک (کالا) قرار دیتے ہیں۔اور جو مشتبہ ہو وہ اسے (Gray) قرار دیتے ہیں۔اور اسے اپنی نگرانی میں رکھتے ہیں، مقبول احمد بٹ شہید کو بھی انہوں نے گوجرہ قلعہ سے رہا کرتے ہوئے (Gray) قرار دیا تھا۔اس کا ذکر کسی دوسری جگہ آیا ہے۔

بھارتی حکومت نے ہوائی جہازوں کی عالمی تنظیم کے ادارہ انصاف میں پاکستان کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا تھا۔پاکستان کے خلاف اقوامِ عالم سے اپیل کی تھی کہ وہ پاکستان پر پابندی لگائے۔اس نے یہ بھی الزام لگایا تھا کہ یہ دہشت گردی ہے اور پاکستان نے طیارہ اغوا کرایا ہے۔طیارے کے اغواء کی سازش پاکستان میں تیار ہوئی۔پاکستان میں اغواء کرنے کی تربیت دی گئی اور پاکستان نے ان دہشت گردوں کو سیاسی پناہ دے کر بھارت کے زیر قبضہ کشمیر میں بدامنی پیدا کر دی ہے۔

بھارت نے پاکستان کو اپنا دشمن قرار دیا اور پاکستان کے جہازوں پر بھارت کی فضا استعمال کرنے پر پابندی لگادی۔ دنیا سے اپیل کی کہ وہ پاکستان پر پابندی لگائے۔ کچھ بڑی طاقتوں نے بھی پاکستان پر زور ڈالا اور ہائی جیکرز کے خلاف سخت قدم اٹھانے کے لئے کہا، پاکستان اس دباؤ کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اوراس نے نورالعارفین کمیشن کو انکوائری کرنے کا حکم دیا۔ نورالعارفین سندھ ہائی کورٹ کے ایک (ر) جج تھے۔ ان کی سربراہی میں ایک اعلیٰ تحقیقاتی کمیشن قائم کردیا گیا تھا۔ اس کمیشن نے مری کے مقام پر تحقیقات شروع کردی تھیں۔

نورالعارفین کمیشن کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی ہم نے محاذ رائے شماری کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس بلایا تھا۔ اس اجلاس میں تمام مرکزی رہنماؤں کے علاوہ دوسرے محاذی ساتھی بھی بلائے گئے تھے۔ میں نے سب ساتھیوں کو اجلاس میں بتایا کہ حکومت پاکستان بڑی طاقتوں کے دباؤ کا مقابلہ نہیں کرسکی ہے۔ اوراب وہ ہمارے خلاف کمیشن سے فیصلہ کرکے ہمیں مقدمہ میں الجھانا چاہتی ہے۔ اور یہ امکان ہے کہ مارشل لاء حکومت ہمیں ہمیشہ کے لئے راستہ سے ہٹادے۔

اس کا نتیجہ کچھ بھی ہوسکتا ہے اس لئے ہمیں اپنی حکمت عملی پر غور کرنا چاہیے، ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم اور مقبول احمد بٹ شہید اوران کے دیگر دو چار ساتھیوں کا میرے ساتھ اتفاق نہ تھا۔ جب ''ٹانڈہ ڈیم'' کے مقام پر انکوائری ہوئی تھی تو انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دوسرے ملکوں اور پاکستانی رہنماؤں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے یہ ایک ''ڈرامہ'' کررہے ہیں۔ ہمارے ان لیڈروں کو پاکستان کے اعلیٰ حکام نے سبز باغ دکھائے تھے۔ انہیں اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔ ان کی آؤ بھگت اور خاطر تواضع مثالی کی گئی تھی اور انکوائری کے نتیجہ نے انہیں اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ اپنے قول کے پکے تھے۔ انہیں محبِ وطن قرار دے دیا گیا تھا۔

بہرحال سراغ رساں ایجنسی کی کڑی نگرانی نے ہمیں شک میں ڈال دیا تھا۔ اب نورالعارفین کمیشن کے قیام پر بھی انہیں ہی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ وہ مشرقی پاکستان کے لیڈروں کے دباؤ کی وجہ سے یہ ڈھونگ رچارہے ہیں اور ساتھ ہی بھارت اور مغربی طاقتوں کو بھی باور کرانا چاہتے ہیں کہ اغواء کے ساتھ پاکستان کی حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ کشمیری حریت پسندوں میں پاکستان کی مدد یا تعاون کے بغیر عمل کیا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم الزام لگارہے تھے کہ مارشل لاء حکومت نے بھٹو شہید مرحوم سے مل کر بھارتی طیارہ اغوا کرایا ہے تاکہ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل نہ کیا جاسکے۔ اوراسے بہانہ بنا کر حکومت پاکستان مارشل لاء کی عمر بڑھانے پر تلی ہوئی ہے اور جمہوریت کے خلاف دانستہ ایسی کارروائیاں کرکے مشرقی پاکستان کو اقتدار منتقل کرنا نہیں چاہتی ہے۔ عوامی لیگ مشرقی پاکستان میں الیکشن جیت کر تمام سیاسی جماعتوں کو ہرا چکی تھی۔ ادھر مغربی پاکستان میں بھی ایک مرحلے پر یہ کہا گیا تھا کہ طیارہ کا اغواء عوامی لیگ کی سازش تھی جس نے بھارت کے ساتھ مل کر بھارت کی بی ایس ایف کے ملازم ہاشم قریشی سے اغوا کرایا تھا اوراس طرح فوجی قیادت اسے اگر

تلہ سازش کا حصہ قرار دیتی تھی۔ہم محاذ رائے شماری والے ہر طرف سے کٹ چکے تھے۔

جنرل یحییٰ خان ہمارے سیاسی نظریات کے دشمن تھے۔ آزاد کشمیر حکومت کے صدر محمد عبدالقیوم خان تھے، انہوں نے پہلے تو اغوا کو کشمیری مجاہدین آزادی کا کارنامہ قرار دیا تھا۔ وہ اس اغواء کی کارروائی کے سہرے کو اپنے سر باندھنا چاہتے تھے،لیکن پاکستان کے صحافیوں اور دیگر ذرائع ابلاغ نے جب ان پر الجاہد فورس کی نسبت سوالات کی بوچھاڑ کر دی اوران سے اس نام پر جمع شدہ چندہ کا حساب مانگنا شروع کر دیا تو وہ سیخ پا ہو گئے اور جب ہمارے گوریلا مجاہدوں نے ان پر تنقید شروع کی تو وہ بپھر گئے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ نورالعارفین کمیشن کی رپورٹ آئی جسے اخبارات نے صفحہ اوّل پر جلی حروف میں شائع کیا تھا کہ ’’بھارتی طیارہ کا اغوا بھارتی سازش ہے‘‘۔

محمد عبدالقیوم خان اس دن کے انتظار میں تھے۔ دونوں ملکوں کے صدور اپنے لاؤ لشکر سمیت ہمارے خلاف صف آراء ہو گئے تھے۔ان کی فوج، پولیس اور خفیہ ایجنسیاں سب نے مل کر ہمارے خلاف جھوٹے گواہ، جھوٹی فرد ضبطیاں، جھوٹے ریکارڈ جمع کرنے شروع کر دیئے تھے۔ان کے وکلاء، ان کے مشیر، اور ان کے سفیر سب نے مل کر کہانیاں گھڑنی شروع کر دی تھیں، جھوٹ پھر جھوٹ ہے آخر اس کا بنایا ہوا جال تار تار ہو کر رہ جاتا ہے۔اس کا ذکر آگے آئے گا۔

نورالعارفین کمیشن کے قیام سے قبل ہمارے مرکزی رہنماؤں کی پھر میٹنگ ہوئی، وہ تقریباً سب کام چھوڑ کر میرپور آئے ہوئے تھے اور ہمارا کورم پورا ہوتا تھا، ہم نے ہواؤں میں سازش کی بو سونگھ لی تھی، ہاشم و اشرف قریشی بھی خفیہ اداروں کی کڑی نگرانی میں ہمارے پاس موجود تھے۔مولانا عبدالعزیز جلالی مرحوم کے حکومت پاکستان کے مرکزی فوجی اور سول اداروں کے ’’بڑوں‘‘ کے ساتھ رابطے تھے۔انہیں یہ خبر مل چکی تھی کہ حکومت اپنی خفت مٹانے اور بڑی طاقتوں کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے ان جانبازوں کو قربانی کا بکرا بنانے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔

مرحوم کے قبائلی علاقوں اور افغانستان کے اندر پٹھانوں کے ساتھ رابطے تھے وہ ان جانبازوں کو پاکستان سے نکال کر افغانستان پہنچانا چاہتے تھے۔ وہ اُن پہاڑوں کی غاروں میں لے جا کر انہیں دُنیا کی نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتے تھے۔ جہاں پاکستان، افغانستان اور بھارت مل کر بھی انہیں تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ کچھ مدت کے بعد وہ ایک نیا کارنامہ سرانجام دے کر رات کے اندھیروں کو روشنی میں بدلیں گے۔ سورج کی طرح طلوع ہوں گے۔ وہ خود گوریلہ جنگ کے حامی تھے، ان کا جذبہ قابل قدر تھا۔ وہ بڑے بہادر اور شاہین صفت انسان تھے وہ صرف ایک جامع مسجد کے خطیب ہی نہ تھے بلکہ ایک نامور مجاہد اسلام بھی تھے۔

انہوں نے مارشل لاء حکومت سے ٹکر لے کر ہری پور جیل میں قید با مشقت کاٹی تھی، میرے ساتھ ان کا یہی ایک رشتہ تھا کہ ہم دونوں بنی نوع انسان کو غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ سرمایہ داری نظام کے خلاف تھے۔عدل و مساوات

کے حامیوں میں سے تھے۔ وہ ہماری تحریک سے بہت متاثر تھے۔ وہ تو ہمارے ممبر بن کر گوریلا کارروائیوں میں شمولیت بھی اختیار کرنے کو تیار تھے لیکن میں نے مرکزی رہنماؤں کو اپنے اعتماد میں لے کر ان کے مشورے کی نسبت پوچھا تو وہ سب میرے ساتھ متفق تھے کہ ہمیں مقدمات کا سامنا کرنا چاہیے۔

ان سے فرار لوگوں کے ذہنوں میں شکوک پیدا کر دے گا اور یہ شک ہماری تحریک کے لئے نقصان دِہ ہوگا پاکستان کے عوام کو ہم اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ پاکستانی عوام کے علاوہ دنیا بھر میں ہمیں کسی کی حمایت حاصل نہ تھی۔ ہم اصل حامی و مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہو تو بڑے بڑے جابر، ظالم اور خودسر حکمران ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ہم نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور کوشش کی کہ وہ ہم سے کسی طرح بدگماں نہ ہوں۔ میں یہاں ضمناً درج کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا مرحوم نے ہماری اس وقت بھی مدد کی تھی جب ہمارے مرکزی رہنما مسٹر اعجاز ملک ایڈووکیٹ آف کوٹلی نے ایک مرزائی کو قتل کر دیا تھا۔ اور جب ان کے خلاف مقدمہ بنایا گیا تو انہوں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے ہمیں پاکستان کے دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر سے سارٹیفیکیٹ حاصل کر کے دیا تھا کہ ملک اعجاز ایڈووکیٹ ذہنی طور پر بیمار ہیں۔ اس بنیاد پر ان کی ضمانت کروائی تھی۔

مرزائیوں کی پوری جماعت ان کے خلاف سرگرم تھی، لیکن مسٹر جسٹس مجید ملک نے کسی کا دباؤ قبول کئے بغیر ملزم کو ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ مرحوم گوریلا سرگرمیوں میں مصروف تھے ان کے ساتھ مقبول بٹ شہید بھی موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوئے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اور دونوں کو مضروبی حالت میں ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ دونوں بچ گئے تھے، مرحوم نے ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد کوٹلی کے مرزائی کو قتل کر دیا تھا۔ وہ مرزائیوں کا مبلغ بھی تھا۔ مولانا عبدالعزیز جلالی مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

ہمارے دوستوں نے مقدمہ لڑنے کی تیاری کر لی تھی، اور ہائی جیکرز کو میرے سپرد کیا گیا تا کہ انہیں عدالت میں پیش ہونے اور بیان قلمبند کروانے کا طریقہ سمجھایا جائے۔ ہاشم قریشی ایک بہادر اور جانثار ضرور تھا لیکن ناپختہ ذہن کا مالک تھا۔ وہ سیاسی طور پر بھی مستقل مزاج نہ تھا۔ اس کی عمر بھی کم تھی، وہ دنیا کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھا، نہ اس کو کبھی عدالتوں سے واسطہ پڑا تھا، نہ وہ کبھی پولیس کے ہتھے چڑھا تھا، نہ اس نے سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا تھا۔

وہ موت سے کھیل سکتا تھا۔ لیکن دار و رسن کی طرف جاتے ہوئے راستوں کے کانٹوں سے ناآشنا تھا، اب جبکہ اس نے برصغیر کی تاریخ میں بالعموم اور کشمیر کی تاریخ میں بالخصوص ایک ایسا سنہری کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ اس کے استقبال کے لئے سارا پاکستان اور آزاد کشمیر امڈ کر باہر آ گیا تھا، وہ سب اپنے ہیروز کا استقبال کرنے نکل آئے تھے۔ استقبالیہ نعروں

کی گونج، پھول کی پتیوں کی خوشبو، ڈھول کی تھاپ اور گولوں کی گرج نے اس کو مسحور کر رکھا تھا۔

اسے خواب میں بھی نعروں کی آوازیں آتی تھیں، وہ آسمان کی بلندیوں سے جہاز کو نیچے اتارنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن اب وہ خود آسمان کی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا۔ اسے جنرل یحیٰ خان ہو یا سردار محمد عبدالقیوم خان، نورالعارفین کمیشن کا جج ہو یا سفیر سب حقیر نظر آتے تھے۔ وہ میرے پاس بیٹھ کر جب اغواء کی کہانی سنانے لگا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا تو میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ میری کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

وہ اس اغواء کو فلمی دنیا میں لے جا چکا تھا، مبالغہ آمیزی کی بھی ایک حد ہوتی ہے جسے انسان کچھ وقت کے لئے قبول کر سکتا ہے لیکن پریوں کے دیس کے افسانے کب تک سنے جا سکتے ہیں۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ آسمانوں میں اُڑ رہا ہے اس کی باتوں کی تصدیق کے لئے مقبوضہ کشمیر میں پاکستان ایجنسی کے لوگ موجود ہیں اگر وہ غلط ثابت ہوئیں تو اس کا عذاب ساری جماعت پر آئے گا لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔

اور میں نے میر ہدایت اللہ مرحوم، میر برادران اور جی ایم لون مرحوم اور دیگر ساتھیوں کو جو اس میدان کے شہ سوار تھے بتا دیا تھا کہ ہاشم قریشی کا رویہ مناسب نہیں ہے۔ البتہ اشرف قریشی ہمارے ساتھ تعاون کرتا رہا۔ سب ساتھی آنے والے وقت کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ نورالعارفین کمیشن کے قیام کے اعلان کے بعد 'مری' کے مقام پر انکوائری شروع ہوگئی۔ ہمارے انتہائی مخلص، ایثار پیشہ اور تجربہ کار بزرگ ساتھی میر ہدایت اللہ مرحوم بھی مری پہنچ گئے تھے۔ ان کے اصرار پر مجھے بھی وہاں جانا پڑا تھا۔ میں اس لئے انکار کر رہا تھا کہ یہ انکوائری خفیہ ہو رہی ہے نہ ہمیں کمیشن کے اجلاس کے موقع پر کارروائی سننے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی ہم ان گواہان کی مدد کے قابل ہوں گے اس لئے وہاں جانے کا فائدہ نہیں ہوگا۔

جب ہاشم قریشی، اشرف قریشی، مقبول احمد بٹ شہید اور فاروق حیدر مرحوم میری یا کسی اور کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے تو وہاں ہم جا کر اپنا وقت کیوں ضائع کریں؟ ہم دوستوں نے ان گواہان ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ انکوائری کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا، لیکن ان کا اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ مخالف سیاست دانوں کے مطالبہ کی خاطر یہ ایک ڈرامہ رچایا گیا ہے۔ حکمران طبقہ صرف اپنے سیاستدانوں کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا ان کی اس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اخبارات میں بڑی طاقتوں کی طرف سے اس اغواء کو دہشت گردی قرار دے کر اس میں پاکستان کو ملوث کیا جا رہا تھا۔ اور اب پاکستان کے حکمران اپنے دامن کو داغدار ہونے سے بچانے کی خاطر یہ کوڑا کرکٹ کشمیری قوم پر پھینکنے والے تھے۔

ہیروز کو زیرو بنانے کی یہ ایک انتہائی گھٹیا سازش تھی۔ انکوائری کے دوران ان ہائی جیکرز کے ساتھ وی آئی پی جیسا سلوک کیا جا رہا تھا۔ ہاشم قریشی کے ہر مطالبہ کو مانا جاتا رہا تھا۔ وہ کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر گلیوں میں پھر رہا تھا کبھی

گاڑی لے کر سیر کر رہا ہے۔ بڑے بڑے آفیسر چپراسی اور قلی بن کر ان کی خدمت کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی شناخت کو چھپا رکھا تھا اور یہ بات میں نے ان کو بتا دی تھی لیکن ان کا دماغ اس وقت اونچی فضاؤں میں تھا اور وہ ہماری کسی بات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کا قصور نہیں ہے۔

وہ ابھی دور بین نگاہ نہ رکھتے تھے۔ انہیں آزادی کا جذبہ موت سے بے خوف کر چکا تھا۔ ان کے اس جذبہ کو ہم قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے درگزر سے کام لیتے تھے۔ میں نے ہاشم قریشی کو بتایا تھا کہ کمیشن کے ممبران اور کمیشن کا چیئرمین پاکستان کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خاص طور پر عدالت میں پیش ہونے کے آداب بھی سکھائے تھے۔ لیکن وہ سنی اَن سنی کر رہا تھا اور ہمیں اس وقت کھٹکا پیدا ہوا جب اس نے شہادت دیتے ہوئے کرسی اٹھا کر چیئرمین کمیشن کو مارنے کی کوشش کی تھی ہاشم قریشی کسی سوال پر آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اپنا غصہ اس پر اتارنا چاہتا تھا، کمیشن کے ایک ممبر نے کرسی پکڑ کر اسے بچایا تھا، انصاف کی تو ہمیں پہلے بھی توقع نہ تھی لیکن جج کو جب غصہ دلایا جائے تو وہ اپنا غصہ قلم کے ذریعہ نکالتا ہے۔ جج بھی ایک انسان ہوتا ہے اور خال خال ایسے جج گزرے ہیں جنہوں نے غصہ کی حالت میں بینچ پر بیٹھنے سے انکار کر دیا ہو۔ تاکہ فیصلہ غیر جانبدار جج کر سکے۔ میں نے ہاشم قریشی کو بہت سمجھایا تھا کہ انہیں مری کے کوہساروں میں سب سے اونچی کوٹھی میں بطور شاہی مہمان رکھا گیا ہے اور اس کے اشاروں پر بڑے بڑے بیوروکریٹ چپراسی اور خانساماں کی وردی پہن کر اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ لیکن کل آنے والے دن سے اسے ڈرنا چاہیے جب اسے تاریک سیل میں ڈال کر وہ حساب لیں گے۔

لیکن صوبہ پنجاب کے چیف سیکرٹری نے جو ایک پرانا کشمیری تھا اور دوسرے لوگوں نے اسے یقین دلا رکھا تھا کہ کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو بتایا گیا تھا کہ وہ اس پستول کو آگ لگا کر راکھ بنا دے۔ ورنہ کمیشن اسی پستول کو تمہارے خلاف استعمال کرے گا۔ کیونکہ وہ کھلونا پستول تھا اور وہ اپنے فیصلہ میں لکھیں گے کہ اس پستول نما کھلونے سے جہاز کیسے اغوا کیا جا سکتا ہے؟۔ یہ ٹھیک ہے کہ جہازوں کے اغواء کی تاریخ میں یہ ثبوت ملتا ہے کہ ایک پنسل کے ساتھ بھی پائیلٹ کو جہاز کا رُخ موڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

لیکن عوام میں اس رپورٹ سے جو غلط تاثر پیدا ہوگا اسے دور کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم اس کھلونا پستول کو مری سے راولپنڈی جا کر لے آئے تھے۔ مسٹر مقبول احمد بٹ شہید کو بھی مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گوریلوں کی تعداد سے لاعلمی کا اظہار کریں اور یہ بات صحیح بھی تھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کی تعداد کتنی ہے، لیکن انہوں نے بھی 4/5 آدمیوں پر مشتمل افراد کا ذکر کیا تھا۔

ہمیں یہ یقین تھا کہ جب کمیشن کو پتہ چلے گا کہ یہ صرف دو چار آدمی ہیں اور جب حکومت کو بھی یہ پتہ چلے گا کہ

ان کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے تو فوجی جنتا کے لئے یہ آسان ہو جائے گا کہ وہ حکم دے دے کہ ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے، اس سے انہیں کسی قیامت کے ٹوٹنے کا ڈر نہیں ہوگا۔لیکن انہوں نے بھی اپنی ''خودساختہ'' رائے پر عمل کیا، ہم انہیں بچانے کی فکر میں تھے اور وہ ہم سب کو بچانے کے لئے یہ خطرہ مول لے رہے تھے مجھے یاد ہے کہ ایجنسی کے نمائندوں نے ہمارے چند مرکزی ساتھیوں کے ساتھ رابطہ کر کے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ ان ہائی جیکرز کے ساتھ لاتعلقی کا اظہار کریں تو سب قیدو بند کی صعوبتوں سے بچ جائیں گے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہیں علم ہے کہ محاذ رائے شماری کا اس مہم جوئی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم نے اس مسئلہ پر رائے لینے کے لئے محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔اس وقت سب ممبران موجود تھے۔اکثر اجلاس میرپور میں میری رہائش گاہ یا صوفی محمد زمان مرحوم یا محمد بشیر تبسّم کی رہائش گاہ پر ہی ہوتے تھے۔اجلاس میں اس پر غور کیا گیا تھا ہماری یہ رائے تھی کہ اگر محاذ رائے شماری نے لاتعلقی کا اعلان کیا تو حکومت کے لئے ہمارے گوریلا ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکانے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔اور اگر ہم نے اپنا تعلق ظاہر کیا تو ہم سب کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔اور ہمیں بھی طویل قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔لیکن ہم کو اپنے ساتھیوں کی جانیں بچانے کے لئے یہ خطرہ مول لینا ہوگا جو ہم نے لیا تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری بھی ہے کہ یہ سچ تھا کہ محاذ رائے شماری کے چند احباب کو طیارہ اغواء کرنے کے فیصلہ کا علم تھا باقی لوگ تو اسی طرح بے خبر تھے جس طرح دوسرے پاکستانی اور کشمیری تھے۔لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم نے مسٹر مقبول احمد بٹ شہید کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ گوریلا کارروائیاں جاری رکھ سکتے ہیں۔

اس طرح ہم اصولاً بے تعلق بھی نہ تھے اوپر جو ذکر آیا ہے کہ یہ رہنما ہماری کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھے وہ اس لئے تھا کہ ہم ان کو بچانا چاہتے تھے اور انہیں ہماری فکر تھی۔وہ ہم سب کی خیر خواہی چاہتے تھے ہماری تکلیف انہیں برداشت نہ تھی، اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد پاس ہوئی تھی کہ محاذ ان گوریلا کارروائیوں کے حق میں تھا۔

لاہور ائیرپورٹ پر ہزاروں، لاکھوں انسانوں نے دیکھا تھا کہ مسٹر بھٹو غالباً مشرقی پاکستان سے آتے ہوئے اترے تھے، اس وقت گنگا طیارہ اور اس طیارہ کے اغوا کنندگان ایئرپورٹ پر موجود تھے وہ طیارہ کے اغواء کی خبریں پہلے پڑھ چکے تھے وہ طیارہ سے اترتے ہی ہاشم قریشی اور اشرف قریشی سے ملے تھے۔اور انہیں اس کارنامہ پر دادِ تحسین پیش کی تھی۔باپ اپنے بچوں سے پیار کرتا ہے اور یہ دونوں بچے تھے۔

ان کو دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی تھی مجھے یہ علم نہیں ہے کہ وہ دونوں سے ملے تھے یا صرف ہاشم قریشی سے ہی مل سکے تھے۔کیونکہ اشرف قریشی تو جہاز کے اندر ہی تھا۔البتہ پاکستان کے اس عظیم قائد کے ساتھ ان کی اس ملاقات کو بھی اتنا

اچھالا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کی منتخب قیادت کو یقین ہو گیا تھا کہ بھارت طیارے کے اغواء کی سازش میں بھٹو شہید شامل تھے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اتفاقی ملاقات ہوئی تھی۔

بھٹو شہید یا ان کی پارٹی کے کسی لیڈر کا اس اغواء میں کوئی ہاتھ نہ تھا۔ پاکستان میں یہ انقلابیوں کی ایک جماعت تھی اس لئے وہ گوریلا جنگ کرنے والے کشمیری مجاہدوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ البتہ اس ملاقات نے شیخ مجیب الرحمٰن جیسے منجھے ہوئے سیاست دان کو بھی شبہ میں ڈال دیا تھا۔ بھٹو شہید اور جنرل یحیٰی خان ایک دوسرے سے تعاون بھی کر رہے تھے اس لئے اس نے یہ سمجھا تھا کہ جنرل یحیٰی خان (فوجی جنتا) اور بھٹو شہید نے یہ مل کر پلان بنایا تھا کہ بھارتی طیارہ اغوا کرا کر پاکستان اور بھارت کے تعلقات کشیدہ کر دیئے جائیں۔ اور ملک میں بدامنی کو جواز بنا کر مارشل لاء کو جاری رکھا جائے اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کو اقتدار منتقل نہ کیا جائے۔

شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم نے اغواء کی تحقیقات کے لئے اعلیٰ سطح کا کمیشن قائم کر کے اس سے انکوائری کرانے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ افواجِ پاکستان کے چند جرنل جن کے سیاسی عزائم تھے وہ اسے شیخ مجیب الرحمٰن اور بھارت کی سازش قرار دے رہے تھے ایسی صورت میں کمیشن کے قیام کا حکومت پاکستان کے پاس جواز موجود تھا۔

بھارتی حکومت نے بھی واویلا شروع کر رکھا تھا اور وہ دنیا کی رائے عامہ اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے تمام سفارتی ذرائع استعمال کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ دنیا کی بڑی طاقتوں نے بھی پاکستان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے پاس نہ مالی وسائل موجود تھے اور نہ ہی افرادی قوت حاصل تھی۔ اس لئے ہم مشرقی پاکستان جا کر وہاں کی قیادت سے مل سکے تھے۔ نہ ہی دونوں طرف کے پاکستانی رہنماؤں سے رابطہ قائم کر سکے تھے۔ حکومت پاکستان کی نااہلی کا ثبوت موجود تھا انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس موقع پر فوری طور پر امان اللہ خان جو محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما تھے اور گوریلا سرگرمیوں کے حق میں تھے۔

جس کا حکومت پاکستان کو علم تھا اور اس نے کئی بار ہمیں نوٹس دے دے کر انتباہ کیا تھا کہ وہ کشمیریوں کی گوریلا کارروائیوں کو پسند نہیں کرتی ہے اور ہمیں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ہمارے باز نہ آنے پر ہمارے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے اس وقت مسٹر امان اللہ خان گلگت جیل میں محبوس تھے۔ انہیں رہا کر دیتی تو پاکستان کو دنیا کے سامنے رُسوا نہ ہونا پڑتا، ساری دنیا کے پریس نمائندگان لاہور ایئرپورٹ پر پہنچ چکے تھے۔

وہ لمحہ لمحہ کی خبریں اپنے اپنے ملکوں کے ذرائع ابلاغ کو پہنچا رہے تھے۔ وہ ایسے سوال کرتے تھے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اس اغواء میں پاکستان کی حکومت مغربی پاکستان کے رہنماؤں (خاص طور پر پیپلز پارٹی) کا ہاتھ تھا اور وہ الگ الگ یا دونوں مل کر اس کارروائی میں شریک تھے تا کہ عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہ کرنا پڑے اور گڑھ بڑھ کی صورت میں

مارشل لاء کا جواز باقی رہے تاکہ جنرل یحییٰ خان اور اس کا ٹولہ برسر اقتدار رہے۔ انٹرنیشنل پریس کے نمائندوں نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کشمیری آزادی چاہتے ہیں اور دونوں ملکوں سے آزاد رہنا چاہتے ہیں تو وہ صرف بھارت کے خلاف کیوں گوریلا جنگ کر رہے ہیں وہ پاکستان کے خلاف کیوں جنگ نہیں کرتے۔ اگر بھارتی مقبوضہ کشمیر میں قید حریت پسندوں کی رہائی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے تو گلگت میں قید مسٹر امان اللہ خان کی رہائی کا مطالبہ کیوں نہیں کیا گیا؟۔

میں نے انہیں جواب دیا تھا کہ بھارت کے خلاف اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ وہ ہمارے حق خودارادیت سے منحرف ہو گیا ہے۔ بھارت نے اقوامِ عالم کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ وہ کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت دے گا جس کا اقوامِ متحدہ کی قراردادوں میں ذکر موجود ہے۔ اب اس نے ہمارے اس پیدائشی حق سے انحراف کیا ہے۔

لیکن پاکستان ہمارے اس حق کو آج بھی تسلیم کرتا ہے۔ یہ بنیادی فرق ہے جس نے ہمیں پاکستان کے خلاف مسلح جدوجہد سے باز رکھا ہوا ہے۔ ہم دیگر پرامن ذرائع پاکستان کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ تقریروں، جلسوں، جلوسوں، کتابچوں اور میمورنڈم کی صورت میں اپنا حق مانگتے رہتے ہیں۔

جہاں تک مسٹر امان اللہ خان کی قید و بند کا تعلق ہے وہ ہمارے جلسے جلوسوں اور تقریروں کی بناء پر حکومت نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہ ہمارا ایک طرح کا گھریلو مسئلہ ہے۔ یہ بغیر مسلح جدوجہد کے بھی حل ہو جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم جہاں اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے وہاں پاکستان کی ہمدردیوں کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لئے اپنی آواز بلند کرتا چلا آتا ہے۔ اس لئے ہم پاکستان کی رسوائی کے حق میں نہ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اندرون خانہ پاکستان بھی اپنی راہوں پر چل رہا ہے۔ جس پر نصف صدی سے بھارت چلتا آ رہا ہے اور پاکستان نے بھارت کے ان تمام اقدامات کی مذمت کی ہے جواب وہ خود اٹھا رہا ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں گورنر راج قائم ہوا تو پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں اس کے خلاف احتجاج کیا۔

لیکن آج اس نے خود گلگت پر براہِ راست قبضہ کر لیا ہے۔ مسٹر امان اللہ خان کا ذکر ہو رہا تھا ان کے گلگت جیل میں ہونے کی وجہ سے ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ طیارہ کے اغواء کے وقت ان کی موجودگی بہت سی مشکلیں آسان کر سکتی تھی، وہ دوڑ دھوپ کر سکتے تھے، لیکن انہیں اس وقت رہا نہ کیا گیا تھا۔

ان کا کوئی قصور نہ تھا، وہ اپنی جنم بھومی میں گئے تھے، لیکن پاکستان کے حکمران ہماری تحریک سے بیخ پا تھے۔ ہمیں گلگت میں مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد نہیں کرنے دیتے تھے۔ مسٹر امان اللہ خان بھی ہمارے ساتھ ہی گلگت سے جلاوطن کئے گئے تھے، میں فوجی عدالت کی دی ہوئی سزا کاٹ کر رہا ہو چکا تھا۔ اور ابھی رہا ہوئے چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ طیارہ لاہور کے ایئرپورٹ پر پہنچا دیا گیا تھا۔ مسٹر امان اللہ خان بار بار گلگت جا رہے تھے ہمارے ساتھی حکومت کی اس پالیسی کے خلاف

تھے کہ آزاد کشمیر کے عوام اور سیاسی کارکن گلگت میں نہ جانے دیئے جائیں۔ کیونکہ وہ ایک حساس علاقہ ہے۔ دراصل گلگت کے لوگوں کو آزاد کشمیر سے الگ رکھنے کی یہ ایک بھونڈی سازش تھی۔

حکمران طبقہ نہیں چاہتا تھا کہ گلگت کے لوگ سیاسی طور پر بیدار ہوں انہیں ڈر تھا اور اب بھی ہے کہ گلگت کے لوگ وحدت کشمیر کے لئے جدوجہد شروع کر دیں گے اور اس طرح یہ علاقہ جو قیمتی دھاتوں اور یورینیم کی کانوں سے بھرا ہوا تھا جس کی جنگی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس کے محل وقوع کے اعتبار سے جو اس کی حیثیت ہے اس سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جاسکتی ہیں۔ یہاں کے بہادر اور غیور لوگوں کی عظمت رفتہ سے بھی انکار ممکن نہیں ہے۔

انہیں غلام بنانے کی ترکیبیں سوچی جارہی تھیں۔ لیکن یہ سب سازشیں، ترکیبیں، دھوکے اور فریب کی چالیں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ جناب مقبول احمد بٹ شہید کو بھی اپنے وطن کے اس حصہ سے جلاوطن کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر کسی دوسری جگہ ملے گا۔

میں نے اوپر کشمیر کی پہچان جناب مقبول احمد بٹ شہید کا ذکر کیا ہے ان پر یہ تنقید نہ سمجھی جائے، وہ جانتے تھے کہ آزادی کی نعمت خون کے دریا میں تیر کر ہی ملتی ہے۔ آگ کے شعلوں میں کود کر ہی اسے گل وگلزار بنایا جاسکتا ہے۔ جو اس کے لئے تیار نہیں ہوتے انہیں ساحل کی سوغات ہی ہاتھ آتی ہے جو خار وخس وخاک ہے۔

محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارہ
دریا میں موتی اے موجِ بے باک
ساحل کی سوغات خوار و خس و خاک

دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کے نمائندگان نے پہنچنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت صحافیوں کی ایک جماعت ایئرپورٹ پر موجود تھی۔ وہ کشمیر کی تحریک آزادی کی نسبت ہر کشمیری سے سوال کرتے تھے لیکن ایک ہی جواب ملتا تھا کہ کشمیری آزادی چاہتے ہیں۔ وہ کسی ملک سے الحاق کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے لئے یہ جواب حیران کن تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان نے الحاق کے حق میں اتنا پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ دنیا یہ یقین کر رہی تھی کہ حق خود ارادیت سے مراد جنوبی ایشیاء میں الحاق کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ محمد عبدالقیوم خان تو پبلک جلسوں میں یہ کہتے رہتے تھے کہ حق خود ارادیت بامعنی الحاقِ پاکستان کشمیری قوم کا نصب العین ہے۔

جب صحافیوں کو میرے بارے میں علم ہوا کہ میں ایئرپورٹ پر موجود ہوں تو وہ میرے پاس پہنچ گئے تھے جب انہوں نے یہ سوال کیا کہ کشمیری کیا چاہتے ہیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ کشمیری آزادی و خودمختاری چاہتے ہیں۔ وہ اقوامِ

متحدہ میں حق خود ارادیت کے جو معنی لئے جاتے ہیں اور انگریزی زبان میں جو اس کا معنی ہے انہی معنوں میں یہ حق منوانا چاہتے ہیں۔ حق خود ارادیت نہ محدود ہو سکتا ہے اور نہ ہی مشروط۔

یہ کیسی آزادی ہے کہ کسی قوم کو یہ حق دیا جائے کہ وہ دو ملکوں میں سے کسی ایک کی غلامی کو قبول کر لے ہم کسی ملک کے غلام بننے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم اسی طرح آزاد ریاست کے قیام کے حق میں ہیں جس طرح یورپ اور امریکہ آزاد ہے ہم ایک کی غلامی سے نکل کر دوسرے کی غلامی یا دونوں کی غلامی کی لعنت قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

البتہ بھارت و پاکستان دونوں ہمارے ہمسایہ مما لک ہیں ہم ان کے ساتھ ایک آزاد پڑوسی ملک کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم قومی آزادی وخودمختاری کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور دنیا کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ صرف یہ دو ملک ہی ہمارے پڑوسی نہیں ہیں۔ بلکہ افغانستان، روس (اُس وقت روس ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوا تھا) اور چین بھی ہمارے پڑوس میں واقع ہیں۔ کشمیر کی سرحد تو دور دور تک شمال میں چین سے ملتی ہے۔ مغرب میں وافان کے ساتھ روس (اب تاجکستان) اور افغانستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ ہم سب پڑوسی ملکوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کے خواہش مند ہیں۔ مسئلہ کشمیر کو پاک و بھارت کے ساتھ کیوں جوڑا جا رہا ہے؟۔

اصل میں برطانیہ جو ایک وقت میں سپر پاور تھا اس نے پاکستان و بھارت (برصغیر ہند) کو اپنے زیر قبضہ رکھا ہوا تھا۔ اور شمال میں ریاست جموں و کشمیر بھی اس کے قبضہ میں تھی۔ اگر چہ یہ نیم خودمختار ریاست تھی، لیکن اس کا اقتدار اعلیٰ برطانوی حکومت کے پاس تھا۔ برطانیہ کے جانے کے بعد دونوں ملکوں نے فوجی طاقت سے اس ریاست پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور وہ اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس قبضہ سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔

انہوں نے اپنے اپنے قبضہ کے جواز کے لئے سیز فائر لائن کے دونوں طرف کچھ کشمیریوں کو خرید رکھا ہے۔ دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے حواریوں کو وظیفے، کوٹھیاں، بنگلے، مربعے، وزارتیں، صدارتیں، عہدے اور بڑے بڑے مناصب پر فائز کر رکھا ہے۔ اور وہ اپنے آقاؤں کی زبان بولتے ہیں۔

کشمیر سے آج فوجیں ہٹالی جائیں یہ لوگ بھی خودمختار کشمیر کی حمایت کرنے کو تیار ملیں گے۔ کوئی بھی انسان بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا۔ معاشی مجبوریوں نے انسان کو غلامی کا پٹہ گردنوں میں ڈالنے کے لئے سرنگوں کر رکھا ہے۔ صحافیوں کے طویل انٹرویوز، اخبارات میں چھپتے رہے۔ پاکستان کا حکمران طبقہ ہمارے محاذی ساتھیوں سے ناراض تھا۔ البتہ سیاسی رہنماؤں کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ تھیں۔ لیکن وہ مارشل لاء کی وجہ سے بے بس تھے۔ نور العارفین کمیشن کی رپورٹ کے بعد حالات بدل گئے۔

پاکستان میں کبھی ایسا وقت نہیں آیا کہ وہاں امن وامان ہو۔ حکومت عوام کے ہاتھوں میں ہو، کسان و مزدور سکھی

رہتے ہوں، پنڈت جواہر لعل نے ایک موقع پر یہ پھبتی کسی تھی کہ اس نے اتنے پاجامے نہیں بدلے جتنی پاکستان میں حکومتیں بدلی ہیں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو نے یہ اس وقت کہا تھا جب دنیا کے بڑے بڑے لیڈروں نے ان پر زور ڈالا تھا کہ وہ پاک بھارت تنازعات مل بیٹھ کر حل کر لیں، انہوں نے کہا تھا کہ وہ پاکستان کے کس لیڈر سے بات کریں۔ اس وقت بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور شہید ملت لیاقت علی وفات پا چکے تھے، ان کی وفات کے بعد تو کسی سول حکومت کو کام کرنے نہیں دیا گیا۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے جمہوری ملک کے نمائندہ رہنما ملاقات کرنا بھی قومی و ملکی توہین کے مترادف سمجھتے تھے۔ پاکستان میں جنرل یحییٰ خان نے ون یونٹ توڑ کر ''ایک آدمی ایک ووٹ'' کے اصول کے مطابق الیکشن کرائے تھے۔ اس کی نیت کیا تھی، وہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ لیکن بعد کے حالات نے بتا دیا تھا کہ اس کے پاس جو رپورٹیں تھیں ان کی بناء پر اسے یقین تھا کہ پاکستان کی مختلف سیاسی جماعتیں الیکشن میں حصہ لے رہی ہیں۔ اور کوئی جماعت بھی اتنی تعداد میں جیت کر نہ آ سکے گی کہ وہ حکومت بنا سکے۔ اس لئے لامحالہ اسے (جنرل یحییٰ خان کو) صدر منتخب کر لیا جائے گا۔

انتخابات منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور شفاف ہوئے تھے۔ پہلی بار پاکستان کا نام روشن ہوا تھا۔ اور جنرل یحییٰ خان کو دنیا بھر سے خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا تھا۔ لیکن نتائج حیران کن تھے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی تھی، شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اکیلے حکومت بنا سکتی تھی۔ اسے کسی دوسری پارٹی کی حمایت کی ضرورت نہ تھی۔ اب قانونی، سیاسی اور اخلاقی تقاضے یہ تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو حکومت بنانے کی دعوت دی جاتی۔

وہ پانچ نکاتی ایجنڈا لے کر میدان میں اترے تھے اس وقت مولانا بھاشانی نے مغربی پاکستان میں ایک بڑے جلسے میں خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اب پانچ نکاتی پروگرام کی ضرورت نہیں رہی ہے اب صرف ایک نکاتی ایجنڈے پر الیکشن لڑا جائے، جلاؤ اور گھیراؤ کی تحریک پر زور دے رہے تھے۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ حکمرانوں کو قریب سے دیکھ چکے ہیں وہ کبھی مشرقی پاکستان کو حکومت بنانے کا حق نہیں دیں گے۔ انتخابات کے دوران بھی امن رہا لوگوں نے بڑے سکون و اطمینان سے بے خوف اور بے خطر ہو کر ووٹ ڈالے اور انتخابات مکمل ہو گئے۔ گنگا طیارہ جب اتارا گیا تھا تو اس وقت تک فضا میں زیادہ ہلچل نہ تھی۔

اگر جنرل یحییٰ خان اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد کر دیتے تو پاکستان کبھی نہیں ٹوٹ سکتا تھا، لیکن انہوں نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ بھٹو اور مجیب الرحمٰن کو آپس میں لڑا دیا۔ نیشنل اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا گیا۔ اور نہ اس منتخب اسمبلی کو حق دیا گیا کہ وہ اپنا لیڈر چن سکے۔ بلکہ ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا ہے کہ اس نے ڈھاکہ میں ان دونوں لیڈروں کو بلایا اور قوم کو یہ بتایا کہ وہ ان کے درمیان صلح کرانا چاہتا ہے۔

جنرل یحییٰ خان کے بارے میں یہ سب باتیں ذرائع ابلاغ نے نشر کی تھیں اور اندر کی باتیں بھی کتابوں میں چھپ چکی ہیں۔ جنرل یحییٰ خان کے پاس جب دونوں لیڈر بیٹھے اور ان کے درمیان تلخ کلامی ہوئی اور اس کے بقول جب ہاتھا پائی کی نوبت آئی تو اس نے دونوں کو کہا کہ وہ شام کو ملیں گے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مجیب الرحمٰن نے جنرل یحییٰ خان کی اس خواہش (تجویز) کے بارے میں کہا تھا کہ وہ اپنے ساتھی رہنماؤں سے پوچھے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ جنرل یحییٰ خان کو صدر قبول کرلیں۔ جنرل یحییٰ خان سے یہ بات منسوب بھی اخبارات اور کتابوں میں چھپ چکی ہے کہ جب اس نے دونوں کو جانے کی اجازت دی اور میٹنگ برخواست کی تھی تو وہ دونوں باہر نکل گئے۔ جنرل یحییٰ خان کھڑکی کے پاس پردے کی اوٹ میں دیکھ رہے تھے کہ وہ علیحدہ ہوتے وقت آپس میں گلے ملے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔

جنرل یحییٰ خان نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ دونوں اس کو صدر بنانے کے مسئلہ پر اس کا اس کی بیٹھ کے پیچھے مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس نے اپنا اقتدار جاتے دیکھا تو مارشل لاء لگا دیا۔ اب پاکستان کو نئے بحران کا سامنا کرنا ______ پڑا جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست ٹوٹ گئی ______ !۔

پاکستان دولخت ہوگیا۔ وہ لوگ ابھی زندہ ہیں جن کی قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجہ میں پاکستان وجود میں آیا تھا۔ ربع صدی سے بھی پہلے یہ ملک بٹ گیا۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا ملک ہے کہ جس میں اکثریت (بنگلہ دیشی) اقلیت (مغربی پاکستان) سے اپنا حق مانگتی رہی جو انہیں نہیں دیا گیا۔ مسلم لیگ، علامہ اقبال کے خواب کو پورا نہ کرسکی۔ وہ مشرق ومغرب میں مسلم صوبوں کی اکثریت کی بنا پر ہندوستان کی الگ الگ ریاستیں چاہتے تھے۔

مگر اس کے برعکس پنجاب تقسیم کیا گیا، بنگال تقسیم ہوا۔ صوبہ آسام کا صرف ایک ضلع چٹا گانگ لے کر مسلم لیگ کی قیادت راضی ہوگئی یہ پاکستان تو قرارداد لاہور کی روشنی میں بھی نامکمل تھا۔ مگر لنگڑے لولے پاکستان کو بھی باقی نہ رہنے دیا گیا۔ اب نہ یہ علامہ اقبال کا پاکستان تھا نہ قائداعظم کا، بلکہ جنرل یحییٰ خان کا پاکستان ہے جو بھٹو شہید کے حصے میں آیا تھا۔ جنرل یحییٰ خان کا کیا حال ہوا؟ وہ عبرت کا نشان بنا۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

نورالعارفین کمیشن کی رپورٹ اخبارات میں چھپنے کے بعد ہم سب ساتھیوں نے پاکستان کے رہنماؤں کے ساتھ رابطے کرنے شروع کر دیئے تھے ہم پاکستان کے عالمی شہرت کے حامل قانون دان اور بھٹو دور کے وزیر قانون میاں محمود علی قصوری سے ملنے کے لئے لاہور گئے تھے۔ میں نے اس مسئلہ پر ان سے مشورہ لیا اور انہیں اس خبر کے خلاف بیان دینے کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ہمارے تردیدی بیان کا انتظار کر رہے ہیں اس کے چھپ جانے کے بعد وہ اپنے تاثرات قوم کو بتا سکتے ہیں۔

جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ پاکستان پریس کو حکومت کی طرف سے ایڈوائس جاری کر دی گئی ہے کہ وہ کمیشن کی

رپورٹ کے سلسلہ میں کوءخبر، کوئی بیان کوئی ردّعمل شائع نہ کریں ہم نے کوشش کی ہے کہ ہمارا بیان چھاپا جائے لیکن پریس نے انکار کردیا ہے۔ ایسی حالت میں ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ آپ جو قومی سطح کے رہنما ہیں ان سے مشورہ کرلیا جائے۔ پیپلز پارٹی کا ترجمان اخبار مساوات بھی بند ہو چکا تھا۔ پریس کو بھی ضبط کرلیا گیا تھا۔ اس وقت لیڈرز اور کارکن چُھپتے پھرتے تھے۔ گرفتاریاں جاری تھیں۔

ہم لاہور سے بے نیل ومرام واپس آرہے تھے کہ جب گوجرانوالہ پہنچے تو وہاں ایک بھیڑ دیکھی جو کشمیریوں کو گالیاں دے رہی تھی۔ انہوں نے اخبارات ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ غالبًا جنگ اخبار تھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ بھارت کا جاسوس ڈاکٹر فاروق حیدر گرفتار کرلیا گیا ہے۔ گوجرانوالہ میں ہائی جیکرز کا شاندار استقبال ہوا تھا۔ لوگوں نے پھول ہی نہیں دِل بھی نچھاور کردیئے تھے۔ ہماری تقریروں کو انہوں نے بڑے غور اور خاموشی سے سنا تھا اور وہ نعرے لگا لگا کر ہمیں یقین دلا رہے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

اور ان کے بچے بھی کشمیریوں کی آزادی کے لئے جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ ایسی جذباتی اور محبت کرنے والی قوم کو یہ خبر ایسے لگی جیسے ان پر بجلی گری ہو۔ وہ اس وقت اتنے جذباتی تھے کہ ہمیں خطرہ پیدا ہوا تھا کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں۔ لیکن میں نے اس خطرے کے باوجود جب انہیں بتایا کہ یہ خبر ہندوستان کے پروپیگنڈہ کے جواب میں شائع ہوئی ہے اور جب سب میرے اردگرد اکٹھے ہوگئے تو میں نے انہیں کہا کہ ''فوٹو'' کو دیکھ لیں۔

حکومت نے فوٹو اور خبر لگوائی ہے کہ ڈاکٹر فاروق حیدر کو ان کے گھر/کلینک سے گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اور میں آپ کے درمیان کھڑا ہوں اور وہ فوٹو میرا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا تو سب اچھل پڑے اور ان کی خوشی دیکھ کر ہم وہاں سے نکل آئے۔ میرے ساتھ میرے ساتھی چوہدری شہباز خان مرحوم تھے۔ جو ہمارے مرکزی رہنما تھے۔

میں نے انہیں کہا کہ وہ جلدی گھر پہنچیں تاکہ میں گھر والوں کو تسلی دے کر جیل کی تیاری کرسکوں۔ پولیس نے سب کو گرفتار کرنا تھا ''جنگ'' اخبار والوں کے پاس میرا فوٹو ہوا ہوگا انہوں نے غلطی سے لگا دیا ہوگا لیکن ہمیں تو علم ہوگیا تھا کہ کمیشن کی رپورٹ کے بعد ہم سب کو گرفتار ضرور کیا جائے گا۔ میں لاہور آنے سے پہلے گھر بتا کر آیا تھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ میں ہی گرفتار کرلیا جاؤں۔ لیکن گھر واپس پہنچ گیا تھا۔

27 اپریل 1971ء کو آندھی چلی، حکومت نے ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت کراچی سے لے کر پشاور تک اور میرپور سے لے کر گلگت تک محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنماؤں اور چیدہ چیدہ کارکنوں کے گھروں پر آدھی رات کے قریب چھاپے مار کر گرفتار کرنے کا ''حکم شاہی'' جاری کردیا تھا۔ پولیس کی ایک بھاری جمعیت نے میرے گھر کا گھیراؤ کرلیا۔ مکان کے سامنے سڑک پر، صحن میں، مکان کی چھت پر پولیس کے مسلح نوجوان آکر کھڑے ہوگئے۔

قابل احترام شیخ محمد ظہیر الدین سابق صدر آل انڈیا مومن کانفرنس اور پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کے سینئر وائس چیئر مین میرے والد نسبتی میرے کمرے میں آئے اور انہوں نے بتایا کہ پولیس کے افسران دروازہ پر کھڑے ہیں اور دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔ میں اُٹھ کر دروازہ پر گیا اور دروازہ کھول کر انہیں کمرہ میں بٹھایا۔

میں نے تیاری کے لئے آدھ گھنٹہ تک انہیں انتظار کرنے کے لئے کہا وہ گھر کی تلاشی بھی لینا چاہتے تھے۔ میں نے اپنی بیگم کو ایک کمرہ میں الگ بٹھا دیا اور پولیس نے تلاشی شروع کر دی تھی۔ پولیس افسروں نے میری لائبریری کی ایک ایک کتاب، بستروں کے ٹرنک، کپڑوں، کرسیوں اور باتھ رومز کے علاوہ چھت پر چڑھ کر ٹینکی غرضیکہ ہر چیز کی تلاشی لی۔ جو چیز انہیں قابل اعتراض ملی وہ انہوں نے اکٹھی کر لی۔

میری کتابیں میرے نجی خطوط، اخبارات کے تراشے جو فائلوں میں محفوظ تھے وہ سب چیزیں اکٹھی کر لی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک ایک خط پڑھا۔ چھاپہ مار پارٹی کے ساتھ راجہ ممتاز خان انسپکٹر پولیس بھی موجود تھی۔ پولیس کے افسران اور ماتحت عملہ میرے جانے پہچانے لوگ تھے۔ انہوں نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا اور حکومت پاکستان کی اس پالیسی کے خلاف غم وغصہ کا بھی اظہار کیا۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارا سیاسی کردار کیسا تھا۔ انہیں دو خطوط ایسے ملے جو بظاہر قابل اعتراض، قابل گرفت اور قابل تعزیر تھے۔

راجہ ممتاز خان مرحوم نے وہ خط مجھے پڑھنے کے لئے دیئے اور میں نے پڑھ کر مسکراتے ہوئے انہیں واپس کر دیئے تھے۔ مجھے ان خطوط میں کوئی قابل گرفت یا قابل تعزیر چیز نظر نہ آئی تھی۔ مگر وہ خطوط تفتیش کے دوران ایک مدت تک معمّہ بنے رہے۔ میں نے ایک بیگ جس میں ترجمان القرآن اور چند کتابیں اور کپڑے رکھے تھے ساتھ لئے اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ میرے والد نسبتی قابل صد احترام نے پولیس کو کہا کہ وہ ضبط شدہ اشیاء کی فہرست مرتب کر کے ہمارے حوالہ کریں۔ تو پولیس نے کہا کہ صبح ہو گئی ہے اور امن عامہ کا خطرہ ہے۔ تھانہ جا کر فہرست بنا کر دی جائے گی۔ ضبط شدہ اشیاء میں بڑی قیمتی دستاویزات اور تاریخی نوعیت کے خطوط بھی موجود تھے۔

پولیس نے نہ ہی کوئی فہرست مرتب کی تھی اور نہ ہی منضبط اشیاء عدالت میں پیش کی تھیں۔ کوئی چیز بھی مجھے واپس نہ کی گئی تھی۔ اس وقت تھانہ میں اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس (کرائمنر) کا خصوصی عملہ تھا جن کے حوالہ ضبط شدہ اشیاء کی گئی تھیں۔ چھاپہ مار پارٹی کا صرف یہ کام تھا کہ وہ ریکارڈ ضبط کر کے اور مجھے گرفتار کر کے تھانہ پہنچا دیں۔ باقی کام اے آئی جی کرائمنر کے ذمہ تھا۔ جو پاکستان پولیس کی ہدایات کے مطابق عمل کر رہے تھے۔

جو دو خطوط ملے تھے ان میں ایک خط پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی اور دوسرا عارف کمال کا تھا۔ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی ہمارے محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما تھے اور مجھے دلائی جیل میں جا کر پتہ چلا تھا کہ وہ محاذ رائے شماری کے خفیہ

عسکری بازو قومی محاذ آزادی کے کمانڈروں میں سے ایک تھے۔ ہمیں تو محاذ کے دو اور مرکزی رہنماؤں ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ مرحوم اور محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کے بارے میں بھی اس وقت علم ہوا تھا کہ وہ قومی محاذ آزادی کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے جب ان سے جیل میں ملاقات ہوئی تھی۔

وہ دِن رات ہمارے پاس ہوتے تھے، لیکن انہوں نے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ عسکری تنظیم کا حصہ ہیں۔ یہ راز تو ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے فاش کر دیا تھا۔ ہم جیل میں حیران تھے کہ انہیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ وہ تو گنگا طیارہ کے اغواء میں شامل نہ تھے۔ وہ تو سیاسی رہنما تھے جو پُرامن جدوجہد کے حق میں تھے۔ لیکن جب پردہ اٹھا تو اس وقت پتہ چلا تھا کہ وہ عسکری بازو کے اہم ستون تھے۔

اور اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد تھیں۔ ممتاز احمد ہاشمی مرحوم ایک گرانقدر قومی سرمایہ تھے۔ ان کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ میں اپنی گرفتاری کا ذکر کر رہا تھا جب پولیس مجھے گاڑی میں بٹھا کر تھانہ کی طرف روانہ ہوئی تو میرے بیٹے صحن کی دیوار کی ساتھ کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ پولیس نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔

ایک طرف حکومت ہمیں پھانسی دینے کے پروگرام بنا رہی تھی اور دوسری طرف ہمارے گھر کے بچے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ میرے گھر کئی بار پولیس آئی اس نے تلاشیاں لی تھیں وہ مجھے گرفتار کر کے بھی لے جاتی رہی ہے اور یہ تماشا بچے دیکھتے چلے آتے تھے اس لئے وہ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں حکومت اور حکومت کی پولیس کا کوئی ڈر اور خوف نہیں رہا تھا۔ وہ میری گرفتاری جیل اور دوری کو ہنسی خوشی برداشت کرتے رہے۔ میں تحریک آزادی سے گہری وابستگی کی وجہ سے بھی ان کی تربیت کا فرض کماحقہ ادا نہ کر سکا۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باشعور، فرض شناس، محنتی اور خوددار ہیں۔

گرفتاری کے بعد مجھے دولائی ٹارچر سیل میں لے جا کر بند کر دیا گیا تھا ایک سال کی نظر بندی کے بعد 27 اپریل 1972ء کو رہائی ملی تھی۔ اور میں باہر آ کر اپنے ساتھیوں کے مقدمہ کی پیروی میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ جوڈیشنل ٹربیونل کے سامنے پیش ہو رہے تھے ان کی رہائی تک اسی تگ و دو میں مصروف رہا۔

حکومت پاکستان نے یہ سوچ رکھا تا کہ وہ ہمارے ساتھیوں کو فوجی عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتہ کے اندر اندر انہیں سزائے موت کا فیصلہ دلوا کر فائرنگ سکواڈ کے آگے کھڑے کر کے گولیوں سے اُڑا دے گی۔ لیکن خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا تھا اور بڑی طاقتیں بھی اس کی حمایت کر رہی تھیں۔ اس وقت حکومت پاکستان کے قانونی مشیر مسٹر شریف الدین پیرزادہ تھے۔

انہوں نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ وہ جوڈیشنل ٹربیونل قائم کرے۔ فوجی عدالت کا فیصلہ آئی او ٹی اے (ہوائی

جہازوں کی عالمی عدالت)اسے تسلیم نہیں کرے گی۔اور پاکستان کی بدنامی ہوگی۔ پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں شامل ملکوں کے سربراہوں کوایک خط لکھ کر یہ ظاہر کیا تھا کہ بھارتی طیارہ کا اغواءایک بھارتی سازش تھی۔ بھارت نے اپنے بی ایس ایف کے ایک ملازم ہاشم قریشی سے یہ طیارہ خود اغواء کرایا تھا۔اور دوسرا ہائی جیکر اشرف قریشی بھی بھارتی باشندہ ہے۔ جو ہاشم قریشی کا رشتہ دار ہے۔ بھارت نے پاکستان توڑنے کی یہ سازش کی ہے۔

اب پیرزادہ شریف الدین کا قانونی مشورہ ایسا تھا جسے جرنلوں کے گروہ کوتسلیم کرنا پڑا۔خط کا مضمون کیا تھا اس کا علم ہمیں نہیں ہوسکتا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کا نفس مضمون باہر آتا گیا۔اس کے بارے میں پاکستانی عوام کو پتہ چلتا رہا۔ قابل احترام شیخ محمد ظہیر الدین مرحوم بھٹو شہید کے قریبی بزرگوں اور ساتھیوں میں سے تھے پارٹی کے سینئر رہنما تھے۔انہیں جب جنرل یحیٰ خان کے اس شیطانی منصوبہ کا علم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کے پاس آئے ، میں اس وقت سنٹرل جیل مظفرآباد یادولائی ٹارچر سیل میں تھا۔

جناب شیخ صاحب مرحوم نے اپنی بیٹی (جو میری بیگم ہے) کو کہا کہ وہ درخواست پر دستخط کردے وہ رحم کی اپیل تھی ، حفظ ماتقدم کے طور پر وہ درخواست تیار کررہے تھے۔ادھر جنرل یحیٰ خان بھی فوجی عدالت میں ہم سب کو کھڑا کرکے سزادلوا کر اپنا شیطانی کردارادا کرنے میں جلدی کررہے تھے۔شیخ صاحب مرحوم ومغفور بھی بڑے بہادر تھے۔اوران کی بیٹی بھی بہادر ثابت ہوئی۔ باپ کو اپنی بیٹی کی حالت پر ترس آرہا تھا۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے تھے اوران کا کوئی کفیل نہیں ہوسکتا تھا۔ میرے پھانسی پر لٹک جانے کے بعد انہیں اپنی بیٹی اورنواسوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا ہمارے پاس کوئی جائیداد کوئی مال ودولت نہ تھی۔ہم نے جو کمایا تھا اسے کھالیا تھا یاتحریک آزادی کے سلسلہ میں خرچ کردیا تھا۔ ہمارے بھائی ہی ہماری مدد کرتے رہے تھے۔

مجھے تو کبھی اس طرح کا خطرہ پیدا نہ ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ سب کا رازق ہے یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کھلائے ، وہ کھلاتا آرہا ہے۔ یہاں مجھے حضرت مسیح مقدس علیہ السلام کا قول یاد آگیا جو انہوں نے اپنے حواریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’’کیا تم نے ہوا میں اڑنے والے پرندوں کونہیں دیکھا کہ وہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں، نہ ذخیرہ کرتے ہیں وہ صبح کو جاگ کر اپنے آشیانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام تک سیر ہوکر واپس آکر سو جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ جو پرندوں جیسی کمزور ترین مخلوق کو کھلاتا ہے کیا وہ اپنی اعلیٰ ترین مخلوق کونہیں کھلائے گا؟ اگر تمہیں لباس کی ضرورت ہے تو تم نے جنگل میں سوسن کے درختوں کو دیکھا ہوگا اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ پوشاک پہنائی ہے۔ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو شاہی شان وشوکت کے باوجود حاصل نہ ہوسکی۔ وہ جو درختوں تک کو پوشاک پہناتا ہے کیا وہ تمہیں تن ڈھانپنے کو لباس نہیں پہنائے گا۔وہ (اللہ تعالیٰ) تم کو دے گا،تم اس کے ہو جاؤ، وہ تمہیں سب کچھ دے گا‘‘۔

شیخ صاحب مرحوم بھی ان نظریات کے ماننے والے تھے، انہیں خدا کی ذات پر پورا یقین تھا لیکن اولاد کی محبت میں وہ ایک حیلہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی بہادر بیٹی نے درخواست پر یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتی ہے اور پھر اس نے میرے متعلق کہا کہ ان (راقم) سے پوچھے بغیر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی جو ان کی عظمت کے منافی ہو۔ میری بیگم ایک گھریلو خاتون ہے وہ اسلامی اقدار کی پابند ہے، اس نے ایک ماں کی طرح اپنے سب بچوں کی نگہداشت کی اور انہیں تعلیم دلوائی، وہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ بیٹی نے باپ سے معافی مانگ کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے بعد میں علم ہوا تھا اور میرے لئے یہ باعث افتخار تھا جو خدا سے اجر مانگتا ہے وہ اسے بے حساب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی عاقبت بخیر کرے۔ (آمین)

جوڈیشنل ٹربیونل کی سماعت کے دوران چیئرمین ٹربیونل نے انکشاف کیا تھا کہ حکومت کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر اس لئے لگی تھی کہ وہ پہلے چالیس پچاس آدمیوں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے کا سوچتے رہے سب کے کوائف جاننے کے بعد بالآخر صرف چھ رہنماؤں کو جوڈیشنل ٹربیونل کے پاس پیش کر کے بقیہ کے بارے میں حکومت نے عدالت ہی کو تحقیقات کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ دولائی ٹارچر میں ہم دو ساتھی تھے۔ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب تھے ہمیں الگ الگ رکھا گیا تھا۔ پیرزادہ صاحب کے ہزاروں مرید تھے جن کے سامنے علوی صاحب پر ذہنی، جسمانی اور روحانی تشدد کیا جاتا رہا، ان کے مریدوں کو تاؤبٹ تک سے لایا جاتا تھا۔ اور انہیں ننگا کر کے ان سب کے سامنے بٹھایا جاتا تھا۔ وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔

ان کے چہرے کا ہلدی رنگ سب کے سامنے گواہی دیتا تھا کہ وہ ظلم تشدد کا شکار رہیں۔ ہم اپنے پر کئے گئے مظالم کی داستان نہیں سنانا چاہتے اس سے آنے والی نسلوں کو بھی خوف پیدا ہوگا اور وہ سیاست کی وادی میں قدم رکھنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ حالانکہ سیاست عبادت ہے۔ جاگیرداروں، کارخانے داروں، وڈیروں، پیروں، چودھریوں اور سرداروں نے سیاست کو تجارت بنالیا ہے۔ اور وہ اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنے تمام اخراجات معہ منافع وصول کرتے چلے آتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک ترقی نہیں کر سکا۔ قوم خوشحال نہ ہو سکی، ملکی دفاع کمزور ہو گیا، اندرون و بیرون ملک دشمنوں نے اسے تر نوالہ سمجھ رکھا ہے۔ ہمارے ساتھی تو عبادت کی غرض سے اس پرخار وادی میں کودے تھے ہمیں اپنی جانوں سے ملک وقوم کی آزادی عزیز تھی اور اب بھی ہے۔

ہمارے اس مقدمہ کے دوران ہمیں آزاد کشمیر کا کوئی راہنما دولائی جیل ملنے نہیں آیا۔ لیکن تقریباً 3 ماہ کے بعد میرا بھتیجا محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ مظفرآباد ہائی کورٹ میں 491 ض ف کی درخواست دائر کرنے آیا اور ساتھ میرپور ہی سے محترم آغا عاشق حسین ایڈووکیٹ کو بھی ساتھ لایا تاکہ وہ اس کی پیروی کریں۔ آغا صاحب محترم آزاد کشمیر کے بہت

بڑے قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دانشور ایک مفکر کی حیثیت رکھتے تھے۔

ایک طرف وہ ملنسار شخصیت تھے دوسری طرف وطن کشمیر کی آزادی کی تڑپ بھی ان کے اندر موجود تھی۔ اس موقعہ پر محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ نے بڑی کوششوں کے بعد پہلی ملاقات کرنے کی اجازت لے لی۔ وہ اپنے ساتھ آغا عاشق حسین، جی ایم میر، یوسف زرگر اور چوہدری نور حسین صاحب کو ساتھ لے کر ملاقات کے لئے آئے۔

میں پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب کی نسبت سے ان کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں علوی صاحب کے دورانِ تفتیش بیان ہوتے رہے۔ مجھے ڈر تھا کہ ان سے اقبالِ جرم نہ کرالیا گیا ہو، میں نے چوہدری نور حسین صاحب اور دوسرے ساتھیوں کے سامنے انہیں بٹھا کر ان کی حالت دکھائی۔ انسپکٹر پولیس سر پر کھڑا تھا، میں نے پولیس تشدد کی داستان سنائی اور اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ عدالت میں مقدمہ چلائے جانے کی صورت میں تشدد کی نسبت چوہدری نور حسین صاحب اور دوسرے ساتھیوں کو بطور گواہ صفائی پیش کرسکیں گے۔

لیکن علوی صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ اور انسپکٹر پولیس نے علوی صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا کبھی ہم نے تشدد کیا ہے تو وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے انہیں پکڑ کر جھٹکا دیا کہ وہ منہ کھولیں اور بات کریں۔ لیکن وہ پھر بھی خاموش رہے۔ چوہدری نور حسین صاحب اور دوسرے دوستوں نے خود بھی بڑی بہادری، جرأت اور دلیری سے جیلیں کاٹی ہیں۔ چوہدری نور حسین اس کے خلاف بھی گھناؤنے الزام لگتے رہے ہیں۔

وہ ان کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ ان کے گلے قریب شہ رگ سے معمولی سی ہٹ کر پھنسی ہوئی پستول کی گولی کا سکہ اس کا زندہ ثبوت موجود ہے۔ یہ واحد کشمیری لیڈر ہیں، جنہیں حکومت نے راستہ سے ہٹانے کے لئے غنڈے سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی، زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ جنرل یحییٰ خان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرتا رہا، یہ اس وقت کی بات لکھ رہا ہوں کہ علوی صاحب پر ابھی تشدد کا سلسلہ جاری تھا، تفتیش مکمل نہ ہوئی تھی ہماری کوئی مدد کرنے والا نہ تھا۔

لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر اس کی رحمتوں کا نزول ہونا شروع ہوا۔ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی پر تشدد جاری تھا ہم اس کے خلاف ٹارچر سیل میں کوئی احتجاج کرنے کے بھی قابل نہ تھے، نہ ہمارے پاس کوئی پولیس افسر یا حکومت کا کوئی نمائندہ آتا تھا۔ ہم دنیا سے بے خبر تھے اور دنیا ہم سے بے خبر تھی، ہمیں کوئی دوست، کوئی رشتہ دار، کوئی پارٹی کا کارکن مل نہیں سکتا تھا۔ ہماری صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی فریاد سن سکتی تھی۔ اور اس نے اس طرح سنی کہ دولائی میں تعینات ایک کانسٹیبل سے لے کر انسپکٹر پولیس تک سب کے سب پیرزادہ صاحب کے مرید بن گئے۔ اور معافیاں مانگتے رہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ انسپکٹر پولیس یا محکمہ پولیس کا کوئی افسر ایک باورچی خادم لائے تھے اسے اچانک دورہ پڑا اور دولائی کی ساری پولیس

اس کے اردگرد اکٹھی ہوگئی۔ وہ دورہ کی حالت میں ایسی حرکتیں کرتا تھا کہ تمام پولیس یہ سمجھ رہی تھی کہ اسے کسی جن یا بھوت نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ دو دو چار چار پولیس کے نوجوان مل کر اس کو پکڑتے تھے اور وہ سب پر بھاری ثابت ہوتا تھا۔

وہ کسی کے قابو میں نہیں آرہا تھا وہ سب خوف زدہ ہو چکے تھے۔ انسپکٹر پولیس دوڑتے ہوئے میرے پاس آیا اور اس نے یہ قصہ سنایا اور مجھ سے مشورہ کرنے لگا، میں نے سوچا کہ خدا کی غیبی امداد ملنے لگی ہے میں نے اسے کہا کہ پیرزادہ صاحب کے پاس جاؤ، وہ کوئی دم درود کریں گے۔ ان کی پھونکوں سے جن، بھوت، چڑیل بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے انہیں فرضی کہانیاں سنائیں اور انہیں ڈرایا کہ پولیس نے پیرزادہ پر ظلم شروع کر رکھا ہے اور وہ ایک ولی ہے۔

اس کے اشارے سے وہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ پولیس انسپکٹر کو کہا کہ وہ پیرزادہ صاحب کو ساتھ لے جائیں وہ پیرزادہ صاحب کے پاس گئے ہم تو پنجرے میں بند تھے ہر طرف تار لگے ہوئے تھے پیرزادہ صاحب میرے کمرے کے پاس سے گزرے مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ جا کر کیا کریں، میں نے انہیں کہا کہ خدا کی رحمت نازل ہو رہی ہے۔

وہ باہر جا کر سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر پھونک دیں۔ پیرزادہ غلام مصطفیٰ تو پیر تھے ان کے ہزاروں کی تعداد میں مرید تھے۔ لیکن وہ تعویز گنڈے کے زیادہ قائل نہ تھے، وہ ایک شریف انسان، متقی اور پرہیزگار تھے، خدا کی یاد میں مست رہتے تھے۔ کشمیر کی آزادی کے لئے وہ جان دینے کو تیار تھے۔ 1965ء کی جنگ میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ فوج انہیں ہیلی کاپٹر پر اٹھا کر لانا چاہتی تھی لیکن وہ سرحد عبور کر کے آزاد کشمیر میں پیدل چل کر پہنچے تھے، وہ بھارتی حکومت کو مطلوب تھے۔ بھارت ایسے جانبازوں کے وجود کو وادی کشمیر میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

انہوں نے پاکستان کے فوجیوں کی بے لوث خدمت کی تھی، وہ کسی اجر اور معاوضہ کے طالب نہ تھے۔ لیکن وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کے کارندے ان کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کریں گے۔ وہ تو پاکستان اس لئے آئے تھے کہ ان کی مدد سے کشمیر کو آزاد کرائیں گے۔ انہیں یہ علم نہ تھا کہ پاکستان کی گوریلا جنگ جو کشمیریوں کی آزادی کے نام پر لڑی گئی تھی وہ صرف چند جرنیلوں کی مہم جوئی تھی۔ حکومت پاکستان نے نہ ہی کشمیری رہنماؤں سے مشاورت کی تھی۔ نہ انہیں یہ علم ہونے دیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے گوریلاؤں کے نام پر یہ جنگ اس لئے لڑی جا رہی تھی کہ مارشل لاء حکومت کے خلاف پاکستانی عوام کے غیض وغضب کو ٹھنڈا کیا جا سکے۔ چونکہ پاکستان کے الیکشن میں محترمہ فاطمہ جناح کو دھونس، دھاندلی اور غنڈہ گردی سے ہرایا گیا تھا۔ اور لوگ حکومت سے متنفر ہو گئے تھے۔

غالباً اس نفرت کو کم کرنا چاہتے تھے۔ اس منصوبہ سے حکومت پاکستان کی نوکرشاہی (سول اور فوجی) کیا فوائد

حاصل کرنا چاہتی تھی۔ یہ ابھی تک صیغۂ راز میں ہے۔ لیکن کشمیریوں نے بڑے ہی خلوص کے ساتھ پاکستانی فوجیوں کو خوش آمدید کہا تھا اور انہیں پناہ گاہیں مہیا کی تھیں اور گائیڈ بن کر ان کے کام کرتے رہے کوئی فوجی پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی کو ان کی مصیبت کی گھڑی میں کام نہ آیا۔ صرف خدا کی مدد کا بھروسہ تھا جو کام آیا تھا۔

پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب جب ایک ''روحانی معالج'' کی حیثیت سے باہر گئے تو اس وقت انسپکٹر پولیس بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے پہنچ کر اس کے سر پر یا جسم کے کسی حصہ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ نوجوان باورچی خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا تھا۔ پولیس کی ساری نفری نے یہ واقعہ دیکھا اور پیرزادہ صاحب واپس آ گئے اور اپنے کمرہ میں بند ہو گئے۔ پولیس انسپکٹر اپنے باورچی کی چارپائی لے کر تاروں کے اندر چھوٹے سے صحن میں آ گیا۔ وہ نوجوان اندر داخل ہو کر کہنے لگا کہ اب وہ ٹھیک ہے اسے کیوں قید خانے میں ڈالا جا رہا ہے؟ پیرزادہ نے پولیس والوں کو کہا کہ وہ اسے لے جائے وہ دعا کرتے رہیں گے اس کے بعد پیر صاحب کے سب مرید بن گئے تھے اور ان پر جو ذہنی تشدد کیا جاتا تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

حکومت پاکستان نے مشرقی پاکستان میں ملٹری ایکشن شروع کر دیا تھا۔ بھارت نے کشمیر اور مشرقی پاکستان میں جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ کشمیر کے بارڈر کے ساتھ گاؤں کے لوگ بھاگنے شروع ہو گئے تھے۔ پاکستانی فوج اور آزاد کشمیر کے سراغ رساں ادارے مشکوک افراد کو گرفتار کر کے لا رہے تھے۔ حکومت آزاد کشمیر کے پاس انہیں محبوس رکھنے کے لئے کوئی جگہ نہ رہی تھی وہ انہیں دولائی رکھنے پر مجبور تھی۔ اس لئے حکومت نے ہمیں دولائی سے نکال کر سنٹرل جیل مظفر آباد میں منتقل کر دیا تھا۔ ہم کئی ماہ کے بعد اس اذیت ناک ماحول سے نکل کر مظفر آباد پہنچ گئے۔

دوسری طرف ہائی کورٹ میں حبس بے جا کی تاریخ پر محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ اور جی ایم میر صاحب مظفر آباد آئے۔ تاریخ پیشی کے بعد احاطہ کچہری سے ہی ان دونوں رہنماؤں کو گرفتار کر کے دولائی جیل بھیج دیا گیا مقصد سردار عبدالقیوم حکومت کا یہ تھا کہ کوئی پیروی کرنے والا نہ رہے۔ اس کے دو دن بعد میرپور سے محترم صوفی محمد زمان مرحوم اور ممتاز ہاشمی ایڈووکیٹ مرحوم کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں بھی دولائی جیل لایا گیا جہاں یہ تین ماہ مقید رہے اس سارے عرصہ میں ہم ایک دوسرے کی شکل تک نہ دیکھ سکے۔

مظفر آباد منتقل کرتے وقت جب ہمیں گاڑی میں بٹھایا گیا تو اس وقت ہم آپس میں ملے۔ میرا بھتیجا محمد صابر جب مجھے ملا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ ان ظالموں نے مجھے اپنے بیٹے سے بھی ملنے نہیں دیا۔ مظفر آباد جیل میں ہم سب اکٹھے ہو گئے اور کچھ دنوں سے ہمارے مظفر آباد کے ممتاز رہنما جناب محمد یوسف زرگر اور ارشاد بچھ کو بھی گرفتار کر کے جیل میں لایا گیا اس طرح ہم رہائی تک مظفر آباد میں قید رہے۔ جیل جا کر ہمیں ملک کے کچھ حالات معلوم ہوئے۔

ساتھیوں پر شاہی قلعہ لاہور میں جو ظلم ہوئے اس کا پتہ چلا ان کے عدالتی بیانات پڑھ لئے جائیں تو پتہ چلے گا کہ ایمان والوں پر اہل حرم کے ہاتھوں کیا گزری؟۔

ہمارے ساتھیوں نے پاکستان جوڈیشنل ٹربیونل کے پاس تحریری بیانات دیئے تھے۔ان کے بیانات بعد میں شائع کئے گئے تھے۔ ان پر کئے گئے تشدد کی تفصیلات کا اعادہ غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ گوانتا ناموبے میں ''القاعدہ'' کے رہنماؤں پر جو وحشیانہ تشدد کیا گیا جس کی بازگشت ساری دنیا نے سنی۔ان مظالم کے خلاف دنیا میں قائم حقوق انسانی کے تحفظ کی تنظیموں نے جو دہائی ڈالی اور جس پر امریکہ کے صدر براق حسین اوبامہ جنہیں بارک حسین اوبامہ بھی کہا جاتا ہے اس نے بھی ساری دنیا کے سامنے اس تشدد کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ گوانتا ناموبے کے قیدیوں پر تشدد نے امریکہ کے خوبصورت چہرے کو داغدار کر دیا ہے۔ ہمارے ساتھیوں پر ان سے بھی بڑھ کر تشدد کیا گیا تھا۔

''میں کون ہوں''۔''اب منزل دور نہیں''۔''حدیث وفا'' اور'' آتش چنار'' کے عنوانات سے چھپنے والے مقبول بٹ شہید، میر عبدالقیوم مرحوم، میر عبدالمنان مرحوم، جی ایم لون مرحوم کے عدالتی بیانات پڑھ لئے جائیں وہ پاکستان اور کشمیر کے عوام کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔مذکورہ بالا تمام عدالتی بیانات کو کشمیری محقق و مصنف محمد سعید اسعد نے یک جا کر کے'' دیوانوں پہ کیا گزری'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔کشمیر کی نئی نسل کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔آزادی سونے کی طشتری پر رکھ کر نہیں دی جاتی۔ وہ خون کے سمندروں پر تیر کر ملتی ہے۔ یا آگ کے شعلوں میں کود کر حاصل کی جاتی ہے۔

مرد مومن ان تمام آزمائشوں سے گزرتے ہوئے صرف خدا کی مقدس ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی استعانت چاہتا ہے۔اور صبر واستقلال کا مظاہرہ کرتا ہے یہ زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

''دولائی'' میں میرے دونوں منضبطہ خطوط کا ذکر ہوتا رہا۔اور مجھے تفتیش کے لئے لاہور لے جانے کے لئے اطہر علی ڈی آئی جی کی ٹیم کوشش کرتی رہی۔اے آئی جی کرائمز ایک پٹھان تھا۔ دوسرا اے آئی جی (اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل) پولیس عبدالعزیز بھی ایک پاکستانی تھا۔ یہ لینٹ افسران تھے جو آزاد کشمیر میں تعینات تھے۔حکومت آزاد کشمیر کو لینٹ افسروں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔لیکن وزارتِ امورِ کشمیر اپنے افسران آزاد کشمیر میں تعینات کر دیتے ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ حکومت آزاد کشمیر کو یہ لینٹ افسر ہی چلاتے ہیں۔

آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان نے سچ کہا تھا کہ آزاد کشمیر کے عوام چار حکومتوں (چکی کے چار پاٹوں) کے ذریعے زیر حکومت لائے گئے ہیں۔ پاکستان کی مرکزی حکومت، وزارت امورِ کشمیر، اسٹیٹ کونسل اور

حکومت آزاد کشمیر ان پر حکومت کرتی ہے۔ اور آزاد کشمیر حکومت کو بھی لینٹ افسران چلاتے ہیں۔ لوگ لینٹ افسران کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن وہ اس طرزِ حکومت سے نالاں ہیں۔ یہ طریقہ حکومت جمہوری نہ ہے نہ از منہ وسطیٰ کی یاد دلاتا ہے۔ جب انسان کو بدترین غلام بنا کر رکھا جاتا تھا۔ لوگ آزادی مانگتے ہیں وہ غلامی کی کسی شکل کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لینٹ افسرا تنے بااختیار ہیں کہ وہ حکومت کے صدر اور وزیر اعظم کا حکم ماننے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ صدر اور وزیر اعظم انہیں واپس پاکستان بھیجنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے ہیں۔

ان کی مرضی سے ان کے پسند کے افسران بھی نہیں بھیجے جاتے ہیں۔ مجھے اس وقت دو واقعات ایسے یاد آگئے ہیں، جن کا ذکر اخبارات میں بھی آتا رہا ہے۔ پچاس کے عشرہ میں ہمارے ایک ساتھی جو خود مختار کشمیر کے حامی تھے ایک ہفت روزہ اخبار نکالا کرتے تھے۔ اس کے مدیر ثناء اللہ بٹ کسی مقدمہ میں ایک فریق کی حیثیت سے عدالت العالیہ میں پیش ہوتے تھے۔ اس مقدمہ کی سماعت مسٹر جسٹس خان عبدالحمید خان (جو بعد میں چیف جسٹس، صدر حکومت اور وزیر اعظم کے عہدوں پر بھی فائز رہے) کر رہے تھے۔ ثناء اللہ بٹ نے سیکرٹری جنرل کو بطور گواہ عدالت میں طلب کئے جانے کی درخواست دی تھی۔

مسٹر جسٹس خان نے اسے بطور گواہ طلب کیا تھا۔ صحیح نام یاد نہیں رہا۔ غالباً عزیز اللہ حسن تھے۔ ملتا جلتا نام تھا۔ انہیں عدالت کی طرف سے بطور گواہ طلب کئے جانے پر اتنا غصہ آیا تھا کہ اس نے مسٹر جسٹس خان عبدالحمید خان سے عدالت العالیہ کے اختیار چھین کر انہیں کسٹوڈین کے عہدے پر کام کرنے کا حکومتی حکم جاری کرا دیا تھا۔ (عزیز اللہ حسن کے خلاف سنگین الزامات لگائے گئے تھے کہ اس نے لاکھوں روپے ناجائز طریقے سے کمائے تھے، بٹ صاحب نے اخبارات میں اس سکینڈل کو اپنے ہفت روزہ میں شائع کیا تھا اگر وہ عدالت میں پیش ہوتا تو جرح کے دوران اس ناجائز دولت کو چھپانے کے قابل نہ رہتا، ثناء اللہ بٹ کے پاس ثبوت موجود تھے)۔

اگر مسٹر جسٹس خان عبدالحمید خان کو سرحد کے مردِ آہن خان عبدالقیوم خان جو ان کے بھائی تھے کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو عزیز اللہ حسن جو لینٹ افسر تھے انہیں نوکری سے چھٹی کرا دیتے۔ مگر ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو بچالیا تھا۔ مسٹر عزیز اللہ حسن نے مقدمہ سے چھٹکارا پانے کے لئے مسٹر ثناء اللہ بٹ کو جبراً پولیس کے ذریعہ بارڈر کراس کرا دیا تھا۔

وہ سرینگر کے رہنے والے تھے وہ پاکستان سے محبت رکھتے تھے اس لئے آزاد کشمیر میں آکر سکونت اختیار کر چکے تھے۔ لیکن اُن کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا گیا، انہیں ان کے تین ساتھیوں سمیت بارڈر کراس کرایا گیا تھا۔ اس وقت برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کا ایک وفد بھی بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ہی تھا وہ آزاد کشمیر کے دورہ کے بعد مقبوضہ کشمیر گیا تھا،

وہ کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ مظفر آباد کے دورہ کے دوران مسٹر ثناء اللہ بٹ کے وفد نے بھی اس سے ملاقات کی تھی۔ اس وفد نے مسٹر ثناء اللہ بٹ کو پہچان لیا تھا۔

انہوں نے اپنی روداد سنائی اور حکومت آزاد کشمیر کے ظلم کی وہ چلتی پھرتی تصویر تھے۔ برطانوی وفد کو یقین ہو گیا تھا کہ آزاد کشمیر میں ایک ڈمّی حکومت ہے اصل میں پاکستان نے قبضہ جمار کھا ہے۔ اور اپنے افسروں کے ذریعے حکومت کر رہا ہے۔ میں نے لینٹ افسر کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں ''ملک بدر'' کیا تھا۔ ادھر آزاد کشمیر میں بھی احتجاج ہوا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ سردار محمد عبدالقیوم خان جو اس وقت آزاد کشمیر کے صدر تھے انہوں نے لینٹ افسر کو بچانے کے لئے مسٹر ثناء اللہ بٹ کی آزاد کشمیر سے نکالے جانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وفد نے پاکستان کے وزیر اعظم کو یہ قصہ سنایا تھا اور یہ روداد سنانے کے بعد خود واپس برطانیہ چلا گیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ آزاد کشمیر کے صدر کو اسی شکایت کی بناء پر صدارت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ ان واقعات میں یہ بات تو یقین کے ساتھ ہی کہی جا سکتی ہے کہ لینٹ افسر آزاد کشمیر کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

دوسرا واقعہ ہمارے گنگا طیارہ کے اغواء کے مقدمہ کے بعد کا ہے۔ پاکستان کے قمر عالم ڈی آئی جی نے ہمارے ساتھیوں پر قلعہ میں جو ظلم ڈھائے تھے اس نے ہر کشمیری کو غم سے نڈھال کر رکھا تھا۔ آزاد کشمیر میں اس کے خلاف نعرے لگتے رہے کہ ''سر چاہیے، سر چاہیے ——— قمر عالم کا سر چاہیے''۔ اسے جب انسپکٹر جنرل پولیس بنا کر آزاد کشمیر میں بھیجا گیا تو اس وقت کے وزیر اعظم راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے حکومت پاکستان کو کہا تھا کہ آزاد کشمیر میں قمر عالم کے خلاف انتہائی نفرت پائی جاتی ہے اس لئے اس کی جگہ وہ کسی دوسرے پولیس افسر کو بھیجا جائے۔ لیکن وزیر اعظم کی درخواست تسلیم نہ کی گئی تھی۔

اس وقت پاکستان کی حکومت مسٹر راٹھور کے خلاف ہو چکی تھی، یہ سب خبریں پاکستان کے قومی اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم ایک محبّ وطن کشمیری رہنما تھے۔ وہ طالب علمی کے دور میں بھی پولیس کی لاٹھیاں کھاتے رہے۔ جیلوں کے دروازے ان کے لئے کھلتے رہے، بند کئے جاتے رہے اور انہوں نے بڑی بہادری سے جیلوں کی صعوبتوں کو جھیلا تھا، وہ کشمیر کی آزادی و خودمختاری کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔

افسوس کہ ان کی زندگی میں ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری ہے جس کی راہ میں کانٹے بکھیرے جا رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے آخری ایام میں جب ان کی تیمارداری کے لئے اسپتال گیا تو انہوں نے انتہائی افسردہ حالت میں مجھ سے ہم کلام ہوتے ہوئے کہا کہ..................

''جس راہ پر آپ (راقم) نے مجھے ڈالا تھا، وہی سیدھا راستہ تھا، آزادی کا راستہ تھا۔ لیکن افسوس کہ میں (راجہ

ممتاز حسین راٹھور) ثابت قدمی نہ دکھا سکا۔ شہید چوک پر مجھے آزادی وخود مختاری کے حق میں نعرے لگا کر جو قلبی سکون حاصل ہوتا تھا وہ وزارت عظمٰی کی کرسی پر بیٹھ کر حاصل نہ ہو سکا۔ افسوس کہ میری (ممتاز حسین راٹھور مرحوم) وحدت کشمیر اور اس کی خود مختاری کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اور میں زندگی میں اپنے وطن کو آزاد نہ دیکھ سکا''۔

راجہ ممتاز حسین راٹھور ایک ابھرتے ہوئے سیاسی رہنما تھے میں جب کبھی ان کے سرمایہ حیات پر نظر ڈالتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے عزیز ممتاز حسین راٹھور ایک سیاست دان، ایک خطیب اور ایک نڈر رہنما ہی نہ تھے بلکہ وہ وسیع تر سمندر تھے۔ ان کے ساتھی میرے عزیز محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ دولائی میں اکٹھے گرفتار کئے گئے تھے۔ یہ دونوں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما تھے۔ ان کے مکتب سے آج بھی لوگ بہت کچھ سیکھ رہے ہیں۔

ہم نے اکٹھے سفر کیا، اکٹھے جیل میں رہے، اور گنگا طیارہ کے اغواء کے مقدمہ میں مظفر آباد جیل میں تھے تو وہ اس وقت آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر تھے۔ وہ مولانا کوثر نیازی مرحوم کے ساتھ ہمیں ملنے کے لئے جیل میں گئے تھے۔ مرحوم پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ وہ ایسے رہنما تھے کہ انہوں نے آزاد کشمیر میں آزادی کا پرچم بلند کیا۔ اور قوم کو غلامی کی زنجیریں توڑنے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے بیدار کیا، حق گو اور قوم پرستوں کے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

سو راجہ ممتاز حسین نے یہ منزل پالی۔ وہ تھوڑا سا عرصہ حکومت میں ہے جو ان کے لوگوں کی ضرورت تھی۔ یہ اصل راہ سے ہٹ کر ہوا۔ اس عرصہ کو نظر انداز کر دیا جائے ان کی یادیں دل میں ٹھنڈک پیدا کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور نیکیوں کو بھی قبول فرماتے ہوئے خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ یہ دنیا فانی ہے سب کو چھوڑ کر آخر خداوند تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے، انا اللہ و انا الیہ راجعون ☆۔

راجہ ممتاز حسین راٹھور وزیر اعظم لینٹ افسر کو واپس نہ بھیج سکے تھے۔ اور نہ حکومت پاکستان نے ان کی بات مانی تھی۔ لینٹ افسروں کا ذکر چھڑا تھا وہ تفتیش کے دوران مجھ سے تحریری جوابات مانگتے تھے۔ قمر عالم یا اطہر علی جو سوالات بھیجتے تھے میں ان کا جواب تحریری دیا کرتا تھا۔ دونوں افسران میرے جانے پہچانے لوگ تھے۔ جو خط تلاشی کے دوران ان کے ہاتھ میں آیا تھا اس بارے میں پاکستانی ٹیم جو تفتیش کر رہی تھی وہ مجھے لاہور شاہی قلعہ لے جانا چاہتی تھی۔ کچھ قانونی رکاوٹیں ایسی تھیں کہ وہ مجھے لاہور نہیں بھیج سکتے تھے۔

ایک تو میری حبس بے جا کی درخواست عدالت العالیہ کے زیر سماعت تھی۔ دوسرے میری صحت بھی اجازت نہ دیتی تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ میری موت واقع نہ ہو جائے۔ میرا یہ قیاس ہے کہ میں ان کے دلوں کے راز تو نہیں جانتا ہوں میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھے ان جلادوں کے ظلم سے بچا لیا تھا۔ خط زیر بحث میں ان کی کہانی کے لئے ٹھوس مواد موجود تھا۔ وہ طیارہ کے اغواء کو شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کے خلاف اگرتلہ سازش کیس سے جوڑتے

تھے۔ خط میں عارف کمال کا نہ صرف نام تھا بلکہ اس کا خط اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا مجھے ملا تھا۔ اس میں سخت زبان استعمال کی گئی تھی۔

جو مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈروں کے خلاف استعمال کی گئی تھی۔ عارف کمال یا عارف یا کمال کے نام کا ایک شخص وہ بھی تھا جو شیخ مجیب الرحمٰن کا بیٹا تھا، مجھے یہ بتایا گیا تھا میں تو کبھی شیخ مجیب الرحمٰن سے یا اس کے خاندان کے کسی فرد سے کبھی نہ مل سکا تھا۔ اس خط کی جانچ پڑتال کے لئے قمر عالم مغربی پاکستان سے (بنگلہ دیش) مشرقی پاکستان تک جہازوں کے ذریعہ خوب سیر کی تھی۔ وہ بار بار مشرقی پاکستان جاتا رہا۔ آزاد کشمیر کی پولیس جو تفتیش میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھی وہ ہر روز مجھ سے آ کر یہ جاننے کی کوشش کرتی تھی کہ عارف کمال کون ہے؟۔

مجھے دو تین ساتھیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام ذہن میں آتے تھے میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ پولیس طارق مسعود چوہدری سابق سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کے چھوٹے بھائی کو گرفتار کرنا چاہتی ہوگی۔ وہ اس وقت وزرتِ خارجہ میں ایک افسر تھا۔ بعد میں وہ سفیر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوا ہے۔ پولیس نے یہ مقدمہ کشمیری قوم کے خلاف بنایا تھا اور وہ ہر کشمیری کے خلاف زہر اگل رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ملازمت پر کوئی حرف آئے۔

وہ ایک جذباتی نوجوان تھا اور کشمیر کی آزادی کو جزوِ ایمان سمجھتا تھا۔ وہ پاکستان کا دوست تھا لیکن جو شخص کشمیر کی آزادی کی بات کرتا تھا اسے پولیس کے لوگ پاکستان دشمن یقین کرتے تھے، ایک بہادر، محبّ وطن، زیرک اور باشعور سیاسی شخص کو کیسے ان درندوں کے ہاتھ میں دے سکتا تھا۔ میں نے پولیس کو کہا کہ وہ خط دکھا دیں تو میں بتلا دوں گا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟۔ کیسا شخص ہے؟ اس کے کس کے ساتھ روابط ہیں؟۔ اس کا سیاسی پس منظر کیا ہے؟۔

آزاد کشمیر کے لینٹ افسروں نے بھی تفتیشی ٹیم کو یقین دلایا ہوا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے میں (راقم) غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا۔ بالآخر ہماری پولیس کا ڈی ایس پی وہ خط لے کر آ گیا۔ وہ ہمارے بزرگ ساتھی عبدالحمید نظامی مرحوم کا بھتیجا تھا۔ عبدالحمید نظامی مرحوم ریاست کی ایک بلند پایہ علمی و ادبی شخصیت تھی۔ وہ ایک صحافی، ایک ادیب، ایک مؤلف، ایک دانشور، ایک سیاست دان اور ریاست کی آزادی کے لئے سب کچھ قربان کر دینے والے شخص تھے۔

انہیں پاکستان کی محبت جموں سے آزاد کشمیر لے آئی تھی۔ اگر وہ سرحد کے اس پار بھی رہتے تو بلند ترین مقام پا سکتے تھے۔ ایک عالم و فاضل شخص دیانتدار اور فرض شناس ملازم سرکار کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے، انہوں نے زندگی بھر ہمارا ساتھ دیا۔ وہ ڈائریکٹر محکمہ ابریشم کے عہدے سے ریٹائیرڈ ہوئے تھے۔ اور ''دورِ جدید'' کے مالک وایڈیٹر تھے۔ مرحوم نے پنڈت پریم ناتھ بزاز کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ وہ کسان مزدور کانفرنس کے رہنما بھی تھے اور اس حیثیت سے ایک وفد کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے مختلف ممالک کا دورہ کیا تھا۔ حکومت پاکستان نے عبدالسلام یاتو مرحوم صدر کسان مزدور

کانفرنس کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے انہیں بھیجا تھا۔ یہ وفد پچاس کے عشرہ کے اوائل میں گیا تھا۔اس وقت وفود کے سیر سپاٹے کرنے کے لئے جانے کا تصور تک نہ تھا۔

وہ لوگ بھوکے رہ کر ملک وقوم کی بے لوث خدمت کرتے تھے۔ میں محمد یاسین مرحوم (صحیح نام یاد نہیں رہا) ڈی ایس پی مرحوم کا خط کے حوالہ سے ذکر کر رہا تھا تو ضمناً نظامی صاحب مرحوم کا ذکر کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔(امین) ان کی یادیں تڑپا دیتی ہیں۔اب ان کی دید کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔

ڈی ایس پی نے کہا کہ وہ خط لے آیا ہے اوراس نے مجھے خط دکھایا تو میں نے انہیں بتایا کہ وہ خط ایک قیدی کا ہے جو ہری پور جیل میں میرے ساتھ بند تھا۔ وہ ایک قتل کے مقدمہ میں سزائے عمر برداشت کر رہا تھا۔ وہ طالب علم تھا، اس نے کسی کو قتل کر دیا تھا۔ عارف کمال نام کا یہ قیدی ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ''بی کلاس'' کا قیدی تھا، اس نے خط میں بہت کچھ لکھا ہوا تھا صرف ایک بات یاد رہ گئی ہے کہ اس نے خان عبدالقیوم خان مرحوم کو ہدف تنقید بنایا ہوا تھا۔ یہ گھرانہ باچا خان (سرحدی گاندھی) کا پیروکار تھا۔

عارف کمال کا باپ ایک وکیل تھا اس کا نام یاد نہیں ہے۔ اس نے لکھا ہوا تھا کہ وہ بادشاہ خان خان عبدالغفار خان کو اس لئے پسند نہیں کرتا تھا کہ اس نے خان عبدالقیوم خان کو قتل کرنے سے پٹھانوں کو روک رکھا ہے۔ باچا خان کہتے ہیں کہ قتل کرو گے تو وہ شہید کہلائے گا اور لوگ اس کی پرستش شروع کر دیں گے۔ اسے اپنی موت مرنے دو، عدم تشدد کا درس دے کر بہادر قوم کو بزدل بنا رہا ہے۔ یہ میرے الفاظ ہیں۔

میں اس خط میں لکھی گئی عبارت کا مفہوم لکھ رہا ہوں میرا بیان لے کر قمر عالم کے پاس گیا۔ فوج اور پولیس نے مل کر جیل کا گھیراؤ کیا، وہ قیدی اس وقت بھی جیل میں موجود تھا، اس نے خط اوراس کی تحریر کو تسلیم کیا تھا اور ہینڈ رائیٹنگ ایکسپرٹ سے دستخط شناخت کرانے کے بعد وہ ڈی آئی جی قمر عالم اوراس کی ٹیم ماننے پر مجبور ہوئی تھی کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم کے بیٹے کا خط نہ تھا، لیکن انہوں نے پولیس ضمنیات میں کیا لکھا تھا اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ البتہ دورانِ مقدمہ اگرتلہ سازش کیس کا ذکر ہوتا رہا۔ اور ایک معاملہ پر قانونی بحث کے لئے میں (راقم) مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم سابق صدر حکومت آزاد کشمیر کے ساتھ مسٹر منظور قادر مرحوم کے پاس گیا تھا۔

جناب منظور قادر پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے تھے، وہ عدالت العالیہ کے جج بھی رہے پاکستان کے وفاقی منسٹر بھی رہ چکے تھے وہ ایک نامور قانون دان تھے جن دنوں جناب کے ایچ خورشید صدر حکومت آزاد کشمیر تھے تو وہ اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ مسٹر کے ایچ خورشید واحد صدر تھے جو مسئلہ کشمیر کو سمجھتے تھے، حکومت آزاد کشمیر کو ایک انقلابی اور آزاد حکومت اور مہاراجہ کی جانشین حکومت کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ وہ حکومت آزاد کشمیر کو

تسلیم کرانے کے حق میں تھے۔ایک تسلیم شدہ حکومت ہی اپنا مسئلہ دنیا کے سامنے پیش کرسکتی ہے۔مسٹر منظور قادر کی انہیں حمایت حاصل تھی۔مسٹر کے ایچ خورشید ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔لیکن آزاد کشمیر کے دوسرے رہنما تو اس نظریئے کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔ہماری جماعت عوامی کانفرنس (محاذ رائے شماری میں مدغم ہونے سے بہت پہلے) پچاس کے عشرہ کے اوائل میں ہی اس کا مطالبہ کرچکی تھی۔

آزاد کشمیر میں انتخابات ساٹھ کے عشرہ میں ہوئے تھے۔آزاد کشمیر اسٹیٹ کونسل (ایک جمہوری ادارہ قائم کیا گیا تھا) کے ممبران نے مسٹر کے ایچ خورشید کی صدارت میں متفقہ طور پر قرارداد پاس کی تھی کہ حکومت پاکستان کو تحریک کی جائے کہ وہ حکومت آزاد کشمیر کو ایک آزاد انقلابی حکومت تسلیم کرے اور اپنے دوست ممالک سے بھی اسے تسلیم کرائے، اس قرارداد کا کیا حشر ہوا؟ مجھے علم نہیں ہے۔البتہ حکومت آزاد کشمیر نے حکومت پاکستان کو یہ قرارداد ارسال نہ کی تھی۔

اس قرارداد کے پاس ہونے پر دوسری مخالف جماعت مسلم کانفرنس نے اتنا شور و واویلا کیا تھا کہ پاکستان کے دانشور اور سیاست دان بھی اس کا مذاق اڑانے لگے تھے۔مسلم کانفرنس دشمنی میں اس حد تک آگے نکل گئی تھی کہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ریاست جموں وکشمیر کی آزادی و خودمختاری کے حق میں جو قرارداد پاس کی تھی وہ اسے بھی مسٹر کے ایچ خورشید کو ذمہ دار ٹھہراتی تھی اور یہاں تک اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتی تھی اور الزام لگاتی تھی کہ کے ایچ خورشید نے قائداعظم کا ذاتی لیٹر پیڈ چھپا کر جھوٹا خط لکھا تھا لیکن اس جماعت کے اس الزام اور تہمت کی تردید کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ قائد اعظم کے بیانات اخبارات کی زینت بن چکے تھے کہ

''ریاست آزاد و خودمختار رہنے کا حق رکھتی ہے''۔پاکستان نے حیدرآباد دکن کی خودمختاری کے فیصلہ کو نہ صرف تسلیم کیا تھا بلکہ اس ریاست کا مقدمہ بھی اقوامِ متحدہ میں لڑا تھا۔ریاست دکن کا سفیر بھی کراچی میں اپنی اسناد پیش کرکے بطور سفیر اپنے فرائض ادا کرچکا تھا۔

مسٹر کے ایچ خورشید کے ساتھ مسٹر منظور قادر کے پاس جانے کا ذکر آرہا تھا ہمارے ساتھیوں کے خلاف مقدمہ کی سماعت شروع تھی اور دورانِ سماعت یہ قانونی مسئلہ پیش آیا تھا کہ آیا بھارت ایک دشمن ملک ہے؟ ملک کا دشمن قرار دینے کے لئے کوئی قانونی جواز بھی ہے؟ دونوں ملکوں کے تعلقات کشیدہ ہونا کافی نہ ہیں ان کے سفارتی تعلقات موجود تھے۔ان معاملات کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا ہوں اس قانونی نکتہ پر بحث ہونی تھی اور ہمارے ساتھی مسٹر منظور قادر کی قانونی قابلیت اور شہرت کا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

صرف اس ایک نکتہ پر بحث کے لئے انہیں وکیل کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے تھے۔اور ساتھ ہی ان کو ان کی منہ مانگی فیس بھی ادا کرنے کو تیار تھے۔مسٹر کے ایچ خورشید کے سابق وزیر خارج مسٹر منظور قادر کے ساتھ دیرینہ تعلقات

تھے۔اس لئے ان کا ہمراہ جانا ضروری تھا۔ مسٹر منظور قادر کے پاس گئے تو وہاں ایک وائیٹ پیپر کا ذکر چھڑ گیا۔

میں نے حکومت پاکستان کی طرف سے شائع شدہ وائٹ پیپر کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ لیکن ان کی رہائش گاہ یا دفتر میں پتہ چلا تھا کہ گنگا ہائی جیکنگ کو اگرتلہ سازش کیس کے ساتھ نتھی کر کے یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ بھارت نے یہ پلان بنایا تھا کہ بھارت کا جہاز کشمیریوں سے اغوا کرا کر پاکستان بھیجا جائے اور پاکستان کے ساتھ کشیدگی پیدا کی جائے، پھر پاکستان کے جہازوں کو بھارت کی فضا استعمال کرنے سے باز رکھا جائے۔اس طرح پاکستان کے لئے مشرقی پاکستان ہتھیار اور فوجی بھیجنا مشکل بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ اور پھر مکتی باہنی کی مدد کر کے پاکستان کے خلاف جنگ کر کے اسے توڑ دیا جائے۔ مسٹر منظور قادر نے پاکستان کے ایک سابق سفیر کو جو بھارت میں تعینات رہ چکے تھے اسے بھی بلا لیا تھا، اور ان باتوں پر سیر حاصل بحث ہوتی رہی۔

الغرض! مسٹر منظور قادر نے مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم کو بتایا کہ وہ اگرتلہ سازش کیس کے چیف پبلک پراسیکیوٹر تھے۔انہوں نے تمام کاغذات متعلقہ مثل ضمنیات، خط و کتابت دیکھی ہوئی ہے۔اس میں گنگا طیارہ کے اغواء یا کسی بھارتی طیارہ کے اغواء یا کشمیریوں کو کسی منصوبے میں شامل کر کے پاکستان کے خلاف بھارت کے کسی منصوبے کا ذکر نہیں تھا۔ یہ مفروضہ ہے جو محض فوجی جرنیلوں نے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے بنایا ہے۔

مسٹر کے ایچ خورشید کے سامنے پاکستانی سفیر نے بھی بہت سے انکشافات کئے تھے جو احاطہ زیر قلم لانے غیر ضروری ہیں۔ جناب منظور قادر نے کہا کہ اگر انہیں صحت اجازت دیتی تو وہ ضرور صرف اس ایک نکتہ پر نہیں بلکہ پورے مقدمے کی پیروی کرتے اور بوجہ بیمار ہونے انہوں نے معذرت کر دی تھی، ہم واپس چلے آئے تھے، پھر مجھے مسٹر ایس ایم ظفر کے پاس بھیجا گیا تھا۔ میرے ساتھ دوسرا کون شخص تھا اس کا یاد نہیں رہا ہے چونکہ مسٹر ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ اور میں یونیورسٹی لاء کالج لاہور میں اکٹھے پڑھتے رہے تھے اس لئے احباب کا یہ خیال تھا کہ وہ میری بات کو ٹال نہ سکیں گے۔

میں نے ان کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ مارشل لاء کی پیداوار ہیں، جنرل محمد ایوب خان کی نظر انتخاب ان پر اس لئے پڑی تھی کہ وہ مارشل لاء اتھارٹی کے ساتھ کام کر سکتے تھے۔ وہ ایک انقلابی سیاسی رہنما نہ تھے۔ نہ ان کا کوئی حلقہ انتخاب ہے، وہ بلاشبہ قانون کے شعبہ میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ میں نے اپنے احباب کو بتایا کہ ہمارے خلاف مقدمہ مارشل لاء حکومت نے بنایا ہے۔ جنرل یحیٰ خان صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کی فوجی حکومت کا تسلسل ہے۔ اس لئے وہ اس مقدمہ میں پیش نہیں ہوں گے۔

ہمارے مقدمہ کی پیروی کے لئے وکلاء حضرات نے پیشکش نہ کی تھی جبکہ ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دنیا کے مختلف ممالک میں جب کبھی ایسے مقدمات پیش ہوئے تو انقلابی ذہن کے وکلاء آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کرتے

رہے۔ یہ کشمیری قوم کے خلاف غداری، پاکستان دشمنی اور بغاوت کا نام نہاد مقدمہ تھا۔ جو بھی اس کی پیروی کرتا وہ کشمیر کی تاریخ میں اپنا نام پیدا کرتا۔لیکن ڈاکٹر عبدالباسط اور جناب عابد منٹو کے علاوہ اور کسی نے اپنی قانونی خدمات پیش نہ کیں۔

دوسرے وکلاء کو ہم فیس دے کر اپنے اثر ورسوخ کی بناء پر مقدمہ کی پیروی کے لئے لائے تھے۔ڈاکٹر عبدالباسط اور جناب عابد منٹو کشمیری ہیں ان کی کشمیر سے نہ صرف نسبت ہے بلکہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ وہ پیدائشی طور پر انقلابی ہیں اور جب کسی طرف سے انقلاب کی روشنی نظر آتی ہے تو وہ اسے چکا چوند روشنی میں بدلنے کے لئے آنکھ کی جھپک میں آگے بڑھتے ہیں۔نوعِ انسانی کی بھلائی کا جذبہ رکھنے والے ایسے افراد زندہ قوموں کا سرمایہ حیات ہوتے ہیں۔

ہماری کشمیر کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جاتا رہے گا قوم کو بیدار ہو لینے دو، وہ اپنے محسنوں کو پہچان کر ان کو خراجِ تحسین پیش کرتی رہے گی وہ ان کی راہوں میں پھول ہی نہیں دل بھی نچھاور کرتی رہے گی دوسرے وکلا کے بھی ہم شکر گزار ہیں، انہوں نے پیشہ وارانہ فرائض کو دیانت داری سے نبھایا تھا۔

اوپر مسٹر ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ کا ذکر آیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا۔ میں ان کے پاس جانے سے انکار کر دیتا۔لیکن اس وقت ہم ایک جھوٹے مقدمہ میں پھنسے ہوئے تھے، مارشل لاء سمندر کی موجوں کی طرح اچھل رہا تھا۔اور ہم اس کی لہروں میں ڈوبتے ہوئے تنکوں کا سہارا لے رہے تھے۔اس وقت ان کا تعاون حاصل ہوجاتا تو شاید مقدمہ ہی واپس کرلیا جاتا۔ میں ان سے یونیورسٹی کالج سے فارغ ہونے کے بعد صرف اس وقت ملا تھا جب وہ جنرل ایوب خان کی کابینہ کے منسٹر تھے۔اور جنرل ایوب خان نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلائی تھی۔ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے شرکت کی تھی۔ہم نے اس موقع پر دفعہ 144 ض ب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایوانِ صدر کے سامنے مظاہرہ بھی کیا تھا۔

ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ مسٹر ایس ایم ظفر سے ملاقات کر کے انہیں ایک میمورنڈم دیا جائے اور وہ اسے کانفرنس کے شرکاء کو تقسیم کریں وہ اس کانفرنس کے لئے ایجنڈا تیار کر رہے تھے، وہ اتنے مصروف تھے کہ کابینہ کے دوسرے ممبروں تک کو وقت نہ دے سکتے تھے۔ہم اس کے باوجود سیدھے ان کے دفتر چلے گئے۔ وہاں استقبالیہ گیٹ پر ان کے ماتحت ڈیوٹی پر مامور افسر سے بات کی وہ ہم سے پوچھنے لگا کہ کیا ہم نے وقت مانگ رکھا ہے وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ہم نے کہا کہ ہم نے ان سے وقت مانگا تھا نہ کوئی بات چیت ہوئی ہے۔

ڈیوٹی پر مامور شخص کہنے لگا کہ وہ تو کابینہ کے منسٹروں کے لئے بھی وقت نہیں نکال سکے، وہ کل کے اجلاس کی تیاری میں مصروف ہیں ہم نے کہا کہ ٹیلیفون پر انہیں صرف یہ بتادیں کہ ان کا کالج فیلو انہیں ملنے آیا ہے۔اور اس کے ساتھ

دو اور افراد بھی ہیں وہ دو تین منٹ سے زیادہ آپ کا وقت نہیں لیں گے۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو مل لیں گے بصورتِ دیگر واپس چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت میرے ساتھ ایم اے فاروق ایڈووکیٹ اور محمد بشیر تبسم تھے۔

جب استقبال کے لئے منتظر شخص نے مسٹر ایس ایم ظفر کو فون کیا تو انہوں نے پانچ منٹ کے لئے ہمیں فوری بلا لیا تھا۔ ہم نے ان سے ملاقات کی اور وہ ہم تینوں کو بار بار دیکھتے رہے وہ مجھے پہچان بھی نہ سکے تھے۔ ایک طویل مدت کے بعد یہ ملاقات ہوئی تھی۔ ہم نے بھی اپنا تعارف نہ کرایا اور اپنا میمورنڈم پیش کیا۔ کشمیریوں کا نکتہ نظر پیش کیا

انہوں نے ہمارے ساتھ بات چیت شروع کی اور اس طرح اپنی دن بھر کی تھکن دور کی۔ وہ اس وقت اپنے اخلاق کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے۔ با اخلاق، بامروت اور درد دل رکھنے والے کی باتیں سنیں انہوں نے دکھ بھری آواز میں مشرقی پاکستان کے حالات سنائے اور یہ کہہ کر مشرقی پاکستان کے لوگوں کے گھروں میں چاولوں کا دانہ تک نہیں ہے، لیکن سب کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔ جنرل محمد ایوب خان صدارت چھوڑ کر سیاست دانوں کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی سیاست دان آگے بڑھ کر صدارت قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔

ہمیں مخاطب کر کے کہنے لگے کہ آپ لوگ کشمیر کی بات کر رہے ہیں اور ہم لوگ (پاکستان کے رہنے والے) فکر مند ہیں کہ پاکستان کے ہاتھوں مشرقی پاکستان جا رہا ہے اسے کیسے ساتھ رکھا جائے۔ وہاں تو علیحدگی کی فصل پک کر تیار ہو چکی ہے۔ اب کٹنے والی ہے۔ آیئے آپ اور ہم مل کر دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ہولناک دِن سے بچالے۔

وہ دن قیامت سے کم نہیں ہوگا جب بھارت ہمارے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ بڑی بڑی طاقتیں بھی اس کے ساتھ شامل ہیں میں ان کے احساسات کو اپنی زبان میں قلمبند کر رہا ہوں ان کے اصل الفاظ یاد نہیں ہیں۔ ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ پاکستان کے ایک مرکزی وزیر کی یہ حالت دیکھ کر ہم ایسے بیٹھے تھے جیسے صف ماتم بچھ گئی ہو انہوں نے پانچ منٹ دیئے تھے لیکن آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ دیر تک سیاسی گفتگو کرتے رہے۔ ہم اجازت لے کر اٹھنا چاہتے تھے لیکن وہ اصرار کر کے بار بار ہمیں بٹھاتے رہے اتنی مروت اور اتنی کالج فیلو سے محبت میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھی ہے۔

بالآخر ہم ان سے اجازت لے کر چلے آئے۔ میمورنڈم انہوں نے سنبھال لیا تھا۔ اوپر ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ کا ذکر آیا ہے۔ اب کی بار (گنگا طیارہ اغواء کیس کے دوران) جب ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے ان کی باتوں پر کوئی غصہ نہیں آیا۔ نہ ہی تعجب ہوا، میں نے اپنے احباب کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے مارشل لاء اتھارٹیز کے ساتھ مل کر انقلاب کا راستہ روکا ہوا ہے۔ نہ وہ خود انقلابی ہیں اور نہ ہی انقلاب کا لفظ انہیں پسند ہے۔ کسی تحریک میں انہوں نے حصہ نہیں لیا ہے۔ جب

دوستوں نے اصرار کیا اور کہا کہ اس قانونی نکتہ پر بحث کے لئے انہیں تکلیف دی جائے اور وہ ان کی فیس ادا کرنے کو تیار تھے تو میں ان کے اصرار پر وہاں چلا گیا تھا۔ میں نے علیک سلیک کے بعد کہا کہ ہم آپ کو وکیل کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو منہ مانگی فیس دینے کو تیار ہیں۔ ہمارے مقدمہ میں وکلاء پیروی کرر ہے ہیں اور وہ بھی چوٹی کے وکلاء ہیں، لیکن ملزمان کی خواہش ہے کہ اس قانونی نکتہ زیر بحث پر آپ دلائل دیں وہ کہنے لگے کہ ملزموں کے خلاف جاسوسی کا مقدمہ ہے۔ میں نے کہا کہ صرف الزام ہے۔ ثابت تو نہیں ہے کہ وہ جاسوس ہیں وہ پھر ٹالنے کی کوشش کرر ہے تھے اور اپنی حب الوطنی کا اظہار کرر ہے تھے کہ وطن دشمنوں کے خلاف وہ مقدمہ کی پیروی نہیں کر سکتے۔ میں نے خاصا زور دیا اور کہا کہ فوجداری قانون اور قانون شہادت کی ابجد سے بھی واقف شخص جانتا ہے کہ جب تک الزام ثابت نہ ہو۔ ملزم معصوم اور بے قصور گردانا جاتا ہے۔ اور پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ صاف جواب دے دیں کہ مقدمہ کی پیروی کرنا نہیں چاہتے۔

یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں کہ وہ ''جاسوس'' ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کو جانتے نہیں ہیں نہ ہی اس مقدمہ کی مثل ضمنیات ہی دیکھی ہے۔ صرف اخباری پروپیگنڈہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ کشمیر کے ان جانثاروں، محبّ الوطنوں اور بہادر سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو ''جاسوس'' یقین کرنے لگے ہیں۔

تو انہوں نے کہا کہ وہ صرف جسٹس یعقوب علی چوہدری اور سردار محمد عبدالقیوم خان کے فیصلہ اور بیان کو مان سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان شاء اللہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ لیکن سردار محمد عبدالقیوم خان نے تو اخبارات میں اپنا بیان بھی شائع کرادیا ہے کہ اگر جوڈیشل ٹربیونل نے اغوا کنندگان کو بری بھی کر دیا تو وہ اس فیصلہ کو قبول نہیں کریں گے۔

اس پر مسٹر ایس ایم ظفر کے چہرے پر شرمندگی کے اثار تھے۔ اور زیر لب مسکرائے، اور ہم انہیں سلام کر کے واپس آ گئے تھے۔ سردار عبدالقیوم خان کے بیان سے توہین عدالت ہوئی تھی۔ ہمارے ساتھیوں نے عدالت کو موصوف کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کرنے اور اسے سزا دینے کی درخواست دی تو وہ کہنے لگے کہ زہر کا علاج زہر ہے۔

آپ بھی ان کے خلاف بیان دے دیں۔ اور ملزمان کی درخواست بدوں کارروائی شامل مثل کر دی گئی تھی۔ جوڈیشل ٹربیونل کی نسبت آگے ذکر آئے گا۔ اس وقت مظفر آباد جیل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہونے کا ذکر کروں گا، جی ایم میر، ممتاز احمد ہاشمی، محمد یوسف زرگر، ارشاد احمد، صوفی محمد زمان، محمد صابر انصاری پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی جو محاذ رائے شماری کے رہنما اور مرکزی عہدے دار تھے جنہیں مختلف جگہوں سے مختلف تاریخوں پر گرفتار کیا گیا تھا۔

ان سے ہماری ملاقات ہوئی تھی اور ہم وہاں اکٹھے ہو گئے تھے یہ سب رہنما اتنے بلند پایہ عالم، فاضل، مورخ، مصنف مؤلف، محقق اور ادیب ہیں کہ ان پر ضخیم کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے تحریک آزادی کشمیر میں بلند ترین مقام حاصل کیا ہے۔ انہوں نے انمٹ یادگاریں چھوڑی ہیں۔ آنے والی نسلیں ان کی قربانیوں کی طویل

تاریخ، ان کے جدوجہد کی لامثال داستانیں ان کی حب الوطنی کے سنہری باب پر خود تحقیقات کر کے کتابیں لکھنے پر فخر کریں گی، وہ گوہر نایاب تھے، کچھ خدا کو پیارے ہو گئے جو زندہ ہیں وہ زندگی کا سفر ختم کر کے دوسری دنیا کی تیاری کر رہے ہیں جو اس دنیا سے بہتر دنیا ہے۔

مسٹر جی ایم میر نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں کشمیر کی تاریخ اور کشمیر کا جغرافیہ انہیں از بر تھا۔ اگر آزاد کشمیر میں قوم پرستوں کی حکومت ہوتی تو ان کی کتابیں نصابِ تعلیم میں شامل کی جاتیں اور نئی نسل میں آزادی کے حصول کی تڑپ پیدا ہو جاتی۔ وہ ایک دانشور اور بلند پایہ سیاست دان بھی ہیں۔ ان کے قیمتی ترین مشورے محاذ کا تابناک ماضی ہیں، انہوں نے اس راہ میں مصائب جھیلے اور بچوں نے فاقہ و تنگ دستی کی زندگی گزاری۔

انہوں نے سب کچھ ملک اور قوم کے لئے لٹا دیا ہے مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے۔ جی ایم میر جوڈیشنل ٹربیونل کے پاس بطور گواہ صفائی پیش ہوئے تو مسٹر جونیجو پیروکار سرکار نے ان سے ایک ایسا سوال کیا جس نے ٹربیونل کے دونوں ججوں اور عدالت میں بیٹھے ہوئے سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ غالباً مسٹر جونیجو کو سرکاری عملہ پولیس کے افسران نے انہیں یہ بتایا تھا کہ جی ایم میر ایجنٹ ہیں۔ مسٹر جونیجو چیف پراسیکیوٹر نے میر صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ ایجنٹ ہیں؟۔ اس طرح کا سوال عدالت میں پوچھا ہی نہیں جا سکتا تھا، کسی کی شہرت کو داغدار کرنے کیلئے ثبوت چاہیے، وکلاء صفائی بھی تماشہ دیکھتے رہے، جج صاحبان متوجہ ہو کر جواب سننا چاہتے تھے۔ جناب میر صاحب نے بڑے ادیبانہ اور شاعرانہ انداز میں جواب دیا کہ ''جی ہاں میں ایجنٹ ہوں''۔ مسٹر جونیجو کی باچھیں کھل گئیں لیکن میر صاحب نے فوراً کہا مگر میں ''باٹا کا ایجنٹ ہوں، باٹا شوز کی ایجنسی لے رکھی ہے، میں مظفر آباد میں باٹا شوز کی فروخت کا کاروبار کرتا ہوں''۔

تو عدالت میں سب لوگ ہنس پڑے اور عدالت کے جج صاحبان بھی بڑے محظوظ ہوئے تھے۔ جیل میں بیٹھ کر بھی انہوں نے اپنے سیاسی دشمنوں کو دندان شکن جواب دیئے تھے۔

ع چہ دلاور است دزدے

اور سات لاکھ جاسوس کے عنوانات سے کتابیں چھپی تھیں، یہ ان کے نام سے اس لئے نہ چھپوائی گئی تھیں کہ جیل کے عملہ کے زیرِ عتاب آ جانے کا خطرہ تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم (محاذ رائے شماری کے احباب) میر صاحب سے وہ کام نہ لے سکے جو ہمیں لینا چاہیے تھا۔ وہ طلباء کی سیاسی تربیت کر سکتے تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا ذہن تبدیل کر سکتے تھے۔ وہ صرف کتابیں لکھتے رہتے اور ہم لوگ ان کتابوں کو شائع کر کے تقسیم کرتے رہتے تو یہ بھی قوم کی ایک بڑی خدمت ہوتی۔ لیکن ہم نے انہیں سیاسی جدوجہد میں عملی حصہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے اس میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے اور خود بھی جیل میں پڑے رہے۔

ان کا سارا کاروبار تباہ ہو گیا، لیکن انہوں نے ہمیشہ رزق حلال کمایا اور کھایا۔ ان کی نگاہ دوررس نے دیکھ لیا تھا کہ آزادی کے حصول کے لئے طویل جنگ جاری رکھنی پڑے گی۔ وہ جیل میں بھی خوش تھے اور اب بھی مطمئن ہیں جبکہ وہ انتہائی نحیف وکمزور ہو چکے ہیں۔ بڑھاپے نے ان کے سر کے بال سفید کر دیئے ہیں۔ ان کے جسم کی ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں۔ یادداشت بری طرح متاثر ہو چکی ہے۔ بینائی کا یہ حال ہے کہ موٹے موٹے شیشے کو آنکھ کے ساتھ لگا کر پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمیں بتا رہے تھے کہ ڈاکٹر نے انہیں اس طرح پڑھنے کے لئے ہدایت دی ہے۔ اس کے باوجود وہ قومی خدمت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے، وہ قادر الکلام ہیں اور ان کا قلم تو منہ زور گھوڑے سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔

سنٹرل جیل مظفرآباد میں ہمارے دوسرے ساتھی ممتاز احمد ہاشمی مرحوم تھے وہ محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما اور محاذ رائے شماری کے خفیہ عسکری بازو قومی محاذ آزادی کے چند گنے چنے کمانڈروں میں سے ایک تھے۔ ممتاز احمد ہاشمی ایک قانون دان، ایک سیاستدان، ایک ادیب، ایک صحافی، ایک مصنف، ایک مؤرخ، ایک نقاد اور ایک دانشور تھے۔ انہیں اردو، فارسی، انگریزی، پہاڑی، پنجابی اور میرپوری زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

انہوں نے ''نوائے وقت'' کے دفتر میں بھی کام کیا، آزاد کشمیر حکومت کے سیکریٹریٹ میں بھی ملازمت کی۔ تھوڑے عرصہ کے لئے وکالت کا لائسنس لے کر ضلع کچہری میرپور میں وکالت بھی شروع کی تھی لیکن انہیں وکالت کے پیشہ سے بھی کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ رزق حلال کمانے کی خواہش رکھتے تھے اور آزاد زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مکتبہ رضوان کے نام سے کتابوں کی دکان کھول لی تھی، یہ دکان آج بھی موجود ہے۔ وہ دکان پر تھوڑی دیر بیٹھتے تھے اور بلاناغہ ہمارے پاس عدالت میں آجاتے تھے۔ ہمارا ایک ہی چیمبر تھا۔ دوستوں سے ملتے اور دو چار گھنٹوں کے بعد اپنی دکان پر پہنچ جاتے تھے۔

ممتاز احمد ہاشمی صاحب ایک مذہبی گھرانے کے فرد تھے۔ ان کے آباؤاجداد گدّی نشین تھے۔ وہ پیروں کے گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کے گھرانے کے بزرگوں نے ''پیری مریدی'' کو بطور پیشہ اختیار نہ کیا تھا۔ ممتاز احمد ہاشمی کے والد محترم میرپور کچہری میں عرائض نویس تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا وکیل بنے وہ وکیل تو بن گئے تھے لیکن وکالت انہیں راس نہ آئی، وہ عدالتوں میں پھرتے پھراتے رہے اور اس ''گناہ کی بستی'' سے کنارہ کشی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے وہ بلند اخلاق، عادات، اطوار کے مالک تھے، اگر ''پیری مریدی'' کا پیشہ اختیار کرتے تو آزاد کشمیر و پاکستان میں ان کے اَن گنت مرید بن سکتے تھے۔

ڈوگرہ دور میں ان کے جد امجد کو جاگیر بھی ملی تھی، اسے ''معافی'' کہتے تھے۔ ان اراضیات کا لگان انہیں معاف

تھا۔منگلا ڈیم میں اراضیات کے زیرآب آنے کے بعد انہیں جو ہر آباد پاکستان میں متبادل زرعی اراضی ملی تھی، وہ اراضی ان کے کنبے کے اخراجات پوری کرسکتی ہے لیکن انہوں نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جو ہر آباد جا کر آباد نہ ہوئے بلکہ میر پور شہر میں اپنا رہائشی مکان تعمیر کرایا اور اس میں آباد ہوئے تھے۔

انہیں اپنے وطن سے اتنا پیار تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہونا پسند نہ کرتے تھے۔اپنے والد مرحوم کی زندگی میں ''جرمنی'' چلے گئے تھے، وہاں ان کے پاؤں جمنے نہ پائے تھے کہ ان کے والد محترم حسب معمول کچہری کی طرف جاتے ہوئے ایک کار ڈرائیور نے انہیں ٹکر ماردی اور کار کے اس حادثہ میں وفات پاگئے، یہ خبر سنتے ہی ممتاز احمد ہاشمی واپس گھر آگئے، اور پھر زندگی کے آخری سانس تک میر پور میں رہے۔

سیاسی طور پر وہ عوامی کانفرنس سے وابستہ تھے، انہوں نے پچاس کے اواخر اور ساٹھ کے عشرہ میں عوامی کانفرنس کے نظریات کو قبول کرتے ہوئے اس جماعت کو مقبول بنانے کی کوشش کردی تھی۔ وہ ریاست کی آزادی و خودمختاری کو ریاست کے تنازعہ کا واحد، باوقار، پائیدار اور قابل عمل حل قرار دیتے تھے۔خودمختار کی حامی تمام جماعتوں نے محاذ رائے شماری میں شامل ہوکر متحدہ محاذ بنایا تو وہ بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ممتاز احمد ہاشمی محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کے بانی ممبران میں سے ایک ہیں۔ وہ محاذ رائے شماری کے مرکزی عہدے دار رہے، اور جب چند مرکزی رہنماؤں نے محاذ رائے شماری کا خفیہ کوڈ عسکری بازو محاذ آزادی بنایا تو وہ اس میں شامل ہو گئے تھے یہ ''خفیہ بازو'' تو حقیقت میں اتنا زیادہ ''خفیہ'' تھا کہ اس کا علم نہ ''خفیہ والوں'' پولیس کے محکمہ سراغ رسانی والوں کو پتہ چل سکا اور نہ ہمیں علم تھا۔

ممتاز احمد ہاشمی مرحوم ہمارے پاس رہتے تھے۔جلسوں میں شامل ہوتے تھے۔جلوس بھی نکالتے رہے، ہمارے اجلاس بھی ہوتے رہے، ہماری سیاسی بحثیں بھی ہوتی رہیں، لیکن محاذ رائے شماری کا صدر ہونے کے باوجود مجھے علم نہ ہوسکا تھا کہ قومی محاذ آزادی نام کی ذیلی تنظیم معرضِ وجود میں آچکی ہے۔

نیشنل لبریشن فرنٹ ایک خفیہ تنظیم تھی۔ دو چار ساتھیوں کے علاوہ اس عسکری بازو کا کسی اور محاذ کے ساتھی کو علم نہ تھا۔اس تنظیم کی نسبت سب سے پہلے ہمیں اس وقت پتہ چلا جب مقبول احمد بٹ شہید کو سرینگر کی ایک عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا اور اس کا اخبارات میں ذکر آیا تھا۔ دوسری بار اس وقت پتہ چلا جب گنگا طیارہ لاہور ائیر پورٹ پر اتارا گیا اس کا مفصل ذکر کسی اور جگہ آئے گا۔ہمیں تو ممتاز احمد ہاشمی مرحوم کے ''قومی محاذ آزادی'' میں شمولیت کا اس وقت جیل میں جا کر علم ہوا تھا جب ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے بطور وعدہ معاف گواہ عدالت میں گواہی دینی شروع کی تھی۔ میں حیران تھا کہ گنگا طیارہ کے اغوا کے مقدمہ میں قابل احترام ممتاز احمد ہاشمی کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔جیل میں ہی ہم سب کو علم ہوا تھا کہ ممتاز احمد ہاشمی مرحوم محمد صابر انصاری، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی، گوریلا کارروائیوں میں شریک تھے۔ممتاز احمد ہاشمی

مرحوم نے اپنے وطن کی آزادی کے لئے جیل کی صعوبتیں بڑی جرأت اور بہادری سے برداشت کی تھیں۔

ممتاز احمد ہاشمی مرحوم بلند پایہ اہل قلم میں شمار ہوتے تھے میں اکثر اوقات اپنے مسودات کی نوک پلک ان سے درست کراتا تھا۔محاذ کا لٹریچر ان کی نظر سے گزر کر چھپوایا جاتا تھا۔انہوں نے ''گلگت میں ایجنسی نظام'' کے عنوان سے کتاب لکھی تھی جس کی اشاعت پر وزارت امورِ کشمیر کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا تھا۔حکومت پاکستان لرز گئی تھی، اور گلگت جو سورہا تھا اس نے انگڑائی لینی شروع کر دی تھی۔

مرحوم نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا تھا کہ گلگت و بلتستان ریاست جموں وکشمیر کا جزو لاینفک ہے۔ اور ریاست ایک ناقابل تقسیم سیاسی وحدت ہے۔جن دنوں یہ تاریخی کتاب منظر عام پر آئی تھی اس وقت زبان و بیان پر تالے لگائے گئے تھے۔ پریس آزاد نہ تھا۔صحافت کو بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ سیاست دانوں نے چوڑیاں پہن رکھی تھیں، محاذ کے رہنما جنہیں اس وقت کے عقلمند لوگ ''سر پھرے'' کے خطاب دیتے تھے وہ حق کی آواز بلند کرتے تھے تو مارشل لاء کی اندھیری کوٹھڑیوں میں روک دیئے جاتے تھے۔اس وقت اس کتاب کی اشاعت ایک معمولی واقعہ نہ تھا ممتاز احمد ہاشمی مرحوم نے گنگ زبانوں کو کھولا اور معاہدہ کراچی کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ جب تک گلگت و بلتستان کا نام رہے گا ممتاز ہاشمی مرحوم کا نام بھی رہے گا۔

بُھلے شاہ آساں مرناں نائیں
گور پیا کوئی ہور

ممتاز احمد ہاشمی مرحوم نے مجھے گلگت سے متعلق مقدمہ میں پیش ہونے کے لئے بار بار کہا اور ان کے اصرار پر میں نے ''گلگت و بلتستان، عدالتی کٹہرے میں'' کتاب لکھ کر اپنا موقف عدالت العالیہ آزاد ریاست جموں وکشمیر میں پیش کیا تھا، میں نے مرحوم کا تجویز تھا نام ہی پسند کیا تھا گلگت میں ایجنسی نظام کیوں؟۔ اور گلگت و بلتستان عدالتی کٹہرے میں، دونوں کتابیں عدالتی مسل کے ساتھ شامل کروائی تھیں۔

عدالت العالیہ آزاد کشمیر کا یہ بنچ مسٹر جسٹس (چیف جسٹس) عبدالمجید ملک مسٹر جسٹس خواجہ سعید احمد، مسٹر جسٹس ریاض اختر چوہدری پر مشتمل تھا۔ یہ فیصلہ چیف جسٹس مجید ملک نے لکھا تھا اور باقی ان کے دونوں ساتھیوں نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا تھا۔عدالت العالیہ کا یہ پہلا اور غالباً آخری فیصلہ ہے جس نے ریاست جموں وکشمیر کی وحدت وسالمیت اور آزادی کے پرچم کر بلند کیا، ان جج صاحبان نے اپنا نام بھی روشن کیا اور عدالت العالیہ کی عظمت کو بھی چار چاند لگائے۔ اس فیصلہ سے حکومت کی عمارت کی چولیں ڈھیلی ہوگئی ہیں۔

جب تک ریاست کا نام رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نام قیامت تک رہے گا تب تک چیف جسٹس کا نام بھی باقی رہے گا۔ اوران کے دونوں جج ساتھیوں کا نام بھی چمکتا رہے گا۔ بھارت و پاکستان ہزار بار اپنے اپنے حصوں میں گورنر راج قائم کریں وہ اس کے باوجود ریاست کی تاریخ کو مسخ نہیں کر سکیں گے۔

ممتاز احمد ہاشمی مرحوم نے حکومت پاکستان اور گلگت انتظامیہ کی ان پابندیوں کی پرواہ نہ کی۔ اور گلگت کے دورہ پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلے گئے۔ اور وہاں جا کر محاذ کا لٹریچر تقسیم کیا پھر مسٹر جی ایم میر، ممتاز احمد ہاشمی مرحوم اوران کے ساتھیوں کو اپنے وطن ''گلگت'' سے جبراً نکال دیا گیا۔ اور وہ جلاوطن ہوئے۔ ان کی زندگی پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آنے والی نسلیں اس پر توجہ دیں گی اور تحقیقات کر کے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گی۔

جیل میں ہم نے ایک اہم فریضہ بھی ادا کیا۔ گنگا طیارہ کے اغوا کا مقدمہ جوڈیشنل ٹربیونل میں زیر سماعت تھا۔ ہم جیل میں بیٹھ کر جرح کی تیاری کرتے رہے۔ محترم ہاشمی صاحب مرحوم بڑے خوش نویس بھی تھے۔ ان سے جرح کے سوالات لکھوا کر وکلاء حضرات کے پاس بھیجتے رہے۔ عدالت العالیہ میں ہماری حبس بے جا کی درخواستیں زیر سماعت تھیں، لیکن عدالت العالیہ کو اتنا زیر اثر رکھا گیا تھا کہ وہ فیصلہ سنانے میں تاخیر کر رہی تھی، اس کی وجہ بھی دوسری جگہ آ رہی ہے ہم سب نے ایک تحریری درخواست عدالت العالیہ میں دے کر اپنی درخواستیں واپس لے لیں تھیں۔

ہماری درخواست ''آواز دو انصاف کو، انصاف کہاں ہے؟'' کے عنوان سے چھپی تھی لوگوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ ممتاز احمد ہاشمی مرحوم بھی ان دستخط کنندگان میں سے ایک تھے۔ سخن فیصل اور قول فیصل بھی اسی دور کی لکھی گئی کتابیں ہیں۔ یہ عدالتی بیانات ہیں اول الذکر علوی صاحب کا اور دوسرا میرا بیان ہے۔ جو چھپ چکے ہیں اس لئے اس کی تفصیل ضروری نہ ہے۔

جیل سے ہمیں اس وقت رہا کیا گیا تھا جب استغاثہ کی شہادتیں ختم ہوگئی تھیں۔ پولیس کو ڈر تھا کہ ہماری رہائی کے بعد کوئی بھی گواہ جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ پولیس نے جھوٹے گواہ تیار کر رکھے تھے۔ اوران سے اپنی مرضی کے بیانات ریکارڈ کروائے جا رہے تھے۔ پاکستانی پولیس کو یہ بھی یقین تھا کہ وعدہ معاف گواہ ہماری رہائی کے بعد اپنی جھوٹی شہادت'' سے منحرف ہو جائے گا۔ پولیس نے مفروضوں کی بناء پر ایک کہانی گھڑی تھی۔ اوراس کے تار و پود بکھیرنے کے لئے ہماری پاس تحریری ریکارڈ موجود تھا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد ہم لاہور چلے گئے تھے اور جوڈیشل ٹربیونل کے زیر سماعت مقدمہ کی سماعت کے دوران اپنے ساتھی ملزموں کی امداد کے لئے کام کرتے رہے۔ ممتاز احمد ہاشمی مرحوم، مجید امجد بٹ مرحوم، غلام احمد بٹ، نسیم

لون ،محمد سعید شاہ نازکی، شیخ حسین شمیم اور جی ایم میر بھی لاہور محاذ کے دفتر میں مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں قیام پذیر رہے۔ مجید امجد بٹ مرحوم کا اخبار وولرتحریکِ آزادیٔ کشمیر کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔ وہ خود بھی محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ اورآزادی وخود مختاری کے لئے زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد کرتے رہے۔انہیں جموں چھوڑ کر سیالکوٹ میں پناہ لینی پڑی تھی۔ وہ اس امید پر زندگی گزارتے رہے کہ ان کا ملک آزاد ہوگا۔اور وہ پھرلوٹ کر گھر چلے جائیں گے،لیکن یہ ان کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔

ممتاز احمد ہاشمی مرحوم نے طلباء کی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا،طلباء کے لئے درسی کتب خریدنے جاتے تھے اوروہ بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے رہتے تھے،ان کی دکان ایک طرح سے لائبریری ہال تھا۔ بچے کتابیں بھی پڑھتے تھےاور ان سے کشمیرکی آزادی کا درس بھی لیتے تھے۔ان کی دکان سے نایاب کتب مل سکتی تھیں۔

اکبر پبلک لائبریری کے لئے کتابیں خریدنے کے لئے ہم اکٹھے لاہور گئے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک بار چاچا سلطان محمود بھی تھے جنہوں نے ادارہ خدمت خلق کی عمارت کی تعمیر اور اکبر پبلک لائبریری کیلئے لاکھوں روپے بطورعطیہ دیئے تھے۔وہ ایک مزدور رہنما تھے۔اورمحاذ رائے شماری کا ایک قیمتی سرمایہ بھی تھے ممتاز احمد ہاشمی کتب فروشوں سے واقف تھےاور جو کتب ان سے نہ مل سکی تھیں وہ کتابیں مصنفین کے گھروں میں سے لے کر آتے تھے۔ جب کبھی مارکیٹ میں نئی کتاب آتی تھی وہ اسے خرید کر لاتے تھے۔ اوراکبر پبلک لائبریری کے لئے بھی ادباء،شعراء اورعلماء کی کتابیں لاکر دیتے تھے۔

ممتاز احمد ہاشمی نے عوام الناس کوتحریک سے آشنا کرنے کے لئے ایک نیا طریقہ نکالا تھا۔ وہ قلم کے دھنی تھے۔مجالس میں بیٹھ کر بڑی عالمانہ گفتگو کرتے تھے لیکن پبلک جلسوں میں خطاب نہیں کرتے تھے۔مرحوم نے ہمارے ساتھ آزاد کشمیر کے تمام اضلاع کا دورہ کیا۔ ہماری مخالف سیاسی جماعتوں کے اعتراضات نوٹ کر کے پاس رکھتے تھے۔

الحاق پاکستان سے متعلق اس کے خلاف اوراس کے حق میں دلائل کا انبار ان کے پاس جمع رہتا تھا۔ان کی خواہش ہوتی تھی کہ عوام کو سیاسی طور پر بیدار کیا جائے۔انہیں دلائل سے سمجھایا جائے کہ آزادی وخودمختاری کیوں ضرری ہے؟۔وہ چاہتے تھے کہ عوام کے شکوک دُور کئے جائیں۔حکومت کی غلط فہمیوں سے اسے آگاہ کیا جائے۔ سیاسی جماعتوں کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کا مثبت جواب دیا جائے۔ وہ جلسہ گاہ میں اسٹیج سے دور جا کر بیٹھ جاتے تھےاور سامعین میں سے کسی ایک نوجوان کوسوال لکھ کر دیتے تھے جو مجھ تک پہنچا دیتا تھا۔

وہ جلسہ گاہ کی مختلف سمتوں سے سوالات بھیجتے تھے اور میں تقریر کے دوران ان کے اعتراضات وسوالات کا جواب دیتا تھا۔ ہمارے خلاف درودیوار پر جونعرے لکھے ہوتے تھے ان کے بارے میں بھی جواب دیتا رہا۔ سامعین

مطمئن ہوکر جلسہ گاہ سے واپس ہوتے تھے۔

برصغیر ہندو پاک کے مشہور ومعروف انقلابی رہنما دادا امیر حیدر ان کے گھر میں آ کر ٹھہرتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے، ناتواں اور مریض تھے۔ ممتاز احمد ہاشمی ان کا علاج بھی کراتے اور ان کے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھو کر اپنی عظمت کا ثبوت بہم پہنچاتے تھے۔ دادا امیر حیدر ایک کمیونسٹ/سوشلسٹ رہنما تھے۔ اور وہ بھی ممتاز احمد ہاشمی مرحوم کو قوم اور ملک کا گراں قدر سرمایہ سمجھتے تھے۔ ممتاز احمد ہاشمی مرحوم نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔

ان کے ایک بیٹے برمنگھم میں ڈاکٹر تھے، میری ہاشمی صاحب مرحوم سے یہ آخری ملاقات تھی میں امریکہ سے اپنے بیٹے افتخار احمد انصاری، اپنی بیٹی، بھائیوں، رشتہ داروں اور سیاسی کارکنوں اور ساتھیوں سے ملنے کے لئے نجی دورے پر گیا تھا۔ ہاشمی صاحب مرحوم سے یہ ملاقات ان کی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئی تھی، وہ بیمار تھے۔

انہیں ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا، وہ دل کے کئی سال سے مریض چلے آئے تھے۔ ڈاکٹروں نے انہیں اپریشن کا مشورہ دیا تھا۔ بیٹے نے بھی کوشش کی کہ وہ دل کا اپریشن کرالیں لیکن مسکرا کر ٹال دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ وہ اس کا روحانی علاج کر رہے ہیں۔ جب تک زندہ رہے لوگوں نے ان کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا، لیکن یہ بندہ خدا اپنی اس طرح شہادت چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوا کہ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ ہر دل غمگین تھا۔ ہر چہرہ اداس تھا۔ لیکن ان کی روحانیت کے سب قائل ہو گئے تھے۔

نمازِ جمعہ کے لئے مسجد گلزارِ حبیب F/2 میرپور میں گئے۔ نماز کی حالت میں رکوع سے سجدہ جاتے ہوئے دل کا دورہ پڑا اور سجدہ کی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ سیکڑوں انسانوں نے دیکھا کہ ایک چلتا پھرتا انسان، ایک مسکراتا ہوا بندہ خدا مسجد میں آیا، اللہ اکبر کہہ کر اس نے نماز کے لئے ہاتھ باندھے۔ بارگاہِ الٰہی کی ثناء ربوبیت، رحمت اور عدالت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے صالح بندوں کی راہ کی رہنمائی کی دعا کرتے ہوئے اس کے آگے جھک گیا۔

اس بندہ خدا نے اپنے رب کے سامنے اقرار کیا تھا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرتا ہے اور صرف اُسی سے مدد کا طلبگار رہے وہ رکوع سے اٹھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہوئے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نچھاور کر دی اور اپنے بندے کو اپنے پاس بلالیا۔ وہ خدا کے حضور چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی کا محتاج نہیں کیا، وہ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں سے محبت کرتا تھا جو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنالیتے ہیں۔ مرحوم خدا کے دربار میں تھا کہ وہ آنکھ کی جھپک میں بلندیوں کی انتہا تک پہنچ گیا، **انا للہ وانا الیہ راجعون** ☆۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عاقبت بخیر کرے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے، آمین!۔

ہمارے ایک اور ساتھی محمد یوسف زرگر بھی جیل میں تھے۔ پچاس کے عشرہ میں وہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے

ممبر تھے۔ اس وقت ہم نے مظفر آباد اڈہ ڈھکی پر جلسہ کیا تھا۔ عوامی کانفرنس ریاست کی خود مختاری کا پیغام ایک ایک گھر میں پہنچا رہی تھی۔ الحاق کے حامیوں کے وظیفے بند ہونے کے خطرے شروع ہو گئے تھے۔ انہیں کوٹھیاں، کارخانے، مربعے، لائسنس، وظیفے اور دیگر مراعات مل رہی تھیں۔ وہ اپنی وفاداری جتلانے کی خاطر ہمارے دشمن بن کر میدان میں آ رہے تھے۔ اس کا ذکر کسی اور جگہ آئے گا۔

مسلم کانفرنس کے چند لوگوں نے ایک شخص کو شراب پلا کر ہمارے جلسہ میں گڑ بڑھ پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی ہمارے خلاف کے کئے گئے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حملہ کرنے آیا ہو۔ وہ ہمارے قریب پہنچ گیا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ مظفر آباد کا ایک نوجوان کشمیر کے مخصوص لباس میں سر پر ٹوپی پہنے ہوئے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے حملہ آور کو پکڑ کر اسے کھینچ کر جلسہ گاہ سے باہر لے گیا۔ اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ آزادی سے جلسہ جاری رکھیں۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔

وہ وادیٔ کشمیر سے آزادی کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کے پاس اس لئے آیا تھا کہ وہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے کشمیری مجاہدین کی مدد کریں گے۔ اس نے حکومت پاکستان سے کسی قسم کی مراعات حاصل نہ کی تھیں، وہ ایک ہنر مند نوجوان تھا اور اس نے اپنی دوکان کھول کر کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اس نے اپنی امانت اور دیانت کا لوہا منوالیا تھا۔ وہ وطن سے دور نہ تھا مگر سیز فائر لائن نے اسے بہت دور کر دیا تھا۔ وہ اب اپنے گھر نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن اسے امید تھی کہ اس کا وطن ایک دن آزاد ہوگا اور وہ ضرور وہاں جائے گا۔

ہماری خواہش تھی کہ ایسے نوجوان جو باحوصلہ ہوں ہماری صفوں میں آ کر شریک ہوں، لیکن ہماری یہ خواہش اس قوت پوری ہوئی جب سرحد پار سے شیر کشمیر کی آواز آئی کہ ایک آواز ہو، ایک جماعت ہو، ایک منزل ہو، تو اس سے شمع آزادی کے پروانوں کو مدد مل سکتی ہے جو وطن میں آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو اس آواز پر ہم نے لبیک کہا اور محاذ رائے شماری بن کر حق خود ارادیت کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔

پچاس کا عشرہ ختم ہو چکا تھا، ساٹھ کے عشرہ میں ہم نے جماعت بنائی تھی اور اس تنظیم میں مظفر آباد کا وہ نوجوان بھی شامل ہو گیا تھا۔ پہلے مظفر آباد شہر ہمارے لئے ایک اجنبی شہر تھا۔ وہاں کے لوگ بھی ہمارے جانے پہچانے لوگ نہ تھے۔ لیکن ہمارے اس بہادر ساتھی جس کا ذکر کر رہا ہوں وہ خواجہ محمد یوسف زرگر ہیں جن کی شمولیت نے مظفر آباد کو ہمارا اپنا گھر بنا دیا تھا۔ ہماری تحریک کا مرکز مظفر آباد بن چکا تھا۔

تفصیلات کا موقع نہ ہے۔ طیارے کے اغواء میں جناب محمد یوسف زرگر بھی گرفتار ہو کر اپنے نامور ساتھیوں کی فہرست میں شامل ہو گئے تھے۔ جنہوں نے شاہی قلعہ لاہور کے عقوبت خانہ میں غیر انسانی سلوک برداشت کیا تھا۔ ان پر

اتنا زیادہ تشدد کیا گیا تھا کہ گوانتانا موبے کے قیدی بھی سن لیں تو ان کی چیخیں نکل جائیں۔

خواجہ محمد یوسف زرگر ایک سیاست دان، ایک محنت کش، ایک بہادر سیاسی رہنما ہے، وہ آج بھی آزادی کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہے۔ مظفر آباد کے قیامت خیز زلزلہ نے ان کے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک بہو بھی شہید ہوگئی مکان بھی ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں حوصلہ دے رکھا ہے۔

خواجہ محمد یوسف زرگر نے نئے سرے سے اپنے کاروبار کو ترقی دی، اور وہ محنت کر کے اور وہ محنت کر کے اپنی روزی کما رہا ہے۔ اور وہ وطن کی آزادی کے گیت گا رہا ہے۔ زلزلہ کے بعد کشمیر کے دونوں طرف کے کشمیریوں کو ایک دوسرے سے ملنے کی ''سرکار'' نے اجازت دی تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اپنے اباؤاجداد کے ٹھکانوں کو دیکھا۔ ہمارا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ تجارت کے لئے راستے کھولے جائیں بلکہ ہمارا شروع دن سے یہ مطالبہ ہے کہ دونوں ہمسایہ ممالک اپنی افواج کشمیر سے نکال لیں تا کہ یہ خونی لکیر ختم ہو جس نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس نے بہن بھائیوں اور ہم وطنوں کو آپس میں ملنے سے روک رکھا ہے۔ زرگر صاحب چند دن کے لئے اس پار گئے تھے اور پھر واپس آنے پر مجبور ہوئے، انہوں نے وحدت کشمیر اور اس کی آزادی کی جنگ جاری رکھی ہوئی ہے۔

ہمارے ایک اور ساتھی سنٹرل جیل میں ارشاد احمد بچھ بھی تھے وہ مظفر آباد کے معروف تاجر تھے۔ وادیٔ کشمیر کے مہاجر تھے۔ محاذ رائے شماری کے جانثاروں میں سے ایک تھے۔ وہ بھی خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔ حکومت نے انہیں جیل میں اس لئے ڈالا تھا کہ وہ طیارہ کے اغواء میں ملوث ملزمان کی مدد نہ کرسکیں۔ لیکن انہوں نے جیل میں پابند ہو کر وہ مدد پہنچائی کہ مقدمے کو مکڑی کے جالے کی طرح تار تار کر کے رکھ دیا۔

تفصیل آگے آئے گی، یہاں یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی حبس بے جا کی درخواست عدالت العالیہ میں زیر سماعت تھی۔ میں اپنی تاریخ بھگتنے کے لئے عدالت العالیہ میں گیا تو مجھے اعتماد میں لے کر کہا گیا کہ مسٹر بچھ کو سمجھا دوں کہ وہ کل اس سوال کا جواب نفی میں دے گا اور کہے گا کہ بھارت کشمیر کی خود مختاری کو تسلیم نہیں کرے گا۔ پاکستان تسلیم کرسکتا ہے۔ کیونکہ پاکستان کشمیریوں کا ایک دوست ملک ہے۔

میں نے عدالت العالیہ کے فاضل جج کو کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ محاذ رائے شماری/قومی محاذ آزادی کا کوئی کارکن اپنے ضمیر کے خلاف بیان دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ البتہ میں کوشش کروں گا کہ انہیں سمجھاؤں کہ مفروضوں کی بنا پر کئے گئے سوال کا جواب ہی نہ دیں۔ مسٹر ارشاد احمد بچھ کو میں نے واپس جیل جا کر بتایا کہ وہ رہا ہو رہے ہیں اور انہیں جرح کے وقت جذباتی نہیں ہونا چاہیے، وہ میری باتیں سنتے رہے اور ہنستے رہے۔ جیل میں جانے کی وجہ سے ان کا کاروبار تباہ ہوگیا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے کہ دِن بھر کی محنت سے جو حاصل ہوا اسے شام کو کھا لیا اور صبح اُٹھ کر پھر دکان پر بیٹھ گئے

اور خدا پر بھروسہ کیا جو رازق ہے۔ وہ رزق پہنچا دیتا ہے وہ صرف رزق کمانے ہی کی فکر میں نہ رہتے تھے بلکہ ملک کی آزادی کی جدوجہد کے لئے بھی وقت نکالتے تھے۔ ان کی دکان پر ''کارخاص'' کے لوگوں کا جھمگٹا ہوتا تھا۔ وہ وہاں جا کر خفیہ رپورٹیں مرتب کرتے رہتے تھے۔

عدالت العالیہ نے ہمیں لمبی لمبی تاریخیں دینی شروع کر دی تھیں۔ میں مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ اگر ہماری نظر بندی کی میعاد جون میں ختم ہو رہی تھی تو وہ جولائی میں تاریخ پیشی مقرر کرتے تھے۔ حکومت کی منشاء کے مطابق ہمیں تاریخی دی جاتی تھیں۔ ہمارے سامنے عدالت العالیہ کے جج صاحبان ایڈووکیٹ جنرل سے پوچھتے تھے کہ وہ حکومت / انسپکٹر جنرل پولیس سے پوچھ کر بتائیں کہ اب مزید میعاد بڑھائی جا رہی ہے یا حکومت محبوسین کو رہا کرنا چاہتی ہے اور اس انتظار میں مسل کو زیر التوا رکھا جاتا تھا، ایڈووکیٹ جنرل کو جو سرکار کا حکم ملتا تھا۔ وہ عدالت العالیہ کے ججوں کے گوش گزار کر دیا کرتے تھے۔

اور اس کے مطابق کارروائی جاری رکھی جاتی تھی۔ عدالت العالیہ ان تاخیری حربوں کی وجہ سے وکلاء میں کافی بدنام ہو رہی تھی۔ عدالت العالیہ مسٹر بچھ کو رہا کر کے نیک نام بننا چاہتی تھی، مسٹر بچھ ایک خاموش کارکن تھے نہ وہ تقریر کرتے تھے، نہ اخبارات میں بیان چھپواتے تھے نہ اجلاسوں میں شریک ہوتے تھے۔ مگر ان سب سرگرمیوں سے دور رہنے کے باوجود وہ زیرزمین اتنے بڑے بڑے کام کرتے تھے کہ سراغ رساں ادارے ان سے خوف زدہ رہتے تھے وہ گوریلاؤں کے لئے پناہ گاہیں تلاش کر کے دیتے تھے۔

اس پاران کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے بڑے نازک دور میں پاکستان فوج کی بھی بڑی مدد کی تھی، وہ جانتے تھے کہ اگر مسٹر بچھ کو جیل میں نہ رکھا گیا تو تفتیش کنندگان نے جن کو ہمارے ساتھیوں کے خلاف گواہ بنایا ہوا ہے وہ کبھی گواہی نہیں دیں گے پولیس کی رٹائی ہوئی کہانی بیان کرنے سے انکار کر دیں گے، پولیس نے گواہان کو ڈرا دھمکا اور خوف زدہ کر کے بیانات ریکارڈ کرا رکھے تھے۔ میں مسٹر بچھ کا ذکر کر رہا تھا کہ جب وہ اپنی تاریخ مقررہ پر پیش ہوئے تو ایڈووکیٹ جنرل یا عدالت العالیہ کے جج نے ان کا بیان ریکارڈ کئے جانے کے دوران سوال کیا کہ آپ لوگ ریاست کی خودمختاری کا مطالبہ کرتے ہیں؟۔

کیا پاکستان اور بھارت اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں گے تو مسٹر بچھ نے جواب دیا کہ بھارت ایک بڑا ملک ہے ہوسکتا ہے کہ وہ تیار ہو جائے لیکن پاکستان کبھی تیار نہیں ہوگا۔ یہ سوال اور اس کا جواب لکھا گیا یا نہیں مجھے یہ یاد ہے کہ عدالت العالیہ نے حبس بے جا کی درخواست منظور کرتے ہوئے انہیں رہا کر دیا تھا۔ لیکن جب میں (راقم) اپنی تاریخ مقررہ پر پیش ہوا تو جج عدالت العالیہ نے مجھ سے شکوہ کیا تھا کہ مسٹر بچھ کو ایسا جواب دینے سے منع نہیں کیا تھا میں نے

عدالت العالیہ کے جج کو بتا دیا تھا کہ ہمارے ساتھی آزاد سوچ کے مالک ہیں وہ کسی سے ڈکٹیشن نہیں لیتے۔ وہ جیل سے نہیں ڈرتے۔ وہ اپنے نظریہ پر قائم رہنے والے لوگ ہیں وہ بڑے مضبوط ایمان کے مالک ہیں۔حکومت نے ان سے ٹکر لے کر ہمیشہ اپنا سر پھوڑا ہے بڑی بڑی خوبیوں کے مالک یہ لوگ ہم سے جدا ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

گنگا اغوا کیس میں ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا خط آیا تھا جس کا نہ اطہر علی ڈی آئی جی اور نہ ہی قمر عالم ڈی آئی جی کو علم تھا۔ اس خط کا ''وعدہ معاف گواہ'' کو بھی علم نہ تھا کہ وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ ہوسکتی تھی کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط مل سکتا ہے جو ان کے عدالتی بیان کا تار پود بکھیر کر رکھ دے گا۔ وہ ایک خط پولیس کی ''تعمیر کردہ عمارت'' جسے وہ بہت مضبوط سمجھتے تھے عدالت میں پیش کیا تھا۔ عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی وہ ساری کہانی (استغاثہ کی کہانی) راکھ کا ایک ڈھیر تھی جسے آندھی نے اڑا کر اس کے ذروں کو منتشر کر دیا تھا، یہ خط کیا تھا اس میں صرف بم بنانے کی ترکیب ہی نہ لکھی ہوئی تھی بلکہ یہ خود ایک ایسا بم تھا جس نے حکومت کے ایوانوں کو بھی لرزا دیا تھا۔

اس کے بعد شک وشبہ کرنے کی بھی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی۔ وعدہ معاف گواہ کی ساری کہانی جھوٹی تھی۔ مارشل لاء اتھارٹیز کے حکم سے جب ہم سب کو گرفتار کرلیا گیا اور ہم سب کے گھروں کی تلاشیاں شروع ہوئیں تو مقبول نائیک بھاگ کر کراچی چلا گیا تھا۔ مسٹر مقبول نائک کے ذریعہ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کا مسٹر ہاشم قریشی سے رابطہ تھا۔ شہید کشمیر مقبول احمد بٹ شہید اور ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے گوریلا اپریشن کرنے کے لئے ہاشم قریشی کو بارڈر کراس کرادیا تھا۔ اور وہ اس انتظار میں تھے کہ مسٹر ہاشم قریشی جہاز اغواء کر کے جلد لائے گا۔

مسٹر ہاشم قریشی کو انہوں نے جہاز کے اغواء کی ٹریننگ راولپنڈی میں دلائی تھی۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم اپنے ذرائع سے یہ خفیہ کارروائی کرتے رہے تھے۔ ہمیں تو ان ساری باتوں کا علم طیارہ کے اغواء کے بعد تفتیش کے اختتام پر ہوا تھا۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم اور ریاست کے انقلابی رہنما اور قومی ہیرو شہید کشمیر مقبول احمد بٹ اپنے ساتھ مسٹر ہاشم قریشی کو ہمارے گھر لائے تھے وہ میرے ساتھ مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں ان کی گوریلا کارروائیوں سے اپنے آپ کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔

ہم نے انہیں مسلح جدوجہد کے لئے اختیارات دے رکھے تھے۔ اور وہ اپنی خفیہ کارروائیوں میں صرف ان ممبروں کو باخبر رکھتے تھے جو ان کے ساتھ محاذ رائے شماری کے عسکری بازو قومی محاذ آزادی میں شامل تھے، مگر ان کی یہ خواہش تھی کہ مجھے (راقم کو) پوری طرح باخبر رہنا چاہیے۔ جب وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے جان کر اپنے سب سے بڑے بیٹے افتخار احمد انصاری کو ساتھ بٹھا رکھا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا باہر چلا جائے تو وہ مجھ سے اس

''مہم'' کا ذکر کریں لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق بیٹھا رہا۔ مسٹر ہاشم قریشی اس روز بیمار بھی تھا۔

اس نے کھانا بھی نہ کھایا تھا مجھے میرے ان مکرم ساتھیوں نے دعا کرنے کے لئے کہا کہ اس کی بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بخیریت پہنچنے کے لئے دعا کی جائے۔ مجھے یہ تو علم تھا کہ انہوں نے مسٹر ہاشم قریشی کو ساتھ شامل کر لیا ہے۔ لیکن یہ علم نہ تھا کہ اسے جہاز اغواء کرنے کا کام سونپا گیا تھا، وہ یہی بتانے آئے تھے اس نے مسٹر ہاشم قریشی سے ملاقات کرانے اسے ساتھ لائے تھے میں نے مسٹر ہاشم قریشی سے ملاقات کر لی تھی۔

لیکن دوسری کسی بات کا علم نہ تھا۔ مجھے اس وقت پتہ چلا کہ مسٹر ہاشم قریشی اپنے دوسرے ساتھی اشرف قریشی کے ساتھ مل کر جہاز اغوا کر کے لاہور ائیر پورٹ پر پہنچ چکے ہیں۔ جب اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو چکی تھیں۔ میرے بیٹے افتخار احمد انصاری نے اخبار اٹھایا ہوا تھا اور اس نے فوٹو دکھا کر کہا تھا کہ یہ تو وہ لڑکا ہے جو ہمارے گھر بٹ صاحب کے ہمراہ آیا تھا اور ہم نے اس کے لئے دعا کی تھی۔ اس نے فوٹو پہچان لیا تھا۔ میں تو اس وقت بھی پہچان نہ سکا تھا۔ اغواء کی خبر پڑھ کر لوگ خوشی سی پاگل ہو رہے تھے۔ اور میرے پاس پہنچ رہے تھے اور مجھے مبارکباد کہہ رہے تھے یہ ہاشم قریشی کے ضمن میں بات لکھ دی ہے میں خط کا ذکر کر رہا تھا۔

مسٹر مقبول نائیک گھر سے بھاگ کر کراچی جا چکا تھا۔ مسٹر بشیر لون بھی گوریلا ونگ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ مسٹر مقبول نائیک کے گھر میں کوئی قابل مواخذہ اشیاء اسلحہ، خطوط وغیرہ نہ ہوں جو ہمارے ساتھیوں کے لئے باعث عذاب نہ بنیں۔ مسٹر مقبول نائیک کے متعلق یہ شبہ بھی تھا کہ وہ بھارت کے جاسوسی اداروں کے لئے بھی کام کرتا ہے۔

مسٹر بشیر لون نے اس خطرے کے پیش نظر اس کے گھر جانا پسند کیا تھا۔ ویسے بھی تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ سرحد کے آر پار وہی لوگ جایا کرتے تھے جو دونوں طرف کے فوجی اداروں کے جاسوس ہوتے تھے۔ وہ لوگ جو سرحدوں کے قریب رہتے تھے ان سے یہ کام ترغیب دے کر بھی لیا جاتا تھا اور بندوق کی نالی دکھا کر بھی انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ دوسری طرف جا کر مطلوبہ معلومات حاصل کر کے لائیں۔

ہمیں تجربہ سے یہ بھی علم ہوا کہ کوئی کشمیری بھی پاکستان کے خلاف جاسوسی نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ سرحد کے اس طرف پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی ایک دو باتیں سرحد کے اس پار جا کر فوج کو بتاتا تھا تو وہ بھارت مقبوضہ کشمیر کی تمام معلومات اکٹھی کر کے پاکستانی فوج کے حوالہ کرتا تھا۔ وہ دن دیہاڑے بارڈر کراس کرتے رہتے تھے، ایسے لوگ شہید کشمیر اور ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے ہاتھ میں بھی آ گئے تھے جنہوں نے گوریلا کارروائیوں میں ان کا تعاون حاصل کر لیا تھا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے ایک خط مقبول نائیک کے ذریعہ مسٹر ہاشم قریشی کو بھیجا تھا مسٹر مقبول نائیک نے ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو واپس آ کر بتایا تھا یا نہیں؟ مجھے اس کا علم نہیں ہے؟ لیکن ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو یہ یقین تھا کہ

مسٹر قریشی کو خط پہنچ گیا ہے۔ ان لوگوں کو معقول معاوضہ بھی دیا جاتا تھا، جو ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے مسٹر نائیک کو دے دیا تھا۔ مسٹر مقبول نائیک وہ خط لے کر بارڈر کراس کر گئے تھے لیکن بتایا جاتا ہے کہ اس روز پولیس اور فوج کے دستے بڑی تعداد میں گھوم پھر رہے تھے۔

اس بار کوئی ڈاکہ زنی کی واردات ہوئی تھی اور پولیس فوج کی مدد سے ''تفتیش'' کر رہی تھی، مسٹر مقبول نائیک کو اپنے ذرائع سے علم ہوا کہ راستہ سے گزرنا ممکن نہ ہے۔ حالات مخدوش ہیں اس لئے وہ بچ بچا کر واپس آ گئے تھے۔ وہ سرینگر نہ جا سکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وہ خط اپنے گھر محفوظ رکھا ہوا تھا اور وہ کراچی سے محاذی ساتھیوں کی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے گھر نہ آئے تھے۔ بشیر لون اسکے گھر چلے گئے اور ان کی بیگم کو سارے حالات سنائے اور اس گھر کی دونوں نے تلاشی لی تو وہ خط زیر بحث ان کے ہاتھ لگا وہ خط لے کر مظفر آباد آ گئے۔

جوڈیشنل ٹربیونل نے سماعت شروع کر رکھی تھی۔ ایک اور محبّ وطن کشمیری عبدالستار مرحوم ومغفور جو ''ستارہ'' کے نام سے مشہور تھا اس نے ہمیں اطلاع دی کہ انہیں ڈاکٹر فاروق حیدر کا خط ملا ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کی شہادت شروع ہو چکی تھی وہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے استغاثہ کی طرف سے پیش ہو رہے تھے۔ اور پولیس کی کہانی کی تائید کر رہے تھے، وہ اپنے سمیت سب ملزمان کو بھارت کا جاسوس تسلیم کرتے ہوئے تنخواہ دار ملازم کے طور پر کام کرنے کا اقرار کر رہے تھے۔ وہ سب زبانی شہادت تھی اس کا ثبوت موجود نہ تھا ہم نے ''ستارہ'' بھائی کو کہا کہ وہ خط کسی طرح ہمارے پاس پہنچا دے۔

میں یہاں ''ستارہ'' کے بارے میں مختصر بات کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ ایک غیرت مند، بہادر، آزادی پسند، اسلام کا شیدائی اور محبّ وطن کشمیری تھا۔ 1965ء کی گوریلا جنگ میں اس نے پاکستان کی فوج کی مدد اپنی جان پر کھیل کر کی تھی۔ وہ گڈریئے کے روپ میں ان کو پناہ گاہیں تلاش کر کے دیتا رہا۔ راستے دکھاتا رہا۔ ان کے آپس میں رابطے کراتا رہا، وہ فوج کی نظروں میں ایک قومی سرمایہ تھا۔ وہ ایک ہیرا تھا، خوددار اتنا تھا کہ اس نے حکومت سے کسی طرح کی مراعات حاصل نہ کی تھی۔ نہ وہ حکومت سے کسی مدد کا خواستگار ہوا۔

وہ ایک ہنر مند شخص تھا، وہ شال دوشالے اور کشمیریوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چادریں وغیرہ اپنے کندھے پر اٹھا کر پھیری کا کام کرتا رہا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتا رہا وہ بڑا نیک و پارسا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
جو رہی خودی، تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

وہ درویش خدا مست تھا۔ میں نے اسے میر پور تک آتے دیکھا ہے کہ وہ گھر گھر پھر کر شال وغیرہ بیچتا رہا۔ ہر وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی۔ وہ قوم کا سرمایہ تھا۔ اسے محاذ کے رہنماؤں کے خلاف مقدمہ کا سخت دکھ تھا وہ بہت شاکی تھا کہ محبّ الوطن رہنماؤں کو جھوٹے مقدمہ میں پھنسا دیا گیا ہے۔ وہ ہماری لکھی ہوئی جرح لاہور وکلا تک پہنچاتا رہا۔ اس کے ذریعہ ہم تک مقدمہ کی نسبت اطلاعات پہنچتی رہی تھیں۔

خط زیر بحث ہمارے پاس پہنچانے کی ترکیب اس نے نکالی تھی اور وہ یہ خط خود لے کر لاہور پہنچا تھا۔ ہم سب کی رہائی کے بعد اس کی خوشی دیدنی تھی وہ خوش خوش سویا تھا کہ مظفر آباد کے زلزلہ نے اسے معہ اہل وعیال دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ وہ مادر وطن کی گود میں ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ تاریخ ان کے سنہری کاموں کو بھول نہیں سکتی۔ وہ روشنی پھیلاتا ہوا، خوشبو بکھیرتا ہوا میٹھے میٹھے بول سناتا ہوا شہادت کا درجہ پا گیا، اللہ تعالیٰ اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین!۔

ہمارے ''ستارہ'' مرحوم نے ہمارے ساتھی ارشاد احمد بچھ کی ننھی سی بیٹی کو پیغام رساں بنا دیا۔ اس بیٹی کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ اس نے جو گوریلا کارروائی کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، وہ ایک دو دن ویسے دروازے کے اندر آ جاتی تھی۔ جیل کا دروازہ تو کھلتا رہتا ہے۔ وہ باہر کے دروازہ کے پاس کھڑی رہتی تھی اور دروازہ کھلتے ہی اندر آ کر اپنے ابو سے ملتی تھی۔ اور پھر واپس چلی جاتی تھی۔ ارشاد احمد بچھ مرحوم کی دکان جیل سے چند گز دور تھی۔ ہم بھی باہر بیٹھتے تھے، وہ جیل کے بیرونی احاطے میں تھے۔ جیل حکام بھی اُسے پیار کرتے تھے۔ بہت پیاری بیٹی ہے، اگر میرا ملک آزاد ہو گیا اور قوم بیدار ہوگئی تو اس بیٹی کو سب سے بڑا قومی اعزاز دے گی، وہ اس کی مستحق ہے۔ میں نے جب دیکھا تھا وہ ایک خوبصورت گھڑیا تھی، جیل سے باہر آنے کے بعد میں اسے آج تک نہ مل سکا، وہ جیل کے دروازہ سے اندر داخل ہوئی وہ اپنے ابو کو ایک طرف لے گئی ابو کی گود میں بیٹھ کر اسے خط زیر بحث دیا جو اس نے قمیض کے اندر چھپا کر رکھا ہوا تھا ابو نے خط سنبھال لیا۔ اور بیٹی کے ساتھ دروازہ تک گئے آج ان کے ابو اس دنیا میں نہیں ہیں ہماری یہ بیٹی باپ کی شفقت سے محروم ہوگئی ہے یہ گھرانا کشمیریوں کا گھرانہ ہے۔ یہ ایک تابندہ تاریخ ہے۔ تاریخ کی نامور بیٹیوں اور بیٹوں کا گھرانہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہمارے وطن کو آزادی نصیب کرے۔

خط زیر بحث ڈاکٹر فاروق حیدر بنام ہاشم قریشی کو کس طرح پہنچایا گیا تھا اس حصہ کو طوالت کے خطرہ کے باعث بیان نہیں کر سکتا۔ البتہ وعدہ معاف گواہ پر جرح کا آخری دن تھا ہمارا ''ستارہ'' ساتھی رات بھر سفر کر کے صبح سویرے عدالت کھلنے کے وقت سے پہلے پہنچ گیا تھا اور خط صفائی کے وکلاء کے ہاتھوں میں تھا۔

اس خط میں کیا لکھا ہوا تھا مجھے اس کی تفصیل یاد نہیں ہے لیکن ہاشم قریشی کو یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ کب کام مکمل ہوگا اور کب نشان حیدر کا سب سے بڑا اعزازی تمغہ حاصل کرو گے۔ دوسرا اس میں بوتل بم بنانے کی ترکیب لکھی گئی تھی ظاہر

ہے کہ ''نشانِ حیدر'' کا تمغہ بھارت تو نہیں دیتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا وعدہ تو پاکستان کے سراغ رساں ادارے کا کوئی اعلیٰ مقام پر فائز افسر ہی کر سکتا تھا کہ وہ اسے کون سا تمغہ دلائے گا۔

ہاشم قریشی بھارت کے لئے کام کرے اور اسے تمغہ وہ دیا جائے جو پاکستان کے لئے جان قربان کرنے والوں کو دیا جاتا ہے کیا ایسا ممکن ہے؟۔ اور کیا کوئی ہوش مند انسان ایسا سوچ سکتا ہے؟ اگر ہاشم قریشی بھارت کا ایجنٹ تھا تو اسے بوتل بم بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بم بھارت یا بھارتی مقبوضہ کشمیر میں تو نہیں پھینکا جا سکتا تھا، اور اگر پاکستان میں کوئی بم پھینکنا مقصود تھا تو کیا بھارت کے پاس ایسا کوئی بم موجود نہ تھا جو ہاشم قریشی کے حوالہ کر دیا جاتا۔

الغرض! احمقوں کی دنیا میں بسنے والے افراد ہی ایسے نتیجے نکال سکتے ہیں یہ خط عدالت میں جب پیش کیا گیا اور وعدہ معاف گواہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو وعدہ معاف گواہ نے اسے جلدی جلدی منہ میں ڈال کر نگل جانے کی کوشش کی تھی، بڑی مشکل سے وکلاء نے خط کو اس کے منہ کے پاس سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا تھا۔ وعدہ معاف گواہ شہادت دیتے ہوئے کئی بار رویا تھا اور اس دفعہ بھی رو پڑا تھا۔ اسے یہ تسلیم کرنا پڑا تھا کہ وہ خط اسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جو اس نے اپنے پیغام رساں کے ذریعہ ہاشم قریشی کو بھیجا تھا۔

چیف جسٹس پاکستان اور اس کے ساتھی جج چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ نے پڑھا۔ ''بوتل بم'' بنانے کی جو ترکیب لکھی ہوئی تھی اس کا مشاہدہ بھی کیا اور رجسٹرار کو بلا کر کہا کہ اس خط کو سر بمہر کر کے مسل کے ساتھ شامل کرے اور یہ خط کسی کو بھی دیکھنے، کھولنے اور پڑھنے کی اجازت نہ دے۔ جوڈیشنل ٹربیونل دوران سماعت مقدمہ مسٹر جنیجو چیف پراسیکیوٹر کو ایک سے زیادہ بار کہہ چکے تھے کہ وہ حکومت کو مقدمہ واپس لینے کے لئے کیوں نہیں کہتے ہیں؟۔

عدالت نے اپنے فیصلہ میں اس خط کو تفصیل سے زیر بحث نہیں لایا اور عدالت کی یہ کوشش رہی کہ حکومت بدنامی سے بچ جائے، اگر ملزم بدنام ہوتے ہیں تو وہ ہوتے رہیں، عدالت نے اس طرف توجہ نہ دی کہ یہ مقدمہ پوری کشمیری قوم کی عزت کو داغدار کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ وہ ہمارے ساتھی ایک انقلابی تحریک کے بانی تھے۔ وہ صدیوں کی سوئی ہوئی غلام قوم کو صور اسرافیل پھونک کر جگا رہے تھے۔ لیکن عدالت تو حکومت کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر رہی تھی۔ پاکستان میں مارشل لاء کی وجہ سے ہی جمہوری نظام ختم نہیں ہوتا رہا۔ بلکہ عدالتیں بھی اس کی غارت گر رہی ہیں ہمارے اس مقدمہ کا فیصلہ بھی قانونی فیصلہ نہ تھا، بلکہ ایک سیاسی فیصلہ تھا۔

جوڈیشنل ٹوبیونل نے عدالتی فرائض ہی ادا نہ کئے تھے بلکہ وہ خود پولیس کا کردار بھی ادا کرتے رہے وہ اس مقدمہ کی خود بھی تفتیش کرتے رہے۔ چیف جسٹس یعقوب علی چوہدری نے پشاور کا خفیہ دورہ کیا، وہ شہید کشمیر کے بچوں کے رہن سہن اور ان کی رہائش گاہ کو دیکھنے گئے تھے جس کا ذکر انہوں نے عدالت میں خود کیا تھا بچے ایک ٹوٹے پھوٹے خستہ

مکان میں ہیں۔ مقبول احمد بٹ شہید کے چچا کے ہمراہ رہتے تھے۔ ان کا لباس بھی ان کی غربت اور پسماندگی کی گواہی دیتا تھا۔ عدالت کے سامنے ایک گواہ نے یہ کہا تھا کہ وہ سنٹرل جیل سیری نگر سے جیل توڑ کر نکلا تھا۔ اس نے جیل کی فصیل کو پھلانگا تھا، عدالت نے گواہ مسٹر نقی کے بیان کے مطابق جیل کے اندر ایک دیوار بنوائی تھی اور مسٹر نقی کو لوہے کی کنڈی بنانے کے لئے کہا جس میں رسی ڈال کر وہ سرینگر جیل میں دیوار کے اوپر چڑھا تھا یہ ایک تفصیل طلب معاملہ ہے۔

کوٹ لکھپت جیل میں عدالت کے حکم پر دیوار بنائی گئی اور بشیر لون نے اس دیوار کو پھلانگ کر دکھا دیا تھا۔ بشیر لون گوریلا ونگ سے تعلق رکھتا تھا، یہ بڑا جانباز ساتھی ہے اسی نے مقبول نائیک کے گھر جا کر خط مذکورہ بھی نکالا تھا جسے عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ وہ خود بھی عدالت میں بطور گواہ صفائی پیش ہوا تھا وہ اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ یہ بڑے بہادر اور جانثار لوگ تھے۔ جنہیں ملک وقوم کی آزادی کی تڑپ نے مہاجر بنایا تھا، وہ اپنے پاکستانی بھائیوں سے مدد طلب کرنے آئے تھے تاکہ وہ ملک کو آزاد کرا سکیں۔ لیکن پاکستان کے حکمرانوں نے انہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ اور جو بچ نکلے تھے انہیں جاسوسی کے جھوٹ الزامات لگا کر داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی تھی۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں جو تفتیش کی تھی اس کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ میں بشیر لون کو قوم کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہوں۔ عدالت جس کا شروع دن سے معاندانہ رویہ تھا اگر اس کے پاس ٹھوس شواہد پیش نہ کئے جاتے تو وہ ہمارے رہنماؤں کو پھانسی پر لٹکا دینے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔

جگوں کا دِل بھی دکھی تھا۔ ان کا پاکستان بھی دولخت ہو چکا تھا۔ اور بھارت نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ 1971ء کی جنگ میں پاکستان کو شکست ہوئی، بنگلہ دیش بن گیا اور بھارت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ اس نے دوقومی نظریہ کو ہمیشہ کے لئے خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے۔ ایسی فضا میں ہم ایسا مقدمہ بھگت رہے تھے جس میں ہمارے خلاف یہی الزام تھا کہ ہم نے بھارت کی سازش سے گنگا طیارہ اغوا کیا ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران چیف جسٹس یعقوب علی چوہدری نے مظفر آباد سنٹرل جیل کا دورہ کیا تھا۔ بیانات گواہان اور ملزمان سے ایک بات یوں سامنے آئی تھی کہ مقبول احمد بٹ شہید نے سدھن گلی سے بارڈر کراس کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ سنٹرل جیل توڑ کر نکلے تھے، سنٹرل جیل مظفر آباد اور سنٹرل جیل سرینگر دونوں مہاراجہ کے دور کی جیلیں بنی ہوئی تھیں، ان کا نقشہ بھی ملتا جلتا تھا۔ جسٹس یعقوب علی نے آزادی سے قبل سرینگر دیکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ صرف چناری کا راستہ ہی سرینگر کو جاتا ہے۔ دوسرے جیل کو توڑ کر سڑک پر مقبول احمد بٹ کیسے آ گئے تھے۔ وہ جیل دیکھنے کے لئے مظفر آباد گئے تھے۔ اس معاینہ کی کہانی بڑی طویل اور دلچسپ ہے، لیکن میں اسے اختصار سے بیان کروں گا۔

میں پورے ایک سال کے بعد اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ مظفر آباد جیل سے رہا ہو کر ایک دو دن کے لئے

گھر آیا تھا۔اس کے بعد مقدمہ کی پیروی کے لئے لاہور چلا گیا تھا۔ ہمارے دو تین سال اسی دوڑ دھوپ میں گزرے تھے ایک دن مجھے پیغام ملا کہ مسٹر جسٹس یعقوب علی چوہدری مظفر آباد جیل دیکھنے جارہے ہیں اور وہاں میرا جانا ضروری ہے۔ میں اس عرصہ میں وکالت کی طرف بھی توجہ نہ دے سکا تھا۔

مسلسل قید، سفر اور گھر سے باہر رہ کر بیمار بھی ہو چکا تھا۔ میرے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ لاہور کے پیغام رساں نے جب مجھے ساتھی ملزمان کا پیغام دیا تھا تو اس وقت میرے پاس ایک ضمانت کی درخواست بھی بحث کے لئے ایک اہل مقدمہ پہنچ گئے تھے۔ ایک دن کی بات تھی مجھے معقول فیس مل رہی تھی اور میں اس وقت ضرورت مند بھی تھا۔ مگر فرض کی ادائیگی کے لئے میں نے مقدمہ میں پیش ہونے سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے خود مظفر آباد چلا گیا تھا میں مسٹر جسٹس یعقوب علی چوہدری کی نسبت معلومات حاصل کرنے کے لئے ہائی کورٹ مظفر آباد کی طرف چلا گیا۔

ہمارے چیف جسٹس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ جسٹس یعقوب علی کی وجہ سے آپ آئے ہوں گے اور خود ہی بتایا کہ ایس ایس پی چوہدری فضل حسین (مرحوم) ان کے پاس آئے تھے اور انہوں نے ان سے جسٹس صاحب سے اجازت چاہی تھی کہ پاکستان کے چیف جسٹس کے اعزاز میں عصرانہ کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں، حکومت اخراجات برداشت کرے گی، اور وہ عصرانہ آپ کی طرف سے دیا جائے گا۔ حکومت کا یہ خیال ہے کہ ایک تاریخی مقدمہ زیر سماعت ہے اور وہ اس میں اپنے آپ کو الگ رکھنا چاہتی ہے۔

اس پر جیسا کہ چیف جسٹس نے بتایا تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ عدالت العالیہ کے پاس فنڈز موجود نہیں ہیں۔ اس لئے وہ عصرانہ کا انتظام نہیں کر سکتے اور حکومت کی طرف سے جو عصرانہ دیا جارہا ہے وہ اس کو اپنے نام سے منسوب کرنے کو اپنے وقار کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ایک عرصہ ہوا اس لئے تفصیلات یاد نہیں، البتہ انہوں نے مسٹر یعقوب علی مرحوم کے مظفر آباد پہنچنے کا وقت اور ان کی رہائش کے لئے جگہ کی نسبت لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں یہ بتایا تھا کہ ہم چوہدری فضل حسین ایس ایس پی سے جا کر یہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

ان کے پاس ان کی آمد و رفت کا سارا پروگرام موجود ہے۔ میں تو صرف اتنی تصدیق چاہتا ہوں کہ وہ مظفر آباد پہنچ گئے ہیں یا نہیں؟۔ اس کا علم ہو گیا تھا، ہمارے لئے یہ کافی تھا۔ مجھے دھندلی سی یاد ہے کہ میں پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی کو ساتھ لے کر ایس ایس پی کے دفتر میں گیا تھا، اور ان سے جب دریافت کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں کوئی پتہ نہیں ہے کہ وہ آئیں گے یا نہیں۔ اور اگر آئیں گے تو کہاں ٹھہریں گے؟ میں ان سے مصافحہ کر کے ان کے دفتر سے باہر ہنستا ہوا نکلا۔ مجھے پیرزادہ صاحب کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑی تھی کہ وہ میر پور کے باسی تھے اور انہوں نے ہم سے وہ بات دانستہ چھپائی جو چیف جسٹس عدالت العالیہ مظفر آباد کو بتا کر واپس گئے تھے۔

اس سے پہلے میں نے مظفر آباد پہنچ کر ایک ہوٹل میں سامان رکھا تھا۔ اور سیدھا جیل کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ مجھے جس کمرہ میں ایک سال تک نظر بند رکھا گیا تھا اس کے باہر کے دروازہ پر ایک بورڈ لگا دیا گیا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ جوڈیشل لاک اب برائے مستورات، صحیح عبارت یاد نہیں ہے۔ لیکن یہ دکھایا گیا تھا کہ وہ کمرہ صرف مستورات ملزمات کے لئے مخصوص تھا۔ میں نے داروغہ جیل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ حکومت اور پولیس کے اعلیٰ افسران کی ہدایت کے مطابق وہ تختی لگائی گئی تھی۔

داروغہ جیل محمد حسین شاہ مرحوم تھا۔ وہ بہت شریف اور نرم دل انسان تھا۔ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر بتایا کہ اسے علم ہو گیا تھا کہ پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جیل کا معائینہ کرنے آ رہے ہیں اسنے مجھے بہت سی خفیہ معلومات بھی بہم پہنچائی تھیں اور میں اس کے کہنے پر وزیر جیل خانہ جات کو بھی شام کے بعد رات کے اندھیرے میں ملا تھا اور اسے ساری صورت حال بتائی تھی۔ میں نے اس سے ملاقات کرنے سے قبل ایک پریس کانفرنس بھی کی تھی اور پریس کے نمائندگان کو ساری صورت حال بتائی تھی کہ حکومت آزاد کشمیر ہمارے رہنماؤں کو جو جوڈیشل ٹربیونل میں بغاوت، غداری اور جاسوسی کے مقدمہ میں ملوث ہیں پھنسانے کے لئے ایسے حربے استعمال کر رہی ہے۔

عدالت سماعت کنندہ کے پاس یہ شہادت گزری تھی کہ سرینگر جیل سے فرار مشکل نہ تھا، پتھروں کی بنی ہوئی دیواریں تھیں دو پتھر نکال کر ملزم بڑی آسانی سے بھاگ سکتا تھا۔ میں نے بھی جج کو بتایا تھا کہ میں جس کمرہ میں محبوس تھا اگر اس کے دو پتھر ہٹا دیئے جائیں تو آسانی سے کوئی بھی شخص باہر نکل کر سڑک پر پہنچ کر بھاگ سکتا ہے۔ چیف جسٹس بیانات کی تصدیق کے لئے مظفر آباد جیل دیکھنے آئے تھے۔

مجھے داروغہ جیل نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ حکومت کا پروگرام یہ ہے کہ وہ پولیس کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو جیل کے دروازہ کے اندر نہیں آنے دیں گے، میں نے یہ ساری صورت حال پریس نمائندگان کے سامنے رکھ دی تھی۔ اور اعلان کر دیا تھا کہ کل جیل کے باہر ہمارے کارکن کھڑے ہوں گے اور اگر ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ہم چیف جسٹس پر بھی پتھراؤ کریں گے اور اسے جیل کا معائنہ کرنے نہیں دیں گے ہمارے مطالبات یہ تھے کہ ''نیا بورڈ'' جو لگایا گیا ہے اسے اتارا جائے۔ ہمارا ایک نمائندہ چیف جسٹس کے ساتھ جیل کے اندر بھی جانے دیا جائے۔ رات کو وزیر جیل خانہ جات کو بھی میں نے بتا دیا تھا کہ حکومت کی اس سازش کا ہمیں علم ہو چکا ہے اور اگر ہماری راہ میں رکاوٹ ڈالی گئی تو فساد ضرور ہوگا۔ اور اس کے ذمہ دار وزیر جیل خانہ جات ہوں گے۔

اس وقت وزیر جیل خانہ جات جموں کے ایک مہاجر تھے۔ ہم پرنس آف ویلز کالج میں اکٹھے پڑھتے رہے تھے۔ وہ مجھ سے جونیئر تھے۔ لیکن ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ خواجہ اقبال (غالباً ان کا نام یہی تھا) وزیر

تھے، اور حسن اتفاق سے وہ میر برادران (میر عبدالمنان ایم۔اے علیگ اور میر عبدالقیوم) کے قریبی رشتہ دار بھی تھے، میں نے انہیں شرم دلائی کہ ایک جھوٹے مقدمہ میں یحییٰ خان اوراس کا ٹولہ انہیں پھانسی پر لٹکانا چاہتا ہے اور وہ (وزیر موصوف) اُن کے ساتھ شامل ہوکراس گناہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

وہ مجھے دیکھتے ہی گھبرا گئے تھے لیکن میں نے انہیں تسلی دی تھی کہ محکمہ سراغ رسانی والوں سے آنکھیں بچا کرنکل آیا ہوں، میں لباس بدل کر گیا تھا۔اوران سے ملا تھا اورمل کرجلد واپس چلا گیا تھا۔اب حکومت کے لئے مشکل پیدا ہوگئی تھی اگر وہ مجھے گرفتار کرتے ہیں تو نہ صرف حکومت بدنام ہوتی ہے بلکہ چیف جسٹس بھی ناراض ہو سکتے تھے اوراستغاثہ کوفائدہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔اوراگر وہ گرفتار نہیں کرتے تھے توان کی سازش بے نقاب ہوجاتی تھی۔

حکومت نے گرفتار نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھے جیل کے باہر کے دروازہ سے اندر جانے سے نہ روکا گا، گیا انہوں نے یہ پروگرام بنارکھا تھا کہ مجھے جیل کے اندرجانے والے دروازہ سے باہر رکھا جائے گا،اور چیف جسٹس کے ساتھ داروغہ اورایس ایس پی اندر چلے جائیں گے۔جب چیف جسٹس جیل کے دروازہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے بڑی تعداد میں لوگوں کوکھڑے دیکھا مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ ''آپ کب پہنچے؟'' غالباً یہ بھی کہا تھا کہ وہ تو میرے منتظر تھے، چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ علیک سلیک کی اور بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوگئے اور میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا، چوہدری فضل حسین مرحوم ایس ایس پی اپنے دیگر پولیس افسران کے ہمراہ چیف جسٹس صاحب کے پیچھے پیچھے تھے۔جب جیل کے اندرونی دروازہ کا تالا کھولا گیا تو مجھے روک لیا گیا۔

میں نے اس پر احتجاج کیا، چیف جسٹس صاحب نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حیران ہوگئے کہ پولیس نے مجھے گھیراؤ میں لیا ہوا ہے۔انہوں نے کہا کہ ان کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے انہیں اندر آنے سے کیوں روک رہے ہو پولیس پیچھے ہٹ گئی اور میں جیل کے اندر چلا گیا۔اب داروغہ جیل اورایس ایس پی بھی پیچھے تھے اور میں چیف جسٹس صاحب کو جیل میں پھرا رہا تھا۔انہیں کچن، قیدیوں کی بارکیں اورڈیتھ سیلز دکھا رہا تھا۔

اور جہاں جہاں میں محبوس رہا وہ کمرے، وہ تنگ وتاریک پھانسی کی کوٹھڑیاں اور مستورات کے لئے مخصوص کمرے اوراحاطہ جہاں سزا یافتہ اور زیرسماعت مقدمات میں جوڈیشل لاک اپ میں قید رکھی جاتی تھیں وہ جگہیں معائنہ کرا رہا تھا۔جب چیف جسٹس نے جیل کی اونچی فصیل کی طرف دیکھا تو میں نے انہیں بتایا کہ ابھی چند دن ہوئے ہیں کہ ایک قیدی اس دیوارکو پھلانگ کر بھاگ گیا ہے۔داروغہ جیل نے تصدیق کی۔

ایک اورجگہ بھی دکھائی جہاں ''پاگل'' بندکرکے رکھے جاتے تھے میں نے انہیں بتایا کہ حکومت کے صدر کے ایک قریبی عزیز اس کمرہ میں بندر کھے گئے تھے ہم بھی پاگلوں کی وجہ سے یہ ستم سہہ رہے ہیں۔وہ زیرلب مسکرائے، جیل

سے باہر نکل کر اس کمرہ کے پاس ان کو روکا اور بتایا کہ یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں گنگا طیارہ کیس میں نظر بند رہ کر پورے ایک سال کے بعد رہا ہو کر آپ کی عدالت میں پہنچا تھا۔ یہ تختی حکومت نے آپ کی آمد کی اطلاع کے بعد لگوائی ہے۔

چیف جسٹس نے داروغہ جیل کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ ہمیں اطلاع نہ تھی لیکن یہ درست ہے کہ ابھی چند دِن ہوئے انہوں نے حکومت اور پولیس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تختی لگا دی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ایک سال تک اس میں مسٹر انصاری (راقم) نظر بند رکھے گئے تھے۔ چیف جسٹس نے داروغہ جیل سے ایک اور سوال کیا کہ کیا اس کمرہ سے کوئی ملزم بھاگ سکتا ہے؟ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا کہ ملزم بڑی آسانی سے بھاگ سکتا ہے۔

صرف ایک دو پتھر ہٹا کر ملزم نکل سکتا ہے اور ساتھ ہی سڑک ہے وہ جدھر چاہے جا سکتا ہے۔ ایس ایس پی اور پولیس کے دوسرے لوگ بھی خاموشی سے سنتے رہے۔ چیف جسٹس صاحب نے مجھے کہا کہ آپ انسپکٹر جنرل پولیس/ ایس ایس پی کے دفتر میں کل دس بجے پہنچ جائیں اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر اپنی رہائش گاہ کی طرف نکل گئے۔

دوسرے دِن میں ایس ایس پی کے دفتر میں پہنچا تو مجھ سے پہلے چیف جسٹس پہنچ چکے تھے۔ دیواروں پر آزاد کشمیر اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے نقشے لٹک رہے تھے۔ میرے سامنے چیف جسٹس نے ایس ایس پی سے سرینگر جانے والے راستوں کے بارے میں پوچھا، وہ انہیں راستے دکھاتے رہے میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ چیف جسٹس صاحب یہ سمجھتے تھے کہ مظفر آباد سے سرینگر کو چناری سے گزر کر جانا پڑتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ انہوں نے براہِ راست سوال کیا کہ کیا سدھن گلی سے بھی کوئی راستہ سری نگر ہو جاتا ہے۔

ایس ایس پی نے کہا کہ یہ راستہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ بارڈر کراس کر کے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں گے راستے میں گھنے گھنے جنگل ہیں۔ مختلف پک ڈنڈیاں بھی ہیں اس طرف بھارتی فوج کی چوکیاں بھی نہیں ہیں، اور ساتھ ہی بتایا کہ جب پولیس کو اہم معلومات حاصل کرنی ہوتی ہیں تو اسی راستہ سے ان کے آدمی اندر جاتے ہیں۔ فوج بھی اپنے سراغ رساں گروہ اسی راستہ سے بارڈر کراس کرا کر انہیں اندر بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھیجتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ گوریلا مجاہدوں کے لئے یہ سب سے زیادہ آسان، سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ محفوظ راستہ ہے۔ اس راستہ میں بھارتی فوج اور مقبوضہ ریاست کی پولیس کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔

چیف جسٹس نے یہ ساری باتیں سنیں وہ چکار جانے کا پروگرام بھی بنا کر آئے تھے، انہوں نے مجھے دفتر سے جانے کے بعد اپنی رہائش گاہ سے پیغام بھجوایا کہ انہوں نے چکار کے دورے کا پروگرام منسوخ کر دیا ہے اور وہ واپس جا رہے ہیں۔ اس لئے میں بھی اب جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ چیف جسٹس نے یہ محسوس کیا تھا کہ آزاد کشمیر کے لوگ پولیس کے افسران اور عدالتوں کے جج بھی ہمارے مقدمہ کو جھوٹا مقدمہ سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں وہ تحریک آزادی کے لئے

جدوجہد کرنے والے کارکنان مانتے اور ہماری عزت کرتے ہیں۔

عدالت میں آزاد کشمیر کے ایک سینئر پولیس افسر فرمان علی شاہ مرحوم بطور گواہ استغاثہ پیش ہوئے تھے، آزاد کشمیر میں ایک جگہ سے چھپایا ہوا اسلحہ برآمد کیا گیا تھا۔قمر عالم اور اطہر علی کی ٹیم نے اس اسلحہ کو بطورِ شہادت پیش کرتے ہوئے اپنی ضمنیات میں یہ درج کیا تھا کہ ہم لوگ (محاذ رائے شماری/قومی محاذ آزادی والے) آزاد کشمیر میں گڑ بڑھ پھیلانے کے لئے اسلحہ جمع کررہے تھے۔اور بھارت کی ایماء پر آزاد کشمیر میں مسلح جدوجہد کرکے اسے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ پولیس کی من گھڑت کہانی کی تائید کے لئے سید فرمان علی شاہ مرحوم کو جو اس وقت آزاد کشمیر کے سیکرٹری داخلہ بھی تھے پیش کیا گیا تھا۔

مرحوم نے اسلحہ ضبط کئے جانے کی تائید کی، غالباً وہ اسلحہ انہوں نے ضبط کیا تھا۔ وہ فرد ضبطی کے گواہ تھے۔ وہ اس حد تک استغاثہ کی کہانی کی تائید کررہے تھے۔ عدالت نے گواہ سے پوچھا کہ یہ اسلحہ کیوں اکٹھا کررہے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مقبول احمد بٹ شہید اوران کے ساتھیوں نے بھارتی قبضہ کے خلاف گوریلا جنگ شروع کررکھی ہے اور وہ یہ اسلحہ اپنے ساتھیوں کے پاس بھیجتے تھے جو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کررہے تھے۔عدالت نے جب یہ پوچھا کہ کیا یہ اسلحہ آزاد کشمیر حکومت کے خلاف بھی استعمال کرنے کے ارادے رکھتے تھے؟ یا آزاد کشمیر میں گڑ بڑھ بھی پھیلانا چاہتے تھے؟ ۔تو گواہ نے نفی میں جواب دیا تھا، عدالت نے چیف پراسیکیوٹر مسٹر جنیجو کو کہا کہ عدالت کا وقت کیوں ضائع کررہے ہو؟ وہ شرمندگی سے سر نیچا کئے ہوئے کھڑا تھا۔

دوسرا واقعہ گلگت سے تعلق رکھتا ہے، گلگت میں کسی ٹھکانے سے اسلحہ برآمد کیا گیا تھا۔اس کے گواہ کیپٹن بابر خان ایس پی تھے۔ وہ ایک عظیم مجاہد تھے وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے گلگت کو آزاد کرایا تھا۔ یہ ذکر کسی اور مقام پر بھی آئے گا یہاں اس گواہ کی شہادت بھی بطور گواہ فرد ضبطی اسلحہ تھی۔ گواہ نے ضبطی کی تصدیق کی تھی۔

لیکن جب موصوف سے پوچھا گیا کہ یہ اسلحہ اس لئے جمع کیا گیا تھا کہ گلگت میں حکومت کے خلاف استعمال کیا جائے تو اس نے بھی نفی میں جواب دیا تھا اور عدالت کو بتایا تھا کہ یہ اسلحہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں گوریلا کارروائیوں کے لئے جمع کیا گیا تھا۔اور ساتھ ہی عدالت کے سوال کرنے پر یہ بھی بتایا تھا کہ محاذ کے رہنما گلگت میں بدامنی پھیلانے نہیں گئے تھے۔ وہ تو صرف یہ مطالبہ کرتے تھے کہ گلگت کے عوام کو بنیادی حقوق انسانی دیئے جائیں۔ ایف سی آر (جو ایک کالا قانون ہے) کو ختم کرکے پاکستان پینل کوڈ نافذ کیا جائے اور عدالت العالیہ میں انہیں اپیل کا حق دیا جائے۔ یہ تھی وہ شہادت جس کی بنا پر جنرل یحیٰی خان اور اس کے ٹولہ نے ہمارے رہنماؤں کے خلاف بغاوت کا مقدمہ بنا کر انہیں جوڈیشل ٹربیونل کے سامنے کھڑا کردیا تھا۔

ملزموں کا یہ کٹہرہ دنیا کے سچے انسانوں کے حصہ میں بھی آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھی

ڈاکوؤں کے کٹہرے میں کھڑے کیئے گئے تھے۔ہمیں اس کا اس لئے افسوس نہ تھا کہ انہیں ملزموں کے کٹہرے میں کیوں کھڑا کیا گیا تھا۔ہمیں افسوس یہ تھا کہ یہ سب حکمران جانتے تھے کہ مقدمہ جھوٹا ہے پولیس کو بھی علم تھا کہ مقدمہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ بھارت کے دعویٰ کا جواب دیا جاسکے۔اور پاکستان پر عالمی دباؤ کم کیا جاسکے۔

لیکن اس کے باوجود ہمارے معزز رہنماؤں اور کشمیر کے قابل فخر سیاست دانوں پر وحشیانہ ظلم کر کے ان سے جھوٹے بیانات ریکارڈ کرائے گئے۔میر عبدالمنان اور جی ایم لون جیسی قابل فخر شخصیات پر جسمانی تشدد کی انتہا کر دی گئی تھی۔''گوانتا ناموبے''میں القاعدہ کے قیدیوں پر امریکہ پولیس نے جو ظلم کیئے اس کے خلاف دنیا بھر کی انسانی حقوق کی محافظ تنظیموں نے احتجاج کیا ہے،ذرائع ابلاغ نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔لیکن ہمارے ان رہنماؤں کے خلاف پاکستان میں بھی کسی نے آواز بلند نہ کی تھی۔

حالانکہ القاعدہ کے قیدیوں سے بڑھ کر ان پر ظلم ڈھائے گئے۔اور سب سے بڑھ کر افسوس اس پر ہے کہ عدالت سماعت کنندہ میں ثبوت پیش کیئے گئے لیکن اس نے بھی اپنے فیصلہ میں اس درندگی،وحشت و بربریت اور چنگیزیت کے خلاف ریمارکس تک نہیں دیئے۔تاکہ تفتیش کنندہ ٹیم کے جلادوں کی نوکریاں ختم نہ ہوں۔اور نہ ہی حکومت سے ہمارے رہنماؤں کو معاوضہ دلایا گیا۔یہ دو تین سال کا عرصہ جیلوں میں رہنے سے ان کے کاروبار تباہ ہو گئے۔

کریسنٹ پبلسٹی پاکستان کی مشہور کمپنی تھی اور اس کا کاروبار ملک بھر میں پھیلا ہوا تھا،وہ ختم ہو گیا۔مسٹر جی ایم لون پاکستان کے مشہور کارپٹ انڈسٹری کے مالک تھے ان کے کارخانوں کا تیار کردہ کارپٹ یورپ اور امریکہ میں برآمد ہوتا تھا۔وہ تمام کاروبار ٹھپ ہو گیا تھا۔ان کے جسمانی اور ذہنی اور روحانی نقصانات کا معاوضہ تو حکومت پاکستان ادا کرنے کے قابل ہی نہ تھی،لیکن پھر بھی عدالت نے جو فیصلہ دیا اس میں اس ظلم کو واشگاف الفاظ میں لکھ کر اس کی مذمت بھی نہ کی تا کہ ان کے حکمران ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔

یہ فیصلہ غیر متعلقہ باتوں کا ذکر کر کے اتنا طویل لکھا گیا ہے کہ پاکستان کے قانونی جریدے پی ایل ڈی وغیرہ بھی اسے اپنی کتابوں میں جگہ نہ دے سکے۔اگر مختصر،جامع اور مقدمہ سے متعلق فیصلہ ہوتا تو کم از کم پاکستان کے وکلاء حضرات تو پڑھ کر ایسے حکمرانوں پر لعنت بھیجتے جنہوں نے آزادی کی تحریکوں کو عدالتوں کا ہتھیار استعمال کر کے آگے بڑھنے سے روکے رکھا تھا۔گنگا طیارہ کے اغواء کے لئے ہی جوڈیشنل ٹریبونل نہیں بنائے گئے۔بلکہ شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف اگرتلہ سازش کیس کے نام سے بھی عدالت قائم کی گئی تھی۔

خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بھی ٹریبونل بنائے گئے۔راولپنڈی سازش کیس کے ٹریبونل کا فیصلہ اور عدالت العالیہ کا اس پر ردعمل بھی سب کو یاد ہوگا۔مارشل لاء کی حکومتوں کے دوران مشرقی پاکستان،سرحد(خیبر

پختونخواہ)اور کشمیر کے رہنماؤں کو بھی اس کٹھن راہ سے گزرنا پڑا ہے۔

جنہوں نے آزادی کی خاطر مردانہ وار حکومتی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کیا اور سرخ رُو ہوئے۔اس ٹربیونل کے پاس میرا (راقم کا) بیان بھی قلمبند ہوا تھا۔تفتیش کنندہ پولیس افسران نے مجھے ایک خط کی بنا پر شریک ملزم قرار دے رکھا تھا۔میرا ٹرائیل تو نہیں ہوا، لیکن مجھے گرفتار کر کے جیل میں رکھا ہوا تھا۔ان کا خیال ہوا ہوگا کہ عدالت مجھے بھی طلب کرے گی۔اگر فوجی ٹولے کا پہلا فیصلہ قائم رہتا جس میں انہوں نے 40/50 (چالیس، پچاس) محاذ کے راہنماؤں اور کارکنوں کو فوجی عدالت میں پیش کر کے انہیں سزا دلا کر فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی مار کر ہمیں ختم کرنے کا پروگرام بنایا تھا تو ہم سب اس میں شامل تھے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد پہنچتی رہی، اس فیصلہ کے بعد جوڈیشنل ٹربیونل کے پاس بھی ہمیں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے کرنے پر وہ سوچ رہے تھے۔اللہ تعالیٰ کی نصرت نے ہمیں بچا لیا تھا۔اس کا ہمیں عدالت سماعت کنندہ کے جج سے پتہ چلا تھا۔انہوں نے عدالت میں یہ ظاہر کیا تھا کہ یحییٰ خان کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور بھٹو شہید نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر یحییٰ خان کے بچے کھچے پاکستان کو بچانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی، تو اس وقت یہ راز کی باتیں باہر آئی تھیں۔میرے خلاف یہ الزام تھا کہ میں بحیثیت وکیل جو بھارتی ایجنٹ بھارتی مقبوضہ کشمیر سے پاکستان میں آتے ہیں۔اور فوج انہیں پکڑ کر پوچھ گچھ کرتی ہے تو ان کی طرف سے حبس بے جا کی درخواستیں دائر کر کے انہیں رہائی دلاتا ہوں۔

اور وہ جاسوس رہا ہو کر واپس بخیریت چلے جاتے ہیں۔اس الزام کی تائید میں انہوں نے ایک خط میرے گھر سے ضبط کر کے پیش کیا تھا۔یہ خط غالباً پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی نے لکھا تھا مجھے اس شخص کا نام یاد نہیں رہا ہے میں اس کا نام محمد لال لکھ رہا ہوں اس کو فوج نے رام لال کا نام دے رکھا تھا۔یہ دونوں نام فرضی ہیں۔اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نوجوان بھارتی مقبوضہ کشمیر سے آیا تھا اور وہ پاکستان کے مفاد کے لئے کام کرتا تھا۔بیشتر ایسے نوجوان پاکستان کی فوج کے لئے کام کیا کرتے تھے۔اور جب فوج کی کسی یونٹ کا کمانڈر/ افسر ناراض ہو جاتا تھا تو اسے ہندو یا سکھ کا نام دے کر فوج کے بنائے ہوئے ٹارچر سیل میں بھیج دیا جاتا تھا یا اسے قلعہ گوجرہ جسے بلیک فورٹ بھی کہتے ہیں اس میں بند کر دیا جاتا تھا۔

اور بیشتر لوگ دولائی ٹارچر سیل میں بند کر دیئے جاتے تھے جہاں آزاد کشمیر کے سیاسی کارکنوں کو بھی قید کر کے تشدد کرنے کے لئے رکھا جاتا تھا۔ایک ایسا واقعہ محمد صابر انصاری کو بھی پیش آیا تھا۔دولائی جیل میں سرحد کے اُس پار سے آئے ہوئے نوجوان کی ملاقات آزاد کشمیر کے نوجوانوں سے بھی ہو جاتی تھی۔اور وہاں بہت سے راز فاش ہو جایا کرتے تھے۔ہیرانگر کا ایک نوجوان بھی محمد صابر انصاری سے ملا تھا۔اور اس نے بھی اپنی درد بھری کہانی سنائی تھی۔جب مجھے خط زیر بحث ملا تھا تو میں نے عدالت العالیہ میں حبس بے جا کی درخواست دائر کر دی تھی مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ وہ درخواست کسی

دوسرے شخص نے دائر کی تھی یا محمد لال نے خود جیل سے بھیجی تھی، البتہ یہ یاد ہے کہ میں نے اس میں بحث کی تھی اور وہ نوجوان عدالت العالیہ کے حکم سے آزاد کر دیا گیا تھا۔

تفتیش کے دوران پولیس نے خط زیر بحث کو میرے خلاف استعمال کرنے کے لئے اس نوجوان (جس کا نام رام لال لکھا ہوا تھا) کو گرفتار کر کے غالباً شاہی قلعہ لاہور میں رکھا گیا۔ پولیس کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ نوجوان بے گناہ بے قصور اور معصوم تھا۔ مجھے دوسرے ملزمان رہنماؤں کے ساتھ نتھی کرنے کے لئے اپنی ضمنیات میں یہ کہانی بنائی تھی کہ بھارتی جاسوسوں کے ساتھ ہم ملے ہوئے تھے۔ اور پاکستان کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ وہ خط بطورِ شہادت پیش کیا جاتا تھا۔

اس لئے پولیس نے اسے واہگہ بارڈر لے جا کر بھارت کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اور اسے انتباہ کیا تھا کہ اگر وہ پاکستان کی طرف آیا تو اسے گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ وہ نوجوان موقع پا کر سرحد سے ہی واپس آ کر لاہور کے مضافات میں چھپ کر رہنے لگا تھا، پولیس اپنے طور پر مطمئن تھی کہ وہ نوجوان پار بھارت میں جا چکا ہے۔ اس لئے اس نے من گھڑت کہانی کو استغاثہ کی زینت بنایا تھا۔ جب ہم مظفر آباد سے رہا ہو کر لاہور پہنچے تو وہاں مجھے کسی کارکن نے بتایا کہ وہ نوجوان ادھر پاکستان میں ہی ہے۔

وہ کارکن میرے کہنے پر اسے تلاش کر کے لے آیا تھا۔ لاہور ہمارا دفتر تھا۔ وہ وہاں آتا رہا وہ بہت خوف زدہ تھا۔ اس کو میں نے یقین دلایا کہ بادل چھٹ گئے ہیں حکومت بدل چکی ہے۔ حالات ہمارے حق میں سازگار ہو گئے ہیں۔ ہم سب دوستوں کو دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا میں نے اسے عدالتی کارروائی کی نسبت بھی بتایا۔ اسے عدالت میں بھی لے جاتے رہے۔ میں نے اس کی کہانی سن رکھی تھی۔ اس لئے اس کو بتایا کہ اگر میری وجہ سے اسے چیف جسٹس اسے بطورِ گواہ بیان دینے کا حکم دیں تو وہ سیدھا بلا جھجک سامنے چلا جائے اور سارا واقعہ سنا دے۔

جو اس نے پاکستان کے لئے کام کیا تھا وہ بھی بتا دے۔ جو فوج نے اس پر ظلم کئے تھے اس کو بھی کھل کر بیان کر دے اور جو ہمارے رہنماؤں کو اس کے سامنے پولیس نے تشدد کر کے اسے بھی خوف زدہ کیا تھا اور پھر اسے بارڈر کراس کرا کر بھارت کی طرف دھکیل دیا تھا وہ ساری کہانی بھی عدالت میں بیان کر دے۔ وہ اب اتنا دلیر ہو چکا تھا کہ اسے اپنی جان کی پرواہ تک بھی نہ رہی تھی۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میری شہادت کے دوران مجھ سے یہ سوال ضرور پوچھیں گے کہ میں (راقم) نے رام لال (فرضی نام) کو عدالت العالیہ سے رہا کروا کر اسے پھر بھارت بھیج دیا تھا۔

تو میں اس کا جواب دیتے ہوئے تمہاری طرف اشارہ کروں گا کہ وہ بھارت میں نہیں ہے۔ بلکہ عدالت میں بیٹھا ہوا مقدمہ کی کارروائی سن رہا ہے۔ اس پر وہ فوراً کھڑا ہو جائے گا اسے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس کو تھوڑی سی عدالت میں

لے جا کر تربیت بھی دی گئی تھی۔عدالت کا اجلاس شروع نہ ہوا تھا اس وقت اسے ریہرسل کرادی گئی تھی۔

جب جوڈیشل ٹربیونل کا اجلاس شروع ہوا اور مجھے بطورِ گواہ صفائی پیش کیا گیا تو چیف جسٹس نے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ مجھے بٹھایا تھا۔استغاثہ کی شہادت کے دوران ان کی نظر سے میرا ایک خط گزرا تھا جو ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کو گنگا طیارہ کے اغواء سے بہت پہلے لکھا گیا تھا۔اور پولیس نے تفتیش کے دوران ان کے گھر سے ضبط کیا تھا۔ چیف جسٹس نے وہ خط پڑھ کر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

اس خط کی تفصیل غیر ضروری سمجھ کر اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس میں پاکستان کے ٹوٹ جانے کے اندوہناک خواب کا ذکر تھا۔ چیف جسٹس اس خط سے بہت متاثر ہوا تھا۔ کیونکہ جب اس نے خط پڑھا تھا تو اس وقت پاکستان دولخت ہو چکا تھا۔میری شہادت شروع ہوئی تو چند سوالوں کے بعد مسٹر جنیجو نے یہ سوال پوچھا کیا یہ درست ہے کہ آپ نے ''رام لال'' جاسوس کی طرف سے حبس بے جا کی درخواست کی پیروی کی تھی اور عدالت سے رہائی دلوا کر اسے واپس سرحد پار کرادیا تھا۔

میں نے جواب دیا کہ

یہ درست ہے کہ میں نے حبس بے جا کی درخواست کی پیروی کی تھی اور عدالت العالیہ نے اسے چھوڑ دیا تھا، لیکن وہ رام لال نہ تھا بلکہ محمد لال تھا۔اور وہ بارڈر کراس کر کے واپس نہ چلا گیا تھا بلکہ عدالت میں بیٹھا ہوا ہے اور میں نے اشارہ کیا تو محمد لال کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں یہاں موجود ہوں۔

چیف جسٹس نے مسٹر جنیجو کی طرف دیکھا کہ کوئی اور بھی سوال ہے؟۔

جونیجو نے شرمندگی سے سر جھکا دیا،عدالت میں سناٹا چھا گیا،اور عجیب ماحول بن گیا تھا۔

اس کے بعد مسٹر جنیجو نے ایک اور سوال کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کو آزاد و خودمختار ریاست کے قیام کا مطالبہ بھارت کے کہنے پر آپ،آپ کے ساتھی اور آپ کی جماعت کر رہی ہے؟۔اور یہ پاکستان کے موقف کے خلاف ہے؟۔

میں نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ ہم ریاست کی آزادی وخودمختاری کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، اور دونوں ملکوں سے آزادی چاہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کہ بھارت کی ایما پر ایسا کر رہے ہیں، بلکہ پاکستان کا موقف بھی یہی ہے کہ ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ قانون آزادیٔ ہند کے تحت ریاست کو بحال ہو چکا ہے۔اور اسے آزاد وخودمختار رہنے کا حق حاصل ہے۔پاکستان کا اقوامِ متحدہ میں یہی مؤقف ہے کہ ریاست کے عوام کی خواہش کے مطابق آزاد کر دیا جائے۔

قائداعظم اور مسلم لیگ کی آفیشل پالیسی بھی یہی چلی آتی ہے مسٹر جسٹس یعقوب علی چوہدری مرحوم بڑے غور

سے بیان سنتے رہے اور بیان ریکارڈ ہوتا رہا۔لیکن جب میں نے کہا کہ ابھی چند ہفتے پہلے پاکستان کے مندوب (غالباً اس وقت کوئی پرنس آغا خان تھے اس وقت صحیح یادنہیں ہے) نے اقوامِ متحدہ میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیری حق خود ارادیت کی جنگ لڑ رہے ہیں اور جب ان سے پوچھا گیا کہ کیاان کے آزادو خود مختار رہنے کے حق کو پاکستان تسلیم کرتا ہے تو پرنس آغا خان نے جواب دیا تھا کہ پاکستان نہ صرف ان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے بلکہ ان کے اس حق کے لئے ان کی جدوجہد کی پوری حمایت کرتا چلا آتا ہے۔

اس پر جسٹس یعقوب علی چوہدری نے کہا کہ وہ میری زبانی باتوں کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں اس کے لئے ثبوت پیش کریں۔ میں عدالت میں سارا ریکارڈ ساتھ لے کر گیا ہوا تھا۔ جب میں گواہ کی حیثیت سے بیان دینے گیا تھا وہ میرے ہاتھ میں میرے ''بستہ'' کی طرف دیکھ رہے تھے جو اٹھائے ہوئے قدم بڑھاتا ہوا عدالت کی طرف گیا تھا۔ وہ کاغذات گلگت وغیرہ سے متعلق تھے۔ہم پرنس آغا خان (یا جو کوئی بھی اس وقت مندوب تھا) کا بیان دفتر میں چھوڑ آئے تھے۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ عدالت یہ سوال نہ پوچھے گی کیونکہ دنیا کا ہر سیاسی کارکن، دنیا کا ہر قانون دان دنیا کا ہر جج جانتا ہے کہ حق خود ارادیت کا معنی ہی آزادی وخود مختاری ہے۔

لیکن اندرون پاکستان اور آزاد کشمیر میں وظیفہ خوروں اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں کے ایک گروہ نے ''الحاق'' کی رَٹ لگا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ جج بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔کیا کسی قوم کو صرف ''الحاق'' کا حق دینا اور صرف الحاق تک رائے شماری کو محدود کرنے کا نام حق خود ارادیت ہوتا ہے حق خود ارادیت محدود ہوتا ہے نہ مشروط نہ اس پر کوئی قدغن لگائی جاسکتی ہے۔ جب چیف جسٹس نے مجھ سے ثبوت مانگا تو میں نے کہا کہ صرف آدھ گھنٹہ کے لئے اجلاس برخواست کیا جائے تو اس کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔

مسٹر یعقوب علی چوہدری نے فوراً اجلاس کو آدھ گھنٹہ کے لئے برخواست کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر زیادہ وقت بھی لگ جائے تو تب بھی وہ انتظار کرلیں گے ہمارا دفتر کوئی 10-5 منٹ کے فاصلہ پر تھا۔ہم فوراً عدالت سے نکل کر دفتر پہنچ گئے۔ دفتر میں ساتھی بیٹھے ہوئے تھے ہمارے قابل فخر ساتھی ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ مرحوم نے تمام ریکارڈ سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔انہوں نے پاکستانی مندوب کا خط نکالا اور وہ خط لے کر ہم واپس عدالت میں پہنچ گئے۔ عدالت نے اجلاس شروع کیا تو میں نے وہ خط (اخبار سمیت) ان کے سامنے پیش کر دیا۔

انہوں نے خط پڑھا، ساتھی جج کو بھی پڑھایا اور بدوں تبصرہ خط شامل مسل کر کے پاکستان کے اٹارنی جنرل کو ان امور پر بحث کرنے کے لئے طلب کیا............

۱)...... کیا گلگت و بلتستان کے علاقے ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہیں؟۔

۲)...... کیا پاکستان کا موقف کشمیر کے بارے میں یہ ہے کہ کشمیری آزاد و خود مختار رہ سکتے ہیں یا وہ پاکستان سے الگ رہ سکتے ہیں؟۔

میں اپنی یادداشت کے مطابق ان سوالات کو لکھ رہا ہوں، اصل الفاظ کیا تھے، وہ مجھے یاد نہیں ہیں، البتہ ان کا مفہوم یہی تھا۔ عدالت نے بحث کے لئے تاریخ پیشی مقرر کر کے مقدمہ کو معرضِ التواء میں رکھا۔

عدالت نے وقتاً فوقتاً جو تبصرے کئے تھے ان سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ عدالت اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ ملزمان (ہمارے قابل احترام انقلابی رہنماؤں) کے خلاف محض بھارت اور بیرونی طاقتوں کے دباؤ میں آ کر جھوٹا مقدمہ بنایا گیا ہے لیکن ہمیں فیصلہ کے انتظار تک سخت اذیت ناک دور سے گزرنا پڑا۔

عدالت نے جب ایک بار مسٹر جنیجو کو دورانِ سماعت مقدمہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ حکومت کو کہیں کہ وہ مقدمہ واپس لے لے۔ عدالت کا قیمتی وقت کیوں ضائع کیا جا رہا ہے؟۔ مسٹر جنیجو نے یہ بات حکومت تک پہنچائی تھی یا نہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہے، لیکن حکومت نے اپنے خاص ذرائع سے ہمیں یہ پیشکش ضرور کی تھی کہ ہم اگر پسند کریں تو حکومت مقدمہ واپس لینے کو تیار ہے۔ یہاں حکومت سے مراد مسٹر بھٹو شہید ہیں۔

ہم نے اس سے اتفاق نہ کیا تھا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ اتنی طویل قید، شدید اذیت، جسمانی اور روحانی تشدد کے بعد بدوں فیصلہ مقدمہ واپس کرا کر پاکستان کے عوام کو ہمیشہ کے لئے اندھیرے میں رکھا جائے اور وہ ہمیں جاسوس ہی کے ناپاک نام سے یاد کرتے رہیں۔ ہم اس داغ کو دھو کر پاکستان کے اصل دشمنوں کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ پاکستان کی حکومت، پاکستان کی نوکر شاہی، پاکستان کے سیاست دان اور پاکستان کے صحافی و طلباء کے علاوہ ملک کی عام آبادی دوست و دشمن میں تمیز کرنا سیکھ جائے۔

ہم چاہتے تھے کہ کشمیری قوم کے چمکتے دمکتے چہرے پر جن لوگوں نے سیاہی پھینکی ہے ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں۔ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں اور آخرت میں بھی اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھیں۔ اب جبکہ فیصلہ قریب آ رہا تھا۔ ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان تھا۔ چند ایک گواہ رہ گئے تھے۔ اور صرف اٹارنی جنرل کے اہم قانونی نکات پر بحث باقی رہ گئی تھی۔

ہمارے صرف دو مطالبے تھے۔ چونکہ پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت بن چکی تھی اور اس حکومت کے چوٹی کے رہنماؤں کے ساتھ ہمارے ذاتی و سیاسی تعلقات بھی تھے ان میں مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ، مسٹر معراج محمد خان وغیرہ سے ہمارے کراچی میں مقیم کشمیری رہنماؤں مسٹر جی ایم لون، مسٹر میر عبدالمنان، مسٹر میر عبدالقیوم اور دوسرے کشمیریوں کے ساتھ ذاتی تعلقات تھے جبکہ ملک معراج محمد خان کے ساتھ مسٹر امان اللہ خان کے ذاتی و سیاسی مراسم ہی نہ تھے بلکہ وہ دونوں

افسر وایشین تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔اور دونوں اس تنظیم کے مرکزی عہدے دار بھی تھے۔ ہمارے تعلقات میاں محمود علی قصوری مرحوم کے ساتھ تھے اور وہ ہمیں پچاس کے عشرہ سے جانتے پہچانتے اور سیاسی بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے دیکھتے چلے آتے تھے۔

مسٹر بھٹو شہید مرحوم کے تعلقات محمد شریف ڈمیالوی مرحوم سے تھے۔ مسٹر محمد شریف ڈمیالوی مرحوم ایک سیاست دان تھے۔ عالمی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ مسٹر بھٹو مرحوم کے ساتھ خط وکتابت بھی کرتے رہتے تھے وہ ان کی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی میں شامل تھے، انہوں نے گنگا طیارہ کے اغواء سے دوتین سال پہلے (صحیح سال یادنہیں ہے) جناب مقبول احمد بٹ شہید کے سلسلہ میں ایک خط لکھا تھا اور انہیں (بھٹو مرحوم کو) بتایا تھا کہ مقبول احمد بٹ کو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں پھانسی کی سزا ہو چکی ہے، اور غالباً ان کے فرار کی نسبت بھی بتایا تھا، مسٹر بھٹو شہید نے مسٹر محمد شریف ڈمیالوی کو ایک خط لکھ کر انہیں اس عظیم انقلابی رہنما کی جدوجہد کو تحریک کے لئے اہم قرار دیتے ہوئے مقبول بٹ شہید کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا تھا۔

یہ خط ہم نے صفائی کے مرحلہ پر اخبارات میں بھی چھپوایا تھا۔ ہم نے اپنے مطالبات پر زور دیتے ہوئے ایک مہم شروع کردی تھی۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم اور راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم جب ہمیں مظفر آباد جیل میں ملنے کے لئے گئے تھے تو ان سے بھی ہم نے یہی مطالبہ کیا تھا کہ ہم حکومت سے کوئی رعایت نہیں چاہتے ہمارے صرف دو مطالبات ہیں کہ جوڈیشنل ٹربیونل کی سماعت کھلی عدالت میں ہو یہ بند کمرے میں سماعت انصاف کے خلاف ہے۔ جو اسپیشل ایکٹ بنایا گیا تھا اس میں جوڈیشنل ٹربیونل کو بند کمرے میں سماعت کرنے کے اختیارات دیئے گئے تھے اور یہ سماعت جاری تھی اور ملک کے لوگوں کو کوئی علم نہیں تھا کہ استغاثہ نے کیا شہادت پیش کی ہے؟۔

پریس میں بھی کوئی خبر نہ ملتی تھی، دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں ٹربیونل کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دیا جائے۔ اس سے پہلے راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم کا ذکر آیا ہے وہ اس وقت آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر تھے۔ وہ پیپلز پارٹی میں شامل نہ ہوئے تھے۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم پاکستان کے مرکزی وزیر تھے وہ آزاد کشمیر کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ سردار محمد عبدالقیوم خان اس وقت آزاد کشمیر کے صدر تھے۔ حکومت نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی تھی۔ تقریب کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے ہمارے ساتھ ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو سردار صاحب نے انہیں راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم کے ساتھ جیل میں ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے بھیج دیا تھا۔ اور خود دفتر یا اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے گئے تھے۔

راجہ ممتاز حسین راٹھور مرحوم کو ہمارے ساتھی صوفی محمد زمان مرحوم نے جو کچھ کہا اس کو تحریر میں لانا ضروری نہیں

سمجھتا ہوں لیکن انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ پیپلز پارٹی میں چلے جائیں اور اس مفاد پرست ٹولہ سے نکل کر قوم کی خدمت کریں، مولانا کوثر نیازی مرحوم کو بھی کہا کہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ شامل کر کے آزاد کشمیر میں قدم جماؤ وہ ''دورے'' کا بہانہ بنا کر ہمیں صرف ملنے آئے تھے، ہمارے کہنے پر ہی میاں محمود علی قصوری وزیر قانون نے گلگت کا دورہ کیا تھا۔ اور مسٹر امان اللہ خان کو گلگت سے پیپلز پارٹی کی حکومت کے اشارہ پر ہی رہا کیا گیا تھا۔

عبدالقیوم خان کو حکومت پاکستان کی پالیسی کا علم ہو چکا تھا کہ وہ کسی فرد کو بھی نظر بند رکھنے کے حق میں نہ تھی۔ لیکن محمد عبدالقیوم خان تو اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ جوڈیشل ٹریبونل کا فیصلہ آنے والا ہے اور وہ محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو کو خلاف قانون جماعت قرار دے دیں گے۔ اور وہ اس کے لئے خود تیار بیٹھے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ انہیں اس جماعت پر پابندی لگانے کا جواز مل جائے گا۔

ہمارے دونوں مطالبے ایسے تھے جن میں وزن تھا، جان تھی مبنی برحق وانصاف تھے۔ حق وانصاف تھے، ہم نے ان مطالبات کے منوانے میں ایک زوردار مہم شروع کر رکھی تھی۔ لیکن پریس ہمارا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ تمام سیاسی جماعتوں کے رہنما ہمارے خطوط کے جوابات دینے کو تیار نہ تھے۔ ممبران اسمبلی ہمارے سامنے ہمارے مطالبات کو درست تسلیم کرتے تھے لیکن کوئی بھی آگے بڑھ کر ہماری مدد کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہم نے اپنے محاذی ساتھیوں کو پیغام پہنچایا کہ وہ یورپ اور امریکہ میں اپنی آواز بلند کریں اور انسانی حقوق کی محافظ تنظیموں، سیاست دانوں اور صحافیوں سے رابطہ پیدا کر کے ایک زوردار تحریک شروع کر دیں اور پاکستان کے رہنماؤں سے ملاقات کر کے اس مسئلہ کی سنگینی سے انہیں خبردار کریں۔ ہمارے ساتھی گنگا طیارہ کے اغواء سے لے کر ہماری گرفتاریوں تک مسلسل جدوجہد کرتے چلے آتے تھے۔

جب پاکستان میں ہمارے ساتھیوں کے حق میں نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور ان پر پھول نچھاور کئے جاتے تھے۔ اس وقت یورپ اور امریکہ میں بھی کشمیریوں نے جلوس نکالے تھے۔ اور وہ دیارِ غیر میں وطن میں انقلاب کا سورج طلوع ہونے پر خوشیاں منا رہے تھے کہ اچانک پاکستان میں گرفتاریوں کی خبروں نے ان کی امیدوں پر اوس ڈال دی تھی کشمیر کا کوئی فرد پاکستان میں تھا، یا بھارتی مقبوضہ کشمیر میں، یورپ میں تھا یا امریکہ میں، مشرقِ وسطیٰ میں تھا یا بھارت میں، پاکستان کے قائم کردہ نورالعارفین کمیشن کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

وہ حکومت کے اعلانات کو مضحکہ خیز قرار دیتا تھا۔ جنرل یحییٰ خان اور سردار محمد عبدالقیوم خان کے گٹھ جوڑ کو مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے نورالعارفین کمیشن قائم کیا تھا۔ یہ بزدل لوگوں کا ٹولہ تھا جو دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، جو بیرونی دباؤ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا تھا۔ یہ وہ گروہ تھا جو بھارت کی طاقت سے خوف زدہ ہو چکا تھا۔ گنگا طیارہ کے لاہور ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد پاکستان کے صحافیوں نے محمد عبدالقیوم

خان پر تابڑتوڑ حملے شروع کر دیئے تھے۔

انہوں نے ''المجاہد فورس'' کے لئے دیئے گئے چندے کا حساب مانگنا شروع کر دیا تھا۔ محمد عبدالقیوم خان صدر حکومت تھے، ان کے ساتھیوں نے ہائی جیکرز کو پرکشش پیش کش (آفرز) کیں وہ انہیں صرف یہ کہتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ''المجاہد فورس'' کے گوریلے ظاہر کریں تو ان کی ہر خواہش پوری کر دی جائے گی مجھے یہ سب کچھ اس وقت کے پریس میں شائع شدہ خبروں سے ان کا پتہ چلا تھا میں نے اس کی تحقیق کرنا اس لئے غیر ضروری سمجھا کہ محمد عبدالقیوم خان نے شروع میں اس قدم کو سراہا تھا۔ لیکن جب ہائی جیکرز کے تلخ جوابات اخبارات میں شائع ہوئے تو وہ بھی اپنے بیانات سے پھر گئے تھے۔ ہائی جیکرز سے جو بیانات منسوب کئے گئے تھے ان کی تصدیق کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ سردار محمد عبدالقیوم خان کا ایک اور بیان شائع ہوا کہ یہ لوگ ایک جہاز لاکر اتراتے پھرتے ہیں اور اگر وہ (محمد عبدالقیوم خان) چاہیں تو بھارت کی ساری فضائیہ کو اغوا کرا سکتے ہیں۔

☆ پاکستان میں الیکشن کے بعد ایک بحرانی صورت پیدا ہو چکی تھی جنرل یحیٰ خان کو یہ امید تھی کہ الیکشن میں کوئی پارٹی بھی اتنی بڑی تعداد میں کامیابی حاصل نہ کر سکے گی اور سب جماعتیں مل کر جنرل یحیٰ خان کو ہی اپنا صدر منتخب کر لیں گی۔ جب نتائج ان کی توقعات کے خلاف نکلے تو انہوں نے ملک کو ہی داؤ پر لگا دیا اور بنگالی بھائیوں کو اقتدار منتقل نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے پورے پاکستان میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔ ہر کوئی پامسٹ بن کر پیش گوئیاں کر رہا تھا۔ لیڈر مارے مارے پھرتے تھے، ان حالات میں ہم کشمیریوں کی کون سنتا، اس نقار خانے میں طوطی کی ایک آواز تھی۔

اب ہمارا انحصار اپنے ساتھیوں پر تھا جو برطانیہ میں مقیم تھے۔ حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہوئے کہ پاکستان دولخت ہو گیا۔ اور فوج خود بخود اقتدار پیپلز پارٹی کے حوالہ کر کے الگ ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔ ایک شکست خوردہ قوم جس کا مورال گر چکا ہو جس کے 93 ہزار کے قریب فوجی اور سویلین دشمن کی قید میں ہوں، جنہیں بنگلہ دیشی جنگی قیدی بنا کر ان کے خلاف مقدمات قائم کرنا چاہتے ہوں۔ جس ملک کا کوئی دوست سامنے نہ آتا ہو۔ اس ملک اور اس کے لوگوں کو فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ ہمارے رہنماؤں کے حق میں کوئی آواز بلند کرتے۔ یہ ملک نہیں ٹوٹا تھا۔ اس کے رہنے والوں کے دل بھی ٹوٹ چکے تھے۔

نئی حکومت کو اپنے قیدی رہا کرانے تھے پاکستان کا 5 ہزار مربع میل کا رقبہ بھارت سے حاصل کرنا تھا۔ جو اس جنگ میں بھارت کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا تھا یا دنیا سے الگ تھلگ ہو کر سب ملکوں سے سفارت کار بلائے جانے تھے۔ بالآخر بھارت و پاکستان کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے پانچ ہزار مربع میل کا رقبہ واپس لیا گیا۔ وہ ایک آزاد ملک کا آزاد کردہ رقبہ تھا۔ اس کے عوض 54 ہزار مربع میل کا رقبہ بھارت کے حوالہ کر دیا گیا۔ وہ ایک

غلام ملک تھا۔اس لئے اس کی کوئی قدر نہ تھی۔

حالانکہ بنگلہ دیش کا رقبہ بھی لگ بھگ 54ہزار مربع میل پر مشتمل ہے۔93ہزار قیدی بھی آزاد ملک پاکستان کے شہری تھے۔اس لئے انہیں بھی پاکستان لے آئے۔مگر ایک کروڑ کشمیریوں کے عوض انہیں پاکستان لایا گیا تھا۔یہ کشمیری بیچارے غلام تھے اس لئے انہیں انسانیت کا بلند درجہ حاصل نہ تھا۔آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے کشمیریوں کو پاک و بھارت مذاکرات کے دوران بھلا دیا گیا تھا۔

اور ایک ایسا معاہدہ کیا گیا جسے شملہ معاہدہ کا نام دیا گیا اس معاہدہ نے ہماری تحریک آزادی کو بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔اس معاہدہ پر کسی دوسری جگہ ذکر آئے گا یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو ہمارا احساس بھی تھا تو وہ اس وقت بے بس تھا۔اور ہم پس دیوارِ زنداں پاکستان کے حالات بہتر ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔پاکستان کے ٹوٹنے اور معاہدہ شملہ ہونے کے بعد اب صرف چند کشمیری قید خانے میں نہ تھے بلکہ سارا کشمیر ایک وسیع قید خانے میں بدل گیا تھا۔

میں نے اس سے قبل گواہانِ صفائی کا ذکر کیا ہے۔مقبول نائیک،عبدالغفار قریشی، بشیر احمد لون، سردار رشید حسرت، مجید امجد بٹ ایڈیٹر وولر تو محاذ رائے شماری کے عسکری بازو قومی محاذ آزادی کے سرگرم رہنما و کارکن تھے۔وہ مسلح جدوجہد میں کارہائے نمایاں سرانجام دے چکے تھے۔انہوں نے اپنی زندگیوں کو آزادی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔وہ بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور انہوں نے خفیہ رازوں سے عدالت میں پیش ہو کر پردہ اٹھایا تھا۔

استغاثہ ان کی شہادت کو بھی رد نہ کر سکا تھا۔لبریشن لیگ نے تو جماعتی اور انفرادی حیثیت سے اس مقدمہ کی پیروی کی تھی۔سب سے زیادہ عملی جدوجہد کرنے کے لئے کراچی کے رہنما ہی زور دیتے رہے اور انہوں نے ہی اس راہ میں تکلیفیں برداشت کی تھیں غلام حسن پنجابی صدر لبریشن لیگ سندھ زون نے بھی بطورِ گواہ صفائی پیش ہو کر استغاثہ کی کہانی کو غلط ثابت کیا تھا۔وادیٔ کشمیر سے تعلق رکھنے والا ہر کشمیری بطور گواہ پیش ہونے کے لئے تیار تھا۔

غلام محی الدین بانکا،سید علی محمد زیدی، جی ایم مفتی ایڈیٹر قائد،محمد امین قریشی غلام قادر بابو غلام احمد بالا محمد یاسین برہانہ،خضر محمد بیگ،خواجہ غلام احمد نقوی، گلریز بٹ مشتاق بٹ میر غلام رسول محمد شفیع راٹھور جیسے مخلص ایثار پیشہ اور بہادر جوان و بزرگ اس مقدمہ میں بطور گواہان صفائی پیش ہوئے تھے۔ان کی شہادت پر استغاثہ کی ساری کہانی ریت کے ذروں کی طرح بکھر گئی تھی۔سچائی کی آندھیوں کے آگے استغاثہ کے بڑے بڑے محل ریت کے ٹیلوں کی طرح بکھر کر اڑ رہے تھے۔کوئی بھی گواہ صفائی پیش نہ ہوتا تب بھی استغاثہ کا مقدمہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ تھا۔یہ عظیم لوگ اس وقت سامنے آئے تھے جب پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکمران اپنے تمام لاؤلشکر سمیت حملہ آور ہوئے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان بے سہارا کشمیریوں کا نہ کوئی مقدمہ لڑے گا نہ کوئی وکیل پیش ہوگا اور نہ ہی کوئی گواہ پیش ہو سکے گا۔مگر یہ بہادر لوگ

جن میں کچھ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے جو زندہ ہیں وہ بوڑھے ہو چکے ہیں وہ سینہ تان کر آگے بڑھے تھے۔ اور تاریخ میں اپنا نام و مقام بلند کر کے پوری کشمیری قوم کی تاریخ کو ہر داغ، دھبے اور جاسوسی کے الزام سے پاک و صاف کر چکے ہیں۔

وہ خدا تعالیٰ کے ہاں اپنا اپنا اجر ان شاء اللہ پائیں گے۔ ہمارے ہم وطنوں نے پاکستان کی مرکزی حکومت کے عہدے داروں اور پاکستان کے سفیر مقیم برطانیہ کو پاکستان میں کشمیر کے نامور رہنماؤں پر کئے گئے مظالم کی داستان سنائی تھی اور حکومت پاکستان کو پاکستانی سفیر کے ذریعے خبردار بھی کر دیا تھا کہ اس ظلم و بے انصافی کے خلاف جو نتائج مرتب ہوں گے وہ اتنے بھیانک ہوں گے کہ حکومت پاکستان کو دنیا میں منہ دکھانا مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے رہنماؤں پر کئے گئے مظالم کی تحقیقات کا مطالبہ کر رکھا تھا اور اپنے رہنماؤں کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ کی سماعت اور عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے کا حق دیئے جانے کا بھی مطالبہ کیا ہوا تھا۔

اب حکومت پاکستان مجبور تھی کہ وہ یحییٰ ان کے دور کی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔ میں نے پاکستان کے رہنماؤں سے ملاقات کی ہر مدرسہ فکر کے لوگوں سے ملتے رہے۔ میں جناب ممتاز احمد ہاشمی مرحوم کو ساتھ لے کر حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بھی ملا تھا۔ حضرت مولانا سے ہماری کیا باتیں ہوئیں ان کے کیا جوابات تھے؟ میں اس مرحلہ پر اس کا ذکر غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ البتہ حضرت مولانا ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ انہیں آزاد و خود مختار رہنے کا حق حاصل ہے۔

ہمارے اس مطالبہ کو کہ مقدمہ کی سماعت کھلی عدالت میں کی جائے اور سزا کی صورت میں انہیں اپیل کا حق بھی دیا جائے۔ مبنی بر انصاف سمجھتے تھے۔ طیارہ کے اغواء کے سلسلہ میں ان کی معلومات کا یہ حال تھا کہ وہ یحییٰ خان کی حکومت کے پروپیگنڈہ کو ایک حقیقت سمجھتے تھے۔ انہوں نے جب تفصیل سے حالات سنے تو صرف اتنا کہا کہ اب عدالت کے فیصلہ کو ہی قوم درست سمجھے گی۔ ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ دعا فرمائیں کہ سچائی ثابت ہو جائے اور سلام و دعا کے بعد واپس آ گئے تھے۔ دائیں بازو کے پریس نے اس اغواء میں مسٹر بھٹو شہید کو بھی ملوث کرنا شروع کر دیا تھا۔ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کا سب کو صدمہ تھا اور دائیں بازو کے لوگ پاکستان کے دولخت ہونے میں مسٹر بھٹو شہید کو بھی اس کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔

ان کا یہ پروپیگنڈہ عوام و خواص کو متاثر کر رہا تھا کہ اگر پاکستان اکٹھا رہتا تو مسٹر بھٹو شہید کو کبھی اقتدار نہیں مل سکتا تھا۔ اس لئے اس نے یحییٰ خان کے ساتھ مل کر سازش کی تھی۔ اور بنگالی بھائیوں کو الگ کر دیا گیا تھا۔ ان حالات میں ہماری باتیں کون سن سکتا تھا۔ ہم ان تین بڑوں کی لڑائی میں کچلے گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن اسے فوجی ٹولہ کی سازش قرار دیتے تھے۔ یحییٰ خان کا گروہ اسے اگرتلہ سازش کا ایک حصہ قرار دیتا تھا۔

اوردائیں بازو کے لوگ اسے بھٹواور بھارت کا گٹھ جوڑ قرار دیتے تھے۔ ہمارے پاس نہ وسائل تھے نہ میڈیا میں ہماری رسائی تھی۔ ذرائع ابلاغ نے ہمارے خلاف پروپیگنڈہ اتنے زور وشور سے کیا گیا تھا کہ ہماری بات سننے کو بھی کوئی تیار نہ تھا۔ یہ بھی غنیمت تھی کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بڑے غور سے سنا اور ہمیں کوئی ایسا تاثر نہ دیا کہ ہم ان کے خلاف کوئی رائے قائم کر سکتے۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ ان کا حافظہ کمزور ہو چکا تھا۔ اور وہ ریاست کے نقشہ اور حدودِ اربعہ کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے ہم سے سوال کیا کہ یہ جہاز لداخ میں اتارا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا اور جب میں نے کہا کہ مولانا! لداخ تو بھارت کے قبضہ میں ہے اس کا کیا فائدہ ہوتا؟ پھر جہاز کو دلی میں ہی کیوں نہ جانے دیتے۔ تو حضرت مولانا خاموش ہو گئے اور ہم ہنستے ہوئے واپس آ گئے تھے۔

سماعت مقدمہ کے دوران میں (راقم) جناب عبدالحفیظ پیرزادہ سے ملنے گیا تھا میرے ساتھ دوسرا کون تھا یاد نہیں ہے۔ ہم نے ان کے دفتر کے باہر بیٹھے ہوئے چوہدری نیاز احمد مرحوم کو دیکھا وہ ہماری عدالت العالیہ کے ریٹائیرڈ جج تھے۔ وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت میں چیف سیکرٹری رِہ چکے تھے۔ وہ بہت خوددار تھے۔ لیکن اس روز ہمیں دُکھ ہوا تھا کہ ہماری ریاست کا اتنا عظیم المرتبت شخص باہر بیٹھا ہوا ملاقات کے لئے انتظار کر رہا تھا۔ اور انہیں ''شرف باریابی'' نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ انہوں نے ملاقات کے لئے ٹائم لے رکھا تھا۔ جب ہم نے بتایا کہ ہم نے تو پہلے رابطہ ہی نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان کے کسی پرسنل سیکرٹری وغیرہ کو اطلاع دی ہے کہ ہم ملنے کے لئے آئے ہیں۔

تو چوہدری نیاز احمد مرحوم نے بتایا کہ پیرزادہ صاحب بہت مصروف ہیں، اس روز کیبنٹ میٹنگ ہونی تھی اور بھٹو شہید کے دور میں تمام وزراء تیار ہو کر جاتے تھے۔ اور ایجنڈا زیر بحث پر پوری معلومات اکٹھی کر کے اجلاس میں بیٹھتے تھے۔ وہ بہت مصروف تھے۔ لیکن ہم نے ایک چٹ چپراسی کے ذریعہ ان تک پہنچائی اور ہمیں اسی وقت دفتر میں بلا لیا گیا تھا۔ ہمیں دفتر کے باہر پہنچتے ہوئے ابھی دو چار منٹ ہی گزرے تھے کہ ہمیں کوئی انتظار نہ کرنا پڑا تھا میں نے کسی اور جگہ لکھا ہے کہ مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ ہمارے ساتھی رہنماؤں کے دوست تھے جو کراچی میں رہتے تھے وہ محاذ رائے شماری کے متعلق تمام معلومات رکھتے تھے۔

میرے قابل صد احترام بزرگ جناب شیخ محمد ظہیرالدین ایڈووکیٹ مرحوم کی انتہائی عزت کیا کرتے تھے۔ قابل صد احترام شیخ صاحب مرحوم جس رات اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تھے تو اس وقت وہ لاہور اپنی بھتیجی کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے پیرزادہ صاحب انہیں ایک تقریب میں شمولیت کے لئے منت کر کے لے گئے تھے وہ کوئی ثقافتی شو تھا ان کی صحت انہیں اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ رات جاگ سکیں۔ لیکن پیرزادہ صاحب کے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا اس لئے وہ انکار نہ کر سکے تھے۔ مرحوم نے معذرت کی تھی لیکن پیرزادہ بضد تھے اس لئے وہ تقریب میں شریک ہونے کے لئے

تشریف لے گئے تھے۔

رات گئے واپس آ کر لیٹ گئے اور صبح ناشتہ کے لئے ان کی بھتیجی نے انہیں آواز دی تو اس وقت پتہ چلا کہ ان کی آواز ہمیشہ کے لئے سوتے ہوئے ہی خاموش ہو چکی تھی۔ پیرزادہ صاحب کو ان کی موت کی خبر بی بی سی سے خبریں سننے کے بعد ملی تھی۔ یہ حصہ ضمناً درج کیا گیا ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پیرزادہ صاحب پر ہمارے برطانیہ میں مقیم ساتھیوں نے ملاقات کے دوران اتنا دباؤ ڈالا تھا کہ وہ ان سے یہ وعدہ کر کے آئے تھے کہ محاذ کے مطالبات کو حکومت تسلیم کر لے گی۔ ہماری ملاقات میں انہوں نے ہمیں یقین دلایا کہ وہ میٹنگ میں ہمارے مطالبات کو نہ صرف پیش کریں گے بلکہ اس پر زور دے کر مسٹر بھٹو شہید کو اپنا ہمنوا بنا لیں گے۔

ہم دفتر سے باہر آئے، مسٹر جسٹس چوہدری نیاز احمد مرحوم کے ساتھ ہاتھ ملائے اور واپس گھریا لاہور چلے گئے تھے۔ ہمیں زندگی میں یہ تجربہ بھی ہوا کہ اگر کوئی شخص قومی وملکی خدمت کر رہا ہو تو اس کی ہر جگہ پذیرائی ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی اپنی ذات کے مفاد کے لئے حکومتوں کے دروازوں پر دستک دے تو اسے بھکاری سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ہماری ریاست کے اتنے بلند مرتبت شخص کو اپنی انا مجروح نہیں کرنی چاہیے تھی اگر حکومت پاکستان کو ان کی ضرورت تھی تو وہ /حکومت کا نمائندہ ان کی رہائش گاہ بھیج سکتی تھی۔

اوران سے مدد کی درخواست کر سکتی تھی۔ غالباً ان دنوں وہ پیپلز پارٹی میں شامل بھی ہو چکے تھے جن لوگوں نے عمر بھر ملازمت کی ہو وہ سیاست میں آ کر اپنا مقام کھو دیتے ہیں۔ ''سیاست'' آزادی کا دوسرا نام ہے اور ''ملازمت'' تو غلامی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

کوئی مانے نہ مانے میر وسلطان سب گدا

جناب معراج محمد خان اور جناب میاں محمود علی قصوری نے کابینہ کی میٹنگ میں ہمارے مسئلہ کو نہ صرف پیش کیا تھا بلکہ انہیں لڑائی بھی مول لینی پڑی تھی مسٹر بھٹو شہید مرحوم نے معراج محمد خان سے پوچھا کہ انہیں کس طرح علم ہے کہ طیارہ اغوا کے ملزمان بے گناہ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ پولیس کی ضمنیات کے علاوہ فوجی اداروں کی رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ لوگ محبِّ وطن ہیں۔ اور پاکستان دوست ہیں۔

میں جناب معراج محمد خان سے نہ مل سکا تھا میرا خیال ہے کہ مسٹر امان اللہ خان انہیں ملے ہوں گے۔ مسٹر امان اللہ خان کے ملک معراج خالد صاحب اور معراج محمد خان دونوں کے ساتھ ذاتی مراسم تھے۔ اور وہ اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے گلگت سے رہا ہونے کے بعد دن رات اسی تگ و دو میں گزارے تھے۔ مجھے اب یاد نہیں ہے کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی بھی تھا یا نہیں۔ میں اکیلا ہی میاں محمود علی قصوری مرحوم سے ملا تھا۔ لیکن میں

ان دو مطالبات کے لئے مقدمہ کی سماعت کھلی عدالت میں ہو اور ملزمان کو فیصلہ کے خلاف اپیل کا حق دیا جائے ان سے ملنے گیا تھا۔

جناب میاں محمود علی قصوری ایک عالمی شہرت کے قانون دان اور سیاست دان تھے وہ ساری عمر حقوقِ انسانی کی خاطر جدوجہد میں مصروف رہے۔ وہ مزدوروں اور کسانوں کے ہمدرد تھے۔ جاگیرداروں، وڈیروں، سرداروں اور بڑے بڑے خوانین کے مظالم کے خلاف سینہ سپر رہے۔ ان کی شہرت ویت نام تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک نیک اور پکے مسلمان تھے۔ اور سوشلسٹ نظریات کے پرچارک بھی تھے۔

ان کو ساری دنیا میں پہچانا جاتا تھا۔ جناب بھٹو مرحوم کی پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما تھے۔ جناب بھٹو مرحوم نے جب اپنی کابینہ کے ممبروں کی فہرست بنائی تھی تو ان کا نام فہرست میں موجود نہ تھا۔ بھٹو مرحوم کو میاں محمود علی قصوری مرحوم سے ایک انجانہ سا خوف تھا۔ کیونکہ وہ ایک ایسے رہنما تھے جو بھٹو مرحوم سے اگر کسی فیصلہ پر اختلاف کرتے تھے تو سب کے سامنے اس کا اظہار کر دیتے تھے۔ بھٹو مرحوم جیسے فخر ایشیا لوگ ہوں یا کوئی اور بھی اس مقام پر پہنچ جائے تو وہ اپنے آپ کو ''عقل کل'' کا مالک سمجھنے لگتا ہے اس میں اس کا قصور کم ہوتا ہے۔ اس کے درباریوں اور ارد گرد جو خوشامدی لوگ ہوتے ہیں انہیں اس غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

حالانکہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ اسے مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے جو کام مشاورت کے بعد کیا جائے اس میں ناکامی کے مواقع کم ہوتے ہیں۔ اب یہ دونوں لیڈر مختلف طبائع کے مالک تھے۔ حزب اختلاف میں اکٹھے چل سکتے تھے۔ اقتدار میں وہ زیادہ عرصہ تک ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ''میرا جھگڑا'' جناب میاں محمود علی قصوری وزیر قانون سے ہوا تو میں نے انہیں کہا تھا کہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری کا عدالتی حکم ساتھ رکھ لیں، انہیں بھٹو مرحوم جیل میں بھجوا کر دم لیں گے۔ وہ اس پر مسکرائے اور میری تائید بھی کی تھی کہ انہیں ایسا کرنا پڑے گا۔

میں ان کے وزیر قانون بنائے جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ جب فہرست کابینہ کے لئے مرتب کی گئی تھی تو انہیں علم ہوا تھا کہ ان کا نام موجود نہ تھا۔ انہوں نے ہمارے محترم اباجی قبلہ شیخ محمد ظہیر الدین مرحوم سے ذکر کیا تھا۔ ہمارے شیخ صاحب مرحوم نے بھٹو مرحوم سے پوچھا تھا کہ اگر میاں محمود علی قصوری مرحوم کو کابینہ میں کیوں شامل نہیں کیا جا رہا ہے؟۔ انہوں نے کہا تھا کہ مسٹر بھٹو (شہید) میاں محمود علی قصوری کے پائے کا قانون اور سیاست دان تمہارے پاس کوئی نہیں ہے۔ کابینہ میں شامل نہ ہونے سے میاں صاحب کی عزت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن ان کے شامل کئے جانے سے کابینہ کا وقار بڑھتا ہے اور تمہاری (بھٹو مرحوم کی) عزت میں اضافہ ہوگا۔ اس پر بھٹو مرحوم نے جواب دیا تھا کہ ''داداجی'' آپ کی بات تو ٹال نہیں سکتا قبل ازیں شیخ صاحب مرحوم نے کہا تھا کہ وہ کوشش کر کے میاں صاحب کو وزارت میں شامل ہونے پر بھٹو شہید

کو آمادہ کر لیں گے۔ میں نے بڑے مختصر الفاظ میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ میاں محمود علی قصوری مرحوم اور شیخ صاحب مرحوم کا پرانا ساتھ تھا۔ وہ ایک ساتھ کام کرتے رہے تھے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بھی قربت حاصل ہوئی تھی اس کا ذکر کسی اور مقام پر بھی آئے گا۔ میں یہاں اپنی ملاقات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

وزیروں کو بگاڑنے میں زیادہ قصور ان خوشامدیوں کا ہوتا ہے جو صدر اور وزیر اعظم کے گرد اگرد بیٹھے اس کی ہاں سے ہاں ملاتے رہتے ہیں۔ وہ بادشاہ سے زیادہ بادشاہ کے وفادار ہوتے ہیں۔ میری ملاقات گنگا کیس کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ میاں محمود علی قصوری بڑے ظرف کے مالک تھے میں نے ملاقات کے لئے وقت نہ لے رکھا تھا۔ نہ رہائی کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں سیدھا ان کے آفس میں چلا گیا تھا۔ ان کے سیکرٹری یا کوئی افسر تھا اس سے ملا اور اسے بتایا کہ میں وزیر قانون سے ملنا چاہتا ہوں اس نے بڑے بہانے بنائے، ملاقات کے لئے پہلے اجازت حاصل کریں۔ وقت، تاریخ مقرر ہو تو مل سکتا ہوں۔

مجھے اس سے بحث کرنے میں کافی دیر لگی میں نے اسے اپنا نام ایک چٹ پر لکھ کر دیا اور کہا کہ بحث کی ضرورت نہیں ہے وہ یہ چٹ ان کے آگے رکھ دیں اگر وہ ملاقات کرنا پسند کریں گے تو مل لوں گا اگر ایسا نہ ہوسکا تو واپس چلا جاؤں گا وہ میرے نام کی چٹ لے کر میاں صاحب مرحوم کے دفتر میں میرے دیکھتے ہوئے داخل ہوا اور اس کے ساتھ ہی جناب میاں محمود علی قصوری مرحوم خود اٹھ کر باہر آ گئے اور مجھے گلے ملے اور ساتھ دفتر میں ہی لے گئے یا انتظار گاہ میں ہی بیٹھ گئے۔ یہ مجھے یاد نہیں ہے۔ میں انہیں اپنی گرفتاری سے پہلے لاہور جا کر ملا تھا۔

اور اب ایک سال کی قید کے بعد رہا ہو کر ان کو ملنے گیا تھا وہ مجھے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہمارے ساتھیوں پر کئے گئے مظالم کے اظہار پر ان کا چہرہ غم آلود تھا۔ انہوں نے افسوس کا دکھ بھرے لہجے میں اظہار کیا اور میں نے اپنی ملاقات کی غرض و غایت بیان کی۔ میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ جوڈیشل ٹربیونل کے لئے جو سپیشل قانون یحییٰ خان کی حکومت نے بنایا تھا اس میں صرف اس حد تک ترمیم کی جائے کہ ملزموں کے خلاف سماعت کھلی عدالت میں ہو اور فیصلہ کے خلاف اپیل کا حق انہیں مل جائے۔ محمود علی قصوری مرحوم نے ہمارے مطالبات کو تسلیم کرنے کی راہ میں مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ مقدمہ کی سماعت کھلی عدالت میں کرنے کے لئے خود جا کر عدالت کے جج صاحبان کو کہہ دیں گے۔ اپیل کے حق کے سلسلہ میں تھوڑی سی تلخی ہو گئی تھی۔

انہوں نے مجھے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف بھی اپیل کا حق مانگنے کا کوئی جواز ہے؟ میں نے انہیں جواب دیا کہ انٹر کورٹ اپیل بھی ہوتی ہے اور پھر وہ مقدمہ جسے سیشن جج سن سکتا ہے اسے سپریم کورٹ کے پاس کیوں بھیجا گیا۔ یحییٰ خان کی حکومت نے انہیں ہدایات دے رکھی ہیں۔ اور وہ ہر صورت سزا دیں گے۔ عدالت کا رویہ معاندانہ ہے

اور وہ استغاثہ کو پوری رعایت دے رہے ہیں۔ نا قابل ادخال شہادت کو بھی مسل کی زینت بنایا جا رہا ہے۔

اور ملزمان کے وکیل کو جرح میں بار بار ٹوکا جا رہا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ جج صاحبان سے مل کر انہیں کہہ دیں گے کہ حکومت صرف انصاف چاہتی ہے اور فیصلہ شہادت کے مطابق ہونا چاہیے۔ عدالت کو بیرونی پروپیگنڈے یا ماضی کی حکومت کی پالیسی سامنے رکھ کر فیصلہ نہیں دینا چاہیے، میں نے ذرا تند لہجے میں کہا کہ ایک بین الاقوامی شہرت کا حامل قانون دان عدالت کے جج صاحبان کو کیسے کہہ سکتا ہے؟۔

کچھ الفاظ ایسے ہیں جنہیں میں جان کر نظر انداز کر رہا ہوں وہ صریح توہین عدالت کے زمرے میں آتے ہیں کچھ اپنی یادداشت پر بھی اعتبار ٹوٹ چکا ہے۔ میں ان واقعات کو حافظہ کے زور پر لکھ رہا ہوں کسی جگہ نوٹ نہ کئے تھے۔ البتہ میاں محمود علی قصوری مرحوم میرے اتنے مہربان تھے کہ انہوں نے مجھے کہا کہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ سب معاملات ان پر چھوڑ دیئے جائیں۔

انہوں نے مجھ سے تاریخ پیشی کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ تاریخ پیشی سے آئندہ تاریخ پیش دو یا تین دن بعد تھی۔ اس وقت یاد تھی اب یاد نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے ایک مہمان کی طرح با عزت بٹھائے رکھا اور چائے وغیرہ پلائی اور محبت بھرے الفاظ سے رخصت کرتے ہوئے پھر ملنے کے لئے کہا۔ میں سلام و دعا کے بعد گھر چلا آیا تھا۔ وہ تاریخ پیشی پر لاہور ہیلی کاپٹر کے ذریعہ پہنچے۔ عدالت میں سماعت مقدمہ جاری تھی وہ سیدھے چیف جسٹس کی طرف بڑھے۔ ٹریبونل کے جج صاحبان نے سماعت روک دی تھی۔ اور وزیر قانون کو ساتھ لے کر اپنے چیمبر (چیف جسٹس کے چیمبر) میں لے گئے۔

انہوں نے چائے وغیرہ پی اور اس کے بعد جناب میاں محمود علی قصوری مرحوم واپس چلے گئے، ان کے جانے کے بعد عدالت کے جج صاحبان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ چیف جسٹس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہی کہا کہ آج سے مقدمہ کی سماعت کھلی عدالت میں ہوگی۔ دروازے کھول دیئے گئے۔ دروازہ کے باہر ہمارے کشمیری ہم وطنوں کی بڑی تعداد کھڑی تھی۔ ہمارے ساتھی تاریخ پیشی پر عدالت کے باہر کھڑے رہتے تھے۔ اور ملزم ساتھی رہنماؤں کی ایک جھلک دیکھنے کی تمنا لے کر آتے تھے۔ اور صرف پولیس کی بند گاڑی میں انہیں دیکھ کر واپس چلے جاتے تھے۔

اس وقت صحافی بھی موجود تھے، جب پولیس افسر نے باہر جا کر بتایا کہ اب سب لوگ مقدمہ کی کارروائی سن سکتے ہیں تو لوگ عدالت میں چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے عدالت سامعین، صحافیوں اور کارکنوں سے بھر گئی۔ چیف جسٹس نے صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ سب کارروائی اپنے اپنے اخبارات میں لکھ سکتے ہیں۔

البتہ گواہان نے جہاں بھارت یا ہندوستان کا نام لیا ہو وہ بھارت کا نام لکھنے کی بجائے یہ لکھیں کہ ایک پڑوسی

ملک کے متعلق گواہ نے کہا، ڈی آئی جی کو حکم دیا کہ ان ملزموں کو ایک بہتر کلاس کے ملزمان سمجھتے ہوئے ان سے ایسا سلوک کیا جائے کہ انہیں عدالت میں شکایت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ مسٹر جی ایم لون کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو اور دوسرے ملزمان کو بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھا سکیں۔ ان پر کسی طرح کی کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔ اور سپرنٹنڈنٹ جیل کو بھی ہدایات دی گئیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ سب ملزمان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جیل قواعد ی وہ پابندی کرتے رہیں گے۔ ان کی ملاقاتوں پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ ملزموں کے چہرے دمک اٹھے، وہ ان ناروا پابندیوں کے خلاف احتجاج بھی کرتے رہے لیکن عدالت ایک فریق بن چکی تھی۔

وہ ملزموں کی کسی جائز بات کو بھی سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس میں عدالت کے ججوں کا قصور نہ تھا، یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے گھر کو جلتا نہیں دیکھ سکتا وہ اپنے ملک کی تباہی برداشت نہیں کرسکتا، ملک کی وحدت، اتحاد، سالمیت اور آزادی کے خلاف قوتوں کو نیست ونابود کر دینا چاہتا ہے۔ جج ہو یا ملزم، وزیراعظم ہو یا عام شہری، اسے اپنے ملک کی عزت ووقار اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

بنگلہ دیش کے بن جانے سے ہر شخص سوگوار تھا پورے ملک میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، اور اس وقت ہمارے بہادر، جانثار اور انقلابی رہنماؤں پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا تھا۔ ان حالات میں بھارت اور بھارت کے جاسوسوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان کے عوام کو اپنی حکومت اور عدالتوں پر قطعاً اعتماد نہ تھا۔ وگرنہ لوگ اتنے بپھر چکے تھے کہ وہ ہمارے رہنماؤں کو جیل میں بھی زندہ نہ چھوڑتے۔

پاکستان کے عوام کشمیر سے محبت کرتے تھے اور کشمیری گوریلاؤں کے ساتھ بھی انہیں محبت تھی۔ دشمن کیا سوچتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ تھی۔ اس کی رحمت سے ظلم کی کالی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں۔ اب ہماری مایوسیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اگر چہ ہم اس وقت بھی مایوس نہ ہوئے تھے جب فوجی حکومت اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ اپنا شاہی حکم جاری کرتی تھی تاہم جو حکومت اقتدار پر قابض رہنے کی خاطر ملک کا ایک بڑا حصہ الگ کرسکتی تھی اس سے ہم پرامید نہیں ہوسکتے تھے کہ اس کے دور میں انصاف مل سکے گا وہ دور بھی ختم ہوا اور عدالتوں پر چھایا ہوا خطرہ اور خوف بھی ٹل گیا تھا۔ اب مقدمہ کی اصل نوعیت قوم کے سامنے آنے لگی تھی۔

ہمارے ساتھیوں کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ انہیں عدالت سزا نہیں دے سکے گی، مسل میں سزا دینے کے لئے مواد ہی موجود نہ تھا۔ تمام شہادات ملزمان کے حق میں تھیں۔ یہاں ضمناً چیف جسٹس کا ایک ''تاریخی جملہ'' زیر قلم لانا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو سکے۔ میں نے ''تاریخی جملہ'' اس لئے کہا کہ جب سے انسان جنگلی زندگی سے نکل کر ایک شہری زندگی بسر کرنے لگا ہے اور جب سے دنیا میں عدالتی نظام قائم ہوا ہے۔ قانون فقہ کا یہ بنیادی اصول

ہے کہ ہر وہ شخص اس وقت تک بے قصور ہے جب تک عدالت نے اسے سزا نہ دی ہو۔

عدالت بھی ملزم کو شبہ کی صورت میں سزا نہیں دیتی ہے لیکن چیف جسٹس یعقوب علی چوہدری نے کہا تھا کہ اگر انہیں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا کہ مقبول احمد بٹ بھارتی جاسوس ہے تو وہ سب کو پھانسی پر لٹکا دیتے بعد میں جب جاسوسی کے الزام سے بری کر دیئے گئے تھے، صرف ہاشم قریشی کو سزا دی گئی تھی اور اس سزا کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے جو کسی اور جگہ آئے گی۔ ہماری اس جدوجہد میں ہمارے اُن کشمیری رہنماؤں کارکنوں اور جماعتوں کی شرکت نے ہمارا کام آسان بنا دیا تھا۔ جو ملک سے باہر یورپ اور امریکہ میں احتجاج کرتے رہے تھے۔

تاریخ ان سب سیاسی رہنماؤں، کارکنوں اور جماعتوں کی عظمت کو سلام کرتی رہے گی تاریخ کشمیر کا یہ ایک سنہری باب ہے۔ جب حکومت پاکستان نے ہمارے خلاف ''گنگا کیس'' بنایا تو ہمارے تمام ساتھیوں کو احتجاج کرنا پڑا۔ اندرون ملک پریس پر حکومت کا مکمل کنٹرول تھا۔ کچھ اخبارات اور پریس ضبط ہو چکے تھے۔ جلسوں اور جلوسوں پر پابندی تھی۔ ملک میں مارشل لاء کی وجہ سے ہر قسم کی جدوجہد پر پابندی تھی۔ ہمارے ساتھی پس دیوارِ زنداں ڈال دیئے گئے تھے۔ سیاست دانوں کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔

قلم ٹوٹ چکے تھے، فوجی دندنا رہے تھے، مذہبی، سیاسی، سماجی انجمنوں کے دفاتر سر بمہر کر دیئے گئے تھے۔ مسجدوں میں صرف حکمرانوں کے گیت گائے جا رہے تھے۔ ہر طرف قبرستان کی طرح سناٹا تھا۔ بیرون ملک ہمارے ہم وطنوں کو ملک کے حالات سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ صرف حکومت کا نکتہ نظر پیش کیا جا رہا تھا۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن یک طرفہ پروپیگنڈہ میں گوئبل کی روح کو بھی شرما رہے تھے۔ بیرون ملک امریکہ، مشرق وسطیٰ اور یورپ میں کشمیری بے چین تھے، وہ اپنے ذرائع سے محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو قومی محاذ آزادی کی نسبت معلومات اکٹھی کر رہے تھے برطانیہ میں ہمارے میر پور آزاد کشمیر کے لوگوں کی بڑی تعداد آباد ہو چکی ہے۔ لیکن وہ لوگ فیکٹریوں میں دِن رات مزدوری کرتے ہیں۔

انہیں آپس میں مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا، چند باشعور سیاسی رہنما ایسے موجود تھے جن کی عقابی نگاہوں نے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ سب سے پہلی آواز برطانیہ سے بلند ہوئی اور یوسف ثانی اور نذیر نازش نے ''ناپاک سازش'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جس کا سب سے پہلے پاکستان ہائی کمشنر نے نوٹس لیا۔ اور حکومت پاکستان کو خفیہ خط لکھا تھا لیکن اس پوسٹر سے جو طوفان اٹھنے والا تھا وہ اس سے گھبرا رہے تھے۔

یوسف ثانی ایک معمولی کارکن یا ایک پارٹی کا لیڈر نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی محدود رقبہ کی سیاست سے دلچسپی رکھتا ہے وہ ایک عالمی سیاست دان ہے اور دنیا کی تمام سیاسی تحریکوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔ محاذ رائے شماری نے اپنے طور پر

اس ''گنگا سازش'' کے خلاف آواز بلند کی تھی لیکن انہیں گائیڈ لائن کی ضرورت تھی۔

چنانچہ محاذ رائے شماری کے چیف آرگنائزر حالات کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینے کی غرض سے ہمارے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے آزاد کشمیر آ گئے تھے۔ وہ ہمیں مظفر آباد سنٹرل جیل میں ملے۔ ہم اس وقت تک میر پور اور مظفر آباد کے ''قیدی'' اکٹھے ہو چکے تھے۔ ہمارے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ان کی خواہش تھی کہ گنگا کیس کے ملزموں (ہمارے انتہائی قابل قدر راہنماؤں) کے ساتھ مل سکیں۔ انہیں ملاقات کی اجازت نہ مل سکی تھی۔ وہ ان کی تاریخ پیشی پر لاہور پہنچے تھے ملزمان کو پولیس کی بند گاڑی سے اتار کر عدالت کے کمرہ میں لے گئے تھے۔ عدالت کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔

چنانچہ وہ ان کی واپسی تک انتظار کرتے رہے ان کی خواہش تھی کہ اپنے رہنماؤں کی ایک جھلک دیکھ لیں لیکن انہیں صرف ہاشم قریشی کا چہرہ نظر آیا تھا اور وہ ملاقات کے بغیر واپس برطانیہ چلے گئے تھے۔

برطانیہ میں مقیم کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں نے حالات کا درست تجزیہ کیا تھا۔ وہ گنگا کیس کو سازش قرار دیتے تھے اور انہوں نے اسے پاکستان کی کشمیر پالیسی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ پاکستان بھارت سے سودا بازی کرنے کی بھی پوزیشن میں نہیں رہا ہے۔ اور جو ملک اپنے دفاع میں ناکام ہو چکا ہو جس نے اپنے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں، جس ملک کے جنرل نیازی نے بھارتی جنرل اروڑا کے آگے ہتھیار پھینک کر اسلام کی شاندار تاریخ کو داغدار کر دیا ہو، وہ ملک کشمیریوں کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا ہے۔

جنرل یحیٰی خان تو کشمیریوں سے جان چھڑانے کے لئے ایسے جھوٹے مقدمات بنا کر انہیں سزا دلوانا چاہتا ہے ان کی یہ سوچ درست تھی کہ یہ مقدمہ صرف چھ ملزموں کے خلاف ہی نہیں بنایا گیا تھا بلکہ ''کشمیری قوم'' کے خلاف ایک گہری سازش تھی جو کشمیریوں کو آزادی کے موقف سے ہٹا کر انہیں غلامی پر رضامند کرنا چاہتی تھی۔

چنانچہ کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں نے علیحدہ علیحدہ بھی اور مشترکاً بھی فوجی ٹولہ کا مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ اور تمام قیدیوں بشمول گنگا کیس کے ملزمان کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ زور و شور سے شروع کر دیا تھا۔

برطانیہ میں محاذ رائے شماری کے چیف آرگنائزر محمد صدیق مرزا اور عارف میر (محمد عارف انصاری) نے بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا اخبارات میں خبر چھپنے کے بعد میاں محمد ممتاز خان دولتانہ جو اس وقت پاکستان کے ہائی کمشنر تھے انہوں نے برمنگھم میں اپنے سفارت کار (قونصلر) سے رابطہ کر کے اسے ہدایت کی کہ وہ ان رہنماؤں سے درخواست کریں کہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سے ملاقات کر کے مطمئن نہ ہوں تو اس کے بعد اگر کوئی قدم اٹھانا مناسب سمجھیں تو ضرور اٹھائیں، لیکن پہلے ملاقات کر لی جائے۔

پاکستان دولخت ہوکر دنیا میں رسوا ہو چکا تھا۔ پاکستانی قوم کا مورال پست ہو چکا تھا۔ ہر ائیر پورٹ پر نعرے لگائے جارہے تھے کہ ہمارے ابو واپس لاؤ، ہمارے بھائی قید سے چھڑاؤ۔ اس ملک کے 93 ہزار فوجی اور سویلین قیدی بھارت کی جیلوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ہر پاکستانی اور پاکستان سے ہمدردی رکھنے والا خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ہمارے ان رہنماؤں نے جو بھی پاکستان کی شکست کے صدمہ سے نڈھال تھے۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے میاں محمد ممتاز دولتانہ سفیر پاکستان (ہائی کمشنر) متعینہ برطانیہ سے مل لیا جائے۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ قائداعظم کی ٹیم کے ایک ممبر تھے جنہوں نے پاکستان کا مطالبہ منوایا تھا۔ وہ سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ اس لئے سب ساتھیوں کے مشورہ سے ان سے ملاقات کرنا مناسب سمجھا گیا تھا۔

برطانیہ میں مقیم کشمیریوں کی تین جماعتیں بڑی سرگرم تھیں۔ محاذ رائے شماری، لبریشن لیگ اور یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ گنگا کیس کے ملزموں کی رہائی کے مطالبات کر رہی تھیں۔ پہلی دونوں جماعتوں کی مرکزی قیادت پاکستان میں تھی۔ مؤخر الذکر جماعت یونائیٹڈ کشمیر لبریشن فرنٹ صرف برطانیہ تک محدود تھی۔ لیکن ان کے تعلقات ملک کے آزادی پسند راہنماؤں کے ساتھ تھے۔ محاذ رائے شماری کے چیف آرگنائزر مرزا محمد صدیق نے دوسری جماعتوں کے راہنماؤں سے مل کر ایک وفد تشکیل دیا اس وفد میں محاذ رائے شماری کے رہنما محمد صدیق مرزا، عارف میر، چوہدری عبدالغفور، حاجی محمد بشیر تھے، لبریشن لیگ کی نمائندگی چوہدری محمد صادق نے کی تھی۔

جبکہ یونائیٹڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کی نمائندگی ماسٹر عبدالمجید (مرحوم) محمد یونس تریابی، مولوی محمد خلیل نے کی تھی۔ یہ پہلا وفد تھا جو میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سے ملا تھا۔ انہوں نے میاں محمد ممتاز محمد خان دولتانہ کو بتایا تھا کہ تمام کشمیری حلقوں میں پاکستان کے اس اقدام کے خلاف غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ اور کشمیری عوام مقیم برطانیہ پاکستان کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ تمام قیدیوں کو غیر مشروط رہا کر دیں اور گنگا کیس کو واپس لیں۔

میاں محمد ممتاز خان دولتانہ نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ حکومت پاکستان (صدر حکومت) سے ہاٹ لائن پر بات کریں گے اور یہ بھی یقین دلایا کہ انصاف ہوگا وہ بھٹو شہید سے رابطہ کر کے وفد کو باخبر رکھیں گے۔ میاں محمد ممتاز خان دولتانہ نے وفد میں شامل رہنماؤں کے جذبات کو ٹھنڈا کیا اور ان سے ہائی کمیشن سے رابطہ رکھنے کی گزارش کی۔

ہمارے کشمیری راہنماؤں نے مظاہروں، جلسوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ عبدالحفیظ پیرزادہ نے برطانیہ کا دورہ کیا۔ 1971ء میں بھٹو (شہید) کی کابینہ کے ممبروں نے مختلف ممالک کے دورے شروع کر دیئے تھے۔ برطانیہ کے دورہ کے دوران وہ برمنگھم گئے، وہ برمنگھم ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ وہاں یونائیٹڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کے راہنماؤں نے ان سے ملاقات کی، وفد میں ماسٹر عبدالمجید (مرحوم) محمد یونس تریابی، کامریڈ محمد بشیر کونٹری کے علاوہ محمد صدیق مرزا جو

فرنٹ اور محاذ رائے شماری دونوں کے چیف آرگنائزر بھی تھے اور محاذ رائے شماری کے رہنما عارف میر بھی وفد کے ممبر تھے۔ اکٹھے وفد کی صورت میں سفیر پاکستان سے ملے تھے۔

اس وفد کی ترجمانی ریاست جموں وکشمیر کے نامور سیاست دان، دانشور، پروفیسر نذیر نازش نے کی تھی، پروفیسر نذیر نازش کے نانا غازی محمد بخش مرحوم تحریک آزادی کشمیر کے اولین رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ 1931ء کی تحریک آزادی میں رہنماؤں کی صف اول میں حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ، حاجی وہاب الدین مرحوم اور بطل حریت راجہ محمد اکبر خانؒ کے ساتھ کھڑے تھے۔ سیاسی خاندان کے اس فرزند نے فریضہ جان کر محاذ رائے شماری کا ساتھ دیا تھا۔ برطانیہ میں محاذ رائے شماری سے قبل انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یونائیٹڈ کشمیر لبریشن فرنٹ بنا دیا تھا۔ اس ملاقات کا وقت پاکستانی ہائی کمشنر کے سفارت کار متعینہ برمنگھم سے صدیق مرزا نے لیا تھا۔ پروفیسر نذیر نازش نے ہائی جیکرز کے مقدمہ کو دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہوئے حکومت پاکستان کی پالیسی کو ہدف تنقید بنایا تھا۔ پاکستان ک مرکزی وزیر عبدالحفیظ پیرزادہ نے وفد کو یقین دلایا تھا کہ ان کے رہنماؤں کے ساتھ انصاف ہوگا۔

جبر وتشدد کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اور وفد کے قائد کو کہا کہ وہ اپنے مطالبات تحریری صورت میں دیں تا کہ وہ کابینہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ اور اس کا ریکارڈ بھی رہے۔ یہ میمورنڈم جناب نذیر نازش نے لکھا تھا اور وفد کے ملنے کی غرض و غایت اور کشمیریوں کے مطالبات کو خوبصورت الفاظ میں لکھ کر دیا تھا جسے پیرزادہ صاحب تک پہنچا دیا گیا تھا۔

محاذ رائے شماری کا ایک اور وفد جناب عبدالجبار بٹ کی قیادت میں دوسری بار جناب عبدالحفیظ پیرزادہ سے ملا تھا اس وفد میں بھی صدیق مرزا اور عارف میر شامل تھے۔ وزیر موصوف لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے بٹ صاحب لندن میں ہی رہتے تھے اور صدیق مرزا اور عارف میر برمنگھم سے لندن گئے تھے۔

برمنگھم کے دونوں ساتھی جناب عبدالجبار بٹ کے گھر گئے بٹ صاحب نے اپنا مکان خرید کر رکھا ہے۔ وہ بڑے مہمان نواز ہیں۔ کشمیری قوم کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے۔ کشمیر کے نامور لیڈران کے پاس ٹھہرتے رہے۔ بلکہ محاذ کے بیسیوں کارکن مظاہروں کے بعد وہاں جا کر آرام کر کے اپنی دن بھر کی تھکن بھی دور کرتے رہے۔

وہ سیاسی طور پر انقلاب پسندوں کے ٹولہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنیادی حقوق انسانی کے لئے انہوں نے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک جدوجہد جاری رکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ دل کے عارضہ میں مبتلا ہیں اور عمر کے ساتھ بہت سی بیماریوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قومی اجتماع میں جب بھی انہیں دعوت دی جائے تو ضرور شریک ہوتے ہیں۔ 1971ء میں تو ماشاءاللہ وہ جوان تھے۔

دونوں بھائی یوسف ثانی اور عبدالجبار بٹ سیاست میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ برمنگھم سے جانے والے ساتھی

عبدالجبار بٹ صاحب کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے پیرزادہ صاحب سے ملنے کی تیاری شروع کردی۔ وفد کے تینوں ارکان اس ہوٹل میں پہنچ گئے۔ جہاں مرکزی وزیر موصوف ٹھہرے ہوئے تھے۔ جانے پہچانے لوگ تھے۔ پیرزادہ صاحب کے کسی ہمراہی سے انہونے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو پیرزادہ صاحب نے انہیں فوراً ملاقات کے لئے بلالیا تھا۔ انہوں نے پیرزادہ صاحب کو ان کا وعدہ یاددلایا اور پیرزادہ صاحب نے انہیں یقین دلایا کہ انہیں اپنا وعدہ یاد ہے اور وہ خود رہنماؤں کی رہائی کی تاخیر پر فکرمند ہیں۔

وفد کو یقین دلایا گیا کہ سماعت کھلی عدالت میں ہوگی۔ اور اپیل کا حق بھی ملزمان کو ضرور ملے گا۔ اس مقدمہ میں سزا کے لئے کافی مواد موجود نہیں ہے۔ اس لئے کشمیریوں کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پاکستان جس بحران سے گزر رہا ہے اس کو ضرور زیر نظر رکھا جائے۔ ملاقات کے بعد وفد یہ کہہ کر واپس آ گیا تھا کہ وہ اپنی سیاسی جدوجہد ضرور کرتے رہیں گے۔ محاذ رائے شماری کے چیف آرگنائزر کا ہمارے ساتھ مسلسل رابطہ رہا اور برطانیہ میں سیاسی جدوجہد کے سلسلہ میں پل پل کی خبریں ہمیں ملتی رہی ہیں ہمارے ان لوگوں نے ہمارے حوصلوں کو بلند رکھا اور ہم سب نے مل کر اپنے ذاتی رابطوں کے ذریعے یہ جنگ لڑی تھی۔

مولانا کوثر نیازی مرحوم برطانیہ کے دورہ پر گئے اور جب وہ برمنگھم پہنچے تو محاذ رائے شماری کا ایک بڑا وفد ان سے ملا تھا۔ چند نام یاد ہیں اس وفد میں ریاست جموں وکشمیر کا ایک مایہ ناز سپوت بھی اتفاق سے موجود تھا۔ وہ کشمیر کی پہچان تھا صوفی محمد یعقوب ڈھانگروی (مرحوم) اپنے نجی دورہ پر برطانیہ گئے ہوئے تھے اور اپنے ساتھی عبدالقیوم چوہدری کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ چوہدری عبدالقیوم محاذ رائے شماری کے بانی ممبروں میں سے ایک ہیں۔

جب سیالکوٹ میں محاذ رائے شماری بنایا گیا تو وہ اس وقت بطورِ ڈیلیگیٹ شامل تھے۔ ان کی جماعت کے ساتھ وابستگی رہی لیکن وہ ذاتی وجوہات کی بناء پر عملی سیاست میں حصہ نہ لے سکے۔ لیکن اس موقع پر جبکہ کشمیر کی عظیم سیاسی شخصیات فوجی حکومت کے ظلم کا شکار ہو رہی تھیں۔ وہ چپ ہو کر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ محاذ رائے شماری کا یہ وفد جن لوگوں پر مشتمل تھا ان سے محاذ رائے شماری برطانیہ (برمنگھم) کے صدر چوہدری عبدالغفور (مرحوم) بھی تھے۔ انہوں نے یہ پودا اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا اور اپنے خون سے اس کی آبیاری بھی کی تھی۔ حاجی محمد بشیر اور حاجی آفتاب احمد انصاری بھی ان کے ساتھی تھے۔ جنہوں نے ہر مشکل وقت میں محاذ کا ساتھ دیا تھا۔

حاجی محمد بشیر تو شروع دن سے محاذ کے خازن چلے آتے ہیں۔ حاجی آفتاب احمد انصاری تو پیدائشی طور پر اس جماعت کے ساتھ رہے۔ یہ جماعت ان کے والد محترم مولانا عبدالغنی مرحوم کی بنائی ہوئی تھی اور عارف میر کے والد مرحوم میاں غلام نبی انصاری مرحوم بھی بانی ممبران میں سے ایک ہیں۔ ان بزرگوں کی ہدایات اور مشوروں کو سامنے رکھ کر پہلے

عوامی کانفرنس بنائی گئی تھی اور جب محاذ رائے شماری کا قیام عمل میں آیا تو یہ دونوں بزرگ بھی اس میں شامل تھے۔ان کی اولادیں اسی راہ پر چل رہی ہیں جن پر ان کے آباؤ اجداد چلتے رہے تھے، یہ اس قومی ورثہ کے امین ہیں، آزادی کے حصول کی جدوجہد میں ایک صدی کے لگ بھگ عرصے سے اس جہادِ آزادی میں مصروف ہیں۔

برطانیہ میں جلسے اور جلوس اور وزراء سے ملاقاتوں کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔لیکن حسن اتفاق سے عبدالجبار بٹ آئے ہوئے تھے۔ان کے بعد پچھلے دنوں نذیر نازش بھی آئے ہوئے تھے۔اور آج کل محمد صدیق مرزا بھی یہاں پر موجود ہیں۔ ماشاءاللہ ان کے حافظے تیز ہیں اور انہوں نے یہ واقعات سنائے ہیں۔

جنہیں اس لئے قلمبند کر رہا ہوں کہ ان کی ملکی و قومی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور نئی نسل کو بھی یہ قانون خداوندی یاد رہے کہ جو کوئی ایک ذرہ بھر نیکی کرتا ہے وہ قیامت کو اسے دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے بھی دیکھے گا۔ انسان کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا یہ دنیا اس کا اجر نہیں دے سکتی لیکن جو لوگ اس دنیا میں محض خدا کی رضا کے لئے کام کرتے ہیں وہ کسی اجر کے طالب بھی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں نعیم ابدی کے باغات ملیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے چمنستانِ وطن کو اپنے خونِ جگر سے سنوارا ہے۔

ماسٹر عبدالمجید مرحوم اور محمد یونس تریابی کا ذکر آیا ہے۔ وہ اندرہل کے دور افتادہ گاؤں میں پلے ہیں وہاں ان کے دم قدم سے ہی نور کی کرنیں پھیلی ہیں، وہ لوگ جہالت کے گپ اندھیروں میں زندگی بسر کرتے رہے اور ان روشن خیال لوگوں نے قبائلی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے انہیں ہر انسان عزیز تھا اور وہ آزادی کی شمع جلا کر پھرتے رہے۔ کچھ خدا کو پیارے ہو گئے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ بڑھاپے اور بیماری کے باوجود آزادی و خودمختاری کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

مولانا کوثر نیازی مرحوم سے محاذ رائے شماری کے وفد کی ملاقات ہوئی تھی۔ اوپر اس کا ذکر کرتے ہوئے درمیان ہیں ضمناً چند ضروری باتیں درج ہوگئی ہیں۔مولانا سے ملنے کے لئے ملاقاتیوں کا ایک ہجوم تھا۔ بہت سے وفود ملاقات کے لئے انتظار کر رہے تھے۔لیکن انہوں نے سب سے پہلے محاذ رائے شماری کے وفد سے ملاقات کی تھی اس وفد کے ترجمان چوہدری عبدالقیوم تھے۔ وہ پڑھے لکھے نوجوان ہیں اور اچھے مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ٹیبل ٹاک میں بھی ماہر ہیں۔لیکن ایک خاص ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے دھیمے مزاج کے ہیں

انہوں نے مولانا کوثر نیازی کو محاذ کا نظریہ پیش کرتے ہوئے ''گنگا کیس'' میں اپیل کا حق مانگا تھا۔ اس پر گرہ لگاتے ہوئے صدیق مرزا نے کہا کہ مولانا ہم یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ گنگا کیس کی سماعت کھلی عدالت میں ہو یا ان کے خلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں انہیں اپیل کا حق دیا جائے۔ ہمارا مؤقف واضح ہے کہ ہمارے سب رہنما بے گناہ ہیں۔فوجی ٹولے نے ان پر جاسوسی کی تہمت لگائی ہے۔ انہیں غیر مشروط رہا کیا جائے۔اور جو ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا گیا

ہے اس کی تحقیقات کرائی جائیں۔

اور کشمیری قوم سے معافی مانگی جائے یہ بڑا واضح موقف تھا۔ سماعت مقدمہ کا کھلی عدالت میں ہونا اور عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کا حق تو انصاف کے بنیادی اصول کے مطابق ہے۔ یہ کتنا بڑا ظلم تھا کہ مقبول احمد بٹ شہید جو سرینگر کی عدالت سے اپنی گوریلا کارروائیوں اور سرگرمیوں کی پاداش میں بند کر دیا گیا تھا اور جو بھارتی مقبوضہ کشمیر کی عدالت العالیہ میں اپیل کرنے سے پہلے ہی جیل کی دیوار توڑ کر پاکستان کے مقبوضہ علاقہ آزاد کشمیر میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اسے جاسوسی کے مقدمہ میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔

ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کو فوج اور سول اداروں کی رپورٹ ہا کے بعد انہیں پاکستان میں سیاسی پناہ دی جا چکی تھی وہ بھی ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے گئے تھے۔ میر برادران اور جی ایم لون جن کا ماضی تابناک تھا۔ انہیں بھی ایک گھناؤنی سازش کے تحت جاسوسی کا لیبل لگا کر اذیت ناک منزل سے گزارا جا رہا تھا۔ محاذ رائے شماری کا مطالبہ سو فیصد درست تھا کہ تمام رہنماؤں کو غیر مشروط اور باعزت رہا کیا جائے، مولانا کوثر نیازی نے محاذ کے اس وفد سے کھل کر باتیں کی تھیں۔ اور ان کے جذبات کو سراہتے ہوئے انہیں بھٹو شہید تک نہ صرف پہنچانے کا وعدہ کیا تھا بلکہ محاذ کا ساتھ دینے کا بھی وعدہ کیا تھا۔

دوسرے دن مولانا کوثر نیازی نے ایک پبلک جلسہ کو خطاب کیا تھا۔ اس جلسہ میں ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی گئی تھی لوگوں نے سوالات لکھ کر انہیں دیئے تھے انہوں نے تمام سوالات پڑھے تھے اور اپنی تقریر کے دوران کہا کہ دو اہم سوال ہیں جو قومی نوعیت کے ہیں ان کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں، باقی سوالات دوستوں اور عزیزوں کے ذاتی نوعیت کے ہیں ان کے ملک کے اندر اپنے اپنے مسائل ہیں، میں ان کے جوابات لکھ کر بھیج دوں گا۔

یہ سوال بہت اہم ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے؟۔ محترم بھٹو حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ اس کا فیصلہ نہ بھٹو کر سکتا ہے نہ بھٹو کی کابینہ کر سکتی ہے۔ اس کا فیصلہ قوم کر سکتی ہے۔ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ لوگ یہ کہیں گے کہ بنگلہ دیش حکومت کو تسلیم کر لیا جائے تو ہم تسلیم کر لیں گے اور اگر آپ لوگ (قوم) یہ کہتی ہے کہ کسی صورت بھی بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کیا جائے تو ہم بھی اسے تسلیم نہ کریں گے۔

دوسرا سوال محاذ رائے شماری کے رہنماؤں کی رہائی سے متعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ محاذ رائے شماری کا وفد ان سے مل چکا ہے اور انہوں نے کھل کر باتیں کی ہیں، پھر لوگوں کو بتایا کہ میں (مولانا کوثر نیازی) محاذ کے رہنما مسٹر انصاری (راقم) اور ان کے ساتھیوں کو مظفر آباد جیل میں جا کر مل آیا ہوں۔ میں حکومت پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان سے ملاقات کرنے کے لئے گیا تھا۔ ''گنگا کیس'' کے تمام حالات کا علم ہے اور کھلے جلسے میں اعلان کیا کہ فوج کی دہشت گردی

کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب عوامی دور آیا ہے۔ اس ظلم و بے انصافی کے خلاف پیپلز پارٹی جدوجہد کرتی آئی ہے۔ اب بے انصافی نہیں، انصاف ہوگا۔

ظلم نہیں عدل ہوگا۔ حاضری جلسہ کو اطمینان دلایا کہ یہ تاخیر ملکی حالات کی وجہ سے ہوئی ہے کہ پاکستان ٹوٹ چکا ہے۔ اب بچے کھچے پاکستان کو دشمنوں کی یلغار سے بچانا ضروری ہے۔ ان کی تقریر کو تمام حلقوں نے پسند کیا تھا۔ لوگ تو بپھرے ہوئے تھے وہ کشمیری رہنماؤں پر کئے گئے ظلم کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ اس ملاقات کا اثر بہت اچھا ہوا تھا۔ مولانا کوثر نیازی نے عوام کو بتایا کہ انہوں نے محاذ کے وفد سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ وطن واپس جاتے ہی پہلا قدم یہی اٹھائیں گے کہ ''گنگا کیس'' کو کس طرح نمٹایا جائے۔ اس وقت ہمارا کیس شہادت صفائی کے مرحلہ پر تھا ہم نے حکومت کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا کہ حکومت اس مقدمہ کو بدوں مزید کارروائی واپس لے لے۔ اب ہم خود چاہتے تھے کہ عدالت فیصلہ کرے۔

محاذ رائے شماری کے ساتھیوں نے مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا، لندن میں ورلڈ ٹریڈ یونین کا ایک تاریخی اجلاس ہو رہا تھا۔ یوسف ثانی کے کہنے پر محاذ رائے شماری کے رہنما اور کارکن برمنگھم سے کوچ لے کر لندن گئے، ان کے پاس قومی ہیرو مقبول احمد بٹ، عبدالخالق انصاری (راقم) ہاشم قریشی، اشرف قریشی کی قد آور تصاویر تھیں جو انہوں نے اٹھا رکھی تھیں۔

بینرز، کتبے، جھنڈے لئے ہوئے جب یہ جلوس نیچے اترا تو اس ریلی میں شریک ٹریڈ یونین کے لیڈروں نے تالیوں اور فلک شگاف نعروں کی گونج کے ساتھ استقبال کیا تھا۔ یوسف ثانی نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور وہ اس جلوس کے ساتھ ریلی میں شریک ہو گئے تھے۔ بینرز پر کشمیر کی آزادی و خود مختاری کے حق میں نعرے لکھے ہوئے تھے۔

غیر ملکی فوجوں (بھارت اور پاکستان کی فوجوں) کے کشمیر سے نکل جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کا مطالبہ تھا، اور دنیا کی آزاد اقوام اور آزادی پسند حقوق انسانی کی تنظیموں سے کشمیریوں پر کئے جانے والے مظالم سے انہیں نجات دلانے کی اپیل کی گئی تھی۔ نوجوان نعرے لگا رہے تھے کہ کشمیر ہمارا چھوڑ دو، جبری ناتے توڑ دو۔ بھارتی فوجیں نکال لو، پاکستانی فوجیں نکال لو، ہم لے کے رہیں گے آزادی، ہم چھین کے لیں گے آزادی، گنگا کیس کا ڈرامہ بند کرو، جھوٹے مقدمے ختم کرو، انسانی حقوق بحال کرو۔

ٹریڈ یونین کے اس تاریخی اجتماع میں عالمی شہرت کے لیڈر شامل تھے انہوں نے نہ صرف ہمارے مطالبات کو درست تسلیم کیا بلکہ انہوں نے ہمیں آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حمایت کا یقین دلایا تھا۔

ہمارے اس مظاہرے سے پاکستان کے سفارت خانے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں اور انہیں ڈر پیدا ہو گیا

تھا کہ کشمیری اپنے رہنماؤں کی آزادی اور اپنے ملک کی خودمختاری کے لئے بڑے سے بڑا اقدم اٹھا سکتے ہیں۔ٹریڈ یونین کے نظریات سے محاذ رائے شماری کے لوگ اختلاف رکھنے کے باوجود اس میں شامل ہوئے تھے۔وہ بائیں بازو کے لوگوں کا اجتماع بلکہ کمیونسٹ رہنما اور کارکنوں کا تاریخ ساز اجتماع تھا۔

محاذ کے اس جلوس میں دو چار آدمی یوسف ثانی کے نظریہ سے تعلق رکھتے تھے جن میں نذیر نازش اور یوسف ثانی اوران کے ساتھی تھے۔باقی لوگ تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ وابستہ تھے۔طارق علی نے نذیر نازش اور یوسف ثانی کے ساتھ مل کر ایک اور ماہنامہ ''شعلہ'' جاری کیا۔اس ماہوار رسالہ کے چیف ایڈیٹر طارق علی تھے۔اور ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبران یوسف ثانی،نذیر نازش اور چھترو میر پور کے کامریڈ محمد بشیر تھے۔

محمد بشیر چوہدری عطا محمد کے بیٹے ہیں چوہدری عطا محمد مقامی ڈوگرہ کے وفاداروں کے ساتھ عمر بھر لڑتا رہا اور اس نے 1947ء کی جنگ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔اس بورڈ کی ایک ممبر بقول نازش صاحب کراچی کی ایک خاتون مسماۃ سنو (انجینئر) بھی تھی جو PHD کی طالبہ بھی تھی۔یہ سب لوگ انٹرنیشنل مارکیٹ گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے اس ماہنامہ میں بھی گنگا کیس کے ملزموں کے لئے اپیل کا حق مانگا تھا۔

گنگا کیس کے دوران سابقہ فوجیوں نے ''مورس کلب'' واقعہ الم راک برمنگھم میں جلسہ کیا جس کے مہمان خصوصی میاں محمد ممتاز خان دولتانہ ہائی کمشنر تھے۔محاذ رائے شماری نے ان کے خلاف ایک شاندار احتجاجی مظاہرہ کیا۔اس مظاہرہ میں محمد صدیق مرزا، حاجی آفتاب احمد انصاری، محمد سلیم انصاری، قائداندر ہل چوہدری اللہ دتہ، چوہدری عبدالغفور، حاجی عنایت حسین بھٹی، فضل حسین بھٹی، محمد اسلم مرزا، عزیز بھٹی (شہید) ناظم بھٹی، جمعہ بھٹی ریاست بھٹی لیاقت بھٹی اور محاذ رائے شماری کے سینکڑوں رہنماؤں اور کارکنوں نے شرکت کی تھی۔انہوں نے محاذ رائے شماری کے جھنڈے، بینرز، کتبے اور اپنے رہنماؤں کی تصاویر اٹھائی ہوئی تھیں۔

مظاہرین جھوٹے مقدمے واپس کرو، کشمیری رہنما رہا کرو، گنگا کیس کا ڈرامہ بند کرو اور خودمختار کشمیر کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کئے جاتے وہ مسلسل مظاہرے کرتے رہیں گے۔اس طرح حکومت پاکستان پر انہوں نے اپنا دباؤ جاری رکھا۔

ان تمام جلوسوں کی غرض وغایہ صرف ایک ہی تھی کہ ریاست جموں وکشمیر کی وحدت، آزادی، اور سالمیت کے لئے جدوجہد کرنے والے عظیم رہنماؤں کا ساتھ دیا جائے۔میاں محمد ممتاز خان دولتانہ بار بار یقین دلاتے رہے کہ گنگا کیس سے متعلق تمام مطالبات تسلیم کر لئے جائیں گے اس لئے احتجاجی مظاہرے نہ کئے جائیں۔لیکن ہمارے ساتھی ان پر یقین نہیں کرتے تھے اور جب تک وہ رہا نہ ہوئے مظاہروں، جلسوں اور جلوسوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ان کے اخراجات کا بڑا

حصہ صدیق مرزا خود برداشت کرتے رہے۔

انہوں نے دن رات محنت کی اور جو ہدایات مظفرآباد جیل میں نظر بند سیاسی رہنماؤں سے لے کر گئے تھے اس پر پوری طرح عمل کرتے رہے۔ برطانیہ کے مختلف شہروں میں مقیم محاذ رائے شماری کے کارکن برمنگھم پہنچتے رہے۔ جہاں سے اکٹھے ہو کر صدیق مرزا کی قیادت میں جلوس کی شکل میں لندن جاتے رہے اور پاکستان کے ہائی کمشنر کے دفتر کے سامنے مظاہرے کرتے رہیں۔ اور ان مظاہروں کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعے مطالبات نشر ہوتے رہے ہیں اور میاں محمد ممتاز دولتانہ ان کے میمورنڈم وصول کر کے حکومت پاکستان کو بھیجتے رہے ہیں۔ بیرون ملک کشمیر کے ان محبّ الوطن کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ ہم جنرل یحیٰی خان اور دوسرے فوجی جرنیلوں کی بنائی گئی سازش سے سرخرو ہو کر جیلوں سے نکلتے تھے۔ سب سے پہلے ملزمان کی رہائی کے لئے برمنگھم میں ڈگبتھ ہال میں ایک پبلک جلسہ ہوا تھا جس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جو حضرت مولانا محمد عبداللہ سیاکھویؒ کے نواسے تھے نے خطاب کیا تھا۔ جلسہ کی صدارتی تقریر میں انہوں نے عوام سے اپیل کی تھی کہ وہ جلسوں، جلوسوں کے ذریعے اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔

حضرت مولانا ایک عظیم سیاسی رہنما اور سماجی رہنما تھے۔ انہوں نے ملزمان کی رہائی کے لئے ایک تحریک شروع کی تھی، صدیق مرزا پیش پیش تھے۔ اور یہ تحریک ملزمان کی رہائی کے بعد ختم ہوئی تھی۔ پاکستان اور آزاد کشمیر میں سیاسی کام کرنا بہت مشکل تھا۔ مارشل لاء کے دور میں بڑے بڑے لیڈر بھی چھپ گئے تھے۔ اخبارات پر پابندیاں تھیں۔ صحافت آزاد نہ تھی۔ جلسے جلوسوں کی ممانعت تھی۔ زبانوں پر تالے تھے۔ اور پاؤں میں زنجیریں تھیں۔ آزاد کشمیر حکومت کو اپنے مخالفین سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا۔

آزاد کشمیر کے حکمران جس کو چاہتے جہاں چاہتے، جب چاہتے گرفتار کر لیتے تھے۔ عدالتوں کو اتنا خوف زدہ کر دیا گیا تھا کہ وہ حبس بے جا کی درخواستوں کی سماعت میں تاخیری حربے اختیار کرتی تھیں۔ اور حکومت کی مرضی کے مطابق تاریخ گردانی کرتی رہتی تھیں۔ ان حالات میں ہمارے بہادر ساتھیوں نے زیر زمین رہ کر وہ کام کیا جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ہمارے مرکزی رہنما محمد بشیر تبسم کا مرید مشتاق، ڈاکٹر غلام احمد جراح (مرحوم) پیر محمد سعید شاہ نازکی (مرحوم)، شیخ حسین شمیم (مرحوم)، سردار رشید حسرت (مرحوم) سید سردار شاہ اور ایم اے فاروق ایڈووکیٹ اور دوسرے ساتھی روپوش ہو گئے تھے۔

ان میں اکثر وہ رہنما تھے جو کئی بار جیل یاترا کر چکے تھے۔ انہیں باہر رہ کر کام کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ لیکن ہماری ہدایات کے مطابق انہیں گرفتاری سے بچنا ضروری تھا۔ وہ ہمارے مقدمات کی پیروی کے انتظامات بھی کرتے رہے اور

سراغ رساں ایجنسیوں سے نظریں بچا کر بھی نکل جاتے رہے۔ مجھے خود بھی تجربہ سے گزرنا پڑا ہے۔ مجھے صرف چند ہفتوں اور دنوں کے لئے روپوش ہونا پڑا تھا۔ اور مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں مدت سے یہ ذہنی کوفت برداشت کر رہا ہوں۔ اس کا ذکر کسی اور مقام پر ملے گا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پولیس وارنٹ گرفتاری لئے ہوئے ان کا ہر گلی، ہو چوک، ہر پل، ہر ہوٹل اوران کے گھروں کے ارد گرد چکر لگا رہی تھی۔

ان کے رشتہ داروں، دوستوں اور ہمدردوں کے پیچھے گھوم رہی تھی۔ پاکستان کی پولیس بھی ان کی تلاش کر رہی تھی۔ دونوں ملکوں کے سراغ رساں ادارے ان کی تلاش میں سرگرم تھے، لیکن وہ انہیں گرفتار نہ کر سکے تھے۔ یہ رہنما اپنے پاکستانی دوستوں سے بھی رابطہ میں تھے۔ وکلاء سے بھی ملتے تھے، جبس بے جا کی درخواستوں کو بھی نظر میں رکھتے تھے اور تاریخ پیشی پر اپنے کارکنوں کو بھیج کر معلومات حاصل کر لیتے تھے کہ آئندہ تاریخ پیشی کب مقرر کی گئی ہے۔ اس دور میں ہمارے عدالتی بیان چھپے۔ سات لاکھ جاسوس اور ''چہ دلا وراست دزدے'' کے کتابچے چھپ کر تقسیم ہوئے۔

دونوں حکومتوں کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ کتابچے کس نے چھپوائے تھے۔ کس پریس سے چھپے تھے، اور کب چھپے تھے۔ وہ یہ بھی نہ معلوم کر سکے کہ یہ کتابچے کہاں لکھے گئے، کب لکھے گئے، جیلوں سے کیسے باہر ان کے مسودات پہنچے، لیکن ان کتابوں اور کتابچوں نے حکومت کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں۔

مجید امجد بٹ بھی پولیس کے ہاتھ نہ آ سکے۔ ہم نے عدالت العالیہ میں اپنے بیانات تحریری پیش کئے تھے۔ بیانات پیش کرنے سے قبل ان کو چھپوالیا گیا تھا۔ اور جس روز ہم تحریری بیان شامل کرواتے تھے ساتھ ہی اس کو لوگوں میں ہمارے ساتھی تقسیم بھی کر دیتے تھے۔ میں نے عدالت العالیہ کے خوف زدہ ہونے کا ذکر کیا ہے یہ محض ایک تخیل ہی نہیں ہے ایک فرضی قصہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔

اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس عدالت العالیہ کے خلاف رپورٹ لکھ کر حکومت کو بھیجتے رہے ہیں۔ جوڈیشل ٹربیونل کی عدالت میں اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس نے بلا خوف وخطر یہ جسارت اور گستاخی کی تھی کہ اس نے مسٹر جسٹس محمد یوسف صراف کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ وہ میرے (راقم) کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور ہم مل کر بھارتی جاسوسوں کی مدد کرتے تھے اور جبس بے جا کی درخواست کے ذریعے عدالتی فیصلہ لے کر انہیں رہائی دلاتے رہے۔ اور انہیں بارڈر کراس بھی کرا دیتے رہے۔

میرے خلاف تو گنگا کیس میں ہی الزام لگایا گیا تھا جس کا کسی دوسری جگہ ذکر آیا ہے۔ میں وکیل تھا اور مجھے وکیل کا رَول دیا گیا تھا۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ یعقوب علی چوہدری اوران کے دوسرے ساتھی جج چیف جسٹس (سندھ ہائی کورٹ) عبدالقادر شیخ مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے۔ اور اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس انہیں سنا کر یہ بات کہہ رہا تھا۔

اس پر تمام ملزمان کھڑے ہو گئے تھے اور وکلاء صفائی نے بھی کہا تھا کہ یہ صریحاً توہین عدالت ہے۔ لیکن عدالت نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اور نہ ہی اس افسر کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کی گئی تھی۔

دراصل یہ عدالت نہ تھی، یہ تماشا گاہ تھی پاکستان کے یہ نامور جج بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے تفتیش کنندہ افسران کو فوج کا پورا تعاون حاصل تھا، ہم نے عدالت العالیہ میں مسٹر جسٹس محمد یوسف صراف کو درخواست دے کر اپنی حبس بے جا کی درخواستیں واپس لے لی تھیں وہ درخواستیں بھی چھپوالی گئی تھیں۔

اس کا عنوان تھا، آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟ اور اس کتابچہ کو بھی عوام میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہمیں علم ہے کہ خواجہ محمد یوسف صراف مرحوم ایک نامور جج تھے۔ انہیں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی، وہ قانونی موشگافیوں سے بھی واقف تھے۔ انتہائی زیرک، تجربہ کار جج تھے۔ پاکستان کے نامور جج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنوں اور بیگانوں کی نظروں میں صرف اس لئے کھٹکتے رہے کہ وہ صراف کے ہم پلہ نہ تھے۔

یہ سب لوگ کم تری کے مریض تھے۔ ان کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہے وہ ایک مہاجر تھے۔ نہ ان کی یہاں برادری تھی اور نہ انہیں کسی جماعت کا سیاسی تعاون حاصل تھا۔ وہ تنہا سب قوتوں سے کب تک لڑ سکتے تھے۔ حکومت کی خواہش تھی کہ وہ ہماری درخواستوں کو نامنظور کر کے داخل دفتر کر دیں۔ وہ ایسا بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا کہ پاکستان میں مہاجرین کے ساتھ سوتیلی ماں کے سلوک سے بدتر سلوک ہو رہا ہے۔ اب گنگا کیس بنا تو وہ بھی صرف مہاجرین کے خلاف بنایا گیا کیونکہ ان کے رونے والا حکمرانوں کے نزدیک یہاں کوئی نہیں تھا۔ چیف جسٹس مسٹر محمد یوسف صراف انسانوں کے بنیادی حقوق کا خیال رکھتے تھے۔

اور حبس بے جا کی درخواستوں کے سلسلہ میں عدالت العالیہ کو محدود اختیارات حاصل تھے۔ پھر بھی انہیں محبوسین کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ قانون فوجداری میں ان محدود اختیارات کو بھی چھین لینے کے لئے سردار محمد عبدالقیوم خان صدر حکومت نے ایک مسودہ مسٹر جسٹس صراف سے تیار کرایا اور صدارتی حکم کے ذریعہ اسے نافذ کر دیا تھا۔ اب سردار صاحب منتظر تھے کہ ہماری درخواست ہا داخل دفتر کر دی جائیں گی، لیکن صراف صاحب نے اس ترمیمی قانون کے باوجود سماعت جاری رکھی تھی۔

قانون فوجداری کی تاریخ میں پہلی بار یہ شاہی حکم جاری کیا گیا تھا کہ عدالت العالیہ کو جو جبلی اور پیدائشی اختیارات حاصل تھے انہیں سلب کر لیا گیا تھا۔ گنگا کیس میں پولیس کے خفیہ ریکارڈ سے پتہ چلا تھا کہ آزاد کشمیر کی عدالت کی کارروائی کی باقاعدہ رپورٹ وزارت امورِ کشمیر میں بھیجی جاتی تھی۔ اور وزارت امورِ کشمیر سے باقاعدہ ہدایات جاری ہوتی رہتی تھیں۔ ہمارے مخالف اخلاق کی انتہائی پستی تک گر چکے تھے۔ عدالت العالیہ نے ہمیں جیل میں اے کلاس دیئے جانے

کا حکم دیا تھا جو ہمیں اس حکم کے باوجود نہ دی گئی تھی۔

اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ اس کی شکایت بھی وزارت امورِ کشمیر تک پہنچائی گئی تھی کہ عدالت العالیہ (مسٹر یوسف صراف) نے محبوسین کی طرف داری کی ہے۔ محبوسین میں ممتاز احمد ہاشمی مرحوم، محمد صابر انصاری اور میں (عبدالخالق انصاری) تینوں ایڈووکیٹس تھے، صوفی محمد زمان مرحوم، ارشاد احمد بچھ مرحوم، جی ایم میر، محمد یوسف زرگر مشہور تاجر اور کاروباری شخصیتیں تھیں۔ پیرزادہ غلام مصطفےٰ علوی ایک نامور پیر تھے جن کے ہزاروں مرید تھے۔ یہ حضرات ٹیکس دہندگان بھی تھے۔ معاشرے میں بلند مقام رکھتے تھے۔ معاشی طور پر بھی خوشحال تھے۔ ان کو اے کلاس ان کے مرتبہ ان کی سماجی خدمات ان کی علمی خدمات اور ان کے اعلیٰ ترین رہن سہن کی بنیاد پر دی گئی تھیں۔ جس کے وہ ہر لحاظ سے مستحق تھے۔

لیکن حکومت کو عدالت کا یہ حکم بھی ناگوار گزرا تھا، جیل حکام اور جیل کے داروغہ نے کہا کہ ان کے پاس تو اے کلاس کے قیدیوں کے لئے جیل رولز کے مطابق کھانے کے برتن تک نہیں ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ آپ سب کو ڈاک بنگلہ لے جائے۔ جیل والوں کے پاس نہ بستر ہیں نہ چادریں ہیں اور نہ ہی وہ جیل کے قواعد وضوابط کے تحت ایسی سہولت پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ جیل حکام کے پاس فنڈز بھی موجود نہیں ہیں کہ وہ ضروری اشیاء خرید کر مہیا کر سکیں۔

جیل حکام کا رویہ ہمارے ساتھ بہت اچھا تھا ہم گنگا کیس کے ملزمان کا مقدمہ بھی تیار کرنے اور گواہان پر جرح کے سوالات لکھنے اور بھجوانے میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے ہم نے جیل حکام کے خلاف شکایت نہ کی تھی۔ اور نہ عدالت العالیہ کے نوٹس میں یہ بات آئی تھی کہ ان کے حکم کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے ہم ساتھی اپنا وقت گزار کر نکل آئے تھے۔

''گنگا کیس'' میں پیش کردہ خفیہ ریکارڈ ہماری نظروں سے نہ گزرتا تو ہماری رائے چیف جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف کے متعلق مختلف ہوتی جس کا اظہار قبل ازیں کیا ہے۔ مسٹر صراف ایک دانشور، ایک مورخ ایک محقق، ایک ادیب ایک مصنف، اور ریاست کے نامور سیاست دان بھی تھے۔ قانون کی وادی میں انہوں نے قدم رکھا تو ان کے فیصلوں کی دھوم مچ گئی آزاد کشمیر کی عدالت العالیہ میں متفقہ فیصلوں کا ''رواج'' تھا۔ جسے انہوں نے توڑا تھا۔ وہ سیاسی میدان میں تھے تو اس وقت آزاد کشمیر کے لیڈران کے مقابلہ میں ''بونے'' نظر آتے تھے۔

انہوں نے مارشل لاء دور میں جیل بھی کاٹی اور کشمیر لبریشن موومنٹ کے بانیوں میں سے تھے۔ لبریشن لیگ بھی مسٹر کے ایچ خورشید نے ان کو ساتھ شامل کر کے بنائی تھی اور اس بت کو بھی توڑا تھا کہ مسلم کانفرنس کے مقابلہ میں کوئی دوسری جماعت نہیں بنائی جا سکتی۔ مسلم کانفرنس کے ناراض گروپ اپنی الگ الگ جماعت مسلم کانفرنس کے نام سے بنا لیتے تھے۔ اور ان کی پہچان یہ ہوتی تھی کہ مسلم کانفرنس (عباس گروپ، مسلم کانفرنس ابراہیم گروپ، مسلم کانفرنس میر واعظ

گروپ، وہ اپنی الگ جماعت کا نام مسلم کانفرنس اس لئے رکھتے تھے کہ وزارت امورِ کشمیر صرف ''مسلم کانفرنس'' کو تسلیم کرتی تھی۔

اور اس کے سر پر صدارت کا تاج رکھ دیتی تھی۔ لیکن جب ان گروپس کے زیادہ جھگڑے شروع ہوئے تو انہوں نے صرف ''مسلم کانفرنس'' (عباس گروپ) کو ہی سرکاری طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس جماعت کو وہ پاکستان کی حامی جماعت تصور کرتے تھے۔ اور دوسرے گروپس کو وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے جھگڑے محض صدارت اور وزارتوں کی بندر بانٹ پر ہوتے تھے اس جماعت کا انقلابی رول ختم ہو چکا تھا۔

کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔ وہ وظیفوں، کوٹھیوں، الاٹ منٹوں، لائسنسوں، پرمٹوں اور مراعات کے حصول کے چکر میں تھے۔ کراچی معاہدہ اس کا بین ثبوت ہے۔ صرف ہم لوگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے عوامی کانفرنس بنائی اور ایک سال بعد اس کا نام بدل کر عوامی کانفرنس رکھا تھا۔ تا کہ کشمیر کے سب لوگ بلا تخصیص رنگ، نسل، زبان اور مذہب کے شامل ہو کر ریاست کی آزادی، وحدت اور سالمیت کے لئے اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ہماری جماعت حد متارکہ جنگ کے منحوس نام کو ہی مٹانا نہیں چاہتی تھی بلکہ غیر ملکی فوجوں کے انخلاء کا مطالبہ کر کے کشمیر کے تقسیم کئے جانے کے خطرے سے بچانا چاہتی تھی۔

اور وزارت امورِ کشمیر کے آزاد کشمیر کی حکومت میں اور آزاد کشمیر کے معاملات میں اس کی کسی بھی قسم کی مداخلت کے خلاف تھی۔ آزاد کشمیر بشمول گلگت و بلتستان میں یہ پہلی آواز تھی جس نے آزادی وخودمختاری کو مسئلہ کشمیر کا واحد، پائیدار اور باوقار حل قرار دیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پوری ریاست میں سب سے پہلے کسی بھی جماعت نے ریاست کی خودمختاری کے حصول کا اعلان کیا تھا تو وہ صرف ''عوامی کانفرنس'' تھی۔

پاکستان اور بھارت کو قابض ممالک قرار دیتی تھی۔ دونوں کی افواج کے نکل جانے کا مطالبہ بھی اسی جماعت نے کیا تھا۔ اس دور میں ایسا مطالبہ کرنا موت سے کھیلنے کے مترادف تھا۔ لیکن آزادی تو ہمیشہ موت کے خوف سے بلند ہو کر ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جو قوم موت سے ڈرتی ہے وہ ہمیشہ غلام رہتی ہے۔

گنگا کیس کی سماعت کو معرضِ التواء میں اس لئے رکھا گیا تھا کہ عدالت حکومت کا نکتہ نظر جاننا چاہتی تھی۔ ان دنوں یحیٰ بختیار پاکستان کے اٹارنی جنرل تھے۔ وہ تاریخ مقررہ پر بحث کے لئے پیش ہوئے۔ عدالت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سماعت مقدمہ تو کھلی عدالت میں ہوئی لیکن پریس کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی وہ اس کی رپورٹنگ نہیں کریں گے سب حاضرین کو بھی منع کر دیا گیا تھا کہ بحث کے نکات کو کسی پمفلٹ، پوسٹر وغیرہ کے ذریعہ شائع نہ کیا جائے لیکن ہم نے بعد میں اسے ایک کتابچے میں شائع بھی کر دیا تھا۔

عدالت کے سامنے حکومت پاکستان کا موقف بیان کرتے ہوئے مسٹر یحیٰ بختیار اٹارنی جنرل نے کہا کہ حکومت ریاست جموں وکشمیر کے عوام کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ آزاد و خودمختار رہ سکتے ہیں۔ یہ ریاستی عوام کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ حق خودارادیت ان کا پیدائشی حق ہے۔ اور اس پر کسی طرح کی کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی نہ اسے مشروط و محدود کیا جا سکتا ہے انہوں نے عدالت کو یہ بتایا کہ حکومت پاکستان کا اقوامِ متحدہ میں بھی یہی موقف تھا۔ قانون آزادیٔ ہند میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ 13 اگست 1948ء کی قرارداد میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

الحاق کی قرارداد پاکستان نے اس لئے پیش کی تھی کہ بھارت اقوامِ متحدہ کی کشمیر سے متعلق قرارداد کو اپنے حق میں استعمال کر کے غلط فہمی پھیلا رہا تھا۔ بھارت کہہ رہا تھا کہ کشمیری آزاد رہ سکتے ہیں یا ہندوستان (بھارت) کے ساتھ کئے گئے الحاق کی توثیق کر سکتے ہیں۔ بھارت انتہائی چالاکی سے پاکستان کو اس مسئلہ سے الگ کر رہا تھا۔ اور دنیا کو یہ تاثر دے رہا تھا کہ پاکستان ایک جارح ملک ہے۔ اٹارنی جنرل کے سر ظفر اللہ کے بیانات سے متعلق ریکارڈ بھی پیش کیا جس میں پاکستان کا موقف وضاحت سے درج تھا۔

انہوں نے ایسی دستاویزات بھی پیش کی تھیں جن کا ہمیں بھی علم نہ تھا۔ اور عدالت نے ان دستاویزات کو ملاحظہ بھی کیا تھا۔ اس نے بڑے واضح الفاظ میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ملزمان خودمختار کشمیر کے حق میں پروپیگنڈہ کرتے رہے ہوں تو یہ ان کا حق ہے۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ عدالت نے اس موضوع پر اپنی تسلی کے لئے چند ایک سوالات کئے تھے جو ہمارے لٹریچر مشمولہ مسل سے ان کی نظر میں قابل وضاحت تھے، اٹارنی جنرل نے ہمارے موقف کی تائید کی تھی، ہمارے خلاف یہ الزام تھا کہ ہم (محاذ رائے شماری/عسکری باز وقومی محاذ آزادی) خودمختار کشمیر کے حامی ہیں اس کا پرچار کرتے ہیں اور یہ پاکستان کے موقف کے خلاف ہے اور بھارت کی ایما پر ایسا کیا جا رہا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ گلگت و بلتستان پاکستان کے علاقے ہیں یہ ریاست سے الگ تھے اور ان علاقوں کے لوگوں نے پاکستان سے الحاق کر لیا ہوا ہے۔ ملزمان کے خلاف الزام تھا کہ وہ اسلحہ جمع کر کے گڑبڑ پھیلا کر اس کو پاکستان سے الگ کرنا چاہتے ہیں یہ علاقے کبھی ریاست کا حصہ نہیں رہے ہیں اور نہ ہی آزاد کشمیر سے ان علاقوں کا تعلق ہے۔ یہ ہمارے خلاف استغاثہ نے یہ الزام لگایا تھا کہ ہم نے آزاد کشمیر اور گلگت میں اسلحہ اکٹھا کر کے چھپا رکھا تھا تا کہ ان علاقوں میں گڑبڑ پیدا کی جائے۔

اس کے ثبوت میں برآمد شدہ اسلحہ کے فرداتِ ضبطی کے گواہان بھی پیش کئے گئے تھے۔ 'اسلحہ' بھی عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ ہمارے ساتھیوں نے تسلیم کیا تھا کہ 'اسلحہ' وہ جمع کرتے رہے ہیں لیکن وہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں اپنی گوریلا کارروائیوں کے لئے اپنے ساتھیوں کو مسلح کرتے رہے ہیں۔ استغاثہ کے دوسرے الزام کی تردید استغاثہ کے گواہان گلگت

کے ایس پی کیپٹن بابر اور آزاد کشمیر کے ایس پی سید فرمان علی شاہ نے کر دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان کی سرگرمیاں بدامنی پھیلانے کے لئے نہ تھیں۔ گلگت میں وہ تعزیرات پاکستان کے نفاذ کا مطالبہ کرتے تھے۔

ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن) کے خلاف تھے آزاد کشمیر میں کسی بدامنی کی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی، ان کی سیاسی سرگرمیاں سیاسی مطالبات کی حد تک تھیں، یہ شہادت آزاد کشمیر کے گواہ استغاثہ نے دی تھی، استغاثہ کے اس الزام کی تائید میں کہ ملزمان بھارتی حکومت یا اس کے اداروں کی ایمان پر ایسا کرتے تھے۔ شہادت موجود نہ تھی، نہ کوئی عینی شہادت موجود تھی، نہ قرائن کی شہادت، استغاثہ آپ الزامات کو ثابت کرنے میں بری طرح ناکام ہوا تھا۔ اب صرف ان علاقوں کے بارے میں عدالت یہ جاننا چاہتی تھی کہ آیا وہ علاقے پاکستان کے ہیں، پاکستان میں شامل ہیں، ریاست کا کبھی حصہ رہے ہیں، ان پر انگریزی حکومت نے جو اپنی فوج بٹھا رکھی تھی اور اسے پٹے پر لے رکھا تھا اس کی کیا نوعیت تھی، کراچی معاہدہ کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ ان امور پر اٹارنی جنرل نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ............

گلگت و بلتستان ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہیں، آزاد کشمیر بھی ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہے، جسے لوگوں نے آزاد کرا لیا ہے۔ گلگت و بلتستان بھی وہاں کے لوگوں نے آزاد کرا کر آزاد کشمیر کے ساتھ اسے شامل کر لیا تھا۔ یہ دونوں ایک ہی ریاست کے آزاد شدہ علاقے ہیں، انتظامی وجوہ کی بناء پر معاہدہ کراچی عمل میں آیا تھا۔ برٹش راج کے خاتمہ کے بعد برطانوی ہند کے حقوق پٹہ داری ختم ہو گئے تھے۔

برطانوی ہند کو بھی گلگت کے تھوڑے سے علاقہ میں فوج رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا، دراصل روس کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے برطانوی ہند نے وہاں اپنی فوج رکھی تھی۔ حقوقِ پٹہ داری سے ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ ختم نہ ہوا تھا۔ ریاست کا جھنڈا گلگت پر لہراتا رہا۔ دیگر انتظامی امور بھی ڈوگرہ حکومت کے ہاتھ میں تھے۔ ڈوگرہ نے گھنسارا سنگھ کو گورنر تعینات کر کے گلگت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اٹارنی جنرل نے خفیہ دستاویزات کو پیش کیا جس کی اشاعت عدالت نے روک دی تھی۔ اور حکم دیا تھا کہ اس حصہ کو خفیہ راز کے طور پر رہنے دیا جائے۔

میں یہاں یہ بتانا ضروری سمجھوں گا کہ عدالت کے لئے یہ ضرور خفیہ راز تھا لیکن ہم کشمیریوں کے لئے یہ کسی صورت بھی یہ نئی بات نہ تھی، ہمیں وزارتِ امورِ کشمیر کے افسروں کے ذریعہ بھی پتہ چلتا رہتا تھا اور پاکستان کے رہنما بھی ہم سے بحث کرتے ہوئے ہمیں مشروط مدد دینے کا وعدہ کیا کرتے تھے کہ وہ خود مختار کشمیر کے نظریئے کی نہ صرف حمایت کرنے کو تیار ہیں بلکہ اس کے لئے کشمیریوں کو ہر قسم کی مدد دینے کو بھی تیار ہیں بشرطیکہ منگلا ڈیم اور گلگت کو پاکستان کے قبضہ میں رہنے دیں۔ منگلا ڈیم ان کی معیشت کے لئے ضروری ہے۔

پاکستان اور چین کے درمیان ایک ہی زمینی راستہ ہے جو گلگت سے گزرتا ہے۔ یہ دونوں پاکستان کے لئے

ضروری ہیں اس لئے پاکستان اس سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔لیکن ہم نے ہمیشہ انہیں یہ یقین دلایا کہ ہم دوست ہیں۔وہ خودمختار کشمیر کو پاکستان کا دشمن ملک نہ سمجھیں، کشمیر کے آزاد ہونے کے بعد دونوں ملکوں کے مابین اس سلسلہ میں معاہدہ ہوسکتا ہے۔کشمیریوں کو بھی دنیا سے رابطہ رکھنے کے لئے کراچی کی بندرگاہ کی ضرورت ہے۔

دونوں ملک اپنے اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے معاہدے کرسکتے یہ باتیں خفیہ نہ تھیں بلکہ پبلک جلسوں میں ہوتی رہی ہیں، البتہ عدالت کے کہنے پر اٹارنی جنرل کی بحث کا یہ حصہ پریس نے بالوضاحت شائع نہ کیا تھا۔

ایک خاص بات جو اٹارنی جنرل نے بحث کے دوران عدالت کو بتائی تھی وہ یہ تھی کہ حکومت پاکستان اس حصہ کو پاکستان میں شامل اس لئے بھی نہیں کررہی ہے کہ کسی وقت بھارت رائے شماری کرانے پر رضامند ہوگیا تو اس وقت پاکستان گلگت کے 6/7 لاکھ ووٹوں سے محروم ہوجائے گا اور بھارت رائے شماری کے ذریعہ باقی حصہ ہڑپ کرلے گا۔ گلگت کے سو فیصد ووٹرز پاکستان کے حق میں ہیں اور یہ فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں اس لئے پاکستان نے یہ رسک نہیں لیا ہے۔ پاکستان کے اٹارنی جنرل کے دلائل اور بحث سن کر عدالت کے جج صاحبان حیران ہورہے تھے۔اور وہ یہ محسوس کررہے تھے کہ پاکستان کے اٹارنی جنرل ملزمان کے وکیل صفائی کا رول ادا کررہے ہیں۔ان کے چہروں سے پتہ چلتا تھا اور جوریمارکس دیتے تھے وہ اس کی تصدیق کرتے تھے،مسٹر جونیجو چیف پراسیکیوٹر کی حالت قابل رحم تھی، جب پاکستان کے اٹارنی جنرل نے اپنی بحث سمیٹتے ہوئے کہا کہ ریاست جموں وکشمیر کو آزاد وخودمختار رہنے کا حق حاصل ہے۔گلگت و بلتستان کے علاقے ریاست جموں وکشمیر کا جزولاینفک ہیں تو استغاثہ کے پیروکاروں کے چہرے سیاہ پڑ گئے اور عدالت بھی زیرلب مسکرائی۔اجلاس برخواست ہوااور ہم سب لوگ عدالت سے باہر نکل گئے۔

اب اس بحث کے بعد جو واقعات ہمیں پیش آئے اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ میں نے گواہانِ صفائی کی شہادت خود نہ سنی تھی نہ ان دنوں عدالت میں جاسکا تھا۔لیکن جموں وکشمیر محاذ رائے شماری لاہور زون نے ایک پمفلٹ (کتابچہ) شائع کرکے ان کے نام درج کردیئے تھے۔ جی ایم لون نائب صدر جموں کشمیر محاذ رائے شماری، میر عبدالمنان سیکرٹری جنرل جموں وکشمیر محاذ رائے شماری ، ہاشم قریشی ہائی جیکر، محمد اشرف قریشی ہائی جیکر، میر عبدالقیوم مرکزی فنانشل سیکرٹری، مقبول احمد بٹ صدر جموں کشمیر محاذ رائے شماری، نذیر بٹ، مشتاق بٹ، میر مقبول گیلانی، محمد یاسین برہانا، خضر محمد بیگ، غلام احمد بالا، جاوید منٹو، جاوید ساغر، خواجہ غلام نقوی، میر غلام رسول، کے ایچ خورشید سابق صدر آزاد کشمیر، خواجہ محمد صدیق، جی ایم مفتی ایڈیٹر قائد محمد امین قریشی۔

محمد شفیع راٹھور، غلام محی الدین بانکا، سید علی زیدی، محمد مقبول نائیک، عبدالغفار قریشی، جی ایم میر، بشیر احمد لون، عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ بانی صدر جموں کشمیر محاذ رائے شماری، سردار رشید حسرت، غلام قادر بابو، مجید امجد بٹ ایڈیٹر

وولر، غلام حسن پنجابی، صدر لبریشن لیگ سندھ زون کے اسمائے گرامی درج ہیں، یہ کتابچہ انہوں نے فیصلہ کے بعد شائع کیا تھا۔

مقدمہ کی سماعت اختتام کو پہنچ رہی تھی، اس دوران ہمارے ساتھ حکومت کے ایلچی رابطہ میں تھے، اب بھٹو شہید کی طرف سے ہمیں اس پر امادہ کیا جا رہا تھا کہ فیصلہ میں ایک ملزم کی سزا پر ہمیں احتجاج نہیں کرنا ہوگا۔ محاذ رائے شماری حکومت کے ساتھ تعاون کرے اور اس فیصلہ کو پاکستان کی مجبوری سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔ سزا یافتہ ملزم کو بھی عدالت اپیل پر چھوڑ دے گی۔ ہم نے اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا۔

ہم نے صاف طور پر بھٹو شہید کو یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ مسل میں کسی ملزم کو بھی سزا دینے کے لئے ذرہ بھر مواد موجود نہیں ہے، صرف ملزمان کے اقبالی بیانات ہیں جو پولیس نے تشدد کر کے حاصل کئے ہیں۔ تشدد کے ثبوت بھی ہم نے پیش کر دیئے تھے۔ ملزمان میں سے جناب جی ایم لون اور میر عبدالمنان نے تشدد کے باوجود پولیس کی کہانی دھرانے اور اقبال جرم کرنے سے انکار کر دیا تھا، جناب میر عبدالمنان مرحوم تو تشدد سے دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ ایک عرصہ تک زیر علاج رہنے کے بعد ان کی حالت سنبھلی تھی۔

جناب جی ایم لون پر اذیت ناک آلہ استعمال کیا گیا، ان کی یادداشت ختم ہو چکی تھی، وہ بقیہ زندگی میں کاروبار کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ وہ کارپٹ انڈسٹری کے نامور مالک تھے اور ان کے کارخانے کے بنائے ہوئے کارپٹ امریکہ اور یورپ میں برآمد کئے جاتے تھے۔ وہ رہائی کے بعد امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ ممالک میں گئے تھے لیکن ان کی پہلے جیسی حالت نہ رہی تھی۔ بقیہ رہنماؤں پر جو تشدد کئے گئے وہ ان کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی طور پر ناکارہ ہو گئے تھے۔ اور مرتے دم تک اس تشدد کے اثرات ان کے جسموں پر نمایاں نظر آتے تھے۔ ان میں سے ایک ملزم اشرف قریشی زندہ ہونے کے باوجود ابھی تک سنبھل نہ سکا۔

وہ اس وقت جوان تھا ہاشم قریشی بھی جوان تھا اس لئے وہ تشدد برداشت تو نہ کر سکے تھے اس لئے اقبالی بیانات دے کر اس زندگی سے خلاصی چاہتے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک خدا کی مہربانی سے زندہ موجود ہیں لیکن ان کے ولولے ان کے جذبے جیل میں ہی ٹھنڈے ہو گئے تھے، یہ قوم کے بہادر سپوت ملک کی آزادی کے لئے آگے نہ بڑھ سکے۔

اصل میں اس مقدمہ سے نہ صرف ان رہنماؤں کو قتل کیا گیا بلکہ تحریک آزادی کو بے رحم قصابوں نے کند چھری سے ذبح کر دیا تھا۔ انہوں نے کشمیری قوم کو غلامی کے اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ لیکن یہ عقل کے اندھے نہیں جانتے تھے کہ ان کے خون کے ایک ایک قطرے سے بجھتی ہوئی شمع سے بھی آزادی کی لو تیز ہوگی۔

ریاست جموں وکشمیر کی آنے والی نسلیں ان کی شاندار قربانیوں کا ذکر کر کے اپنا سر فخر سے بلند کر کے چلتی رہیں

گی، اور وہ آزادی سے کبھی دست بردار نہ ہوں گی، ہم نے اپنے رہنماؤں میں سے کسی ایک کو بھی سزا دیئے جانے کے حق میں حکومت سے اتفاق نہ کیا تھا۔ ہم نے حکومت کو بتا دیا تھا کہ اگر کسی ایک کو بھی سزا ہوگئی تو ہماری دشمن جماعتیں اس کو اتنا اچھالیں گی کہ ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہوجائے گا ہماری تنظیم کو شک کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ نوجوان ہماری تنظیم میں شامل ہونے سے کترائیں گے۔

عوام میں ہماری ساکھ ختم ہوجائے گی خواص ہماری یہ بات نہیں مانیں گے کہ فیصلہ بر بناء واقعات وشہادت بر مثل نہیں ہوا ہے بلکہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے جو محض آئی اوٹا میں بھارتی دعویٰ کے جواب دعویٰ میں پاکستان نے اپنے موقف کو تقویت پہنچانے کے لئے کیا ہے، محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو قومی محاذ آدمی کو دشمن جماعت سمجھ کر اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے گا اور اس طرح ہماری تحریک آزادی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ حکومت پاکستان (مسٹر بھٹو شہید) کے دلائل یہ تھے کہ حکومت پاکستان کی ساکھ کو بچانے کے لئے ایسا ضروری ہے کہ کسی ایک کو دکھاوے کے لئے سزا سنائی جائے۔

انہوں نے کہا کہ جنرل یحیٰی خان نے تمام دنیا کے سربراہوں کو خطوط لکھ کر یہ بتایا تھا کہ گنگا اغواء ایک بھارتی سازش تھی، اور اگر عدالت سب کو رہا کر دیتی ہے تو پاکستان دنیا بھر میں بدنام ہوجائے گا۔ بھٹو شہید مرحوم نے ہمیں قائل کرنے کے لئے بڑا زور لگایا اور انہوں نے کہا کہ کیا پاکستانی قوم اتنی احمق ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے گی کہ گنگا کیس کا فیصلہ قانونی نہیں سیاسی ہے؟ بھٹو شہید نے سخت الفاظ استعمال کئے تھے جن کا دھرانا غیر مناسب ہے۔

جنرل یحیٰی خان کے بارے میں ان کے الفاظ اتنے ہی سخت تھے وہ نہ صرف غیر پارلیمانی تھے بلکہ ان کے ساتھ الفاظ منسوب کرنا بھٹو شہید کی عظمت کے خلاف ہے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو شہید نے ہمیں کہا کہ پاکستان کی مجبوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس حد تک فیصلہ کرنے سے محاذ والوں کو حکومت سے ناراض نہ ہونا چاہیے کہ صرف ایک ملزم کو سزا ہوئی ہے۔ ساری قوم کو پتہ ہے کہ سرینگر سے دو کشمیری نوجوان گنگا طیارہ اغوا کر کے لائے تھے دونوں ہم عمر تھے دونوں رشتہ دار تھے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک محبّ وطن ہو اسے پاکستان سے محبت ہو وہ آزادی چاہتا ہو اور دوسرا ساتھی بھارتی ایجنٹ ہو۔ پاکستان دشمن ہو اور غلامی کو پسند کرتا ہو، قوم خود نتیجہ اخذ کر لے گی کہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے اور صرف پاکستان کے موقف کو ثابت کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

فیصلہ سے قبل ہمیں اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا تھا کہ سب ملزمان بری کئے جا رہے ہیں مسل کے اندر کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ استغاثہ کی پیش کردہ شہادتوں سے بھی ملزمان بریت کا استحقاق رکھتے تھے۔ لیکن فیصلہ سنانے سے چند دِن پہلے ایک دن کے لئے بھٹو شہید لاہور تشریف لائے۔ وہ گورنر ہاؤس میں ٹھہرے۔ وہاں ایک میٹنگ ہوئی اس میٹنگ میں

پنجاب کے گورنر جناب غلام مصطفیٰ کھر جناب یعقوب علی چوہدری چیف جسٹس پاکستان مسٹر بھٹو شہید کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور عدالت کے باہر گورنر ہاؤس میں مشورے کے بعد ہمارے مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا تھا اس کا علم بھی ہمیں عدالتی ذرائع سے ہی ہوا تھا۔

کہا جاتا تھا کہ پہلا فیصلہ مسٹر جسٹس شیخ عبدالقادر چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ نے لکھا تھا جس میں سب ملزمان کو بری کر دیا گیا تھا۔ اب صدر پاکستان کی ہدایت کے مطابق جب فیصلہ میں ردو بدل کرنا پڑا تو مسٹر جسٹس شیخ نے مسل مسٹر جسٹس یعقوب علی چوہدری (چیف جسٹس پاکستان سپریم کورٹ چیئرمین جوڈیشل ٹربیونل) کے حوالہ کر دی تھی جنہوں نے نئے سرے سے فیصلہ لکھا تھا۔ اور بالآخر عدالت نے فیصلہ سناتے ہوئے ماسوائے ہاشم قریشی کے بقیہ تمام ملزمان کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور ملزمان باعزت بری کر دیئے گئے تھے۔

میری جچی تلی رائے ہے کہ کسی سیاسی جماعت کو اپنی محبّ الوطنی کا سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی محبّ الوطن جماعت یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ اس میں شامل ممبران سب کے سب محبّ وطن ہیں۔ دشمن قوتیں، دشمن ایجنسیاں اپنے زر خرید غلاموں کو بھی ان جماعتوں میں داخل کرسکتی ہیں۔ اور وہ جماعت کے اندر اہم عہدوں پر بھی فائز ہوسکتے ہیں۔ جن کا علم جماعت کے لوگوں کو نہیں ہوسکتا۔

میں یہ کہنا چاہوں گا کہ آزاد کشمیر کی کوئی جماعت یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ ایک محبّ وطن تنظیم ہے۔ لیکن محاذ رائے شماری والے نہ صرف دعویٰ کر سکتے ہیں بلکہ اس دعویٰ کے ثبوت میں پاکستان سپریم کورت کے چیف جسٹس کا فیصلہ پیش کر سکتے ہیں کہ محاذ رائے شماری اور اس کا خفیہ عسکری بازو قومی محاذ آزادی ایک آزادی پسندوں اور محبّ الوطنوں کی تنظیم ہے جو ریاست جموں وکشمیر بشمول گلگت و بلتستان کی وحدت، سالمیت اور آزادی وخود مختاری کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ ریاست کو آزاد وخود مختار رکھنا ریاستی عوام کا حق ہے۔

گلگت کو آزاد کشمیر میں شامل کرنے کا مطالبہ کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ محاذ رائے شماری بھارت یا بھارت کی خفیہ ایجنسیوں کی ایماء پر نہیں بنایا گیا یہ ریاست کے ان محبّ الوطنوں کی تنظیم ہے جو بیک وقت پاکستان اور بھارت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی اپنی فوجوں کو کشمیر سے نکال کر واپس اپنے اپنے ملکوں میں لے جائیں کشمیری اکٹھے رہنے کے خواہشمند ہیں ان میں کوئی مذہبی، علاقائی، لسانی اور نسلی تعصب نہیں ہے۔

جو تعصّبات پیدا کئے ہیں وہ غیر ملکی حکمرانوں نے پیدا کئے ہیں۔ یا ڈوگرہ شاہی کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ قوم جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم کی روشنی میں آ چکی ہے نئی نسل کا مطالبہ کہ ''غیر ملکی فوجیو، چھوڑ دو کشمیر کو، غیر ملکی غاصبو کشمیر ہمارا چھوڑ دو، کشمیر ہمارا ہے اور سارے کا سارا ہے''۔ سو فیصد درست ہے اور اس پر کسی طرح کی کوئی قدغن، کوئی شرط اور کوئی

پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

گنگا کیس کا بالآخروہی فیصلہ سنایا گیا جس کا حکم صدر پاکستان ذوالفقارعلی بھٹوشہید نے گورنر ہاؤس میں جناب غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب کی موجودگی میں چیف جسٹس سپریم کورٹ کو(جو جوڈیشل ٹربیونل کے چیئر مین تھے) دیا تھا۔اور عدالت نے فیصلہ سنانے کے بعد اپنے رجسٹرار کوحکم دیا تھا کہ وہ اخبارات اور ذرائع ابلاغ کو یہ بیان جاری کردے کہ عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ محاذ رائے شماری اوراس کا عسکری بازوقومی محاذ آزادی ایک محبّ وطن تنظیم ہے جوریاست میں کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہی ہے۔ یہ سب لوگ محبّ وطن ہیں ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔فیصلہ میں سب رہنماؤں کوخوبصورت الفاظ میں داد تحسین پیش کی گئی تھی کہ ان لوگوں نے الجزائراور تیونس کے مجاہدین سے متاثر ہوکر مسلح جدوجہد شروع کی تھی۔صرف ہاشم قریشی کوسزادی گئی تھی اور ہمارے راہنماؤں کوآزادی کی جنگ کے لئے اسلحہ بدوں لائسنس رکھنے کی وجہ سے تابرخواست عدالت کی سزاسنائی گئی تھی۔ یہ سزا بھی بدوں جواز تھی۔

اسلحہ پاکستان سے برآمد نہ ہوا تھا۔آزادکشمیراور گلگت و بلتستان سے اسلحہ برآمد ہوا تھااور یہ اسلحہ بھی ان رہنماؤں کی نشاندہی اوران کوساتھ لے جا کر برآمد نہ کیا گیا تھا اس سے بڑھ کر یہ زیادتی بھی ہے کہ پاکستان جوڈیشل ٹربیونل کی حدود اختیار سماعت میں سے بھی برآمدگی نہ ہوئی تھی،تاہم ہم نے بھٹوشہید کی مجبوریوں کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا تھا۔بعد میں سپریم کورٹ نے بھی ہاشم قریشی کوجیل سے رہا کردیا تھا۔ہم بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ یہ ڈرامہ کیا گیا تھا جس کےاثرات ابھی تک زائل نہ ہوسکے۔

ہماری قوم کوسب حالات کا علم نہ ہے۔ اخبارات میں رہائی کی خبریں چھپی تھیں لیکن ہمارے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کیا جاچکا تھا کہ اس کاازالہ اخبارات میں شائع شدہ عدالت کا وضاحتی بیان بھی نہ کرسکا تھا۔ یہ بھی ایک انوکھا تجربہ تھا۔عدالت کوایسے بیانات جاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟اصل میں قوم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ فیصلہ سیاسی نوعیت کا ہے،محض بھارت کودنیا میں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے مقدمہ کا ڈرامہ رچایا گیا تھا۔اس میں شک نہیں کہ بھارت جھوٹا تھا۔بھارت نے پاکستان پر یہ جھوٹا الزام لگایا تھا کہ گنگا کا اغواء پاکستان کی سازش تھی۔

لیکن پاکستان کےاس وقت کے حکمرانوں کی ’’دانش‘‘ کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ گنگا کا اغوا بھارتی سازش تھی ان سے آج بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا بھارت ایسی سازش کرسکتا تھا کہ وہ دوکشمیریوں کوایجنٹ بنا کرگنگا اغوا کرائیں اوران سے کشمیر کی آزادی اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تاکہ کشمیر کے مسئلہ کودنیا کے سامنے ایک بارپھرزندہ کیا جاسکے۔جس مسئلہ کو بھارت خودمردہ قراردے چکا تھا۔اور پاکستان کےان رہنماؤں سے بھی یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر بھارت نے بنگلہ دیش بنانے کے لئے یہ طیارہ اغوا کرایا تھا تو وہ بنگالیوں سے طیارہ اغواء کیوں نہیں کراسکا۔

اوران اداکاروں سے یہ بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس اغواء سے بھارت کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان جنگ کی صورت میں اپنے جنگی جہاز یا اسلحہ، یا فوجی بھیجنے کے لئے بھارتی فضاؤں سے پاکستان کو روکنے کے لئے ایسا کر رہا تھا تو اس کا کیا جواب ہے کہ پاکستان نے جنگ سے 10/11 ماہ کے عرصہ میں اس کا کیا توڑ کیا تھا؟۔

کیا کوئی دشمن ملک اپنے دوسرے دشمن ملک کو تیاری کرنے کے لئے پہلے سے اپنی نیت سے خبردار کر سکتا ہے۔ یہ بے سروپا باتیں بھی پاکستانی عوام کو دھوکہ دینے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔ بھارت نے طیارہ کے اغواء سے قبل ہی پاکستان کو اپنی فضائی حدود استعمال کرنے سے باز رکھا ہوا تھا۔ پاکستان بھارتی فضائی حدود کو امن کی حالت میں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ تو جنگ کی حالت میں کیسے اسے اجازت مل سکتی تھی؟۔

کتنی عجیب اور مضحکہ خیز باتیں ہیں، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو جنرل یحییٰ خان اور اس کے گروہ کی عقل اور سوچ پر ماتم کرنا پڑتا ہے۔ تاریخ کا ایک طالب علم یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر کوئی ملک دوسرے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا اسے اپنے حملہ کے جواز کے لئے مضبوط دلائل، مضبوط ثبوت اور وجہ بھی بتانی پڑتی ہے یا اسے اپنی فوجی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور وہ دوسرے ملک کو مقابلہ میں کمزور سمجھ کر حملہ کرتا ہے۔ حملہ آور ملک تو یہ کہہ کر حملہ کر دیتا ہے کہ اس کی بھیڑیں چرالی گئی ہیں اور جب ایک کمزور ملک اس کو بھیڑوں کے بدلے اونٹ اور اسکا منہ مانگے معاوضہ دینے کو تیار ہو جاتا ہے تو جارح ملک یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہے کہ اس کی وہی بھیڑیں اسے واپس کی جائیں، جو دس سال پہلے چوری کی گئی تھیں۔

کیا کبھی کسی جارح ملک نے یہ کبھی پوچھا ہے کہ اس کے ملک کے اندر دہشت گردی کیوں کی گئی ہے؟۔ وہ تو ایک فرضی نام دے کر دہشت گردی کے بہانے دوسرے ملک کے وسائل آمدن چھیننے کے لئے حملہ کر دیتا ہے اور اس ملک میں داخل ہو کر پٹرول کے کنوؤں پر، سونے اور یورینئم کی کانوں پر قابض ہو جاتا ہے۔ اسے حملہ کرنے سے قبل اپنے جہاز اغواء کرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ طاقتور ملک پہلے کمزور ملک کے لوگوں کو خرید کر انہیں تربیت دے کر گڑ بڑ پیدا کرنے کے لئے بھیج دیتا ہے اور پھر حکومت کے خلاف عوام کی حمایت کا اعلان کر کے اپنی فوجیں داخل کر دیا کرتا ہے۔ بھارت نے پاکستان پر حملہ کرنا تھا تو وہ کشمیریوں کو کیوں آلہ کار بناتا؟۔

اس نے بنگلہ دیش بنانا تھا تو اسے اغواء کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، بنگلہ دیش کے لوگ خود اٹھ کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی آزادی کی جنگ شروع کر دی تھی، بھارت کو سنہری موقع ہاتھ آیا اور اس نے پاکستان کو توڑنے کے لئے بدوں اعلان جنگ شروع کر دی تھی یہ کیا وجہ تھی کہ اسے یورپ، امریکہ اور روس کی حمایت بھی حاصل ہو گئی اس کا پاکستان کے لیڈر قوم کو جواب دیں۔ بنگلہ دیش اس لئے نہیں بنا تھا کہ کشمیریوں نے بھارت کا طیارہ اغوا کر لیا تھا۔ پاکستان

ٹوٹنے اور بنگلہ دیش بننے کی وجوہات پر پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے علاوہ دوسرے ممالک کے تجزیہ نگاروں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن مختصراً پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرلیا جائے، مسلم لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے انہیں بھارت سے الگ ریاستیں بنا کر رہنے کا حق دیا جائے۔ مینارِ پاکستان پر قرار دادِ لاہور کے الفاظ آج بھی موجود ہیں انہیں بغور پڑھا جائے۔مشرقی پاکستان کے لوگوں نے مغربی پاکستان کے لوگوں کے ساتھ مل کر ایک متحد ریاست کو بخوشی قبول کیا تھا لیکن ان کی اکثریت کو تسلیم نہ کر کے روح جمہوریت کو غارت کیا گیا۔تاریخ میں یہ پہلا ملک ہے جس میں اکثریت اقلیت سے اپنا حق طلب کرتی رہی ہے۔

آئین پاکستان کے مطابق بھی جب ان کا صدر بن سکتا تھا اسے یہ حق نہ دیا گیا۔دارالحکومت اکثریت کے علاقہ میں ہونا چاہیے تھا وہ ڈھاکہ کے بجائے کراچی اور پھر کراچی سے منتقل کر کے اسلام آباد بنایا گیا۔تمام سول اور فوجی اداروں میں انہیں آبادی کے تناسب سے نمائندگی نہ دی گئی۔اکثریت کی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ نہ دیا گیا۔زرمبادلہ مشرقی پاکستان کما کر دیتا رہا اور اس کو خرچ مغربی پاکستان کی سڑکیں بنانے پر کیا گیا۔اس لئے بنگالی لیڈر جب اسلام آباد کی سڑکوں پر گزرتے تھے تو وہ یہ کہتے تھے کہ انہیں پٹ سن کی بو آرہی ہے۔

سیلاب زدگان کی امداد کے لئے بیرونی امداد کو مشرقی پاکستان کے متاثرین پر خرچ کرنے کی بجائے دوسری مدات میں خرچ کر کے انہیں یہ طعنے دیئے جاتے تھے کہ کچھ پیریٹی (Parity) میں لے جاتے ہیں اور کچھ چیئریٹی (Charity) میں لے جاتے ہیں۔ان کی اکثریت تسلیم کرنے کی بجائے ون یونٹ بنا کر مشرقی پاکستان کے برابر حقوق حاصل کر لئے گئے۔اور جب ایک شخص ایک ووٹ پر انتخابات ہوئے تو انہیں اقتدار منتقل نہ کیا گیا۔مارشل لاء کے بار بار لگائے جانے کے خلاف وہ آواز بلند کرتے رہے اور مغربی پاکستان کے لوگ مارشل لاء لگانے والے حکمرانوں کا ساتھ دیتے رہے۔قومی خزانہ کو بھی بے دریغ خرچ کیا جاتا رہا۔لیکن مشرقی پاکستان کو محروم رکھا گیا۔

حکومت کے کسی شعبے میں بھی انہیں مساوی حقوق نہ دیئے گئے جبکہ وہ زیادہ حصہ پانے کے حقدار تھے۔ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے گئے،ان کے مطالبات تسلیم کرنے کی بجائے ان پر گولیاں برسائی گئیں۔فوجی بھرتی میں بھی انہیں نظر انداز کیا جاتا رہا۔وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ پاکستان میں صدر بننے کے لئے فوج میں کمیشن حاصل کرنا ضروری ہے اور پھر ترقی کر کے حکومت پر قبضہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن انہیں اس راہ میں بھی دشواری نظر آئی۔

بالآخر وہ پانچ نکات پر اکٹھے ہوئے اس وقت بھی مولانا بھاشانی نے مغربی پاکستان میں آکر کہا تھا کہ جب پانچ نکات نہیں مانتے ہیں تو صرف ایک نکتہ پر مشرقی پاکستان کے لوگ اکٹھے ہو جائیں گے،گھیراؤ اور جلاؤ کا کھلے بندوں اعلان

ہوتا رہا۔لیکن حکمران نشہ میں مدہوش تھے۔انہیں اپنی حکومت، طاقت اور فوج پر بھروسہ تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں فوجی طاقت سے کچل دیا جائے گا۔مشرقی پاکستان کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن پہلے سے ان کی مدد کے لئے تیار تھا۔ پاکستان کی عظیم مملکت یورپ، امریکہ اور روس کو بھی کھٹکتی تھی انہوں نے بھی بھارت کی پیٹھ ٹھونکی اور بالآخر مغربی پاکستان کے لوگوں کو مسز اندرا گاندھی کے یہ الفاظ سننے پڑے کہ دوقومی نظریئے کو ہمیشہ کے لئے خلیج بنگال میں ڈبو دیا گیا ہے۔

پوری قوم کے اندر صف ماتم بچھ گئی تھی۔ اوران کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا پیارا ملک ٹوٹ گیا تھا۔اور جب ملک ٹوٹا تو اقتدار کے حریص لوگ یہ کہتے تھے کہ پاکستان نہیں ٹوٹا ہے بلکہ اب دو پاکستان بن گئے ہیں ان لوگوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا مگر غیرت گئی تیمور کے گھرانے سے۔جن بنگالیوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا جو اپنے وطن میں بھی پردیسی تھے، مغربی پاکستان آ کر وہ اپنے آپ کو غریب الدیار سمجھتے تھے۔خارجہ پالیسیاں تک ان کی مرضی کے خلاف بنتی تھیں، وہ سیٹو، سنیٹو اور نیٹو کے مخالف تھے۔

انہیں کبھی اعتماد میں ہی نہیں لیا گیا تھا ان کا مغربی پاکستان کے جاگیردار، وڈیرے، سردار اور خوانین مذاق اڑاتے تھے۔انہیں یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ پاکستان کے اس امیر ترین طبقہ کی غلامی سے نجات نہیں پا سکتے، غریب ترین ملک کے امیر ترین صدر کے دور میں وہ بنیاد جمہوریتوں کے نظام کو قبول کر لینے کے لئے مجبور کئے گئے، وہ جمہوریت پسند تھے لیکن مغربی پاکستان میں جمہوریت کا تصور ہی موجود نہ تھا، لاٹھی گولی کی سرکار کے نعرے بلند ہوتے تھے۔جھرلو، ٹھپے اور قیوم گردی کے خلاف آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ وہ پاکستان کو ایک جمہوری اور فلاحی مملکت دیکھنا چاہتے تھے ان کا کوئی خواب بھی پورا نہ ہوا تھا۔

یہ ملک اسلامی بن سکا، نہ جمہوریت اس کو راس آئی۔ نہ قوم اور ملک کو ایک فلاحی ریاست بنا کر اسے ترقی کے راستہ پر گامزن کیا گیا، نوکر شاہی میں بھی بنگالیوں کے خواجگان اور تعلق داروں تک کو حصہ دار نہ بنایا گیا۔داخلی امور میں بھی ان کے مشوروں کا دخل نہ تھا۔فوجی امور میں تو انہیں اس قابل ہی نہ سمجھا گیا کہ ان سے رائے لی جاتی ان کی اکثریت متوسط طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔اور مغربی پاکستان میں اس طبقہ کا نام ونشان بھی موجود نہ تھا۔

جرنیلوں کی حکومت، جرنیلوں کے ذریعے اور جرنیلوں کے مفاد کی خاطر تھی، لوگوں کی حکومت لوگوں کے ذریعے اور لوگوں کے مفاد کی خاطر کا ادھر تصور ہی نہ تھا۔انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو انتخابات میں کامیاب کرایا تھا لیکن دھونس، دھاندلی سے انہیں ہرایا گیا تھا وہ بھارت سے کسی جنگ کے حق میں نہ تھے۔

1965ء کی جنگ نے انہیں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کیا کہ وہ حاصل شدہ آزادی کو بھی کھو بیٹھیں گے وہ مسئلہ کشمیر کو پنجاب کی زرعی زمینیں جو جاگیرداروں کے قبضہ میں تھیں ان کی سیرابی کے لئے حکومت پاکستان کی مجبوری سمجھتے تھے

بلکہ ان کو یہ بھی شک تھا کہ کشمیر حاصل کر کے وہ بنگلہ دیش کی آبادی کی اکثرت کو اقلیت میں بدلنے کے لئے ملک داؤ پر لگا رہے ہیں۔ اور اسلحہ کے انبار اکٹھا کر کے ملک کو قرضوں کے نیچے دبا رہے ہیں وہ سیٹو اور سنیٹو، بغداد پیکٹ کے معاہدوں کو پاکستان کے گروی رکھنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ وہ بھوکے مر رہے تھے اور ان سمندری طوفان کے متاثرن کو کوئی دیکھنے بھی نہیں جا رہا تھا جن لوگوں پر ان کا تکیہ تھا۔

ان کی بنگال میں یہ حالت تھی کہ ان کے بنائے ہوئے وزیر اعلیٰ کو انہوں نے ایک طالب علم سے شکست دلوا دی تھی۔ مسلم لیگ وہ بنانے والوں میں سے تھے لیکن جب مسلم لیگ پر جرنیلوں نے قبضہ کر لیا تو انہوں نے عوامی لیگ بنا کر اسے عبرتناک شکست دی۔ وہ ون یونٹ کو بھی اپنے خلاف سازش سمجھتے تھے۔ وہ اپنے محبوب لیڈر حسین شہید سہروردی کی موت کا ذمہ دار بھی مغربی پاکستان کو قرار دیتے تھے۔

مولوی تمیز الدین، خواجہ ناظم الدین اور حسین شہید سہروردی کے ساتھ جو مغربی پاکستان کے لوگوں نے ناروا سلوک کیا تھا وہ اس سے بھی دل برداشتہ تھے۔ ان کے خلاف ''اگرتلہ سازش کیس'' جیسے گھناؤنے مقدمات بنائے گئے جن کا انہوں نے مقابلہ کیا تھا۔ بنگلہ دیش کے چند لوگوں کے سوا کوئی بھی پاکستان کو قائم رکھنے کے حق میں باقی نہیں تھا۔ مغربی پاکستان کا حکمران طبقہ ان کی ذہانت، سیاسی فراست سوجھ بوجھ اور علمی کمالات سے خوف زدہ بھی تھا، اور ان سے جان بھی چھڑانا چاہتا تھا۔ یہ لوگ خود انہیں الگ کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ان کی عقلوں پر طاعون چھا گیا تھا۔ وہ چاہتے تو ان معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کے خلاف بھی فوجی اپریشن کو ترجیح دی، وہ دشمن نہ تھے انہیں جان کر اس راہ پر ڈال دیا گیا تھا۔ مغربی پاکستان کے حکمران ان سے مصالحت کرنا ہی نہیں چاہتے تھے اور سیاسی کمتری کے شکار لوگ ایسا قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے جو صرف دشمن کے خلاف ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ بالآخر ملک ٹوٹ گیا۔

اور تاریخ کی سب سے بڑی بدنامی، ذلت و رسوائی ان کے حصہ میں آئی، گنگا کیس کو بعد میں ان لوگوں نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے اچھالا۔ ''گنگا کیس'' ایک جھوٹا مقدمہ تھا لیکن چند جرنیلوں اور سیاست دانوں نے جوڈیشل ٹربیونل کے فیصلہ کے باوجود اسے اپنے حق میں استعمال کیا تھا۔ بلکہ کچھ لوگوں نے اپنی کتابیں لکھ کر اپنی شکست کی روئیداد سنائی ہے۔ اور اس میں لکھا ہے کہ مشرقی پاکستان میں کارروائی شروع کرنے کے لئے پہلے بھارت نے ''گنگا کیس'' کے دوران ''شیر کشمیر'' کے ایک خط کو بہت اچھالا گیا تھا۔ اس خط میں بھی دبے لفظوں میں اس اغواء کو ایک سازش ہی قرار دیا گیا تھا۔

لیکن اس سازش کو کسی ملک یا کسی ادارے کے ساتھ کھل کر منسوب نہ کیا تھا۔ مگر ہمارے دشمنوں نے اسے بھی

ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران شیر کشمیر نے ایک اور خط بھی لکھا تھا۔ وہ خط ہمارے ایک ساتھی بابو عبدالرحیم زرگر مرحوم جو گلاسکو (برطانیہ) میں رہتے تھے ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ بابو عبدالرحیم زرگر مرحوم کا ذکر کسی اور جگہ آئے گا ان کے فخر کشمیر اور شیر کشمیر دونوں کے ساتھ ذاتی، سیاسی اور سماجی تعلقات تھے۔ انہوں نے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو بڑے ادب سے بڑا سخت اور تلخ خط لکھا تھا۔

اس کے جواب میں انہوں نے پہلے خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ گنگا اغواء کے بعد ان کی جماعت اور ان کی ذات کے خلاف بھارت میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ان دنوں مسٹر جے پرکاش نارائن کا بیان بھی اخبارات میں چھپا تھا، کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی تھی جن سنگھ والوں اور دوسری فرقہ پرست جماعتوں نے شیر کشمیر کی قوم پرستی اور عدم تشدد کی پالیسی پر تنقید شروع کر رکھی تھی۔

شیر کشمیر نے اپنے دفاع میں پہلا خط لکھا تھا اور یہ سچ بھی ہے کہ انہیں گنگا طیارہ کے اغواء کنندگان اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ یہ اغواء ان کے لئے بھی ایک معمہ تھا۔ آزاد کشمیر میں قائم محاذ رائے شماری کے رہنماؤں کے ساتھ ان کے روابط نہ تھے اگرچہ وہ ایک دو رہنماؤں کو ضرور جانتے تھے لیکن ہمارے محاذ رائے شماری کا بھارتی مقبوضہ کشمیر کے محاذ رائے شماری کے ساتھ کوئی آئینی تعلق بھی نہ تھا۔

البتہ شیر کشمیر ریاست جموں وکشمیر کے واحد کشمیری رہنما تھے جو حد متارکہ جنگ کے دونوں طرف مقبول تھے اور ان کے پیروکار آزاد کشمیر میں بھی موجود تھے۔ 1947ء میں برصغیر کی تقسیم کے بعد ہم سب کا ملنا جلنا بند تھا۔ اور براہِ راست ان کی کسی سے پہچان بھی نہ تھی۔ ان حالات میں ان کے خط سے غلط فہمیوں کا پھیلنا غیر معمولی بات نہ تھی۔

لیکن دوسرے خط میں انہوں نے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے صاف تحریر کر دیا تھا کہ اصل حالات سے وہ بے خبر تھے۔ وہ خط بھی اخبارات کی زینت بنا تھا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے فیصلہ اور رجسٹرار کی طرف سے اخبارات میں شائع شدہ بیان جنرل یحییٰ خان کی حکومت کے پروپیگنڈے کو ختم کرنے میں کافی ثابت نہ ہوئے تھے۔ مسٹر بھٹو شہید نے جب یہ کہا تھا کہ کیا پاکستانی قوم کو اتنا بھی شعور نہیں ہے کہ وہ صرف ایک ملزم کے سزا پانے سے یہ سمجھ نہ سکے گی کہ فیصلہ سیاسی نوعیت کا ہے اور دشمن کو سیاسی میدان میں شکست دینے کے لئے ایسا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم نے اس فیصلہ سے قبل ہی انہیں یہ بتا دیا تھا کہ عوام کو اس کا کوئی پتہ نہیں چلے گا، اکثریت اَن پڑھ لوگوں کی ہے اور اخبارات بھی بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔

کہاں وہ خبریں جنہیں جلی حروف میں صفحہ اول پر شائع کیا گیا تھا اور کہاں یہ چھوٹا سا عدالتی نوٹ کہ محاذ رائے شماری ایک محبّ وطن تنظیم ہے اس چھوٹے سے نوٹ سے فضا میں پھیلے ہوئے گرد وغبار کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ فیصلہ اتنا طویل

تھا کہ قانون کے جریدوں پی ایل ڈی کریمنل لاء جنرلز وغیرہ میں بھی شائع نہ ہوسکا تھا اس لئے وکلاء برادری کو بھی علم نہ ہوسکا تھا ہمارے اپنے ذرائع بھی ایسے وسیع نہ تھے کہ ہم اس کی اشاعت کے لئے انتظام کر سکتے ۔محاذ رائے شماری کا بڑا نام تھا۔لیکن اس کے پاس کوئی سرمایہ موجود نہ تھا۔نہ کوئی حکومت ،حکومت کا کوئی ادارہ ،کوئی سرمایہ دار اور کارخانہ دار ایسا تھا جو سرمایہ فراہم کرسکتا اور ہم آزاد کشمیر اور پاکستان کے شہروں اور گلی کوچوں میں اس فیصلہ کی تشہیر کرسکتے ۔یہ جماعت کبھی اقتدار میں نہ رہی ،اور جماعت کے لوگوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کشمیر کی آزادی تک آزاد کشمیر میں اقتدار حاصل کرنے کی نہ جدوجہد کریں گے اور نہ کوئی عہدہ ،منصب ،وزارت اور صدارت قبول کریں گے۔

ہم نے مسٹر بھٹو شہید کی طرف سے حکومت بنانے کی پیشکش کو بھی یہ کہہ کر اپنا عذر پیش کر دیا تھا کہ ہم وزارت ،صدارت ،منصب اور عہدہ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک ہمارا وطن آزاد نہیں ہو جاتا ،یہ کارکنوں کی جماعت تھی اور اب بھی اس میں کسان ،مزدور ،طلباء ،دانشور اور سیاست دان شامل ہیں۔وہ اپنے آپ کو کارکن ہی سمجھتے ہیں۔نہ ہی اس میں کوئی لیڈر رہے ،نہ کوئی لیڈر بننا یا کہلانا پسند کرتا ہے۔

ہم نے شروع دن سے اجتماعی قیادت کا نظریہ اپنایا تھا۔ہم سب مل کر فیصلہ کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ سب کے سب جز وقتی کارکن ہیں۔دن بھر محنت ومشقت کرتے ہیں۔اور جو تھوڑا بہت وقت نکل سکتا ہے اس میں یہ قومی فریضہ بھی ادا کرتے ہیں ۔محاذ رائے شماری کے ''خزانہ'' میں کبھی کوئی پیسہ دھیلہ نہیں رہا۔جب کبھی جلسہ کیا گیا اس کے لئے فوری چندہ کیا گیا اور جلسہ کے اخراجات پورے کئے گئے سالانہ کانفرنسوں کے مواقع پر بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ہم میں ہمارے انتہائی قابل احترام جی ایم لون اور میر برادران آسودہ حال رہے ہیں اور وہ جماعت کے کاموں کے لئے دریا دلی سے خرچ کرتے رہے ہیں۔

کتبے ،بینرز ،جھنڈے ،کتابچے ،اشتہارات وغیرہ کے اخراجات کراچی اور میرپور کے احباب برداشت کرتے رہے ہیں۔''گنگا کیس'' میں جماعت کی طرف سے ایک پیسہ بھی خرچ نہ کیا گیا ،جماعت کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ کم از کم وکلاء کی فیسیں ادا کرتی لیکن ہمارے ملزمان رہنماؤں نے ہی خود اخراجات برداشت کئے تھے ،ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا اور قومی ہیرو شہید کشمیر مقبول احمد بٹ کے بچوں کے لئے تو ''صدیق بابا'' دوصد روپیہ ماہانہ دیا کرتے تھے۔صدیق بابا سراپا خلوص اور مجسم ایثار تھا ،وطن کی محبت اس کے رگ وریشہ میں موجود تھی ،وہ اس راہ میں ہر قسم کی مالی وجانی قربانی دیتا رہا ،وہ سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔

میر عبدالمنان اور میر عبدالقیوم کی کریسنٹ پلاسٹک کمپنی تھی جس کا کاروبار چمک اٹھا تھا ،لیکن وہ اس کاروبار سے کوئی کروڑ پتی تو نہیں بن سکتے تھے انہوں نے اپنے کاروبار میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔لیکن گنگا کیس میں جیل میں جانے کے

بعد وہ سب کاروبار تباہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس مقدمہ کے لئے اپنے پاس سے وکلاء کی فیسیں اپنی قابل احترام بیگمات کے زیورات بیچ کرادا کی تھیں، ان کی بیگمات نے بڑی دلیری اور صبر واستقامت کے ساتھ یہ سب مصائب جھیلے تھے۔ ہمارے قابل احترام جی ایم لون یقیناً کروڑ پتی تاجر تھے۔ وہ کارپٹ انڈسٹری کے مالک تھے۔ اور انہوں نے کبھی قومی کاموں کے لئے اخراجات برداشت کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

ہم نے جب کبھی کوئی کتابچہ وغیرہ شائع کرانا چاہا تو انہوں نے ہمیں اخراجات کا تخمینہ بنانے کے لئے کہا اور جب ہم نے اس کتابچہ کے اخراجات کی نسبت بتایا تو انہوں نے وہ ساری رقم ادا کردی۔ وہ پاکستان کے نامور برآمد کنندگان میں سے ایک تھے۔ ان کے کارپٹس یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک میں برآمد کئے جاتے تھے۔ لیکن ''گنگا کیس'' کی وجہ سے انہیں بے حد جانی کے علاوہ مالی نقصان بھی ہوا تھا۔

وہ وکلاء کی فیسیں بھی دیتے رہے دیگر اخراجات بھی پورے کرتے رہے یہاں میں ان کے چھوٹے بھائی جی این لون (غلام نبی لون) کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ ایک کارخانہ دار اور تاجر تھے۔ ان کا سیاست سے تعلق ضرور تھا لیکن وہ محاذ رائے شماری میں شامل نہ ہوئے تھے وہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ تھے۔ نہ ہی عملی سیاست میں حصہ لینے کے لئے ان کے پاس وقت تھا۔ لیکن ہر کشمیری کی طرح ان کو سیاست سے دلچسپی تھی۔ وہ عالمی سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا محاذ کی گوریلا کارروائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ وہ اس قسم کی کارروائیوں کو مناسب سمجھتے تھے لیکن پھر بھی ان لوگوں کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے جو وطن کی آزادی کے لئے عملی جدوجہد میں مصروف تھے۔ وہ لبریشن لیگ کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔

بلکہ انہوں نے کئی بار مجھے مشورہ دیا کہ ''مسلم لیگ'' میں شامل ہو کر کشمیریوں کی ایک الگ لابی بنائی جائے جو نہ صرف خود وطن کی آزادی کی تحریک کے لئے جدوجہد کرے بلکہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کو بھی اس تحریک کے لئے تیار کرے۔ اگر مسلم لیگ نے کشمیر کے مسئلہ سے دلچسپی لینی ختم کردی تو پھر تحریک خود بخود بے جان ہو جائے گی، مسلم لیگ اقتدار کے چکر میں سب کچھ بھول جائے گی اور ہم کشمیری تنہا رہ جائیں گے۔

اور ہماری تحریک بھی دم توڑ جائے گی، آزمائش کی گھڑی میں کوئی ہماری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ جی این لون ایک کٹر مسلمان ہیں اور ہر مسئلہ کو اسی پہلو سے دیکھتے ہیں ان کی وطن سے محبت اور کشمیر کی آزادی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے نذر مان رکھی تھی کہ جب ان کا وطن آزاد ہوگا تو وہ ''خانہ کعبہ'' پر اپنے کارخانے میں غلاف تیار کر کے اس پر چڑھائیں گے۔ وہ تمام اخراجات خود پورے کریں گے اور اگر ضرورت پڑی تو وہ ایک ایک کشمیری کے گھر جائیں گیا اور ان سے چندہ مانگ کر یہ ''نذر'' پوری کریں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وطن عزیز کو آزادی

کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

''گنگا کیس'' کے دوران دفتر کے تمام اخراجات وہ برداشت کرتے رہے وہاں ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا، کراچی سے پشاور تک اور بھمبر میر پور سے لے کر تاؤبٹ بلکہ گلگت تک کے دوست واحباب آتے رہتے تھے اور اس مہمان خانے میں ٹھہرتے تھے۔ بیشتر مہمان کی رہائش اور خوراک کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ اور جناب غلام نبی لون خود سب اخراجات برداشت کرتے رہے۔ بلکہ کچھ دوستوں کو وہ اپنی کوٹھی پر لے جا کر انہیں بطورِ مہمان اپنے پاس رکھتے رہے۔ یہ سارا عرصہ انہوں نے مقدمہ کی پیروی میں گزارا، اور کاروبار کی طرف بھی توجہ نہ دے سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کشمیر میں اتنے مہمان نواز بلند قامت لوگ پیدا کر رکھے ہیں کہ جن پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی۔ جناب جی ایم لون نے گنگا کیس کے فیصلہ کی اشاعت کے لئے بھی اخراجات برداشت کئے تھے لیکن نہ ہمارا اپنا اخبار تھا نہ ریڈیو اور پریس تھا۔ جو ہفت روزہ اخبار نکلتے تھے ان کی اشاعت بھی محدود تھی۔ 15 کروڑ پاکستانیوں کو کیسے پتہ چل سکتا تھا کہ گنگا کا اغوا ایک ڈرامہ نہ تھا بلکہ گنگا کیس پاکستانی حکومت کی سازش تھی جس نے ہماری تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ عملی جدوجہد کرنے والے محاذی ساتھیوں کو اپاہج بنا دیا گیا تھا ان کے دل توڑ دیئے گئے تھے۔ وہ سب پاکستان کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ لیکن عدالت میں مقبول احمد بٹ شہید کشمیر کو یہ تاریخی فقرہ اپنا بیان داخل کرتے ہوئے دوہرانا پڑا تھا کہ............

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ، میں دشمن سے خود نمٹ لوں گا

''قصہ گنگا جہاز اور نوکر شاہی پاکستان'' کے عنوان سے جموں وکشمیر محاذ رائے شماری لاہور زون نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ پہلی مرتبہ نہیں کہ وزارتِ خارجہ کے کسی اعلیٰ عہدے دار نے گنگا کے بارے میں اس طرح کا غیر ذمہ دارانہ بیان دیا ہو۔ مورخہ 11 فروری 1992ء کو جب کشمیر میں تحریک حریت زوروں پر تھی اور آزاد کشمیر اور پاکستان میں آباد کشمیریوں نے جب مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کے خلاف اور کشمیر کے نہتے عوام سے اظہار یکجہتی کے لئے لائن آف کنٹرول توڑنے کے لئے مارچ کیا تھا تو اس وقت کے خارجہ سیکرٹری حکومت پاکستان جناب اکرم ذکی نے بھی گنگا کے بارے میں کہا تھا کہ یہ بھارتی ڈرامہ تھا۔ جس پر سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس یعقوب علی خان جن کی عدالت میں گنگا کیس کی سماعت مسلسل تقریباً دو سال تک ہوتی رہی۔ اکرم ذکی (سیکرٹری خارجہ پاکستان) کے بیان کے خلاف ایک وضاحتی بیان شائع کرایا تھا، اس بیان کا تراشہ بھی پمفلٹ میں ملاحظہ کے لئے شامل کیا گیا تھا۔

گنگا ہائی جیکنگ کیس بھارتی سازش نہیں تھی (جسٹس یعقوب علی خان)

خصوصی عدالت نے مقبول احمد بٹ، اشرف قریشی اور ہاشم قریشی پر بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام مسترد کر دیا تھا۔

لاہور (اپنے نامہ نگار سے) 1971ء میں بھارتی طیارے گنگا کے اغواء میں ملوث ملزمان کے خلاف مقدمے کی سماعت کرنے والی خصوصی عدالت کے جج اور سابق چیف جسٹس آف پاکستان یعقوب علی خان نے کہا کہ خصوصی عدالت نے ہائی جیکروں اشرف قریشی، ہاشم قریشی اور ان کے لیڈر مقبول بٹ پر بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام مسترد کر دیا تھا۔لیکن پاکستان کے سیکرٹری خارجہ اکرم زکی نے گنگا ہائی جیکنگ کیس کو بھارتی سازش قرار دے کر سخت زیادتی کی ہے۔گزشتہ روز جنگ کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے یعقوب علی خان نے کہا کہ اکرم زکی کنٹرول لائن پار کرنے کے فیصلہ پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

لیکن انہوں نے گنگا ہائی جیکنگ کے ساتھ ساتھ کنٹرول لائن پار کرنے کے فیصلہ کو بھی بھارت کی ممکنہ سازش قرار دے کر اچھا نہیں کیا، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔لیکن اس وضاحتی بیان کے بعد بھی خارجہ محکمہ نہ جانے گنگا رام کا کردار ادا کرنے پر کیوں مصر ہے۔ جناب اکرم زکی سے قبل سابق وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب محمد خان جنیجو (مرحوم) نے بابری مسجد کے سانحہ کے دوران بھی ایک ایسا ہی بیان دیا تھا اور گنگا کو ڈرامہ بتایا تھا۔ان کے بیان کی دیکھا دیکھی میں روزنامہ جنگ کے ایک معروف کالم نگار جناب رشید دہلوی نے مرحوم جونیجو کے اس بیان کو موضوع بحث بناتے ہوئے پھر گنگا کو بھارتی ڈرامہ لکھ دیا تھا۔جس پر گنگا کے ہائی جیکر جناب محمد اشرف قریشی نے رشید دہلوی صاحب کو وضاحتی خط لکھا۔

دہلوی صاحب نے خط میں کانٹ چھانٹ کر کے اسے اپنے کالم میں چھاپا جس کی وجہ سے حقیقت حال منظر عالم پر واضح ہوئی لیکن اتنی وضاحتوں کے باوجود بھی اعلیٰ سرکاری حکام کا صورت حال سے لاعلم ہونا ان کی قابلیت کا بیان ہے اور یہی قابلیت ہے کہ مملکت خداداد پاکستان دن دگنی رات چوگنی ترقی پر گامزن ہے۔

آیئے اب اس ہستی کا جائزہ لیں جس نے گنگا کیس ترتیب دیا یہ ہستی تھی سابق صدر پاکستان جنرل یحیٰی خان صاحب کی، انہوں نے مارشل لاء کے حکم کے تحت یہ کیس بنوایا تھا جنرل یحیٰی خان کے بارے میں قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ موصوف رنگین مزاج صدر تھے جس کی وجہ سے انہیں عرف عام میں ''رنگیلا صدر'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔صدر موصوف عموماً ہر وقت نشے میں دھت رہتے تھے۔روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 30 مارچ 1992ء میں اس سلسلہ میں جناب حمید نظامی کا بیان ملاحظہ ہو............

یحیٰ خان کو اپنا ہوش تھا، نہ ملک کا

ضیاء الحق کے مقابلے میں ایوب خان سیدھے سادے ''ہزارے وال'' تھے۔ اصول پرستی کٹھن راہ ہے لیکن جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مجید نظامی آزادی صحافت حکمرانوں کی قوت برداشت سے منسلک ہے۔''پی ٹی این'' پر انٹرویو یحیٰ خان نے تو 1965ء کی جنگ میں بھی غداری کی تھی۔

اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید آج کشمیر آزاد ہوتا۔ یہ الفاظ ہیں پاک فوج کے بریگیڈیئر جناب امجد چوہدری (ہلال جرأت) کے، ملاحظہ ہو نوائے وقت مورخہ 22 اگست 1978ء کا تراشہ............

''یحیٰ خان نے بیرونی طاقت کے اشارے پر پاک فوج کو 1965ء میں اکھنور پر قبضہ کرنے سے روک دیا تھا''۔

اس سازش میں ایوب خان اور ریٹائیرڈ جنرل موسیٰ بھی شریک تھے فوج کو جسٹر کا پل تباہ نہ کرنے کا بھی غلط حکم دیا گیا تھا۔

مسلم لیگی رہنما میاں ممتاز دولتانہ (مرحوم) نے مورخہ 26 نومبر 1995ء روزنامہ جنگ میں یہ گلہ کیا ہے............

''یحیٰ خان پاکستان کے سب سے بڑے غدار تھے، لیکن انہیں پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا''۔

کرنل سید غفار مہدی نے مورخہ 25 مئی 1985ء کے روزنامہ نوائے وقت میں اپنے مضمون ''پاکستان کا سیاسی پینٹگان'' میں یحیٰ خان کے بارے میں یہ تاثرات بیان کئے ہیں............

''سانحہ مشرقی پاکستان کا اصل مجرم جنرل یحیٰ خان تھا۔ وہ تین برس تک برسر اقتدار رہا اور اپنا کام پورا کر کے 1971ء میں مشرقی پاکستان کے ساتھ رخصت ہو گیا''۔

جنرل شیر علی لکھتے ہیں............

''اگرچہ بڑا مجرم جنرل یحیٰ خان تھا لیکن اس جرم میں ہم سب برابر کے شریک تھے''۔

روزنامہ جنگ مورخہ 16 دسمبر 1991ء کے خصوصی ایڈیشن میں جنرل راؤ فرمان علی (ر) نے ''سقوطِ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار کون؟'' مذاکرے میں، اس سلسلہ میں فرمایا ہے............

''جنرل یحیٰ خان کی فاش غلطیوں کے باعث ملک ٹوٹ گیا''۔

جناب الطاف گوہر کیس میں پاکستان کی عدالت العالیہ نے نہ صرف یحیٰ خان کو غاصب قرار دیا بلکہ اس کے ہر حکم کو غاصبانہ قرار دیا اس لحاظ سے گنگا کیس جو یحیٰ خان کی ذہنی اختراع تھی وہ بھی غاصبانہ حکم اور عمل تھا۔ اس لحاظ سے گنگا

اغواء کو بھارتی ڈرامہ قرار دینے والوں کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔دراصل گنگا اغواء کرنے والے حریت پسندوں اوران کے ساتھیوں پر گنگا کیس دائر کرنا ایک سازش تھی جو بدمست یحیٰی خان اوران کے حواریوں کی ذہنی اختراع تھی۔یہ دراصل تحریک آزادی کشمیر کے خلاف ایک سازش تھی اور یحیٰی خان اوراس کے ٹولے نے اپنی غداریوں اور بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے تیار کی تھی۔

لیکن خداوندکریم نے حق وباطل کے اس معرکہ میں یحیٰی خان اوراس کے ٹولے کوذلالت سے دوچار کیا اور ہمیں اس کی بنائی ہوئی عدالت نے باعزت بری کردیا،الحمدللہ۔(ماخوذاز ''قصہ گنگا جہازاورنوکرشاہی'')۔

جنرل یحیٰی خان کوصدارت سے الگ کرکے جب منگلا (بڑال کالونی) میں لایا گیا تھاتو فوجیوں کی غیور بیگمات نے اس کے خلاف نعرے لگائے تھے اوراس پر تھوکا تھا۔انہوں نے اسے اس کالونی میں رہنےنہیں دیا تھا اسے وہاں سے نکال کرکھاریاں چھاؤنی میں لے گئےتو وہاں عزت مآب عورتوں نے اس پر جوتے پھینکے اورنعرے لگا کر اسے وہاں بھی رہنےنہیں دیا تھا۔پھراسی دور میں اسے اسی شاہی قلعہ لاہور میں ٹھکانا ملا جہاں ہمارے ساتھیوں پرتشدد کیا جاتا رہا تھا۔اس قلعہ کے درودیوار بھی اس غدار کی موجودگی برداشت نہ کرسکےاوراس پرلعنت کی پھٹکار پڑتی رہی۔

میں پھراس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہم نے سب کومعاف کردیا ہوا ہےصرف تاریخ کے واقعات کودھراتے ہوئے تلخ یادوں کا تذکرہ کررہا ہوں ہم نے تاریخ پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ جس طرح چاہےفیصلہ دے۔البتہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے یہ بتانا ضروری تھا کہ وہ اپنے اور پرائے کی پہچان کرسکیں۔دوست ودشمن میں تمیز کرسکیں۔راہ میں آنے والے مشکل مراحل سے بخیروخوبی گزرجانے کے لئے پہلے سے تیاری کرسکیں۔جب تک دنیا کےنقشہ میں کشمیرموجود ہے کشمیر کےفرزنداس کی آزادی کے لئے شہادت کا مزہ چکھتے رہیں گے۔

انہیں ابلیسی قوتیں کبھی مایوس کرکے اندھے کنویں میں نہیں پھینک سکتیں۔وہ اپنی قسمت خود بنائیں گے اگران کی قسمتوں کے تارے ٹوٹ چکے ہیں تو وہ چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں چھین کران تاریک راہوں پر بچھادیں گے جہاں اجالے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔تحریک آزادی کےمختلف ادوار ہوتے ہیں۔

کبھی امن کبھی جنگ کبھی چل کر کبھی دوڑ کر،کبھی اعلان کرکےاور کبھی اچانک بےخبری میں دشمن پرحملہ آور ہوکر ساری قوم کوخبردار کرتے ہیں،ایمان،عمل صالح،اس کی تبلیغ اورتبلیغ کی راہ میں مشکلات اورآزمائشوں پرصبر کرنے کے بعد ہی کامیابی کی منزل پرپہنچتے ہیں۔

اس آزادی کی راہ میں سینکڑوں، ہزاروں محبّ الوطنوں کو جلاوطنی،جیل اورتختہ دار سے ہوکرگزرنا پڑتا ہے۔لاکھوں گمنام سپاہی بھی ہوتے ہیں۔جنہیں صرف اپنے خدا تعالیٰ سے جزا کی امید ہوتی ہے۔ہم سب اسی کی جزا کے طلب

گار ہیں۔ ہم نے کسی کو جان کر نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ہم سب کو ان کی قربانیوں پر ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔

ہمارے ساتھ کسی کو گلہ نہیں ہونا چاہیے۔ سینکڑوں طلباء نے گنگا طیارہ کے اغواء کرنے والوں کی گرفتاری پر احتجاج کیا، پولیس کی لاٹھیاں بھی کھائیں، قلعہ کی ہوا بھی کھائی، دولائی کا ٹارچر سیل بھی دیکھا، ہم طلباء کو اس وقت بھی یہی مشورہ دیتے رہے کہ وہ اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دیں۔ میں نے جب ملک محمد نواز کو دولائی ٹارچر سیل میں دیکھا تھا تو اس وقت ان کے لئے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کریں۔ بلکہ ان کے والد محترم سے میری ملاقات دولائی ٹارچر سیل میں ہوئی تھی اور ان کے والد محترم کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو مسلم کانفرنس میں کام کرنے پر آمادہ کریں۔ وہ تو تعلیم سے فارغ ہو کر آزاد کشمیر میں اہم منصب حاصل کر سکیں گے۔

اور میری یہ رائے درست ثابت ہوئی وہ آزاد کشمیر میں مسلسل اسمبلی کے ممبر چلے آتے ہیں مختلف ادوار میں کابینہ کے ممبر رہے، قائم مقام پرائم منسٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اور اب جبکہ مسلم کانفرنس کو انتخابات میں پہلی بار شکست ہوئی ہے انہوں نے اپنی ذہانت، فراست اور خدمت خلق کی بنا پر اپنے مدمقابل کو ہرا دیا ہے۔

یہی حال راجہ ممتاز حسین راٹھور کا بھی تھا۔ وہ ہماری بات مان گئے تھے ہم ان لوگوں کو یہ کہتے رہے کہ ہماری راہ کانٹوں سے بھری ہوئی ہے ہم کسی وزارت، صدارت، منصب اور عہدے کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک ہمارا ملک آزاد نہیں ہو جاتا۔ ایسے پاکیزہ نظریات کے حامل لوگوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اس سے ہمارے خلاف جو نفرت کی دیوار کھڑی کی جارہی ہے وہ خود بخود ٹوٹ جائے گی۔

جن جن لوگوں نے آزادی کا پرستار ہونے کے باوجود دوسری جماعتوں میں شرکت اختیار کی انہوں نے جماعتوں کے ساتھ اپنی وفاداری کو بھی اچھی طرح نبھایا۔ اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں کدورت بھی پیدا نہ ہونے دی۔

محاذ رائے شماری کے خلاف کینہ و کدورت رکھنے والے بہت کم لوگ رہ گئے تھے وہ جو ہمارے قریب آتے گئے۔ وہ ہماری نیک نیتی کے قائل ہو گئے تھے۔ آزادی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہ تھا۔ ہم ان غلاموں کو بھی آزادی دلانے کے لئے مصروف جہاد تھے جو بزعم خود اپنے آپ کو حکمران سمجھتے چلے آتے تھے۔

ایک آزاد ملک کے حکمران اور ایک غلام اور قابض ملک کے حکمران میں جو بنیادی فرق ہے اس کا انہیں اس وقت پتہ چلا جب کوہالہ پل کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ یہ لوگ تو کوہالہ کے پل پر کھڑے ہو کر ایک جائنٹ سیکرٹری کا استقبال کرتے تھے اور اسے گارڈ آف آنرز بھی پیش کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو آزاد کشمیر کا صدر بھی سمجھتے تھے اور صدر کے عہدہ جلیلہ کی اہانت کا باعث بھی بنتے رہے تھے۔

''گنگا کیس'' کے فیصلہ کا علم تو اس تفتیشی ٹیم کو بھی نہ ہو سکا تھا جس نے عدالت میں چالان پیش کیا تھا۔ اس کا

فیصلہ ہوئے ایک عشرہ کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا تھا کہ قلعہ (شاہی قلعہ لاہور) کا جلاد قمر عالم انسپکٹر جنرل پولیس کے عہدے پر فائز ہوکر آزاد کشمیر میں آیا تھا۔ وہ ایک لینٹ افسر تھا اس نے آزاد کشمیر میں آ کر بھی اپنی بربریت کو جاری رکھا تھا۔

میر پور کا نوجوان نثار شہید ہوگیا تھا، وکلاء طلباء تاجر اور سیاسی رہنما و کارکن جلوس کی شکل میں نعرے لگا لگا کر یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ............

سر چاہیے، سر چاہیے، قمر عالم کا سر چاہیے

اس کی تفصیل دوسرے مقام پر ملے گی۔

راجہ ممتاز حسین راٹھور وزیر اعظم آزاد کشمیر نے اسے بطور آئی جی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن حکومت پاکستان نے ان کے احتجاج کی بھی پرواہ نہ کی تھی اور قمر عالم نے آزاد کشمیر میں داخل ہوتے ہی جب آزاد کشمیر کا دورہ کیا تو اس نے ہر جگہ در و دیوار پر یہ لکھے ہوئے نعرے پڑھے............

''خود مختاری، جان سے پیاری۔ کشمیر رہے گا، خود مختار''۔

تو اس کے کان کھڑے ہوگئے اس نے سوچا کہ آزاد کشمیر تو آتش فشاں پہاڑ کے دھانے پر کھڑا ہے۔ اس کی آگ تو سارے ملک کو جلا کر راکھ بنا دے گی، اس نے ڈپٹی کمشنروں کی میٹنگ بلا کر ان کو رپورٹ ہا لکھ کر بھیجنے کو کہا۔

اس نعرے کا پس منظر کیا تھا؟ اس کے نتائج کیا نکلنے والے تھے؟۔ انہیں بریف بھی کیا گیا تھا کہ وہ رپورٹ میں کیا کیا لکھیں؟ وہ ان کی رپورٹ کی روشنی میں ''محاذ رائے شماری'' کو ایک غیر قانونی جماعت قرار دلوانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے گنگا کیس کی تیاری میں اس نعرے کو بھی بڑی اہمیت دی تھی۔ اور وہ یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ملزمان (ہمارے قابل فخر رہنما) سزا سے بچ سکیں گے لیکن وہ تو باعزت بری ہو چکے تھے۔ اور عدالت سے یہ فیصلہ لے کر باہر آئے تھے کہ ریاست جموں کشمیر کی خود مختاری کے لئے جدوجہد کرنا کشمیریوں کا حق ہے یہ کوئی قابل مواخذہ جرم نہیں ہے۔ ''اقتدارِ اعلیٰ'' کا حصول ان کا پیدائشی حق ہے اور یہ حق پاکستان، بھارت دونوں نے اقوامِ متحدہ میں تسلیم کر رکھا ہے۔

آزاد کشمیر کے ڈپٹی کمشنروں نے ہمارے خلاف رپورٹ تیار کر کے حکومت کو بھیجی تھیں۔ صرف ایک ڈپٹی کمشنر چوہدری محمد بشیر تھے جنہوں نے اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا تھا۔ دوسروں نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ چوہدری محمد بشیر چک سواری کے مشہور و معروف سیاسی گھرانے سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ چوہدری الف دین مرحوم کے صاحبزادے ہیں ان کو ملازمت کا خطرہ نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا تھا۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے اس جماعت کو خلاف قانون قرار دلوانے کے لئے تمام ریکارڈ جمع کر لیا تھا۔ اور اس نے ایڈووکیٹ جنرل کی رائے حاصل کرنے کے لئے انہیں بلایا تھا۔

راجہ محمد اکرم خان مرحوم جو بعد میں ہائی کورٹ جج کے عہدے پر رہ کر ریٹائیرڈ ہوئے تھے وہ میر پور آ رہے تھے۔ انسپکٹر جنرل پولیس کا پیغام رساں ان کے پیچھے پیچھے آیا۔ اس وقت بقول راجہ محمد اکرم خان مرحوم وہ مری کے قریب پہنچ چکے تھے۔ پیغام رساں کے پیغام پہنچانے پر وہ واپس چلے گئے تھے۔ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ حکومت کو ایک اہم قانونی مشورہ کی ضرورت ہے اور وہ اسے صیغۂ راز میں رکھیں گے۔

راجہ محمد اکرم خان ایڈووکیٹ ایک درویش صفت انسان تھے۔ بڑے وسیع المطالعہ فرزند کشمیر تھے، قانون پر بھی انہیں دسترس حاصل تھی۔ وہ بیک وقت سیاست دان، ادیب، مصنف، دانشور، بنیادی حقوق انسانی کے علمبردار، مؤرخ، محقق اور کشمیر کی آزادی کی تحریک کے سپہ سالار بھی تھے انہوں نے بنیادی حقوق انسانی سے محروم رہنماؤں کی حبس بے جا کی درخواستیں دائر کرنے کا رضا کارانہ طور پر فرض سنبھال رکھا تھا۔

وہ ہمارے ساتھی بھی تھے۔ مسٹر کے ایچ خورشید کے سیاسی ہم سفر بھی تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ میٹنگ میں پہنچے تو تمام لوگ صرف ان کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انسپکٹر جنرل پولیس نے مسئلہ زیر بحث پر رائے طلب کی تو انہوں نے کہا کہ ''گنگا کیس'' کا فیصلہ تو پڑھ لیا ہوتا۔ اس میں عدالت سپریم کورٹ نے انہیں سرخرو کر دیا ہے اور خود مختار کشمیر کے لئے جدوجہد کرنے کے حق کو تسلیم کر لیا ہے۔

راجہ محمد اکرم خان نے کہا کہ پہلے گنگا کیس کے فیصلہ کو پڑھ لو اس جماعت کو خلاف قانون قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان کے لیڈروں کو گرفتار کرنا قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اور وہ میٹنگ برخواست ہو گئی تھی۔ میں یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گنگا کیس بنانے والوں کو بھی اس کا علم نہ تھا تو دوسرے لوگ کیسے باخبر ہو سکتے تھے۔ بھٹو شہید نے ایک ایسی بات کہی تھی جس کا دھرانا مناسب نہیں ہے۔ وہ زندہ ہوتے تو میں ضرور ان کے الفاظ جو ہم تک پہنچے تھے لکھ دیتا لیکن وہ اب تائید یا تردید کرنے کے لئے موجود نہیں ہیں۔

اس لئے صرف اتنا لکھ دیتا ہوں کہ جو ان کا خیال تھا کہ قوم اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ وہ جوڈیشل ٹربیونل کے فیصلہ کو ایک سیاسی فیصلہ قرار دے کر اسے حکومت کی مجبوری پر محمول نہ کرے گی یہ فیصلہ حکومت نے محض اپنے آپ کو بچانے کے لئے عدالت سے حاصل کیا ہے اور ایک ملزم کو سزا دلوائی ہے ورنہ دوسرے ملزم اشرف قریشی کو بری کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ افسوس کہ قوم اب بھی نہیں سمجھ سکی ہے کہ پاکستان کے دشمن لوگ کون تھے؟۔

مجھے یاد ہے کہ چار جماعتی اتحاد کے زیر اہتمام سہنسہ (کوٹلی) میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا تھا۔ اس کا اانتظام ضلع کوٹلی (بلکہ آزاد کشمیر) کی مشہور و معروف سیاسی شخصیت چوہدری مظہر حسین ایڈووکیٹ جو آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں نے کیا تھا۔ چوہدری مظہر حسین ایک منجھا ہوا سیاست دان، ایک معروف قانون دان، ایک جانا پہچانا کسان رہنما ہے وہ

خود بھی عوام کا مقبول خدمتگار گرفتاری کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

چار جماعتی اتحاد کا ذکر بھی اپنے مقام پر آئے گا۔ ان جلسوں کے ذریعے لوگوں کو حکومت کے خلاف متحرک کیا جا رہا تھا۔ حکومت بھی گرفتاریوں پر تلی ہوئی تھی۔ اور ہم سب بھی گرفتاری کے لئے تیار تھے۔ جو رہنما، کارکن، طالب علم بھی تقریر کرتا تھا اسے حکومت کی ہدایت کے مطابق گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ اشرف قریشی کو جلسہ کی انتظامیہ نے مدعو کر رکھا تھا۔ چوہدری مظہر حسین ایڈووکیٹ نے ہی مقررین کی فہرست مرتب کر رکھی تھی۔

جلسہ میں بڑی تعداد میں لوگ شامل ہوئے تھے۔ جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ اس کا کریڈٹ بھی چوہدری مظہر حسین کو جاتا ہے۔ جلسہ جاری تھا۔ رہنمایانِ کرام اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جلسہ کے ناظم نے محمد اشرف قریشی کو تقریر کی دعوت دی۔ وہ لاہور سے کوٹلی کے طلباء اور چوہدری مظہر حسین کے بلانے پر شریک ہوئے تھے۔ جونہی اشرف قریشی مائیک کے سامنے کھڑے ہوئے تو سردار محمد عبدالقیوم خان مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ وعدہ کی خلاف ورزی ہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ اشرف قریشی کو تقریر کرنے دی جائے۔

میں چوہدری نور حسین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ محمد ابراہیم خان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یہ کس معاہدہ کی بات کر رہے ہیں۔ کس نے وعدہ کیا تھا کہ اشرف قریشی کو تقریر نہیں کرنے دی جائے گی۔ یہ وعدہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔ ہم سب کا خیال تھا کہ وہ کوئی بہانہ بنا کر اتحاد سے نکلنا چاہتے ہیں۔

اشرف قریشی نے کسی کے خلاف کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ خود بڑا محتاط تھا۔ میں نے فوراً مداخلت کر کے اسے تقریر بند کرنے کے لئے اشارہ کیا وہ شریف انسان ہے اور شریف لوگوں کی طرح اسٹیج سے نیچے چلا گیا تھا۔ سردار صاحب کو کس بات نے مشتعل کیا تھا ہم سب کی سمجھ سے باہر تھا۔ غالباً اسٹیج سیکرٹری نے یہ کہہ دیا تھا کہ گنگا طیارہ کے اغواء کرنے والے مجاہد اشرف قریشی خطاب فرمائیں گے۔

گنگا طیارہ کے لفظ سے انہیں آگ بگولہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یا تو ان کو علم ہی نہ تھا کہ گنگا کیس میں کیا فیصلہ ہوا تھا۔ یا وہ اس میں اپنی توہین سمجھتے تھے کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود انہیں سزا نہ دلوا سکے تھے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ میں شاندار الفاظ میں اشرف قریشی کو اس کارنامہ پر خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ وہ الفاظ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ''گنگا کیس'' کا فیصلہ ہوئے بھی ایک عشرہ کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا تھا۔ اگر اتنی بڑی شخصیت کو علم نہ تھا کہ گنگا کیس کا فیصلہ کیا ہوا تو قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس کا کیسے علم ہو سکتا تھا؟۔

البتہ طلباء برادری اچھی طرح جانتی تھی کہ دو نوجوانوں نے فلسطین کے فدائین جیسا کردار ادا کیا تھا۔ اگر سردار صاحب کو علم تھا کہ فیصلہ میں یہ نوجوان نہ خود سرخرو ہوا ہے بلکہ اس نے کشمیری قوم کو بھی سرخرو کر دیا ہے تو انہیں اس پر فخر کرنا

چاہیے تھا کہ ان کی قوم کے ایک فرد نے قوم کے سر کو اونچا کر دیا ہے۔لیکن ان کے رویہ سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فیصلہ سے ناخوش تھے۔انہوں نے کشمیریوں کو ''جاسوس'' کے لفظ سے بھی اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا تھا۔جس کے جواب میں ''سات لاکھ جاسوس'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی شائع ہوا تھا۔سردار صاحب کی مخالفت کو کسی نے بھی پسند نہ کیا تھا۔لیکن تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اسے ایک ایشو نہیں بنایا گیا تھا۔

محمد عبدالقیوم خان آزاد کشمیر حکومت کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ وہ ریاست جموں کشمیر کی وحدت، سالمیت اور آزادی کے دعویدار بھی ہیں۔ان کو ریاست میں چلنے والی ہر تحریک کا علم ہونا چاہیے تھا۔اور ذاتی عناد اور کینہ سے پاک ہو کر وطن کے بہادر سپوتوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیے تھا۔لیکن وہ اپنا مقام کھو چکے تھے۔قومی ہیرو مقبول احمد بٹ شہید تہاڑ جیل میں پھانسی پر لٹک گئے۔لوگوں نے ان کے جسد خاکی کو پاکستان لانے کا مطالبہ کیا تو محمد عبدالقیوم خان نے ایک طویل بیان شائع کرا دیا اور اس کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ وہ خاموش تو رہ سکتے تھے؟ لوگوں کے مطالبہ کی حمایت نہ کرتے لیکن وہ تو ان کی شہادت کو ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔لیکن وہ بھول گئے کہ ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

کشمیر کی تاریخ آزادی جب بھی لکھی جائے گی، جناب مقبول احمد بٹ کو قائد انقلاب، شہید کشمیر قومی ہیرو کے لفظوں سے ہی یاد کیا جائے گا، وہ آفتاب بن کر چمکا۔مہتاب بن کر مسکرایا، پھولوں کی طرح خوشبو پھیلاتا ہوا باغِ چمن سے گزر گیا۔ ؎

مقام فیض راہ میں کوئی جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

اور آنے والی نسلوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔گنگا کیس کا ذکر کرتے ہوئے وزیر خارجہ پاکستان جناب سردار آصف احمد علی کا وہ بیان بھی یاد آ گیا جو انہوں نے مغربی سیاحوں کے اغواء کنندگان ''الفاران'' کے سلسلہ میں ایک پریس کانفرنس میں دیا تھا کہ سیاحوں کا اغواء بھارتی گنگا کی طرح ایک ڈرامہ ہے افسوس کا مقام ہے کہ حکومت پاکستان کے اتنے اہم عہدہ پر فائز وزیر خارجہ کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تھا کہ گنگا کیس کا کیا فیصلہ ہوا تھا؟ ایسے وزیر کے منہ سے گنگا کیس کے بارے میں جس کا فیصلہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے سنایا تھا ڈرامہ کہنا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

برطانیہ میں پروفیسر نذیر نازش اور ان کے ساتھی ماسٹر عبدالمجید مرحوم اور محمد یونس تریابی گنگا کیس چلائے جانے کے خلاف مظاہرے کرتے رہے۔ اور پاکستان کے سازشی صدر جنرل یحیٰ خان کے خلاف نعرے لگاتے رہے۔ ان

رہنماؤں اور سینکڑوں ہم وطنوں کے ہم شکر گزار ہیں جنہوں نے بیرون وطن یورپ، امریکہ، وسطی ایشیاء اور دیگر ممالک میں ہمارے حق میں مظاہرے کئے اور ہم سرخرو ہو کر تحریک کے لئے کام کرنے کے قابل ہوئے۔

چوہدری محمد یونس تریابی اپنے ایک انتہائی قریبی رشتہ دار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ گنگا کیس کے فیصلہ کے بعد بھی وہ اس وقت تک نہ مانتے تھے کہ مقبول احمد بٹ شہید ایک کشمیر کا محبّ وطن رہنما ہے جب تک وہ تہاڑ جیل میں پھانسی پر نہ لٹک گیا انہیں 12/13 سال تک اپنے بزرگ رشتہ دار کو شہید کشمیر کی محبّ الوطنی منوانے کے لئے انتظار کرنا پڑا تھا۔

بیسویں صدی کے خطیب اعظم حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو برصغیر پاک و بھارت کے لوگوں کو تقسیم ہند سے پہلے ایک جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے کہنا پڑا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ ماننے پر آئیں تو اپنے پیدا کرنے والے خدا کو بھی نہیں مانتے اس کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ اور جب ماننے پر آئیں تو گائے کو بھی خدا مان کر اس کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں اندھی نہیں کر دی ہیں جو سروں میں ہیں بلکہ دل اندھے کر دیئے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔ ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ ان کے کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی ہے۔ وہ اندھے، بہرے اور گونگے ہیں بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں جو آزادی کی شمع کو بجھانے کے لئے پھونکیں مار رہے ہیں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ انوکھا ٹرائل تھا اس میں جناب میر ہدایت اللہ مرحوم، سردار رشید حسرت مرحوم، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی، مسٹر امان اللہ خان، عبدالخالق انصاری (راقم کو) بذمرہ ملزمان رکھا گیا تھا۔ لیکن ان میں کسی کو عدالت کے سامنے لا کر ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ کچھ مظفر آباد جیل میں تھے کچھ روپوش ہو گئے تھے۔ اور کچھ عدالت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اس کا تماشہ بھی دیکھتے رہتے تھے۔

عدالت نے ان کے متعلق اپنے فیصلہ میں الگ الگ اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ بدوں سماعت ملزمان ایسی رائے کا اظہار انصاف کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ لیکن نورالعارفین کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اغواء کنندگان کے ساتھ ان کے ان ساتھیوں کے بارے میں کوائف جمع کرنے اور ان کے بارے میں مزید تحقیقات کے لئے بھی لکھا تھا۔ اس لئے جوڈیشل ٹربیونل نے بھی ان سب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ جو اصولاً درست نہ تھا۔ ہم نے اپنے رہنماؤں کی کھل کر مدد کی تھی۔

آزاد کشمیر حکومت کے اعلیٰ عہدہ پر فائز عبدالاحد کنٹھ اور جی ڈی عشائی سیشن جج نے بھی اس دوران اپنی

ملازمت کی پرواہ کیئے بغیر ملزمان کی مدد کی تھی۔ وادی کے ملازمین سرکار بھی دن رات اس سازش کو بے نقاب کرنے میں مصروف رہے۔ راجہ فضل الرحمٰن ہمارے ضلعی رہنما تھے۔ان کے متعلق مجھے بتلایا گیا تھا کہ وہ ایک گڈریئے کے روپ میں بارڈر کراس کر کے شیر کشمیر تک پہنچ گئے تھے اور شیر کشمیر نے جو دوسرا خط لکھا تھا وہ ان احباب کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ نعیم اللہ قریشی تو ہمارے مرکزی رہنما تھے وہ جہاز کو لاہور سے اڑا کر کسی دوسرے ملک میں لے جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ وہ سکواڈرن لیڈر رہ چکے تھے۔

ملازمت سے ریٹائرڈ ہو کر محاذ رائے شماری میں شامل ہوئے تھے۔ گنگا طیارہ کے اغواء پر ان کی خوشی کی حد نہ رہی تھی۔ وہ اپنی جان کی پرواہ کیئے بغیر گنگا اڑا کر کسی دوسرے ملک میں لے جانے کے خواہشمند تھے لیکن ہم نے ان سے اتفاق نہ کیا تھا۔ مولانا عبدالعزیز جلالی نے بھی ہمیں کہا تھا کہ وہ ہائی جیکرز کو پاکستان سے باہر بھجوانا چاہتے ہیں ان کا پاکستان میں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ انہیں اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا تھا کہ فوجی حکومت ان کے خلاف سازش کر رہی ہے۔ اور اس سازش میں محاذ رائے شماری کو بھی خلاف قانون جماعت قرار دینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن ہم سب نے مصائب کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور ہائی جیکرز کو ان کے ساتھ سرحد پار کرانے کے لئے تیار نہ تھے۔ گنگا طیارہ کو آگ نہ لگانے کی ایک ہی صائب رائے جناب جی ایم لون مرحوم کی تھی ان کی رائے سو فیصد درست تھی ان کی بڑی مضبوط دلیل تھی کہ............

جہاز انشورڈ ہوتے ہیں سواریوں کے چلے جانے کے بعد ایک ''ٹھیکرے'' کو آگ لگانے کا ہندوستان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، اور بھارت اس کا پورا معاوضہ انشورنس کمپنی متعلقہ سے وصول کر لے گا۔ لیکن مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جہاز کو آگ لگا دی جائے رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ محاذ کے باقی سب ساتھیوں کی بھی میری رائے سے اتفاق تھا کہ اگر اب جہاز بھی واپس دے دیا گیا تو کشمیریوں پر جو پھبتی کسی جاتی ہے کہ ''تپسی تے ٹھس کرسی'' وہ سچی ثابت ہوگی۔ یہ ہمیں معلوم تھا کہ اس کے نتائج سنگین مرتب ہوں گے۔

ہمارے لئے تفتیشی مراکز اور جیلوں کے دروازے کھول کر ہمیں جیلوں میں بند کر دیا جائے گا لیکن ہم نے اس آزمائش سے گزرنے اور حکومت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ہائی جیکرز نے کس کا مشورہ قبول کیا تھا۔ اس وقت ایریا کمانڈر اور پولیس کے سینئر افسران کے علاوہ چیف سیکرٹری بھی اس حق میں تھے کہ جہاز کو آگ لگا کر اس آپریشن کو ختم کیا جائے۔ ہمارے ساتھی شہید کشمیر مقبول احمد بٹ اور ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم بھی سارا عرصہ وہاں موجود رہے۔ لیکن ہاشم قریشی اتنا خودسر ہو چکا تھا کہ مسٹر امان اللہ خان کو بھی یہ کہہ کر ہماری تنقید کا جواب دینا پڑا تھا کہ ایک کرکٹ کا کھلاڑی جب سینچری مکمل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کے پاؤں بھی زمین پر نہیں ہوتے۔ اور یہ بات بھی سچی تھی کہ ان کی

عمر ہی کیا تھی؟۔

وہ ٹین ایجز کے بچے تھے۔ ہاشم قریشی کا تو یہ حال تھا کہ نورالعارفین کمیشن کی تحقیقات کے دوران اس نے ایک کرسی اٹھا کر نورالعارفین کے سر پر وار کر دیا تھا۔ اگر کمیشن کے دوسرے ممبر نے کرسی کو فوراً نہ پکڑ لیا ہوتا تو نورالعارفین زخمی ہو کر اسپتال پہنچ جاتے وہ تو اپنی من مانی کرتا تھا۔ جناب میر ہدایت اللہ اور (راقم) عبدالخالق انصاری ''مری'' میں اس تحقیقات کے دوران اس لئے ٹھہرے ہوئے تھے کہ ہائی جیکرز کو اداب عدالت سمجھائیں اور شہادت کے بارے میں اسے بریف کریں۔ لیکن وہ اپنی مرضی سے ایسی باتیں کرتا تھا جن کا گنگا اغوا کے ساتھ کوئی تعلق تھا نہ گوریلا سرگرمیوں سے۔ وہ داستانیں گھڑتا تھا اور اپنے بارے میں شک پیدا کرتا تھا۔

مری کے کوہساروں میں وہ سیر کرتا تھا۔ اس کو حکومت نے گھوڑا بھی دیا ہوا تھا اس کی خاطر و مدارت کے لئے اعلیٰ حکام کے خانساموں کے لباس میں اس کے ہر حکم کی تعمیل میں لگے رہتے تھے۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس وقت مری کے پہاڑ پر سب سے اونچی جگہ خوبصورت بنگلہ میں رہائش پذیر ہے اور جو لوگ خاطر و تواضع میں لگے ہوئے ہیں وہ محکمہ سراغ رسانی کے بڑے بڑے حاکم لوگ ہیں اسے اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب وہ تاریک غار کے اندر لے جا کر اس سے پائی پائی کا حساب لیں گے۔

جناب میر ہدایت اللہ مسکراتے ہوئے سمجھاتے تھے لیکن وہ ہماری کوئی بات سننے کو بھی تیار نہ تھا۔ میں نے اپنی رہائش گاہ پر بھی اسے بریف کیا تھا۔ لیکن وہ مجھے واقعات سنانے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ میں تو محض ساتھیوں کے اصرار کی وجہ سے ''مری'' چلا گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرا وہاں جانا وقت کا ضیاع ہے۔ ان سارے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جماعت کے مستقبل کی خاطر مجھے جانا پڑا تھا۔ ہم نے جماعتی طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم ان کا آخری وقت تک ساتھ دیں گے۔ ہم نے اپنے فیصلہ پر عمل کیا تھا۔

''نورالعارفین کمیشن'' کو ایسی رپورٹ لکھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی، ہائی جیکر کا بیان مشکوک وشبہات سے بھرا پڑا تھا۔ ایک بات سچ تھی تو دوسری بات اس کو مشکوک بنا دیتی تھی، یہ تھا وہ نتیجہ جو غیر تربیت یافتہ گوریلا کی سرگرمیوں کا حاصل تھا۔ لیکن ہمیں پھر بھی کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ مسٹر امان اللہ خان تو گلگت جیل سے تقریباً 15 ماہ کے بعد رہا ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے رہا ہونے کے بعد سارا عرصہ مقدمہ کے لئے شہادتیں اکٹھے کرنے میں گزارا۔

اپنے جاننے والوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا، پیپلز پارٹی کے حکمران رہنماؤں سے ملتے رہے۔ اور جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا انہوں نے کیا۔ یہ ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے عدالت کو درخواست بھیجی تھی کہ وہ عدالت میں پیش ہو کر عدالت کے سامنے اصل حقائق پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جان اپنی عزت اور اپنے

گھرانے کو بچانے کے لئے پولیس کی کہانی بیان کر کے اپنے ضمیر کو آلودہ کیا ہے۔ وہ خدا کے حضور سرخرو ہو کر جانا چاہتے ہیں۔ گنگا کیس ایک جھوٹا، لغو اور بے بنیاد ہے۔ یہ بھی مسٹر امان اللہ خان کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے انتہائی سیکیورٹی کے باوجود راہ نکال کر ان کی نظم جو حکومت پاکستان اور سپریم کورٹ میں بھیجی گئی تھی وہ حاصل کی تھی ۔

تم پیالے بھرو تو محبّ وطن
خون ہم بہائیں تو جاسوس ہیں
تم جو پدما جلاؤ تو بالکل صحیح
ہم جو گنگا جلائیں تو جاسوس ہیں

سپریم کورٹ وعدہ معاف گواہ کو دوبارہ طلب نہ کر سکی تھی، نہ ہی ضابطہ فوجداری میں کوئی ایسی دفعہ موجود تھی کہ عدالت کو مجبور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان کی درخواست اور ان کی نظم کا عوام الناس پر گہرا اثر مرتب ہوا تھا۔ حکومت آزاد کشمیر، اور گلگت انتظامیہ نے ہمیں اسی لئے جیل میں ڈال رکھا تھا کہ پاکستان کی تفتیشی ٹیم کو بخوبی علم تھا کہ وہ ایک گواہ بشمول وعدہ معاف گواہ بھی ہماری موجودگی میں استغاثہ کی تائید میں بیان دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

اس لئے ہمیں اس وقت رہائی ملی تھی جب استغاثہ کی شہادت ختم ہو چکی تھی کوئی ایک آدھ بھرتی کا گواہ باقی رہ گیا ہو تو اس کی نسبت مجھے یاد نہیں ہے۔ ہمارے مرکزی اور ضلعی رہنماؤں میں سے ڈاکٹر غلام احمد جراح مرحوم وحید بخاری ایڈووکیٹ ممتاز حیدر سمنانی ایڈووکیٹ مرحوم، عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ مرحوم، چوہدری شہباز خان مرحوم، چوہدری محمد صادق مرحوم، سردار محمد اکرم خان مرحوم، نعیم اللہ قریشی، گڑھی دوپٹہ کے محمد زمان عباسی مرحوم، سید سردار شاہ، عبدالقیوم قادری ایڈووکیٹ مرحوم، راجہ فضل الرحمٰن مرحوم، حاجی محمد گلزار انصاری مرحوم اور دیگر ساتھی اپنی اپنی بساط کے مطابق ملزمان کی امداد میں مصروف رہے۔

محمد بشیر تبسم اور کامریڈ مشتاق کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ ان سب نے سال 1971ء، 1972ء، اور 1973ء کا سارا عرصہ اپنے قیدی ساتھیوں کی رہائی کی جدوجہد میں گزارا۔ ان کے کاروبار تباہ ہوئے۔ مسلسل تھکاوٹ کی وجہ سے اکثر بیمار ہو گئے۔ نہ وقت پر کھانا کھا سکے، نہ انہیں آرام میسر ہو سکا۔ انہوں نے وطن کے اندر بھی اور پاکستان، یورپ اور امریکہ تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھا اور فوج اور حکومت کی سختیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

مارشل لاء کی وجہ سے خوف کا یہ عالم تھا کہ پیپلز پارٹی کے چوٹی کے رہنما ملنے سے کتراتے تھے۔ حنیف رامے مرحوم جیسے بہادر سیاسی رہنما بھی اپنی عافیت اسی میں سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے اور اپنے مشترکہ دوستوں سے بچ کر رہیں۔ ہر کوئی اپنی فکر میں تھا۔ ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ مرحوم اور محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ جیل میں بڑے اطمینان میں تھے، وہ

باہر ہوتے تو وعدہ معاف گواہ کے بیان کے بعد ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے جاتے ان کے بارے میں میرے سمیت جماعت کے دوسرے ساتھیوں سمیت کسی کو بھی علم نہ تھا کہ وہ گوریلا ساتھیوں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اور انہیں اہم ذمہ داریاں سونپی گئی ہوئی تھیں۔

میں (راقم) محاذ کا صدر تھا اور قومی محاذ آزادی کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں مجھے اہم معلومات بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ لیکن ان دونوں رہنماؤں کے بارے میں مجھے جیل میں ان سے ملاقات کے بعد پتہ چلا کہ وہ مسلح جدوجہد کرنے والوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جو جان کی بازی لگا چکا تھا۔ قومی ہیرو مقبول احمد بٹ شہید کی یہ خواہش تھی کہ میں ان کی خفیہ کارروائیوں سے باخبر رہوں، لیکن میں نے انہیں یہ کہہ کر اس سے انکار کر دیا تھا کہ میری صحت اجازت نہیں دیتی ہے۔ اور اس گروپ میں صرف وہی لوگ شامل کئے جائیں جو پولیس کا غیر انسانی سلوک برداشت کر سکیں۔ وہ جان دے دیں لیکن خفیہ راز افشاء کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

یہی وجہ تھی کہ میں ہاشم قریشی کی نسبت بھی معلومات حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے میرے پاس اس لئے لائے تھے کہ میرا اس سے تعارف ہو جائے اور جو مشن/آپریشن اسے سونپا جا رہا ہے اس کی مجھے پہلے سے خبر ہو لیکن میں نے ان کے پاس اپنے بیٹے افتخار احمد انصاری کو یہ ہدایت دے کر بٹھا دیا تھا کہ وہ انہیں میرے ساتھ تنہائی کا موقع نہ دے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی موجودگی میں وہ اتنے بڑے اپریشن (بھارتی طیارے کے اغوا) کی نسبت کچھ نہ بتا سکے تھے۔

ہاشم قریشی کو طیارہ کے اغوا کی نسبت بھی ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے ایک عزیز جاوید منٹو صاحب نے بتایا تھا وہ انہیں جہاز کے اندر لے جا کر اغوا کی نسبت تربیت دیتے رہے۔ جہاز کا رخ موڑنے، اغوا کرنے پائیلٹ کو زیر کرنے اور جہاز اتارنے کی نسبت بتاتے رہے۔ جہاز میں لگے ہوئے نقشوں کی مدد سے انہیں باقاعدہ سکھایا گیا تھا کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ پائیلٹ دھوکہ دے کر انہیں امرتسر کے ایئر پورٹ پر بھی لے جا سکتا تھا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم ایک مخلص سیاسی کارکن تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے، مقبول احمد بٹ شہید کا راولپنڈی میں یہی ٹھکانا تھا۔ ہاشم قریشی بھی ان کے پاس یہی کئی ہفتے تک قیام پذیر رہا۔ ڈاکٹر فاروق حیدر گوریلا کارروائیوں اور ان سے مرتب ہونے والے نتائج سے بے خبر تھے۔ اور وہ یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ جس پاکستان کی خاطر انہوں نے سارا کنبہ ذبح کروا دیا تھا جس پاکستان میں وہ پناہ گزیں ہوئے تھے جس پاکستان کی مضبوطی کی خاطر وہ سب کچھ قربان کرنا چاہتے تھے، وہ مال و دولت لٹا کر آئے تھے، خاندان کے بہت سے لوگوں نے پاکستان کا پرچم جموں شہر میں لہرانے کے جرم میں شہادت بھی پائی تھی۔

اس پاکستان میں ان کی ہجرت، ان کی قربانیوں کا یہ صلہ ملے گا کہ وہ اور ان کے ساتھی شاہی قلعہ لاہور کی وہ

اذیت ناک تفتیشی سنٹر میں لے جائیں گے ایک نازک مزاج انسان، ایک فارغ البال گھرانے کا فرزند، ایک ڈاکٹر پولیس کی اذیت برداشت کرنے سے پہلے ہی پولیس کے افسانوی قصوں سے اتنا مسحور ہو چکا تھا کہ وہ وعدہ معاف گواہ بن گیا تھا۔ وعدہ معاف گواہ بھی ایسا تھا جو جھوٹ بول رہا تھا۔

اس کی کہانی پولیس کے دماغ کی اختراع تھی، نہ اس کا سر تھا نہ پیر۔ کوئی برآمدگی تک بھی ایسی نہ تھی جو ملزم کو شریک جرم بنا سکتی تھی۔ ایسے بے سروپا قصوں پر عدالت کیسے انحصار کر کے سزا دے سکتی تھی۔ ڈاکٹر مرحوم کو یہ بتایا گیا تھا کہ ملزمان کو سرعام پھانسی پر لٹکا کر انہیں نمونہ عبرت بنایا جائے گا۔ ڈاکٹر مرحوم کو یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ ہائی جیکرز فی الواقع بھارتی جاسوس تھے۔ انہیں اس طرح زیر اثر کر لیا گیا تھا کہ وہ سب کچھ اپنی جان بچانے کے لئے کہنے کو تیار تھے۔

وہ تاریخ کے بڑے آدمیوں میں شمار ہوتے لیکن ان کی اس کمزوری نے انہیں ارفع مقام سے بہت نیچے گرا دیا تھا۔ وہ آخری دن (شہادت ختم ہونے تک پولیس کی کہانی دہراتے رہے تھے، وہ لبھا رام کا کردار بھی ادا نہ کر سکے)۔

فیصلہ کے بعد محاذ رائے شماری کے سینئر اسیروں کی خواہش کے احترام میں ایک احتساب کمیٹی بنائی گئی تھی اس کا اجلاس لاہور اور محمد بشیر تبسم کی رہائش گاہ پر ہوا تھا۔ بالآخر انہوں نے معافی مانگی تھی۔ محاذ رائے شماری کی احتساب کمیٹی نے ان کی معذرت پر انہیں معاف کر دیا تھا۔ لیکن محاذ کے سینئر ممبران کے دل صاف نہ ہو سکے تھے۔

ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم محاذ رائے شماری میں شامل رہ کر کام کرتے رہے اور گوریلا کارروائیوں کے لئے کارکنوں کی مدد بھی کرتے رہے۔ بعد میں انہوں نے الگ جماعت لبریشن فرنٹ میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ مرحوم اور ان کے ساتھی محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ جنرل کونسل سے اس کی منظوری حاصل نہ کر سکے تھے۔

ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم، ہاشم قریشی، سردار رشید حسرت مرحوم اور دوسرے ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملا کر الگ ہو گئے تھے۔ نظریاتی طور پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ محاذ کے آئین اور قانون کے وہ پابند تھے۔ ہاشم قریشی کا یہ حال تھا کہ وہ جیل میں رہ کر بھی اپنے رویہ کو نہ بدل سکا تھا۔ جیل میں چند قیدیوں نے ایک انجمن بنالی تھی جو چوری اور ڈاکے میں زیر سماعت مقدمات میں بند تھے۔ ہاشم قریشی نے کہا کہ اس انجمن کا صدر وہ بن سکتا ہے جس نے سب سے بڑا ڈاکہ ڈالا ہو، اور وہ خود جہاز لے کر آیا ہے اس لئے یہ اس کا حق بنتا ہے کہ وہ اس انجمن کا صدر چنا جائے۔

چنانچہ سب ہم پیشہ لوگوں نے اسے اپنا صدر چن لیا تھا۔ وہ اس طرح کی بہت سی غیر سنجیدہ حرکتیں کرتا رہا تھا جس کے باعث ہمارے سینئر رہنما بہت نالاں تھے۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ کیسے مجاہد ہو سکتے ہیں؟۔ جناب میر عبدالمنان اور جناب جی ایم لون منجھے ہوئے سیاست دان، گفتار و کردار کے غازی اور پاکیزہ سیرت و اخلاق کے مالک تھے تو

انہوں نے جب میرے سامنے مقبول احمد بٹ شہید سے یہ گلہ کیا کہ کیا ایسے لوگ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل کئے جا سکتے ہیں؟ ان کا چناؤ غلط تھا۔ اس راہ میں انہیں شریک کرنا چاہیے تھا جو قوم کے لئے باعث فخر ہو سکتے ہوں۔

تو مقبول احمد بٹ شہید نے زیر لب مسکراتے ہوئے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ انہیں یا ان کے ہم پایہ لوگوں کو جہاز اغواء کرنے کے لئے کہتے تو کیا ایسا ممکن ہو سکتا تھا، اسی طبیعت کے لوگ ایسے جذباتی اور اسی سطح کے لوگ ہی ایسا عمل کر سکتے تھے۔ مجھے ان کی سب باتیں یاد نہیں ہیں۔ میں اپنے الفاظ میں بیان کرر ہا ہوں اور بہت سی باتوں کو دانستہ ضبط تحریر میں لانا نہیں چاہتا۔ ان کی خواہش تھی کہ کڑا احتساب ہو اور جو بھی قابل مواخذہ ہو اسے جماعت سے نکال دیا جائے مگر ہم نے سب کو معاف کر دیا تھا۔

وہ اس سے بڑے دلبرداشتہ ہوئے تھے لیکن مرتے دم تک محاذ رائے شماری کے ساتھ رہ کر اپنے ملک کی آزادی و خودمختاری کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ ان کا یہ گلہ درست تھا کہ انہوں نے (جناب میر عبدالمنان ایم اے علیگ اور جناب جی ایم لون) تفتیشی ٹیم کا ہر قسم کا تشدد برداشت کر لیا تھا لیکن پولیس کے ظلم کے باوجود اقبال جرم نہ کیا تھا۔ جبکہ اپنے آپ کو گوریلا مجاہد سمجھنے والوں نے اپنے آپ کو بھارت کا ایجنٹ، پاکستان کا دشمن اور مالی مفاد کی خاطر جاسوسی جیسے ناپاک، ذلیل اور رسوا کن فعل کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے حالات کو جانتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہ سب کی لغزشیں معاف فرمادے اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، محاذ کی احتساب کمیٹی کا فیصلہ بھی قومی اور ملکی مفاد کے پیش نظر کیا گیا تھا۔

گنگا کیس میں پیر مقبول گیلانی بھی بطور گواہ صفائی پیش ہوئے تھے۔ پیر مقبول گیلانی سرینگر کی درگاہ (غالباً خانیار) کے سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے لشکریوں کے حملے کے وقت سرینگر کے ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی تھی، وہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرحوم کے معتمد خاص تھے۔ کشمیر سازش کیس کے یکے از ملزمان تھے۔ وہ موقع پا کر بارڈر کراس کر کے پاکستان آ گئے تھے اور حکومت پاکستان نے انہیں مہمان کی حیثیت سے پونچھ ہاؤس راولپنڈی میں ٹھہرایا تھا۔ پونچھ ہاؤس ریاست کی پراپرٹی تھی۔

اس میں آزاد کشمیر کے صدر بھی ٹھہرا کرتے تھے۔ حکومت پاکستان اور شیر کشمیر کا واحد رابطہ پیر مقبول گیلانی ہی تھے۔ وہ شہادت دینے سے پہلے میرے پاس آئے اور مجھے بریف کرنے کے لئے کہا، میں نے انہیں بتایا تھا کہ وکلاء صفائی ہی انہیں بریف کر سکتے ہیں۔ انہیں ہی معلوم ہوگا کہ وہ کس امر کے گواہ ہیں۔ پیر مقبول گیلانی کو بہت دکھ تھا کہ ملزمان جو بلند کردار کے لوگ تھے انہیں تختۂ مشق بنایا گیا تھا، ان کا پاکستان کے ہر صدر کے ساتھ براہِ راست رابطہ رہا ہے۔ وہ اس مقدمہ کو مسئلہ کشمیر سے پاکستان کے دست بردار ہونے کے مترادف قرار دیتے تھے۔

ان سے متعلق کسی اور مقام پر بھی ذکر آئے گا۔ میں نے انہیں پاکستان کے نامور قانون دان ڈاکٹر عبدالباسط اور قابل احترام عابد منٹو صاحب سے ملنے کے لئے کہا، وہ وکلاء صفائی بھی تھے، کشمیری بھی تھے ہمارے ہمدرد بھی تھے وہ رضا کارانہ طور پر انقلابیوں کی امداد کے لئے اس وقت آگے بڑھے تھے جب کوئی وکیل ہمارے ساتھیوں کی بات سننے کو بھی تیار نہ تھا دوسرے وکلاء حکومت کے مذموم پروپیگنڈے سے بری طرح متاثر تھے۔

پیر مقبول گیلانی عدالت میں پیش ہوئے، انہوں نے سرینگر جیل کی نسبت بھی بتایا اور دیگر امور پر روشنی ڈالی اور استغاثہ کی کہانی کی بنیاد اکھیڑ کر رکھ دی، ان پر جرح میں خانقاہ سے متعلق استغاثہ کے وکیل کے لغو، بے ہودہ اور غیر متعلقہ سوالات پوچھنے شروع کئے تو ملزمان نے اٹھ کر اس کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ لیکن پیر مقبول گیلانی نے بڑے تحمل، بردباری اور عدالت کے وقار کو مجروح کئے بغیر جوابات دیئے تھے۔

عدالت نے استغاثہ کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ جتنی چاہے کردار کشی کرے، ناقابل ادخال شہادت کو بھی قابل ادخال ہی قرار دیتے رہے۔ حالانکہ اس وقت تک عدالت کو یقین ہو چکا تھا کہ مقدمہ بے بنیاد ہے۔ حکومت کی طرف سے بھی ان کو پاکستان کے نامور وزیر قانون میاں محمود علی قصوری نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ حکومت چاہتی ہے کہ واقعات مقدمہ کی بنا پر فیصلہ کیا جائے۔ وہ جنرل یحییٰ خان کی طرح بے انصافی کی قائل نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ بریت کی صورت میں بھی پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اگر ملزمان بریت کا حق رکھتے ہیں تو انہیں سزا دینا بھٹو حکومت کی بدنامی کا باعث بنے گا۔ یہ مقدمہ چند سیاسی رہنماؤں کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے کشمیر کاز کو ناقابلِ تلافی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ پیر مقبول گیلانی کے علاوہ دوسرے گواہان صفائی نے بھی کہانی استغاثہ کے تار پود بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

جاوید ساغر گواہ صفائی نے ساری دھول اڑا دی تھی، اور چمکتے ہوئے چہرے اور زیادہ روشن ہو گئے تھے وہ نہ صرف ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے بھانجے ہیں بلکہ ریاست جموں کشمیر کی ہر دلعزیز شخصیت اے آر ساغر مرحوم کے فرزند ارجمند بھی ہیں۔ مرحوم تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنما بھی تھے۔

انہوں نے اپنے ہفت روزہ ''جاوید'' اور عوام میں جا کر تقریروں کے ذریعہ اس تحریک کو ملک گیر بنا دیا تھا۔ ان کی قدر و قیمت قائداعظم اور لیاقت علی شہید ہی جان سکتے تھے۔ جو لعل و گوہر کی پہچان رکھتے تھے۔ مسٹر جسٹس یعقوب علی چوہدری کی بھی ان سے شناسائی تھی۔

پیر مقبول گیلانی اور مسٹر کے ایچ خورشید جیسے عظیم رہنما کی شہادتوں کے بعد مقدمہ کا فیصلہ کرنا مشکل نہ رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ مسٹر کے ایچ خورشید سابق صدر حکومت آزاد کشمیر کی شہادت کا بڑا حصہ عدالت نے حذف قرار دے کر

اسے مسل سے نکال دیا تھا۔ وہ حصہ ان کے تجربات، مشاہدات اور حقائق پر مبنی تھا، عدالت نے زبانی یہ قرار دیا تھا کہ وہ مسٹر کے ایچ خورشید کے بیان کے اس حصہ سے اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن ان کا بیان بھارت کے ہاتھ لگ گیا تو پاکستان دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

انہوں نے 1965ء کی مہم جوئی سے متعلق بھی پردہ اٹھایا تھا اس مہم جوئی کو کشمیریوں کی گوریلا جنگ کا نام دیا گیا تھا۔ اگر وہ حصہ باقی رہ جاتا تو پاکستان کی آنے والی نسلوں کو بھی پتہ چل جاتا کہ ان کے آباؤ اجداد مملکت پاکستان کی قسمت سے کس طرح کھیلتے رہے تھے۔ وہ ایک تاریخ تھی جسے مٹا دیا گیا تھا۔ ان تمام شہادتوں کو سامنے رکھ کر ہی عدالت نے یہ کہہ دیا تھا کہ ملزمان بریت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن بریت کے فیصلہ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔

ہمارے ساتھیوں کو علم ہو چکا تھا کہ بریت کا فیصلہ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن سیاسی مقدمات کے فیصلے بھی سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ تاریخ مقرر کر دی گئی تھی اور فیصلہ سے قبل گورنر ہاؤس میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں صرف تین آدمی شریک تھے وہ گورنر پنجاب، صدر پاکستان اور چیئرمین جوڈیشل ٹربیونل تھے۔ عدالت نے حکومت کی منشاء کے مطابق تمام ملزمان کی بریت سے حکومت کو بھارت اور دنیا کی حکومتوں کی نظروں میں گرانے سے بچانے کی خاطر صرف ہاشم قریشی کو قربانی کا بکرا بنایا، اور اسے سزا دے دی تھی۔

ہاشم قریشی کو سزا دینے کے لئے بھی مسل پر کوئی مواد موجود نہ تھا۔ وہ سزا بدوں ثبوت تھی جسے عدالت اپیل نے منسوخ کر دیا تھا۔ تین بڑوں کی کانفرنس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔ میں (راقم) نے بھٹو شہید سے ملاقات کے وقت اس کا ذکر کیا تھا۔ محاذ رائے شماری کا ایک بڑا وفد ان سے منگلا ریسٹ ہاؤس میں ملا تھا۔ اور یہ مسئلہ ایک بار پھر بھٹو شہید کے سامنے اٹھایا گیا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اس مقدمہ کی وجہ سے ہمارے تنظیم کو ایک دھچکا لگا تھا۔ اس کے بعد تنظیم میں وہ نظم وضبط نہ رہ سکا۔ ہمارے مخالفت تو اب بھی موجود ہیں جو سب ملزمان کے بری ہونے کے بعد بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ (ایک تو جاسوس نکلا تھاناں)۔

ان کشمیریوں کو کون سمجھائے کہ بھٹو شہید ہمیں فیصلہ سے قبل تیار کر رہے تھے کہ ایک کے خلاف فیصلہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سب لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ سیاسی نوعیت کا فیصلہ ہے جو حکومت کی ایما پر کیا گیا ہے۔ اس میں مصلحت ہے، ہمیں کہا گیا تھا کہ پاکستان کے لئے اتنی سی قربانی دے دیں، کشمیریوں نے پاکستان کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ یہ چھوٹی سی قربانی ان کی خاطر دی جائے۔

جنرل یحیٰ خان کو ایک موٹی سی گالی دے کر کہا تھا کہ اس نے ان کی حکومت (بھٹو شہید کی حکومت) کے لئے ہلاکت کے گڑھے کھود رکھے ہیں۔ میں نے ان واقعات کو ذاتی مشاہدات، ثقہ راویوں کی روایت اور دستاویزی ثبوت کی بنا

پر قلمبند کیا ہے۔ اگر کوئی غلط واقعہ یا کوئی غلط الفاظ بیان ، اظہارات قلمبند ہو گئے ہوں تو اسے میرے حافظہ کی کوتاہی سمجھا جائے ،میں نے دانستہ کسی کی کردار کشی نہیں کی ہے۔

میں نے مظفر آباد جیل میں محاذی ساتھیوں کی نسبت لکھا ہے،صوفی محمد زمان مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات ایک غیر مطبوعہ کتاب میں لکھے ہیں۔ مرحوم کے چھوٹے بھائی عبدالجبار بٹ صاحب کے اصرار پر بحالت بیماری لکھے تھے،عبدالجبار بٹ جو محاذ رائے شماری برطانیہ کے صدر اور جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما ہیں، انہوں نے صوفی صاحب مرحوم پر ایک کتاب شائع کی ہے اس میں میری کتاب کے چند ایک اقتباسات بھی شائع کئے ہیں۔ان کے پاس پڑی ہے۔وہ جب چاہیں گے اسے شائع کر سکتے ہیں۔

بہت سے دوستوں اور محبّ الوطنوں کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔گنگا کیس میں ہمارے کچھ ساتھیوں کے بیانات بھی پولیس نے لکھے تھے،ان میں میر عبدالعزیز مرحوم اور لیفٹیننٹ اکرام اللہ خان مرحوم کے بیانات بھی تھے۔ پولیس انہیں گواہ استغاثہ نہ رکھ سکی ، کیونکہ پولیس کی کہانی کی تائید نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بیانات میرے پاس ہوتے تو اس کی تلخیص بھی لکھ دیتا وہ بھی تاریخ کا حصہ بن جاتے۔ مذکورہ بالا دونوں رہنما بھی تاریخ کشمیر میں ایک اہم مقام،مرتبہ اور رتبہ رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر بھی کسی اور مقام پر آئے گا۔ پولیس ہماری صفوں میں سے کسی ایک کو بھی گواہ نہ بنا سکی۔ وعدہ معاف گواہ کی نسبت لکھا جا چکا ہے۔

ملک بھر میں گنگا طیارہ کے اغوا پر جس طرح تحسین وستائش کے پھول برسائے تھے اس سے ہمارے سب ساتھی بہت خوش تھے۔لیکن یہ جھوٹا مقدمہ بنایا گیا تو اس نے بہت سے ساتھیوں کو غمزدہ کر دیا تھا۔ہم پر یہ گھناؤنا الزام لگایا گیا تھا کہ ہم لوگ بھارت کے جاسوس ہیں۔اور بھارت کے توسیع پسندانہ رجحانات کو تقویت پہنچانے کے لئے گنگا طیارہ اغوا کیا گیا تھا۔جس کے نتیجہ میں پاکستان ٹوٹ گیا تھا۔

لیکن الزام تراشنے والے تاریخ سے سبق نہیں لیتے وہ اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان ایک قوم نہیں بن سکا۔اور آج بھی وہ گلگت و بلتستان پر قبضہ کر کے یہ فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے گلگت و بلتستان کو اس کی شناخت دی۔ اگر وہ سرحدی صوبہ کو خیبر پختون خواہ کا نام دے کر یہ کہہ دیتے کہ انہوں نے سرحد کے رہنے والوں کو ان کی شناخت دی تو وہ اس حد تک تو قوم گوارا کر لیتی نہ کہ ''سرحدی صوبہ'' کا نام درست کر لیا گیا ہے۔ اگر پنجاب پنجابی زبان بولنے والوں،سندھ کو سندھی زبان بولنے والوں اور بلوچستان کو بلوچی زبان بولنے والوں کے نام سے پکارا اور لکھا جاتا ہے تو پختونوں کا یہ حق بنتا ہے کہ پختونوں کا نام دیا جاتا جو نصف صدی تک ان کے مطالبے کے باوجود نہ دیا گیا۔لیکن گلگت بلتستان کی صدیوں پرانی تاریخ موجود ہے۔

کشمیر کی ہزاروں سال کی تاریخ موجود ہے۔اس کی شناخت پہلے سے موجود ہے اور وہ کشمیری تھے اور کشمیری ہیں۔اسے پاکستان کا صوبہ بنا کر اس کی شناخت کو مشکوک بنایا گیا ہے۔گلگت بلتستان ریاست جموں وکشمیر کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔کشمیر کے لوگوں نے اسے پاکستان کی کشمیر پالیسی کے پس منظر میں دیکھا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ پاکستان اپنی داخلی اور خارجی پالیسی کے پیش نظر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں سے منحرف ہو گیا ہے۔

پاکستان کے نئے صوبے بنائے جانے سے مولانا ابوالکلام آزاد کی تائید ہوتی ہے کہ پاکستان ایک قوم نہیں بن سکتا۔ہم پاکستان کے کبھی خلاف نہ تھے اور نہ ہی اب ہیں۔اب ذرا مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس نظریہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ کیا ہم نے پاکستان کو توڑا ہے یا اس کے توڑنے میں مدد کی ہے یا گنگا اغواء پاکستان کے دولخت کرنے کی کڑی تھی؟۔

جسٹس حمود الرحمٰن کا فیصلہ ہی پڑھ لیں ،حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے جو حصص پریس میں آئے تھے وہ اس راز کو فاش کرتے ہیں۔ہم کل بھی سرخرو تھے اور آج بھی سرخرو ہیں،مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں............

”کوئی شخص بھی یہ توقع نہیں کر سکتا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے مسلمان اپنے اختلافات ختم کر کے ایک قوم بن جائیں گے۔صرف مغربی پاکستان میں تین صوبے سندھ، پنجاب اور سرحد ایک دوسرے کے مفاد کے خلاف برسرپیکار اور ایک دوسرے سے بالکل متضاد اور متبائن مقاصد کے حامل ہیں۔بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔پاکستان کی نئی حکومت ایک حقیقت ہے، ہندوستان اور پاکستان دونوں کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آپس میں دوستانہ روابط استوار کریں اور ایک دوسرے سے اشتراک وتعاون کریں۔

اس کے خلاف جو قدم بھی اٹھے گا وہ ہولناک مصیبت، تباہی اور بدبختی کا پیش خامہ ہوگا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا وہ ناگزیر تھا۔بعض دوسرے لوگ اسی شدومد کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہوا غلط تھا اور اس سے احتراز ممکن تھا۔آج یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے کس کا اندازہ صحیح تھا،صرف تاریخ ہی اس کا فیصلہ کرے گی کہ آیا تقسیم قبول کر کے واقعی ہم نے دانشمندانہ اور صحیح قدم اٹھایا ہے۔(صفحہ 223-35-34-27-26)”آزادئ ہند، رئیس احمد جعفری کا ترجمہ اور تبصرہ“۔

حکومت پاکستان کے وزراء اپنی قوم کو یہ خوشخبری سنا رہے ہیں کہ انہوں نے گلگت بلتستان کو پاکستان کا صوبہ بنا کر اسے شناخت دی ہے یہ گلگت بلتستان کے لوگوں کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔نہ ہی اس صوبہ کے لوگوں کو نیشنل اسمبلی میں نمائندگی دی ہے اور نہ ہی سینٹ میں ان کا کوئی نمائندہ موجود ہے۔گلگت بلتستان کو کراچی معاہدہ کے تحت پاکستان کی مرکزی حکومت کے حوالہ عارضی طور پر کیا گیا تھا۔تاکہ ذرائع آمدورفت نہ ہونے کی وجہ سے آزاد کشمیر کی حکومت انہیں ضروریاتِ زندگی پہنچا نہیں سکتی تھی وہ پاکستان اپنے ذرائع سے پہنچا سکے۔

آج نصف صدی کے بعد ایسا قدم اٹھایا گیا ہے جسے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھارت نے 1953ء اور اس کے بعد اٹھایا تھا۔ جس کے خلاف پاکستان نے عالمی فورم میں بھارت کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں ایسا قدم اٹھا کر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں کسی دوسرے مقام پر بحث کی گئی ہے یہاں یہ کہنا چاہوں گا کہ پاکستان مسئلہ کشمیر سے دست بردار ہونے کے اشارے دے رہا ہے۔ کشمیر کی آزادی کی جنگ کشمیریوں کو خود لڑنی پڑے گی۔ اور ہر قوم کو جو غلام ہوتی ہے اسے اپنی آزادی کی جنگ خود ہی لڑنی پڑتی ہے، تاریخ کا یہی سبق ہے۔

گلگت بلتستان کا نام مٹانے کے لئے بڑی کوششیں کی گئی ہیں، لیکن حکمران اس کا نام نہ مٹا سکے۔ اسے شمالی علاقہ جات کا نام دیتے رہے، تمام ذرائع ابلاغ حکومت کی پالیسی کے تحت اس کی شناخت ختم کرنے کے لئے ریاست جموں وکشمیر کے اس علاقہ کو پاکستان کے شمالی علاقہ جات کہتے لکھتے اور بولتے رہے، لیکن اس نام کو تو پاکستان کے عوام نے بھی قبول نہیں کیا تھا۔ گلگت بلتستان، آزاد کشمیر اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے لوگ کیسے قبول کر سکتے تھے۔ اگر پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت یہ اعلان کرتی کہ ان کشمیریوں کو کچھ بنیادی حقوق انسانی ان کے دور میں ملے ہیں تو اسے ہر شخص تسلیم کر لیتا۔ کیونکہ ڈوگرہ دور میں جو انہیں حقوق حاصل ہوئے تھے ماضی کی حکومتوں نے وہ بھی چھین رکھے تھے۔ نہ کوئی منتخب ادارہ تھا، نہ انہیں رائے دہندگی کا حق تھا۔ اور نہ ہی انہیں کسی عدالت میں اپیل کرنے کا حق تھا۔ وہ بنیادی حقوق انسانی سے محروم چلے آتے تھے۔ جس کے خلاف محاذ رائے شماری آواز بلند کر کے انہیں آزاد کشمیر حکومت میں نمائندگی دینے کا مطالبہ کرتا رہا۔

آزاد کشمیر کی مقنّنہ (برائے نام ہی ہے) عدلیہ اور انتظامیہ میں انہیں حق دلوا کر قومی دھارے میں شامل کرنے کی جدوجہد کرتا رہا، اور اب بھی اس کی یہ جدوجہد جاری ہے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بھارت نے کشمیر کو ایک صوبہ بنا کر بھارتی آئین کے دائرہ اختیار میں دے رکھا ہے لیکن وہ کشمیریوں کی آزادی کی جنگ کو سرد نہ کر سکا تو پاکستان گلگت بلتستان کو پاکستان کا صوبہ بنا کر بھی ہمارے حوصلے توڑ نہیں سکتا۔

پیپلز پارٹی کے رہنما شہید ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا کہ کشمیر کی آزادی کے لئے ایک ہزار سال تک بھی جنگ لڑنی پڑی تو وہ لڑتے رہیں گے۔ کہاں ہیں ان کے پیروکار آج؟۔ جب میں یہاں تک لکھتے ہوئے پہنچا تو ریاست جموں کشمیر کا ایک چمکتا ہوا ستارہ اشرف قریشی بھی اپنی زندگی کا سفر مکمل کر کے بارگاہِ ایزدی میں پہنچ گیا۔ یکم اور دو فروری 2012ء کی درمیانی رات کو 2 بجے قریب اسے وصالِ الٰہی نصیب ہوا۔

30 جنوری 1971ء کو طیارہ لاہور لائے تھے۔ 2 فروری 2012ء کو ان کی روح پرواز کر گئی، جنوری اور فروری

میں چار دن ان تاریخوں کے حساب سے بنتے ہیں اس موقع پر مجھے ہندوستان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر زبان پر آ گیا جو زندگی کے عارضی اور ناپائیدار ہونے کی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ ؎

عمر دراز مانگ لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

گنگا کیس میں باعزت بری ہونے والے رہنماؤں میں محاذ رائے شماری کے مرکزی صدر مقبول احمد بٹ شہید، مرکزی جنرل سیکرٹری میر عبدالمنان ایم اے علیگ، سینئر نائب صدر جی ایم لون۔ مرکزی خزانچی میر عبدالقیوم بھی اپنی انمٹ یادیں چھوڑ کر خدا کے حضور جا چکے ہیں۔ اور اس قافلے کا یہ ستارہ جو غلامی کی اندھیری راتوں میں بھولے بھٹکے کو راستہ کی نشاندہی کرتا تھا اپنے اصل وطن کو لوٹ گیا ہے۔

تاریخ کشمیر کی ان نامور شخصیات کے ساتھ زمانہ انصاف نہ کر سکا۔ مولانا آزادؒ کا قول ان پر صادق آتا ہے کہ تاریخ عالم کی بڑی بڑی ناانصافیاں میدانِ جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہی ہوئی ہیں۔ دنیا کے مقدس بانیانِ مذاہب سے لے کر سائنس کے محققین اور مـــکتشـــفیـــن تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت ہی ہے جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانے کے انقلاب سے عہد قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گئیں............وہ عمارتیں ضرور گرادی گئیں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے۔ لیکن ان دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خودغرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہیں۔

عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہو سکی ہم اس میں حضرت مسیح علیہ السلام جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کئے گئے۔ ہم کو اس میں سقراط نظر آتا ہے جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فلورنس کے فدا کارِ حقیقت گلیلو کا نام بھی ملتا ہے جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک ان کا اظہار جرم تھا۔

............تاہم یہ مجرموں کا کٹہرا کسی عجیب مگر عظیم الشان جگہ ہے جہاں سب سے اچھے اور سب سے برے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کئے جاتے ہیں اس لئے اتنی بڑی ہستی کے لئے بھی ناموزوں جگہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان عظیم ساتھیوں کی ارواحِ پاک پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کیا، وہ کشمیر کی آزادی کے بیج کی اپنے خون سے آبیاری کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اب میں ایک خصوصی باب لکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرے وہ ساتھی اور رفیق جنہوں نے جموں کشمیر کی آزادی وخود

مختاری کی تحریک میں نہ صرف میرا ساتھ دیا بلکہ میری راہنمائی بھی فرماتے رہے میرے یہ رفیق وہ ہیرے ہیں جن کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی راضا کی خاطر میدانِ عمل میں کود پڑے اور اس راہ میں مالی قربانی کے علاوہ اپنے جگر کے خون سے اس نظریئے کی آبیاری کی ۔میری سیاسی زندگی میں بڑے بڑے کٹھن مراحل آئے، مشکلات آئیں،لیکن اللہ کی راضا شامل حال رہی اوران عظیم المرتبت ہستیوں کا میرے ساتھ ہونا اور قدم قدم پر مشکلات کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ان لوگوں کا کمال تھا۔ یہ لوگ حلال رزق کمانے والے تھے اور اپنی جیب سے اس نظریئے کی آبیاری کے لئے خرچ کرتے رہے اور صلہ کی تمنا صرف اللہ واحد کی ذات سے رکھتے تھے۔

کشمیری عوام صدیوں تک ان خوب صورت لوگوں کا احسان بھلا نہ سکیں گے۔ گو ہر نایاب بھی ایسے تھے کہ کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ یہ میرے تحریکی ساتھی راہنما اور دانشور تھے۔ جو سراپا مجسم حق وصداقت تھے۔ میں اپنے ہم وطنوں کو اُن کی چند جھلکیاں دکھانا چاہتا ہوں ۔تا کہ قوم کو معلوم ہو سکے کن کن راہوں اور مشکلات سے یہ لوگ گذرے تھے۔ ان میں اکثریت اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے مگر آج بھی اُن کی یادیں ہمیں تڑپاتی رہتی ہیں۔ کتنے عظیم المرتبت لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو میں آئندہ اُن کے بارے چند ابواب لکھنا چاہتا ہوں۔ ان احباب کے اسماء گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

1	راجہ محمد اکبر خان مرحوم	14	شیخ عبد الرحمٰن مرحوم
2	حضرت مولانا محمد عبد اللہ سیاکھوی مرحوم	15	جناب ملک عبد المجید صاحب ایڈووکیٹ چیف جسٹس
3	حاجی وہاب الدین مرحوم	16	راجہ فضل الرحمٰن مرحوم ڈڈیال
4	مولوی عبد الغنی ڈنڈے والے	17	ڈاکٹر محمد امین صاحب مرحوم
5	جناب کامریڈ عبد العزیز المعروف گوڈری	18	جناب ماسٹر عطا محمد صاحب مرحوم
6	جناب کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم	19	چوہدری اللہ دتہ قائد اندرہل مرحوم
7	جناب صوفی محمد زمان مرحوم	20	غازی محمد بخش صاحب مرحوم
8	جناب مولانا عبد الغنی مرحوم	21	ڈاکٹر غلام رسول میر مرحوم
9	جناب چوہدر محمد یعقوب ڈھانگری	22	محمد دین بٹ مرحوم
10	جناب عبد الجبار بٹ	23	عبد القیوم قاری ایڈووکیٹ مرحوم
11	محمد بشیر تبسم صاحب	24	جناب سردار شاہ صاحب
12	چوہدری محمد شاہ باز خان مرحوم	25	ملک محمد اصغر ایڈووکیٹ کوٹلی
13	چوہدر محمد صادق ٹھیکدار مرحوم	26	سردار شید حسرت صاحب مرحوم راولاکوٹ

27 یورش کاشمیری مرحوم
28 محمد بشیر بھٹی مرحوم
29 غازی عبدالمجید صاحب مرحوم
30 جناب میر ہدایت اللہ سابق ڈیفنس سیکرٹری
31 جناب پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب
32 جناب جی۔ایم میر (غلام احمد)
33 جناب محمد یوسف زرگر صاحب
34 غلام دین لالہ صاحب مرحوم
35 جناب محمد اکبر پاپاجی مظفرآباد مرحوم
36 ارشاد بچھ صاحب مرحوم
37 ایم اے فاروق ایڈووکیٹ مرحوم
38 شہید کشمیر جناب مقبول احمد بٹ صاحب
39 ثناءاللہ خاموش صاحب مرحوم
40 خواجہ غلام نبی گلگار انور صاحب مرحوم
41 جناب میر عبدالعزیز مرحوم
42 جناب اکرام اللہ جسوال مرحوم
43 نعیم اللہ قریشی ایڈووکیٹ مرحوم
44 جناب ڈاکٹر محمد فاروق حیدر صاحب مرحوم
45 غلام احمد بٹ صاحب
46 غلام احمد لالہ صاحب مرحوم
47 جناب امان اللہ خان صاحب
48 جناب غلام محمد لون صاحب مرحوم
49 سرور محمد اکرم صاحب مرحوم باغ
50 جناب میر عبدالقیوم صاحب مرحوم
51 جناب میر عبدالمنان صاحب مرحوم
52 جناب محمد صدیق بابا صاحب مرحوم
53 غلام محی الدین بانکا صاحب مرحوم
54 شیخ عطا اللہ صاحب مرحوم
55 غلام نبی صاحب لون صاحب مرحوم
56 حاجی عبدالرشید صاحب مرحوم
57 پہلوان صاحب مرحوم
58 جناب ڈاکٹر غلام احمد جراح صاحب مرحوم
59 عبدالعزیز بھدرواہی مرحوم
60 ملک فیض احمد مرحوم
61 جناب ممتاز حیدر سمنانی مرحوم
62 جناب وحید بخاری ایڈووکیٹ
63 جناب نسیم لون صاحب مرحوم
64 محمد سعید شاہ نازکی صاحب مرحوم
65 شیخ شمیم احمد صاحب مرحوم
66 جناب عارف کمال بٹ صاحب مرحوم
67 جناب مرزا محمد فقیر راجوری مرحوم
68 جناب محمد زمان عباسی مظفرآباد مرحوم

کنٹرل لائن کے دوسری طرف

1 جناب بلراج پوری صاحب، صحافی ودانشور
2 جناب وید بھسین صاحب ''کشمیر ٹائمز''

3	جناب کرشن دیو سیٹھی، دانشور، سیاسی راہنما	4	سردار بدھ سنگھ
5	ماسٹر روشن لال ایڈیٹر ''سچ''	6	جناب ملک محمد یاسین چیئرمین JKLF

نوٹ جناب محترم محمد عبدالخالق انصاری کی وفات کے بعد ہم نے ان کی تمام فائل کو دیکھا اور ہمیں کہیں ان اکابرین کے بارے میں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر نہ ملی, غالباً اس تحریر کے بعد پھر ان پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے وہ وفات تک کچھ نہ لکھ سکے تھے۔

محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ

1975ء...... برطانیہ کا دورہ

1969ء سے لے کر 1973ء تک کا عرصہ ہمارا اور ہمارے ساتھیوں کا جیلوں حوالاتوں اور مقدموں کی پیروی میں گزرا۔ 1974ء میں محاذ رائے شماری کا کنونشن ہوا اور اس میں مجھے جبراً صدر بنا دیا گیا۔ پارٹی مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ آزمائشوں کی گھڑیوں میں تنظیمی کام نہ ہو سکا تھا۔ اور اس دھڑے بندی کو ختم کرنے کے لئے سب گروپوں کا اتفاق تھا کہ مجھے صدارت قبول کر لینی چاہیے۔ اس کنونشن میں ڈاکٹر محمد فاروق عبداللہ بھی شریک ہوئے۔

آزاد کشمیر بھر میں ہم نے جلوس نکالے اور استقبال ہر جگہ کیا گیا۔ اور محاذ رائے شماری کا یہ تاریخی کنونشن اختتام پذیر ہوا۔ میری بینائی کال کوٹھڑیوں کے اندر بند رہنے سے بری طرح متاثر ہوئی تھی دنیا کے مشہور ترین امراضِ چشم کے ماہر راجہ ممتاز خان صاحب میرے معالج تھے۔ وہ بھی تشخیص نہ کر سکے کراچی کے ڈاکٹروں نے کچھ ادویات دی تھیں مگر ان کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ظفر چوہدری میرے ساتھی اور میرے دوست عبدالرحیم چوہدری کے اکلوتے بیٹے ہیں، انہوں نے تشخیص کی اور مجھے کہا کہ میں ڈاکٹر ممتاز صاحب کے پاس جا کر بتاؤں کہ ڈاکٹر ظفر چوہدری کا یہ خیال ہے کہ گلوقومہ (کالا موتیہ) کا کیس ہے۔

ڈاکٹر ظفر چوہدری اگر ڈاکٹر نہ بنتے تو وہ جیلوں کی سیر کرتے۔ باپ کی طرح انقلابی ذہن کے مالک ہیں، اور فرقہ پرستی اور برادری ازم کی لعنت سے پاک ہیں۔ وہ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان مرحوم اور ہمارے بھائیوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ شخص جو ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار ہو وہ راجہ، جٹ کی تقسیم کو کیسے قبول کر سکتا ہے؟۔

میں نے ڈاکٹر ممتاز خان صاحب سے کہا آپ کے ایک شاگرد ڈاکٹر ظفر چوہدری نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ بیماری کی تشخیص کی جائے میرا گلوقومہ کا کیس ہے۔ آپ نے علاج تو شروع کر دیا لیکن اسے عام بیماری سمجھ کر کیا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز نے ڈاکٹروں کی ٹیم کو بلایا اور طلبہ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ تو انہوں نے ڈاکٹر ظفر چوہدری کی تشخیص کو درست قرار دیتے ہوئے گلوقومہ کا علاج شروع کر دیا۔

ایک تو میں اس علاج کے لئے انگلینڈ جانا چاہتا تھا۔ دوسرے بھائی بندوں، عزیزوں رشتہ داروں اور ہم وطنوں سے ملنا چاہتا تھا۔ اور تیسرے محاذ کے مرکزی رہنماؤں کا تقاضا تھا کہ گنگا اغوا کیس نے ہمیں یہ سبق بھی دیا ہے کہ ہمارا بیرون ملک دفتر ہوتا اور جماعت کا مضبوط بنیادوں پر قائم ہونا ضروری ہے۔ اگر بیرون ملک محاذ کا دفتر کام کر رہا ہوتا اور جماعت مضبوط بنیادوں پر منظّم ہوتی تو آگ وخون کی ندیوں سے نہ گزرتے اور ہماری تنظیم کو دنیا میں بھی پذیرائی حاصل ہوتی۔ سب کی خواہش تھی کہ محاذ رائے شماری کا دفتر انگلینڈ میں قائم کیا جائے۔ دو تین رہنما فل ٹائم کے لئے وہاں رکھے جائیں ان کی رہائش اور کفالت کا بندوبست بھی انگلینڈ میں رہنے والے ساتھی کریں۔ اس طرح ہمارا تعلق سرینگر کی قیادت سے ہو جائے گا۔

شیر کشمیر اور فخر کشمیر کے تعلقات اور نام و پیام ضروری ہے اس طرح دونوں طرف کی جماعتیں ایک دوسرے سے مل کر آزادی کی جنگ لڑ سکتی ہیں۔ معاہدہ شملہ ہو چکا تھا۔ اندرا گاندھی اور شیر کشمیر کے مابین دہلی ایکارڈ ہو چکا تھا۔ اس کی نوعیت کیا تھی اس کا ہماری آزادی کی تحریک پر کیا اثر ہو سکتا تھا یہ جاننے کے لئے میرا انگلینڈ جانا ضروری تھا۔ ہماری مرکزی قیادت نے فیصلہ کیا تھا کہ مسٹر امان اللہ خان اور مسٹر جی ایم میر کو انگلینڈ چھوڑا جائے اور کام شروع کیا جائے۔

ہمارے برمنگھم کے عزیز رشتہ دار اور دوست ساتھی بار بار لکھ رہے تھے کہ برمنگھم میں دفتر کا قیام اور دو رہنماؤں کی رہائش اور کفالت کا انتظام برمنگھم کے ساتھی کریں گے۔ اس لئے وہ بھی چاہتے تھے کہ ہم ایسے ایثار پیشہ نوجوان انقلابی رہنماؤں کو برمنگھم کے لئے تیار کریں انہوں نے مسٹر جی ایم میر، مسٹر امان اللہ خان اور محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کے واپسی کے ٹکٹ ارسال کئے۔ مسٹر جی ایم میر کو ویزا نہ مل سکا۔ انہوں نے ٹکٹ واپس بھیج دیا مسٹر امان اللہ خان وہاں پہنچے اور ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی ایک مکان خرید کر لیا گیا اور اس کا نچلا حصہ دفتر کے لئے اور بالائی حصہ رہائش کے لئے مختص کیا گیا۔ مسٹر امان اللہ خان فیملی کے ہمراہ اس بالائی حصہ میں رہائش پذیر رہے۔

یونائیٹڈ کشمیر پبلیکیشن یو کے کے حصہ داران کی فہرست جن کے ممبروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں............

محمد سلیم انصاری، محمد آفتاب انصاری، محمد صابر انصاری، چوہدری عبدالغفور، محمد معصوم انصاری، محمد صدیق انصاری، محمد بشیر انصاری، احسان الحق انصاری محمد یوسف انصاری، محمد نذیر، محمد یونس برادر محمد بشیر مرزا، محمد صدیق مرزا، محمد ایوب برادر محمد بشیر مرزا، محمد بشیر مرزا، صوفی محمد دین، محمد اسلم مرزا، محمود الحسن انصاری، محمد رفیق انصاری، ظہور انصاری، محمد یونس انصاری، عبدالمالک انصاری، عبدالعزیز بھٹی، محمد فاروق انصاری، محمد صادق انصاری، محمود احمد نظامی، خادم حسین، محمد صغیر بٹ، حاجی محمد گلزار بھٹی، صوفی عنایت حسین بھٹی، محمد اسلم جنجوعہ، محمد نواز، محمد نذیر بھٹی، محمد بشیر بھٹی، سلطان علی، محمد بشیر بھٹی، محمد صدیق بھٹی، محمد اسحاق بھٹی، جان داد بھٹی، عبدالمالک معرفت محمد بشیر مرزا۔ محمد اعظم بھٹی، محمد پنوں انصاری، محمد

یٰسین انصاری، محمد گل شیر بھٹی، محمد بشیر بھٹی، محمد نذیر انصاری۔

ہم نے وہاں ایک کمپنی ''یونائیٹڈ کشمیر پبلیکیشن'' کے نام سے بنائی تھی۔اس کی اصل غرض محاذ رائے شماری کے لئے اوورسیز دفتر کا قیام تھا اور مسٹر امان اللہ خان کو مستقل سکونت کے حقوق لینے کی تجویز زیر غور تھی جو نام اوپر لکھے ہیں ممکن ہے اس میں کسی ساتھی کا نام رہ گیا ہو لیکن حاجی مرزا محمد بشیر کے پاس ریکارڈ محفوظ ہے۔وہاں سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ جو بلڈنگ ہم نے خرید کر دی تھی مسٹر امان اللہ خان کے برمنگھم چھوڑ جانے کے بعد اسے بیچ دیا گیا اور اس میں منافع حاصل ہوا تھا۔ہم نے اصل زر بمعہ منافع حصہ داروں میں تقسیم کر دیا تھا۔اور رقم کی واپسی سے بھی سب کو اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کی اصل رقم ضائع نہیں ہوئی۔تمام حصہ داران اپنا اپنا حصہ واپس نہیں لینا چاہتے تھے۔نہ ہی ان کی غرض تجارت کرنا تھی وہ تو حب الوطنی کے جذبہ سے اکٹھے ہوئے تھے اور اسے محاذ کے فنڈز میں جمع رکھنے کے لئے بضد تھے۔لیکن چند ایک کے سوا ہم نے سب کو منافع سمیت رقم واپس کر دی۔اور اس طرح ان سب میں اتحاد رہا۔اور کام ہوتا رہا۔

دفتر کے انچارج مسٹر امان اللہ خان لیوٹن چلے گئے۔محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ گھریلو وجوہات کی بنا پر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ واپس آ گئے تھے۔میں خود بھی وہاں مستقل ٹھہرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔میں اپنے پروگرام کے مطابق واپس آنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس دوران ایک ایسا واقعہ یہ ہوا کہ مجھے مزید وہاں ٹھہرنا پڑا۔

یونائیٹڈ کشمیر پبلیکیشن کے اراکین کی ستائش نہ کرنا کم ظرفی ہوگی ان لوگوں نے جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر محاذ رائے شماری کے دفتر کے قیام کے لئے نہ صرف فنڈز مہیا کئے بلکہ اپنی ساری توانائیاں ملک کی آزادی کیلئے خرچ کر دیں۔آنے والا مورخ ان کے اس کارنامے کو سنہری حروف سے لکھے گا۔

برمنگھم پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے محاذ رائے شماری کی تنظیم کو مضبوط کرنے کے لئے دن رات محنت کی بلکہ وہاں موجود دوستوں نے ہمارا ہاتھ بٹایا۔ برطانیہ کے مختلف شہروں میں محاذ رائے شماری کی برانچیں قائم ہو گئیں اور پھر کچھ عرصہ اپنے علاج کی طرف توجہ دی۔

حج کی سعادت

ان دِنوں حج کا موسم تھا۔ساتھی تیار تھے۔تو میں نے بھی حاجی آفتاب انصاری، محمد بشیر مرزا اور طارق محمود انصاری سے بات کی، حج کے لئے جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔سال 1975ء ختم ہونے والا تھا۔ہمارا گروپ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔جس میں مشہور عوامی رہنما اور مزدور لیڈر چاچا سلطان محمود کے بھائی چوہدری جان محمد اور ایک سرساوا کے آدمی تھے۔ہمارے گروپ کے ساتھ مولانا محمد صادق انبوی بھی شریک تھے۔ہم سب نے اکٹھے حج کا فریضہ ادا کیا اس سفر مقدس

پر ایک کتاب لکھی جانی چاہیے تھی جو سیاسی مصروفیات اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کی وجہ سے نہ لکھی جا سکی واپسی پر ایک اہم مقصد پورا ہو گیا تھا۔ مرکزی قیادت نے جو فرض سونپا تھا اُسے بھی ادا کر دیا۔ ہم ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی وضاحتوں کو ناکافی سمجھا۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ دہلی ایکارڈ کے سلسلے میں شیرِ کشمیر یا فخرِ کشمیر سے بات کی جائے۔

مرزا محمد افضل بیگ کا دورۂ برطانیہ

مرکزی قیادت نے جو فرض سونپا تھا اسے بھی ادا کر دیا گیا۔ ہم نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی وضاحتوں کو ناکافی سمجھا اس لئے ہم چاہتے تھے کہ دہلی ایکارڈ کے سلسلہ میں شیر کشمیر یا فخر کشمیر سے بات چیت کی جائے شیر کشمیر نے مجھے کشمیر آنے کی دعوت دی لیکن میں وہاں سیاسی وجوہات کی بنا پر نہ جا سکا انہوں نے فخر کشمیر کو ہمارے ملنے کے لئے برطانیہ میں کامن ویلتھ پارلیمنٹری وفود کے اجلاس میں شریک ہونے کے بہانے مرزا محمد افضل بیگ کو بھارتی پارلیمانی وفد کے ایک ممبر کی حیثیت سے برطانیہ بھیج دیا۔ وہ بیماری کی حالت میں پہنچے تھے۔ انہوں نے پارتھا سارتھی کے ساتھ معاہدہ دہلی کو زیر قلم بند کیا تھا۔ یہ دونوں رہنما اپنی اپنی حکومتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے بحث و مباحثہ کے بعد جن شرائط پر متفق ہوئے تھے وہ لکھیں مجھے خوشی ہے کہ تاریخ کے دو اہم معاہدے جو شملہ معاہدہ اور دہلی ایکارڈ کی صورت میں ضبط تحریر میں لائے گئے ان کے اصل فریق سے بات چیت، بحث و مباحثہ اور جزویات تک مجھے علم ہوا تھا۔ 1976ء میں برطانیہ محاذ رائے شماری تنظیم کام کر رہی تھی۔ ہمیں پتہ چلا کہ فخر کشمیر مرزا افضل بیگ ایک پارلیمانی وفد کے ساتھ کامن ویلتھ پارلیمانی کانفرنس میں شمولیت کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ فخر کشمیر کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اپنے والد شیر کشمیر کے ذریعے تیار کیا تھا۔

میں یہاں اپنے دو ساتھیوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہ دونوں ساتھی کشمیر کی خودمختاری کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ لیکن الحاق کی صورت میں محمد بشیر تبسم گلاسکو اور بابو عبدالرحیم گلاسکو کے مابین سخت اختلاف تھا۔ بابو عبدالرحیم پاکستان سے الحاق کی نسبت ہندوستان سے الحاق کو بہتر سمجھتے تھے۔ جبکہ محمد بشیر تبسم پاکستان سے الحاق کو خودمختاری کے بعد قابل قبول حل قرار دیتے تھے۔ محمد بشیر تبسم آف گلاسکو سال ہا سال سے محاذ رائے شماری کا ستون شمار ہوتے رہے ہیں۔ ان کی قربانیاں فراموش نہیں کی جا سکتی ہیں۔ اور ان کے چھوٹے بھائی محمد نذیر تبسم پروفیسر بھی ہماری تنظیم کا بہت بڑا اثاثہ رہے ہیں۔ وہ پڑھے لکھے طبقے میں دانشور سمجھے جاتے ہیں اور ان کے لکھے ہوئے آرٹیکل اعلیٰ پائے کے ہوتے ہیں۔ اس خاندان میں ہمارا ایک عظیم سیاسی کارکن ارشد انصاری مرحوم تھا۔ وہ دن رات محاذ رائے شماری کی مضبوطی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔ اور بے مثال سیاسی کارکن تھا۔ مرحوم جوانی میں ہی اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کے بھائی عبدالقیوم تبسم انصاری بھی اسی راہ کے مسافر رہے ہیں اور طلبہ تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔

فخر کشمیر مرزا افضل بیگ نے بھارتی ہائی کمشنر سے رابطہ پیدا کر کے ہمارے ساتھ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور ہمارا پتہ دریافت کیا۔ انہوں نے بابو عبدالرحیم کو اطلاع دی وہ فوراً ملنے لندن ایک ہوٹل میں چلے گئے۔ اور ان سے رابطہ کر کے مجھے اس وقت تک پتہ نہیں لگنے دیا کہ فخر کشمیر کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں جب تک مجھے اس ہوٹل میں نہ لے گئے۔ جہاں ہماری پہلی ملاقات فخر کشمیر سے ہوئی ہم نے استقبالیہ کا انتظام کیا اور ان سے وقت لے کر واپس چلے آئے۔ اور انتظام میں مصروف ہوگئے۔ مرزا محمد صدیق صاحب کے مکان پر مرزا افضل بیگ کو ٹھہرایا گیا۔ مرزا محمد صدیق ان دنوں کشمیر میرپور آئے ہوئے تھے۔

فخر کشمیر کو جلدی واپس جانا تھا اس لئے ہم مرزا محمد صدیق کو نہ بلا سکے اس کا ہمیں آج بھی بڑا دکھ ہے۔ فخر کشمیر اور مرزا محمد صدیق کے آپس میں روابط تھے۔ وہ کھلے دل ان سے باتیں کر سکتے تھے۔ ہمارا ان کے ساتھ اخباری ذرائع سے ہی رابطہ تھا۔ اس لئے بہت سی باتیں ہم فخر کشمیر سے نہ کر سکتے تھے۔ کوئی کشمیری زبان بولنے والا بھی ہمارے پاس نہ تھا۔ اس لئے بڑے اہم سوالوں کا جواب نہ دے سکے تھے۔ وہ مجھے سرینگر کے لئے تیار کر رہے تھے۔

شیر کشمیر کا پیغام پہنچایا میں سرینگر میں ملاقات کے لئے آؤں۔ لیکن میں اپنے ملکی صورت حال کے پیش نظر سرحد کے اس پار جانا نہیں چاہتا تھا۔ کہ میرے ساتھ یہ الزام پختہ ہو جائے کہ ہم بھارت کی ایما پر خودمختار کشمیر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ فخر کشمیر نے مجھے بتایا کہ ہماری صفوں میں کچھ بھارتی ایجنٹ بھی شامل ہیں جن سے ہم کو بچنا ہوگا۔

میں نے اپنے دو ساتھیوں کا ذکر کیا یہ دونوں نہ پاکستان کے ایجنٹ ہیں اور نہ ہی بھارت کے ایجنٹ ہیں یہ نظریاتی لوگ ہیں اور اپنے نظریات کے لئے ٹھوس دلائل رکھتے ہیں ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ دونوں ساتھی محاذ رائے شماری کے آخری کنونشن میں سرینگر سے ہو کر آئے تھے۔ ہزاروں انسانوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ چھ رہنماؤں پر مشتمل وفد تھا۔ جو کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے برطانوی پاسپورٹ کی وجہ سے سرینگر پہنچا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ اس وقت برطانیہ کی محاذ رائے شماری میں شامل ہو کر آزاد کشمیر کا دورہ کر چکے تھے اس وفد میں لالہ عبدالرحمٰن مرزا محمد صدیق اور محمد عارف انصاری، ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور محمد بشیر تبسم بھی شامل تھے۔ وہاں کچھ دِن ٹھہرے اور واپس آزاد کشمیر آئے جہاں سے انگلینڈ واپس چلے گئے یہ سب لوگ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور فخر کشمیر کے جانثاروں میں سے تھے۔

دہلی ایکارڈ کی وجہ سے ان سب کو تکلیف ہوئی تھی وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ فخر کشمیر کا استقبال کیا جائے۔ لالہ عبدالرحمٰن ہمارے بہت جذباتی اور شعلہ بیاں مقرر تھے اور ساری زندگی نظریہ خودمختاری میں لگا دی انہوں نے بھی سرینگر جانے کے بعد یہاں آ کر بتلایا کہ کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوا جس سے تحریک آزادی کو نقصان پہنچ سکے لیکن جب معاہدہ کا متن

سامنے آیا تو ان سب ساتھیوں کو آگ لگ گئی۔ وہ فخرِ کشمیر سے ملنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے ایک وقت میں ان کے ایک اشارہ پر کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔

میرے لئے بڑی مشکل پیدا ہوگئی تھی کیونکہ پریس کانفرنس میں بھارتی صحافیوں اور بین الاقوامی میڈیا کو انہوں نے اس سوال پر کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے حتمی ہے اور اس میں کبھی نظر ثانی کی ضرورت نہیں آئی۔ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ الحاق کا فیصلہ ناقابل تنسیخ ہے۔ اب ہمارے ساتھیوں کا اعتراض درست تھا کہ ایسے رہنما سے کیوں ملا جائے جبکہ وہ مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لئے ختم کر چکے ہیں۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں کو بتلایا بہت اچھا موقع ہے کہ وہ ان سے ہر قسم کے سوالات کر سکتے ہیں اور اپنے مستقبل کا لائحہ عمل اختیار کر سکتے ہیں میں نے بڑی مشکل سے انہیں قائل کیا کہ گرینڈ ہوٹل برمنگھم میں استقبال کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

دوسرے دن لندن سے صبح برمنگھم آتے ہوئے ہم نے فخرِ کشمیر سے علیحدہ ملنے کی ترکیب سوچ لی تھی۔ عبدالجبار بٹ صاحب بابو عبدالرحیم دوسرے دو چار ساتھیوں کو الگ الگ کاروں میں بٹھایا گیا۔ اور فخرِ کشمیر کے ساتھ میں بیٹھ گیا۔ مرزا افضل بیگ صاحب بہت خوش تھے کہ انہیں علیحدگی میں بات چیف کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ گاڑیوں والے برمنگھم کی طرف نکلے اور میں مرزا صاحب کو سفاری پارک لندن دکھانے کے بہانے لے گیا۔

مرزا صاحب کہنے لگے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ عمر رسیدہ ہیں اور بیمار بھی تھے میں نے انہیں کہا کہ یہ سفاری پارک دیکھنے کے قابل ہے۔ سفاری پارک دیکھنے کے بعد ہم برمنگھم چلے گئے۔ اور تنہائی میں باتیں کر لی تھیں۔ ان کا مختصر وقت کے لئے برمنگھم میں مرزا محمد صدیق کے ہاں مکان میں تھکن دور کرنے کے لئے انتظام کیا گیا تھا۔ مرزا صاحب اندر گئے تو مسز خدیجہ مرزا نے ان کا استقبال کیا۔ اور بہت سے نئے اور پرانے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ تو مرزا صاحب نے مسز خدیجہ مرزا سے پوچھا کہ میر پور اچھی جگہ ہے یا برمنگھم لندن اچھی جگہ ہے؟۔

تو اس نے فوراً جواب دیا کہ اگر ہمارا ملک آزاد ہوجائے تو ساری دنیا میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ بارش ہورہی ہوتو ہوا کے ساتھ مٹی کی خوشبو ہوتی ہے۔ وہ تو اس ملک میں موجود نہیں ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کی قبریں ہیں۔ ان کی کشش ہمیں اپنے وطن بلاتی رہتی ہے۔ آپ ہماری آزادی کے ہیرو ہیں ہم آپ کے اشارہ پر اس کے حصول کے لئے کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ مرزا محمد افضل بیگ کے آنسو رواں ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ میں حق خود ارادیت کے موقف سے کبھی نہیں ہٹوں گا وہاں دوست باتیں کرتے رہے وقت پر ہم لوگ گرینڈ ہوٹل پہنچ گئے جہاں ان کا پرتپاک استقبال ہوا۔ وہاں بیٹھتے ہی لالہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ پہلے مجھے اس سوال کا جواب دیں کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے ناقابل تنسیخ ہے تو میں نے انہیں کہا کہ بہتر ہوتا کہ آپ تقریر کے دوران ایسے سوالات کرتے وہ سخت غصے میں تھے۔

بھارتی پریس نے اسے جلی حروف سے شائع کیا مرزا افضل بیگ کھڑے ہو گئے انہوں نے جواب دیا کہ اخبار کا بیان کوئی قرآن پاک کی آیت نہیں ہے کہ اسے منسوخ نہ کیا جا سکے۔ اس کے بعد استقبالیہ کمیٹی نے کارروائی شروع کی اور اس کی مختصر سی روئیداد یہ ہے۔..........

مرزا محمد افضل بیگ نے بہت سے سوالوں کے جواب نپے تلے دیئے انہوں نے بڑا خوبصورت سوال کیا کہ آپ لوگوں نے دہلی ایکارڈ پڑھا ہے وہ نامکمل ہے آپ کو جاننا چاہیے کہ ہر معاہدے کے ساتھ کچھ زبانی لین دین ہوتا ہے میں نے اس حقِ خود ارادیت کی تحریک شروع کی تھی جب زندگی کا سورج نصف النہار پر تھا۔ اب جبکہ زندگی کا سورج ڈھل رہا ہے تو میں اپنے ملک اور قوم سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ اگر ہمیں حکومت کی ضرورت ہوتی تو ہمیں گیارہ سال جیل میں رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر اب بھی حکومت ہی میں شامل ہونا تھا تو شملہ معاہدے کے بعد فوری بعد حکومت میں شامل ہو جاتے۔

دو سال کا طویل عرصہ باہر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی سیاسی قیادت اور فوجی قیادت نے ہمیں ہری جھنڈی دکھلا کر بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ اب پاکستان کے لئے اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہے۔ وہ کشمیر کے لئے کچھ نہیں کر سکتے انہوں نے براہِ راست اور دیگر ذرائع سے پیغام پہنچایا کہ ہم اپنی زندگی میں کشمیریوں کے لئے جو حقوق مل سکتے وہ بھارت سے لے لیں اگر ایسا نہ ہوا تو ان کی زندگی کے بعد تو بھارت میں کوئی ایسا لیڈر نہیں جو آنے والے لوگوں کی مدد کر سکے ہم نے جان بوجھ کر معاہدے کو لمبا کیا کہ شاید اس عرصہ میں پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ اور وہ آنے والے وقت میں کشمیریوں کی ہر طرح کی مدد کر سکے۔ لیکن ہمیں یہ ہی نظر آیا کہ بھٹو صاحب کا بھی خیال درست درست ہے کہ ٹوٹے پھوٹے پاکستان کو اب جوڑ کر رکھنا بڑا محنت طلب ہے۔

ہماری پوزیشن اب یہ رہ گئی ہے کہ دوسری تیسری نسل ہمیں پہنچانتی ہی نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ درویش جیلیں کاٹنے کے لئے ہیں۔ ہماری حمایت کوئی نہیں کرتا۔ ہماری جماعت نہیں ہے ہم نے بھارت کو مجبور کر دیا تھا کہ کشمیر کی 1953ء والی پوزیشن میں لے آئے بھارت کی کوشش تھی کہ ریاست جموں کشمیر کو صوبہ کا درجہ دیا جائے۔ اور اس ریاست کے بڑے عہدے گورنر اور وزیر اعلیٰ رہ جائیں اور کانگریس کو ریاست کی قومی جماعت تسلیم کیا جائے۔

اور ریاست میں کانگریس کو مضبوط بنایا جائے۔ ہم نے یہ کوشش کی اس کی الگ حیثیت کو باقی رکھا جائے اور ریاست کا بڑا عہدے دار حکومت کا سربراہ صدر حکومت کہلائے اور وزیر اعلیٰ کی بجائے وزیر اعظم دوسرا عہدہ برقرار رکھا جائے۔ ہم نے نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے تقسیم سے قبل آزادی کی جنگ لڑتے آئے تھے۔ وہی جماعت ریاست کی مضبوط ترین جماعت ہو ریاست کا اپنا جھنڈا اپنا آئین اور اپنی ہر قسم کی پالیسی ہوتا کہ ہم دنیا بھر میں بتا سکیں کہ ہم نے پر

امن جدو جہد کر کے ملک کو آزاد کرا لیا ہے۔

دفاع کے معاملے میں ہماری تجویز یہی تھی کہ ریاست ایک غیر جانبدارانہ رہ کر اپنی ترقی کی منازل طے کر سکے۔ ہمسایہ ممالک کے ریاست کے تعلقات مساویانہ ہوں اگر عہد نامہ یا معاہدہ مکمل ہوتا تو یہ شق درج کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ ریاست کے دو بڑے عہدے صدر اور وزیر اعظم کے ناموں پر دو بڑے لیڈروں شیر کشمیر اور اندرا گاندھی کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا۔ مسز اندرا گاندھی نے زبانی طور پر وعدہ کیا تھا کہ آہستہ آہستہ ہماری مشکوک زندگیاں ختم ہو کر اعتماد بحال کر سکیں گے اور پورے ہندوستان کو یقین ہو جائے گا کہ دو ملکوں کے مابین بھائی چارہ قائم ہو گیا ہے۔ تو پھر ان عہدوں کے نام بدلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ شک دور ہو جائے گا۔

بدگمانیاں ختم ہو جائیں گی اور پھر اس معاہدہ کو دو دھڑوں کا معاہدہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن دو ملکوں دو قوموں کا معاہدہ نہیں کہا جا سکتا فخر کشمیر نے کہا کہ ہم نے شروع میں جو رابطہ قائم ہوا تھا جس میں مہاراجہ نے کشمیر کا مستقبل عارضی طور پر بھارت کے ساتھ ملحق کیا تھا۔ اسی راستہ پر چلتے چلتے جب ہم نے دیکھا کہ بھارت کے آئین کے آرٹیکل 370 میں کشمیر کی حیثیت خصوصی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ تابع منظوری عوام الناس ہے۔ کشمیری عوام براہِ راست اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے کوئی شخص کوئی فرد کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو افراد کا کوئی مجموعہ کوئی اسمبلی فیصلہ کرنے کی مجاز نہ ہے۔ یہ پیش کر کے ریفرنڈم کے ذریعے منظوری حاصل کی جائے گی ابھی جنگ جاری ہے۔ عوام کو رائے شماری میں حصہ لینا ہوگا غیر ملکی فوجوں کو نکال کر ریاست کو متحد کر کے اس ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا یہی ہمارا مؤقف ہے اور آج بھی یہی ہے۔

ہم نے طلباء کے اور شہروں کے مختلف وفود ترتیب دیئے تھے ان کے پاس ایک ایک سوال تھا اس کا جواب ان کے بقول تشفی بخش دیا گیا تھا۔ شہید مقبول احمد بٹ کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ انہیں ملک کی سول عدالتوں نے سزائے موت دی ہے ان کو چھڑانا مشکل ضرور ہے لیکن وہ اپنی بھرپور کوشش کریں گے کہ انہیں سزائے موت سے بچا لیا جائے وہ بڑے پر امید تھے کہ ان کی زندگی میں انہیں سزائے موت نہیں دی جا سکے گی۔ ان دنوں شیر کشمیر کے دو خطوط کا حوالہ دیا جاتا رہا۔ جو سب سے پہلے کانفرنس ہوئی تھی اس میں پریس نمائندوں کو صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اگر مقبول احمد بٹ شہید کو پھانسی سے بچا لیا جائے تو ان کے وارثوں کو کیسے راضی کیا جا سکتا ہے؟۔ دوسری پریس کانفرنس جو کئی سال بعد ہوئی تھی اس میں دہلی کے ایک نمائندے کو یہ جواب دیا تھا کہ جب اس نے یہ یاد دلایا تھا کہ شیر کشمیر نے پہلے کہا تھا کہ سزائے موت نہیں بدلی جا سکتی۔

اور آپ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بھارت کے صدر کو سفارش کی ہے کہ وہ سزائے موت کے فیصلہ پر نظر ثانی

کرتے ہوئے اسے وطن اور قوم کے لئے سزائے عمر میں بدل دیا جائے۔اس پر شیر کشمیر نے کہا تھا کہ انہوں نے حقیقی ورثا کو منوالیا ہے۔وہ سزائے موت کو تبدیل کئے جانے پر رضا مند ہیں۔

دونوں رہنما اس دنیا سے چلے گئے۔اور مقبول بٹ کو پھانسی سے نہ بچایا جاسکا ایک سوال اور تھا کہ وہ گوریلہ جنگ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ طویل عرصہ جیل میں رہتے ہوئے یہ مسئلہ کئی بار زیر بحث آیا لیکن ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کشمیر کی جنگ پر امن مذاکرات، جلسوں جلوسوں یادداشتوں کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔وہ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ گوریلہ جنگ کرنے کا غلام قوم کو حق حاصل ہے۔جس فوج نے اسلحہ کے زور پر کشمیر کو غلام بنا رکھا ہو وہ اسلحہ ہی کے ذریعے نکالی جاسکتی ہے۔پھر مسکرا کر کہا کہ میں اب چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔میرے بھانجے نے سہارا دیکر دوسری منزل پر لاکر مجھے بٹھایا ہے میں اسلحہ لے کر میدان جنگ میں جنگ کرسکتا ہوں جو خود نہیں کرسکتا دوسروں کو کہنے کو تیار نہیں ہوں لوگ اسلحہ کے ذریعہ بھارتی فوجوں کو نکالنا چاہتے ہیں ان کی ساری امیدیں پاکستان سے وابستہ ہیں پاکستان نے ہاتھ اٹھالیا تو کوئی دوسرا ملک مدد کو نہیں آئے گا۔اور جوان نسل جو سیاسی طور پر پختہ ذہن رکھتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے ختم کردی جائے گی البتہ ہم کسی تحریک آزادی کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوئے اور نہ ہوں گے ہمارا مشورہ قوم کے لئے یہی ہے کہ بھارت نے ایک سپر پاور سے پُرامن ذرائع سے آزادی حاصل کرلی ہے تو ہم کیوں ایسا نہیں کرسکتے؟۔

ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ چین کو آزاد کشمیر میں دعوت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کروڑ چینی کشمیر میں داخل کرسکتا ہے جس گھر میں سولہ کشمیری ہیں اس میں چالیس چینی ہوں گے۔چین کو نکالنا بھارت سے بھی مشکل ہوگا۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ گنگا اغوا کرنے والے لوگ کون تھے ہم انہیں نہیں جانتے تھے۔ہم نے اپنے بیانات میں ہر دو ملکوں حکومتوں کو توجہ دلائی تھی لیکن ہر دو حکومتوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے اس کی غلط تشریح کی تھی۔اس لئے شیر کشمیر کو دوبارہ خط لکھنا پڑا تھا وہ ہمارے بچوں کو ہمارے بیان منسوب کرکے انہیں سزا دینا چاہتے تھے۔اس لئے ہم نے مطالبہ کررکھا ہے کہ سیز فائر لائن کو ختم کیا جائے۔اور کشمیریوں کو آپس میں ملنے کا مواقع دیئے جائیں ہماری بات چیت ہمارے کشمیر سے متعلق آخری فیصلہ کے لئے گفتگو جاری ہے۔

اصل دہلی ایکارڈ کو سمجھنے کے لئے شملہ معاہدہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ریاست جموں وکشمیر کا مقدمہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا تھا اور اس میں تین فریق تسلیم کئے گئے۔تاشقند معاہدہ کے بعد یہ مسئلہ بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک علاقائی مسئلہ رہ گیا تھا۔ یہ کشمیریوں کے حق خودارادیت کا مسئلہ تھا لیکن اسے سرحدوں کے گھٹانے یا بڑھانے کا مسئلہ

بنا دیا گیا۔ یہ بین الاقوامی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے وہ ہمسایہ ملکوں کا متنازعہ ہے اوراس کے بعد معاہدہ شملہ نے اس مسئلہ کو یک طرفہ قرار دے دیا۔

بطروس غالی کے بیان کے مطابق یہ مسئلہ سیکورٹی کونسل کے ایجنڈے میں بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اس معاہدے کے تحت پاکستان کو جارح ملک قرار دیا گیا۔ کنٹرول لائن سے یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کو کشمیر کے ایک حصہ پر قبضہ جمائے رکھنے کا جواز مل گیا ہے۔لیکن ایک غیر جانبدار مبصر کو اس پر تبصرہ کرنے کے لئے یہ جوازیت مل گئی کہ سرحد کے ایک طرف ہندوستان ایک قانونی ملک ہے اوراس کا قبضہ درست ہے لیکن پاکستان کو جارحیت سے بچنے کے لئے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ پاکستان کے ساتھ کوئی الحاق کا معاہدہ نہیں ہوا۔

بھارت کے ساتھ مہاراجہ کشمیر کا الحاق موجود ہے اس الحاق کی جتنی بھی تعبیریں کی جائیں یہ مسلمہ طور پر مان لی گئی ہے کہ اس پر قبضہ آئینی اور قانونی طور پر بھارت کا ہے یہی وجہ تھی کہ بھارت کے وزیر اعظم نے جنگ کے موقع پر ساری دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان نے پراکسی وار شروع کر رکھی ہے۔ اوراب اپنی فوجوں کو حرکت میں لے آیا ہے اب بھارت اپنی پسند کے محاذ سے پاکستان سے جنگ شروع کرے گا۔

کشمیر پر حملہ بھارت پر حملہ اور کوئی ملک اس طرح اپنی سرحدوں کو غیر محفوظ نہیں رہنے دیتا۔ چنانچہ اس بنیاد پر ہندوستان نے لاہور پر حملہ کیا جسے پاکستان انٹرنیشنل قوانین کی خلاف ورزی قرار دیتا ہے۔ دنیا کے کسی ملک نے بھی پاکستان کے حق میں بیان نہیں دیا اس طرح جب جنگ بندی کرائی گئی تو معاہدے کے لئے فورم بھی تبدیل کر دیا گیا۔ اور یہ معاہدہ پاکستان اور بھارت کے مابین تاشقند میں ہوا۔

جبکہ انٹرنیشنل قوانین کی خلاف ورزی کا نوٹس لیا گیا ہوتا تو اس کا فیصلہ اقوامِ متحدہ کے فورم پر ہوتا۔ معاہدہ تاشقند کے بعد سہ فریقی کی بجائے دو فریقی ملکوں کے مابین ہوا۔ دہلی ایکارڈ کو سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ معاہدہ شملہ کو پڑ لیا جائے جس سے صورتِ حال اور بھی واضح ہوجاتی ہے اب یہ مسئلہ ایک فریقی رہ گیا ہے۔ اس کا بھارت اور پاکستان کے مابین بھی کوئی تعلق نہیں رہا یہ مسئلہ پاکستان کا مسئلہ بن گیا۔ ہمیں ایک سنہری موقعہ ہاتھ آیا تھا جس کا ہم نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا دورۂ آزاد کشمیر

معاہدہ شملہ کے بعد پاکستان کے صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا اور وہ لوگوں سے معاہدہ کی تائید حاصل کرکے لئے پبلک جلسوں کو خطاب کرتے رہے۔ انہوں نے مظفر آباد راولاکوٹ اور کوٹلی کے بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ کشمیریو! زمین پر قدم رکھو کب تک دو پہاڑوں کے درمیان لٹکتے رہو گئے۔ آزاد کشمیر کو صوبہ بناؤ اسے پاکستان کا حصہ بناؤ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کشمیر ترقی کرے گا ورنہ موجودہ حالات میں ترقی کی

منازل طے کرنا ممکن نہ ہوگا۔

میرپور میں ان کے اعزاز میں جماعتوں کی طرف سے استقبالیہ دیئے گئے لیکن محاذ رائے شماری اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے کوئی استقبالیہ پروگرام مرتب نہ کرسکا۔ البتہ سٹیڈیم میرپور میں ذوالفقار علی بھٹو کی آمد کے موقع پر محاذ رائے شماری کی طرف سے دو نمائندوں کامریڈ محمد مشتاق اور محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ کو ان کے استقبال کے لئے بھیج دیا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے وفود سے ملنے کا وقت نکالا تو محاذ رائے شماری کا ایک بڑا وفد ان سے جا کر ملا۔ محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنماؤں کا اجلاس ان دنوں میرپور میں ہو رہا تھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ معاہدہ شملہ کو مسترد کر دیا جائے اور مسٹر بھٹو سے ملاقات کی جائے۔ گلگت و بلتستان کا مسئلہ بھی اٹھایا جائے منگلا ڈیم اور مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل بھی پیش کئے جائیں۔

چنانچہ میری قیادت میں وفد جن میں محمد بشیر تبسم، صوفی محمد زمان اور محترم میر عبدالقیوم، عبدالجبار بٹ، جی ایم میر صاحب، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ چوہدری شاہباز خان صاحب، حاجی نذیر انجم، عبدالغفور قریشی، ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ، کامریڈ محمد مشتاق، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب، سید محمد شاہ نازکی باقی کے نام یاد نہیں۔ بقیہ کے نام اس وقت یاد نہیں آرہے ہیں۔ محمد مقبول بٹ شہید کو اس لئے ساتھ نہ رکھا تھا کیونکہ ان کے خلاف گنگا کیس میں اپیل دائر کی گئی تھی اور ہم اس اپیل کو حکومت کی طرف سے دائر کردہ اپیل کو واپس بھیجنے کا مطالبہ کرنا چاہتے تھے۔ مسٹر مقبول احمد بٹ شہید خود بھی اس کو اپنی خودی کے خلاف سمجھتے تھے۔ کہ ان کی موجودگی میں عدالت سے حکومت پاکستان اپیل واپس لینے کے مطالبہ کو ایک قسم کی معافی کی درخواست سمجھے گی۔ ویسے بھی مقبول احمد بٹ شہید کی ملاقات منگلا قلعہ میں استقبالیہ پارٹی میں ہو چکی تھی۔ یہ استقبالیہ پارٹی لبریشن لیگ کی طرف سے منعقد کی گئی تھی۔ مقبول احمد بٹ مہمانِ خصوصی جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ ان کو مقدمہ کا ذاتی بھی علم تھا کہ وہ بے بنیاد ہے۔ ہر وفد کو پانچ منٹ بات چیت کے لئے دیئے گئے تھے۔ چنانچہ لبریشن کے صدر مسٹر کے ایچ خورشید نے ہمارے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ کوئی بات بھی پانچ منٹ میں نہیں کی جاسکتی ہے۔

ہم نے ایک میمورنڈم تیار کیا تھا تاکہ وہ انہیں دے کر واپس آجائیں گے۔ ہمارے سامنے اگر گنگا کیس کی اپیل کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید ہم اس موقعہ پر ملاقات کو وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔ لیکن ہماری ملاقات بہت سودمند ثابت ہوئی۔ جانے سے پہلے ہم دلائل سے مسلح ہو کر گئے تھے۔ ہمارے سامنے ایک واقعہ ہوا جس کو بھٹو صاحب نہ بھول سکے۔ الیکشن کے دوران انہوں نے میرپور کا دورہ کیا تھا۔ وہاں انہیں محمد شریف ڈومیالوی اور لالہ عبدالرحمٰن انہیں میرپور لائے تھے۔ اور کلیال ہوٹل میں عصرانہ دیا تھا۔ بھٹو صاحب نے محمد شریف ڈومیالوی سے وعدہ کیا تھا کہ سوالات پوچھنے کی اجازت

ہوگی۔ چنانچہ جب ان کے خطاب کا وقت آیا تو میں نے کھڑے ہوکر منگلا ڈیم آزاد کشمیر حکومت کو تسلیم کرنے کشمیر کی خودمختاری سے متعلق سوالات کیئے ابھی میں سوال کر رہی رہا تھا تو ایک طرف گروپ کھڑا ہوگیا جس نے الحاق پاکستان کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

اور دوسری طرف خودمختار کے نعرے لگنا شروع ہوگئے۔ اور ایک آدمی اٹھا اس نے ''پاکستانی کتو نکل جاؤ کشمیر سے'' جیسا غیر مہذب نعرہ لگایا جو کسی نے بھی پسند نہ کیا لیکن بھٹو مرحوم اجلاس برخاست کر کے ہوٹل چلے گئے۔

محمد شریف ڈومیالوی اور لالہ عبدالرحمٰن بڑے منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ وہ بھٹو کے ساتھ بیٹھ کر منگلا ریسٹ ہاؤس کی طرف چلے گئے انہوں نے ساری حقیقت حال بتادی نعرہ لگانے والوں میں کس نے پہل کی تھی یہ یاد نہیں۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ راجہ محمد نجیب خان جو مجسمہ شرافت تھے ان کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے نعرہ بازی کی تھی۔ ہمیں ڈر تھا کہ مسٹر بھٹو یہ سوال ضرور پوچھیں گے کہ ہوٹل میں میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور نعرے بازی کا ذکر چھڑ جائے گا اس طرح سارے مسائل دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

ملاقات کے کمرے میں جانے سے پہلے چند ایک دوستوں نے بتایا تھا کہ بھٹو صاحب کے پاس آپ کے خلاف بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس لئے آپ تیار ہوکر جائیں۔ مسلم کانفرنس اپنی جماعت کے مختلف وفود مختلف ناموں سے ملائے تھے۔ کہ صحافیوں کے روپ میں ملا کوئی متاثرین منگلا ڈیم کے نام پر بھیجا گیا شیخ گلزار احمد فداء ایڈیٹر ہفت روزہ جہاد نے مجھے کہا اس کے ساتھ کچھ لوگوں نے آپ کو کانگریسی لیڈر ظاہر کیا ہے۔ اس طرح پاکستان دشمن بتلایا ہے۔ اس لئے اس سے سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔ مسلم کانفرنس کو یہ علم تھا کہ ہمارا وفد مسلم کانفرنس کے وظیفہ خوار اور مفاد پرست لیڈروں کے خلاف پیش ہو رہا ہے اس لئے انہوں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر ہمارے خلاف یہ سازش کی تھی 20/25 سے زیادہ محاذ کے رہنماؤں پر مشتمل جناب ذوالفقار علی بھٹو دیکھ کر مسکرائے اور کرسیاں منگوائیں۔ ہم نے ابتدائی تعارف اور علیک سلیک کے بعد بات شروع کی ہی تھی کہ انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ہوٹل میں ملے ہیں۔ تو محمد صابر انصاری نے جواب دیا کہ میرے چچا جی نہیں ملے تھے میں نے نانا جی شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ سرگودھا کے ساتھ آپ سے ملنے گئے تھے۔

یہاں سے بات چیت کا رُخ مڑ گیا۔ جناب جی ایم میر صاحب نے بھٹو صاحب کو کہا کہ وہ انہیں لاہور ہوٹل میں ملے تھے۔ میر عبدالقیوم صاحب نے جب یہ کہا کہ جناب شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ کے مسٹر عبدالخالق انصاری کے داماد ہیں۔ وہ خود شیخ صاحب مرحوم کو دادا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو پھر ہمارے ہی گھر کے آدمی ہیں۔

شیخ صاحب اس وقت سینئر وائس چیئرمین پیپلز پارٹی پنجاب تھے۔ کانگریس میں ہونے کے سوال پر یہ جواب جب دیا گیا کہ جناب آپ تو بین الاقوامی سیاست کے ماہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جموں وکشمیر میں کانگریس نام کی

کوئی تنظیم نہ تھی۔ البتہ چند ایک فرقہ پرست جموں کے ہندو کانگریس کے ساتھ تھے۔ یہ باتیں سن کر انہوں نے اصل موضوع کی طرف توجہ دی اور پوچھنے لگے کہ معاہدہ شملہ میں کیا نقائص ہیں۔ معاہدہ شملہ کے سلسلہ میں بھٹو صاحب جاننا چاہتے تھے کہ ہم نے اسے پڑھا بھی ہے کہ نہیں؟۔

توجب میں نے کہا کہ اس معاہدہ کی رو سے مسئلہ کشمیر ہمیشہ کے لئے ختم کردیا گیا ہے۔ مسئلہ کشمیر پر پاکستان کسی فورم پر بھی گفتگو نہیں کرسکتا یہ معاہدہ دوفریقوں کے درمیان ہوا ہے اور کشمیریوں کے متعلق نہ حق خودارادیت ذکر کیا گیا نہ کشمیریوں کو فریق سمجھا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی رو سے کشمیریوں کی تحریک آزادی کو یوں نقصان پہنچا کہ معاہدہ کی رو سے پاکستان بھارت کے خلاف کسی فورم، کسی ادارے اور کسی کانفرنس میں اعتراض نہیں کرسکتا۔

مسلح جدوجہد کوروک دیا گیا ہے۔ ذرائع ابلاغ کو کشمیر کے مسئلہ سے باز رکھا گیا۔ کشمیریوں کو اپنی تحریک آزادی چلانے میں پاکستان کے پریس کی یا دیگر ذرائع کی مدد حاصل تھی وہ چھین لی گئی۔ دونوں ملک سیز فائر لائن کو کنٹرول لائن قرار دینے لگے ہیں۔ سیز فائر لائن سے یہ پتا چلتا تھا کہ کوئی کشمیر میں جنگ ہوئی اور فائر بندی کا معاہدہ ہوا ہے کن ملکوں کے درمیان جنگ ہوئی کس نے جنگ بند کرائی، جنگ بند کرنے کے بعد اس فیصلہ پر کیا عمل درآمد ہوا۔ جو اقوامِ متحدہ کی حفاظتی کونسل نے کیا وہ کنٹرول لائن سے پاکستان کی حیثیت ایک جارح ملک قرار دی گئی ہے۔ بھارت کے پاس الحاق کا معاہدہ موجود ہے۔

اگرچہ یہ سازش کے تحت ہوا تھا۔ لیکن کوئی دستاویز تو اس کے پاس موجود ہے۔ اس لئے اس کا کشمیر میں فوجیں رکھنا حق بنتا ہے۔ پاکستان کا کشمیر میں فوجیں رکھنے کا کیا حق ہے؟ اقوامِ متحدہ کے مبصرین سیز فائر لائن پر کھڑے تھے۔ اب بھی نہیں ہیں لیکن اس معاہدہ کی صورت میں مبصرین کو ان کے ممالک واپس بلالیں گے۔ اور پاکستان کو جواز حاصل نہ ہوگا کہ اس پر احتجاج کرسکے کیونکہ معاہدہ شملہ میں یہ درج ہے کہ فریقین میں کسی کو ایک کو دوسرے کے خلاف شکایت ہو تو وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر کسی فورم یا کسی بین الاقوامی ادارے کا دروازہ کھٹکھٹا نہیں سکتا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بھٹو شہید نے کہا کہ آپ کا لیڈر محمد عبدالقیوم خان نے اس کو سراہا ہے۔ ان کا بیان اخبارات میں چھپا تھا تو فوراً سے پہلے میں نے پوچھا کہ کیا اس وقت معاہدے کا متن شائع ہو چکا تھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت تک معاہدہ کا کوئی اخبارات میں نہیں آیا تھا۔ جو میں نے کہا ان لوگوں نے سرکاری نوکری کرنی ہے اس لئے انہیں آپ کو خوش کرنا ہے یا ملک قوم اور اقوامِ متحدہ کا اسے کوئی اچھا اثر نہیں نکل سکتا تھا۔ تو انہوں نے کہا حکومت پاکستان اس معاہدے سے منحرف نہیں ہوسکتی۔

تو میں نے جواب دیا تھا کہ یہ معاہدہ صدر پاکستان اور وزیراعظم بھارت کے درمیان ہی نہیں ہوا بلکہ مسز اندراگاندھی نے آپ کو یہ کہا تھا کہ اس معاہدہ کی توثیق پاکستان کی نیشنل اسمبلی کرے گی تو اس کے بعد بھارت تسلیم کرے

گا۔ پاکستان کی جمہوری حکومت تھی 93ہزار سے زیادہ فوجی اور سویلین بھارت کے قید خانے میں پڑے ہوئے تھے پاکستان شکست کھا کر ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں سرنگوں ہو چکا تھا۔

بھارت پاکستان کے فوجیوں کے خلاف مقدمہ فوجی عدالتوں میں چلانا چاہتا تھا۔ ہزاروں مربع میل پر پاکستان کا علاقہ اس کے قبضہ میں تھا۔ پاکستان کے لوگوں کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ وہ ہوائی اڈوں پر سفارت خانوں کے سامنے اور ہر آنے والے غیر ملکی مہمان کے سامنے مطالبہ کرتے تھے کہ پاکستان کے فوجی واپس لائے جائیں عورتیں کتبے ہاتھ میں لئے ہوئے بچوں کو گود میں اٹھائے یہ نعرے لگاتی تھیں کہ ہمارے شوہروں کو واپس لاؤ ان کے ابو واپس لاؤ۔ اس طرح پورے ملک میں شکست کے اثرات پائے جاتے تھے۔

بھٹو صاحب کو پاؤں جمانے کے لئے بھارت کی ہر شرط ماننا پڑی۔ یہ معاہدہ ایک قوم کے فاتح رہنما اور دوسری قوم کے شکست خوردہ صدر کے مابین ہوا تھا۔ کہ اس حالت میں سب کچھ دینا پڑتا تھا بھارت سے حاصل کرنے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے کشمیر اب ان کی مدد سے محروم ہو گیا وہ پاکستان جو بچ رہا تھا۔ اس کے باقی رہنے کے بھی اُمید نہ تھی۔ تو کشمیریوں کے لئے کیا کر سکتے تھے۔

بہر حال جب اس نے کہا کہ وہ ایک معاہدہ سے منحرف نہیں ہوسکتا تو میر عبدالقیوم صاحب نے لقمہ دیا کہ پنڈت جواہر لال نہرو ایک عالمی شہرت کا سیاستدان تھا اگر وہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں سے منحرف ہو گیا تو بھٹو صاحب کیوں نہیں ہو سکتے؟۔ لیکن اس معاہدے میں اور اس معاہدے میں بنیادی طور پر فرق ہے۔ جناب عبدالولی خان نے ایک موقع پر پریس میں اپنا بیان جاری کرایا تھا کہ حکومت پاکستان شملہ معاہدہ سے منحرف نہیں ہوسکتی یہ معاہدہ دو حکومتوں کے درمیان طے نہیں پایا ہے۔ بلکہ دو ملکوں کی اسمبلیوں کے درمیان طے پایا ہے۔

اس معاہدہ کی رو سے بھارت کی مرضی کے بغیر کوئی ثالث بھی مقرر نہیں کیا جاسکتا ہے معاہدہ شملہ دو ملکوں کے درمیان ہو یا دو قوموں کے درمیان ہو یا اسے دو ملکوں کی پارلیمنٹوں نے پاس کیا ہو وہ معاہدہ کسی تیسرے فریق کو کسی طرح پابند نہیں کر سکتا۔ بیعنامہ امرتسر سے لے کر ہونے والے تمام معاہدوں کے مخالف ہیں۔ میں یہ معاہدہ بھی کشمیریوں کو کسی طرح آزادی کی جنگ لڑنے سے نہیں روک سکتا، یہ سن کو مسٹر بھٹو کے چہرے پر رونق آ گئی میں تمہیں خود مل کر بھی دکھاؤں گا۔

چنانچہ ایک دورے میں ایک دعوت پر انہوں نے کھل کر مخالفت کی۔ بھارت کا سفیر بطور احتجاج باہر نکل آیا اس نے تقریر کے خلاف احتجاج بھی کیا۔ گلگت و بلتستان کے بارے میں جب ہم نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ اسے آزاد کشمیر سے ملائیں اور نوکر شاہی کے ظلم سے وہاں کے لوگوں کو نجات دلائی جائے تو بھٹو نے کہا آپ کے لیڈروں نے لکھ کر ہمارے

حوالہ کیا ہے تو میں نے کہا کہ یہ مستقل معاہدہ نہ تھا۔ بلکہ اس وقت کے حالات کے تحت عارضی انتظامات کی تقسیم کی گئی تھی تا کہ وہاں کے لوگوں کو راشن پہنچانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لئے لوگوں کی عارضی بحالی کے لئے یہ عارضی انتظام تھا۔ اس وقت تک بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جا چکا تھا۔

بھٹو صاحب نے کہا کہ گلگت و بلتستان کا تمام علاقہ کشمیر سے ملا ہوا ہے۔ ان کے درمیان نہ کوئی سمندر حائل ہے نہ کوئی ملک دشمن کی فضا کی حدود سے گزرنا پڑتا ہے۔ جبکہ بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) مغربی پاکستان سے ایک ہزار میل دوری کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے نہ کوئی رابطہ سڑک ملتی ہے، ہوائی، بحری یا خشکی کے راستے پہنچا جا سکتا ہے۔ تو پھر اس حالت میں اس کو شروع دن سے مغربی پاکستان سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ یہ کوئی دلیل نہیں یہ تو آپ کے لیڈروں کی حماقت تھی کہ انہوں نے معاہدہ کراچی کیا۔

اس کا قبضہ پاکستان کے حوالہ کر دیا۔ چاہیے تھا کہ یہ وہ سڑک کا مطالبہ کرتے کہ وسعت دی جائے اور نظم و نسق آزاد حکومت کے ہاتھ رہے ان کے لئے یہ مشکل کام ہے کہ وہ گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر حکومت کے حوالہ کر دیں۔ پنجاب اس کی مخالفت کرے گا مجھے سندھی ہونے کا طعنہ دے دیگر ایک نیا محاذ کھڑا کر دے گا ہاں البتہ آپ کا مطالبہ صحیح ہے میری اخلاقی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں لیکن میں باہر نکل کر آپ کے ساتھ وعدہ نہیں کر سکتا آپ کو ہماری حکومت کا تعاون حاصل ہو گا وہاں قانونی اصلاحات کریں گے۔

فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن ختم ہو گا اور لوگوں کو انصاف ملے گا اور اپیل کا حق بھی ملے گا مقبول بٹ شہید کے گنگا کیس میں حکومت کی طرف سے اپیل کئے جانے کے بارے میں انہوں نے کہا یہ پتہ نہیں ہے کہ حکومت پاکستان نے مقبول احمد بٹ شہید کے خلاف ان کی بریت کے خلاف اپیل کی ہوئی ہے۔ انہوں نے پیرزادہ کو جو دوسرے کمرے میں تھے۔ ان کو بلوایا اور کہا کہ آپ لوگوں نے یہ کیا کیا۔ اپیل کے خلاف ناراضگی کے اظہار پر پیرزادہ نے جواب دیا کہ اپیل سے مراد سزا دلوانا نہیں ہے بلکہ حکومت اور ملزمان کے مابین وہ انصاف کیا جانا ضروری ہے جب ہم نے ملزمان کو اپیل کا حق دیا ہے ظاہر ہے قانونی پیچیدگی کو اس طرح دور کر دیا تا کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے فریقین اپیل کر سکتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے ہمیں یقین دلایا کہ آپ کے خلاف ناانصافی نہیں ہونے دی جائے گی۔

یہ پانچ منٹ کی ملاقات تقریباً 40/45 منٹ تک جاری رہی۔ باقی وفود کے لوگ حیران تھے کہ اتنی لمبی ملاقات کے لئے وقت کیسے نکالا گیا کسی دوسرے موقع پر تفصیلات جاننے کے لئے وقت دینے کا وعدہ کر کے ہماری میٹنگ ختم ہوگئی اور ہم باہر چلے آئے۔ مسلم کانفرنسی حلقوں میں مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ بھٹو صاحب نے دوران مذاکرات چیف سیکرٹری اور پیرزادہ صاحب کو کہا کہ آپ لوگ محاذ کے کارکنوں اور رہنماؤں کو خاص طور پر خیال رکھیں مولوی ان کا دشمن ہے۔ مولوی

سے مراد ان کی محمد عبدالقیوم صاحب تھے۔

انہوں نے ہماری بھرپور مخالفت کی تھی لیکن بھٹو کے ساتھی ہمارے بارے میں بہت معلومات رکھتے تھے۔اس لئے وہ ہم سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے کھل کر ہمارا ساتھ دیا بھٹوصاحب کا خط جومقبول احمد بٹ شہید کی نسبت لکھا گیا تھااس کوہم نے گنگا کیس کی مثل کے ساتھ شامل کرادیا تھا۔ہم نے وہاں ان کی مذمت میں محاذ رائے شماری کالٹریچر دیا تو بھٹوصاحب نے کہا کہ یہ سارا مواد پڑھنے کے لئے کئی گھنٹے درکار ہوں گے۔

دہلی ایکارڈ کوسمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ معاہدہ شملہ کوسامنے رکھا جائے۔سیز فائر لائن کا نام کنٹرول لائن لگا کر پاکستان کوجارح ملک کی حیثیت دی ہے پھراقوامِ متحدہ میں بھی پاکستان کوجارح ملک قرار دیا گیا۔اپنے عوام سے چھپانے کے لئے اس کی غلط تشریح کی جاتی ہےاقوامِ متحدہ میں پاکستان سے کہا گیا ہے وہ کشمیریوں کوحق خودارادیت دینے کے لئے اپنی تمام افواج اوراپنے تمام شہری کشمیر سے واپس بلالینے کا پابند ہے جبکہ بھارت کواپنی فوج رکھنے کاحق تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ وہ بڑی تعداد میں اپنی فوجیں کشمیر سے بلائے گا۔اور سرینگر حکومت کو اقوام متحدہ نے تسلیم کیا۔آزادکشمیر حکومت کونہ ہی تسلیم کیا گیا نہ ہی وہ مقام دیا گیا جو بھارتی مقبوضہ کشمیر کی حکومت کودیا گیا۔آزادکشمیر حکومت کوتسلیم نہیں کیا گیا بلکہ اسے مقامی انتظامیہ کہا گیا۔

جس کے اختیارات ایک بلدیہ سے بھی کم ہیں۔اورشمالی علاقہ جات گلگت و بلتستان کی بھی یہی صورتِ حال ہےحکومت پاکستان نے روس کا ہوا کھڑا کرکے اپنی فوجیں رکھنے کے لئے بہت زور لگایا لیکن اسے بھی تسلیم نہ کیا گیا۔ جولوگ اقوامِ متحدہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اپنی قراردادوں پرعمل درآمد کرائے وہ ہمیں حقیقت کوچھپانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مقدمہ بھارت مشاورتی دفعات کے تحت لے کرسکیورٹی پہنچا تھااور وہ اقوامِ متحدہ یاسکیورٹی کونسل صرف مشورہ دے سکتی ہے۔ وہ مشورہ بھی فریقین کی قبولیت پرمنحصر ہے بھارت کوکیا چٹی پڑی ہے کہ وہ ایسا مشورہ قبول کرے جو اس کے مفاد کے خلاف ہو یہ کئی عشروں سے بڑے زوروشور سے کہی جارہی ہے کہ پاکستان اپنا کیس اقوامِ متحدہ میں پیش کرے گا۔ ہرسال اقوامِ متحدہ کا سیشن شروع ہوتا ہےتو پاکستان اپنے عوام کویہ بتا کرجاتا ہے کہ اپنا مسئلہ کشمیر سے متعلق اقوامِ متحدہ میں پیش کرے گا جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے نمائندگان اپنی اپنی باری پر اپنی تقریروں میں چندالفاظ پرمشتمل تقریریں کرتے ہیں اور یہ بھی ایک تماشا ہے کہ پاکستان اور بھارت کےنمائندگان اپنی لکھی ہوئی تقریریں اقوامِ متحدہ میں پڑھنے سے پہلے امریکہ کےنمائندہ کوجوامریکہ کی اقوامِ متحدہ میں نمائندگی کرتا ہے بھیج دیتے ہیں اس کی کانٹ چھانٹ کے بعدتقریریں دوممالک کےنمائندگان کوبھیج دی جاتی ہیں اور وہ اقوامِ متحدہ میں حاضر آمدہ نمائندگان کے سامنے پڑھتے ہیں۔

اکثر و بیشتر کہ سب سے ممالک کے نمائندگان ایوان سے باہر اپنی ضروریات یا وقت گزرنے کے لئے چلے جاتے ہیں کبھی کوئی قرارداد پیش ہوئی نہ اس پر ووٹنگ کرائی گئی نہ کوئی قابل عمل فارمولہ پیش کیا گیا۔ اقوامِ متحدہ کے کمیشن برائے انڈیا و پاکستان نے اپنی طویل ملاقاتوں کے دوران مختلف تجاویز دیں کچھ تو نا قابل عمل تھیں اور کچھ کشمیریوں کے مفاد کے خلاف تھیں لیکن پاکستان کی طرف جو تجاویز پیش کی جاتی رہیں۔

اس پر ہر تجویز میں تقریباً تقسیم کشمیر کی بو آتی تھی جو کم از کم کشمیریوں کو کسی صورت قبول نہ ہو سکتی تھی سال گزرتے گئے اور مسئلہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اجلاس کے موقعہ پر سرینگر اور اس کے گردونواح میں گڑ بڑ بے چینی پیدا کی جاتی رہی لیکن یہ سب بے اثر ثابت ہوئیں۔ آخر کار بطروس غالی جیسے بین الاقوامی شہرت کے حامل اور سیکرٹری جنرل اقوامِ متحدہ نے اس مسئلہ کو خارج قرار دے دیا ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

ایک طرفہ پروپیگنڈہ سے کیا حاصل ہوگا جبکہ چار درجن سے زائد مسلمان ممالک نے کبھی نہ کوئی قرارداد پاکستان کے حق میں پیش نہیں کی اور نہ کبھی اس مسئلہ کو اٹھایا۔ اب ایسی حالت میں جبکہ پاکستان اپنا وجود باقی اور قائم نہ رکھ سکا۔ وہ خود تقسیم ہو چکا اس کی طاقت بھی باقی نہ رہی۔ ایٹمی قوت کا ڈراوا ایک چینی وزیر اعظم کے بقول کاغذی شعر سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہزاروں شہداءِ کشمیر کے خون کی قدر نہ کی گئی کشمیریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر باڑے میں بند کر دیا گیا۔ پاکستان کے تمام سیاسی جماعتوں نے آزاد کشمیر میں اپنی شاخیں بنا کر آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کو اکھاڑہ بنا دیا ہوا ہے کسی ایک سیاستدان کی ویژن ہی نہیں نہ فہم وفراست ہے صرف کوئلے کی دلالی میں اپنا منہ کالا کر رہے ہیں۔

آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی، ایم کیو ایم، پاکستان مسلم لیگ ن، جمعیت علماء اسلام، تحریک انصاف کی شاخیں قائم کر کے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی کشمیر کی آزادی کے قطعاً حامی نہیں ہیں۔ اس خطہ کو غلام رکھنا چاہتے ہیں ان جماعتوں میں اور مقبوضہ کشمیر میں انڈین کانگرس، جنتا پارٹی اور دوسری ہندو تنظیموں کی موجودگی میں اس بات کی غمازی نہیں کرتی کہ دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں۔

اب کشمیریوں کو نئے سرے سے صف بندی کرنی ہوگی اور تاریخ کا یہ فیصلہ قبول کرنے کا پڑے گا کہ جو قومیں اپنے زورِ بازو سے اپنی آزادی حاصل کرتی ہیں دوستوں کی امداد ضرور حاصل کرتی ہیں لیکن آقا درآمد نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی غیر ملکی رہنما درآمد کرتی ہیں۔ ان کے سہارے اپنی کشتی کو کبھی نہیں چلانا چاہیے۔ ایسی کشتی ہچکولے کھاتی ہے۔ اس کشتی کو زورِ بازو سے چلا کر بھنور سے نکالا جا سکتا ہے۔ ہمارے محترم رہنماؤں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ چین بھی ایک ہمسایہ ملک ہے اور وہ دوست ملک ھی ہے چین نے 17 ہزار مربع میل پر قبضہ کر رکھا ہے۔

لیکن یہ اسے بھارت اور چین کی جنگ کے درمیان اسے حاصل ہوا وہ آج یہ رقبہ اصل مالکوں کے حوالے کرنے

کو تیار ہے۔اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ وہ رقبہ کس طرح اصل مالکوں کے حوالہ کرے۔کشمیر ہر دو ہمسایہ ممالک کا قبضہ ہے وہ اپنا مفتوح علاقہ کسی مقبوضہ علاقے کو دینے کو تیار نہیں ہیں۔

1964ء میں شیخ محمد عبداللہ جنرل ایوب خان سے ملاقات کے لئے آئے تھے۔تو راولپنڈی میں لیاقت باغ کے جلسہ عام میں چوہدری غلام عباس مرحوم نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ چین کے ساتھ بھی بات کریں کیونکہ اب کشمیر کے دو فریق نہیں ہیں بلکہ تیسرا فریق چین ہے اور ہمسایہ ملکوں کو اس لئے فریق سمجھا جاتا ہے کہ وہ قبضے کی بنیاد پر ریاست میں اپنا حق جتلاتے ہیں جبکہ کشمیر پر چین کا بھی قبضہ ہے۔اس لئے یہ دلیل بڑی وزنی ہے کہ اس کو فریق قرار دے کر مذاکرات میں شامل کیا جائے۔اس مسئلہ میں شیخ محمد عبداللہ نے جواب دیا تھا کہ وہ ابھی دو سے آزادی طلب کرتے ہیں اب اگر تیسرے کو بھی شامل کیا گیا تو مسئلہ مزید پیچیدہ ہو جائے گا۔ان حالات میں کشمیر چین کو دوست نہیں بنا سکتا کیونکہ بھارت اور چین کی نیفا میں کھلی جنگ ہو چکی ہے۔

چین کا کشمیریوں کے لئے دل بڑا کشادہ ہے۔کشمیری اپنے ملک میں بھی پاکستان یا بھارت سے ویزہ لئے بغیر آجا سکتے ہیں۔لیکن چین نے کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ جو کشمیری بھی چین آنا چاہے نہ اسے پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزہ پرمٹ کی ضرورت ہے اور نہ کسی طرح اجازت لینے کی ضرورت ہے وہ شناختی کارڈ دکھا کر چین آجا سکتا ہے اتنے بڑی پیشکش کے باوجود بھی کوئی گروہ حریت پسندوں کا چین کی طرف ایک ان جانے خوف کی وجہ سے رخ نہیں کر رہا ہے۔ایک بڑا واقعہ بتانا چاہتا ہوں۔

چین کے صدر کا دورۂ پاکستان

چین کے صدر لیو شاؤ چی پاکستان آئے تھے وفد میں شامل محمد عبدالقیوم خان، راجہ محمد اسلم خان ایڈووکیٹ مرحوم۔لبریشن لیگ اور پیر مقبول گیلانی شامل تھے۔آزاد کشمیر کے لیڈروں کو وزارت امورِ کشمیر نے میمورنڈم لکھ کر دیا تھا۔اوران تینوں کے دستخط کروا کر ان کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔آزاد کشمیر کے لیڈروں کو آزادی سے دوسرے ممالک کی لیڈروں سے بات چیت کرنے کا بھی موقع بھی نہیں دیا جاتا رہا ان سے ڈاکیئے کا کام لیا جاتا ہے یہ لکھا ہوا میمورنڈم باہر سے آنے والے کسی بھی ملک کے مہمان کو پیش کر کے آداب وسلام کر کے واپس آجاتے تھے۔اور پریس پر بڑے پیمانہ پر تشہیر کی جاتی ہے۔

اورقوم کو سنایا جاتا ہے کہ کشمیری لیڈروں نے آنے والے بیرونی ممالک کے مہمانوں سے ملاقات کر کے انہیں مسئلہ کشمیر کے متعلق سارے واقعات بتائے۔چین کے صدر سے ملاقات کے لئے جن لیڈروں کو بلایا گیا تھا وہ تینوں مختلف خیالات کے لوگ تھے صدر چین نے کہا وہ کھلے میدان میں باتیں کریں گے۔تا کہ ان کی باتوں سے پاکستان کو پتہ نہ چل

سکے۔ انہوں نے ان لیڈروں سے پوچھا کہ کیا وہ واقع ہی کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے سنجیدہ ہیں تو ان کے سر ہلانے پر چین کے صدر نے کہا کہ وہ ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہیں۔ اگر گوریلہ جنگ کی تربیت کے لئے ماہرین چاہییں تو وہ جگہ بتائیں جہاں چین انہیں بھیج کر گوریلوں کو ٹریننگ دے سکیں۔ اگر یہ ممکن ہے تو چند نوجوان ان کے حوالہ کئے جائیں وہ انہیں چین لے جائیں گے اور انہیں تربیت دیں گے اور اگر یہ بھی ممکن نہیں چند نوجوان سیاسی طور پر باشعور کارکنوں کو ان کے حوالہ کر دیں جو کشمیر کی زبان جانتے ہوں وہ چین میں انقلابی حکومت بنائیں اور چین اس کو تسلیم کرے گا اور چین اپنے آدمی بھیج کر کشمیر میں آزادی کی جنگ شروع کر دے گا۔

اس طرح کی باتیں کیں وفد کے ترجمان عبدالقیوم صاحب تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں چین کی مدد کی ضرورت تو ہے لیکن وہ پاکستان کے ذرائع سے حاصل کریں گے وہ سمجھ گیا کہ یہ لیڈر آزادی کے لئے مخلص نہیں ہیں یہ خبر مجھے راجہ محمد اسلم خان ایڈووکیٹ مرحوم نے سنائی تھیں میں نے راجہ صاحب کو یہ باتیں پریس میں لائیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

کہا کہ اگر پریس میں دوں تو کیا اس کی تائید کریں گے تو جواب دیا کہ کیا وہ یہ کر سکیں گئے۔ چند دن کے بعد پیر مقبول گیلانی بھی میر پور آئے۔ تو میں نے انہیں قصہ سنایا تو وہ کہنے لگے کہ میں یہ خبر شائع کرا دوں حکومت کی ناراضگی مول لینا ان کے بس کی بات نہیں ہے البتہ وہ مقدمہ کی صورت میں بطورِ گواہ اس واقعہ کی تائید کریں گے۔ میرا حوصلہ بڑھا اور میں نے اس خبر کو ملکی اور غیر ملکی اخبارات میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ لیکن حکومت کو مقدمہ چلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ہماری قوم نے بھی پوری طرح نوٹس نہ لیا اس طرح جو ہمارے دوست ہیں وہ دشمن بن گئے اور جو دشمن تھے وہ خوشی سے بغلیں بجا رہے تھے۔

چین اور بھارت کی نیفا میں جنگ

نیفا کی جنگ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ پاکستان چین کا دوست نہیں ہے مشکل وقت میں پاکستان نے اس جنگ میں حصہ نہ لے کر اپنا نقصان اٹھایا تھا پاکستان کو امریکہ نے غیر جانبدار رہنے کے لئے اشارہ کیا تھا۔ اور وعدہ کیا تھا کہ اس جنگ کے بعد پاکستان بھارت اور کشمیر کے مذاکرات ہوں گے۔ اور مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کر لیا جائے گا۔ جنگ ختم ہوئی تو وزیر خارجہ پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور سورن سنگھ وزیر خارجہ بھارت کے مابین مذاکرات ہوئے۔ اس دوران بڑے دلچسپ واقعات بھی پیش آئے۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ دریائے جہلم کا منبع پونچھ نہیں ہے بلکہ ویری ناگ ہے۔ وزیر خارجہ پاکستان پونچھ کے نقشہ کو سامنے رکھ کر اس میں دریائے جہلم کا منبع تلاش کرتے تھے۔ جنرل

ایوب خان نے مذاکرات شروع ہونے سے پہلے ایک پالیسی بیان جاری کیا تھا کہ کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی پر عمل کیا جائے کشمیر کی تقسیم کی تجویز پر پشاور، کراچی میں مظاہرے ہوئے۔ عوامی کانفرنس نے اس موقعہ پر تقسیم کے خلاف بھرپور مظاہرے کئے اور جلسے کئے، جلوس نکالے۔

اخباری مہم بھی جاری رکھی۔ مذاکرات کے غالباً سات راؤنڈ ہوئے اور مسئلہ کشمیر جوں کا توں رہ گیا۔ چین نے کوئی مخالفانہ ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ پاکستان چین معاہدہ میں دو ہزار مربع میل سے زائد رقبہ چین کے حوالہ کیا گیا اس میں یہ شق چین ہی کے کہنے پر لکھی گئی تھی کہ کشمیر کا حتمی فیصلہ ہونے کے بعد شمالی مغربی سرحد کا جو رقبہ لکھا گیا ہے اس کا نئی حکومت سے معاہدہ کیا جائے گا جو ریاست کی اقتدارِاعلیٰ کی مالک ہوگی جنہوں نے ہر موقع پر کشمیر کی مدد کی۔ اس جنگ کے بعد ہی شیر کشمیر پنڈت جواہر لال نہرو کے کہنے پر ایک بڑا وفد لے کر راولپنڈی آئے تھے اس میں فخر کشمیر افضل بیگ مولانا سعید مسعودی کامریڈ چوہدری محمد شفیع باغ سر اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ لائے تھے۔ جنرل ایوب خان نے بعد میں تہمت لگائی تھی کہ شیر کشمیر چاہتے تھے کہ پاکستان بھارت اور کشمیر کی فیڈریشن قائم کی جائے یا کنفیڈریشن قائم کی جائے۔

اس الزام کا جواب شیر کشمیر نے یہ جواب دیا تھا جس کا ذکر آتش چنار میں بھی موجود ہے جنرل ایوب پاکستان کی رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے بیان دے رہے ہیں جس سے عوام کا اعتماد کشمیریوں پر اٹھ جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ کشمیر کے ساتھ پاکستان کو بھی بھارت کی کالونی بنایا جا رہا ہے۔ بروقت جواب نے یہ تاثر قائم نہ ہونے دیا۔ آج بھی پاکستان کی اکثریت کشمیر کی مکمل آزادی وخودمختاری کے حق میں ہے جو لوگ نسل درنسل غلامی کی مسموم فضا میں پلے ہیں صرف وہی کشمیر کی آزادی کی مخالفت کرتے ہیں۔

مرزا محمد افضل بیگ نے یہ کہا تھا کہ دہلی ایکارڈ کوئی مقدس کتاب کی آیت نہیں ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہوسکتا ملک میں پرامن طور پر سیاسی شعور پیدا کر کے آزادی کی جنگ اس وقت لڑتے رہیں گے جب ریاست اقتدارِاعلیٰ کی مالک نہیں بن جاتی۔ فخر کشمیر مرزا محمد افضل بیگ کے واپس جانے کے بعد میرے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت غلط پروپیگنڈہ کیا جانے لگا میں نے یہ کوشش کی کہ عدالت میں جانے سے پہلے بیرون از عدالت مسئلہ کو نمٹا لیا جائے لیکن وہ زیادہ پیچیدہ بنایا گیا۔

چنانچہ میں نے چند دوستوں سے مشورہ کر کے وکلا سے ملا اور انہیں ساری صورتِ حال بتائی وہ کہنے لگے اس کا ہتک عزت کا کیس بننے کے لئے کافی مواد موجود ہے۔ چنانچہ میں نے نوٹس متعلقین کو بھجوا دیئے۔ اور کیس کی تیاری میں لگ گیا۔ یہ کیس بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس میں سیاسی نظریہ کو روشن ہونا تھا۔ میرے ملک سے آنے کے بعد مجھے اس کی وجہ سے جیل سے بھی پناہ مل جاتی اور ساتھیوں کے چہرے روشن ہو جاتے۔

اس طرح یہ مقدمہ کئی مہینے چلتا رہا۔ اور اخبارات کی زینت بنا ہوا تھا۔ اس مقدمہ میں میرے خلاف اخبارات میں ملک دشمنی بھارت کے ایجنٹ وغیرہ کے الزامات لگائے گئے تھے۔ چنانچہ وہاں کی عدالت نے بالآخر میرے حق میں فیصلہ دے کر سازشیوں کے منہ بند کر دیئے اور جو تانا بانا بننے کی کوشش کی جارہی تھی وہ ختم ہوگئی۔ اخبارات بند ہوگیا اور عدالت نے بھاری جرمانہ عائد کیا۔ اس طرح میرا ایک سال اس میں گزر گیا۔ اس طرح دو ڈھائی سال مجھے برطانیہ میں قیام کرنا پڑا۔ اس دوران میں برطانیہ کے مختلف شہروں میں محاذ رائے شماری کی برانچیں وہاں کے مقامی رہنماؤں سے مل کر بنائی گئی۔

لیکن چند دوست ایسے تھے جو یہ چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ برطانیہ محاذ رائے شماری کا نام بدل کر لبریشن فرنٹ رکھا جائے تو مشرق وسطیٰ کی انقلابی جماعتیں ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ مسٹر محمود نظامی ماسٹر عبدالمجید راجہ حبیب الرحمٰن افضل جاتلوی وغیرہ اس بحث میں پڑے رہتے تھے کہ ملک کے اندر اور پاکستان میں رائے شماری کا نام جچتا ہے لیکن یورپ اور امریکہ میں اگر لبریشن فرنٹ نام رکھ دیا جائے تو دنیا کی انقلابی جماعتیں بھی ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ ان کے دلائل یہ کہ بیرون ممالک یہ جماعتیں اپنی جماعت محاذ رائے شماری کی شاخیں تصور ہوں گی۔ اور ہم مرکز سے ہدایات لے کر کام جاری رکھیں گے۔

دہلی ایکارڈ کے بعد مقبوضہ کشمیر میں محاذ رائے شماری کو توڑ دیا گیا تھا اس لئے ان کا خیال تھا اندرون ملک بھی محاذ رائے شماری ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا کچھ دوست ایسے بھی تھے جو وراثتاً شیر کشمیر اور ان کے ساتھیوں کی عدم تشدد جدوجہد پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گاندھی کی سیاست ہے۔ اب نئے دور میں فلسطینیوں الجزائریوں اور تیونس کے باشندوں نے اس کو نیا رخ دیا ہے کہ آزادی خون مانگتی ہے۔ آزادی کے لئے کشکول اٹھا کر نہیں جایا جاسکتا کچھ لوگ مسلم کانفرنس سے وابستہ تھے وہ اپنی جماعت کو نئی جماعت میں داخل ہونے کے لئے پر تول رہے تھے نام بدلنے سے کیا ہوتا ہے گلاب کا پھول ہمیشہ خوشبو دے گا اس کا کوئی بھی نام رکھ دیں۔ ہم نے سب دوستوں سے مشورہ کیا اور جموں وکشمیر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کی بیرون ممالک شاخوں کو محاذ کی شاخیں بنانے کا دوستوں کا فیصلہ منظور کر لیا۔

وہ سب میرے پاس آتے میں نے محاذ رائے شماری کے صدر کی حیثیت سے میں نے انہیں اجازت دے دی کہ نام بدل کر محاذ کے آئین کو اپنا آئین تصور کریں۔ محاذ رائے شماری کا جھنڈا قومی جھنڈا ہوگا۔ چنانچہ برطانیہ میں برمنگھم کے مقام پر محاذ رائے شماری کا کنونشن ہوا۔ جس کا خطبہ استقبالیہ چوہدری عبدالغفور (بھلیا لوی اوناع) نے پڑھا اور پروفیسر نذیر نازش نے سالانہ رپورٹ پیش کی۔ اس وقت محاذ رائے شماری کے صدر عبدالجبار بٹ تھے۔

میں جب تک برطانیہ میں رہا محاذ رائے شماری بھی ہماری جماعت تھی۔ محاذ آزادی سسٹر آرگنائزیشن تھی لیکن پالیسیوں کے معاملہ میں صرف محاذ رائے شماری کا فیصلہ ہی قابل قبول تھا۔ جو میں جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے عہدے داروں کو خود حلف دیا تھا۔ بحیثیت صدر محاذ رائے شماری عارضی طور پر انہیں کام کرنے کی اجازت دی۔

میرے واپس آنے کے بعد وہاں وہ مختلف دھڑے بندیاں ہوگئیں وہ لوگ اس تنظیم کو متحد نہ رکھ سکے۔ اور محاذ رائے شماری میں شگاف ڈالنے شروع کر دیئے۔ پاکستان اور آزاد کشمیر میں اپنے دوستوں کے ذریعے جموں کشمیر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کا نام تبدیل کرنے پر سوچنے لگے۔

اس لئے جب بھی سالانہ کانفرنس کا موقعہ آتا تھا تو جماعت کا نام تبدیل کرنے کے لئے چند نوجوان قرارداد لے کر آتے تھے۔ وہ ہمیشہ ناکام ہوتے رہے۔ محاذ رائے شماری کو کمزور کرنے کی وجوہات پر کتابچے لکھے گئے اور شائع ہوتے رہے۔ محاذ رائے شماری 1965ء میں بننے کے ساتھ 1965ء میں گوریلہ جنگ ہندوستان کے خلاف شروع کر دی گئی۔ اس جنگ میں محاذ رائے شماری کی اکثریت نے محض فوجی تربیت کے لئے حمایت کا اعلان کیا تھا کوئی نہیں چاہتا تھا کہ اس مہم جوئی سے کشمیریوں کا نقصان ہو۔ لیکن فوجی جنگجوؤں نے اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ جنرل ایوب خان حقیقتاً الیکشن میں شکست کھا چکے تھے اور لوگوں کے دل محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ تھے۔ اس کو ختم کرنے کے لئے جنگ بچوں کا کھیل سمجھ کر شروع کی گئی جس کا لازمی نتیجہ ناکامی تھا۔ معاہدہ تاشقند نے کشمیر کو دو ہمسایہ ملکوں کا علاقائی تنازعہ بنا دیا جبکہ یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ تھا۔ اس طرح محاذ رائے شماری کو دھچکا لگا۔

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں محاذ رائے شماری کو ایک غیر قانونی تنظیم قرار دے کر اس کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ جس سے شیر کشمیر کے ساتھیوں کو سیز فائر لائن کے دونوں طرف مایوس کر دیا اور معاہدہ تاشقند کو عملاً تسلیم کر لیا گیا کہ کوئی گوریلہ قسم کی کارروائی کو جاری نہیں رکھا جائے گا۔ سیز فائز لائن کی پابندی کر کے آنے جانے پر کنٹرول کیا جائے گا۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد ہمارے ساتھیوں کو نوٹس ملنے شروع ہو گئے کہ وہ کسی شخص یا کسی تنظیم کو اپنے طور پر جنگ آزادی لڑنے نہیں دے گی کوئی ایسا پروپیگنڈہ نہیں کیا جائے گا۔ جس سے دو ملکوں کے درمیان دشمنی پیدا ہو۔ پاکستان کے غلط پالیسی کی وجہ سے گنگا طیارہ اغوا کرنے والوں کو سیاسی پناہ دی گئی پھر ٹانڈہ ڈیم انکوائری کا ڈھونگ رچایا گیا پھر نورالعارفین کمیشن کو تاکیدی عدالت کا کام سپرد کیا گیا۔ جس نے سب ملزموں کو بھارت کا ایجنٹ قرار دیا۔ اور طیارہ کا اغوا بھارتی انٹیلی جنس کی سازش قرار دے کر بہادر محبِّ وطنوں کو جیلوں اور ٹارچر سیلوں میں بھیج دیا گیا۔

آزاد کشمیر میں محاذ پر پابندی تو نہ لگائی گئی لیکن اس کے کارکنوں پر کڑی نظر رکھی گئی، محاذ کے کسی شخص کو ویزہ تک نہ مل سکا کہ وہ باہر جا کر محبِّ الوطنوں کی سپورٹ حاصل کر سکیں اور کارکنوں کو حوصلہ دلا سکیں لیکن تحصیل سطح کے کارکنوں کو لے کر

مرکزی رہنماؤں تک سب کو جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ان کی حبس بے جا کی درخواستیں دائر کرنے والوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا ظلم کی داستانیں چاروں طرف پھیل گئیں۔

نام کی تبدیلی

لبریشن فرنٹ کے بننے کے بعد نو جوانوں کی توجہ محاذ رائے شماری کی طرف سے ہٹ گئی تھی۔اب محاذ کے ذمہ یہ کام رہ گیا تھا کہ ہر سالانہ کنونشن کے موقع پر محاذ کا نام تبدیل کر کے لبریشن فرنٹ رکھا جائے آپس کے انتشار کا یہ عالم تھا کہ باپ محاذ رائے شماری میں ہے تو بیٹا لبریشن فرنٹ کا کام کر رہا ہے۔اگر ایک بھائی لبریشن فرنٹ میں ہے تو اس کے باقی بزرگ محاذ رائے شماری کے ساتھ ہیں۔تنظیمی ڈھانچہ بکھر کر رہ گیا تھا۔تین سال طویل قید اور جدوجہد نے کارکنوں کو تقسیم کر دیا تھا۔شملہ معاہدہ نے رہی سہی کسر بھی نکال دی تھی۔

معاہدہ تاشقند کے معاہدہ شملہ مسئلہ کشمیر کے تابوت میں آخری کیل تھی۔تو یونائیٹڈ نیشن نے بھی مبصرین کو بلانا شروع کر دیا تھا۔تو بہت سے ممالک کے مبصرین واپس بھی چلے گئے۔ برطانیہ میں محاذ رائے شماری کی برطانوی برانچ لبریشن فرنٹ آئین میں واضح طور پر درج تھا کہ وہ محاذ رائے شماری سے رشتہ توڑنے کے مجاز نہ ہے۔جب تک میں وہاں رہا سیاسی کام ہوتا رہا۔اور جب میں وہاں سے واپس آیا تو کچھ نو جوانوں نے مل کر امان اللہ خان صاحب کو محاذ رائے شماری سے الگ ہونے کی ترغیب دی۔

چنانچہ انہوں نے اپنی مشکلات پیش کرتے ہوئے ہمیں لکھا کہ محاذ رائے شماری عملاً کام نہیں کر رہا۔جسے گوریلہ سرگرمیوں کا حصہ سمجھا جائے۔اگر جمود رہا تو لبریشن فرنٹ برطانیہ بھی بے عملی کا شکار ہو جائے گا۔ہم نے انہیں بہت سی تجاویز لکھ کر بھیج دی تھیں لیکن ان کے خط سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔لبریشن فرنٹ کے بانی صدر مسٹر عبدالجبار بٹ صاحب تھے وہاں سے وائس آف کشمیر نکالا گیا جس کی ادارت کامریڈ مشتاق کے پاس تھی۔اصل میں امان اللہ خان اس انتظار میں تھے کہ انہیں مستقل رہائش کی آزادی مل جائے تاکہ وہ اپنے انداز سے کام کرسکیں جب ان کو مستقل رہنے کی اجازت مل گئی تو انہوں نے اسی راہ کو اختیار کیا اس کے باوجود آزاد کشمیر اور پاکستان میں لبریشن فرنٹ نہ بنایا۔اگر ان کو برطانیہ سے نہ نکالا جاتا تو ان کے روابط بدستور ہمارے ساتھ رہتے تو ممکن ہے کہ وہ یہ راہ اختیار نہ کرتے۔

میں ابھی برطانیہ میں تھا کہ مجھے لون برادرز نے بتایا تھا کہ مسٹر امان اللہ خان گوریلہ سرگرمیوں کے لئے پاکستان کی کسی ایجنسی کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہیں البتہ وہ زمین ہموار کرتے رہے اور لبریشن فرنٹ کا دفتر بھی امان اللہ خان کے ساتھ چلتا رہا۔وہ پاکستان آئے تو انہوں نے اس تنظیم کو مضبوط بنانا شروع کر دیا پرانے لوگ ان کے ہم خیال نہ تھے۔ لیکن وہ اپنی رائے کو مجروح ہوتا دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

چنانچہ کشمیر میں گوریلہ سرگرمیوں کے شروع ہونے کے وقت بھی وہ مجھے پلندری جیل میں ملنے آئے تھے میں ان کی سیاسی کمزوریوں سے دلبرداشتہ تھا۔ میں ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔لیکن مجھے پلندری جیل کے سیاسی قیدیوں نے مشورہ دیا کہ امان اللہ خان سے مل لیا جائے وہ اس سینئر پولیس آفیسر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر پلندری جیل گئے ادھر میر پور کے لوگ سر چاہیے سر چاہیے قمر عالم کا سر چاہیے کے نعرے لگا رہے تھے۔

وہ محاذ رائے شماری کے سینئر رہنما محمد یوسف زرگر کے ساتھ قمر عالم کے پاس بھی گئے تھے ہمیں ان کی ملاقات کی خبر جیل میں مل گئی تھی اس وقت ہم دو درجن سے زیادہ آزاد کشمیر پارٹیوں کے سربراہ اور سیاسی رہنما قید کاٹ رہے تھے۔ جب وہ پلندری جیل میں ملے تو میں نے ان سے ان کی اہلیہ محترمہ، بیٹی کی خیریت دریافت کرنا چاہی انہوں نے کہا کہ مجھ سے پرائیویٹ بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میرے پاس چوہدری نور حسین صاحب موجود تھے کوئی غیر سرکاری آدمی نہ تھا۔ میں دل میں ہنسا کہ وہ چوہدری نور حسین سے تو بات چھپانا چاہتے ہیں لیکن ایس پی ہمارے ساتھ بیٹھا ہے۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں اس موقعہ پر کوئی سیاسی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اور ادھر ادھر کی خیر و عافیت کی باتیں پوچھیں اور ہماری یہ میٹنگ ختم ہوگئی۔

وہ اس سے پہلے جنرل ضیاء سے مل چکے تھے اور مسٹر امان اللہ خان کی خبریں اخبارات کے پہلے صفحہ پر شائع ہوتی تھیں میں نے امان اللہ خان کو کہا کہ یہ خبریں ان کی ضرورت پوری ہونے تک شائع ہوتی رہیں گی جب انہوں نے پاؤں جما لئے تو مسٹر امان اللہ خان اخباروں سے بالکل غائب کر دیئے گئے۔

بہرحال یہ معاملہ کافی تفصیل طلب ہے البتہ اس وقت کے حالات جاننے کے لئے اس کا پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ سفر برطانیہ کے دوران ہمارا وفد مولانا مفتی محمود صدر جمعیت علماء اسلام سے ملنے کے لئے گیا۔ برمنگھم میں ان سے سرسری ملاقات ہوئی تو انہوں نے گنگا کیس سے متعلق تفصیلات جاننے کے لئے بلایا تھا، وہ اس وقت پیر محمد بوستان چوہدری کے مہمان تھے۔ پیر محمد بوستان کا کشمیری قوم پر یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مختلف ذرائع سے معلومات فراہم کر رکھی تھیں وہ مقبول احمد بٹ کو ایک انقلابی لیڈر کا مقام و درجہ اور مرتبہ دیتے تھے۔

وہ خوش تھے کہ کشمیریوں میں جذبہ شہادت پیدا کیا جا رہا ہے اور ملت اسلامیہ جب تک اس جذبہ شہادت سے سرفراز رہی۔ وہ ہمارے میر پور سے تعلق رکھتے ہیں ان کا تعلق چوہدری ولایت حسین جیسے نیک دل اور قابل شخصیت کے ساتھ تھا۔ چوہدری ولایت حسین ہمارے منشی چوہدری محمد عبداللہ مرحوم کے بڑے بیٹے ہیں وہ معاشی حالات کے تحت برطانیہ چلے گئے اور انہوں نے سیاسی میدان میں کافی بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔

وہ کونسلر بھی بنتے رہے۔ اور ہمارے مقاصد کی تشہیر بھی کرتے رہے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ مفتی

محمود صاحب نور اللہ مرقدہ ان دنوں بیمار تھے۔ خاص طور پر ذیابیطیس کے مرض نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ وہ اس کمزوری کے باوجود تبلیغ اسلام کے لئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہمیں مقبول احمد بٹ شہید کے سلسلہ میں انہیں ہمنوا بنانا مشکل نہ تھا۔ ان کے ساتھ اشفاق ہاشمی ایک کشمیری ادیب اور ایک نقاد مورخ اور سیاسی رہنما بطور سیکرٹری کام کر چکے تھے ان کی وساطت سے مقبول احمد بٹ شہید اور انہیں تحریک کی نسبت کافی معلومات پہنچا رکھیں تھیں۔

وہ جنرل ضیاء کے معتمدین میں تھے۔ انہیں محمد عبدالقیوم خان کے بارے کوئی زیادہ دلچسپی نہ تھی وہ محمد عبدالقیوم خان کو حکومت پاکستان کا مہرہ سمجھتے تھے۔ وہ ساری باتیں سننے کے بعد مغموم ہوئے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ صدر جنرل ضیاء کو مقبول احمد بٹ شہید کے بارے میں براہِ راست ملوث کرنے کی کوشش کریں گے انہیں ہمارے ساتھ اتفاق تھا کہ جنرل ضیاء کے کہنے پر بھارت مقبول بٹ شہید کو رہا نہ کرے گا۔

بھارت کو مقبول احمد بٹ شہید کی اس گوریلہ تحریک سے سخت نفرت تھی۔ ہماری یہ خواہش تھی کہ مقبول احمد بٹ شہید کو ایک عام قاتل، ڈاکو اور دہشت گرد کا لقب نہ دیا جا سکے وہ آزادی کی تحریک کے مسلح جدوجہد کے علمبردار تھے۔ آگے چل کر کیا ہوا؟ داستان مکمل ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین جو خفیہ خط و کتابت ہوتی رہی اسے شائع کیا جائے تاکہ برصغیر کی سنہری تاریخ یہ سرخ باب چمکتا رہے۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بیدار کرتا رہے۔ مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر لوگوں کی وجہ سے خط و کتابت شروع ہوئی تھی ہماری اطلاع کے مطابق یہ کامیاب ہونے والی خفیہ مہم تھی جسے دوستوں کے ہاتھوں نے ناکام بنا دیا۔

میرے برطانیہ جانے سے پہلے سینہ با سینہ یہ خبر چلی تھی کہ مسٹر مقبول احمد بٹ پھر واپس جا رہے ہیں۔ جس سے ہم سب کو تشویش لاحق ہوئی۔ پروفیسر نذیر تبسم نے یہ خبر مجھے سنائی پروفیسر نذیر تبسم وسیع المطالعہ شخص تھے اور بازار کے نیم خواندہ نوجوانوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے سر سے علم کا سایہ اٹھ چکا ہے لیکن وہ وہ بہت سی راز کی باتیں نکال لیتے ہیں۔ ان کے بتانے کے بعد ہمارے لئے کوئی راہ باقی نہ رہی کہ ہم مقبول بٹ کو میرپور بلا کر ان سے اصل موضوع پر بات کریں۔ پروفیسر صاحب کا مشورہ بڑا صائب تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فوری طور پر ان کو پار جانے سے روکو ورنہ پوری جماعت پر عتاب نازل ہوگا۔

چنانچہ ہم نے میر ہدایت اللہ صاحب کو میرپور بلایا۔ محمد بشیر تبسم صاحب کے گھر ہماری ایک خفیہ میٹنگ ہوئی تھی۔ جس میں مسٹر بشیر تبسم، محمد مقبول بٹ اور ایک دو اور آدمی بھی ہوں گے۔ رات بھر بیٹھے رہے اور عشاء کی نماز سے لے کر صبح تک بڑی تفصیل سے ایک ایک موضع پر گفتگو ہوتی رہی۔ مقبول بٹ صاحب اپنے اصل ارادوں سے ہمیں آگاہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ حیران تھے کہ انہیں ہم سب کو یہ خبر کیسے پہنچا دی گئی ہے۔

بہر حال میں نے صاف طور پر کہا کہ بحث و دلائل کی روشنی میں اگر وہ جیت جائیں تو ہم ان کی رائے بسر و چشم تسلیم کرلیں گے اگر ہماری رائے میں زیادہ وزن ہے اور قومی وقار مجروح نہ ہوتا ہو اور تحریک آزادی کے نقصان کا احتمال نہ ہو اپنے ساتھیوں کو مزید آزمائشوں سے ڈالنے سے بچانا مقصود ہو تو مقبول بٹ کو ہمارے ارادے سے اتفاق کر کے اپنا پروگرام بدل لینا چاہیے۔ جنہوں نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ قبول کرلیا ہم نے جو اعتراض کئے تھے ان کا مختصر تذکرہ ضروری ہے......

سب سے پہلے ہم نے یہ کہا کہ ان کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا ہے اور ایک سول عدالت میں انہیں سزائے موت دے دی اپیل کے فیصلہ سے قبل وہ چلے آئے تھے۔ اپیل کی مدت بھی ختم ہوگئی ہے ایسی صورت میں ان کے پار جانے کے بعد ان کو گرفتار کرتے ہی بھارتی حکومت کے زور دینے پر ان کی پھانسی کی سزا پر عملدرآمد کرلیا جائے گا اور ہمارے پاس کوئی دوسرا مقبول احمد بٹ کی جگہ لینے والا گوریلا صفات کا حامل موجود نہیں ہے۔

دوسرا ان کے پار جانے سے وہ لوگ جو ان کی مدد کرتے رہے ہیں وہ گرفتار ہو جائیں گے۔ ان کی جگہ کوئی گرفتار ہونے کے بعد اس تحریک میں شامل نہیں ہوگا۔ اگر مقبول بٹ کو بھارتی ایجنسیاں گرفتار نہیں کرتی ہیں تو ہر طرف شور مچ جائے گا مقبول بٹ بھارتی جاسوس ہے۔ اس طرح پارٹی کو بے حد نقصان پہنچے گا۔

اگر وہ عدالت کے فیصلہ پر عملدرآمد نہیں کرتے تو سمجھا جائے گا کہ محبّ وطنوں کو پھنسانے کی ایک چال ہے۔

ہمارے پاس کوئی بڑی تنظیم نہیں ہے جو جیل سے لاکر آپ کو آزاد کشمیر میں چھوڑ سکے گا۔ ہمارے پاس ایسا شخص بھی موجود نہیں جس کے ارد گرد گوریلا نظریات کے نوجوان اکٹھے ہوسکیں۔ بھارت اس طرح ہماری کمزوری کا فائدہ اٹھائے گا۔ بھارت انہیں کشمیر کی جیل سے نکال کر دور دراز کسی بھارتی جیل میں ڈیتھ سیل میں ڈال دے گا اور اس طرح ہماری غیرت کو چیلنج کرتا رہے گا۔ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے کہ ہم کسی گوریلا سرگرمی سے چھڑا سکیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ گرفتار ہی نہ کرے اور کھلا چھوڑ دے۔ اس طرح ہماری پوزیشن مشکوک بنا دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی سرگرمی کرے جو آپ سے منسوب ہو اور اس طرح ہمارے لیڈروں کو اور اس طرف پارٹی کو نقصان پہنچے۔ جس کی تلافی ممکن نہیں۔

ان سرسری وجوہات کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں زیر بحث آئیں ان کے پاس ان کو ردّ کرنے کی کوئی دلیل نہ تھی۔ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ کوئی آدمی جان دینے کو تیار نہیں ہے۔ اور ہماری خاموشی سے تحریک ہمیشہ کے لئے خاموشی میں چلی جائے گی۔ یہ اپنے ہاتھوں سے تحریک کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

لیکن بعد میں انہوں نے تسلیم کرلیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ جانثار کفن بردوش نکلیں گے اور کام چلتا رہے گا انہوں نے پارٹی کے فیصلہ کا احترام کر کے یہ کہا کہ وہ اپنے اس ارادہ سے باز آ گئے ہیں۔ لیکن جب میں انگلینڈ پہنچا تو

تھوڑے عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ انہیں فوج نے گرفتار کرلیا ہے مجھے اتنا شاق گزرا کہ میرا فوری ردّعمل یہ تھا کہ اب میں اس پارٹی میں نہیں رہوں گا کیونکہ اس میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز نہیں ہے ہر آدمی اپنی ذاتی مرضی کے تابع ہے وہ جماعتی رائے کو کوئی عزت دینا یا اسے تسلیم کرنا اپنی عزت کے خلاف سمجھتا ہے۔

اسی دوران میرا بھتیجا محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ وہ بھی انگلینڈ پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے صاف صاف بتادیا کہ میرا ایک غیر منظّم پارٹی میں کام کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اس کی معلومات کے مطابق مقبول بٹ نے بارڈر کراس نہیں کیا یہ کوئی کشمیری نوجوان ہے جوان کے نام اور بھیس پر داخل ہوا اور پکڑا گیا ہے اس نے اگر ایسا کیا تو یہ گوریلا سرگرمی کا قابل تعریف حصہ ہے۔ چند مہینوں کے بعد فضا صاف ہوگئی اور تمام شکوک دور ہوگئے یہ مقبول بٹ شہید ہی تھے جو اپنی جان دینے کے لئے بارڈر کراس کر گئے تھے۔

ہم نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو سمجھایا اور تنظیمی امور میں مصروف ہوگئے۔ مقبول احمد بٹ کی خط و کتابت امان اللہ خان سے تھی۔ وہ اس میدان میں جیل کے اندر اور جیل کے باہر کام کرتے رہے اس موقع پر میں ایک اور واقعہ سنا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ............

’’میں نے واپس آکر پارٹی کو سب معاملات سے آگاہ کردیا تھا اور پارٹی نے مجھے ہدایت کی کہ مسٹر امان اللہ خان کو کہا جائے کہ وہ سب سے پہلے گوریلا سرگرمیوں کے بارے میں فلسطینی دوستوں یا دوسری دوست گوریلا تنظیموں سے مل کر ٹریننگ حاصل کریں وہ خود تبلیغ اشاعت کے مرحلے کے لئے کافی ہے۔ اسے خاصا تجربہ حاصل ہے ان دِنوں مشہور ہوگیا تھا کہ مقبول بٹ کی رہائی کے لئے کوئی گوریلا ایکشن کیا جارہا ہے۔

چنانچہ ہم نے ہدایات دیں کہ کوئی گوریلا ایکشن برطانیہ میں نہ کیا جائے کیونکہ برطانیہ کے لوگ آئیرلینڈ والوں کی گوریلا سرگرمیوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں وہ قوم پرامن رہنا چاہتی ہے وہاں کے قوانین بھی سخت ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اگر کوئی ایکشن لینے کی منصوبہ بندی ہورہی ہو تو اسے کسی دوسری جگہ عمل میں لایا جائے۔ دوسرے، ایک وقت تک کوئی گوریلا کارروائی نہ کی جائے۔ جب تک ایک سے زیادہ آپریشن کرنے والی ٹیمیں مکمل نہ ہوجائیں۔ پھر اس وقت کوئی قدم اٹھایا جائے۔ جب تک چھپنے چھپانے کی جگہ محفوظ نہ ہو۔

اور گوریلا سرگرمی کے بعد بات چیت کے لئے بہت احتیاط برتی جائے اس میں مقبول بٹ کی رہائی کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے کیونکہ مقبول بٹ شہید کو پھانسی پر چڑھانے کے لئے پانچ منٹوں میں بلیک وارنٹ حاصل کرکے پھانسی دے کر یہ ڈرامہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مقبول احمد بٹ شہید کو تبادلے میں منگوانے کا فیصلہ کرنا ہو تو مغوی سفیر سے کم لیول کا نہ ہو۔ بھارت ڈپٹی ہائی کمشنر یا سفارت کار کے بدلہ میں مقبول بٹ شہید کو ہمارے حوالہ نہیں کرے گا وہ چاہتا ہے کہ وہ اتنے بڑے

آدمی کو چھوڑ نہیں سکتا جو آزادی کی علامت بن چکا ہے۔اس طرح کی خط میں تجاویز لکھ کر بھیج دی تھیں۔اور ہدایت کی تھی کہ وہ خود حاجی آفتاب احمد انصاری، مرزا محمد صدیق انصاری، عبدالجبار بٹ اور دورے مرکزی ساتھیوں کو جو راز داں ہوں انہیں اپنے اعتماد میں لے کر یہ خط سنا دیں اور کچھ نئی باتیں جاننا چاہیں گے تو ہم جماعت سے مل کر فیصلہ کریں گے اور وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں گے''۔

ہمارا یہ موقف اس لئے تھا کہ ہمیں مفتی محمود رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتوں کے پھول برسائے، کے ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ حکومت پاکستان اور بھارت کے درمیان خفیہ ذرائع سے خط و کتابت جاری ہے اور اتفاق کرلیا گیا ہے کہ مقبول بٹ کو بھارتی قیدیوں کے بدلے میں رہا کردیں گے۔اور وہ مسٹر محمد مقبول احمد بٹ کے تبادلے میں دو سینئر فوجی افسروں کی رہائی چاہتے تھے۔ جو بھی طے ہوگیا تھا لیکن انہوں نے ایک ایسی شرط رکھی جسے قبول کرنا حکومت پاکستان کے لئے آسان نہ تھا۔انہوں نے لکھا تھا کہ مقبول احمد بٹ اب بھی کہتا ہے کہ وہ بھارت کے خلاف گوریلا جنگ جاری رکھے گا اور اس کی ضمانت کے لئے حکومت پاکستان کو بار بار اصرار کر رہا تھا۔ وہ اس اس امر کی ضمانت دیں کہ وہ اب گوریلا جنگ نہیں کرے گا۔

یہ باتیں مجھ تک میجر جنرل حیات (صدرِ آزاد کشمیر) کے ذرائع سے پہنچائی گئی تھیں۔اور میں نے ان کو کہا کہ حکومت پاکستان کو اس امر کی ضمانت دے دینی چاہیے ہم مقبول بٹ کو پاکستان میں نہیں رہنے دیں گے اسے کسی دوسرے ملک بھیج دیا جائے گا۔

بہرحال اس طرح کی خط و کتابت جاری تھی امید بندھ گئی تھی کہ مسٹر مقبول بٹ کو پاکستان کے حوالہ کردیا جائے گا۔ یہ خفیہ خط و کتابت بھی کسی نادان نے فاش کردی تھی ،جس پر حکومت بھارت نے احتجاج کیا تھا۔اصل حقائق کیا ہیں؟ معاملہ کہاں تک پہنچا تھا اور اس کا پردہ کل کا مورخ چاک کرے گا ہم اس سے زیادہ باریک بینی سے کچھ نہیں بتا سکتے۔

جموں کشمیر کی تاریخ کا یہ سنہری باب ہمیشہ رہنمائی کرے گا کہ کشمیر کے زندہ دل باشندوں نے برطانیہ میں جا کر اپنے ایک کشمیری بھائی کی آزادی کے لئے کتنا بڑا رسک لیا تھا۔مہاترے ایک سفارت کار تھا اسے کسی سے دشمنی نہ تھی لیکن اس کے اغوا کا مقصد بڑا مقدس تھا وہ کون لوگ تھے جنہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا وہ کس جماعت سے تعلق رکھتے تھے وہ اتنی لمبی سزاؤں کے باوجود بھارتی حکومت یا برطانوی حکومت کو راز بتلانے سے گریز کرتے رہے۔محاذ رائے شماری اس منصوبے کا حامی نہ تھا۔اس لئے انہیں محاذ رائے شماری کے ممبران ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔وہ لبریشن فرنٹ کے ممبر رہے لیکن لبریشن فرنٹ نے اس اغوا کو تسلیم کرنے کا منصوبہ بنانے سے سختی سے انکار کردیا تھا۔اس میں سترہ اٹھارہ سال کے بچوں سے لے کر چالیس پچاس سال تک عمر تک کے تجربہ کار لوگ شامل تھے۔ برطانوی حکومت نے قیاسات کو سامنے رکھ کر

عدالت میں تحقیقات کے لئے مقدمہ کی سماعت کے لئے پیش کر دیا۔

اس میں کھوئی رٹہ کے عبدالقیوم راجہ جو سیاسی رہنما تھے انہیں عمر بھر کی سزا دے کر جیل بھیج دیا گیا۔اس میں کوٹلی کے ملک محمد ریاض اور ڈڈیال کے محمد صدیق بھٹی بھی شامل ہیں کو سزائیں ملیں وہ سبھی جیلیں کاٹ کر واپس آئے۔اس میں عبدالمجید انصاری اور جہانگیر مرزا میر پور اور ڈڈیال کے دونو عمر بچے تھے جنہیں سزائیں دے کر رہا کیا گیا۔اس میں مرزا محمد اسلم میر پور کے رہنے والے ایک عظیم آزادی پسند کر پکڑا جاتا رہا۔ پھر چھوڑ دیا جاتا رہا۔

پولیس ملزم سے کوئی معلومات حاصل نہ کر سکی۔اسے امریکہ سے وارنٹوں کے ذریعہ لایا گیا وہ شیر نوجوان آدمی امریکہ میں بھی اس مقدمے میں ایک سال سے زائد عرصہ تک امریکہ کی جیلوں میں رکھا گیا اور اس کے مقدمہ کی سماعت کے بعد باعزت رہائی عمل میں آئی وہ سترہ اٹھارہ سال تک مختلف ممالک میں آزادی کی تلاش میں گھومتا رہا۔ بالآخر انٹرنیشنل وارنٹوں کے ذریعے اسے امریکہ سے گرفتار کر کے برطانیہ لایا گیا۔

ان لوگوں نے اس کے عزیز واقارب کو برطانیہ، امریکہ، فرانس، میر پور اور دور ے مقامات پر بے حد پریشان کیا گیا یہ لوگ آزادی کی آگ کو ٹھنڈی نہیں ہونے دیتے لیکن ان کا طریقہ کار کیا ہے وہ کس طرح اس کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں یہ ان کے فیصلوں کا مرہونِ منت ہوگا۔ان میں اگر کسی کو پشیمانی ہوتی ہے تو وہ اس لئے ہوئی کہ جھوٹی کہانیاں بنا کر انہیں پھنسایا گیا۔ وہ تب بھی صاف ستھرے لوگ تھے جب مہاترے قتل نہیں ہوا تھا۔اور اب بھی صاف ستھرے لوگ ہیں جنہوں نے مہاترے کے قتل کو آزادی پسندوں کا کارنامہ قرار دیا ہے۔

بہر حال اس سانحہ کے بعد حکومت بھارت نے جلدی سے مقبول بٹ شہید کو 11 فروری 1984ء تہاڑ جیل دہلی میں پھانسی پر چڑھا دیا اور تختۂ دار پر چڑھا کر یہ ثابت کیا کہ

صلہ شہید کیا ہے ؟
تب و تابِ جاویدانہ

آج پوری قوم انہیں آزادی کا مینار سمجھ کر آگے بڑھ رہی ہے۔اسے کسی کالی گھٹائیوں کی کوئی فکر نہیں ہے نئی نسل کی زبان پر ہر وقت یہ نغمہ رہتا ہے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا؟
گر جیت گئے تو کیا کہنا ، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کا سالانہ اجلاس کوٹلی میں ہوا اس میں محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کرنے کی خاطر ترمیم لائی گئی جنرل کونسل نے اس پر خوب بحث کی گئی دونوں اطراف کے لوگوں نے دلائل دیئے بالآخر جب قرارداد پر

رائے شماری کرائی گئی تو 60 فیصد کے قریب قرارداد کے حق میں ووٹ آئے۔

اس طرح یہ ترمیم منظور نہ ہوسکی۔ اسی جنرل کونسل کے نام پر ایک مکتوب امان اللہ خان نے لکھا کہ اگر محاذ رائے شماری کا اب نام تبدیل کر دیا جائے تب بھی ہمارا نباہ نہیں ہوسکتا وہ اپنی الگ راہ کی طرف گامزن تھے۔ اور میں نے اس جنرل کونسل کو لکھے گئے مکتوب کے جواب میں ایک خط بھی تحریر کرکے امان اللہ خان کی خدمت میں بھیجا۔ 1986ء میں دوبارہ ترمیم لائی گئی اس طرف پھر بہت سے لوگوں نے زور لگایا کہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل ہو جائے لیکن بالآخر بحث مباحثہ کے بعد ترمیم واپس لے لی گئی۔

1988ء میں ایک بار پھر ترمیم لائی گئی محاذ رائے شماری کا اجلاس میرپور میں ہونا قرار پایا تھا۔ اس اجلاس میں تمام برانچوں نے سب سے زیادہ دلچسپی لی اور اس میں شرکت کی۔ محاذ کے رہنماؤں میں اس قدر پھوٹ پڑ چکی تھی کہ وہ اپنے بزرگوں سے نالاں تھے۔ مجھے کوئی علم نہ تھا کہ اس طرح کوئی جوڑ توڑ ہو رہا ہے۔ کوششیں ہو رہی ہیں میں اپنے چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا وہاں میرے کزن مولانا عبدالغنی مرحوم تشریف لائے اور کہا کہ آپ اندر بیٹھے ہیں باہر جماعت کی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ میرے عزیز اشفاق احمد انصاری اس میں پیش پیش تھے۔

اشفاق احمد کی قربانیاں لازوال ہیں وہ کبھی کسی عہدہ کا طالب نہ تھا۔ وہ مخلص ترین ساتھی پارٹی کے مفاد کو عزیز رکھتے تھے۔ اسی دوران مجھے عزیز بھٹی شہید مرحوم کا ایک خط ملا وہ خانہ کعبہ میں حج کی خاطر رہے تھے۔ انہوں نے خط میں لکھا کہ وہ پسند نہیں کرتے کہ محاذ کا نام تبدیل ہو۔ ہم نے اس نام پر تشدد برداشت کیا ہے۔ وہ برطانیہ میں مہاترے قتل میں زیرحراست بھی رہے۔ ان کے بیٹے ریاست بھٹی کے علاوہ ان ہی کے عزیز محترم ناظم بھٹی اور صدیق بھٹی کو برطانوی جیلوں میں اذیتیں برداشت کی ہیں۔ صدیق بھی ایک طویل قید کاٹ کر رہا ہوا تھا۔ اس گھرانے کا مشورہ معمولی نہ تھا۔ انہوں نے جماعت کی آبیاری اپنے خون سے کی۔

اس طرح اشفاق انصاری اور اس کے دوست پارٹی کا نام جماعت کا نام تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے سب کو کہا کہ میں غیر جانبدار ہوں گا۔ اور جو آئین کے مطابق ہوگا اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ اشفاق انصاری اور اس کے دوستوں نے ممبران ورکنگ کمیٹی اور سنٹرل کمیٹی کے ممبروں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ اس طرح یہ معاملہ ورکنگ کمیٹی میں پیش ہوا۔ اور بڑی گرما گرم بحث ہونے کے بعد وہ دوست آئین کے مطابق اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

چونکہ جنرل کونسل میں ترمیم کے لئے دو تہائی کی اکثریت کی ضرورت تھی جو کہ ان کے پاس نہ تھی اس اجلاس میں آزاد کشمیر اور پاکستان سے بھرپور طریقہ سے لوگوں نے شرکت کی۔ کچھ چہرے مجلس عاملہ کے اجلاس میں بالکل نئے تھے۔ اجلاس شروع ہوتے ہی پریس نمائندگان پہنچ چکے تھے۔ محمد مسکین عاصی بن خرماں سے نوجوانوں کا جلوس لے کر آ گئے

کہ نام کو کسی صورت تبدیل نہیں ہونے دیا جائے گا ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی۔

تمام ممبران پریشان تھے اجلاس شروع ہونے سے قبل آئندہ کے عہدوں کے لئے مشورہ کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ اب نئے لوگوں کو موقعہ دیں گے وہ ایک سال تک تنظیمی کام کریں اور سال کے بعد مناسب سمجھیں تو نام تبدیل کر لیں لیکن کچھ ساتھی یہ بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ محمد عظیم دت ایڈووکیٹ اور اشفاق احمد انصاری بائیکاٹ کر کے جنرل کونسل کے اجلاس میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جنرل کونسل میں اتفاقِ رائے سے جی ایم میر صدر اور محمد عظیم دت کو سیکرٹری جنرل چن لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود بے شمار رہنما اور کارکن محاذ رائے شماری سے مستعفی ہو گئے اس کے بعد محاذ رائے شماری کی قیادت پیرزادہ محمد سعید شاہ نازکی نے سنبھال لی اس لئے محاذ میں توڑ پھوڑ کا عمل جاری رہا۔ اور آج اس کے باوجود سب اب اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور اکٹھے ہو رہے ہیں۔ انگلینڈ میں بھی یہ ہی صورتِ حال رہی محاذ رائے شماری کے بعد نیشنل لبریشن فرنٹ اور اس کے ساتھ لبریشن فرنٹ بھی قائم ہو گیا۔ بھارتی سفارت کار کے اغوا، قتل اور مقبول بٹ کی شہادت کے بعد مختلف گروہوں میں کام کر رہے ہیں۔

انگلینڈ میں مہاترے قتل کیس

مہاترے قتل کی تفتیش کے دوران سب سے زیادہ مرزا محمد بشیر، محمد صدیق مرزا، عبدالعزیز بھٹی شہید اور زبیر الحق کے خاندانوں پر کافی مصیبت ٹوٹ پڑی ان کے تمام گھرانوں پر کافی مصیبت ٹوٹ پڑی ان کے تمام گھرانوں میں پولیس نے جا کر ان کی خانہ تلاشیاں لیں اور ان کے ضروری کاغذات تک لے گئے۔

محمد بشیر مرزا نے ایک دلچسپ لطیفہ سنایا تھا کہ ایک جتھہ پولیس کا ان کے گھیراؤ کے لئے آیا وہ خاموش تھا کہ انہوں نے اصل قاتل کو پکڑ لیا ہے کیونکہ ان کو وہاں سے محاذ کا ریکارڈ ملا تھا۔ دفتر کا ریکارڈ تھا اور ڈیتھ کمیٹی کا انچارج ہونے کا ریکارڈ بھی ملا تھا۔ وہ بے چارے نہ سمجھ سکے کہ ڈیتھ کمیٹی کے صدر سے کیا مراد ہے؟۔ تو مرزا محمد بشیر نے بتایا کہ ہم لوگوں نے جو باہر سے آئے ہیں مردہ لاشیں بھیجنے کے لئے کمیٹیاں بنا رکھی ہیں اور ان کے عہدے دار بھی موجود ہیں۔ انہیں اس ڈیتھ کمیٹی کا صدر بنایا گیا ہے۔

مہاترے کے ڈیتھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے ان کے خاندان کے ایک ایک آدمی سے تحقیقات کیں اور انہیں بہت پریشان کیا۔ مسٹر زبیر الحق انصاری لبریشن فرنٹ کے عہدے دار تھے وہ ایک سیاسی تنظیم تھی بلا شبہ ان کے ساتھیوں کے خلاف پولیس کو مواد ملا تھا۔ لیکن ان کے پورے خاندان کو نشانہ بنایا گیا۔ عبدالعزیز بھٹی شہید کی طرح انہیں زیرِ حراست رکھا گیا۔ محمد صدیق بھٹی ایک چمکتا ہوا سیاست کے افق پر ایک ستارہ ہے۔ وہ تنہا تھا اس معرکہ میں وہ اکلوتا بیٹا تھا جسے پکڑا گیا۔ محمد اسلم مرزا بھی اکلوتا بیٹا تھا جس کو اٹھارہ سال تک بھگایا جاتا رہا۔ اس گروہ میں محمد ظہور بھی ماں

باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جسے سرینگر بھیجا گیا۔ اور آزادی کی جنگ کے لئے مورچوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ ان ہی لوگوں میں جمعہ بھٹی، عنایت حسین بھٹی جیسے منجھے ہوئے سیاست دان بھی نہ بچ سکے۔ محمد معصوم انصاری وہاں کا کونسلر بھی رہا۔

ناظم بھٹی بھی ایک سنجیدہ سیاسی رہنما ہے۔ ان سب خاندانوں پر پولیس نے دہشت گردی کی انتہاء کردی۔ اس مقدمہ میں جہاں بہت سے لوگوں نے اپنا اپنا کردار ادا کیا وہاں راجہ عبدالقیوم اور ان کے ساتھیوں کی امداد کے لئے محمد اسلم لون صاحب، عظمت خان، محمد غالب، محمد یونس تریابی ماسٹر عبدالمجید مرزا محمد صدیق ناظم بھٹی، زبیر الحق انصاری، محمد معصوم انصاری پیش پیش رہے۔ ریاست بھٹی عبدالمجید انصاری اور جہانگیر مرزا کے گھروں تک تلاشیاں لینے کے لئے پولیس کشمیر میں آتی رہی۔ عبدالجبار بٹ پروفیسر نذیر نازش، حاجی محمد ایوب اور ان کے دیگر ساتھیوں نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اب کامیاب ہونے کے بعد ان کے حوصلے یقیناً بلند ہوں گے۔

کامیابی سے مراد یہ لی جائے کہ مسئلہ کشمیر جو منجمد ہو چکا تھا اس کو گرما دیا اور کشمیر کی آزادی کے لئے لڑنے والوں کی بڑی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا وہ وقت بھی آن پہنچا کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی ادھر ادھر بکھرنے کی بجائے اپنے پروں کو سمیٹے ہوئے اپنے آشیانوں میں آپہنچے، اب ان میں نئے سرے سے کسی سے اتحاد اس کی علامت ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد کی راہ متعین کریں گے اور اپنی بساط کے مطابق دشمن قوتوں سے نبرد آزما ہوں گے۔

1970-80ء کی دہائی میں ایک دو مواقع ایسے پیش آئے کہ سیاسی لیڈروں کو متحد ہونے کا موقعہ مل گیا۔ میر پور میں ایک مقامی کالج کی انتظامیہ اور طلباء کے درمیان کشمکش شروع ہوئی۔ اس وقت بریگیڈیئر محمد حیات خان حکومت آزاد کشمیر کے چیف ایگزیکٹو (صدر) تھے۔ ہماری بریگیڈیئر سے اچھی راہ و رسم تھی وہ ہماری تنظیم کو ملک دشمن سمجھتے تھے۔ یہی وہ دن تھے جب ہماری فوج کے جرنیلوں سے براہِ راست ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

جنرل حیات نے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کو کسی تقریر میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔ میر پور کے مقام پر لوگ صدر حکومت سے ملے تھے۔ اس وقت کشمیری محبّ الوطنوں جانثاروں نے ایک اور طیارہ اغوا کر کے جہاز کو لاہور ایئر پورٹ پر اتارا تھا وہ کچھ عرصہ وہ ہمارے پاس بھی رہے عبدالحمید دیوانی اور ان کے ساتھیوں کا ہمارے میر پور کے محاذ رائے شماری کے کارکنوں اور رہنماؤں نے بہت خیال رکھا۔ ان کی فوجی وردیوں میں ملاقات کرانے کے لئے منگلا ریسٹ ہاؤس لے جایا گیا۔ ان کے پہنچنے پر بہت سے ایجنسیوں میں گڑبڑ پیدا ہوگئی۔

چنانچہ انہوں نے ملاقات کرنے کی اجازت نہ دی اگر جنرل جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا تھا وہ میرے پاس آگئے اور انہوں نے کہا کہ وہ ان سے راولپنڈی میں آکر ملاقات کریں، مجھے میرے دوستوں نے بتایا کہ یہ جنرل نمبر ایک نہیں، یہ براہِ راست فیصلے کر کے ان پر عمل درآمد کرا لیتے ہیں۔ جنرل فیض عالم چشتی تھے۔ ان دنوں وہ بھٹو کے خلاف صف

آراء تھے میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں تک رسائی مشکل ہے۔

اور تاریخ دے کر بھی مقررہ وقت پر نہیں ملتے۔ میں اس لئے بھی ہمیں آپ کی طرف رجوع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو بلایا اور تاریخ ڈائری پر درج کرائی اور ہمیں تاریخ دیکر وعدہ کیا کہ وہ ان شاءاللہ ہر صورت میں ملیں گے۔ اس اثناء میں ایک عجیب واقعہ ہوا کہ اس علاقے کو چاروں طرف سے خالی کرایا گیا ہوا تھا۔

جنرل ضیاء جنرل حیات خان اور پانچ چھ ملٹری اوران کے پرسنل سٹاف کے ممبروں کو میں نے چڑھائی چڑھتے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ نماز پڑھنے کے لئے جارہے ہیں۔ میں بھی آہستہ آہستہ ان کے پیچھے ہولیا اور نماز کی صف میں کھڑا ہوگیا۔ جنرل ضیاء نے نماز باجماعت پڑھائی۔ اور دوستوں نے یہ عجیب منظر دیکھا اور وہ حیران رہ گئے میں وہاں کیسے پہنچ گیا۔ میں تاریخ مقررہ پر لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی کے دفتر میں پہنچا۔

عبدالحمید دیوانی اوران کے ساتھی ہمارے ساتھ تھے۔ جنرل چشتی صاحب انتظار کررہے تھے۔ وہ بڑے پرتپاک طریقے سے ملے۔ اور بیٹھتے ہی انہوں نے عبدالحمید دیوانی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ دیکھو اس بیٹے کو انہوں نے چیلاس کے قلعہ میں رکھا اور پشتو زبان سکھائی اور حکم دیا کہ جو بھی نشہ آور چیز مانگتے ہیں انہیں دی جائے فوجیوں نے سیاسی لوگوں کو صحیح راہ سے ہٹانے کے لئے یہ راستہ بھی اختیار کیا تب جاکر معلوم ہوا کہ عبدالحمید دیوانی اوران کے دوست کس طرح نشہ آور چیزیں استعمال کرنے میں عادی ہوگئے۔

چنانچہ ان کی اس عادت کی بنا پر ہم نے اُن سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اورانہوں نے اکبر لائبریری والی جگہ ٹینٹ لگا کر رہائش اختیار کی اوران کے پاس بدنام لوگ جانے لگے تو ڈپٹی کمشنر کے حکم سے انہیں ضلع بدر کردیا اس کے باعث ہماری جماعت میں انتشار ہوتے ہوتے بچا ورنہ ویلی کے لوگ یہ کہتے تھے، ویلی میں ایسے لوگوں کو بڑے بڑے ولیوں کا سردار سمجھتے ہیں۔ بلکہ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں ان کی براہِ راست رسائی ہے ان کے بغیر وہاں پہنچنا مشکل ہے یہ باتیں ڈپٹی کمشنر نے اُنہیں ضلع بدر کئے جانے کی وجہ سے بتائی تھیں۔ ورنہ ہماری کوئی سننے کو تیار نہ تھا۔

سب سے بڑھ کر محمد بشیر تبسم اس کا نشانہ بنے۔ بہر حال ماضی میں کارکن ایسا کچھ کرتے رہے ہیں مہاترے قتل کیس میں راجہ عبدالقیوم کو اس کے دوست اور رشتے دار اندرون ملک اور بیرون ملک سے ملنے کے لئے جاتے رہے۔ لیکن ان کا سب سے زیادہ رابطہ اورانحصار آفتاب احمد انصاری پر ہی تھا۔ ماں اور بیٹے کے درمیان یہ واحد وسیلہ تھا جس سے ان کو ایک دوسرے کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ آفتاب احمد انصاری خصوصی طور پر برطانیہ سے کھوئی رٹہ آتے اوران کو تسلیاں دیتے رہتے تھے۔ میں خود آفتاب احمد انصاری کو ساتھ لے کر انہیں جیل میں ملنے گیا تھا۔

مسٹر ضیاء الحق عزیزم بھی ساتھ تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اس نوجوان کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ جیل کو اپنا دوسرا گھر سمجھتا ہے۔ آزادی کے علمبردار نوجوان ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے آنے والی نسلوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایک زندہ اور آزاد قوم کے فرزند ہوتے تو وہ کشمیر کے سیاسی افق پر چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے۔

لیکن غلام قومیں حقیقت میں زندہ لاشیں ہوتی ہیں۔ جنہیں کوئی صورِ اسرافیل ہی بجا کر جگا سکتا ہے۔ ریاض ملک تو ہمارے دوستوں کے گھرانے کا فرد ہے جو فخر سے کہتا ہے کہ تہاڑ جیل میں شہید کشمیر کے ساتھ رابطہ رہا بلکہ ان سے ملاقاتیں کرتا رہا۔ اور نام و پیام لے آتا رہا۔ ان کی نسلیں فخر سے گردن بلند کر سکتی ہیں ملک محمد شفیع صاحب سے مل کر ملک محمد اصغر سیٹھی ایڈووکیٹ اس کے روح رواں ہیں۔ ملک اصغر آج بھی اسی نظریئے کا علمبردار ہے۔ اور آزادی کے جھنڈے کو سر بلند کر رکھا ہے۔ ان کے روحوں میں شہید کی روح ملی ہوئی ہے جس نے چاروں طرف خوشبو پھیلا رکھی ہے۔ محمد صدیق بھٹی پہلا شخص ہے جس کے گھرانے نے سب سے پہلے برطانیہ میں کشمیر کی آزادی کے لئے رضا کارانہ طور پر سزا برداشت کی۔

محمد ناظم بھٹی اور ریاست بھٹی اس کے دست و بازو تھے۔ یہ لوگ اب بھی قطب ستارہ کی طرح ہیں کہ بھٹکے ہوئے راہی راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ مرزا محمد اسلم چار پشتوں سے ملک و قوم اور نوعِ انسانی کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اور وہ سرگرم کارکن ہیں، محاذ رائے شماری کے لئے وہی فنڈ زا کٹھے کرتے رہے۔ محنتی پیشہ ور اور دیانت دار شخص ہے۔ جس نے کبھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ بدقسمتی سے ان کے سامنے جو رہنماؤں کا نقشہ تھا وہ اس کے نظریے سے متصادم تھا۔ اس نے سب کچھ وطن کے لئے لٹایا تھا۔ ان کے رہنماؤں کے سامنے اپنی مالی حالت درست کرتے رہے۔ پھر جا کر قومی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔

مرزا اسلم اپنے چچا مرزا صدیق کے جانثاروں میں سے ہیں۔ وہ فریادی ہے کہ جماعتوں کی کھاڑ پچھاڑ ان کے روکنے میں ان کے ساتھی مددگار نہ بن سکے انہیں منزل پر پہنچنے کی فکر رہی وہ آگے دیکھتے رہے اور انقلابی دنیا میں ان کی نظریں دائیں بائیں دیکھنے کو پسند نہیں کرتی تھیں نہ انہوں نے کبھی کسی کو دھوکہ دیا اور نہ کسی سے دھوکہ کھایا۔ وہ ایک سیدھا سیاسی کارکن ہے اس کی شجاعت عزم اور ارادے پر مرزا صدیق صاحب کو بھی فخر ہے۔ اس سے پہلے مسٹر امان اللہ خان کا ذکر آ رہا تھا مسٹر امان اللہ خان میرا ساتھی ہے، بھائی ہے، دوست ہے، رہنما ہے اس کے خلاف کہلوانے پر مجھے کئی دفعہ اکسایا گیا لیکن میں کسی کے کہنے پر کچھ نہیں لکھ رہا۔

امان اللہ خان کشمیر کی چلتی پھرتی تاریخ ہے وہ تاریخی ساز ہے البتہ تاریخ کے کچھ گم شدہ اوراق کو اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ اصل صورتِ حال واضح ہو جائے۔ لبریشن فرنٹ کا آزاد کشمیر اور پاکستان میں قیام مسٹر امان اللہ خان کا ذاتی فیصلہ تھا اس سلسلہ میں دو خط شائع کر رہا ہوں تا کہ تاریخ سے وابستہ دوست خود نتیجہ اخذ کر سکیں۔

عبدالخالق انصاری صاحب اور امان اللہ خان صاحب کے خطوط

برادرم انصاری صاحب

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کے خط ملے۔ وکیل کے نام خط کل اسے پوسٹ کروں گا آجکل ایسٹر کی چھٹیاں ہیں۔ اس کا حال ہی میں ایک اور خط آیا تھا جس میں اس نے آپ سے تحریری اجازت کا پھر تقاضا کیا تھا۔

محاذ آزادی کے بارے میں آپ کا طویل خط ملا۔ میں نے اسے کئی بار پڑھا اور اب برادرم آفتاب صاحب کو دیا ہے کہ وہ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں بنوائیں۔ تاکہ برمنگھم کے اہم احباب اسے پڑھیں۔

گزشتہ تین ماہ میں ہماری مرکزی مجلس عاملہ کے دو اجلاس ہوئے ہیں اب اس مسئلے پر تیسرا اجلاس جلدی بلانا ذرا مشکل ہے۔ اگر خط چند دن پہلے مل جاتا تو ایسٹر کی چھٹیوں کے دوران اجلاس بلاتے، لیکن چھٹیاں آج ختم ہو رہی ہیں۔

بہرحال کوشش کر سکتے ہیں کہ اجلاس جلدی ہو اور آپ کے خط پر بحث کے بعد نتیجے اور فیصلے سے آپ کو مطلع کیا جائے۔ یہ خط میں ذاتی حیثیت میں لکھ رہا ہوں اور آپ کے نام بھی ذاتی حیثیت میں ہی ہے۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو چند احباب کو دکھائیں۔ آپ کے خط سے مجھے خوشی بھی ہوئی اور انتہائی دکھ بھی۔ خوشی اس لئے کہ آپ نے لگی لپٹی کے بغیر ہی اپنے ذہن کو واضح کیا۔ انسان کا یہ طرزِ عمل وقتی دشواریاں تو کھڑی کرتا ہے لیکن اس کے دیرپا نتائج بہت ہی مثبت نکلتے ہیں۔ آپ اکثر خط و کتابت میں انتہائی غصے کو بھی نرم ترین الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں اور اس خط میں آپ نے جو ترش لہجہ اختیار کیا ہے اس سے آپ کے اصل غصے کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔

میں آپ کی تاویلات سے متفق نہیں۔ جہاں تک محاذ آزادی کی وہاں علیحدہ برانچ کے قیام کا تعلق ہے یہ ہماری طرف سے تیسری تجویز تھی۔ اولین تجویز یہ تھی کہ دونوں تنظیموں کو مدغم کیا جائے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ تھی کہ وہاں کا محاذ سرگرم ہو جائے۔ لیکن یہ شرط پوری نہ ہوئی نہ ہی ادغام کے سلسلے میں آپ لوگوں کی طرف سے کوئی فیصلہ ہوا۔ آج اس تجویز کو رکھے ہوئے دس ماہ ہوئے لیکن آپ لوگوں کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں ہوا۔ جہاں تک سرگرمیاں معطل ہونے کے لئے ناموافق ماحول کے جواز کا تعلق ہے میں اس سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔

مسلم کانفرنس کے سامنے ایک کاز ہے یعنی آزاد کشمیر میں برسر اقتدار آنا۔ وہ اس کے لئے پوری طرح سرگرم ہے۔ گزشتہ دنوں تک آزاد کشمیر کے جیل مسلم کانفرنسی کارکنوں سے بھرے ہوئے تھے۔ لبریشن لیگ مسلم کانفرنس کی مخالفت کو

اپنا مقصد بنائے ہوئے ہے اور وہ بھی اس سلسلہ میں خاصی سرگرم ہے۔ اگر یہ دونوں تنظیمیں اپنے مقاصد کے لئے ناموافق حالات کے باوجود سرگرم ہیں تو آپ لوگ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے سرگرم کیوں نہیں؟۔

اشفاق انصاری کے کچھ اخباری بیان۔ میرپورسٹی برانچ کا ایک آدھ اجلاس اور کچھ احباب کے حق میں استقبالئے ایک حریت پسند تنظیم کی سیاسی سرگرمی کے آئینہ دار نہیں ہوسکتے۔ آپ کی کون سی برانچ (بجز میرپور) زندہ ہے۔ مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس آئین کے مطابق چھ ماہ میں ہونا ضروری ہوتا ہے گزشتہ سال ایک سال کے بعد ہوا اور اب بھی دس ماہ ہورہے ہیں۔ جنرل کونسل کا اجلاس ساڑھے چار سال سے نہیں ہوا۔ پھر بھی اگر آپ اسے سرگرمی کہتے ہیں تو اس میں بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ دونوں تنظیموں کو مدغم کر کے NLF نام رکھنے کی تجویز آپ کی یا میر صاحب کی ذاتی رائے تھی۔

مجھے آپ کے خط میں سب سے زیادہ دکھ اس بات سے ہوا کہ آپ نے دہلی والے مسئلے کو جگ ہنسائی قرار دیا۔ سب سے پہلے تو بات یہ کہ میں نے خط میں لکھا تھا کہ تفصیلات بعد میں لکھوں گا آپ نے ان تفصیلات کا انتظار کئے بغیر فتویٰ صادر کر دیا۔

برادرم! آپ ایک طرف تو اپنی ہر تقریر میں کئی سال سے صدیق ریاست اور ناظم کے مجاہدانہ کارناموں کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ انہوں نے ہائی کمیشن پر چند پتھر پھینکے تھے۔ اس کے مقابلے میں آپ ان مجاہدوں کے کارنامے کو جگ ہنسائی قرار دیتے ہیں جنھوں نے دشمن کے ملک میں ہی نہیں بلکہ وہاں ہونے والے بین الاقوامی اجلاس کے کانفرنس ہال میں گھس کر ہماری آواز کو وہاں پر موجود دنیا بھر کے وزرائے خارجہ تک پہنچایا۔ پھر مقبوضہ کشمیر جا کر وہاں حالات کا جائزہ لے کر واپس آکر ہمیں وہاں کی صورتِ حال کی چشم دید رپورٹ دی۔

خاصا سامان لے کر دہلی اور سرینگر جانا خالہ جی کا گھر نہیں تھا۔ یہ مجاہد اپنے اصل مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ البتہ ایک اضافی ڈیوٹی میں بیرونی عوامل کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوئی اس میں نہ میرا قصور ہے نہ ان کا نہ مارک کا۔ کچھ اتفاقات ہی ایسے ہوئے جس نے ہمارے اضافی مقصد کو ناکام بنادیا۔ جہاں تک اخبار میں خبروں کی اشاعت کا تعلق ہے یہ خبر رائیٹر کی تھی اور ریڈیو رپورٹ اس میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ نہ وہ کارروائی محاذ آزادی کے نام پر ہوئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کا یہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل ان مجاہدوں کی بدترین توہین ہے۔

میں اس خط میں تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا۔ فتویٰ دینے سے پہلے آپ کم از کم مجھ سے تفصیلات پوچھتے یا میری طرف سے تفصیلات کا انتظار کرتے۔ میں اس خط میں بھی تفصیلات نہیں لکھ سکتا، پھر کبھی لکھوں گا۔

جہاں تک آسٹریلیا کی ٹیم کے مسئلے کا تعلق ہے۔ میں اس خط کی فوٹو اسٹیٹ آپ کو بھیج رہا ہوں جو سب نے ہائی

کمشنر کو لکھا تھا آپ اسی سے اندازہ لگائیں۔ آپ نے اس مسئلہ میں بھی جگ ہنسائی کی بات تو کی لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ اس مسئلے نے ایک طرف مسئلہ کشمیر کو سالہا سال کے بعد آسٹریلوی برٹش اور انڈین پریس کی زینت بنا دیا جو ہم سالہا سال کی تگ و دو کے باوجود نہیں کر سکے تھے۔ یہاں برطانیہ میں ان دنوں کوئی ٹیسٹ میچ ہو رہا تھا۔

ٹی وی کمنٹیٹر نے اپنی کمنٹری کے دوران بتایا کہ مسئلہ کشمیر نے بھارت اور آسٹریلوی ٹیموں کے درمیان بحران پیدا کر دیا ہے۔ حالات یہاں تک پہنچے کہ بھارتی اور آسٹریلوی وزرائے خارجہ کے درمیان ٹیلی فون پر تو تو میں میں بھی ہوئی۔ اگر ''حضرت قائد اعظم شیر کشمیر'' کے فرزند ارجمند دوڑے دوڑے دہلی پہنچ کر تحریری طور پر ذمہ داری نہ لیتے تو آسٹریلیا والے ٹُور ہی ختم کر کے چلے جاتے۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے دہلی میں پریس کانفرنس میں بھی محاذ رائے شماری اور محاذ آزادی کی توہین کی۔ اس مسئلے کا دوسرا اہم فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہماری تنظیم مقبوضہ کشمیر میں متعارف ہوئی۔ کیونکہ وہاں اخباروں میں ہیڈ لائینیں لگ گئی تھیں اور کھلاڑیوں کو ملٹری کے پہرے میں شہرلا یا گیا اور ہوٹل پر بھی سخت پہرہ رکھا گیا اور میچ میں بھی تماشائیوں میں کہیں زیادہ آن ڈیوٹی آرمی تھی۔

آخر اس واقعے کے ان روشن اور انتہائی اہم پہلوؤں کو نظر انداز کر کے آپ صرف جگ ہنسائی کی طرف کیوں گئے؟۔ (اس لئے کہ ہوا کچھ نہیں)۔

اس مسئلے سے بھی زیادہ دکھ مجھے یہاں ہائی کمیشن کو بھیجے گئے کیسٹ کے مسئلہ کے بارے میں آپ کے الزام سے ہوا۔ میں نے یہاں بھی آپ کو کہا تھا اور اب بھی حلفاً کہتا ہوں (بلکہ قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں) کہ نہ تو اس میں میرا کوئی ہاتھ تھا نہ اس کے بارے میں پہلے سے مجھے کوئی علم تھا۔ وہ کام بریڈفورڈ کے ایک کالج سٹوڈنٹ نے کیا تھا جس کا علم مجھ سے پہلے آپ کو ہوا۔ کیونکہ اس نے پہلے آپ کو فون کیا اور آپ نے اسے میری طرف ریفر کیا۔

ان تینوں مسئلوں کے بارے میں آپ کے طرزِ فکر سے مجھے دکھ ضرور ہوا لیکن تعجب نہیں۔ کیونکہ اب وہاں کا ماحول ہی ایسا ہو گیا ہے آپ نے لکھا ہے کہ پہلے جب یہاں احباب کہتے تھے کہ امان اللہ خان نے وائس آف کشمیر اور محاذ آزادی کو اپنی ذاتی تشہیر کا ذریعہ بنایا ہے تو میں انہیں مختلف دلائل دے کر خاموش کراتا تھا۔ اب مجھے اپنی ان دلیلوں کے بودے پن پر ندامت ہوتی ہے۔ مجھے اس بارے میں بھی تعجب نہیں ہوا اگرچہ دکھ ضرور ہوا کہ (یہاں عبارت میں گڑبڑ ہے) ہو جائیں تو دوسرے معاملات خود بخود حل ہوتے ہیں۔

میں جس شخص کو اپنا سب سے بڑا حامی سمجھتا تھا اس کی سوچ بھی نمک کی کان میں جا کر نمک بن گئی۔ البتہ اس الزام کے بارے میں سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔ میرے دلائل آپ لوگوں کو قائل نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں امید نہیں کہ آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ بہرحال لکھنا فرض سمجھتا ہوں۔

اب کے وائس آف کشمیر آ رہا ہے اس میں میں نے محاذ کی سال بھر کی رپورٹ لکھی ہے۔ کل 60 آئیٹم بن گئے تھے۔ میں نے 18 آئٹموں کو ڈراپ کیا۔ صرف اس لئے کہ ان سے میری ذاتی تشہیر کا پہلو نکلتا تھا بلکہ نکالا جاسکتا تھا۔ حالانکہ وہ سارے کام ہوئے تھے اور خاصے اہم تھے۔ باقی 42 میں سے بھی کچھ کو ڈراپ کرنا چاہتا تھا لیکن ان کو ڈراپ کرنے سے محاذ کی کارکردگی کا امیج ہی خراب ہوتا تھا۔ اس لئے انہیں رکھنا پڑا۔

انصاری صاحب! میں نیویارک میں یا کہیں اور کسی وزیر خارجہ سے ملتا ہوں یا ٹیلیفون پر میرا انٹرویو آتا ہے یا کسی کو خط لکھتا ہوں تو کیا میں وہاں اپنے بجائے کسی اور کا نام لکھوں؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں یہاں تنظیمی، دفتری اور خط و کتابت وغیرہ سارا کام خود کرتا ہوں پھر بھی کوشش کرتا ہوں کہ اس کارروائی کو دوسروں کے کھاتے میں ڈالوں۔ پریس ریلیز میں خود بھیجتا ہوں لیکن نام سلیم صاحب کا ہوتا ہے۔

نیویارک کے مجاہدوں کی یہاں برطانیہ اور پاکستان کے پریس میں پوری تشہیر کے لئے میں نے دن رات محنت کی۔ وائس کی بات آئی تو عرض کروں کہ اب کے سیلانی کی ڈائری میں آپ کے بارے میں بھی کچھ ہے۔ اگر مجھے آپ کی سوچ کی اس اہم تبدیلی کا علم ہوتا تو میں نہ کہتا۔ اب تو وائس چھپ بھی چکا۔ اگرچہ آپ کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں۔ بہر حال پھر بھی احباب تو اس کے اور معنی نکالتے، اب خدشہ ہے کہ آپ بھی ویسا ہی کریں گے۔ خیر کوئی بات نہیں..........

''جتھے سو، اُتھے سوا سو''۔

اب آیئے احباب کے مسئلے کی طرف! آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے ذمے مظفر آباد، لاہور اور کراچی کے احباب کو منانے کا کام تھا۔ آپ یہ کام کئے بغیر برمنگھم پہنچ گئے۔ اس بارے میں بھی ایک عرض تو یہ ہے کہ میں نے اس سے قبل بھی کراچی کے واقعات کے بارے میں آپ کو لکھا تھا آپ نے اسے نظر انداز کر کے پھر سے الزام دیا ہے تو سنیں کیا ہوا؟۔

جہاں تک مظفر آباد کا تعلق ہے وہاں میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کو یاد ہے کہ میں کچھ احباب کو باہر لے جا کر ان سے بات کرتا تھا۔ آپ یوسف زرگر سے پوچھیں میں نے کیا بات کی تھی؟ میں نے ان کی منتیں کیں کہ خدا کے لئے اس تنظیم کو خراب نہ کرو۔ اس کے بڑے گلے تھے میں نے آخر اسے منوالیا اور اس نے سبھوں کے سامنے کام کرنے کی حامی بھر لی۔ اس کے بعد جب مرکز پھر سے خاموش ہو گیا تو مظفر آباد والے کیا کرتے؟۔

لاہور میں نہیں جاسکا اور وہاں کوئی ایسا کام بھی نہیں تھا۔ کراچی کے واقعات سے پہلے کے چند واقعات بیان کرنا بلکہ دوہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں جس دن راولپنڈی پہنچا اسی شام پریس کانفرنس کے دوران رشید حسرت صاحب اور ہاشم بھٹی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں سے میر ہدایت اللہ صاحب کو ڈراپ کر کے ہم ڈاکٹر صاحب کے گھر گئے۔ رات کو دیر سوئے صبح میں ابھی لیٹا ہوا ہی تھا کہ ہاشم کی آواز آئی امان صاحب میر قیوم صاحب فون پر ہیں۔ میں دوڑتا ہوا گیا اور ریسور اٹھایا

لیکن میر صاحب نے فون بند کر دیا تھا۔

دراصل ہاشم نے مجھ سے پوچھے بغیر میر صاحب کو کراچی فون کیا اور میرا بتا دیا کہ وہ آیا ہے۔ اور ساتھ ہی مجھے آواز دی لیکن میر صاحب نے فون ہی بند کر دیا۔ میں نے ہاشم کو ڈانٹ دیا تم نے فون کیوں کیا تھا؟ میں خود کرتا۔ شام کو میں نے ان کو فون کیا میر صاحب نہیں تھے۔ طارق سے بات ہوئی اس نے کہا جونہی میر صاحب آئیں گے میں ان سے فون کراؤں گا۔ لیکن دوسرے دن تک ان کا فون نہیں آیا۔ میں نے پھر فون کیا تو طارق نے کہا کہ میر صاحب نے فون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

اس کے بعد مجلس عاملہ کا اجلاس آیا۔ میر عبدالقیوم صاحب نے تمام Available ممبروں کو فون کر کے میرے خلاف اکسایا۔ جسوال ساحب اور وحید بخاری صاحب کو خاص کر۔ جسوال صاحب کا اجلاس کے دوران یہ کہنا کہ امان اللہ صاحب آپ درخواستیں تو یہاں بھی لکھ سکتے تھے انگلینڈ جا کر آپ نے اپنی ذاتی تشہیر کے سوا کیا کیا ہے یہ دراصل میر قیوم صاحب ہی بول رہے تھے۔ جس کا مجھے پہلے سے علم تھا۔ اس کے باوجود میں نے اپنی انا، عزت نفس اور خودداری کی پرواہ کئے بغیر وعدہ کیا کہ میں کراچی جا کر ان سے ملوں اور خود ان سے بات کروں گا۔

کراچی پہنچ کر میں نے دوسرے دن میر صاحب کو فون کیا۔ فون بیگم صاحبہ نے اٹھایا علیک سلیک کے بعد میں نے میر صاحب کا پوچھا کہنے لگیں دوسرے کمرے میں ہیں، بلاتی ہوں۔ خاصی دیر کے بعد رسیور پھر اٹھا تو میں نے میر صاحب سمجھ کر مذاق میں بات شروع کی، خیال تھا کہ اسی طرح رستہ کھل جائے گا۔ لیکن وہاں سے میر صاحب کی بیٹی کی آواز آئی اور اس نے مجھے بتا دیا کہ میر صاحب سو گئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا میں سکول میں ہوں شام تک یہاں ہی رہوں گا۔ میر صاحب اٹھیں تو انہیں میرا بتا دینا۔ لیکن رات نو بجے تک ان کا فون نہیں آیا۔

دوسرے دن پھر فون کیا لیکن بتایا گیا کہ میر صاحب باہر گئے ہیں، اس کے بعد میں رشید شاہ کے پاس گیا۔ (رشید ملک ان دِنوں سرینگر گیا ہوا تھا) اس سے بات کی اس نے کہا میری میر صاحب سے ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے میر صاحب سے کہا تھا کہ امان صاحب آئے ہیں ان سے ملیں وہ ملنا چاہتے ہیں (میں رشید شاہ سے اس سے پہلے بھی ملا تھا)۔ میر صاحب نے انکار کیا آخر رشید شاہ کے زور دینے پر اس شرط پر مجھ سے ملنے پر راضی ہوئے کہ دورانِ ملاقات میں سیاست یا اختلافات کی کوئی بات نہ کروں۔ میں نے حامی بھری اور طے یہ ہوا کہ دوسرے دن رشید شاہ ہوسٹل آئے جہاں کشمیری طلباء کا ایک اجتماع تھا جس میں مجھے جانا تھا۔

دوسرے دن میں وہاں گیا رات نو بجے تک رشید شاہ کا انتظار کیا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس لئے میں گھر چلا گیا۔ اگلے دو دن میں سکول کے معاملات میں مصروف رہا نہ ہی رشید شاہ نے مجھ سے کنٹیکٹ کیا اس کے بعد میں یہاں چلا آیا کیونکہ

ٹکٹ یہاں سے ہی کنفرم ہوا تھا۔ رشید شاہ غالباً اس لئے نہیں آیا کہ میر صاحب نے بعد میں مشروط طور پر ملنے سے بھی انکار کیا ہوگا۔ میرے یہاں آنے کے کئی ہفتوں بعد ہمارے ہالینڈ کے صدر اشرف صاحب کراچی گئے۔ وہاں ان کی کہیں میر صاحب سے ملاقات ہوئی تو میر صاحب نے میرے خلاف معلوم نہیں کیا کیا کہ اشرف صاحب تنظیم سے ہی متنفر ہو گئے اور واپسی پر تنظیمی معاملات سے بالکل لاتعلق ہو گئے۔

انہیں دوبارہ پٹڑی پر چڑھانے میں مجھ چھ ماہ لگ گئے۔ میر صاحب نے دواڑھائی سال قبل شاعری شروع کی تھی۔ اس سے قبل جیل میں بھی انہوں نے ایک نظم لکھی تھی جس کا عنوان تھا ''شیر گلگت''۔ نظم کا لب لباب یہ تھا کہ تم خود گلگت میں مزے کرتے رہے اور ساتھیوں کو شاہی قلعے پہنچا دیا۔ خیر اس کو تو میں نے مذاق میں ٹال دیا۔ میرے یہاں آنے کے بعد انہوں نے یہ شغل پھر شروع کیا۔ اور میرے بارے میں انتہائی نازیبا فقروں پر مشتمل ایک نظم (بلکہ ہجو) لکھ کر کچھ لوگوں کو اس کی نقلیں بھیجیں۔ جس کا مجھے علم ہوا اس کے باوجود میں نے یہاں سے (کوئی دو سال قبل) میر صاحب کو خط لکھا جس میں اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگ کر ان سے انتہائی عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ وہ تنظیم میں دلچسپی لیں۔ انہوں نے تنظیم میں دلچسپی تو کیا لینی تھی میرے خط کی کاپیاں بنا کر احباب کو بھیجیں کہ دیکھو امان اللہ نے مجھ سے معافی مانگی ہے۔

یہاں تک کہ کراچی میں میرے عزیزوں سے بھی کہہ دیا کہ امان اللہ نے مجھ سے معافی مانگی ہے۔ ان میں سے چند جوشیلے نوجوان (خاص کر حمید صاحب کے خاندان کے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی قتل سے کم بات نہیں کرتے) بہت گرم تھے مجھے پتہ چلا تو میں نے انہیں بری طرح ڈانٹ دیا کہ خبردار جو میر صاحب سے کوئی گستاخی کی یہ میرا اور میر صاحب کا معاملہ ہے تم لوگ بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہو؟۔

انصاری صاحب! کیا ان ہی لوگوں کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ ان کے دل چیر کر دیکھو تو بیچ سے امان اللہ کی محبت نکل آئے گی؟۔

اب چلئے منان صاحب کی طرف! میں نے کوئی دو سال پہلے انہیں یہاں سے خط لکھا تھا جس کے جواب میں انہوں نے تین بڑے صفحوں کا ٹائپ شدہ خط مجھے بھیجا اور باتیں تو اور تھیں البتہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجھے نہ تو آپ سے کوئی اختلاف ہے نہ ہی آپ کی سرگرمیوں سے۔ البتہ خاندانی مسئلے کے سلسلے میں میر صاحب (قیوم صاحب) سے اختلاف ہوا تو مجھے ذاتی وجوہات کی بنا پر سیاست ہی چھوڑنی پڑی جسے کور دینے کے لئے میرے پاس بجز اس کے کوئی اور راستہ نہیں تھا کہ میں آپ اور بٹ صاحب کی سرگرمیوں سے عدم اتفاق کو کور بنا کر سیاست سے الگ ہو جاؤں۔ میں وہ خط ہی یا اس کی کاپی ہی آپ کو بھیجتا لیکن اس میں بہت سی اور باتیں بھی ہیں جو منان صاحب نے اعتماد کے ساتھ مجھے کہی ہیں اور ان باتوں کو پبلک کرنا بڑی بد دیانتی ہوگی۔ اب کے میں کراچی گیا تو منان صاحب کو فون کیا۔

لیکن اس ایک سال میں شاید وہ کور والے مسئلے کی پھر ضرورت پڑی تھی۔ چنانچہ منان صاحب کا لہجہ خط سے بالکل ہی مختلف بلکہ عجیب سا تھا۔ صاف بات یہ کہ میں فون کر کے ہی پچھتایا۔ کراچی پہنچ کر میں نے لون صاحب کو فون کیا پنڈی سے بھی تین بار کیا تھا لیکن وہ کوئٹہ گئے ہوئے تھے دفتر والوں نے کہا لون صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے گھر پر ہیں۔ میں نے گھر فون کیا لڑکی نے فون اٹھایا میں نے اپنا بتایا اور لون صاحب کا پوچھا اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ ابو دوسرے کمرے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ دو گھنٹے کے بعد پھر فون کیا اب کے بیگم صاحبہ نے اٹھایا۔ علیک سلیک کے بعد میں نے لون صاحب کا پوچھا تو انہوں نے جھٹ کہہ دیا، ''کیا آپ اب بھی ہماری جان نہیں چھوڑیں گے؟''۔ میں کھسیانا ہوا۔

بہرحال مذاق میں بات ٹال کر فون چھوڑ دیا۔ شام کو پھر فون کیا، لون صاحب سے بات ہوئی میں نے کہا آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، کہاں ملاقات ہوگی؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا ضروری بات ہوسکتی ہے آپ کو، لوگوں نے پہلے ہی مروا دیا۔ خیر میں دوسرے دن ان کی دُکان پر گیا وہاں بھیڑ تھی، میں انہیں ایک طرف لے گیا وہ سمجھ گئے یہ سیاست کی کوئی بات کرنا چاہتا ہے خود ہی گلے کرنے لگے کہ میرے پاسپورٹ میں گڑ بڑ ہے آپ اس میں مدد کریں، میں نے وعدہ کیا، لیکن وہ میرے موضوع کی طرف بالکل نہیں آئے۔

پھر کہنے لگے میں نے کل شام کو کسی کو کھانے پر بلایا ہے آپ بھی کیوں نہیں آتے؟۔ دوسرے دن میری ملاقات کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر سے ایک دوست کے ذریعہ تھی اور اسکول کی بلڈنگ جو کہ کارپوریشن کی ہے کے سلسلے میں ایک جھگڑے کے بارے میں اس سے بات کرنی تھی اس لئے میں لون صاحب کی طرف سے کسی اور کو دی گئی دعوت میں شریک نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے میں نے معذرت کی۔ اس بعد کے وہ لاہور چلے گئے۔

ابھی فروری کے وسط میں حکومت پاکستان کے ایک تجارتی وفد کے قائد کی حیثیت سے لندن آئے گزشتہ چار سال میں ان کا یہ تیسرا چکر ہے۔ اور مجھے فون کیا اور ابتداء ہی اس بات سے کی کہ آپ لوگوں ہی کی وجہ سے میرے پاسپورٹ پر میرے ملک سے باہر جانے پر بین لگا ہے۔ میں نے کہا آپ تو باہر ہیں۔ کہنے لگے کسی سیکرٹری نے انتظام کرایا۔

میں نے کہا کہ میرے پاسپورٹ پر بین کیوں نہیں؟۔ خیر میں نے ان کو برمنگھم آنے کی دعوت دی انہوں نے کہا میں بہت مصروف ہوں۔ میں نے سوچ کر کہا کہ میں خود ہی کل لندن آؤں گا اور دوسرے دن چار یا پانچ بجے کا وقت اور جگہ مقرر ہوئی۔ یہ وہ دن تھے جب ہمارے مجاہد بھارت میں بارہ دن سے غائب تھے۔ 3 فروری سے 22 فروری کے 20 دن خاص کر 12 فروری کے 11 دن میرے لئے قیامت سے کم نہیں تھے۔

مجاہدوں کو میں نے 12 کو ہی جبکہ وہاں گرفتاریاں شروع ہوئی تھیں ڈھاکہ کے راستے باہر نکلنے کے لئے

کہا تھا۔لیکن انہوں نے رسک لیا اور ایک ساتھی کو یہ کہہ کر کہ امان صاحب کو تار دیدینا خود سرینگر پہنچ گئے اور وہاں ایک ہفتہ رہنے کے بعد دہلی میں تین دن رہے مجھے تار نہیں دیا گیا تھا۔ چنانچہ حالات سو فیصد ثابت کرتے تھے کہ مجاہد یا تو گرفتار ہوئے یا نہیں شوٹ کیا گیا۔صرف میری چھٹی حس مجھے کسی حد تک دلاسہ دے رہی تھی۔

میری شکل اور میری حرکتیں پاگلوں کی سی تھیں۔ڈھاکہ برٹش ہائی کمشنر نے فون پر بات کی اس نے معلوم کر کے بتایا کہ ان ناموں کا ڈھاکہ کوئی برطانوی باشندہ نہیں آیا۔ میرے بچے بھی سمجھتے تھے کہ میں پاگل ہوگیا ہوں چوبیس گھنٹے فون پر رہتا تھا۔سوتا بھی چند گھنٹے اور وہ بھی دفتر کے فرش پر بغیر بستر ے کے۔جس دن لون صاحب کا فون آیا میں نے شام کو لندن میں ایک محترمہ کو جو کراچی میں میرے سکول میں ٹیچر تھی فون کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد میری بیوی کو فون کر کے اسے لندن آنے کی دعوت دے۔اس نے ایسا ہی کیا لیکن میری بیوی نے انکار کیا۔ کیونکہ وہ میری ذہنی حالت کے بارے میں متفکر تھی۔

بہرحال میں نے اسے منوایا اور میں دوسرے دن اسے لے کر لندن گیا بس سٹینڈ پر ٹیچر موجود تھی۔ میں دونوں کو لے کر جبار صاحب کے ہاں گیا کیونکہ جبار صاحب بھی مدت سے کہہ رہے تھے آپ نے تین سال سے بچوں کو لندن نہیں دکھایا۔خیر ان کو وہاں چھوڑ کر لون صاحب کی طرف گیا۔لیکن لون صاحب کسی دوست کے ساتھ باہر گئے تھے۔رات نو بجے تک انتظار کیا پھر پتہ چلا کہیں کھانے پر گئے ہیں۔گیارہ بجے کے بعد آئیں گے۔میرا برمنگھم آنا ضروری تھا۔اس لئے میں چلا آیا۔دوسرے تیسرے دِن کہیں سے پاکستانی قالینوں کی نمائش گاہ کا فون نمبر لے کر وہاں فون کیا کہنے لگے میں اس دن بھول گیا کہ آپ کو ٹائم دیا تھا۔

بہرحال دو تین دن میں برمنگھم آؤں گا کیونکہ مجھے وہاں سے بریڈفورڈ کسی دوست سے ملنے جانا ہے۔میں نے چار دن انتظار کیا پھر لندن فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو بیلجیئم پہنچ گئے۔اور وہاں سے ہی پاکستان جائیں گے۔تو انصاری صاحب! یہ ہے ان لوگوں کا رویہ اور آپ مجھ پر سوال کہ آپ ان سے بات نہیں کرتے۔

انصاری صاحب! آپ کو یاد ہوگا کہ 68-1967ء میں جب محاذ پر جمود طاری تھا میں نے آپ کو ایک بار کس حد تک ترش سا خط لکھا تھا کہ تنظیم پر جمود طاری ہوگیا ہے اور آپ کچھ نہیں کرتے۔آپ نے فوراً ہی خط کا جواب دیا کہ ”میں اس قسم کے گستاخانہ خط وصول کرنے کا عادی نہیں ہوں“ میں نے ساتھیوں کے پیچھے اپنی انا، اپنے عزت نفس اور اپنی خود داری کا دیوالیہ نکال دیا اور آپ اب بھی مجھ پر ہی الزام دیتے ہیں کہ آپ دوستوں کو نہیں مناتے؟۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ تحریک کا ٹھیکہ دار امان اللہ خان نہیں۔اگر کسی کو تحریک سے دلچسپی ہے تو وہ صرف امان اللہ سے اختلاف کی وجہ سے تحریک کو کیوں چھوڑتا ہے۔ویسے بھی اب امان اللہ خان محاذ رائے شماری میں نہیں ہے۔اگر ان

لوگوں کوتحریک میں دلچسپی ہےتو میں نے کب روکا ہے۔ میں نے اپنی عزت نفس اورخودداری کوقربان کرکے پوری کوشش کی اس سے آگے میری ہمت نہیں ہےاس لئے کہ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ان لوگوں کوتحریک سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اور اتنی اخلاقی جرأت بھی نہیں کہ وہ اس کا برملا اقرار کریں۔اپنی بے جرأتی کو چھپانے کے لئے مجھے قربانی کا بکرا بناتے ہیں۔تو یہ ہےانصاری صاحب آپ کے خط کا میری ذات کی طرف سے جواب۔البتہ تنظیمی فیصلہ تنظیم کرے گی۔لیکن میں یہ خط کسی اور مقصد سے لکھ رہا ہوں۔پچھلے صفحوں کی عبارت سے اگرآپ ناراض ہوجائیں تو مجھے دکھ نہیں ہوگا البتہ عرض کروں گا کہ مندرجہ ذیل معاملات پر ٹھنڈے دل سے بلکہ نماز کے بعد غور کریں............

انصاری صاحب! میں آپ سے عمر میں چھوٹا ہوں آپ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا رہا ہوں اس لئے اس پوزیشن میں نہیں کہ آپ کو کوئی مشورہ دوں لیکن خوردگی (چھوٹا ہونے کے) بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ میں نے زندگی میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں دس سال کا بچہ تھا تو تیس سال کے آدمی کی ذمہ داریاں اٹھانی پڑی تھیں۔

بہرحال زندگی میں کچھ تجربے ہوتے ہیں جنہیں میں اپنی ایک عزیز متاع سمجھتا ہوں اوران تجربوں کی روشنی میں میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔اچھا ہوتا کہ اگر یہ باتیں میں بعد میں کروں تو آپ اور دوسرے احباب ان کا کوئی اور ہی مطلب نکالیں گے۔اس لئے مجبوراً آج ہی یہ باتیں کرنے پر مجبور ہوں۔خاصے دِنوں سے اس بارے میں سوچ رہا تھا لیکن آج کل،آجکل میں معاملہ رِہ گیا۔

انصاری صاحب!ایک سیاسی انسان خاص کرتحریک آزادی سےمنسلک انسان کا سب سے بڑا سرمایہ عوام میں اس کا اچھا امیج ہوتا ہے اور یہ امیج انسان کی طرف سے صحیح سمت میں صحیح طریقے سے جہد مسلسل سے پیدا ہوتا اور قائم رہتا ہے۔ جہاں کہیں طریقہ بدل گیا سمت بدل گئی یا تسلسل نہیں رہا انسان کا امیج خراب ہوجاتا ہے۔ جسے بحال کرنے میں بہت بڑی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔آپ کی ہمت بھی صحیح رہی ہے اور جدوجہد بھی کرتے رہے ہیں لیکن کچھ مدت سے تسلسل ٹوٹ رہا ہے۔اورطریقہ بدل رہا ہے جس سے آپ کے پبلک امیج میں فرق آنا لازمی ہے۔آپ کے سامنے ممکن ہے کوئی بات نہ کرے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ امیج پر بڑا فرق پڑ رہا ہے۔

انصاری صاحب! صرف قربانیاں دینا ہی امیج نہیں بناتیں۔ میرے خیال میں آپ سے کہیں زیادہ مدت کی جیل جسوال صاحب نے کاٹی ہے لیکن انہوں نے قربانی تو دی لیکن ان کا وہ امیج نہیں بنا۔آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں، کیوں؟۔

فارسی لٹریچر انسانی قدروں اورنصائح کا بہترین خزانہ پیش کرتا ہے اس میں ایک ضرب المثل ہے کہ ''عذر گناہ، بدتر از گناہ''،یعنی گناہ کے لئے بہانے یا جواز پیش کرنا گناہ سے بدتر ہے۔آپ آج کل اپنی کم عملی کے جو جواز پیش کرتے

ہیں یا کم عملی سے ہی انکار کرتے ہیں وہ آپ کے چند انتہائی نزدیکی عقیدت مندوں کو تو شاید قائل کر سکے لیکن عوام کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ اور ایک سیاسی انسان کا عوامی امیج ہوتا ہے نہ کہ اس کے عقیدت مندوں کا۔

آپ محاذ کی بے عملی سے بھی مختلف طریقوں سے یا تو انکار کرتے ہیں یا پھر ایسے جواز پیش کرتے ہیں جو ایک عدالت کے سربراہ کو تو قانونی زنجیروں کی وجہ سے قائل ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں کھلے ذہن والے عوام کو نہیں۔ بلکہ سب محاذ والوں کو بھی نہیں۔ مجھے حال ہی میں ایک محاذی بھائی کا خط ملا (غلط فہمی کے ازالے کے طور پر عرض کروں کہ خط لکھنے والا نہ ڈاکٹر فاروق تھا نہ رشید حسرت) جس نے کہا تھا کہ محاذ والوں کا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ وہ محاذ آزادی کی سرگرمیوں کو اپنے کھاتے میں ڈال کر اپنی زندگی کا ثبوت پیش کریں۔ مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ آپ محاذ آزادی کی سرگرمیوں کو اپنے کھاتے میں ڈالیں لیکن یہ اندازِ فکر عبدالخالق انصاری کے امیج کو خراب کر سکتا ہے۔ پھر محاذ رائے شماری کی طرف سے بار بار مسلح جدوجہد کے دعوے بھی کچھ جچتے نہیں۔ جس مقبول بٹ کو آپ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اخباروں کے صفحے گواہ ہیں اور لوگ بھولے نہیں کہ محاذ نے ان کی سرگرمیوں سے لاتعلقی کا اعلان کیا تھا۔ مقبول بٹ کو بیچ سے نکالیں تو محاذ رائے شماری میں مسلح جدوجہد نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اس قسم کی باتیں اشفاق انصاری کو تو زیب دیتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ نوجوان ہیں اور کوئی رہنما یا بڑی سیاسی شخصیت نہیں ہے۔

لیکن انصاری صاحب کے امیج کو بڑھانے کی بجائے گھٹا دیتی ہیں۔ پھر بار بار ریاست ناظم وغیرہ کی بات کرنے سے لوگوں کے ذہنوں پر یہ بات بیٹھتی ہے کہ محاذ والے ہائی کمیشن پر دو پتھر مارنے کو ہی مسلح جدوجہد سمجھتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ کام کم اور تشہیر زیادہ کرتے ہیں۔ استقبالئے دینا میرپور والوں کی عام روایت اور روایتی سیاست کی نشانی ہے۔ محاذ کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ گزشتہ سال اس استقبال پر بھی اعتراض کیا تھا۔ جو ہاشم کے لئے تھا اور مجھے بھی اس میں مہمان بنایا گیا۔ یہاں بھی میں نے ایک بار استقبالیہ کو ختم کرا کے اس پر خرچ ہونے والی رقم سے وائس کا ایک ایشو نکالا تھا غالباً آپ کی موجودگی میں۔

گزشتہ سال مجلس عاملہ کے اجلاس میں جی ایم میر صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کسی کے حق میں بات کریں تو بھی انتہا تک جاتے ہیں اور مخالفت میں بھی۔ آپ نے میرے حق میں کوئی بات کی تھی اور میں نے تردید کی تھی کہ بات یہ نہیں ہے۔ اور اب صورتِ حال اس کے بالکل الٹ ہے۔ ایک اونچے مقام پر بیٹھے ہوئے سیاسی لیڈر کے لئے یہ طرزِ عمل اچھا نہیں۔ آپ نے خط میں میری طرف سے جگ ہنسائی کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے ہائی کمیشن کے کیسٹ والے معاملے کو بھی مجھ سے منتھی کیا ہے۔ اب وہ بریڈفورڈ والا لڑکا جو ہماری مجلس عاملہ کا ممبر ہے یہ سنے گا کہ انصاری صاحب اس کا الزام امان صاحب کو دیتے ہیں تو آپ خود اندازہ کریں اس کا تاثر کیا ہوگا؟۔ ممکن ہے وہ کھڑے ہو کر کہے کہ انصاری

صاحب کی بات بالکل غلط ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ممبران دوسرے معاملات کو بھی اسی نظر سے دیکھیں گے۔

یہ اور بات ہے کہ ممکن ہے میں اس لڑکے کو دعوت نامہ ہی نہ بھیجوں یا اسے اس بات میں کمنٹری سے ہی منع کروں اس لئے کہ مجھے آپ کی عزت اپنے دفاع سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ ان تمام اور بہت سے معاملات سے آپ کا امیج بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ جو کہ آپ کی ذات کے علاوہ تنظیم اور تحریک کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ شکی مزاجی بھی انسان کو بہت اہم موقعوں اور معاملات میں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ خاص کر ایک ایسے انسان کو جو ایک تنظیم اور تحریک میں مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔

انصاری صاحب! یہ ہیں میری چند گزارشیں، امید ہے کہ آپ جذبات سے بالا ہو کر اور خط کے دوسرے حصے بلکہ پہلے حصے سے الگ کر کے ان پر غور کریں گے۔ آپ کی زندگی بہت سی اہم خوبیوں سے عبارت ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ آپ کی دانستہ غفلت یا نادانستگی کہیں آپ کے امیج کو ہی بری طرح مسخ نہ کر ڈالیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا اس پر سب سے زیادہ افسوس جن لوگوں کو ہوگا ان میں امان اللہ بھی شامل ہوگا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے آپ میرے بارے میں جو بھی رائے قائم کریں میرے دل میں آپ کی ذات کے بارے میں جو عزت و احترام ہے ان شاء اللہ اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا آپ آزما کر دیکھیں بلکہ آپ کا خط بذاتِ خود ایک بڑی آزمائش ہے۔ میں اصولوں اور نظریات کے سلسلے میں آپ سے ضرور لڑوں گا جھگڑوں گا اور اگر ایسا نہیں کیا تو وہ منافقت ہوگی لیکن اس سے میرے دل میں آپ کے لئے پائے جانے والے احترام میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور یہی بات میں قبلہ میر ہدایت اللہ کے لئے بھی کہہ سکتا ہوں۔

ان کا بھی حال یہی ہے۔ ایک طویل خط ملا ہے انہوں نے بھی دہلی والے مسئلے کو جگ ہنسائی قرار دیا ہے مجھے اس سے افسوس نہیں ہوا اس لئے کہ انہیں پورے حالات کا علم نہیں تھا۔ قبلہ میر صاحب ہماری ایک اہم متاع ہیں۔ جی ایم میر صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں ان کی انتھک محنت کی عادت ملنساری قابل فخر ہے لیکن ان کی زود رنجی اور شکی مزاجی ان کی ان اہم ترین خوبیوں پر اکثر پانی پھیر دیتی ہیں۔ آپ ان کے بارے میں واقعی کہہ سکتے ہیں کہ ان کا دل چیر کر دیکھو تو بیچ سے امان اللہ کی محبت نکل آئے گی۔

اور مجھے یقین ہے کہ شدید ترین اختلافات کے باوجود اگر کبھی امان اللہ کسی خطرے سے دو چار ہوا تو اسے بچانے کے لئے اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگانے والا جی ایم میر ہوگا۔ لیکن یہ بات میں میر قیوم صاحب لون صاحب، منان صاحب یا جسوال صاحب کے بارے میں نہیں کہہ سکتا۔ میرا ان حضرات سے کبھی کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہوا جبکہ جی ایم میر صاحب سے کئی بار سخت تلخ کلامی بھی ہوئی ہے اس کے باوجود میں اختلاف رکھتے ہوئے بھی ان کی عزت کرتا ہوں اور ان

سے پیار ہے۔صوفی صاحب موڈی آدمی ہیں نظریاتی بھی لیکن کبھی کبھی بالکل یکطرفہ ڈگری دیتے ہیں اس کے باوجود میرے دل میں ان کے لئے بھی پورا احترام ہے۔

برادرم چوہدری شہباز صاحب اور بشیر صاحب سے نہ میرا کوئی جھگڑا ہے نہ اختلاف۔ دونوں بہت سیدھے سادھے مسلمانی دل رکھتے ہیں۔البتہ آپ سبھوں کے بارے میں مجھے اختلاف اگر ہے تو یہی کہ آپ نے دانستہ یا نادانستہ طور پر محاذ کے اس عظیم امیج کو خراب کر دیا۔ مجھے معلوم ہے آپ لوگ کہیں گے اس میں سب سے بڑا ہاتھ خود آپ کا ہے۔ اس کے جواب کے لئے مجھے مزید دس صفحے چاہییں ۔جس کا میں اس وقت متحمل نہیں ہوسکتا ہوں۔البتہ دیکھنا یہ ہے کہ آپ لوگوں کی سرگرمیوں اور یہاں والوں کی سرگرمیوں سے تحریک پر کیا اثر ڈالا۔ میں نے بہت سے ساتھیوں کی طرف سے شدید ترین مخالفت کے باوجود اپنے مشن کو جاری رکھا اور آپ لوگوں نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

مشکلات ہماری بھی ہیں ماحول ہمارے لئے بھی موافق نہیں۔آپ وہاں مقامی ماحول سے گھبرا گئے ۔ہمیں یہاں بھارت،کمیونسٹ بلاک بلکہ مسلم بلاک سے بھی مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ پھر یہاں جو پیشہ ور لیڈر ہیں ان کا مقابلہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔اقوامِ متحدہ میں مجھے کئی بار جس طرح ذلیل ہونا پڑا اور جس طرح اپنی خودداری اور انا کو قربان کرنا پڑا آپ لوگ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔

پاکستان کے سفیر سے آخری دنوں میں میری بات چیت تک بند تھی پھر اس نے آغا شاہی سے شکایت کی اور اس کا بھی موڈ بدل گیا۔ایک دِن نمبر 3 نے (پاکستان کے سفارت خانے کے) جنرل اسمبلی کے ہال کے اندر میری بے عزتی کی لیکن میں نے اپنا کام جاری رکھا۔

بہر حال انصاری صاحب! آپ،آپ میری ذاتی گزارش پر سنجیدگی سے غور کریں۔ باقی معاملات خود اپنا رخ دریافت کریں گے،صفحہ نمبر 17 اور 18 پر پوری طرح غور کریں۔اشفاق انصاری کی حوصلہ افزائی کریں اس میں خاصی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں،عظیم دت سے بھی مناسب کام لیں۔ جملہ احباب کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔

فقط امان اللہ خان

آپ کے خط میں بہت سے معاملات ایسے ہیں جو آپ کے امیج کو خراب کر سکتے ہیں۔آپ کا حافظہ خاصا کمزور ہو گیا ہے اور چند باتیں ایسی ہیں جن سے یہاں کے ممبران مجلس عاملہ کے ذہنوں میں آپ کا کوئی اچھا امپریشن نہیں پڑے گا۔مثلاً آپ کہتے ہیں کہ محاذ آزادی،محاذِ رائے شماری سے الگ کوئی تنظیم نہیں بلکہ اس کا عسکری بازو ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ممبروں کے لئے یہ ایک نئی بات ہوگی۔اور تو اور محاذ آزادی کے آئین میں مسلح جدوجہد کا ذکر ہی نہیں۔ کیونکہ برطانیہ کے قانون کے مطابق مسلح جدوجہد کی داعی کوئی تنظیم یہاں قائم نہیں کی جاسکتی۔کم از کم آئین میں مسلح جدوجہد کو

شامل نہیں کیا جاسکتا۔

تو یہ کسی تنظیم کا عسکری بازو کیسے بن سکتا ہے؟۔آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ نظامی صاحب اور چوہدری مجید صاحب نے محاذ رائے شماری میں شامل ہونے سے بالکل انکار کیا تھا بلکہ رکنیت فارم پر دونوں نے نوٹ لکھا ہے۔کہ ہم نئی تنظیم محاذ آزادی میں شامل ہورہے ہیں۔آپ کے خط سے نظامی صاحب کے بارے میں بالکل ہی مختلف تاثر ملتا ہے۔اسی طرح آپ نے نام تبدیل کرنے سے پہلے برمنگھم سے باہر محاذ رائے شماری کی جو برانچیں بنائی تھیں آپ کے جانے کے بعد ہم نے بجز حاجی ایوب صاحب کے کسی کی شکل بھی نہیں دیکھی نہ انہوں نے آج تک تنظیم کی کسی سرگرمی میں حصہ لیا۔ بلال انصاری نے چند اجلاس اٹینڈ کئے بعد میں وہ بھی غائب ہوگئے۔

یہاں کی تنظیم بجز برمنگھم برانچ بالکل نئی ہے۔ان حالات میں میرا خیال تھا کہ خط کمیٹی کے سامنے ہی نہ رکھوں کیونکہ اس سے سب سے بڑا نقصان آپ کے امیج کو پڑے گا۔ بہر حال آپ کا حکم ہے اس لئے پارٹی کے سامنے رکھوں گا البتہ کوشش کروں گا کہ آپ کے امیج پر اثر نہ پڑے۔آپ نے جگ ہنسائی کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں وہ بھی یہاں کے ممبروں کو پسند نہیں ہوں گی اسی طرح بہت سے اور معاملے بھی۔ بہر حال میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کا امیج خراب نہ ہونے پائے۔آپ لوگ ہمارے تنظیمی جواب کا انتظار کریں۔

اور جواب ملنے کے بعد ہی کوئی کارروائی کریں یعنی میری تین تجویزوں کے بارے میں۔کیونکہ آپ کے خط سے صورتِ حال ہی تبدیل ہوگئی ہے۔اور آپ نے تیسری تجویز کو یکسر مسترد کردیا ہے۔اس سے ہی ہمیں اس کے دوررس نتائج پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔اور کافی سوچ سمجھ کے بعد فیصلہ کرنا ہوگا۔تلخیوں کے ماحول میں کئے جانے والے فیصلے اکثر نقصان دِہ ہوتے ہیں۔اس حقیقت کو ہم بھی سامنے رکھیں گے اور آپ بھی رکھیں۔ہم سبھوں کے سامنے تحریک اور منزل ہونی چاہیے۔ان دونوں اہم ترین چیزوں کو نظر انداز کرکے دوسرے مسائل کو سامنے لایا گیا یا ترجیح دی گئی تو اس کا شکار یہی دو چیزیں ہوں گی۔

تنظیمیں ذرائع ہوتی ہیں منزل کے حصول کی۔منزل کو نظر انداز کرکے تنظیم کو ترجیح دینا گھوڑے کے آگے گاڑی رکھنے کے مترادف ہے۔اگر آپ لوگ منظّم اور متحرک ہوتے تو یہ صورتِ حال ہی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ ہمارا نظریئے پر کوئی اختلاف نہیں طریقہ کار پر تھوڑا سا اختلاف ہے البتہ وہاں تنظیم پر طاری جمود ہمارے لئے دوہرے مشکلات پیدا کررہا ہے۔ اگر آپ کے ہاں یہ جمود پوری طرح دور ہوجائے اور آپ لوگ صحیح معنوں میں متحرک اور منظّم ہوجائیں تو دوسرے معاملات خود بخود حل ہوجائیں گے۔

والسلام

امان اللہ خان

برادرم انصاری صاحب!

السلام علیکم، امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

وکیل کے خط اور فیصلے کی ایک ایک کاپی بھیج رہا ہوں۔ آج میں نے اس کے نام ایک سخت سا خط ڈرافٹ بلکہ ٹائپ بھی کیا تھا لیکن اسے پوسٹ کرنے سے پہلے اس کا خط ملا۔ اس نے انعام عزیز اور بھٹی کو نوٹس بھیجے ہیں (اس کے اسسٹنٹ کے کہنے کے مطابق) البتہ احسان بیگ مرزا پاکستان گیا ہوا ہے۔ وکیل پر جنوری میں ہارٹ اٹیک ہوا تھا جب سے وہ دفتر نہیں آتا گھر پر ہی کام کرتا ہے۔ مہینے دو مہینے میں ایک دو بار آتا ہے اس طرح اس سے ملاقات نہیں ہوتی۔ میں نے اسے فیصلے کے علاوہ اپنے اخراجات کے سٹیٹمنٹ کی نقل کے لئے بھی کہا تھا اس نے نہیں بھیجی۔

جنوری میں اس کی اسسٹنٹ نے کل خرچ -/4036 بتایا تھا جبکہ مارچ میں یہ رقم -/4500 پونڈ بن گئی، معلوم نہیں کیسے؟ آپ کے طویل خط پر کافی سوچ بچار کر کے میں نے مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کی بجائے احباب سے مشورے کے بعد برمنگھم کے ان احباب کا جن کا تعلق آپ سے ہے اور جو محاذ رائے شماری کے ممبر تھے بجز نظامی صاحب و حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے ایک اجلاس بلایا تھا۔ مندرجہ ذیل احباب نے شرکت کی............

برادرم جبار صاحب، نظامی صاحب، بھٹی صاحب، صدیق مرزا صاحب، حاجی بشیر صاحب، حاجی آفتاب صاحب، قربان بھٹی صاحب، حاجی عبدالرحمٰن صاحب، اسلم مرزا اور صدیق بھٹی، حاجی عنایت صاحب، چوہدری غفور صاحب کو بھی اطلاع دی تھی وہ برمنگھم میں عدم موجودگی کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ جبکہ خواجہ صدیق صاحب اور سلیم انصاری صاحب عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آپ کے خط کی کاپیاں پہلے ہی احباب کو دی تھیں۔ اس لئے وہ اسے پڑھ کر آئے تھے۔ خط پر خاصی بحث ہوئی۔

خط کے بارے میں احباب میں کچھ اختلاف رائے بھی تھا۔ بہر حال آخر فیصلہ ہوا (یہ فیصلہ لبریشن فرنٹ کا نہیں بلکہ ان احباب کا ہے) کہ محاذ رائے شماری کو کام کرنے اور منظّم ہونے کا موقع دیا جائے۔ کنونشن کے نتائج کا انتظار کیا جائے۔ اور اس اثناء میں وہاں لبریشن فرنٹ کی شاخیں قائم کرنے کے سلسلے میں کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ یہی فیصلہ میرا ذاتی بھی تھا۔ میں نے گزشتہ خط میں بھی عرض کیا تھا کہ ہم محاذ رائے شماری سے کسی قسم کا تصادم نہیں چاہتے۔ لیکن جب میری گزارش کا وہاں الٹا ردِعمل ہوا اور آپ لوگوں نے اسے تصادم سے تعبیر کیا تو ہم نے اسی وقت سوچا کہ اس ماحول میں وہاں تنظیم کی برانچ کے قیام سے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا جس کے حصول کے لئے ہم اس اقدام پر مجبور ہو رہے تھے۔

بہر حال اب آپ کنونشن کریں اور جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ سال وہاں بھی گزارش کی تھی اور خط میں بھی لکھا تھا کہ ہماری نظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ آیا آپ لوگ متحرک ہوتے ہیں یا نہیں؟ آیا تنظیم

میں پائے جانے والے انتشار پر قابو پایا جاتا ہے یا نہیں۔ ہمارے سامنے تنظیم کا نام ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں اس سے بھی کوئی غرض نہیں مرکز میں کون لوگ منتخب ہوتے ہیں۔ اگر آپ لوگ متحرک ہوجائیں، متحد ہوجائیں اور محاذ کا سابقہ امیج بحال ہوجائے تو ہم ہر طرح کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ خواہ آپ تنظیم کا نام تبدیل کریں یا نہ کریں خواہ آپ کے عہدیدار کوئی بھی ہوں۔

لیکن اگر تنظیم میں جمود اور انتشار جاری رہا تو ہم اپنے طور پر وہ اقدام کریں گے جو ہماری نظر میں تحریک کو تقویت پہنچانے کے لئے ضروری ہو۔ خواہ آپ تنظیم کا نام لبریشن فرنٹ ہی کیوں نہ رکھیں۔ ہمیں تنظیم یا اس کے نام سے کہیں زیادہ دلچسپی تحریک آزادی سے ہے۔ میں نے آپ کا خط مجلس عاملہ کے سامنے اس لئے نہیں رکھا کہ مجلس عاملہ میں نئے لوگ ہیں جن میں سے بھاری اکثریت کا محاذ رائے شماری سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ ان حالات میں جو باتیں اس اجلاس میں ہوئیں اگر مجلس عاملہ کے اجلاس میں ہوتیں تو تنظیم میں انتشار کا خدشہ تھا۔ اسی لئے میں نے ان احباب کو خاص طور پر بلایا جو تحریک کے لئے آپ کی ذات سے عقیدت رکھتے ہیں (اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہیں) پھر بھی اجلاس میں اختلاف رائے رہا۔ اگر مجلس عاملہ کا اجلاس بلاتے اور ان پر یہ ظاہر ہوتا کہ محاذ رائے شماری والے ہمیں اپنی شاخ یا ونگ سمجھتے ہیں تو اکثر ممبر اس صورتِ حال کا سنجیدگی سے نوٹس لیتے کیونکہ ان کی لبریشن فرنٹ میں شمولیت کا محاذ رائے شماری سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ سب نے گزشتہ خط میں لکھا تھا۔

وہ خط جو میں نے 23/4 کوڈڈیال کے خواجہ نذیر کے ذریعہ بھیجا تھا۔ آپ نے محاذ رائے شماری کی کیتھلے، بلیک برن، پرسٹین اولڈھم وغیرہ میں جو برانچیں بنائی تھیں ان میں سے ہم نے بعد میں بجز حاجی ایوب صاحب کے کسی کی شکل تک نہیں دیکھی اس لئے کہ انہوں نے نظریئے کی خاطر نہیں بلکہ آپ کی ذات کی خاطر محاذ رائے شماری میں شمولیت کی تھی۔ آپ کے جانے کے بعد متعدد خط بھیجنے کے باوجود نہ تو انہوں نے مرکز کے کسی اجلاس یا کنونشن میں شرکت کی نہ ہی اپنی برانچوں کو قائم رکھا۔ جبکہ بعد میں لبریشن فرنٹ کے ممبر بننے والے سب لوگ نظریاتی ہیں۔

وہ تنظیم میں صرف اور صرف نظریات سے متاثر ہوکر شامل ہوئے ہیں۔ آپ کے دوبارہ یہاں آنے پر چوہدری ولایت صاحب نے شفیلڈ بلایا وہاں دعوت کھلائی اور برانچ بھی بنی۔ لیکن آپ کے جانے کے بعد انہوں نے صرف ایک میٹنگ اٹینڈ کی اس کے بعد خاموش ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ وہ آپ کی ذات کے لئے فرنٹ میں شامل ہوئے تھے۔ میں نے گزشتہ ایک ماہ میں انہیں تقریباً دس بار فون کیا وہ نہیں ملے۔ نہ ہی میرے پیغام چھوڑنے پر انہوں نے مجھے فون کیا۔ جہاں تک برمنگھم والوں اور حاجی ایوب صاحب کا تعلق ہے۔ آپ کی ذات سے ان کی عقیدت سے قطع نظر ان اصحاب کا تحریک میں بہت بڑا حصہ ہے بلکہ میں کہوں گا کہ یہ یہاں تنظیم اور تحریک دونوں کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ان کا ماضی میں بھی کردار

انتہائی اہم رہا ہے اور آج بھی ہے۔

خاص کر حاجی بشیر صاحب، نظامی صاحب اور آفتاب صاحب۔ بھٹی برادران (عزیز بھٹی، جمعہ بھٹی، قربان حسین) بھی ان سے کسی طرح کم نہیں البتہ حاجی عنایت صاحب اور مرزا محمد صدیق صاحب اب تنظیم میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رکھتے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم ان کے سابقہ کردار کو بھول جائیں۔ عنایت صاحب کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ اور مرزا صدیق صاحب یہاں سے شفٹ ہو کر ارڈنگٹسن (الم راک سے سات آٹھ میل دور) چلے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان کی عدم دلچسپی کی یہی وجوہات ہوں۔

آپ کے سابقہ خط سے مجھے دکھ ضرور ہوا لیکن میں اس قسم کی ذہنی اذیت کو بھی تحریک آزادی کے لئے دی جانے والی ذہنی قربانی کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ مجھے دکھ صرف اس لئے ہوا کہ یہ خط انصاری صاحب کی طرف سے تھا۔ ورنہ میں تو ماں بہن کی گالیاں کھا کر بھی خاموشی اختیار کرتا رہا ہوں۔ بلکہ جسوال صاحب اپنی تحریروں میں میرے بارے میں اور وائس کے بارے میں جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ میری غیرت کے لئے ایک بڑا چیلنج اور میرے صبر کے لئے ایک بڑا امتحان ہوتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے جدہ والوں کو میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اور ہماری اس برانچ کو ہم سے جدا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ انتہائی دکھ دینے والی ہے۔

میں اپنے بارے میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں اور کرتا رہوں گا لیکن تنظیم اور جریدے کے بارے میں میری برداشت جواب دیتی ہے۔ وائس آف کشمیر کو انہوں نے (خاصی مدت سے) ''غداری کی آواز'' کا نام دے رکھا ہے۔ یہ نام انہوں نے کوئی دو تین سال قبل میرے نام لکھے ایک خط میں بھی استعمال کیا تھا۔ پھر بھی مجھے ان کی اس سے کہیں زیادہ آپ کے خط سے دکھ ہوا۔ اس لئے کہ آپ نے میری انٹیگریٹی اور کردار پر شک کا اظہار کیا ہے۔ کارکردگی پر شک کرتے یا اس کی مذمت کرتے تو کوئی بات نہیں تھی۔

مجھے اندازہ ہے کہ وہاں میرے خلاف ایک سخت ماحول پیدا ہوا ہے یا کیا گیا ہے۔ حال ہی میں وہاں محاذ این، ایس، ایف اور گرلز کالج کی طالبات کی یونین کے اراکین کے خلاف کیسز درج ہونے کی خبر تھی یہاں جنگ میں ایک مختصر سی خبر آئی جس میں میر صاحب اور عظیم دت کے خلاف کیس درج ہونے کی خبر تھی میں نے اسی وقت فاروق کو فون کیا تو اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ فاضل نے وعدہ کیا کہ ہم فون کر کے پوچھیں گے لیکن جب انہوں نے نہیں کیا تو پھر بھی خود میں نے فون کیا آپ کی لائن نہیں ملی تو پنڈی ڈاکٹر صاحب کو فون کیا اسی اثنا میں فاروق کو عظیم دَت کا خط ملا اس نے خط مجھے دکھایا تو میں نے فوراً ہی ایک بیان جاری کیا جس کی کاپیاں پریس کے علاوہ حکومت پاکستان اور آزاد گورنمنٹ کو بھیج دیں اور دو کاپیاں عظیم دَت کو بھی۔ یہ بیان یہاں پریس میں شائع ہوا جس کی کاپی بھیج رہا ہوں۔

اس قصے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں وہاں سے فاروق وغیرہ کو خط آئے کہ لبریشن فرنٹ والوں سے کہہ دیں کہ اس سلسلے میں کچھ کریں۔ یہاں تک کہ کامریڈ مشتاق کو بھی خط آیا اور اس نے عزیزی افتخار کو کہا کہ وہاں سب گرفتار ہو گئے ہیں۔افتخار میرے پاس آیا میں نے بریڈفورڈ فون کر کے مشتاق سے پوچھا تو اس نے کہا خط میرے پاس اس وقت میں نہیں ہے برمنگھم رہ گیا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ گرفتار ہوئے ہیں یا صرف وارنٹ نکلے ہیں۔

ہاں میں نے اسی رات فون کیا پہلے میرپور اور پھر پنڈی۔ بہرحال اس سلسلے میں میں نے اپنا فرض ادا کیا لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ وہاں سے خط مجھے لکھنے کے بجائے دوسروں کو لکھے گئے کہ محاذ آزادی والوں سے کہیں کہ اس سلسلے میں کچھ کریں۔اس سے قبل اشفاق انصاری نے بھی ایک مسئلے کے سلسلے میں خط میری بجائے صدیق بھٹی صاحب کو بھیجا تھا۔ حالانکہ خط جس چیز سے متعلق تھا وہ مجھ سے ہی مل سکتی تھی۔ یا میرے ذریعہ مل سکتی تھی۔

ان خیالات و واقعات سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں میرے خلاف کیسا ماحول پیدا کیا گیا ہے کہ نوجوان بھی مجھے خط لکھنے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں بڑے ناراض نہ ہو جائیں۔ ورنہ عظیم دَت اور اشفاق سے تو مجھے بڑا پیار ہے۔ بلکہ میں نے گزشتہ خط میں ان کے بارے میں کچھ لکھا بھی تھا۔ میں ان دونوں نوجوانوں کو مستقبل میں تحریکِ آزادی میں ایک اہم کردار ادا کرتے دیکھ رہا ہوں انہی دونوں کو کام کی لگن ہے۔ اور دونوں پکے نظریاتی ہیں اور کردار کے بھی پکے یعنی نظریات کے بارے میں بکنے والے نہیں۔

یہاں کچھ احباب سیلانی کی ڈائری میں آپ سے متعلق ریمارکس پر نالاں ہیں اور میں خود بھی سمجھتا ہوں کہ اس ماحول میں اس قسم کی بات واقعی نامناسب تھی۔لیکن جیسا کہ میں نے سابقہ خط میں لکھا ہے مجھے وہاں ماحول میں اس اہم تبدیلی کا کوئی علم نہیں تھا جب اس تبدیلی کا پتہ چلا تو پرچہ شائع ہو چکا تھا۔اگر میں طنز و مزاح میں آپ کا ذکر ہی نہ کرتا تو آپ کی توہین تھی۔ میں نے ذکر ضروری اس لئے سمجھا کہ تمام سیاسی شخصیتوں کے نام آئیں اور آپ کا نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کسی شمار میں نہیں۔ پھر میں نے آپ کی ذات اور کردار یا نظریات پر کوئی ہٹ نہیں کی بلکہ کم عملی پر کی۔جس سے بہت سے احباب ناراض ہو گئے۔

اور عین ممکن ہے آپ بھی ہوئے ہوں اور وہاں دوسروں نے تو اس کا افسانہ بنایا ہوگا۔اس کے مقابلے میں یہاں مشرق نے ایک مزاحیہ کام میں تحریک سے میری وابستگی کو بھی مشکوک قرار دیا۔(لکھا ہے کہ تحریک کے نام پر یہاں آئے اور اب انشورنش کا کاروبار کر رہے ہیں۔تحریک کو یہاں آنے کے لئے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا)۔لیکن میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ پھر سیلانی کی ڈائری میں لبریشن فرنٹ پر بھی تو اٹیک ہے۔

گزشتہ سال میں نے لبریشن فرنٹ کو ہی کام میں کاغذی گھوڑے دوڑانے والی تنظیم قرار دیا تھا۔طنز و مزاح کا

آخر مقصد ہی کیا ہوتا ہے۔ بہر حال اگر اس ریمارک سے آپ کا دل دکھا ہے تو میں اس کے لئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ بلکہ آپ چاہیں تو اگلے شمارے میں معافی نامہ شائع کروں گا۔ انشورنس کا ذکر آیا تو عرض کروں کہ گزشتہ ایک سال میں مجھے اس سے تقریباً چار ہزار پونڈ ملے جس میں سے میں نے صرف سترہ سو پونڈ ذات پر خرچ کئے باقی سب لبریشن فرنٹ پر۔ پھر دہلی والے مسئلے کے سلسلے میں دس ہزار روپے کراچی اپنے سکول سے منگائے۔

دہلی والے مسئلے کی اصل حقیقت آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے ہر وہ شخص جس نے مجلس عاملہ کے اجلاس کے دوران مجھے خوب سنائیں اپنے طرزِ عمل پر نادم ہوگا۔ خاص کر آپ، مجھے معلوم ہے کہ نیو یارک کے جس واقعے کو آپ لوگ محاذ رائے شماری کی کارکردگی قرار دیتے ہیں اگر اس میں ناکامی ہوئی تو اس وقت بھی آپ لوگوں نے اسے بچگانہ فعل اور جگ ہنسائی قرار دینا تھا۔ اور اگر دہلی والا مسئلہ کامیاب ہو جاتا تو آپ لوگ ہی یہ بھی بقول کسے محاذ رائے شماری کے کھاتے میں ڈالتے۔

فاروق عظیم دَت کا خط مجھے دکھا کر واپس لے گیا تھا۔ بیان میں نے بعد میں زبانی لکھا جس وجہ سے صوفی صاحب سمیت بہت سے نام رہ گئے مجھے خدشہ ہے کہ یہ معاملہ بھی کہیں میرے خلاف ایک اور کیس کا باعث نہ بن جائے۔ بہر حال اللہ مالک ہے۔ یہ خط بھی میں ذاتی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ میر صاحب بشیر صاحب وغیرہ کو دکھائیں۔ میں اگلے ہفتے یورپ جا رہا ہوں۔ یکم تک ان شاءاللہ واپسی ہوگی۔

بخدمت ممبران جنرل کونسل جموں کشمیر محاذ رائے شماری

برادرانِ وطن، السلام علیکم!

میں جموں کشمیر محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کے اجلاس کے موقع پر محاذ رائے شماری کے بانی جنرل سیکرٹری اور اس کے عسکری بازو این ایل ایف کے بانیوں میں سے ایک کی حیثیت سے بھی اور جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے بھی آپ سے مخاطب ہوں۔ امید ہے آپ لوگ میری گزارشات پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے۔

سب سے پہلے میں عرض کروں کہ جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کے قیام اور اس کی ابتدائی نشو ونما میں میرا بھی کچھ حصہ ہے۔ محاذ رائے شماری کو عوام کی نظروں میں ایک محبّ وطن فعال اور انقلابی تنظیم بنانے میں میرا بھی کچھ حصہ ہے اور محاذ کے عظیم نظریات کی وکالت اور تشہیر میں بھی این ایل ایف کے بانیوں میں سے ایک ہونے کی وجہ سے مجھے ابتدائی دور میں تنظیم کے اندر اور باہر مخالف قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

بالآخر جب این ایل ایف نے انقلابی کارنامے انجام دیئے تو اسے محاذ رائے شماری کا عسکری بازو قرار دیا گیا۔

این ایل ایف کی سرگرمیوں نے محاذ رائے شماری کے امیج کو اور بھی اونچا کر دیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہمارے شدید ترین مخالفین بھی تسلیم کرنے لگے کہ محاذ رائے شماری (مع این ایل ایف) واحد کشمیری تنظیم ہے جو صحیح معنوں میں ایک محبّ وطن اور انقلابی تنظیم کہلانے کی مستحق ہے۔ چنانچہ جس تنظیم کے قیام، نشو ونما اور اسے بلندیوں تک پہنچانے میں دوسروں کے ساتھ امان اللہ نے بھی مقدور بھر مالی، جسمانی اور وقت کی قربانی دی ہو۔ جس سے منسلک ہونے پر اسے فخر رہا ہو اور جس کی نشو ونما میں اس نے اپنی زندگی کے بارہ قیمتی سال صرف کئے ہوں وہ امان اللہ اس محاذ رائے شماری کا بدخواہ کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ تنظیمیں تحریک آزادی اور حصولِ آزادی کا ذریعہ یا راستہ ہوتی ہیں۔ یعنی تنظیم ذریعہ ہے اور آزادی یا تحریک آزادی منزل۔ چنانچہ ان دونوں میں سے بنیادی حیثیت تحریک اور آزادی کو حاصل ہے جبکہ تنظیم ان کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی تنظیم اور تحریک کا ٹکراؤ ہو یا تنظیم تحریک کا ذریعہ بننے کی بجائے اس کے رستے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر رکاوٹ بن جائے تو ہر ذی شعور اور محبّ وطن انسان تنظیم پر تحریک کو ترجیح دے گا۔

آپ سے گزارش ہے کہ میرے اس خط کے مطالعے کے دوران ان دونوں حقیقتوں کو مدنظر رکھیں۔

آپ سب اس بات کو تسلیم کریں گے کہ 1976ء میں برادرم مقبول احمد بٹ کے اقدام کی وجہ سے تنظیم کے اتحاد میں شگاف پڑ گئے۔ میں اس بحث میں جانا نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں غلطی پر کون تھا اور حق پر کون؟۔ اس سے قبل محاذ رائے شماری کی برطانیہ برانچ نے مجھے اور برادرم جی ایم میر صاحب کو برطانیہ آنے کے لئے ٹکٹ بھیجے تھے۔ میر صاحب ویزا نہ ملنے کی وجہ سے نہ آسکے اور میں 20 جون 1976ء کو برطانیہ چلا آیا۔

برادرم بٹ صاحب کی مقبوضہ کشمیر کی گرفتاری کی خبر مجھے یہاں آنے سے ایک دِن قبل 19 جون کو کراچی میں ملی تھی۔ برادرم انصاری صاحب ایک سال قبل سے ہی یہاں تھے اور انہی کے ایما پر برطانیہ والوں نے ہمیں ٹکٹ بھیجے تھے۔ میرے یہاں آنے کے بعد محاذ رائے شماری کی مرکزی مجلس عاملہ نے بٹ صاحب کے اقدام پر غور کر کے کچھ فیصلے کئے اور ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ ان فیصلوں کی تشہیر نہ کی جائے۔

لیکن اس سلسلے میں مناسب احتیاط سے کام نہیں لیا گیا چنانچہ کچھ مدت بعد سرینگر کے ایک اہم اخبار میں یہ خبر شہ سرخی سے چھپی کی محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ نے مقبول بٹ کے اقدام سے لاتعلقی کا اعلان کیا ہے۔ یہ خبر میرے لئے اور برادرم انصاری صاحب کے لئے انتہائی تکلیف دِہ تھی جس کا اظہار ہم نے محاذ کے مرکزی عہدیداروں کے نام اپنے خطوں میں کیا۔

دسمبر 1976ء میں محاذ رائے شماری کے کنونشن سے پہلے محاذ کے کچھ اہم عہدہ داروں کی طرف سے مجھ سے اور انصاری صاحب سے مشورہ طلب کیا گیا کہ کیوں نہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کر کے قومی محاذ آزادی (NLF) رکھا جائے۔ انصاری صاحب نے اور میں نے باہمی تفصیلی مشورے کے بعد جواب دیا کہ اس مرحلے پر محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کرنا خاص کر این ایل ایف میں تبدیل کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

چنانچہ ہمارے مشورے پر عمل ہوا اور محاذ کا نام تبدیل نہیں کیا گیا۔ لیکن محاذ کے مرکزی عہدہ داروں کے انتخابات کے دوران کچھ واقعات پیش آئے اور دو اہم عہدے (صدر اور سیکرٹری جنرل) ایسے افراد کے پاس چلے گئے جن کے مابین بٹ صاحب سے متعلق معاملات اور دوسری چند اہم امور کے بارے میں شدید اختلاف رائے تھا۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں غلطی پر کون تھا اور حق پر کون؟ البتہ اگر یہ کہوں کہ یہ اختلاف دونوں طرف سے خلوص پر مبنی تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ البتہ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا گیا اور دونوں طرف سے ایک قسم کی حلقہ بندی بھی ہونے لگی۔ میں نے دونوں حضرات کو متعدد خطوط لکھے لیکن بدقسمتی سے میرے ان خطوط کا اگر کوئی نتیجہ نکلا تو صرف یہ کہ ہر فریق مجھے فریقِ ثانی کا طرفدار تصور کرنے لگا۔ کیونکہ میں خطوں میں فریقِ ثانی کا دفاع کرتا تھا۔

بہر حال میرے خطوط کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ یہ صورتِ حال دن بدن شدید ہوتی گئی اور ہر فریق نے دوسرے فریق کی کمزوریوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا شروع کر دیا اور محاذ کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس جو ایک زمانے میں بحث و مباحثے کے معیار کے لحاظ سے کسی قومی پارلیمنٹ یا کسی عظیم حریت پسند تنظیم کے پالیسی ساز ادارے کا سا سماں پیدا کرتے تھے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں صرف ہوتے رہے اور نتیجتاً مرکز کے ساتھ ساتھ محاذ کی شاخیں بھی جمود اور انتشار کا شکار ہوگئیں۔ یہی نہیں بلکہ محاذ کا وہ عظیم امیج جس کے بنانے میں اس کے بانیوں کی شب و روز کی محنت اور دار و رسن کی صعوبتوں کے علاوہ اورنگ زیب شہید کا خون بھی شامل تھا، تباہ ہوگیا۔ اور محاذ اس کے مخلص کارکنوں کے لئے باعثِ فخر نہ رہا۔

محاذ رائے شماری کی برطانیہ شاخ نے اس وقت اہم کردار ادا کیا تھا جب محاذ اور این ایل ایف زیر عتاب تھے۔ لیکن بعد کی صورت حال محاذ کی اس شاخ کے لئے باعث پریشانی بنی۔ چنانچہ محاذ کی اس شاخ نے اپریل 1977ء میں چند اہم فیصلے کئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ محاذ رائے شماری برطانیہ برانچ کو ایک خود مختار تنظیم بنایا جائے اور اس کا نام جموں وکشمیر محاذ آزادی (جموں وکشمیر فریڈم فرنٹ جو بعد میں کنونشن کے موقع پر قبلہ انصاری صاحب کی تجویز پر لبریشن فرنٹ میں تبدیل ہوا) رکھا۔ اس فیصلے کی درجن بھر وجوہات تھیں۔ اور ہر وجہ کے پیچھے تحریکِ آزادی کو زیادہ مؤثر طریقے سے آگے بڑھانے کا مقصد کارفرما تھا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارا اندازہ تھا کہ اگر یہاں کے محاذ کو رائے شماری محاذ کی برانچ کی حیثیت سے قائم رکھا جائے تو مرکز کے جمود اور انتشار کا اثر اسی طرح اس پر بھی پڑے گا جس طرح محاذ کی دوسری برانچوں پر پڑا ہے اگرچہ آئینی طور پر فیصلہ یہاں کی برانچ کا تھا لیکن مجھے یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس فیصلے میں میں نے اور انصاری صاحب نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اور ہمارے اس کردار کے پس منظر میں صرف ایک ہی بات تھی اور وہ تھی تحریک آزادی۔ ہم پورے خلوص سے سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا تحریک آزادی کے بہترین مفاد میں ہے۔

چنانچہ مئی 1977ء میں محاذ کا کنونشن ہوا اور اس میں اتفاقِ رائے سے محاذ رائے شماری برطانیہ برانچ کو جموں وکشمیر محاذ آزادی (جموں کشمیر لبریشن فرنٹ) نامی ایک خودمختار تنظیم بنا دیا گیا اور اسی حیثیت سے اس کا ایک الگ آئین مرتب اور منظور کیا گیا۔

محاذ رائے شماری برطانیہ برانچ کو ایک خودمختار تنظیم میں تبدیل کرنے میں ہم کس حد تک حق بجانب تھے اس کا جواب وقت نے دیا ہے اور گزشتہ چار سال کے حالات و واقعات نے پوری طرح ثابت کر دیا ہے کہ اس اقدام میں ہم پوری طرح حق بجانب تھے۔ آپ اس دور کی ہماری کارکردگی کا موازنہ محاذ کے مرکز اور شاخوں کی کارکردگی سے کریں تو ہمارے استدلال کی صداقت واضح ہو جائے گی۔

آپ وائس آف کشمیر کے تازہ شمارے میں ہماری گزشتہ ایک سال کی کارکردگی کی مختصر رپورٹ پڑھیں (اس میں مصلحتاً بہت سے امور کو شامل نہیں کیا گیا ہے) پھر اس کارکردگی کا موازنہ محاذ رائے شماری اور اس کی شاخوں کی کارکردگی سے کریں اور پھر بتائیں کہ کیا ہم محاذ رائے شماری کی شاخ کی حیثیت سے یہ کارکردگی دکھا سکتے تھے۔ اگر ہم محاذ رائے شماری کی برانچ رہتے تو یہ کارکردگی دکھانا تو درکنار ہمارا حشر بھی وہی ہو گیا ہوتا جو محاذ کی دوسری برانچوں کا ہوا ہے۔

ایک اور اہم بات یہ کہ ہم نے یہاں ایک خودمختار تنظیم بنانے کے باوجود محاذ رائے شماری سے اپنا ذہنی رشتہ منقطع نہیں کیا۔ ہمارے ترجمان وائس آف کشمیر کے صفحے گواہ ہیں کہ ہم نے محاذ رائے شماری کے پرانے امیج کو بحال کرنے کی پوری کوشش کی۔ اگر کبھی کوئی تنقید کی تو وہ تعمیری تنقید تھی۔ اس طرح کی تنقید ہم لبریشن فرنٹ پر بھی کرتے رہے ہیں۔ پھر میرے وہ خط بھی گواہ ہیں جو میں نے وہاں احباب کو لکھے۔

جن میں محاذ رائے شماری کو متحرک کرنے اس کے اندر پائے جانے والے انتشار کو ختم کرنے اور اس کا پرانا امیج بحال کرنے کے لئے میں نے ان کی منتیں کیں۔ اکثر احباب سے اپنے ناکردہ گناہوں کی معافیاں بھی مانگیں لیکن میرے ان خطوط کا احباب پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہم نے یہاں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں عالمی رائے عامہ خاص کر تیسری دنیا کی حکومتوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے خط و کتابت اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ میں جب کسی سفیر یا وزیر خارجہ سے ملتا تھا تو

اس کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے کہ اندرونِ ملک آپ کی تنظیم کتنی مضبوط اور متحرک ہے؟۔ میں انہیں کہتا کہ اندرون ملک ہماری سسٹر آرگنائزیشن (بہن تنظیم) جموں کشمیر محاذ رائے شماری ہے۔ سفیر یا وزیر خارجہ اسلام آباد میں آپنے سفارت خانے سے دریافت کرتے کہ محاذ رائے شماری کس نظریئے کی اور کتنی فعال تنظیم ہے۔

چونکہ وہاں محاذ پر جمود تھا اور محاذ کی کسی سرگرمی کی کوئی خبر کسی اخبار خاص کر انگریزی اخبار میں نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اسلام آباد میں متعین سفیر صاحب یا تو جواب دیتے کہ یہاں اس نام کی کسی جماعت کا کوئی وجود نہیں یا یہ لکھتے کہ محاذ رائے شماری جمود کا شکار ہے۔ اس صورتِ حال سے ایک طرف تو ہمیں شرمندگی اٹھانا پڑتی اور دوسری طرف ہم مطلوبہ حمایت سے محروم ہو جاتے۔ میں نے خطوط کے ذریعہ محاذ کی لیڈرشپ پر یہ صورتِ حال پوری طرح واضح کرتے ہوئے ان سے بار بار گزارش کی کہ وہ ذرا متحرک ہو جائیں یا کم از کم ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں، لیکن میری ان گزارشات پر کوئی عمل نہیں ہوا۔

گزشتہ سال پاکستان میں دو بین الاقوامی (اسلامی وزرائے خارجہ کی) کانفرنسز ہوئیں اور ہر بار چالیس وزرائے خارجہ اور بے شمار سفارت کاروں کے علاوہ دنیا بھر کے پریس کے نمائندے وہاں جمع ہوئے۔ یہ دو موقعے تحریک آزادی کشمیر کو بین الاقوامی طور پر اجاگر کرنے کے سنہری مواقع تھے۔ میں یہاں سے چیختا چلاتا رہا کہ خدا کے لئے اور کچھ نہیں تو کچھ مظاہرے ہی کریں تاکہ ان وزرائے خارجہ اور دنیا بھر کے پریس کے نمائندوں کو معلوم ہو جائے کہ تحریک آزادیٔ کشمیر نام کی کسی چیز کا بھی کوئی وجود ہے۔

لیکن میری یہ چیخ و پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ دوسری کانفرنس کے دوران میں یہاں سے چار پانچ ہزار میل کا سفر طے کر کر وہاں گیا۔ پریس کانفرنس کی۔ وزرائے خارجہ سے ملا۔ کانفرنس کی مختلف کمیٹیوں کو تار بھیجے اور مختلف کمیٹیوں کے سربراہوں سے ملا لیکن محاذ والے میرپور، مظفرآباد، راولپنڈی، کوٹلی یا لاہور سے اسلام آباد تک نہ جا سکے۔ محاذ کی طرف سے صرف ایک پمفلٹ وزرائے خارجہ کو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔

میری یہاں سے روانگی سے قبل یہاں لبریشن فرنٹ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ مجھے ہدایت کی گئی کہ میں محاذ رائے شماری والوں سے دونوں تنظیموں کے باہمی تعلق کے واضح تعین کے بارے میں ان سے گفت وشنید کروں۔ میں نے وہاں پہنچ کر احباب سے گزارش کی کہ محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا جائے تاکہ میں اس کے سامنے کچھ تجاویز رکھوں۔ چنانچہ اواخر جون میں یہ اجلاس ہوا اور میں نے دونوں تنظیموں کے باہمی تعلق سے متعلق مندرجہ ذیل تین تجویزیں پیش کیں............

۱) ...... دونوں تنظیموں کو باہم مدغم کر کے اس کا کوئی مشترکہ نام (میری تجویز تھی لبریشن فرنٹ) رکھا جائے۔

۲)...... دونوں تنظیمیں الگ الگ رہیں لیکن ایک معاہدے کے تحت وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ایک دوسرے کے مشورے پر عمل کریں۔

۳)...... اگر مندرجہ بالا دونوں تجاویز نا قابل عمل ہیں تو لبریشن فرنٹ آزاد کشمیر پاکستان میں اپنی شاخیں قائم کرے گا جس سے محاذ رائے شماری والے ناراض نہ ہوں۔

پہلی دونوں تجاویز کے بارے میں ہماری اولین شرط یہ تھی اور میں اسے بار بار دہراتا رہا کہ محاذ رائے شماری متحرک و متحد ہو۔اس کا موجودہ جمود ختم ہو۔ پہلی تجویز پر عمل ہونے کی صورت میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ متحدہ تنظیم کا مرکز کہاں ہو؟۔ میں نے کہا تھا کہ یہ مرکز برطانیہ میں بھی ہوسکتا ہے کیونکہ آج دنیا کی تقریباً تمام تحاریک آزادی کے مرکز ان کے اپنے ملکوں سے باہر ہیں۔ پی ایل او کا شام میں ہے۔ پولیسا کا الجزائر میں مورو لبریشن فرنٹ کا لیبیا میں،افغانوں کا پاکستان اور ایران ہیں۔سواپو کا بھی ایک ہمسایہ ملک میں اور ایسٹ تیمور والوں کا انگولا میں (سب سے سات ہزار میل دور) ۔بہرحال میں نے اس پر زیادہ زور نہیں دیا اور آخر فیصلہ ہوا کہ محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کا اجلاس جلد از جلد بلا کر اس میں ان تجاویز پر غور کیا جائے گا۔

اجلاس کے بعد شام کو ایک نجی محفل میں قبلہ انصاری صاحب۔ جی ایم میر صاحب،صوفی صاحب،بشیر صاحب وغیرہ کی موجودگی میں میری تجاویز ایک بار پھر زیر بحث آئیں۔ان احباب نے غالباً اس پر تبادلۂ خیال کیا تھا۔جی ایم میر صاحب نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ دونوں تنظیموں کو ملا کر مشترکہ تنظیم کا نام قومی محاذ آزادی (NLF) رکھا جائے۔اس کا مرکز یہاں (آزاد کشمیر میں) ہو البتہ اس کا ایک اہم مرکزی عہدہ (سیکرٹری جنرل کا) برطانیہ والوں کو دیا جائے۔

(اس سلسلے میں انہوں نے میرا ہی نام لیا) تاکہ بین الاقوامی سطح پر بھی کام ہو سکے۔ میں نے اپنی ذات سے متعلق تجویز سے انکار کیا (اور ایسی کوئی تجویز مجھے اس وقت بھی منظور نہیں، کیوں؟ میں اس خط میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا)۔

بہرحال آخری فیصلہ یہی رہا کہ محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کا اجلاس پہلی فرصت میں بلایا جائے اور اس میں ان تین تجاویز پر غور کر کے لبریشن فرنٹ کو اس سے مطلع کیا جائے اور لبریشن فرنٹ اس پر غور کر کے اس سلسلے میں مناسب اقدام کرے۔میں نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی اور بعد میں نجی محفل میں بھی اس بات پر بار بار زور دیا کہ پہلی تجاویز کی بنیادی شرط یہ ہے کہ محاذ متحد و متحرک ہو جائے اور اس کا عملی ثبوت دے۔میری تیسری تجویز سے بزرگ ممبر نالاں نظر آئے لیکن اسے رد نہیں کیا البتہ اندر اور باہر کے بہت سے نوجوانوں کا خیال تھا کہ تیسری تجویز ہی وقت کے تقاضے پوری کرتی ہے۔

میں نے برطانیہ واپس آنے سے پہلے محاذ رائے شماری کے پرانے اور روٹھے ہوئے ساتھیوں کو منانے اور محاذ رائے شماری کو متحرک کرنے کی کوشش کی۔ کچھ احباب تنظیم میں پھر سے متحرک ہونے پر آمادہ ہوئے البتہ کچھ کے سلسلے میں مجھے بری طرح ناکامی ہوئی۔ اس بارے میں تفصیلات میں جانا ضروری نہیں۔

میں یہاں آتے ہی ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہو کر ہسپتال میں داخل ہوا اور تقریباً ایک ماہ وہاں رہا۔ اسی دوران سرینگر میں بھارتی فوجوں نے بدترین سفاکی کا مظاہرہ کیا مجھے ہسپتال میں خبر ملی تو ڈاکٹروں سے لڑ جھگڑ کر وہاں سے نکلا اور احباب کے تعاون سے لندن، ڈنمارک، ہالینڈ اور نیو یارک میں بھارتیوں کی بربریت کے خلاف زبردست اور تاریخی مظاہرے کرائے اور بھارتی حکومت اور اقوامِ متحدہ کو سینکڑوں احتجاجی تار بھیجے۔ سرینگر سے واقعات کی تفصیلات حاصل کر کے اس سے متعلق ایک جامع رپورٹ شائع کر کے اس کی کاپیاں دنیا بھر کے وزرائے خارجہ۔ لندن میں متعین تمام سفیروں، اقوامِ متحدہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی کمیشن اور دوسرے ایسے ہی اداروں کے علاوہ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کو بھی بھیجے۔

اسی دوران ہم نے محاذ رائے شماری والوں کو بھی خط لکھے بلکہ یہاں سے فون بھی کئے کہ خدا کے لئے اس موقع پر کچھ حرکت کریں۔ کم از کم اسلام آباد میں بھارتی سفارت خانے پر ایک بڑا مظاہرہ ہو۔ یہ ہماری قومی غیرت کا بھی سوال تھا۔ کیونکہ بھارتی درندوں نے سرینگر میں ہمارے بے شمار بھائیوں کو قتل کرنے کے علاوہ ہماری بہت سی نوجوان بہنوں کو بھی بے عزت اور قتل کیا تھا۔ لیکن محاذ رائے شماری اس سلسلے میں بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔

پھر اس سال فروری میں نئی دہلی میں وزرائے خارجہ کا اجلاس ہوا تھا جس میں غیر جانبدار ممالک کے تقریباً ایک سو وزرائے خارجہ، سینکڑوں دوسرے سفارت کار، اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور ہزاروں پریس کے نمائندے جمع ہوئے تھے۔ میں نے جنوری میں ہی محاذ رائے شماری والوں کو خط لکھے کہ اجلاس سے ایک دن قبل اسلام آباد میں غیر جانبدار تحریک کے اہم ممبر ملکوں کے سفارت خانوں کے سامنے مظاہرے ہونے چاہییں۔ لیکن اس بارے میں بھی کچھ نہیں ہوا۔

ایک طرف تو ہماری تجاویز پر نو ماہ تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور دوسری طرف انتہائی اہم معاملات کے سلسلے میں میری چیخ و پکار پر محاذ رائے شماری والوں کا ردِّ عمل بالکل منفی رہا اور محاذ پر جمود بھی پوری طرح مسلط رہا۔

چنانچہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر وہاں ہماری شاخ ہوتی تو ہماری آواز پر ضرور عمل ہوتا۔ اگر ہماری آواز پر ڈنمارک، ہالینڈ حتیٰ کہ نیو یارک کی برانچیں گوناگوں مشکلات کے باوجود لبیک کہہ سکتی ہیں تو پاکستان، آزاد کشمیر میں ہماری برانچ ہونے کی صورت میں اسلام آباد میں بھی مظاہرے ہو سکتے تھے۔

چنانچہ جنوری میں ہماری مجلس عاملہ کے اجلاس میں اس موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی۔ اگرچہ آئینی طور پر ہم آپ لوگوں سے کسی بات یا اقدام کی منظوری لینے کے پابند نہیں لیکن ہمارے نظریاتی رشتے اور خاص کر محاذ رائے شماری سے میرا

جذباتی اور ذاتی لگاؤ اس بات کے متقاضی تھے کہ ہم اس سلسلے میں آپ سے بات کریں یا کم از کم محاذ کے کچھ اہم احباب سے۔ چنانچہ میں نے قبلہ انصاری صاحب کو ایک خط لکھا جس میں ہمارے اس ارادے کا اظہار کیا کہ ہم پاکستان و آزاد کشمیر میں لبریشن فرنٹ کی شاخیں قائم کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہماری آواز پر لبیک کہنے والا وہاں بھی کوئی ہو۔ میں نے انصاری صاحب کو یقین دلایا تھا کہ ہم ان تمام واقعات کے باوجود محاذ رائے شماری سے کسی قسم کا تصادم نہیں چاہتے۔

انصاری صاحب نے وہ خط وہاں کے اہم ممبروں کے (یا مجلس عاملہ کے ممبروں) کے سامنے رکھا جنہوں نے میرے خط کو ہماری طرف سے محاذ رائے شماری کے خلاف دوسری بغاوت قرار دیا اور انصاری صاحب نے وہاں کے احباب کے مشورے کے مطابق مجھے ایک طویل خط لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اس خط کو لبریشن فرنٹ کی مجلس عاملہ کے سامنے رکھوں۔ انصاری صاحب کے خط کا لب لباب یہ تھا کہ لبریشن فرنٹ کوئی علیحدہ تنظیم نہیں بلکہ محاذ رائے شماری کی شاخ یا اس کا ایک ونگ ہے۔ آزاد کشمیر و پاکستان میں لبریشن فرنٹ کی شاخیں قائم کرنا محاذ دشمنی یا محض دشمنی تصور ہوگا۔ میں نے خط کو بوجوہ اپنی ورکنگ کمیٹی کے سامنے نہیں رکھا۔

کیونکہ بجز برمنگھم ہماری تمام برانچیں لبریشن فرنٹ کے قیام کے بعد بنی ہیں اور ان نئے ممبروں کا محاذ رائے شماری سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ نہ ہی وہ لبریشن فرنٹ کو محاذ رائے شماری کی شاخ یا ونگ تصور یا تسلیم کرتے ہیں۔ برمنگھم برانچ کی اکثریت محاذ رائے شماری کی برطانیہ برانچ کے سابقہ ممبروں پر مشتمل ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر خط ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھا جاتا تو ممبروں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

چنانچہ میں نے ماضی میں محاذ رائے شماری برطانیہ سے تعلق رکھنے والے ممبروں کا ایک پرائیویٹ اجلاس بلایا اور اس میں قبلہ انصاری صاحب کے خط پر بحث ہوئی۔ میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ چونکہ محاذ رائے شماری والے ہمارے مجوزہ اقدام کو محاذ سے بغاوت یا تصادم قرار دیتے ہیں اور اس پر خاصے سیخ پا ہیں۔ اس لئے اگر ان حالات میں ہم نے کوئی اقدام کیا تو وہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ جس کے حصول کے لئے ہم یہ اقدام کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

چنانچہ میری ہی اس تجویز سے تمام شرکاء نے اتفاق کیا کہ محاذ رائے شماری کو متحرک و منظّم و متحد ہونے کا ایک اور موقع دیا جائے اور اس اثنا میں لبریشن فرنٹ کی پاکستان و آزاد کشمیر میں شاخیں قائم کرنے کے سلسلے میں کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔ اگرچہ یہ فیصلہ لبریشن فرنٹ کا نہیں اس کے اُن ممبروں کا ہے جو ماضی میں محاذ رائے شماری سے منسلک رہے ہیں۔ لیکن میں لبریشن فرنٹ کی طرف سے بھی آپ لوگوں کو ایک اور موقع دے رہا ہوں کہ آپ متحرک، منظّم اور متحد ہو جائیں۔ ہم اس لئے وہاں اپنی شاخ قائم کرنے کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کرینگے۔ (لبریشن فرنٹ کی مجلس عاملہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں تحریک آزادی اور تنظیمی معاملات کے سلسلے میں جو قدم مناسب سمجھوں اٹھاؤں اور میں لبریشن فرنٹ

کی طرف سے آپ لوگوں کو یہ موقع اسی اختیار کے تحت دے رہا ہوں)۔

میرے بزرگو اور بھائیو! اگر آپ لوگ متحرک، منظّم اور متحد ہو جائیں اور محاذ رائے شماری کا سابقہ امیج بحال ہو جائے تو میں لبریشن فرنٹ کی طرف سے آپ لوگوں کو پورا یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ سے پورا پورا تعاون کریں گے۔ ہماری نظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ آیا آپ لوگ متحرک ہوتے ہیں یا نہیں؟ آیا آپ متحد ہوتے ہیں یا نہیں؟، آیا محاذ رائے شماری کا پرانا امیج بحال ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ بات ثانوی ہے کہ آپ اپنی تنظیم کا نام تبدیل کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر کرتے ہیں تو نیا نام کیا رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی ثانوی ہے کہ آپ مرکزی عہدوں پر کن اصحاب کو منتخب کرتے ہیں۔ ہم کنونشن کے بعد خاصی مدت تک آپ لوگوں کی سرگرمیوں اور کارکردگی پر گہری نظر رکھیں گے۔ اگر آپ لوگ متحرک و منظّم نہ ہوئے اور محاذ کا امیج بحال نہ ہوا تو ہم ہر وہ اقدام کرنے میں حق بجانب ہوں گے جو ہماری نظر میں تحریک آزادی کو تقویت دینے کے لئے ضروری ہوگا۔

خواہ اس سے آپ لوگ ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے خط کے ابتداء میں ہی کہا ہے ہمیں تحریک آزادی تنظیم سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ آپ لوگ اپنی کم عملی کے لئے ناموافق حالات کا جو جواز پیش کرتے ہیں وہ ہمیں متاثر نہیں کرسکتا۔ حب الوطنی اور حریت پسندی کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں اپنی بے عملی کے لئے ناموافق حالات کا عذر پیش نہیں کرسکتیں۔ گزشتہ دِنوں یہاں ٹی وی پر شمالی آئیرلینڈ والوں کی تحریک کے بارے میں خبروں کے دوران ہم نے دیکھا کہ سات سات سال کی عمر کے سیکڑوں بچے پٹرول بھری بوتلوں سے فوج کے ٹینکوں اور گاڑیوں پر حملہ کر رہے تھے۔ دو قوم پرستوں نے دو دو ماہ بھوک ہڑتال کر کے جان دیدی اور اپنی تحریک کو زندگی بخشی۔ اس وقت قوم پرستوں کے ڈھائی ہزار افراد جیلوں میں ہیں۔

پھر بھی اوسطاً روزانہ ایک قوم پرست اور ایک فوجی یا سرکاری ملازم قوم پرستوں کے حملوں کے دوران ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ ناموافق حالات کا رونا نہیں روتے۔ ہم آپ سے ٹینکوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہیں کہتے۔ ہماری گزارش یہی ہے کہ آپ کم از کم سیاسی میدان میں تحریک آزادیٔ کشمیر کو زندہ رکھیں اور دنیا پر واضح کریں کہ تحریک آزادی کشمیر نام کی کوئی چیز اندرون ملک بھی موجود ہے۔ اگر آپ لوگ بھی نہیں کرسکتے تو خدا کے لئے حریت پسندی اور حب الوطنی کے بلند بانگ دعوے کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ کر اپنے ذاتی حالات کو سدھاریں، یہی آپ لوگوں کا قوم پر بڑا احسان ہوگا۔

میرے بزرگو اور بھائیو! وہاں کی نسبت حالات کہیں زیادہ یہاں ناموافق تھے۔ آج سے چار سال قبل محاذ رائے شماری کی برطانیہ شاخ صرف برمنگھم کے کچھ افراد تک محدود تھی۔ برمنگھم کے باہر صرف چار افراد اس کے ممبر تھے۔ یہاں

کا انگریزی پریس تو درکنار اردو پریس بھی ہمیں گھاس نہیں ڈالتا تھا بلکہ ہمارے خلاف زہر اگلتا تھا۔ سفارت کار ہمیں ملاقات دینے سے بھی انکار کرتے۔اور یہاں پر مقیم آزاد کشمیر والے (اُن کی بھاری اکثریت) اپنے آپ کو کشمیری کہلانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ کشمیری قومیت کا یہاں کوئی تصور نہیں تھا۔

جس کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمارے دفتر کے بڑے شیشے پر ہم نے برادرم بٹ صاحب کی ایک بڑی سی تصویر کے علاوہ ایک پوسٹر بھی لگا رکھا ہے جس پر کشمیر، کشمیریوں کا ہے، لکھا ہوا ہے۔ دفتر کے سامنے ایک مصروف روڈ ہے اور یہاں سے گزرنے والے ہزاروں افراد روزانہ بٹ صاحب کی تصویر معہ متعلقہ عبارت اور پوسٹر کو پڑھتے ہیں۔ آج سے تین چار سال قبل یہاں کے ایک لیڈر صاحب کا جن کا تعلق آزاد کشمیر سے تھا گزر ہوا اور انہوں نے کشمیر، کشمیریوں کا ہے، والی عبارت پڑھی۔ اسی دن شام کو انہوں نے ایک محفل میں ہمارے ایک ممبر سے پوچھا، محاذ والے کہتے ہیں کشمیر کشمیریوں کا ہے۔

''اگر کشمیر صرف کشمیریوں کا ہے تو یہ جاٹ اور راجے کہاں جائیں گے''؟۔ اب آپ اندازہ لگائیں جہاں لیڈروں کی سوچ یہ ہو تو عوام کا کیا حال ہوگا؟۔لیکن صرف چار سال کے بعد آج پوزیشن یہ ہے کہ صرف برطانیہ میں لبریشن فرنٹ کی آٹھ شاخیں ہیں اور دوسری شاخیں سعودی عرب سے لے کر امریکہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں کے اردو پریس کا یہ حال ہے کہ جب بھی مسئلہ کشمیر سے متعلق کوئی اہم بات ہو یہاں کے اردو اخبار والے ہم سے تبصرہ مانگتے ہیں۔ ہماری خبریں کئی کالموں میں شائع کرتے ہیں اور وائس آف کشمیر میں شائع ہونے والے مضامین کو اپنے اخباروں میں دوبارہ شائع کرتے ہیں۔ سفارت خانے بھی ہمارے خطوط کا جواب دیتے ہیں۔ حال ہی میں میرے ایک مراسلے کے جواب میں یہاں لندن کے درجن بھر سفیروں کے خط ہمیں موصوم ہوئے۔

البتہ انگریزی پریس بھی ہماری خبریں اور مضامین شائع کرنے لگا ہے۔ حال ہی میں یہاں کے اہم ترین اخبار سنڈے ٹائمز میں میرا ایک طویل مضمون شائع ہوا جس پر بی بی سی نے تبصرہ بھی کیا۔ امریکہ کے ایک اہم اخبار میں میرے دو مضمون قسط وار شائع ہوئے۔ پاکستان کے اخباروں میں بھی ہماری خبریں آیا کرتی ہیں۔

فروری میں مارننگ نیوز کراچی نے میرا ایک طویل مضمون دو قسطوں میں سنٹر پیج میں شائع کیا۔ یہاں کشمیریوں کی بھاری اکثریت اب اپنے آپ کو کشمیری کہلانے میں فخر محسوس کرتی ہے اور سب تسلیم کرتے ہیں کہ کشمیریوں کی سوچ میں اس تبدیلی کا سہرا وائس آف کشمیر اور لبریشن فرنٹ کے لٹریچر کے سر ہے۔

بھائیو اور بزرگو! یہاں اتنی بڑی تبدیلیاں لانے کے لئے ہمارے پاس الہ دین کا کوئی چراغ نہیں تھا۔ اس تبدیلی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ناموافق حالات کا رونا رونے کی بجائے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہے۔ اقوامِ

متحدہ میں مجھ پر جو بیتی اس کی ایک جھلک تو آپ نے وائس آف کشمیر میں میرے مضمون ''کاش'' میں پڑھی ہوگی۔ وہاں ہر قدم، ہر مرحلے پر مجھے شرمندگی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ چنانچہ آج وہاں پر سفارت خانے میں کشمیر اور مسئلہ کشمیر پر ہمارے مراسلات اور لٹریچر پر مشتمل ایک الگ فائل بنی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹریٹ اور مختلف کمیٹیوں میں بھی ہماری الگ فائلیں بنی ہیں۔ سیکرٹریٹ اور انسانی حقوق کے کمیشن میں بٹ صاحب کے بارے میں بھی ایک بڑی فائل بنی ہے۔

دنیا کے اکثر وزارت ہائے خارجہ کا بھی یہی حال ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عالمی سطح پر ہمارے نظریئے کو سمجھا جانے لگا ہے۔ البتہ دنیا کو اس سے پوری طرح متاثر ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

میرے بھائیو اور بزرگو! جدید تحاریک آزادی کے تین اہم محاذ ہوتے ہیں یعنی اندرونِ خانہ سیاسی جدوجہد مسلح جدوجہد اور بین الاقوامی سطح پر جدوجہد، ہمارا بنیادی طور پر تعلق تیسرے محاذ سے ہے اور آپ لوگوں کا پہلے محاذ سے جبکہ دوسرا محاذ مشترکہ ہے ہم اپنے بنیادی محاذ پر تندہی سے کام کر رہے ہیں۔ جبکہ آپ کا محاذ تقریباً خالی پڑا ہے۔ دوسرے محاذ کے بارے میں میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

بھائیو اور بزرگو! میں آپ کی توجہ ایک بار پھر خط کے ابتداء میں بیان کی گئی دو حقیقتوں کی طرف مبذول کراتے ہوئے عرض کروں گا کہ میری یہ تلخ ترش باتیں محاذ رائے شماری اور تحریک آزادی سے میرے جذباتی لگاؤ کا ہی نتیجہ ہیں اس لئے آپ اس خط کو اسی جذبے اور اسی خلوص کے تحت پڑھیں اور سنیں جس کے تحت یہ لکھا گیا ہے۔ میری گزارشات کو کوئی اور معنی دینا میرے ساتھ ظلم ہی نہیں۔ خود محاذ رائے شماری کے لئے نقصاندہ بھی ہوگا۔

میرے بزرگو اور بھائیو! مجھے یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس خستہ حالی میں بھی محاذ رائے شماری چند اعلیٰ خصوصیات کا حامل ہے۔ مثلاً یہ کہ محاذ کا کوئی ممبر اپنے نظریات اور اصولوں کا سودا نہیں کرتا اور بڑی سے بڑی مشکل یا بڑے سے بڑا ذاتی فائدہ محاذ کے ممبروں کو ان کے نظریئے سے ہٹا نہیں سکتا۔ یہ خصوصیت ایک تنظیم کی سب سے بڑی متاع ہوتی ہے۔ البتہ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ لوگوں کی بے عملی کا یہی حال رہا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں جب محاذ رائے شماری اپنی اس متاعِ بے بہا سے بھی محروم ہو جائے گا وہ دن محاذ کی موت کا دن ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک عظیم تحریک اور ایک عظیم نظریئے کے لئے بھی روزِ بد ہوگا۔

میرے بزرگو اور دوستو! محاذ رائے شماری کے امیج کو اس بلندی تک پہنچانے کے لئے بہتوں نے اپنی جانیں قربان کیں۔ جنھوں نے شاہ قلعہ اور دلائی کیمپ اور مہتاب باغ کے درندوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ایک نے اپنی جان قربان کی اور ایک آج اسی سلسلے میں پھانسی کے پھندے کا منتظر ہے۔ ان تمام حقائق کے پیشِ نظر اگر آپ لوگ اس عظیم تنظیم

کو اپنی بے عملی کی قبر میں دفنائیں تو قوم کے ساتھ اس سے بڑا مذاق کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنے قومی فرائض کا پورا احساس عطا کرے، میں ہوں آپ کا ہموطن اور مخلص۔

فقط والسلام

امان اللہ خان

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز امان صاحب، سلام مسنون!

آپ کے خط کی معرفت آپ کی خیریت کا پتہ چلا، آپ نے اس خط میں اپنے آئندہ کے پروگرام کے بارے میں اطلاع دی ہے، آپ جو چاہتے کرتے، لیکن آپ نے لکھا ہے کہ ''مجھے امید ہے آپ اپنی پہلی فرصت میں مجھے اس سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے سے مطلع کریں گے، اگر آپ خاموش رہے تو بھی میں اسے الخاموشی نیم رضا سمجھوں گا''۔ آپ نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کر دیا ہے میں محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ کہیں آپ میرے دوسرے ساتھیوں کو یہ غلط تاثر نہ دے دیں کہ آپ نے میری مرضی سے ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈال دی ہے مجھے آپ سے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔ میں چند ایک وجوہات بھی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

میں اپنی جماعت کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے انگلینڈ گیا تھا، تمام ساتھی اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ذرائع ابلاغ حکومت کے قبضہ میں ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری سرگرمیوں سے وطن عزیز کے باشندے بے خبر ہیں۔ اندرون وطن اور بیرون وطن ہر جگہ کسی کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ گنگا طیارہ کا اغواء بھی محاذ رائے شماری کے عسکری بازو محاذ آزادی کا کارنامہ تھا۔ محاذ رائے شماری کی برطانوی شاخ نے بہت مدد کی تھی۔ اس کے وفود بھی ہمارے سالانہ جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ برطانیہ کے محاذ نے ہمیں بہت تقویت پہنچائی تھی۔

دوسری طرف برطانیہ میں محاذ کے ساتھیوں نے میرا واپسی ٹکٹ بھی بھیج رکھا تھا۔ میں نے انہیں لکھا تھا کہ پارٹی سے چندہ حاصل کر کے مجھے مدعو نہ کیا جائے۔ چنانچہ مجھے میرے عزیزوں نے الگ ٹکٹ بھیج دیا تھا۔ دوسرے ٹکٹ محاذ کے ساتھیوں نے بھیجے تھے۔ میں بیمار بھی ہو چکا تھا۔ بالآخر ساتھیوں نے یہی مشورہ دیا کہ علاج کے لئے بھی چلا جاؤں، اور جماعت کی شاخ کو مضبوط بناؤں تاکہ مشکل وقت میں ساتھ دے سکے۔ میں نے وہاں پہنچ کر آپ کو بھی جماعت کے فیصلہ کے احترام میں بلایا تھا۔ صرف یہ مقصد تھا کہ بیرون ملک کشمیریوں کو آزادی کا احساس دلایا جائے۔ ہماری پارٹی کا یہ اعتماد تھا جو ہم لے کر وہاں گئے تھے۔

برطانیہ میں پہنچ کر محاذ رائے شماری کو ختم نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ہمارے کچھ دوست احباب اور کچھ عزیزوں نے اصرار کیا تھا کہ وہ اس کا نام ایسا رکھنا چاہتے ہیں جسے بیرونی دنیا میں وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو، رائے شماری پر ہر شخص ضرور پوچھے گا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟۔

''محاذِ آزادی'' کے نام سے دنیا میں بے شمار تحریکیں چل رہی ہیں، نام بتاتے ہی سامع کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ان عزیزوں اور قابل احترام ہم وطنوں کے جذبات واحساسات کی قدر کرتے ہوئے برطانیہ میں محاذ آزادی کے نام پر محاذ رائے شماری کے ساتھیوں کو اکٹھا کیا گیا۔ اور جو لوگ محض نام سے چڑتے تھے اور محاذ رائے شماری کی اس پارٹی کی قیادت سے روز اول سے ہی کینہ رکھتے چلے آتے تھے، ان کے لئے بھی محاذ آزادی میں شامل ہونے کے لئے دروازے کھل گئے تھے۔ ہمیں نہ کسی جماعت سے یا اس کی قیادت سے اس قدر لگاؤ تھا کہ مقصد کو بھول کر ان کی پرستش شروع کر دیتے۔ ہمارے سامنے ایک ہی نصب العین تھا کہ ہمارا ملک آزاد ہو۔ اور وطن عزیز کے حریت پسند جہاں کہیں بستے ہیں وہ آزادی کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں، وہ کہاں کہاں رہے۔ کن جماعتوں میں شریک رہے۔ کن راہوں پر چلتے رہے۔ یہ ہمیں ان کا مخالف نہیں بنا سکتی تھیں۔

کیونکہ ہمارے سامنے منزل واضح تھی، اور منزل کی نشاندہی ہی نہ کر چکے تھے۔ بلکہ وہاں تک پہنچنے کے لئے طریق کار بھی واضح تھا۔ ہماری منزل کشمیر کی مکمل آزادی تھی۔ اور اس کے حصول کے لئے مسلح جدوجہد کی راہ کو ہم نے اپنا یا تھا۔ اس لئے ہم نے محترم عبدالجبار بٹ صاحب، اور عزیز محترم نظامی صاحب اور عزیزان آفتاب احمد انصاری اور چوہدری عبدالغفور صاحب کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے برطانیہ میں محاذ آزادی کے پرچم تلے کام کرنے کا عہد کیا تھا۔ عزیزم صدیق مرزا کو بھی میں نے ہمنوا بنایا تھا۔

نیا نام صوفی عنایت حسین بھٹی صاحب کا ممنون ہے۔ ''محاذ رائے شماری'' کا نام بدلنے کے لئے مرکزی قیادت کی طرف سے ہم سے استفسار کیا گیا تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ مل کر آزاد فضاؤں میں جذباتی انداز میں سوچے بغیر یہ فیصلہ دیا تھا کہ آزاد کشمیر میں محاذ رائے شماری کا وجود باقی رکھا جانا ضروری ہے تنظیم، محاذ رائے شماری طویل آزمائشوں سے گزر کر پاکستان کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس کے معاندانہ رویہ کے باوجود اپنا لوہا منوا چکی تھی اور دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا تھا کہ محاذ رائے شماری محبّ الوطنوں کی تنظیم ہے۔

ہم نے یہ مشورہ اس لئے بھی دیا تھا کہ وطن دشمن افراد ہمارے خلاف اس پروپیگنڈہ میں پیش پیش تھے۔ کہ یہ جماعت شیر کشمیر کا صرف نام لیتی ہے اصل میں ہندوستان کے اشارے پر بنائی گئی ہے تاکہ اسے پاکستان کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ اس پار محاذ کے خاتمہ کے بعد اس طرف محاذ کے توڑنے سے اس معاندانہ پروپیگنڈہ کو تقویت پہنچے گی،

اس لئے اب پہلے کی نسبت بھی محاذ رائے شماری کا نام زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔

معاہدہ شملہ کی روشنی میں امکان غالب ہے کہ پاکستان کی نوکر شاہی بھارت کو خوش کرنے کے لئے محاذ رائے شماری کے عسکری بازو محاذ آزادی پر پابندی لگا دے اور اس طرح ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔

یہ بات ہم نے سوچی تھی اور محاذ رائے شماری کا وجود ضروری تھا تاکہ سیاسی جماعت کی حیثیت سے ملک میں کام ہوتا رہے۔ آپ نے میرے ساتھ اتفاق کیا تھا کہ بٹ صاحب کے واپس آنے تک کوئی تبدیلی نہ کی جائے یہ بھی ہماری سوچ تھی کہ آزاد فضاؤں میں اہم اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے اثرات دور رس ہو سکتے ہیں اس لئے برطانیہ کے محاذ آزادی کو الگ طور پر کام کرنا چاہیے تاکہ آزاد فضاؤں میں پلنے والی کشمیری نسل کے نوجوان، اگر دشمن پر چھاپہ مار کارروائی کریں تو آزاد کشمیر میں ہمارے ساتھیوں پر از سر نو شاہی قلعہ لاہور کے دروازے نہ کھول دیئے جائیں۔ دولائی اور شاہی قلعہ لاہور کی یادیں تازہ تھیں۔ اس لئے ان مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے برطانیہ میں محاذ آزادی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ محاذ آزادی کوئی الگ تنظیم نہ تھی بلکہ محاذ رائے شماری میں کام کرنے والے ساتھیوں نے بہتر سمجھا تھا کہ نام حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدل دیا جائے، ہمارے ساتھی کسی نام سے بھی کام کریں گے، کسی مقام، کسی جگہ، کسی ملک میں ہوں گے وہ ہمارے ہی ہیں اہم مرکز گریز پالیسی پر عمل نہ کر رہے تھے۔

ہم ان ساتھیوں کی عظیم قربانیوں کو فراموش کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جنہوں نے اس جماعت کی آبیاری میں اپنا گرم گرم خون دیا تھا۔ جماعت کے نام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سب کو اس کا بھی احساس تھا کہ وہ وطن میں آزادی کے لئے کام کرنے والوں کو تنہا نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ آپ نے ہی محاذ رائے شماری کے دوستوں کو لکھا تھا کہ جماعت کا نام نہ بدلا جائے ورنہ وہ اپنے طور پر نام بدلنے کے لئے تیار تھے، میں جو یہ لکھا ہے کہ آپ نے ایسا لکھا تھا تو اس سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ آپ تنہا تھے، میں آپ کے ساتھ یقیناً شریک تھا۔

اب آپ نے لکھا ہے کہ............

> ”اگر محاذ آزادی کی آزاد کشمیر و پاکستان میں شاخ ہو اور مقبوضہ کشمیر کے محاذ سے بھی رابطہ ہو اور باہمی تعاون رہے تو ہمارے لئے بہت سی آسانیاں ہوتی ہیں۔ ہم کوشش میں ہیں کہ تحریک میں صحیح معنوں میں جان پڑ جائے اور اس کے لئے وہاں برانچ ضروری ہے۔ جو مرکز کی ہدایات پر عمل کرے اور مرکز یہاں (لندن میں ہو)“۔

آپ کے اس نظریہ سے کسے اتفاق نہیں ہوسکتا کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام سے رابطہ ہونا چاہیے، وہاں کے محاذ آزادی سے رابطہ تو اور بھی ضروری ہے، لیکن آزاد کشمیر و پاکستان میں محاذ آزادی کی شاخ کے قیام سے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ آپ کا اگر یہ مطلب ہے کہ آپ اپنی تنظیم کو محاذ رائے شماری اور محاذ آزادی جو محاذ رائے شماری کا عسکری بازو

ہے اس سے الگ کر کے ''نئی راہ'' تلاش کرنے کی فکر میں ہیں تو مجھے آپ سے اختلاف ہے بلکہ میں یہ سمجھوں گا کہ جس مقصد کے لئے محاذ رائے شماری کی مرکزی مجلس عاملہ نے فیصلہ کر کے ہمیں برطانیہ میں بھیجا تھا اس سے دھوکہ اور فریب ہے آپ راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو نہیں روک سکتے ،لیکن آپ کا طریقِ کار انتہائی افسوس ناک ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ آزاد کشمیر جسے ساری عمر آزادی کا بیس کیمپ بنانے کا مطالبہ کرتے رہے، جسے آپ بھی آزاد علاقہ قرار دیتے رہے، آج وہاں مرکز نہیں رکھنا چاہیے اور بیرون ملک مرکز کے قیام کی فکر ہو رہی ہے، آزاد کشمیر ان معنوں میں آزاد نہیں ہے جس سے ہم بے نیاز ہو جائیں، لیکن اس حصہ میں کام کیا جا سکتا ہے اور اسے بطورِ پناہ گاہ کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

آپ نے یہاں آ کر بھی اپنی الگ جماعت بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ بنا کر جائیں تا کہ میں ان آدمیوں کے چہروں کو تو دیکھ سکوں جو آپ کو اس راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے اندر آزادی کا جذبہ موجود ہے اور وہ مخلص ہیں تو انہیں محاذ رائے شماری میں کام کرنے سے کیوں عار ہے؟۔

مجھے اگر محترم میر ہدایت اللہ صاحب منع نہ فرماتے تو میں اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کرتا۔ میر صاحب تو ایک منجھے ہوئے سیاست دان ہیں اور انہوں نے اپنے تجربوں کی روشنی میں مشورہ دیا تھا مجھے سنجیدگی میں فرمایا تھا کہ امان صاحب کی حوصلہ افزائی کی جائے ،کوئی لفظ ایسا استعمال نہ کیا جائے جس سے انہیں تکلیف ہو، اور میں خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ آپ کے دل کو دکھایا جائے، میں نے ایک ہی کام آپ کے سپرد کیا تھا کہ کراچی، لاہور اور مظفر آباد کے ساتھیوں کو ایک بار پھر ملایا جائے۔ آپ نے واپسی پر لندن سے رپورٹ بھیجی تھی آپ بیمار ہو کر چلے گئے تھے اور جو کام کرنے کا تھا اسے ادھورا چھوڑ کر آپ برمنگھم چلے گئے، یہ کام صرف آپ کر سکتے تھے جو آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے لکھا ہے کہ............

> ''میں صدقِ دل سے سمجھتا ہوں کہ محاذ رائے شماری کے بہت سے دوستوں کے ساتھ اب ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا، اس سلسلے میں تفصیلات میں جا کر آپ کو ذہنی کرب میں مبتلا کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اس لئے مختصراً عرض کر رہا ہوں کہ آپ ذاتی حیثیت میں ہمیں اجازت دیں کہ ہم محاذ آزادی کی برانچ وہاں قائم کریں، (یعنی آزاد کشمیر و پاکستان میں)''۔

آپ اگر مجھ سے اجازت طلب نہ کرتے اور جماعت بنا لیتے تو مجھے زیادہ افسوس نہ ہوتا، ہم نے دیکھا ہے کہ آزادی کی تحریکوں میں لوگ شامل ہوتے رہتے ہیں اور جب مصائب کا وقت آتا ہے تو وہ دوستوں کا گوشت کھانے لگتے ہیں ہمارے کتنے ہی بزرگ رہنما تھے جو ہمارے ساتھ چلے تھے، کچھ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، کچھ بوڑھے ہو گئے، کچھ بیمار پڑے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ شہادت کی تڑپ رکھنے کے باوجود ابھی تک زندگی کے سانس گن رہے ہیں۔ اب ان ساتھیوں کی موجودگی میں میری ذاتی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ میں اس قافلۂ آزادی سے تعلق رکھتا ہوں جو ہر حریت پسند کو اپنا ساتھی ہی سمجھتے چلے آتے ہیں، میرے لئے جگہ وقت اور جماعت کی کوئی قید نہیں، شہید کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتا ہو وہ پوری قوم کا سرمایہ ہوتا ہے میں جلسوں اور جہاں ناظم، صدیق اور ریاست کا نام لیتا ہوں وہاں حبیب کا نام بھی اسی محبت سے لیتا ہوں، یہ لوگ قوم کا سرمایہ ہیں، بشرطیکہ انہیں صحیح راہ پر ڈالا جا سکے، ہم تو غیروں کے ساتھ بھی نباہ کر لیتے ہیں، اور آپ اپنوں کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتے، آپ جن لوگوں کا (جن ساتھیوں کا) ذکر کر رہے ہیں، وہ تو ہمارا قابل فخر سرمایہ ہیں، ان کی زبانیں جھوٹ سہی، ان کے دل چیر کر دیکھیں تو آزادی ان کے دلوں کی کھیتیوں پر نقش ہے اور وہ بھٹیوں سے نکل کر آئے ہیں وہ سونا ہیں۔ البتہ اگر آپ ایسے سونے کی تلاش میں ہیں جنہیں بھٹیوں کی نذر کر کے کھوٹ کو الگ کرنا ہے تو یہ آپ کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے آپ مجھے اس میں شریک نہ کریں، میں آپ سے محبت رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو اس کے لئے تیار نہیں پاتا، میری ذات کا معاملہ ہوتا تو میں انکار نہ کرتا، یہ پوری جماعت کا معاملہ ہے اور میں اپنی اس جماعت کو فراموش نہیں کر سکتا جس نے آپ سمیت ہم سب کو دنیائے آزادی سے روشناس کرایا ہے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ہم نے آپ کے ساتھ اتفاق کیا تھا جس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے کہ محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ کے گزشتہ اجلاس میں (یہ اجلاس آپ کے گزشتہ سال کے دورۂ پاکستان کے موقع پر آپ کی خواہش پر بلایا گیا تھا)۔ میں نے جو تین حل پیش کئے تھے محاذ نے ان پر غور نہیں کیا۔ کم از کم اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، نہ ہی اس سلسلے میں مجھے محاذ کی طرف سے کوئی اطلاع آئی، اب حالات بدل رہے ہیں اور ہم یہاں شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ محاذ آزادی کا وہاں وجود انتہائی ضروری ہے اس لئے آپ ناراض نہ ہوں تو میں وہاں محاذ آزادی کی شاخ کے قیام کے لئے کام شروع کروں۔

اگرچہ اس سلسلے میں ہم لوگوں پر کوئی آئینی پابندی نہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی ذاتی منظوری کم از کم عدم مخالفت ضروری ہے۔ خط کشیدہ الفاظ آپ کے حالیہ خط کے ہیں جو محض آپ کی یادداشت تازہ کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ آپ نے یہ درست نہیں لکھا ہے کہ آپ کے پیش کئے گئے حل پر ہم نے غور نہیں کیا، بلکہ ہم نے آپ کی موجودگی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ کنونشن میں جماعت کا نام تبدیل کیا جا سکے گا۔

ہم نے آپ پر واضح کر دیا تھا کہ نام کی تبدیلی ایک آئینی مسئلہ ہے، مجلس عاملہ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کنونشن میں جنرل کونسل کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا جا سکے گا ہم نے اپنے طور پر آپ کو بتا دیا تھا کہ ہم اس حق میں ہیں کہ محاذ رائے شماری کی بجائے قومی محاذ آزادی کے نام سے کام کیا جائے۔ لیکن یہ فیصلہ کثرت رائے سے ہی ہو سکتا ہے، بلکہ آپ نے جو آئین ساتھیوں سے مل کر بنایا تھا اس کی روشنی میں دو تہائی اکثریت سے ہی آئین میں کوئی ترمیم کی جا سکتی ہے۔ لیکن اب

آپ نے یہ لکھا ہے کہ............

''میں سمجھتا ہوں کہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کر کے محاذ آزادی رکھنے سے موجودہ صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر پڑے گا تو منفی یعنی ہم بھی اس جمود کا شکار ہو جائیں گے''۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ☆ آپ کی سوچ افسوس ناک ہے، اب آپ کی رائے یہ ہے کہ ہمارا نام بدلنا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی اور گروہ کو اکٹھے کر کے اسے محاذ آزادی کے نام سے جماعت بنانے پر امادہ کرنا ضروری ہے اگر کچھ لوگ ایسے ہی باعمل موجود ہیں اور وہ سرگرم عمل بھی ہیں تو وہ محاذ رائے شماری میں شامل ہو کر اسے جمود کا شکار ہونے سے کیوں نہیں بچا سکتے؟۔ کچھ لوگ اسے جمود کا شکار ہونے سے بچانے آئے تھے کہ وہ خود جمود کا شکار ہو گئے، آپ اگر ایسے لوگوں کی نشاندہی کر سکیں تو آپ کا جماعت پر بہت بڑا احسان ہو گا۔

آپ آزاد ملک میں رہتے ہیں اس لئے یہاں کے حالات کی آپ کو خبر نہیں، جس ملک میں ڈاک سنسر ہوتی ہے، ٹیلی فون ٹیپ ہوتے ہوں، اخبارات پر سنسر بٹھایا گیا ہو، جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گلوں میں پھانسی کی رسیاں لٹک رہی ہوں، پیٹھ پر کوڑے برس رہے ہوں، زبانوں پر تالے لگا دیئے گئے ہوں، آئین معطل ہو چکا ہو قوم فوج کے پہرے میں رہتی ہو تمام آزادیاں سلب ہو چکی ہوں وہاں اگر سیاسی جمود نہ ہو تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہمارے ساتھی مسلسل جلسے کر رہے ہیں، میٹنگوں میں شریک ہو رہے ہیں۔ اور لوگوں کو آزادی کا احساس دلا رہے ہیں آپ شاید یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں۔

میرے بھائی! اس وقت پاکستان اور آزاد کشمیر جن حالات سے گزر رہا ہے ان میں کون سی پولیٹیکل پارٹی ہے جو کام کر رہی ہو، ہمارے ساتھی تو بہت سخت جان ہیں، شاخیں بنانے اور کنونشن کی تیاریوں میں مصروف ہیں آپ کو یہ حالات اپنی مرکزی مجلس عاملہ کے سامنے رکھنے چاہییں، تاکہ وہ درست طور پر کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں۔ اگر آپ یہاں ''محاذ آزادی'' بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو ہمیں کوئی آئینی یا اخلاقی اختیار حاصل نہیں ہے کہ میں آپ کو اس کام سے روک سکوں، لیکن محاذ کی بیخ کنی کے اس اقدام کی اجازت دے کر میں اس گناہِ عظیم میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔

چونکہ آپ نے لکھا ہے کہ میری خاموشی کو آپ میری رضامندی سمجھیں گے اس لئے میں یہ تفصیل لکھنے پر مجبور ہوا ہوں۔ اس نفس مضمون کی وجہ سے آپ کا خط اور میرا جواب اب ذاتی خط و کتابت کے زمرے میں نہیں آتے۔ اس لئے آپ یہ خط تمام دوستوں کو پڑھ کر سنا دیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ میرے اس عریضہ کو اپنی مجلس عاملہ میں پڑھ کر سنایئے تاکہ تمام دوست میرے خیالات سے آگاہ ہو سکیں، آپ نے آزاد کشمیر میں محاذ آزادی کے نام سے جماعت بنانے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ''یہاں ہماری ورکنگ کمیٹی نے بھی فیصلہ کیا ہے'' اگر ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کر لیا ہے تو آپ ہم سے بالکل نہ پوچھتے۔ اور اگر اب آپ نے رائے لی ہے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ آپ ورکنگ کمیٹی کے سامنے اس خط کو

رکھیں اور مجھے اُس فیصلہ سے بھی آگاہ کریں۔ میں نے آپ کا خط یہاں کے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا ہے۔

اس وقت میرے پاس محترم عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ وعزیزان اشفاق احمد انصاری وعزیزم عظیم دَت صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔صوفی صاحب، بشیر صاحب، جی ایم میر صاحب اور میر ہدایت اللہ صاحب بھی آپ کا خط پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوئے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ ہمیں محاذ رائے شماری کے دوستوں نے بیرون ملک اس لئے بھیجا تھا کہ محاذ مضبوط ہو اور مصائب اور آزمائشوں کے وقت ہمیں اپنے ہم وطنوں کی امداد باہر سے مل سکے۔ دوستوں کو یہی شکایت تھی کہ ہم نے باہر جا کر محاذ کے خلاف کام کیا ہے۔

میں اپنے سب دوستوں کو یقین دلاتا رہتا تھا کہ نام کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب اپنے ساتھی کام کر رہے ہیں، کچھ دوست کہتے تھے کہ امان صاحب اپنی شخصیت اجاگر کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض یہ بھی کہتے تھے کہ وائس آف کشمیر محض امان صاحب کی ذاتی تشہیر کے لئے ہے اور میں ان سب سے لڑتا رہتا تھا، میری دلیلیں بودی نکلیں، اور اب مجھے ان سب کے سامنے شرمسار ہونا پڑا ہے۔ ذاتی شرمندگی کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔

میں وطن کی آزادی پر ہر چیز کو قربان کرسکتا ہوں، ان شاءاللہ العزیز۔ خدا کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوں، میری صرف ایک خواہش ہے کہ میرا خدا راضی ہو جائے میرے لئے سب سے پیارا میرا وطن ہے، سب سے حسین میرے وطن کے لوگ ہیں، میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ میرے اللہ کا ہے۔

☆☆☆

برادرم امان صاحب!

یہ خط خلافِ معمول لمبا ہوگیا ہے۔ ایک ہی نشست میں مکمل نہ کرسکا، آپ کو اس کے پڑھنے میں کافی تکلیف ہوگی، میری تلخ نوائی ——— زہر کی طرح کارِ تریاق کا کام دے جائے تو اچھا ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ میرے ساتھ اتفاق کریں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کے ساتھ سب کو اتفاق ہو، میں نے آپ کو ایک بار مشورہ دیا تھا اور اب پھر آپ کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس میدان کا شہسوار نہ ہو اس کے بارے میں علم اور تجربہ حاصل کرلے، سیاسی میدان میں ہم نے کام کیا ہے اور بہت تجربے حاصل کئے ہیں اس کے باوجود داناؤں کی دانائیاں اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے، دنیا میں غلام قوموں کو آزادی دلانے والوں کے تجربوں سے ہمیں سبق حاصل کرنا ہوگا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں میدانِ سیاست میں اترنے کے بعد بہت کچھ حاصل کر چکا ہوں۔ میں ایک سیاسی کارکن ہوں اور اپنی بساط کے مطابق کام کرتا چلا آتا ہوں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ گوریلا جنگ میں کچھ کرسکتا ہوں تو مجھے اس

کے اعتراف میں کوئی عار نہیں ہے کہ میرے لئے وہ میدان بالکل نیا ہے میں دل سے چاہتا ہوں کہ مسلح جدوجہد کے لئے اپنے آپ کو تیار کروں۔ کیونکہ مجھے قرآن پاک کی آیت ڈراتی رہتی ہے کہ............

ام تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون ☆ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ کبیرہ گناہ ہے کہ میں لوگوں کو گوریلا جنگ کی دعوت دوں اور خود اس کے لئے کچھ نہ کروں، اسی لئے میں یہی کہتا چلا آتا ہوں کہ آزادی کے لئے مسلح جدوجہد ضروری ہے اور محاذ رائے شماری کا عسکری بازو اس میدان میں کام کر رہا ہے، لوگوں کو اس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے، یہی وجہ تھی کہ آپ لوگوں کو ہم اس میدان میں کھلے پھرنے کی چھٹی دے چکے تھے، لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ہم آپ حضرات کو مشورے بھی نہ دیں۔

میں نے آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ فلسطین کی تحریک آزادی سے وابستہ رہنماؤں سے بات کریں ان کے گوریلا لیڈروں سے ان کے تجربوں کی روشنی میں اپنا پروگرام بنایا کریں۔ آپ نے جولندن میں ایک واقع کیا تھا اس پر ہمیں ندامت اٹھانی پڑی تھی پھر آپ نے کشمیر میں ایک میچ کے موقع پر جو طریقہ اختیار کیا تھا اس سے سب کی رسوائی ہوئی تھی۔ اب آپ نے آخری بات جو کی ہے اس پر کشمیریوں کے دشمنوں کی پھبتی راس آتی ہے کہ ''تپسی تے ٹھس کرسی''۔ لوگ گوریلا کارروائیاں کرتے ہیں، کامیاب کارروائیاں کرنے کے باوجود اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے، لیکن آپ کی طرف سے کوئی کارروائی بھی نہیں ہوتی اور ڈھول پیٹنے شروع کر دیتے ہیں، آپ کے خلوص، دیانت اور ایثار کی میرے دل میں بہت قدر ہے لیکن آپ کا اس میدان میں تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے فائدہ کی بجائے نقصان ہو رہا ہے۔

پچھلے دِنوں پاکستان کے صدر نے ہائی جیکنگ کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان میں بھارتی باشندے طیارہ اغوا کر کے لائے تھے، جو حکومت پاکستان نے صحیح وسلامت واپس کرا دیا تھا، مجھے بہت افسوس ہوا اور میں نے ایک تقریر میں اس کا نوٹس لیا اور انہیں بتایا کہ طیارہ اغواء کرنے والے بھارتی باشندے نہیں تھے بلکہ کشمیری باشندے تھے۔ لوگ جہاز لے کر جاتے ہیں تو ان کا دوست ملک انہیں پناہ دیتا ہے۔ کشمیری جہاز لے کر آتے ہیں تو انہیں شاہی قلعہ لاہور اور چیلاس کے قلعہ میں بھیج دیا جاتا ہے۔

مطالبات منظر عام پر آئیں یا نہ آئیں لیکن کشمیریوں کی شہریت تک سے عوام کو اندھیرے میں رکھا جاتا ہے۔ مارک ٹیلی سے آپ کی امیدیں غلط طور پر وابستہ ہوئی تھیں، یہ بھی ناتجربہ کاری ہے، خدارا، اپنے طریقِ کار کو بدلیں، اس طرح کی تنقید دوست ہی کر سکتے ہیں، دشمنوں کو کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اور آپ اس تنقید سے ڈر کر علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہیں ہماری پوزیشن تو اب یہ ہو چکی ہے کہ ہم جن لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ہمارے نہیں ہیں تو لوگ اور حکومت پھر بھی یقین نہیں کرتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکٹس بدل دیئے گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی آپ کو بیرون ملک سے

چندہ اور ٹکٹ بھیجتے ہیں تو اس کی اطلاع اور فہرست تک ہمیں بھیجتے ہیں۔ آپ لوگ الگ ہو جائیں گے تو دونوں بازوؤں (محاذِ رائے شماری/ محاذ آزادی) پر فالج ہی گرے گا، بازو کمزور ہو چکے ہوں گے لیکن اپنے اور بیگانے پھر بھی نہیں مانیں گے کہ ہم الگ ہو چکے ہیں۔ جو شیر و شکر ہو چکے ہوں انہیں کون الگ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وساوس شیطانی سے بچائے اور ہمیں منزل مراد تک پہنچائے، اللہ ہمارا حامی ہو، اسی کی نصرت کے طلبگار ہیں، سب کو سلام۔

والسلام

آپ کا بھائی

محمد عبدالخالق انصاری

میرپور میں 1981ء کی تحریک اور چار جماعتی اتحاد

80-1970ء کے عشرہ میں محاذ رائے شماری نے سیاسی جدوجہد کرتے ہوئے بے لوث قربانیاں دیں۔ قبل ازیں یہ بات آچکی ہے کہ جنرل حیات سے گلہ شکوہ نہ تھا وہ فوج کے سپاہی تھے۔ اور حکم کے بندے تھے۔ انہیں اپنے آفیسرز کا حکم ملا وہ صدر حکومت آزاد کشمیر بن گئے۔ ان دِنوں بریگیڈیئر راج تھا۔ ایم ڈی اے کے چیئرمین اکبر خان تھے جو بریگیڈیئر تھے۔ آزاد کشمیر کی جیلوں کے انسپکٹر جنرل پولیس بھی ایک بریگیڈیئر تھے جن کا دفتر پاکستان میں تھا۔ کالج کے معاملات میں بریگیڈیئر حیات نے یہ بتایا تھا کہ لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ صدر حکومت خود مختار ہیں۔ ایریا کمانڈر لفٹیننٹ جنرل کے عہدے کے آفیسر ہیں وہ ان حکموں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے وہ خود کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن فوج میں آفیسر کا حکم نہ ماننا سخت جرم ہے اس لئے ان کی مجبوریوں کو سامنے رکھا جائے تو منگلا ڈیم اتھارٹی بھی ایک خود مختار ادارہ ہے۔ ادارے کا سربراہ براہِ راست صدر حکومت پاکستان سے مشورہ طلب کرتا ہے اور ان کا حکم مانتا ہے۔

منگلا ڈیم اتھارٹی کی الائٹ منٹوں کے سلسلہ میں دھاندلیوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو متاثرہ منگلا ڈیم تھے۔ وہ اپنی رہائش کے لئے پلاٹ مانگتے تھے کئی کئی سالوں سے ان کی درخواستیں دفتر میں پڑی رہتی تھیں ان درخواستوں کو اٹھا کر بھی کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ پاکستان کے فوجی آفیسر اور نوکر شاہی کے لوگ درخواستیں دے کر پلاٹ الاٹ کرنے کے بعد بیچ کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔

ہم نے اس مسئلہ کو اٹھایا پورا علاقہ بغاوت کی آگ بن کر بھڑک اٹھا ان کو کچلنے کے لئے تمام حربے آزمائے گئے۔ پی سی اور فوجی دستے تک بلا لئے گئے۔ لوگوں کو حوالاتوں اور جیلوں میں رکھا گیا۔ ہر روز اشک آور گیس پھینکی جاتی پولیس گولیاں چلاتی تھی لوگ زخمی اور شہید ہو گئے یہ بغاوت کی آگ بجھ نہ سکی نوجوان نثار شہید پولیس کی گولیوں سے ہلاک ہوا۔ میرپور کا تمام متاثرہ علاقہ اپنے گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آگیا اب یہ جنگ عوام اور پولیس اور فوج کے درمیان

شروع ہوگئی۔ مسجدوں کو تالے لگا دیئے گئے۔

منڈیاں بند کر دی گئیں۔ بازار خاموش پڑے تھے، ذرائع ابلاغ اس کا نقشہ کھینچتے تو یوں پتہ چلتا کہ پاکستان کے خلاف کشمیر میں بغاوت پیدا ہوگئی ہے نثار شہید کے شہادت نے پورے علاقے کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ اس کا قتل قمر عالم IGP (آئی جی پی) کے ذمہ لگایا گیا۔ یہ وہی IGP ہے جس نے گنگا طیارہ کی تفتیش کے دوران محبّ الوطنوں پر شاہی قلعہ لاہور اور دوسری تعذیب گاہوں میں اذیت ناک سزائیں پہنچائی تھیں۔ اس کا یہ واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جب اسے آزاد کشمیر میں تعینات کیا گیا تو آزاد کشمیر کے وزیراعظم مسٹر ممتاز حسین راٹھور نے اس کو سروس میں لینے سے قبول نہ کیا تھا۔ یہ تک کہا تھا کہ اس کی زندگی آزاد کشمیر میں محفوظ نہیں ہے۔ محمد عبدالقیوم خان اسے ایک طیارے میں ساتھ لے کر مظفر آباد لے گئے تھے وزیراعظم کی بات کسی نے نہ سنی تھی وہ اپنی زندگی کا خطرہ مول لے کر آزاد کشمیر میں آ گیا تھا۔ عوام کے مظاہروں سے حیات خان گھبرا گیا اور تمام اختیارات میں IGP کے پاس تھے۔

تمام سیاسی جماعتیں آزاد کشمیر میں جمہوری حکومت کے قیام کے حق میں تھیں اور ان کو اکٹھا کرنے کے لئے چوہدری نور حسین اور سردار سوار خان نے بہت کام کیا۔ پولیس سب کو گرفتار کرنے پر تلی ہوئی تھی تمام لیڈران کرام چاہتے تھے کہ ساری جماعتیں متحد ہو کر ایک لائحہ عمل اختیار کر کے گرفتاری کے لئے پیش کریں۔

چنانچہ سب کی کوشش تھی کہ مجھے (راقم) کو گرفتار نہ ہونے دیا جائے۔ یہ مرحلہ بہت سخت تھا سارے آزاد کشمیر کے پولیس تھانوں کو خبردار کر دیا گیا تھا وہ ساری پولیس چوکنا تھی۔ میں اپنے گھر سے نکل کر صوفی محمد زمان صاحب کے گھر بیٹھ گیا اس کے بعد کامریڈ محمد حسین مرحوم کے مکان کی دوسری منزل میں جا کر رات انتظار کرتا رہا۔ پولیس یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ ملزم اپنے گھر کے آس پاس ہوگا رات ہوتے ہی چوہدری نور حسین کا ایک رشتہ دار جو اجنبی تھا وہ مجھے لے کر دینہ کی طرف چلا گیا مجھے یہ بھی تجربہ ہوا کہ جس شخص کی گرفتاری کا خطرہ ہو وہ ہر پولیس کانسٹیبل کو دیکھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اسی کے پیچھے تلاش میں پھر رہا ہے۔

دینہ میں چوہدری محمد اسلم اور اس کا بھائی میرپور کے مشہور لوگوں میں سے تھے اور انہیں پولیس اچھی طرح جانتی تھی۔ انہوں نے کسی طرح ایسا انتظام کیا کہ پولیس کو یقین ہوگیا کہ ہم لاہور یا سرگودھا کی طرف نکل گئے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ایک دو موڑ کراس کر کے راولپنڈی کا رخ کر لیا تھا۔ اس طرح گاڑیاں بدلتے ہوئے سٹی نیشنل ہوٹل راولپنڈی پہنچ گئے۔ اور وہاں سے ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے ہاں چلے گئے۔ جنہوں نے ہمیں اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں اپنا مہمان بنا کر رات کے لئے رکھا تھا۔

اتحاد کے لئے مشکل صورت یہ تھی کہ مسٹر کے ایچ خورشید مرحوم سب کو ساتھ لے کر چلنے کو تیار تھے لیکن وہ

عبدالقیوم پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اس لئے وہ لاہور جا چکے تھے۔ ان کے نمائندہ سے باتیں ہوتی رہیں اور محمد عبدالقیوم کا اس اتحاد میں شامل ہونے سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ محاذ رائے شماری والوں کو اپنا سیاسی حریف سمجھتے تھے۔ تو محمد ابراہیم نے عبدالقیوم خان سے پوچھا کہ ان کے اختلاف کی وجوہات کیا ہیں؟۔ وہ چاہتے تھے کہ سب مل کر اکٹھے کام کریں ان اختلافات کو دور کریں ان اختلافات کی وجوہات کیا ہیں؟۔ ان کو دور کریں کیونکہ سب فوجی حکومت کے خلاف تھے۔ اور سب ہی کی خواہش تھی کہ ملک میں جمہوری نظام کا قیام عمل میں لایا جائے۔ بالآخر محمد ابراہیم خان مرحوم کی عزت سب لوگ کرتے تھے اور محمد عبدالقیوم ان کی بات کو اہمیت دیتے تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ اپنی موجودگی میں عبدالقیوم کو مشورہ دیا کہ وہ بات چیت کے ذریعے اختلاف ختم کریں۔ چنانچہ ہم سب بات چیت کے لئے مارگلہ کے جنگل میں چھپ چھپا کر چلے گئے۔ وہاں جو مذاکرات ہوئے اس کا اختصار درج ذیل ہے............

محمد عبدالقیوم خان نے کہا کہ وہ ایک ہفتہ کوٹلی کے دورہ پر گئے تھے اور بہت سے اجتماعات سے خطاب کر کے آئے ہیں۔ انہوں نے مسٹر انصاری (راقم) کو تمام جلسوں میں تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے گا کہ کل تک یہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرتے رہے آج پھر اکٹھے ہو گئے ہیں یہ اعتماد کو سخت نقصان پہنچانے کا مرحلہ ہے۔ محمد ابراہیم خان مرحوم بڑے باعظمت انسان تھے۔

ان کے سر پر آزاد حکومت کے بانی صدر ہونے کا بھوت سوار نہ تھا وہ بڑے لطیفے سناتے تھے ہمارے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ وہ ذہنی طور پر نظریہ خودمختار اور حق خود اختیاری کے مسئلہ پر اتفاق کرتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے عبدالقیوم کو کہا کہ آپ کو کیا اعتراضات ہیں وہ آپ یہاں سب کے سامنے بیان کریں۔ سب سے پہلا دھچکہ ان آزاد کشمیر کے رہنماؤں کو یہ لگا تھا کہ آزاد کشمیر و پاکستان میں اپنی زندگیوں کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ سکندر حیات بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے اشکبار آنسوؤں کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ انہوں نے سب مال و دولت اور اولاد جماعتیں ملک پاکستان کے لئے قربان کیا ہوا ہے۔ اور ابھی کشمیر کا فیصلہ نہیں ہوا تو ان کا سلوک ہمارے ساتھ دوستانہ نہیں ہے۔

میں نے محمد ابراہیم خان مرحوم کو کہا کہ میں چند ایک سوالات عبدالقیوم سے کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ان کے جوابات مثبت ہوں گے اور آپ خود فیصلہ کریں کہ ہمارا ان کے خلاف کیا اختلاف ہے۔ ہم محمد عبدالقیوم کے ساتھ کوئی عناد نہیں رکھتے۔ میں نے پہلے پوچھا کہ............

سوال :

عبدالقیوم خان صاحب ! کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر 85 ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے؟

جواب :

انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ یہ درست ہے۔

سوال :

کیا آپ کو یہ تسلیم ہے کہ کشمیر کے اندر پاکستان اور ہندوستان نے فوجیں بٹھا رکھی ہیں؟۔کیا یہ درست ہے کہ ان دونوں کو اپنی فوجیں نکال کر کشمیر کی مصنوعی لکیر کو ختم کرنا ہوگا؟۔تو پھر کیا یہ درست ہے کہ بھارت اور پاکستان کے فوجیوں اور شہریوں کے انخلا کے بعد ریاست میں ایک عوامی حکومت بنائی جائے گی جو فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی؟۔میں نے کہا کیا یہ الحاق کا فیصلہ مسلم کانفرنس یا ایک دو جماعتوں نے مل کر نہیں کرنا ہوگا بلکہ ریاست کی آئین ساز اسمبلی کو کرنا ہوگا۔اصل میں محمد عبدالقیوم خان اس فیصلہ کا اعلان کرتے پھرتے ہیں یہ ان کا حق ہے لیکن اصولی طور پر رائے شماری کے انعقاد سے قبل یہ شرائط پوری کرنا ہوں گی۔

اصل میں محمد عبدالقیوم خان ہمارے خودمختار کشمیر کے حامی لوگوں کی نسبت زیادہ دوررس نگاہیں رکھتے ہیں اور یہ کوئی بڑی وجہ اختلاف نہیں ہے اوران باتوں پر جھگڑنا فضول ہے ان سب باتوں کو محمد عبدالقیوم خان نے درست تسلیم کیا ایک کاغذ نکال کر چار جماعتی اتحاد کے لئے اعلامیہ تیار کرنے کا اختیار دیا وہ اعلامیہ تیار کرنے کے لئے مجھے کہنے لگے سردار محمد عبدالقیوم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں نے اعلامیہ لکھا تھا جس پر رہنماؤں نے دستخط کئے۔

☆☆☆

اعلامیہ، چار جماعتی اتحاد

آزاد کشمیر کی چار معروف سیاسی جماعتوں کے قائدین کی طرف سے صدر پاکستان کے نام یادداشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راولپنڈی 5 دسمبر 1981ء

یادداشت بخدمت جناب جنرل محمد ضیاء صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ !

یہ امر محتاجِ تشریح نہیں ہے کہ پاکستان میں مارشل لاء لگنے کے بعد آزاد کشمیر میں بھی جب حکومت پاکستان نے تبدیلی کرنا چاہی تو ریاست کی معروف سیاسی جماعتوں اوران کے تمام قائدین نے حکومت پاکستان کے ساتھ بے مثال تعاون کیا جس کے بغیر حکومت پاکستان کے لئے یقیناً بعض لاینحل مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں، تاہم ہم آپ کی توجہ پھر اس بد نصیب معاہدہ کی طرف مبذول کرواتے ہیں جس کی بنا پر آزاد کشمیر میں وہ تبدیلی لائی گئی تھی۔ اور جس کو حکومت پاکستان نے اولین فرصت پا کر بلا جواز یکطرفہ طور پر پامال کر ڈالا، اس طرح نہ صرف وہ تعاون کی فضا جو آزاد کشمیر کی خصوصی پوزیشن کے لئے ناگزیر قومی ضرورت ہے، برباد ہوگئی بلکہ اس سے بڑھ کر آزاد کشمیر کے حالات روز بروز ہر اعتبار سے خراب ہوتے گئے اور تلخیاں پیدا ہوتی گئیں۔

آپ کے علم میں ہے کہ کس طرح محاسبہ کے نام پر ریاست کے سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کی کردار کشی اور تذلیل کی جارہی ہے عدالتی نظام تقریباً معطل ہے جس نظام عدل میں عرصہ دراز سے نہ سپریم کورٹ نہ عدالت العالیہ میں چیف جسٹس ہے وہاں سوائے لمبی تاریخوں کے کیا کارروائی ہوسکتی ہے انتظامیہ انتہائی بدانتظامی بلکہ رشوت ستانی اور بد دیانتی کا بری طرح شکار ہے۔ یہاں مارشل لاء تو نہیں ہے۔

مگر خلاف آئین ایک ایسے حاضر نوکری بریگیڈیئر کو جبراً مسلط کر دیا گیا ہے جو غیر آئینی اور غیر اخلاقی حیثیت کے علاوہ انتہائی نکما اور بددیانت ہے۔ آزاد کشمیر کے جنگلات کو جس بے دردی سے تباہ کیا جارہا ہے وہ ایسا قومی نقصان ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ طرہ یہ کہ اس نقصان پر پردہ ڈالنے کے لئے عوام کو ایک کافر حکومت کی دی ہوئی سہولتوں سے محروم کر دیا گیا ہے اور اس غیر قانونی بریگیڈیئر کے غیر قانونی طور پر نافذ کردہ قوانین کی رُو سے اس سرد اور پہاڑی علاقہ میں انسانی زندگی ناممکن ہوگئی ہے۔ پچاس پچاس سال اور اس سے زیادہ عرصہ سے طے شدہ معاملاتِ ارضی کو از سر نو زندہ کر کے ایک نئی افراتفری پیدا کی جارہی ہے کروڑہا روپیہ تعمیر و ترقی کے نام پر جس طرح برباد کیا جارہا ہے۔ یقیناً آنے والے وقت میں وہ ایک قومی پریشانی کی صورت پیدا کرے گا۔

کوئی منصوبہ بندی ہے نہ ترجیحات ہیں نہ کوئی طریقہ کار ہے، ایک واہی تباہی ہے جو اس روپیہ سے برپا کر دی گئی ہے رسل و رسائل ناگفتہ بہ ہیں نظامِ تعلیم ایک مذاق بن گیا ہے۔ فنی تعلیم کے اہم منصوبے جو عوام کے صحیح مفاد میں تھے ایک طرف کر دیئے گئے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ ایک سابقہ حکومت کے دور میں طے پائے تھے۔ انتظامیہ ہو، سیاسی کارکن ہوں، ٹھیکیدار ہوں یا تاجر سب کو انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کسی کو بھی انصاف حاصل ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ حکومت پاکستان بھی ان امور پر مجرمانہ چشم پوشی کی مسلسل مرتکب ہو رہی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج دریافت نہیں کیا جا رہا ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر میں یہ سب کچھ مارشل لاء کی حکومت کے نام پر ہی ہو رہا ہے۔

غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی جڑیں تک نہ ہلا دی گئی ہوں۔ اس دفاعی علاقہ میں اتحاد و یکجہتی کی فضا کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے۔ علاقوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ بلا جواز اور بغیر کسی اختیار کے عوام پر بھاری ٹیکس لگائے جا رہے ہیں۔ ایک جائز مطالبہ کی پاداش میں میر پور کے عوام پر جو ظلم و ستم ہو رہا ہے وہ خود ایک روح فرسا داستان ہے۔ میر پور میں پنجاب اور سرحد سے بلا جواز پولیس منگوا کر جس قومی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے وہ خود ایک سنگین نوعیت کا دوررس نتائج کا حامل مسئلہ ہے۔

ایک غیر آئینی شخص کے تحفظ کے لئے حکومت پاکستان کے اندھے اقدامات کی کسی طور پر بھی کوئی باہوش شخص تائید و حمایت نہیں کر سکتا۔ ملک کی موجودہ اندرونی اور بیرونی صورتحال کے پیش نظر ہم لوگ حکومت کے لئے از خود کوئی پریشانی نہیں پیدا کرنا چاہتے۔ لیکن اس صورتحال کا دیر تک قائم رہنا اس سے بھی بدتر ہے اور ملک کے مفادات پر ایک کاری ضرب ہے۔ آزاد کشمیر کے غیور عوام کو جنہوں نے جنگ کر کے آزادی حاصل کی تھی اتنے طویل عرصہ تک ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنا اور ایک نااہل اور جاہل شخص کو آمر بنا کر مسلط کر دینا کسی اعتبار سے بھی مناسب ہے نہ قابل برداشت۔

آزاد کشمیر میں انتخابات نہ کروانے کا کوئی جواز نہیں ہے تمام سیاسی اور غیر سیاسی عناصر اس امر پر کلیۃً متفق ہیں اور بارہا اس کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ آزاد کشمیر کے انتخابات کو کسی اعتبار سے بھی پاکستان کے انتخابات کے ساتھ مؤخر کرنے کا کوئی ادنیٰ سا جواز بھی نہیں ہے نہ اس امر کا کوئی خطرہ ہے کہ وہاں کوئی بدامنی یا تخریب کاری ہے یا کوئی اور سیاسی گڑ بڑ ہے نہ اس کا کوئی احتمال ہے کہ انتخابات کے نتیجہ میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہو سکے گی۔

حکومت پاکستان کے اس غیر معقول رویہ سے جو نقصان ہو رہا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسری صورت میں نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیں اجازت دیجئے یہ کہنے کی کہ حکومت کا رویہ ملک کے اندر تخریب کاری اور ملک دشمن سرگرمیوں کے لئے فضا ہموار کر رہا ہے۔ ان حالات میں ہم لوگ جو ریاست میں آزادی کی تحریک کے ذمہ دار ہیں۔ کس طرح خاموش تماشائی بنے

رہ سکتے ہیں۔ان حالات میں ہم اپنے عوام کو کیا جواب دیں اور کس طرح قومی اور ملکی مفادات کا تحفظ کریں؟۔کیا ہم ان کو یہ بتائیں کہ ہم اب بے بس ہیں۔

اور پھر ایک غلام قوم ہو گئے ہیں جبکہ خصوصاً حد متارکہ جنگ کے دوسری جانب غلامی کے باوجود جمہوری حکومت قائم ہے اور اس کا سربراہ کوئی معمولی شخص نہیں، شیخ محمد عبداللہ ہے۔ایک اور خدشہ یہ بھی ہے کہ حکومت کا اس طرزِ عمل پر اصرار کرنا بے شمار دوسری سیاسی مشکلات اور پیچیدگیوں کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ اس لئے کہ آزاد کشمیر نہ تو آئینی طور پر پاکستان کا حصہ ہے اور نہ مفتوحہ علاقہ ہے کہ فوج نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے ایک متنازعہ علاقہ ہے جس پر ایک طاقتور دشمن بھی ہماری سرحد پر بیٹھا نظریں جمائے ہوئے کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں ہے وہ اخلاقی اور سیاسی تقاضے جو اس رشتہ اور تعلق کی اصل اساس ہیں ان کو جس طرح کمزور اور پامال اس دور میں کیا جا رہا ہے اس کا تصور بھی اس سے پہلے نہیں ہوسکتا تھا۔

ہمارا یہ احساس بے جا نہیں ہے کہ موجودہ حالت اس حالت سے بدتر ہے جو آزادی سے قبل ریاست میں تھی۔ بجائے بیسویں صدی کے ہم کہیں دور پیچھے کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔محض اس لئے کہ حکومت پاکستان جائز سیاسی تقاضوں اور انصاف کو درخور اعتنا نہیں سمجھتی اور محض اپنی طاقت اور ضد کو وقار کا مسئلہ بنائے کھڑی ہے۔مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کو جو کافر کی غلامی میں دیر سے تڑپ رہے ہیں۔اور ہماری طرف دیکھ رہے ہیں ان کو حق خود ارادیت دلوانے کا دعویٰ کرنے والی حکومت پاکستان آزاد کشمیر کے محبّ وطن لوگوں کو ان کے بنیادی حق سے محروم کئے ہوئے ہے۔اس سے بڑا تضاد، تناقص اور ستم ظریفی اور کیا ہوسکتی ہے حق خود ارادیت کے ان بلند بانگ دعوؤں کو ہم کس سے تعبیر کریں۔ یہ فریب ہم کس کو دے رہے ہیں؟۔

بہرحال یہ سب امور آپ کے علم میں ہیں اور آپ کی حکومت ان سے پوری طرح باخبر ہے۔ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کی توجہ پھر ایک بار اس طرف مبذول کرائیں اور یہ مطالبہ کریں کہ آزاد کشمیر پر یہ ظلم وستم بند کیا جائے۔موجودہ غیر آئینی اور غیر اخلاقی حکومت کو برطرف کر کے ایک عبوری حکومت قائم کی جائے اس حکومت کی نگرانی میں آئین کے مطابق انتخابات کروائے جائیں، اس اثناء میں غیر قانونی حکومت کے نافذ کردہ تمام کالے قوانین منسوخ کئے جائیں اور ان کے تحت کی گئی تمام کارروائیاں کالعدم قرار دی جائیں۔

موجودہ حکومت کو عوام پر کسی قسم کا ٹیکس لگانے یا طے شدہ امور کو ازسرنو متحرک کرنے کا چونکہ کوئی حق نہیں ہے اس لئے اس کو اس کارروائی سے باز رکھا جائے۔ نیز میر پور کے عوام کے تمام مطالبات کو تسلیم کیا جائے۔اور ایک باہمی اعتماد اور مفاہمت کی فضا بحال کی جائے۔ان گزارشات کے ساتھ ہم اپنے ایک بنیادی قومی فریضہ سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔اس کا

اولین مقصد حکومت سے خواہ مخواہ محاذ آرائی سے گریز کرنا اور باہمی مشاورت سے ان امور کا حل دریافت کرنا ہے۔

ہم ان مطالبات کو جو محض ادنی بنیادی تقاضوں پر مبنی ہیں، منوانے کے لئے سیاسی جدوجہد کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

والسلام

وما علینا الا البلاغ

چوہدری نور حسین	محمد عبدالقیوم خان	محمد ابراہیم خان
سکندر حیات خان صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس	چوہدری علی محمد ایڈووکیٹ قائمقام صدر آزاد جموں و کشمیر مسلم کانفرنس	عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ صدر جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

میں نے کہا کہ الحاق پر بڑا زور دیا جا رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے الحاق ہمیشہ دو خود مختار ریاستوں کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کا نام ہے۔ معاہدہ کی نوعیت ہر قسم کی ہوسکتی ہے تجارتی معاہدات دفاعی معاہدات اور اکٹھے مل کر دشمن کے خلاف معاہدہ کیا جاتا ہے۔ معاہدہ میں اقتدار اعلیٰ کو بیع، منتقل اور فروخت نہیں کیا جا سکتا اقتدار اعلیٰ انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اگر اسے اقتدار اعلیٰ سے محروم کر دیا جائے۔ تو وہ غلام بن جاتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی شخصیت اور پہچان باقی نہیں رہتی۔ ابھی تو ہمارے ملک کی خود مختاری کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا تو یہ معاہدہ پاکستان یا کسی اور ملک سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تحریکِ آزادی سے وابستہ لوگوں کو علم ہے کہ صدر ضیاء مظفر آباد تشریف لے گئے تو ان کے استقبال کے دوران محمد عبدالقیوم خان نے کہا تھا کہ وہ اپنی پہچان کو بحال رکھیں گے تو اس پر صدر ضیاء کو غصہ آ گیا تھا انہوں نے عوام کے سامنے کہا کہ آپ کی پہچان نئی پہچان نہیں ہے۔ آپ بھی میری طرح پاکستانی ہیں۔ الگ پہچان اور شناخت کی باتیں چھوڑیں تو نوجوان طلباء نے مرشد ہمارا قیوم خان جیوے مرشد کے نعرے لگائے تھے۔

محمد عبدالقیوم خان نے کھلے بندوں اظہار کر دیا تھا تو میں نے اعلامیہ کے بعد جب یہ کہا ابھی الحاق کا مرحلہ آنے سے قبل میں ابھی ریاست کی خود مختاری تسلیم کر لیں۔ اس کے بعد جو فیصلہ کرنا ہوگا وہ محمد عبدالقیوم خان کو حق ہے کہ وہ قوم کی

رائے کے مطابق اپنے فیصلہ سے آگاہ کریں۔اس وقت مسلم کانفرنس سے وابستہ لوگوں کو علم ہوا کہ الحاق قابل تنسیخ بھی ہے۔جب کوئی قوم چاہے تو الحاق کے بعد بھی اپنے آپ کو اس الحاق سے الگ کر سکتی ہے۔

محمد عبدالقیوم خان ہماری سوچ سے بہت آگے ہیں وہ آزادی تک ہمارا ساتھ دیں اور آگے بڑھ کر پھر قوم کو الحاق کرنے کا موقع فراہم کریں۔یہ محمد عبدالقیوم خان کو بھی معلوم ہے کہ وہ یا ان کی جماعت اکیلے الحاق کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔یہ فیصلہ کشمیر کے ڈیڑھ کروڑ عوام کو کرنا ہوگا۔یہ باتیں میں اپنے حافظہ پر زور دے کر لکھوا رہا ہوں اصل الفاظ یاد نہیں۔

بہر حال ہمارا اتحاد ہو گیا اور سردار محمد ابراہیم خان نے سب کو مبارکباد دی اور اپنی منزل کی طرف چل پڑے اتحاد کا پہلا جلسہ مظفرآباد میں ہونا تھا۔اور سب کی خواہش تھی کہ مجھے گرفتاری سے بچ کر جلسہ گاہ میں پہنچنا ہوگا۔ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم نے مجھے مظفرآباد پہنچانے کی ذمہ داری لے لی تھی۔تمام راستے بند تھے۔ہر موڑ پر ہر پل پر ہر سڑک کے کنارے پر پولیس کھڑی تھی۔ہم نے سوچا تھا کہ مظفرآباد میں شاید ہی کوئی گھر ایسا ہوگا جو پولیس کی نظر میں نہ ہوتا ہم میں اپنے ایک ساتھی ارشاد بچھ مرحوم کے گھر پہنچ گیا تھا۔اس کے دروازے پر پولیس کھڑی تھی ان سے بچ بچاؤ کر کے مکان کے اندر چلا گیا۔ان کے اور خواجہ محمد سعید ایڈووکیٹ کے مکان کے درمیان مشترکہ دیوار تھی جس میں ایک کھڑکی تھی جس سے گزار کر خواجہ سعید کے گھر پہنچایا گیا تھا۔رات کا وقت تھا رات ہم نے وہاں گزاری اور جلسہ گاہ میں لے جانے کے لئے باہر دوستوں نے مشورے شروع کر دیئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جلسہ گاہ کیسے پہنچا جائے؟۔خواجہ محمد سعید صاحب اِن دنوں مظفرآباد میں وکالت کرتے تھے وہ بڑے نامور وکیل تھے اور ان کا کسی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔البتہ سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ان کے مضبوط تعلقات تھے۔وہ میرے ان دوستوں میں تھے جنہوں نے وکالت کے لئے پیشے کو بدنام ہونے سے بچایا۔پولیس کو علم تھا کہ خواجہ صاحب کے میرے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں لیکن یہ بھی علم تھا کہ سیاسی تحریکوں میں وہ کبھی ہمارے ساتھ نہ رہے۔ رات بھر پولیس کے ملازم اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاران کے دروازے سے ہٹ کر ہر آنے جانے والے کو دیکھتے تھے۔اور اچھی طرح جان لینے کے بعد اس کا پیچھا چھوڑتے تھے۔

خواجہ محمد سعید ایڈووکیٹ سمجھتے تھے کہ اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجھے جلسہ گاہ تک پہنچائیں۔تحریک کے لیڈروں نے وہاں تک پہنچنے کے لئے ایک خفیہ تدبیر نکالی اس جانب مظفرآباد کے مشہور رہنما سردار رحمت اللہ مرحوم جو گوجر برادری کے مشہور رہنما تھے۔اور لبریشن لیگ کے مرکزی رہنماؤں میں سے ایک تھے۔اور بلند پایہ سیاستدان اور بہترین مقرر تھے۔وہ وفات پاچکے تھے۔ان کے مکان اسی طرف تھے جس جانب میں ٹھہرا ہوا تھا مسٹر جی ایم میر صاحب نے ایک گوریلا اپریشن تجویز کیا کہ دو گاڑیوں پر سردار رحمت اللہ کے گھر جا کر فاتحہ خوانی کی جائے اور واپسی پر راستہ میں مجھے ایک

گاڑی پر بٹھالیا جائے اور یہ کام اتنی سرعت سے ہو کہ دشمن اس کا اندازہ نہ کر سکے۔

چنانچہ سردار محمد ابراہیم خان مرحوم، عبدالقیوم خان اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گوجراہ گاؤں کی طرف چل دیئے اور مجھے جی ایم میر نے بتایا ہوا تھا کہ جونہی گاڑیاں واپس آئیں تو میں ان میں سے ایک پر تیزی سے آگے بڑھ کر بیٹھ جاؤں۔ ایک آدمی کو وہ پہلے ہی اتار دیں گے۔ اور گاڑیوں کے اندر بیٹھنے والوں کی تعداد پوری ہوگی میں نے گلگت کی ٹوپی اور لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

تقریباً چہرہ بھی چھپا ہوا تھا جب میں نے دیکھا کہ گاڑیاں گوجرہ کی طرف جا رہی ہیں تو جا کر ایک کھیت میں جو قبرستان کے ساتھ ہی تھا وہاں بیٹھ گیا اور دیکھنے والوں کو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہوں۔ چند قدموں پر ایک آدمی پھر رہا تھا۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ میرے لئے کھڑا ہے۔ چند لمحوں میں گاڑیاں قبرستان کے قریب سڑک پر پہنچ گئیں تو میں نے کوئی اشارہ کئے بغیر گاڑیوں کا رخ کیا دروازہ کھلا ہوا تھا اور میں اندر جا کر بیٹھ گیا۔ اور گاڑیاں اسی تیز رفتاری کے ساتھ واپس جا رہی تھیں۔

اور اسی تیز رفتاری سے وہ پل پر پہنچ گئیں اور سب کے دل دھڑک رہے تھے کہ مقابلہ ہو جائے گا کیونکہ پل زیادہ کشادہ نہ تھا پل کے دونوں طرف پولیس کے مسلح نوجوان کھڑے تھے پل کے اوپر کناروں کی طرف پولیس تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑی تھی۔ وہ گاڑیوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کی تعداد گن رہی تھی اس طرح ہم پولیس کو دھوکے میں رکھ کر پل عبور کر کے جلسہ گاہ میں پہنچے ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے میں نے سٹیج پر کھڑے ہو کر اپنا لباس تبدیل کر لیا۔ لمبا کوٹ اور گلگتی ٹوپی اتار دی اور جلسہ گاہ میں بیٹھ گیا۔ یہ جلسہ رہنماؤں کی خواہش کے احترام میں میری صدارت میں ہوا تھا۔ جس میں باغیانہ تقریریں ہوئیں اور دوسرے روز راولاکوٹ میں جلسے کا اعلان کیا۔

مجھے بزرگ رہنماؤں نے بہت زور دیا کہ میں اس جلسہ میں ہر صورت شریک ہوں لیکن میری صحت جواب دے چکی تھی میں کالا موتیا کا شکار تھا آنکھوں میں الرجی ہوگئی تھی اور سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس لئے میں نے معذرت کر کے اپنی گرفتاری پیش کرنے کا اعلان کر دیا جلسہ گاہ سے تھوڑی دور جیل کے دروازے سے میں سیدھا وہاں چلا گیا اور ایس ایچ او بھی پہنچ گیا اور میرے وارنٹ گرفتاری میرے حوالے کرتے ہوئے مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

اس تحریک میں ہمارے ہم وطن بھائیوں نے برطانوی دوستوں کو اکٹھا گیا ہم پر کی گئی ظلم کی داستانیں نشر کی گئی ہیں ہمارے ہم وطن بھائیوں کا ایک وفد جو ممبروں پر مشتمل تھا۔ وہ آزاد کشمیر آیا ان میں ایک لارڈ میئر میر محمد عجیب صاحب خان اور دوسرے محمد بشیر تبسم آف گلاسکو تھے۔ محمد بشیر تبسم اور پروفیسر نذیر تبسم دو بھائی کشمیر کی آزادی کے لئے ہر وقت کام کرتے رہے ہیں۔ یہ وفد ہمیں پلندری جیل میں ملا۔

انہوں نے ہمارے آنکھوں دیکھے حالات اور معملات کوحکمرانوں تک پہنچایا۔ داروغہ جیل نے بڑی کوشش کی کہ میں ان کے ساتھ جا کر دفتر میں اپنے ان مہمانوں سے ملاقات کروں لیکن میں نے انکار کردیا کیونکہ وہ جس چیز کو چھپانا چاہتے تھے میں اس کو دکھانا چاہتا تھا۔ جس وارڈ میں میں تھا وہاں انہوں نے ایک پاگل کو بھی روک رکھا تھا جو چوبیس گھنٹے تک یعنی دن رات کسی کو سونے نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک وحشی درندہ تھا اس نے اپنے بیٹے کو ذبح کر کے اس گوشت خود بھی کھایا اور اپنے گاؤں کے لوگوں کو بھی کھلایا تھا۔

جب مہمانوں نے وہاں داخل ہوکر کمرے کی حالت دیکھی اور قیدیوں کو مشکلوں میں دیکھا تو بہت پریشان ہوئے کہ انہوں نے ایک سیاسی کارکن کو اس کمرے میں کیوں رکھا ہے۔ بالآخر ان کی کوششوں سے مجھے اس کمرہ سے نکال کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ گرفتاریاں بھی ابھی جاری تھیں نظر بندی کی میعاد ختم ہوتی تو دوسرا حکم جاری کردیا جاتا۔

اسی دوران ہمیں مظفرآباد جیل سے سنگڑی ریسٹ ہاؤس میں رکھا گیا۔ میرے دوسرے ساتھی چوہدری نور حسین تھے، انہوں نے یہ عرصہ میرے ساتھ گزارہ، قمر عالم انسپکٹر پولیس کو کسی نے یہ بتایا تھا کہ دونوں آپس میں اکٹھے کبھی نہ رہ سکیں گے اور وہاں سے ان کی شکایتیں پہنچتی رہیں گی۔ وہ ان کی مدد کریں گے تو یہ دونوں IGP کے بڑے شکرگزار رہوں گے۔ مجھے آنکھوں کی سخت تکلیف تھی آنکھوں میں الرجی تھی اور کوئی علاج میسر نہ تھا۔

بہرحال سنگڑی میرا میں رکھنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آئی جی کی رہائش سے سامنے تھی جس پر وہ 24 گھنٹے نظر رکھتا تھا۔ اس سارے عرصہ میں چوہدری نور حسین صاحب وہاں شہزادوں کی طرح رہا۔ باداموں اور آخروٹوں کی بھری ہوئی بوریاں منگوا کر رکھی ہوئی تھیں۔ شام کے وقت سکولوں سے بچے واپس جاتے ہوئے ان کے پاس سے گزرتے تھے وہاں تک ابھی سڑک کچی تھی۔ چوہدری نور حسین ان بچوں میں اخروٹ اور بادام وغیرہ تقسیم کرتے اور وہ خوشی خوشی کھیلتے ہوئے جایا کرتے تھے۔ وہاں انہوں نے ایک کشمیری زبان بولنے والا انسپکٹر رکھا ہوا تھا۔ یہ ہمارا نگران تھا۔ وہ جیل سے ہمارا کھانا لے جانے کا پابند تھا۔

چوہدری نور حسین صاحب نے جیل والوں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ ہفتے بھر کا راشن ہمارے حصہ کا اس کے حوالہ کردیا کریں اور نگران کو اپنے پاس سے اپنے لئے اور میرے لئے جو کچھ منگوانا ہوتا تو منگواتے تھے۔ اس عرصہ میں ہم نے کچھ روزے بھی رکھے اور دیکھا کہ چوہدری نور حسین بڑی پابندی کے ساتھ نماز اور روزہ اور تہجد نماز پابندی سے ادا کرتے تھے۔ دنیا کی کوئی نعمت نہ تھی جو انہیں وہاں حاصل نہ ہو وہ مجھے اپنے پاس سے کوئی پیسہ خرچ کرنے نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ میرے اللہ نے خود علاج کردیا۔

میں آنکھوں میں جو دوائی ڈالتا تھا اور سر پر جو تیل استعمال کرتا تھا وہ میں نے منگوانے کی کوشش کی تو انہوں نے

کہا کہ وہ منگوا دیں گے۔ میں نے انہیں نے منع کر دیا اور میرے لئے یہ حیرانگی تھی کہ ایک ہفتہ کے اندر میرے آنکھوں کی الرجی ختم ہو چکی تھی کیونکہ وہ تیل میں نے استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت ہمارے مظفر آباد جیل کے ساتھی چچا علی محمد ایڈووکیٹ محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ وغیرہ جیل نظر بند تھے۔

اس دوران میرا بیٹا طارق محمود انصاری مجھے ملنے کے لئے سنگڑی میرہ آیا۔ اسے ملنے کی اجازت نہ ملی وہ پریشانی میں پہنچ تو گیا لیکن اسے خطرہ تھا کہ ملاقات نہیں ہو سکے گی کیونکہ ہماری رشتہ داروں سمیت سب سے ملاقاتیں بند کر دی گئی تھیں۔ جب میں نے اسے اپنے پاس بلایا، چوہدری نور حسین نے اس کو بتلایا کہ ہمارا انچارج موٹر سائیکل پر نیچے جا رہا ہے۔ میں نے اسے تین مرغوں کے پیسے دیئے ہیں وہ دو ہمارے لئے لائے گا اور ایک گھر لے جائے گا۔ چوہدری نور حسین نے ماحول درست کر لیا تھا۔

سرکاری ملازم بھی شام کے وقت سیر کے لئے جاتے ہمیں ملنے کی کوشش کرتے رہے۔ طارق مسعود ان دِنوں غالباً سیکرٹریٹ میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے، مجھے ملے، ایک رقم پیش کی میں نے ان دنوں اسیری میں خرچ کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے وہ رقم نہ لی۔ اُن کا شکریہ ادا کیا۔ ہمارے ساتھ سب لوگوں کی محبت تھی وہ ہماری گرفتاری کو ناجائز سمجھتے تھے۔ بعد میں رہا ہوئے تو ایک مقدمہ میں گرفتار کر لیا گیا۔

اس طرح دس بارہ مقدموں میں گرفتار ہوا اور جب گھر پہنچا تو ایک پولیس انسپکٹر نے میرے گھر آ کر مجھے کہا کہ تراڑکھل نہ جاؤں وارنٹ بدوں تعمیل واپس لے جاؤں گا۔ اس کو یہ بھی ہدایت ملی تھی میرے تراڑکھل جانے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ لیکن اس مشروط رہائی نے مجھے انکار کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہ میں اپنے پروگرام کے مطابق لاہور اپنے ڈاکٹر راجہ ممتاز صاحب کلی خان کے پاس جانے کا پروگرام بنا چکا تھا۔

لیکن وہ پروگرام نہ بن سکا۔ پولیس کا یہ حال تھا کہ انہوں نے ہمارے ساتھی محمد بشیر تبسم کے صحن میں پولیس کا کیمپ قائم کر رکھا تھا۔ ان کا صحن میرے مکان کے ساتھ ایک مکان چھوڑ کر دور ہے۔ جب میں تھانہ کی طرف گیا تو وہ بشیر صاحب کو پتہ چلا کہ میں تھانہ میں گرفتاری کے لئے جا رہا ہوں تو انہوں نے بھی بستر باندھا اور وہ بھی پیچھے پیچھے چلے آئے۔ تھانے والوں نے کہا کہ آپ کے وارنٹ نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے ایک ساتھی کو لایا جا رہا ہے۔ تو مجھے گھر رہنے کا کیا حق حاصل ہے؟ تم لوگ آدھی رات کے وقت پولیس کی نفری لے جا کر چھاپہ مارو گے اور لوگوں کو پریشان کرو گے۔ اس لئے میں خود آ گیا ہوں۔

پھر پولیس نے انہیں حوالات میں بند کر دیا پولیس کے پاس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دستخط کردہ وارنٹ ہوتے تھے۔ البتہ وہ جگہ خالی رکھتے تھے جہاں ملزم کا نام ہوتا تھا تاکہ پولیس جب چاہے جس کو چاہے گرفتار کرے۔ اس طرح

اندھادھند گرفتاریاں عمل میں لائی جاتی تھیں۔سارے علاقے میں خوف وہراس پھیلایا جاتا ہے۔لوگ جمہوریت کی بحال اورآمریت کے خلاف نعرے لگاتے میر پور سے لے کر کراچی تک یہ نعرہ بلند ہوتا رہا کہ............

''سن لو فوجی آمرو، ہم تمہاری موت ہیں''۔

اس طرح جنرل حیات کی پشت پر پاکستان کی نوکر شاہی پاکستان کی فوج اور پاکستان کی سول ملٹری کھڑی تھی۔ لیکن عوام کے بپھرے ہوئے سمندر کے آگے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئی۔ بالآخر لوگوں نے جمہوریت کو بحال کیا آزاد کشمیر میں انتخابات ہوئے۔

گلگت وبلتستان کے بارے تاریخی فیصلہ

اوپر ذکر آیا ہے کہ محمد سعید ایڈووکیٹ جو حکومت آزاد کشمیر میں چیف جسٹس رہ کر فارغ ہوئے وہ بھی بعد الیکشن کمشنر مقرر ہوئے۔ عدالت العالیہ کے تین ججوں پر مشتمل بینچ نے جس کی سربراہی ملک عبدالمجید صاحب چیف جسٹس ریٹائرڈ کر رہے تھے نے گلگت سے متعلق جو تاریخی فیصلہ دیا تھا وہ اس وقت تاریخ میں روشن باب رہے گا جب تک دنیا زندہ ہے۔اس فیصلہ سے مسٹر جسٹس عبدالمجید ملک جنہوں نے بحثیت چیف جسٹس یہ فیصلہ تاریخی لکھا تھا انہیں ملازمت کی قربانی بھی دینی پڑی۔ وہ تین سال تک سپریم کورٹ کے جج رہ سکتے تھے۔

لیکن اس فیصلہ کی وجہ سے وہ باعزت اپنے گھر آ گئے۔ یہ ان کو فیصلہ لکھتے ہوئے بھی پتہ تھا کہ نزلہ ان پر گرے گا۔انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ سپریم کورٹ کے جج بننے کی پیشکش کو ٹھکرا چکے ہیں تو میں نے انہیں کہا کہ سردار سکندر حیات خان اس کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں کیونکہ وہ پیشکش اس لئے کر رہے ہیں تاکہ ان کا نام باقی رہے۔اوران کا احسان بھی رہے وہ جب سپریم کورٹ کے جج بن جائیں تو اپنی مرضی سے استعفیٰ دے دیں۔

ان دِنوں بہت چرچا تھا کہ وزیراعظم پاکستان نے ایک بڑی محفل میں یہ کہا کہ گلگت کا فیصلہ قانونی نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کا ہے۔جبکہ انہوں نے نہ فیصلہ پڑھا نہ دیکھا نہ اس پر کوئی اخباری تبصرے زیرِ غور آئے۔ بلکہ ایک مجلس میں جہاں غالباً سید محمد بیٹھے تھے۔ وہاں پوچھا کہ یہ کون سے جج ہیں جنہوں نے یہ فیصلہ لکھا ہے یہ آوازیں سپریم کوٹ کے ججوں کے کانوں میں ڈال دی گئی ہیں تاکہ اپیل کی صورت میں جیت جائیں وزیراعظم پاکستان جیسے شخص کو یہ بھی علم نہیں کہ ملک کی سرحدیں عدالتی فیصلوں سے نہیں بڑھائی جاسکتی ہیں۔ بلکہ پاکستان نے ایک بہت بڑی تاریخی غلطی کی ہے کہ پاکستان کے صدر نے اپنے شاہی فرمان سے گلگت کو پاکستان کا صوبہ بنا دینے کا اعلان کیا ہے۔

پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو کہ ایک بڑی طاقت والے صدر کو یہ اختیار دیتی ہو کہ وہ صدارتی حکم جاری کرسکتا ہے جس کا اطلاق دوسرے ملک پر ہو۔صدر یہ تو کرسکتا ہے کہ دوسرے ملک میں رہنے والے اپنے

ملک کے شہریوں کے لئے قانون نافذ کر کے ان کو اپنے قانون کا پابند بنا دے لیکن کسی دوسرے ملک کو اپنے صدارتی حکم سے ایسا کبھی نہیں کر سکتا ان کی حماقت کی داستانیں بھری پڑی ہیں لیکن انہیں دنیا کی طرف نظر رکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ جان سکیں کہ دنیا ان کا کس طرح مذاق اڑا رہی ہے۔

بہر حال مسٹر جسٹس عبدالمجید ملک صاحب، مسٹر جسٹس چوہدری محمد ریاض اختر، اور مسٹر جسٹس خواجہ محمد سعید ریٹائرڈ نے اپنے آقاؤں کو ناراض کر کے اس کی سزا قسط وار برداشت کی ہے۔ ایسا ہوتا آیا ہے کہ عدالتوں کو حکومتیں اپنی مرضی سے فیصلے لکھوانے پر مجبور کرتی رہی ہیں۔ عدلیہ ہر دور میں ملزم ہی رہی۔ عدلیہ نے ایسے فیصلے کئے جس سے جمہوریت کا سرخ وسفید چہرہ داغدار ہو گیا۔ یہ جمہوریت کی غارت گری عدلیہ کا فیصلہ تھا جس نے ملک کے وزیر اعظم کو بدوں شہادت سزائے موت تک دے دی گئی اور انہیں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اُن کے حق میں تحریک چلائی گئی تھی۔

اس کا اثر آزاد کشمیر میں جنرل حیات پر پڑتا تھا۔ 1981ء کی تحریک کو غلط رنگ دیا گیا۔ یہ تحریک جنرل حیات کے خلاف تھی مارشل لاء کے خلاف اور جمہورت کے حق میں چلائی گئی تھی۔ جنرل حیات کا کوئی ذاتی مخالف نہ تھا وہ ایک حاضر سروس بریگیڈیئر تھے اور انہیں جنرل ضیاء الحق نے اپنے قلم سے آزاد کشمیر کا صدر بنا دیا تھا۔ یہ جنرل حیات اور ضیاء الحق اور اس کے ٹولے کے خلاف عوامی بغاوت تھی جو یہ نعرے لگا رہی تھی کہ............

"سن لو آمرو، ہم تمہاری موت ہیں"۔

اس نعرے کی گونج پورے پاکستان میں سنی گئی۔ جمہوریت کے حامیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اس دور میں اگر کسی کو نظر بندی سے میعاد ختم ہونے پر آزادی ملی تو اپنے گھر پہنچنے سے پہلے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جاتا رہا۔ ان دِنوں میرے خلاف ضلعی فوجداری عدالت میں قتل کے ملزم کو بھگانے کا مقدمہ بنایا تھا۔

ملزم ضمانت پر رہا ہوا تھا۔ لیکن ایک تاریخ پیشی پر وہ نہ آسکا۔ چنانچہ تاریخی پیشی پر جب دوسرے ہمراہی ملزموں کے ساتھ تاریخ دے دی گئی تو وہ بھی نکلنے لگا تو اسے عدالت کے حکم سے گرفتار کر کے جیل بھیجنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن وہ پولیس کے ہاتھ نہ چڑھا۔ اور عدالت سے نکل گیا۔ میرے خلاف یہ مقدمہ بنا کہ میں نے اسے بھگایا ہے۔ ملزم بعد میں وہ مقدمہ بھی بھگتتا رہا اور بری بھی ہو گیا تھا لیکن میرے خلاف یہ مقدمہ ضلعی فوجداری کی رپورٹ پر درج یعنی رجسٹر ہوا اور زیر تفتیش تھا۔ میں نقص امن عام اور سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل میں گرفتار ہوا تھا۔

اس وقت محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ بھی جیل میں تھے۔ جنہوں نے اپنی طرف سے درخواست دائر کی تھی کہ انہیں خلاف قانون نظر بند کیا گیا ہے۔ ض، ف کی 491ء درخواست عدالت العالیہ میں دی گئی۔ وہ خود پیروی کرتے رہے۔

اسی دور میں بار ایسوسی ایشن میر پور کی طرف سے آزاد کشمیر اور پاکستان کی سطح پر وکلاء کنونشن کرانے کا پروگرام

بنایا گیا تھا تا کہ ملک میں قانون کی حکمرانی کو قائم کیا جا سکے۔اور فوجی آمروں سے نجات مل سکے۔اس وقت بار ایسوی ایشن کے صدر چوہدری عبدالمجید ایڈووکیٹ صاحب جو آج کل وزیراعظم آزاد کشمیر ہیں۔ان کی سربراہی میں تیاریاں کی گئیں ان کی معاونت کرنے والوں میں شیخ بشارت، چچا علی محمد ایڈووکیٹ، محمد شریف طارق ایڈووکیٹ، یونس سرکھوی ایڈووکیٹ، محمد ریاض جنجوعہ ایڈووکیٹ، محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ، عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ، میر خالد ایڈووکیٹ، محمد ریاض انقلابی ایڈووکیٹ، ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ، چوہدری اعظم ایڈووکیٹ اب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہیں۔عبداللطیف ایڈووکیٹ اور دیگر وکلا پیش پیش تھے۔بیرسٹر قربان علی جو نیشنل پارٹی کے سربراہ ہیں،ان کی جدوجہد بھی بے مثال رہی وہ ایک انتہائی خلوص والے انسان تھے۔ایثار و وفا کے پیکر تھے انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔لیکن فوجی حکمرانوں نے اس کو بھی پسند نہ کیا اور کنونشن پر پابندی عائد کر دی۔اور پاکستان سے آنے والے وکلا کو میر پور داخلے پر روک لیا گیا۔

اور وکلا پر اندھا دھند لاٹھی چارج کر کے زخمی کر دیا گیا۔شہید چوک میں سرعام چوہدری عبدالمجید صدر بار ایسوسی ایشن پر تشدد کیا گیا اور وہ زخمی بھی ہوئے۔اس طرح تقریباً وکلا کی اکثریت کو پابند سلاسل کر دیا گیا ہے۔ملک بھر میں ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف ایک بغاوت کا اعلان تھا جو کامیابی سے ہمکنار رہوا۔بالآخر اس طرح آخری بار اس دھکے نے جنرل حیات کو جبراً حکومت پاکستان نے صدارت سے اتار دیا۔

اس وکلا کی تحریک میں بے شمار نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا اس میں میرا بیٹا محمد سہیل بھی میرے ساتھ جیل میں تھا۔ اور ان کی جگہ بریگیڈیئر عبدالرحمٰن صدر حکومت بنا دیئے گئے اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔اسی باعث وہ مقدمہ بھی زیر التوا میں ہی تھا کہ حکومت نے عوامی نمائندوں کی اپیل پر بریگیڈیئر عبدالرحمٰن صدر حکومت کو واپس لینے کے لئے کہا۔حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا اور اس طرح مجھے اس مقدمہ میں ایک پیشی پر بھی حاضر نہ ہونا پڑا۔

محمد عظیم دت ایڈووکیٹ 1981ء کی تحریک میں صف اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔اور اس وقت ایک درجن سے زیادہ دفعہ تھانوں، حوالاتوں اور جیلوں میں رہ چکے تھے۔اس تحریک میں لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ باپ بیٹا اور پوتا بیک وقت جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔حاجی محمد گلزار انصاری اور ان کا پوتا جیل میں رہے ماسٹر محمد شفیع دت صاحب جو میر پور کارپوریشن کے کونسلر رہ چکے تھے ایک ذہین سیاستدان ہیں وہ بھی جیل میں تھے اور ان کا بیٹا محمد عظیم دت ایڈووکیٹ بھی انقلابی نوجوانوں کے ساتھ جیل کاٹ رہا ہے۔

حاجی محمد صادق ٹھیکیدار اور ان کے بیٹے محمد رفیق چوہدری بھی جیل میں اکٹھے رہے۔چوہدری محمد رفیق بڑا نڈر، بہادر نوجوان ہے۔وہ بلدیہ میر پور کا چیئرمین رہ چکا ہے اس طرح میر پور کے شہریوں کی جرأت کا یہ منظر دیکھنے کے قابل تھا کہ پوری جیل میر پور کے سیاسی قیدیوں سے بھری ہوئی تھی اور حکومت کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔اسی دوران

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ بھی وفات پا گئے۔ یہ بات پورے برصغیر میں سب سے بڑی خبر چھپی کہ کشمیر شیخ عبداللہ ہے اور شیخ محمد عبداللہ کشمیر ہے۔ان کی موت نے پورے ملک میں رنج و دکھ اور مایوسی کی لہر دوڑا دی تھی۔

میں اس وقت میرپور جیل میں تھا۔اور ان کی نمازِ جنازہ غائبانہ میرپور جیل کے اندر تمام اخلاقی، سیاسی قیدیوں جیل کے عملہ اور سیاسی کارکنوں نے میری امامت میں ادا کی تھی۔ غالباً میں نے یہی ایک زندگی کا نمازِ جنازہ پڑھایا تھا۔ پرانے میرپور میں ایک جنازہ تنہا پڑھا تھا۔ جب حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ وفات پا گئے ان کی نمازِ جنازہ کی صفیں باندھ رہی تھیں ریڈیو سے رننگ کمنٹری نشر ہو رہی تھی جونہی نماز کے لئے صفیں کھڑی ہوئیں اور امام نے نمازِ جنازہ کی تکبیر پڑھی تو میں نے بھی ان کے ساتھ بڑے اطمینان سے نمازِ جنازہ ادا کی کوئی دوسرا آدمی ساتھ نہ تھا۔ان کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لئے دعا کی اور گھنٹوں غم میں ڈوبا بیٹھا رہا۔

امام ہند نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو راہِ راست دیکھائی۔اور دنیا بھر کے غلام مسلمانوں کے لئے آزادی کی جنگ لڑی۔ ہندوستان ان کی جدوجہد اور قربانیوں کی وجہ سے آزاد ہوا۔اس طرح صدیوں بعد پیدا ہونے والا یہ امام ایک مثال چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا انہوں نے جو کچھ پیش گوئیاں کی تھیں وہ بھی حرف بحرف پوری ہوئیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زندگی میں خواہش اور تڑپ کے باوجود ان سے ملاقات نہ کر سکا۔لیکن اس عظیم شخصیت کی خوبصورت تصویر میرے سامنے چلتی پھرتی ہے۔وہ مفسر قرآن تھے۔اور بڑے بڑے مشکل مقامات کو چند فقروں میں حل کر دیتے تھے۔افسوس ہے کہ زمانہ ہمیشہ ایسے لوگوں کا ناقدر شناس رہا ہے۔ان کی زندگی کے بعد بھی کتابیں لکھی گئیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔اور دشمن بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں نے زندگی میں دو نکاح بھی پڑھائے ہیں۔وہ دونوں حقیقی بھائیوں کے نکاح تھے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی نکاح خواں کو بلا کر نکاح پڑھوائے لیکن وہ میرے سیاسی دوست ہی تھے میرے ذاتی دوست، ہمدم رہنما بھی تھے۔ اس لئے ان کے اصرار پر میں نے صوفی محمد زمان مرحوم کا نکاح پڑھایا تھا۔اس سے پہلے جناب عبدالجبار بٹ محاذ رائے شماری کے صدر لندن کا نکاح پڑھایا تھا۔ دونوں بھائی محاذ رائے شماری کے بانی اور مرکزی رہنماؤں سے ہیں۔صوفی محمد زمان مرحوم درجنوں بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

عبدالجبار بٹ لندن جیسی جگہ بیٹھ کر اپنے وطن کی آزادی کی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ با حوصلہ، باہمت اور آزادی کے لئے جان و مال قربان کرنے والے ہیں۔ بڑے بھائی تو رخصت ہو چکے ہیں۔چھوٹے بھائی ابھی تک آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔جبکہ اب ان کی عمر بھی 80 سے اوپر ہو گئی ہے۔

ایک دِن صدر آزاد کشمیر خان عبدالحمید خان صاحب ایک شخص سلیم مضطر نامی کو لئے ہوئے میرے گھر آئے۔

سلیم مضطر بڑا ذہین اور خان صاحب کا معتمد خاص تھا۔ وہ آکر میری بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ خان صاحب کا مدت ملازمت کا عرصہ بیت چکا تھا۔ وہ اس ملک کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے بہت سی معلومات بہم پہنچائیں اور مجھے کہنے لگے کہ انہوں نے دو تین ساتھیوں سے پہلے مشورہ لیا ہے مگر میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ انصاری صاحب سے مشورہ کر کے قدم اٹھاؤں گا ان دنوں پاکستان پیپلز پارٹی کا دورہ تھا بھٹو صاحب کا ستارہ عروج پر تھا خان صاحب نے کہا کہ انہیں بھٹو صاحب کی طرف سے دو پیشکشیں ہوئیں ہیں کہ میں چاہوں تو پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین بن جاؤں اور اگر چاہوں تو پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کا صدر بن جاؤ۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ پبلک سروس کمیشن کا چیئر بننا زیادہ پسند کریں گے۔ میں نے کہا خان صاحب آپ حکومت کے صدر رہ چکے ہیں چیئرمین پبلک سروس کمیشن کا عہدہ کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو وہ حکومت آزاد کشمیر کے صدر کے ماتحت ہوتا ہے۔

یہ حکومت کی توہین ہے کہ کل تک جو شخص حکومت کا صدر تھا وہ ایک ادارے کا چیئرمین ہو گیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ پیپلز پارٹی کے صدر بن جائیں اور چند دِنوں میں حکومتی دور تبدیل ہونے والا ہے۔ آپ کو آزاد کشمیر کا صدر منتخب کر لیا جائے گا۔ اس پر خان صاحب مسکرائے اور کہنے لگے کہ آپ کا آخری فیصلہ ہے، مجھے منظور ہے اور میں انہیں ابھی لکھ دیتا ہوں کہ مجھے پیپلز پارٹی کا چیئرمین بنایا جائے۔

اِن دِنوں عدلیہ میں ہائی کورٹ کی جگہ خالی تھی اس کے بعد ہم باقی باتیں کرتے رہے اور وہ یہ امید لے کر گئے کہ میں پیپلز پارٹی میں شامل نہ ہونے کے باوجود ان کو انتظامی اور سیاسی امور میں مشورے دیتا رہوں گا وقت گزرتا رہا پیپلز پارٹی پاکستان واحد حکمران جماعت بن کر ابھری۔ خان صاحب حکومت کے صدر بن گئے جب وہ صدر بنے تو انہوں نے میرپور بار کے ممبروں تک بتلایا کہ وہ مجھے سروس میں لائیں گے۔ انہوں نے میرا پیچھا انگلینڈ تک کیا جب انہوں نے مجھے آفر دی تو میں نے چند مرکزی دوستوں سے رہنمائی حاصل کی چند ایک دوستوں کو چھوڑ کر سب اس حق میں تھے کہ عدلیہ کا جج بن جاؤں خاص طور پر مقبول احمد خاور مرزا محمد صدیق اور مسٹر امان اللہ خان اس حق میں نہ تھے وہ میرے ساتھ متفق تھے وہ کہتے تھے کہ میں اگر جانا جانا چاہوں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں اور اگر باہر رہوں تو یہ بھی تحریک آزادی کے حق میں ہے۔

یہ وقت بھی گزر گیا ایک وقت وہ بھی تھا کہ خان صاحب حکومت کے صدر تھے اور انہیں پتہ بھی نہ تھا کہ مجھے نیازی صاحب چیف ایڈوائزر کے حکم سے جیل میں بھیجے جانے کا حکم دیا گیا ہے ان دنوں مسٹر پوری این ڈپٹی کمشنر میرپور تھے۔ انہوں نے صدر خان عبدالحمید خان کو صورتِ حال بتائی تو انہوں نے کہا کہ مجھے بتائے بغیر گورنمنٹ ہاؤس مظفرآباد میں لے آئیں اور مسٹر نیازی کو انہوں نے ملاقات کے لئے رضامند کر لیا جب وہاں پہنچا صدر ہاؤس میں تو وہاں صرف خان صاحب اور مسٹر نیازی تھے۔ کوئی آدمی نہ تھا۔

مسٹر نیازی سے کھل کر باتیں ہوئیں اور وہ حیران تھا کہ آزاد کشمیر سے صرف میرے خلاف کیوں رپورٹیں آتی ہیں اس کے کانوں میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ میں صرف وادی کی خودمختار حیثیت قائم رکھنے کے حق میں ہوں۔ تو اس نے خان صاحب سے کہا کہ ان کے خیالات سے آپ واقف ہوں گے۔ یہ اپنے نظریئے میں کہاں تک دیانت دار ہیں؟۔ خان صاحب نے میرے حق میں بہت سی باتیں کیں اور مجھے عدلیہ کے عہدے کی پیشکش کی۔ میں نے بتلایا کہ رولز کے مطابق میری ابھی اتنی پریکٹس نہیں ہے کہ اہم عہدے پر فائز ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکوں۔ انہوں نے کہا کہ رولز آف بزنس میں ترمیم کر دیں گے۔لیکن میں نہیں مانا۔

بالآخر ایک اچھی فضا میں ہم الگ ہوگئے۔ وہ دور بھی گزر گیا۔ تو میں ایک دِن گھر بیٹھا ہوا تھا کہ پوری صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ وہ خان عبدالقیوم کا پیغام لائے ہیں وہ ریسٹ ہاؤس منگلا میں ٹھہرے ہیں انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ یہ کسی کو خبر نہ ہونے دوں اور ان کی گاڑی میں بیٹھ کر منگلا پہنچ جاؤں۔ میں بڑی کوشش کی اور پوری صاحب کو کہا کہ وہ گرفتاری وارنٹ لائے ہیں تو اس کی تعمیل کریں ورنہ میں منگلا اپنے ایک ساتھی دوست کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر آؤں گا۔ چنانچہ چوہدری شہباز مرحوم مجھے ساتھ بٹھا کر منگلا پہنچے۔

خان عبدالقیوم بغیر کسی پیشگی اطلاع اور پروٹوکول کے بغیر اپنے دو تین مرکزی عہدے داروں کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ جب میں اندر گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ علیحدگی میں بات کرنا چاہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ یہ میرا ساتھی کسی راز کو فاش نہیں کرے گا آپ اطمینان سے باتیں کریں میں جان بوجھ کر چوہدری شہباز مرحوم کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ تاکہ ان سب کو حالات کا پتہ رہے انہوں نے مجھے سیاسی بات چیت کے ساتھ ساتھ کہ وہ آزاد کشمیر کے صدر بننے کے کیوں مخالف ہیں؟ تو اپنے دلائل دیئے وہ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ہاٹ لائن پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بتا رہے تھے جب میں نے خان صاحب کو کہا کہ ان کی اتنی لمبی سیاسی زندگی ہے جتنی بھٹو صاحب کی عمر ہے۔ وہ مسٹر بھٹو کے نیچے لگ کر کیوں مسلم لیگ کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں؟۔

وہ اس وقت آل پاکستان مسلم لیگ کے صدر تھے۔ اور مسٹر بھٹو کی کابینہ میں شامل بھی تھے۔ خان عبدالقیوم خان نے ہنستے ہوئے کہا کہ وہ مجھے یہ کہہ رہے ہیں وہ ساری باتیں نہیں سنیں تب جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ مسٹر ذوالفقار علی کے خاص ایلچی کی حیثیت سے لائے تھے اور وہ مجھے آزاد کشمیر کی حکومت سونپنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو میرے متعلق یہ غلط اطلاعات ہیں کہ ملک میں ہماری سیاسی جماعت کی مضبوط جڑیں ہیں۔

چند وکلاء، طلباء، تانگہ بان، تاجر اور صحافی ضرور موجود ہیں۔ وہ سب صحیح پختہ ذہن کے لوگ ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا کہ سیاستدان کی آخری منزل حکومت کا اقتدار ہے جبکہ وہ چاہتا ہے کہ ملک میں آزادی اور جمہوریت

کی نشو و نما چاہتا ہے۔ اس بات چیت کا مفصل حال بیان کروں لیکن اس وقت اس دور کا آدمی موجود نہیں ہے۔ یہاں تک میاں محمود علی قصوری، خورشید حسن میر بھی جا چکے ہیں اس لئے اس واقعہ کی کون تحقیقات کرے گا؟۔

الغرض! ہم نے حکومت کے بنانے میں بھی ان کی خواہشات کی تکمیل نہ ہونے دی۔ ساری باتیں حافظے کے زور پر لکھوا رہا ہوں میرا حافظہ بھی تو کمزور ہو چکا ہوگا اس لئے ایسی کوئی بات آ گئی ہو تاریخ کے خلاف ہو تو اسے تاریخ کے واقعہ تندرست قرار دیتے ہوئے میری رائے سے درگزر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے میں اس کے حضور غلطیوں کا انبار لے کر نہیں جانا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے معاف فرمائے میں معافی کا خواستگار رہوں۔ میری قوم، میرے لوگ اور میرے دوست اور نوعِ انسانی کو بھلا دینا چاہیے اور معاف کر دینا چاہیے یہ نظریہ کہ اقتدار تب حاصل کریں گے جب ملک آزاد ہوگا یہ بھی محاذ رائے شماری کا نظریہ ہے۔

میرے پچاس سال کے عرصہ وکالت میں عدلیہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات رہے۔ چند ایک معمولی نوعیت کے اختلافات ہوتے رہے اور اسے آگے بڑھنے نہیں دیا گیا۔ چوہدری رحیم داد چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے وہ سب جج تھے تو میں نے ان کی عدالت میں پیش ہونا شروع کیا ایک دو انسانی لغزشوں اور کوتاہیوں کے سوا مجھے ان کے بارے میں کوئی ایسا ذکر یاد نہیں جو ان کی عظمت کے خلاف ہو۔ وہ دیانت میں بھی معروف و مشہور تھے۔ وہ قانون جاننے کے لئے بہت محنت کرتے تھے فیصلہ کے لئے انہیں بہت مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔

ایک واقعہ ایسا ہے جو میری رہنمائی کرتا ہے جب کوئی میرے پاؤں میں لغزش آتی تھی یا ارادہ بدلتا تھا تو وہ فقرہ جو بے خیالی میں میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ یاد آ جاتا تھا اور میں تنہائی میں اپنے آپ کو تسلی دے لیتا تھا۔ ایک دن ایک مقدمہ قتل میں بحث کر رہے تھے کہ بحث میں ان کے ساتھ دوسرے جج ملک محمد اسلم خان صاحب ممبر تھے۔ ان کی عدالتی زندگی پاک وصاف گزری ہے۔ میرے بالمقابل وکیل مسٹر کے ایچ خورشید تھے۔ ان دِنوں شریعت جج کے لئے ایک نام پیش کرنے کے لئے چوہدری رحیم داد صاحب کو کہا گیا تھا۔

تو انہوں نے بھری عدالت میں یہ کہہ دیا کہ انہوں نے سارے آزاد کشمیر میں نظر دوڑائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ شریعت جج کے موزوں ترین یہ بندہ ناقص ہے۔ جب انہوں نے کہا تو میرا نام پیش کر دیا تو میرے منہ سے یہ فقرہ بے اختیار نکلا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس ذلت اور رسوائی سے بچائے وہ بڑے اچھے موڈ میں تھے عدالت کے اندر سناٹا چھا گیا وہ آہستہ سے اٹھ کر چیمبر میں چلے گئے ان کے ہمراہی ملک اسلم خان بھی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ اندر چلے گئے۔ کارروائی بند ہوگئی تو راجہ محمد اسلم ایڈووکیٹ مرحوم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی ہے؟۔ کم از کم جج کی بات نہ مانتے لیکن ان کے منہ پر عدلیہ کی توہین کی گئی ہے تو میں نے مسٹر کے ایچ خورشید کے سامنے کہا کہ ججوں نے سیاسی کارکن کا مقام نہیں پہچانا

ہے۔ سیاسی کارکن خود حکمران ہوتے ہیں وہ کسی حکمران کے زیر سایہ نہیں ہوتے ملک محمد اسلم خان نے مسٹر کے ایچ خورشید کو کہا کہ چوہدری رحیم داد انصاری صاحب کے مدد معاون تھے۔لیکن وہ ان کو نہ پہچان سکے۔

اصل میں اس کا پس منظر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس چوہدری محمد یوسف صراف کے خلاف کارروائی کا ردِ عمل ہے اس کارروائی کی نسبت میں زیادہ نہیں لکھوانا چاہتا یہ کتابوں میں پڑی جا سکتی ہیں۔ اس واقعہ کے باوجود چوہدری رحیم داد خان صاحب میرے ساتھ رہے اور سیاسی امور میں تو وہ ہمیشہ میرے ہم خیال رہے ایک دن ہائی کورٹ کے باہر برآمدے میں اور لان میں ہم چند وکلاء بیٹھے ہوئے تھے۔

بحث یہ تھی کہ میر پور ہمیشہ مسلم کانفرنس کا گڑھ رہا ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو اسمبلی ممبر کامیاب ہوتے رہے انہیں محض برادری کے نام پر ووٹ دیئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم میرے مہربان استاد بھی تھے ان کی شہرت بہت تھی انہوں نے میری رائے سے اتفاق نہ کیا۔ یہ بحث جاری تھی کہ چوہدری رحیم داد صاحب عدالت سے نکل کر باہر ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنی بات بطور ثبوت کہہ دی کہ انہوں نے اسمبلی کی سیٹ کے لئے درخواست دی تو انہوں نے میرے مقابلے میں چوہدری عبدالکریم کو اس لئے ترجیح دی کہ ان کی برادری کی تعداد زیادہ ہے۔

جنرل سید احمد علی شاہ مرحوم کو بھی تسلیم کرنا پڑا اور ساتھ میں نے کہا کہ قوم کی خوش قسمتی ہے کہ مسٹر جسٹس رحیم داد خان جیسا باضمیر، نڈر اور انصاف پرور شخص ان کو مل گیا۔ کبھی کبھی قوم کے غلط فیصلے فرد کے حق میں نکلتے ہیں اگر اس بار ممبر بن جاتے تو پھر بھی انکار کوئی نہ تھا۔ مجھے تو اس وقت پتا چلا کہ مسٹر جسٹس رحیم داد خان حضرت ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے جانثاروں میں تھے۔ جب انہوں نے مجھے حضرت مولانا مودودی کی وفات کی غمناک خبر غم میں ڈوبے ہوئے لفظوں میں سنائی اور جنازہ میں شرکت کے لئے مجھے اور پرنسپل عبداللطیف انصاری کو شامل کر کے ساتھ لے گئے۔ اور جنازہ کی سعادت ہم نے حاصل کی۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں کے ساتھ گھنٹوں بیٹھ کر تعزیت کا اظہار کرتے رہے۔ پرنسپل عبداللطیف انصاری انٹرنیشنل مذہبی تنظیموں کے بانی اور عہدے دار رہ چکے ہیں وہ علمی دنیا میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ 1947ء میں مہاجر بن کر پاکستان آئے تھے اور باقی زندگی انہوں نے حکومت آزاد کشمیر کی ملازمت میں گزارے وہ اپنے آپ کو آزاد کشمیر کا سمجھتے ہیں۔ اور آزاد کشمیر کے پروفیسر انہیں پاکستانی سمجھتے ہیں یہ تضاد زندگی میں ختم نہیں ہوسکتا ہے۔ علم کسی رقبے پر مخصوص نہیں ہے۔ جس طرح دنیا لامحدود ہے اور اس کی خلقت بھی لامحدود ہے اور علم لامحدود ہے اس طرح یہ لوگ بین الاقوامی نوعیت اور شہرت کے مالک ہیں۔ افسوس ہے ان کو بھی کوئی نہ پہچان سکا۔ وہ خود بھی اس طرح سرگرمیاں دیکھاتے رہے کہ

بیگانے بھی اس کی تعریف نہ کر سکے۔

لوگوں کی ناقدری اور شناسی کا نتیجہ ہے کہ ملک کی دو ممتاز شخصیات جو بیک وقت قانون دان تھے، دانشور بھی تھے سیاسیات عالم پر عبور رکھتے تھے۔ علم کے دیوتا تھے۔ انہوں نے اپنا نام پیدا کیا وہ مسٹر جسٹس ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ ریٹائرڈ اور چوہدری چیف جسٹس شیر زمان ہیں جنہوں نے وسیع دنیا کو چھوڑ کر ایک محدود دائرے میں کام کیا اور جوڈیشری کو چمکا دیا۔ مسٹر جسٹس چوہدری محمد تاج، مسٹر جسٹس محمد یونس سرکھوی نے اس محدود دائرے میں رہ کر اندرہل کی عزت میں اضافہ کیا۔ مسٹر جسٹس قاضی عبدالغفور قریشی ایڈووکیٹ بیک وقت مصنف، مؤلف اور عالم فاضل بھی تھے۔ ان کو ملازمت بہت تھوڑی مدت کی ملی لیکن نیک نام لے کر ریٹائر ہو گئے۔ مسٹر جسٹس ریاض نے بھی عدلیہ میں خوب نام کمایا۔ اور عدلیہ میں اصلاحات نافذ کیں جو پہلے کوئی نہ کر سکا تھا۔

حنیف شہید اور بشارت شہید

میر پور میں ڈوگرہ راج سے برادری ازم کو وبائی امراض کی طرح پھیلایا گیا تھا۔ ڈوگرہ راجہ کی سو سالہ حکمرانی نے جٹ اور راجہ کا سوال پیدا کر رکھا تھا۔ ڈوگرہ حکومت ختم ہو گئی لیکن

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تاریخ میں ایک سنہری واقعہ بھی گزرا ہے جب قبائلی تعصب اور برادری ازم کی جڑ پھینک دی گئی تھی لیکن ان کے وارثوں نے اسے بڑی مضبوطی سے پالا پوسا۔ محمد حنیف شہید اور بشارت شہید دونوں نوجوان تھے۔ ان کی پرورش دو مختلف خاندانوں میں ہوئی۔ اور وہ انگلستان کی فضا میں پروان چڑھے اور ایک یادگار واقعہ چھوڑ کر شہادت کا بلند مقام پا گئے۔ ایک کی پرورش جاٹ گھرانے میں ہوئی تھی جو پلاک، چکسواری کا تھا دوسرے کی ایک شیخ برادری نے پرورش کی تھی جو چک دیاراں علاقہ ڈڈیال کا رہنے والا تھا۔ یہ دونوں بمشکل اٹھارہ بیس سال کے تھے کہ بھارت نے حملہ کر کے پاکستان کے مشرقی حصے کو الگ کر لیا تھا اسے بنگلہ دیش بنا دیا تھا جو بنگالیوں کی مانگ تھی پاکستان کی فوجوں کی شکست انتہائی ذلت آمیز تھی۔ جنرل نیازی جو اپنے آپ کو شیر کہلاتا تھا اس نے سارے تمغے اور ہتھیار وغیرہ جنرل اروڑہ کے آگے رکھ دیئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے منہ پر ایک بنگالی نے جوتا بھی مارا تھا۔

بنگلہ دیش پر فوج قابض تھی اور پاکستانی فوج کے دستے کیمپوں میں لے جائے گئے۔ بنگالیوں نے ان کے خلاف جنگی جرائم کے تحت مقدمات چلانے کا اعلان کر رکھا تھا۔ 95 ہزار کے قریب فوجی اور غیر فوجی قیدی بن چکے تھے۔ پاکستانی فوج کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ وہ ہوائی جہازوں کے اڈوں اور دوسری جگہوں پر پہنچ کر رہائی کا مطالبہ کرتے تھے ہمارے بچے واپس لاؤ ہمارے جنرل ہمارے حوالہ کرو۔ ہمارے ابو ہمیں دکھاؤ، فوجی جوانوں کی بیگمات کتبے اٹھائے

مطالبات دوہراتی تھیں اور دنیا کے ملکوں سے مدد کے لئے فریاد کرتی تھیں۔

ان دو بچوں نے یہ منظر دیکھا۔ دونوں دوست تھے، ایک ہی ملک کشمیر کے رہنے والے تھے انہوں نے انڈین ہائی کمشنر میں داخل ہو کر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں کے پاس کھلونے والے پستول تھے۔ برٹش فوج اور پولیس جو انسانی زندگیوں کو بڑی اہمیت دیتی ہے اس نے بے انتہائی بے رحمی کے ساتھ ان کے قبضہ کرنے پر فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ وہ شہادت پا گئے۔

یہ واقعہ ایسے وقت میں ہوا جب دنیا میں 1971ء کو جنگ کا شور پڑا ہوا تھا ان دو شہیدوں اور غازیوں کے تابوت لائے گئے راولپنڈی اور اسلام آباد میں ہیروز کے قبرستان موجود ہیں سب لوگ چاہتے تھے کہ ان ہیروز کے ساتھ ہی ان دو بچوں کو دفن کیا جائے لیکن پاکستان بھر اور پاکستان سے باہر جہاں بھی کشمیری رہتے ہیں ان کا مطالبہ تھا کہ ان کو ان کے آبائی ملک کشمیر میں دفن کیا جائے۔ اخبارات میں ان بچوں کے بارے میں مختلف کہانیاں لکھنا شروع کر دی گئی تھیں۔ پولیس کے لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان کو پونچھ کے شہری قرار دے رہے تھے۔

میر پور کے لوگ جگہ جگہ جلسے کر کے ان کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ برطانیہ سے میرے نام پر اخبارات میں خبریں آئیں اور تاریں بھیجیں گئیں اور فون پر رابطہ قائم ہوئے کہ دونوں بچوں کی کسی جگہ بھی قبریں بنائی جائیں وہ اکٹھی ہونی چاہییں۔ اور سب سے بہتر جگہ میر پور کا مرکزی مقام عیدگاہ ہے ہم حیران تھے کہ مرنے والے دوست تھے وہ اکٹھے بیٹھے تھے اور کھیلتے رہتے تھے۔ اور انہوں نے اکٹھے مل کر پلان تیار کیا تھا کہ وہ انڈین ہائی کمیشن پر قبضہ کر کے دنیا کو یہ توجہ دلائیں گے کہ بھارت کا بنگلہ دیش پر حملہ ننگی جارحیت تھی۔

پاکستان ایک آزاد ملک تھا اور اس کو الگ ملک کے طور پر مسلمانوں نے کروڑوں انسانوں کی زندگیاں قربان کرا کے حاصل کیا تھا۔ بھارت اس زخم کو بھرنے کے لئے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ، روس اور دوسرے ملکوں کی بھارت کو امداد حاصل تھی وہ پاکستان کے شکست کھا جانے کو تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ قرار دیتے تھے۔ ٹائیگر جنرل نیازی کو دھوکے میں رکھ کر جنرل یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کی سازش نے بھارت کو کامیاب کر دیا ہے۔ اور اسلام کی تاریخ کو مسخ کر ڈالا گیا۔ مسلمان شکست کے لفظ سے ناآشنا تھے۔ وہ میدان جنگ میں شہادت قبول کر لیتا ہے۔ لیکن شکست ماننے کو قطعاً تیار نہیں ہوتا۔

مسز اندراہ گاندھی کا یہ فقرہ کہ اس نے دوقومی نظریہ کو ہمیشہ کے لئے خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے وہ اس خواہش سے ناچ رہے تھے کہ ان دونوں نوجوانوں کو انتقام کی آگ میں شعلہ زن کر دی۔ وہ چھوٹے تھے لیکن شیر کے بچوں کی طرح انڈین ہائی کمشنر کے دفتر میں چھلانگیں لگاتے ہوئے پہنچ گئے اور سارے دفتری عملہ کو بے بس کر دیا اور زمین پر سب کو لٹا دیا۔

برطانوی پولیس کو کسی نے خبر دی تو اس نے بدوں تحفظات کے اس پر چڑھائی کر کے ان دونوں بچوں کو شہید کر دیا۔شہادت کے بعد ان کے چہروں پر مسکراہٹ کھل رہی تھی وہ اندھیری راتوں میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگے۔اور آسمان سے ستارے بھی چمک چمک کر ان کا استقبال کرنے لگے۔ان دونوں کو یہ ضرورت نہ تھی کہ وہ کس جگہ دفن ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے تھے۔لیکن ان کے ہم وطن ابھی تک برادریوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کی برادریاں ان کو اپنا اپنا آدمی سمجھ کر الگ الگ ڈھول پیٹ رہی تھیں۔

ہمیں جب یہ علم ہوا کہ انہیں ایک جگہ دفن نہیں کیا جا رہا ہے تو ہم نے کوششیں شروع کر دیں میں اور صوفی محمد زمان مرحوم سب سے پہلے چوہدری نور حسین کے پاس گئے اور ان کو اس تاریخی نوعیت کے اقدام کو سمجھانے کی کوشش کی وہ بڑی مشکل سے مان گئے کہ اگر مرحوم بشارت شہید کی والدہ مان جاتی ہے تو وہ بھی ساتھ دیں گے ہم پلاک چلے گئے وہاں ان کی والدہ اور دوسرے لوگوں سے تعزیت کی۔بشارت شہید کی والدہ کو اس سنہری واقعہ کا آنے والی نسلوں پر جو اثر پڑے گا اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگی وہ اس طرح وہ اپنے شہید بیٹے کی شکل نہیں دیکھ سکے گی۔

جب اسے بتلایا گیا کہ ان کے شہید بیٹے کو پہلے پلاک لایا جائے گا آپ کے پاس رہے گا۔اور پھر ہم میرپور شہر میں جنازہ پڑھ کر ان دونوں کو شاہانہ طریقہ سے جو شہدا کی عزت اور وقار کے مطابق ہوگا میرپور میں دفنا دیں گے اور پھر ہر سال میلے لگا کریں گے اور یہ دِن ہر سال منایا جاتا رہے گا شہیدوں کو لاکھوں سلام............!!!

ماں نے ہماری باتیں سنیں اور وہ مان گئیں بعد میں ان کی برادری کے آدمیوں نے ان کا ارادہ تبدیل کر دیا اور ہم ہر طرح کی کوششوں کے باوجود ناکام ہو گئے۔جس کا نتیجہ پہلی برسی کے موقعہ پر ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔افسوس ہمیں مرتے دَم تک رہے گا جب قوم کی قسمت ساری مخلوق ادا نہیں کر سکتی اس کی قدر اپنے عزیز واقارب کے ہاتھوں کس طرح کم ہوگئی لیکن ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ضلعی انتظامیہ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے بڑی خوشی سے عیدگاہ میں ان کی آرام گاہ بنانے کے لئے ہم سب کا ساتھ دیا۔راولپنڈی، میرپور، پلاک میں تاریخی نوعیت کے جنازے پڑھے گئے جلوس نکالے گئے پھولوں کی پتیاں بکھیری گئیں سارے راستے خوشبودار ہوائیں چلتی رہیں۔عزیزم افتخار احمد انصاری لاؤڈ سپیکر پر آزادی کی نظمیں

شہیدو تم پر لاکھوں سلام

پڑھتے رہے۔راجہ کرنل راجہ عدالت خان میرے پاس آئے تو مجھے انہوں نے بیٹے کے خوش الحان ہونے کی مبارک باد دی اوران دو بچوں کے بارے میں مجھے کہا افسوس ہے کہ ان کے ہاتھوں کوئی کافر نہ مرسکا وہ کھلونا پستول لے کر گئے تھے۔لیکن دِنوں کے بعد انہوں نے شہیدوں کی دیکھ بھال اوران کے گھروں میں آنے جانے والوں کی نسبت کمیٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔غازی الٰہی بخش مرحوم نے ان کے تیسرے ساتھی دلاور خان کے نام ڈگری کالج منسوب کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ دلاور ابھی جوان ہے کیا پتہ کہ زندگی میں وہ کیسے کیسے عمل کرے گا تو اسے التوا میں رکھا جائے۔

میرپور شہر کا بچہ بچہ، بوڑھے، جوان،عورتیں، مائیں اور بہنیں ان کی بہادری کے قصے سناتی رہیں وہ کل بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں اور وہ کل بھی زندہ ہوں گے ان کے تاریخی جنازہ کو کندھا دینے کے لئے ہر شخص اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ ملک عبدالمجید ایڈووکیٹ، چوہدری عبدالمجید، محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ محمد صابر انصاری ایڈووکیٹ محمد شریف طارق ایڈووکیٹ، پیر علی جان وغیرہ اور کالج کے نوجوان پیش پیش تھے۔

محاذ رائے شماری کو توڑنے کے لئے پاکستان کی نوکر شاہی پوری طرح کوشش کرتی رہی اور اس نے یہی راہ تلاش کی کہ نیشنل لبریشن فرنٹ کو اپنایا جائے کیونکہ اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھ سکتی تھی۔ دوسری طرف محاذ رائے شماری کو خود بخود ان کی اپنی جماعت میں نیشنل کانفرنس میں مدغم کر دیا گیا تھا۔ یہ دہلی ایکارڈ کی وجہ سے تھا۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ کشمیری بھارت کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔لیکن یہ پرامن جدوجہد غیر مسلح ہوگی۔

اس پار بھی محاذ رائے شماری کے دو گروپ بن گئے تھے ایک گروپ کا نام فریڈم فائیٹرز رکھا گیا تھا۔صوفی محمد اکبر مرحوم پیش پیش تھے۔لیکن شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی موجودگی میں ان سے مقابلہ کسی بھی میدان میں مشکل تھا۔ برطانیہ میں مرزا محمد افضل بیگ نے ہماری رائے سے اتفاق کیا تھا کہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل نہ کیا جائے کیونکہ یہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی محاذیوں کی پہچان ہے۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ محاذ رائے شماری کے ٹوٹ جانے کے بعد ان کے بیٹے نے تین دن تک کھانا نہیں کھایا وہ خود بھی بڑے غم زدہ رہے۔لیکن بدلتے حالات کے تحت انہیں شیر کشمیر کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔

نیشنل لبریشن فرنٹ بھی بڑی مقبول ہوچکی ہے۔اور اس پار سب جانتے ہیں کہ محاذ رائے شماری کے جانثاروں کا گروپ ہے۔اس کی پہچان باقی رکھنے کے لئے جس طرح جماعت چل رہی ہے اسی طرح چلاتے۔انہیں میں کئی تاریخی موڑ آتے ہیں ہم پھر اسی نام پر اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ دوسرا کوئی نام بھی ریاست کی تقسیم کا سبب بنے گا اس کو آنے والے سیلاب کے رُخ موڑنے کے بجائے چلتے جایئے۔ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں۔

محاذ رائے شماری کی تنظیم کے سلسلے میں ہم کیتھلے یو کے گئے تھے۔ وہاں پر ڈاکٹر محمد بشیر انصاری نے ایک عیسائی عورت کو بطور زوجہ رکھا ہوا تھا ان دونوں کو میرے سمجھانے پر تیار ہونا پڑا اس گوری عورت نے اسلام قبول کر لیا ان دونوں کا نکاح ان دونوں کی مرضی اور خوشی سے میں نے پڑھایا تھا۔ جو بطور مسلم جوڑے کے زندہ رہے یا نہیں البتہ ڈاکٹر محمد بشیر وفات پا چکے ہیں۔ وہ بڑا بہادر اور نیک دل انسان تھا۔ اس نے محاذ رائے شماری کی بہت خدمت کی وہ کشمیر کی آزادی کا پروانہ تھا۔ اس شمع آزادی کے پروانے کو دِل کا عارضہ لے بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتیں بھیجے۔ بلیک برن میں ہم نے ڈاکٹر محمد بشیر اور عبدالخالق انصاری کے تعاون سے محاذ کی برانچ قائم کی۔ محاذ رائے شماری کو کرامت حسین جیسا سرگرم رکن ملا تھا۔ جس نے آزادی کے لئے بہت کام کیا۔ وہ ماسٹر الف دین پوٹھہ شیر کا بیٹا تھا۔ یہ سب لوگ اس میں شامل ہو گئے۔

سیاکھ کے محمد رمضان مغل تو عوامی کانفرنس سے لے کر محاذ رائے شماری تک اگلی صفوں کے رہنما رہے۔ انہوں نے تنہا کئی جگہوں پر محاذ کو منظّم کیا اور ہمارے دشمنوں کو کھلم کھلا للکارتے رہے کہ وہ ان کے مقابلے کے لئے آئیں گے تو بچ کر نہیں جا سکتے۔ بہت بہادر، جوشیلا، مخلص، جانباز ساتھی محاذ رائے شماری کا انتہائی قیمتی اثاثہ ہے۔ اب تو جی ڈی خان جیسے عوام اور غریب پرور شخص بھی دنیا سے رخصت ہو گئے انہیں مسجدیں آباد کرنے اور یتیموں کی مدد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ضلع میر پور کو بھمبر کے مزدور اور بھیڑیں چرانے والے بڑے لوگوں کی تعداد نے اس ضلعے کی معاشی اور اقتصادی حالت بدل کر رکھ دی انہوں نے یتیم غریب، مسکین اور محتاج لوگوں کو امریکہ جیسے جگہ پر پہنچایا ان کو کارخانوں میں کام کرنے کی جگہ دلوائی۔

ان کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ وہ متضاد طبیعت کے مالک تھے جنرل ایوب جیسے آدمی نے ان کو اپنے دوستوں کی صف میں جگہ دے رکھی تھی وہ بدوں کسی اجازت کے جہاں چاہیں ان سے ملاقات کر لیتے تھے۔ 2009ء فروری کے آخری عشرہ میں وہ عمرہ کر کے گھر پہنچے تو تقریباً چھ گھنٹوں کے بعد وفات پا گئے۔ وہ لبریشن لیگ کے حامیوں میں سے تھے لیکن ہمارا ساتھ بھی پوری طرح دیتے رہے وہ دل کے بیمار تھے۔ لیکن عمرہ کے ارکان بڑے اکرام سے ادا کرتے ہوئے اپنے کنبہ کے عزیزوں، محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما حاجی محمد نذر انجم، محمد نجیب صاحب، خوشنود نجیب اور محاذ رائے شماری کے مرکزی رہنما محمد مسکین ان کے ساتھ واپس آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو اپنی راہ میں قبول فرمائے۔ انہوں نے امریکہ میں شہریت حاصل کر لی تھی اور ان کا ایک بیٹا تو غالباً امریکی فوج کے کسی بڑے عہدے پر متعین ہے۔ مسٹر جی ڈی خان گرفتاری سے بچنے کے لئے دھان منڈی میں پناہ لینے آئے تھے۔ دوسرے دِن عدالت میں پیش ہوئے تو عدالت نے انہیں بدوں ضمانت، مچلکہ رہا کر دیا تھا۔ اسی مسجد کے ضمن میں جھگڑا تھا جو مرکزی عیدگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسٹر جی ڈی خان کے ایک بزرگ حاجی محمد ابراہیم

صاحب ہیں اور سیٹھ محمد شریف بزاز اور حاجی محمد نجیب وغیرہ ہیں جنہوں نے آزادی کے پودے کی آبیاری کی اور ان کی اولادیں اس نیک راہ پر چلی آ رہی ہیں۔

انہوں نے بھی اس راہ میں بڑی قربانیاں دیں۔ حاجی محمد نذیر انجم ان کروڑوں انسانوں میں سے ایک ایسے خوش نصیب انسان ہیں جنہیں بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا گیا۔ اور ساتھ لے جا کر نوافل پڑھائے گئے میں اس روز طواف کر رہا تھا اور حاجی صاحب خوشی سے اشکبار تھے یہ دروازہ کھلتا ضرور ہے لیکن اس میں سعودی شاہ اور دوسرے ملکوں کے مہمان حکومتوں کے سربراہ بھی اندر جاتے ہیں اور جا کر نوافل ادا کرتے ہیں۔ یہ اس روز زیر تعمیر تھا اور اس کی تعمیر کے لئے ضروری سامان اندر لے جا رہا تھا۔ تو وہ بھی ان مزدوروں کے ساتھ اندر چلے گئے اور زندگی کی سب سے بڑی خواہش اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی تھی۔

دھان منڈی کا نام پاکستان اور حکومت کی ایجنسیوں نے اس لئے رکھا ہوا تھا کہ اس جگہ کے رہنے والے تقریباً 99 فیصد لوگ ریاست کی آزادی، خود مختاری کے حق میں تھے وہ نہ صرف حق میں تھے بلکہ بوڑھے، بچے اور جوان اس کی راہ میں پولیس تشدد برداشت کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی جگہ صوفی محمد زمان مرحوم اپنے بھائی عبدالجبار بٹ کے ساتھ رہتے تھے وہ زندگی بھر جیلیں کاٹتے رہے۔ میرے گھر پر نہ صرف چھاپے مارے جاتے تھے بلکہ گرفتاریاں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ افتخار انصاری، طارق محمود، حالد محمود ناصر سعید انصاری، شہزار انصاری یہ ظلم اور مظارے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ بچوں کو دیواروں پر اشتہار لگاتے دیکھتے تو ان کی پٹائی ہوتی، جیلوں میں بھیج دیتے۔

اسی جگہ کامریڈ محمد حسین مرحوم رہتے تھے۔ جنہیں مسجد میں اذان دینے کے جرم میں پکڑ کر لے آئے اور 80 سالہ بوڑھے مجاہد کو حراست میں رکھا اور اس روز حکومت نے دفعہ 144 لگا رکھی تھی مسجدوں کو بند کر دیا گیا تھا۔ کامریڈ محمد حسین کو ان کالے قوانین کی کہاں پرواہ تھی۔ وہ صبح سویرے مسجد میں اکیلے گئے۔ پولیس دوڑتی ہوئی ان کے پاس مسجد B/4 میں پہنچ گئی۔ اور انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور بلدیہ کے سکول میں لے آئے۔ کامریڈ محمد حسین مرحوم کا یہ باغیانہ فعل بیک وقت پولیس اور ملازم کی حکومت کے خلاف تھا۔

حاجی محمد لطیف صاحب بڑے مخلص اور عوامی کانفرنس اور محاذ رائے شماری کے بانیوں میں سے تھے ہے۔ ان میں سب نے اپنا رول نبھایا تھا۔ یہ لوگ دھان منڈی کے قرب و جوار میں ان کی نسلیں رہائش پذیر ہیں۔ آگے چلے جائیں تو حاجی محمد صادق ٹھیکیدار اور چوہدری محمد رفیق چیئرمین کا زندگی میں سوائے آزادی کے حصول کے اور کوئی نظریہ نہ تھا۔ باپ بیٹا پوتے اس راہ میں گولیاں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے ان کے ساتھ حاجی محمد بشیر تبسم کا گھر ہے۔ وہ تو محاذ کے ابتدائی ستون ہیں۔ ان کے بیٹے ظہیر نصیر اور حمزہ اور چھوٹے بچوں نے اس راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں ان کے ساتھ ہی چوہدری

علی محمد کا گھر ہے۔ یہ ہماری میٹنگوں کے لئے ہمیشہ خالی رہا۔

وہ ملازم تھے اور بیٹے بھی ملازم تھے لیکن فریڈم فائیٹرز کا ساتھ دینے کی وجہ سے وہ پولیس کو ہمیشہ کھٹکتے رہے ان کے ساتھ مسٹر منشا، لالہ محمد اسلم، عبدالواحد ارشد اور چوہدری راج محمد کے مکانات ہیں۔ جو ہمیشہ فریڈ فائیٹرز کی پناہ گاہ رہے ہیں اس سے آگے نوید بٹ جو کہ صوفی محمد زمان مرحوم کا بھانجا ہے اس کا گھر ہے اس گھرانے نے بھی بہت سے مصائب اور تکلیفیں جھیلی ہیں۔ اسے اور عبدالقیوم انصاری میر ارشد خواجہ محمد رفیق امتیاز خواجہ ساجدالرحمٰن کو پولیس اشتہار لگانے کے جرم میں پکڑ کر لے جاتی رہی اور تھانہ میں روزانہ کی بنیاد پر ان کی پٹائی کی جاتی تھی۔

مغرب کی طرف جائیں تو آپ کو ایک گھر عالم الدین کا بھی ملے گا جن کے بیٹے پوتے، پڑپوتے تک یہ ظلم سہتے چلے آرہے ہیں آگے حضرت مولانا عبدالغنی مرحوم کا گھر ہے جو فریڈم فائیٹرز کا گھر تھا۔ برطانیہ میں حاجی آفتاب، محمد سلیم انصاری، محمد نعیم انصاری اور ان کے قبیلہ کے تقریباً تمام افراد جن کے نام حافظہ میں باقی نہیں۔ انہوں نے اس راہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر جانی اور مالی قربانیاں دیں۔ ان کے ساتھ ہی عبدالمجید انصاری محمد حسین انصاری، محمد پنوں، محمد بشیر انصاری، محمد معصوم انصاری، محمد مسکین، محمد یونس انصاری، حافظ عبدالقیوم محمود نظامی، خادم حسین انصاری، حاجی محمد دین اور بہت سے سرکردہ لوگ تھے۔ جن کا مرکز بھی دھان منڈی تھا۔ چوہدری محمد شہباز خان مرحوم، چاچا سلطان محمود، جناب ڈاکٹر محمد امین ان کے تمام بیٹے، طاہر امین، سائین وغیرہ یہاں اکٹھے ہوتے تھے۔

دوسری طرف میرے دیرینہ ساتھی رفیق کار اور آزادی کے شیدائی بہادری میں کوہِ ہمالیہ سے بھی بلند جناب کامریڈ عبدالعزیز گوڈری کی رہائش گاہ ہے۔ جہاں ان کے بیٹے رہائش پذیر ہیں۔ جناب کامریڈ عبدالعزیز عوامی کانفرنس کی بنیاد رکھنے والوں میں شامل تھے اور پھر آخری دَم تک محاذ رائے شماری سے وابستہ رہے۔ یہ اڈہ خودمختار کشمیر کے حامیوں کا ہے۔ کامریڈ عبدالعزیز، کامریڈ محمد حسین، چوہدری عبدالغفور اور چوہدری عبدالخالق ارائیں، عوامی کانفرنس کے بانی ممبروں میں تھے۔ اور محاذ رائے شماری کو مضبوط بنانے میں پورا تعاون کیا۔

ایجنسیوں نے اس کو اس لئے دھان منڈی قرار دیا تھا کہ یہ خودمختاری کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ میری آخری ملاقات جی ڈی خان سے مکی مسجد میں ہوئی وہ اس وقت علاج کے لئے گئے تھے مکی مسجد کی بنیاد رکھنے والوں میں جی ڈی خان اور ان کے کنبہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس وقت بھی بلاہ گالہ کے میرے عزیز عبدالقیوم قمر ایڈووکیٹ کے بھائیوں کے انتظام و انصرام۔ اس مسجد میں پاکستانیوں و کشمیریوں کے علاوہ دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کو بھی ایک مرکز پر لا کھڑا کر دیا ہے اس کے آج کل خطیب غالباً صدر انتظامیہ کمیٹی علامہ حافظ محمد صابر ہیں، پاکستان، ہندوستان، مصر ممالک کے جید علماء کی وجہ سے اس مسجد کے حاضرین کسی گروہ بندی میں شامل ہو کر اسلام کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

مکی مسجد کے معاونین میں کشمیر، فلسطین، اریٹیریا، الجزائر اور دیگر ممالک کی بہت خدمت کی ہوئی ہے۔ زلزلہ زدگان آفت زدگان کے لئے بہت محنت کی ہے میں تقریباً دس سال امریکہ میں رہا ہوں وہاں ہر سال اقوام متحدہ کے اجلاس کے موقع پر کشمیر کی آزادی کے لئے مظاہرے کئے جاتے رہے۔ اور میں ان میں شامل ہوتا رہا۔

محمد صابر حافظ کی ذاتی کوششوں سے امریکہ کے بہت سے سیاست دانوں کو کشمیر کے متعلق معلومات بہم پہنچا رکھی ہیں۔ اس میں کبھی شیعہ علماء جماعت کراتے ہیں یہ حنفی اور اہل حدیث کا یہ مرکزی مقام ہے۔ حافظ صابر صاحب نے بہت اچھی طرح لوگوں کو اکٹھے کر رکھا ہے پھر بھی انتظامی امور مل جل کر چلانا ہوگا۔ حاجی محمد صادق بلاہ والے بھی مکی مسجد کی بنیادیں رکھنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ سیاسی جماعتیں جب کبھی بھی انقلابی قدم اٹھاتی ہیں تو ان میں سے ایسے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جو گرفتاریاں بھی پیش کرتے ہیں اور پھر حکومت سے معافی مانگ کر پلاٹ وغیرہ دیگر مفادات حاصل کر کے باہر آجاتے ہیں۔ ان کا مقصد حکومت کو تقویت پہنچانا اور انقلابی قدم کو ناکام بنانا ہوتا ہے۔ چار جماعتی اتحاد میں ایسے لوگ بھی بڑھ چڑھ کر گرفتاریاں پیش کرتے رہے جن کو حکومت کی امداد حاصل تھی۔ کچھ لوگ جیل جا کر درخواستیں دیتے کہ ان کو رہا کیا جائے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے جو اپنے رشتہ داروں کے عدالتی عہدے پلاٹ اور دوسری ہر قسم کی رعایتیں حاصل کر لیتے تھے۔

ان ایمان فروشوں کی وجہ سے چار جماعتی اتحاد کو نقصان بھی بہت پہنچا کسی نے عدلیہ میں عہدہ حاصل کر لیا کسی نے انتظامیہ میں اپنی برادری کے لوگوں کو پلاٹ اور رعایتیں دلائیں ایک دل خراش واقعہ میں ضرور سنانا چاہوں گا۔

مسلم کانفرنس کے ایک صف اول کے رہنما اس وقت میجر جنرل حیات کو مل رہے تھے اور روپوں کی تھیلی پیش کر کے ان کو تعاون کا یقین دلاتے تھے۔ اس واقعہ کا بڑا گہرا اثر مسلم کانفرنس کے چوٹی کے رہنماؤں پر پڑا۔ ہم سب لوگ رہا ہو کر آزاد کشمیر کے رہنما آزاد کشمیر کے سابق صدر غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان کے گھر اکٹھے ہوئے سردار عبدالقیوم خان، چوہدری نور حسین صاحب سابق صدر آزاد مسلم کانفرنس اور ایک سابق سینئر وزیر بھی تھے۔

وہاں محاذ رائے شماری کے محمد عظیم دَت نے ہر ایک کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ بہادر نوجوان ارادے کا پختہ اور عزم کا پہاڑ ہے۔ اس نے میٹنگ میں تجویز پیش کی کہ ہر جماعت کو اپنے اندرونی صفوں میں شامل منافقین کے گروہ کو نکال دینا چاہیے اس طرح پارٹیوں کی تطہیر ہوگی۔ سب کی خواہش تھی پارٹیاں پاک وصاف ہوں۔ محمد عظیم دَت نے یہ بھی کہا کہ کوئی ایسا شخص جو کسی پارٹی سے نکالا گیا ہو اسے دوسری پارٹی جماعت میں شامل نہ کرے۔ اب اسی حالت میں لوگوں کے لئے کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے یا تو وہ اپنی پارٹی بنا لے یا لبریشن لیگ میں شامل ہوں گے۔ اس وقت لبریشن لیگ چار جماعتی اتحاد میں شامل نہ تھی۔ لیکن اس کی ہمدردیاں جمہوریت کے لئے چار جماعتی اتحاد کے ساتھ تھیں۔ اس طرح ہمارا سیاسی

کردار نکھر جائے گا کہ ہم سب اپنے جماعتی نظم و نسق کے پابند ہوں گے۔ سردار محمد ابراہیم خان جو نہ صرف جمہوریت کے حامی تھے بلکہ جمہوریت کی بحالی کے لئے آزاد کشمیر میں تحریکیں چلاتے رہے ہیں وہ مارشل لاء اور فوجی عدالتوں کے کسی بھی طرح بھی حامی نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس نوجوان کے اس نظریہ کی تائید کرتا ہوں۔

ہمیں ایسا ضرور اقدام اٹھانا چاہیے کشمیر کی تاریخ میں بہت اہم اور انقلابی قدم ہوگا اور آنے والی نسلوں کے لئے رہنمائی کا کام دے گا وہ بات کر رہے تھے کہ چوہدری نور حسین نے پر زور الفاظ میں تائید کرتے ہوئے سردار محمد عبدالقیوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت جب ان کا ایک ساتھی جنرل حیات کے ساتھ کھڑا ٹی وی کے سامنے فوٹو بنوا رہا ہے۔ تو پارٹی کے نوجوان شرم سے اپنا منہ چھپائے پھر رہے تھے۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جنرل حیات کے خلاف چار جماعتی اتحاد کے لیڈروں میں بھی کوئی ذاتی مخالفت نہ تھی وہ ذاتی طور پر دلچسپی رکھتے تھے اور اس کی کارکردگی پر بھی خوش تھے۔ مگر نظام کی تبدیلی کے خواہش مند تھے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سردار عبدالقیوم خان نے خصوصی طور پر راقم کو مخاطب کرتے ہوئے مجلس کو بتایا اور کہا کہ انصاری صاحب کے لئے ایسی کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ گھٹیا ترین لوگوں کو اپنی صفوں میں شامل نہ کریں۔ لیکن مسلم کانفرنس کا معاملہ اس کے برعکس ہے مسلم کانفرنس کو ہر صورت وزارت بنانی ہوتی ہے اس کے لئے ووٹوں کی ضرورت ہے ایسے لوگوں کو شامل کر کے ہم وزارت حاصل کر لیتے ہیں اس کے برعکس ان کو نکال دیا جائے تو مسلم کانفرنس حکمران جماعت کے نام کی عزت سے محروم ہو جاتی ہے اس پر معاملہ ختم ہو گیا۔

لیکن تمام جماعتوں کے ارکان میں یہ باتیں پھیل گئیں ہمارا تجربہ ہے کہ جو لوگ مستقل مزاج نہیں ہوتے وہ ہر وقت کشتی کو ڈانواں ڈول رکھتے ہیں انہیں ملک و قوم اور برادری سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی وہ پیٹ سے بولتے ہیں، پیٹ سے سنتے ہیں، اور دیکھتے ہیں۔ ان نقائص کے باعث آزادی کا جہاز سمندر میں ڈوب رہا ہے۔ اس کو بچانے کیلئے نوجوانوں کو آگے بڑھ کر ایمان و عمل صالح کے قرآنی حکم پر عمل کرنا ہوگا۔

میں جب پہلی بار سنٹرل جیل مظفر آباد لے جایا گیا تو اس وقت جیل کے داروغہ یا نائب چوہدری جلال تھے وہ میرے پرانے ساتھی کلاس فیلو تھے قاسم ظفر کے گاؤں کے گردونواح کے رہنے والے تھے۔ وہ میرپوری ہونے کے ناطے میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے وہ جیل میں جو سہولتیں فراہم کر سکتے تھے وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی کہ وہ مشکل وقت پر کام آئے اور اس طرح مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر مختلف لوگ میری مدد کو آئے اور آگے بڑھتے رہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد تھی کہ لال کرتی تھانہ دار بھی میرا کلاس فیلو تھا۔

اس طرح بہت سے مقامات پر میری مدد ہوتی رہی جیل میں نعیم انصاری جیل سپرنٹنڈنٹ تھے وہ عہدے کے

لحاظ سے ڈپٹی سیکرٹری ہیلتھ سروسز تھے اور آزاد کشمیر جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ۔ انہوں نے میری گرفتاری ایک انتقامی کارروائی سمجھ رکھی تھی انہوں نے بھی جیل میں اپنے اختیارات کو بڑے فیاضانہ طور پر استعمال کیا اور بہت سی رعایتیں دی گئیں جن کا میں قانونی طور پر حق رکھتا تھا لیکن حکومت نے چھین رکھی تھیں۔

اس وقت مجھے راجہ خالد اکبر یاد آ رہے ہیں وہ بطل حریت کا اکلوتا بیٹا ہے ساری عمر تدریس میں گزاری اور ایک بہترین استاد اور ہونہار قابل فخر استاد تھے۔ ان کے ہزاروں شاگرد، ڈاکٹر، وکیل، جج بن چکے ہیں، وہ ہمیشہ میرے لئے قابل عزت رہے اور پوری زندگی میرے ساتھ رہے وہ ملنسار اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ آج بھی وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اس بڑھاپے میں بھی وہ اپنے عظیم باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سرگرم رہتے ہیں اور ہر سال ادارہ خدمت خلق کی طرف سے بطل حریت راجہ اکبر کی برسی بڑے شان وشوکت سے بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ہیں۔ بے شمار دفعہ مقبوضہ کشمیر سے بطل حریت کے جانثار سپاہیوں کو مدعو کر کے میرپور لاتے رہے ان میں قابل فخر کرشن دیو سیٹھی، وید بھسین قابل ذکر ہیں۔

ان برسیوں پر مقبوضہ کشمیر کے دوسرے رہنما بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔ ان میں جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین یٰسین ملک قابل ذکر ہیں محمد یٰسین ملک نے جب بھی پاکستان کے دورے پر آئے وہ ہمیشہ میرے ساتھ ملاقات کے لئے آتے رہے۔ اور جموں وکشمیر کی آزادی کے معاملات پر بات چیت کرتے رہے۔ وہ مقبوضہ کشمیر میں اس وقت نظریہ خودمختاری کشمیر کی قیادت والے رہنما کے طور پر ابھرے ہیں۔ ہماری دعائیں اور ہمدردیاں اس نوجوان رہنما کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب وکامران کرے۔ یہ نوجوان باحوصلہ، جرأت مند دکھائی دیتا ہے۔ اور قید و بند غالباً اس کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ میں ان کی زندگی کے لئے ہمیشہ دعاگو رہا ہوں اللہ تعالیٰ اس کے حوصلوں کو جوان رکھے، آمین!!!

1992ء میں سیلاب کی تباہی

قومی خدمات کے سلسلہ میں ہمارے محاذی دوست پیش پیش رہے۔ سال 1992ء میں منگلا ڈیم میں سیلاب کی وجہ سے پانی اچھل کر باہر نکل آیا تھا۔ بہت سے گاؤں اور بستیاں زیر آب آ گئیں، ان سیلاب زدگان کی امداد کے لئے محاذی ساتھیوں نے پارچات اور ضروریاتِ زندگی سیلاب زدگان کی مدد کے لئے وقف کر دیں تھیں۔

افضل پور کے علاقہ میں لوگوں کو خوراک بہم پہنچائی گئی اس کے لئے بڑے بھائی مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم اور طارق محمود اور خالد محمود انصاری نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور محاذ رائے شماری کے قومی خدمت و بہبود کے لئے بڑے اہم کام سرانجام دیئے۔ شکر گڑھ کا علاقہ سیلاب کی زد میں آ گیا تھا۔ لوگ بھوکے ننگے، پیاسے اونچے اونچے ٹیلوں پر بیٹھے رات

گزارتے تھے۔ان کے لئے میرپور سے امدادی رقوم اور سامان اکٹھا کیا گیا اس کے لئے بڑے بھائی مولانا عبدالغنی انصاری نے خالد محمود انصاری،محمد سلیم مرزا کے بیٹے ممتاز مرزا نے دن رات کرکے امدادی رقوم اکٹھی کیں اور سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اس جگہ پہنچے جہاں دو پارٹیوں کے درمیان انتخابات کا تنازعہ تھا۔وہ آپس میں دن رات فائرنگ کررہے تھے۔راستے مسدود تھے کیونکہ خالد محمود کے کچھ دوست کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے ان کو ساتھ لیا تھا وہاں جا کر اپنے ہاتھوں رقوم پارچات دالیں کپڑے بستر رضائیاں،تلائیاں،کمبل تقسیم کرکے واپس آئے۔سب لوگ حیران تھے کہ جان پرکھیل کر یہ لوگ غریبوں کی امداد کے لئے پہنچ گئے۔اس طرح وہاں کے مقامی رہنما نے ٹیم کی مدد کی خواہش کی۔لیکن مولانا عبدالغنی مرحوم نے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے بعد ان کا شکریہ ادا کرتے رہے۔لیکن امدادی رقوم تقسیم کی گئیں انہیں کہا کہ انہیں ووٹ حاصل کرتے کا ذریعہ نہ بنایا جائے یہ آپ لوگوں پر کسی کا احسان نہیں ہے۔

یہ انسانی فریضہ ہے جو ہم نے ادا کیا ہے اس طرح 1992ء بارڈر لائن پر فارورڈ کہوٹہ کے لئے سامان اکٹھا کیا گیا۔اس قافلہ میں طارق محمود انصاری بھی تھے۔انہوں نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر اپنے ہاتھوں سے سارا مال تقسیم کیا۔چوہدری عبدالمجید وزیراعظم آزاد کشمیر اس وقت کابینہ میں وزیر تھے وہ بھی وہاں پہنچ گئے انہوں نے سارا مال تقسیم کیا ان پر کچھ ایسے مشاہدات دیکھنے میں آئے کہ انسان کو حوصلہ ملنے کے بجائے دل شکنی ہوتی ہے۔

جب یہ مال اکٹھا کیا جارہا تھا تو عبدالشکور کھوکھر ایڈووکیٹ صاحب بھی گاڑی میں سوار تھے راقم جناب محمد عبدالخالق انصاری کے ساتھ بیٹھے ہوئے چندے کی اپیل کے لئے نکلے تو انہیں طعنہ دیا گیا کہ اپنی کمپنی کی مشہوری کے لئے باہر آئے ہیں۔انہوں نے ان طعنوں کی پرواہ نہ کی خود سارا سامان اکٹھا کیا اپنی نگرانی میں نئی رضائیاں،تلائیاں وغیرہ بنوائیں اور نئے کمبل اکٹھے کئے گئے۔چوہدری عبدالمجید کی وجہ سے وہاں ساری پولیس موجود بھی انہوں نے کہا کہ پولیس کے ملازم دور ہٹ جائیں۔چوہدری عبدالمجید کہنے لگے کہ مجھے پتہ ہے کہ یہ میرے ایک دوست کے بیٹے ہیں۔وہ ایک نامور پولیس آفیسر تھا۔وہ نام کے بھی لال خان تھے۔اور ہماری اسی سوسائٹی میں جوہر اور موتی تھے۔اس کے باوجود انہوں نے اپنے ہاتھ سے مال تقسیم کیا اس روز اتفاق سے ممتاز حسین راٹھور مرحوم کی والدہ کی برسی تھی اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔سب نے خوشی کا اظہار کیا۔

ایک عجیب مشاہدہ یہ ہوا کہ جب مال اکٹھا کر کے چلنے لگے تو دس ہزار روپیہ کی کمی تھی اس کو روپیہ اکٹھا کرنے کے لئے نکلے تو راقم کے ایک دوست تھے ان کو یہ خیال تھا کہ وہ اکیلے رقم دے دیں گے اگرچہ انہوں نے رقم مانگی نہ تھی لیکن ابھی پہنچے ہی تھے۔کہ انہوں نے اپنے ملازم کو دس ہزار روپیہ دے کر بھیجا اور کہا کہ دوسری جماعتوں کے لوگ لے گئے ہیں آپ دیر سے آئے لوگوں کو مایوسی ہوئی اور آگے چلے تو محمد صدیق بھٹی جو وہاں کے رہنے والے تھے انگلینڈ سے آئے ہوئے

تھے۔انہوں نے ہمارے قافلے کو خود کھڑا کیا اور ہمارے مانگے بغیر دس ہزار روپیہ ہمیں دیا۔

2005ء کے حالیہ زلزلہ میں محاذ کے رہنماؤں نے ہر جگہ اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔امریکہ میں زلزلہ زدگان کی حمایت کے لئے امدادی فنڈ زاکٹھے گئے گئے۔برطانیہ میں ہمارے عوام نے ہر قسم کی امداد پہنچائی تھی۔

محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ اور محمد بشیر تبسم نے خود اسلام آباد، مظفرآباد، راولاکوٹ، باغ وغیرہ میں جا کر اپنی نگرانی میں اشیائے ضرورت تقسیم کیں۔ان کی مالی امداد بھی پہنچاتے رہے کئی کئی خاندانوں کو پورے پورے سال کے لئے ہر ماہ باقاعدگی سے مالی مدد اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرتے رہے۔امریکہ میں طارق خالد اور منظور جنجوعہ کے دوسرے بہت سے لوگوں نے جن میں چوہدری کرم داد بھی شامل ہیں اس سلسلہ میں میں ہاتھ بٹایا۔محمد صدیق مرزا اور ان کے ساتھیوں نے برطانیہ میں گھر گھر جا کر چندے اکٹھے کئے۔

میرپور میں ناصر سعید انصاری نے یہ امداد اٹھمقام تک جا کر پہنچائی اور بڑی خوشی کے ساتھ فرض سمجھتے ہوئے اس فرض کو نبھایا۔جہاں حکومت نے لوگوں کی مدد کی وہاں ناصر سعید انصاری میاں محمد شفیق،محمد امین انصاری، ساجد الرحمٰن نے بھی اس میدان میں بہت کام کیا۔

محاذ رائے شماری کے کارکنوں نے خالصتاً انسانی ہمدردی کے تحت ہر جگہ اور ہر مقام پر پہنچ کر دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بنالیا ہوا تھا۔آگے بڑھ کر حصہ لیا اور اب بھی بڑھ چڑھ کر بدوں معاوضہ خدمت انسانی میں مصروف ہیں۔منگلا ڈیم کی تعمیر سے لے کر حالیہ اپریزنگ تک ان محاذی ساتھیوں نے جیلیں کاٹیں پولیس کی لاٹھیاں کھائیں ٹارچر برداشت کئے اور جلاوطنی کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

میرے بڑے بھائی کزن مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم کے بعد یہ میدان خالی نظر آرہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حاجی آفتاب احمد انصاری اب بھی بلوچستان سرحد، سندھ اور پنجاب کے متاثرہ علاقوں تک بہ نفس نفیس جاتے رہے کہیں یہ امدادی رقوم برطانیہ میں قائم ایک ٹرسٹ اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ جس کے چیئرمین مولانا محمد ابراہیم ہیں اکٹھے کر کے تقسیم کرتے رہے ہیں۔اس ٹرسٹ کے چیئرمین نامور پرانے محاذی رہنما مولانا محمد ابراہیم ہیں۔جو برطانیہ کی مسجد کے خطیب معلم اور دوسری اصلاحی کمیٹیوں کے عہدے دار ہیں وہ آج بھی اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہاں تک کہ بلوچستان کے علاقہ جعفرآباد، سرحد کے نوشہرہ، چارسدہ، پشاور، پنجاب کے مظفرگڑھ، ڈیرہ غازی خان جام پور، آزاد کشمیر کے باغ، مظفرآباد، راولاکوٹ میں جاتے رہے ہیں۔حضرت قاری محمد اعظم صاحب بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔

بلوچستان کوٹلی، باغ، میرپور، چارسدہ، نوشہرہ، ڈیرہ غازی خان، جام پور کے کنوئیں وغیرہ موقعہ پر ان کی خدمات کی شہادت دے رہے ہیں۔لیکن یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔رمضان شریف میں فوڈ پیکج اور عید پیکج پر مختلف مذہبی

تہواروں پر سامان وخوردونوش مقامی غریبوں، یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور بے سہارا لوگوں اور بیوگان میں تقسیم کرتے ہیں۔

1953ء سے ہی جبکہ میں نے عملی سیاست میں قدم رکھا۔ ہمیں مالی پریشانی نے کبھی باہر نہ نکلنے دیا۔ مالی پریشانی کا یہ حال تھا کہ کوئی پمفلٹ پوسٹر تک شائع نہیں کرسکتے تھے اور دوسری طرف حکومت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ حکومت نے پریس ایڈوائزری جاری کررکھی تھی۔ ملک میں پریس کو ایڈوائزری دی گئی تھی کہ وہ عوامی کانفرنس اور پھر محاذ رائے شماری کی خبریں شائع نہیں کریں گے۔ عوامی کانفرنس کے دور میں یہ سختیاں اپنے عروج پر تھیں۔ پریس کے لوگ ہمارا لکھا ہوا مواد ہی دیکھ کر گھبرا جاتے تھے۔ ان دِنوں خفیہ ذرائع سے اپنا کام جاری رکھنا ہوتا تھا۔

میرے ساتھیوں کو یہ علم تھا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ جب چند ساتھی برطانیہ گئے تو میرے بھائیوں اور عزیز رشتہ داروں نے اپنے طور پر فنڈز اکٹھے کئے اور ہم نے سائیکلوسٹائل مشین خریدی۔ محاذ رائے شماری کے لئے اپنا لاؤڈ سپیکر بھی خریدا گیا تھا۔ میرے بھائیوں نے عزیزوں نے بار بار لکھا کہ یہ عوامی کانفرنس کے لئے چندہ نہ تھا یہ صرف میری ذات کے لئے بھیجا گیا تھا۔ میں نے اسے عوامی کانفرنس کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اوراس طرح قومی کام لیتے رہے یہ مشن بھی محاذ رائے شماری کی تحویل میں تھا۔ میری غیر حاضری میں یہ مشین میرے اپنے ساتھیوں نے جو کہ سوشلزم کا کچھ زیادہ ہی پرچار کرتے تھے وہ سوشلسٹ دوستوں کے خفیہ دستاویزات کے لئے استعمال کرتے رہے۔ اور سی آئی ڈی سے بچنے کے لئے انہوں نے مختلف جگہوں پر چھپا کررکھا تھا۔

بالآخر یہ مشین بھی غائب کردی گئی۔ محاذ رائے شماری کا جو فنڈز ہوتا تھا اسے اپنے ساتھیوں سے لے کر خرچ کرتی رہی لیکن یہ بات ایک ایسی تحریک کو کیا دے سکتی تھی جو شروع سے لے کر آخر تک اپنے کارکنوں کی روزمرہ کی کمائی پر انحصار کرسکتی تھی۔ برطانیہ میں ہمارے ساتھی مجھ سے ناراض ہوتے ہیں۔ ان کو یہ تسلی دے کر راضی کرتا کہ یہ قربانی ہے جو اس راہ میں دینی پڑتی ہے اللہ تعالیٰ سے جزائے خیر کی توقع رکھنی چاہیے۔

اس دور کے علمائے کرام کی کاوشیں

پرنسپل محمد صدیق مغل کے والد مولوی عبداللہ اور مولوی فضل دین بھٹی وکیل اوران کے بزرگوں نے مل کر علم کی شمع کو روشن رکھا۔ ڈھلہ کے مولوی محمد بشیر نے مسجد اہل حدیث کے خطیب کے فرائض سنبھال رکھے تھے۔ ان کے والد کے مشہور ولی اور علم دوست تھے جب بھی ملتے تو مجھے فبأیِّ حدیث بعدہٗ یُؤمنون ☆ سناتے۔ اکثر سورۂ یوسف پر میرے ساتھ بڑی محبت سے بحث کرتے تھے۔ اکال گڑھ میں میرے اور ایک ساتھ محمد حسین بھٹی تھے جو آخر دم تک میرے ہمسفر رہے۔ میرے ساتھ ان کا پیار تھا۔ اور وہ زندگی بھر اس محبت کو پالتے رہے۔

پوٹھہ کے ماموں شیر عالم بھی وسیع المطالعہ تھے۔ان لوگوں نے علاقے میں دین اسلام کی خدمت کی تھی بڑ بن کے مولوی محمد ابراہیم بڑے مشہور تہجد گزار اور نیک شخص تھے۔انہوں نے بڑ بن اور چکسواری کے علاقہ میں مولوی کرم الٰہی کے ساتھ مل کر بہت کام کیا۔مولانا محمد یوسف فاضل دیوبند تھے ان کے مدرسے سے ہزاروں شاگرد فیض یاب ہوئے وقت کے کامل ولی تھے۔مولانا غلام حسین کلیال چک سواری میں ہوتے تھے۔

میرے دونوں بھائی مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم اور مولانا غلام نبی انصاری مرحوم ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔اور سلائی کا کام بھی سیکھتے تھے۔اس وقت کے علماء کا شیوہ یہ تھا کہ وہ تعلیم کے ساتھ ذریعہ معاش بھی مہیا کرتے تھے۔حضرت مولانا حیات علی چشتی نے مدرسے کھول رکھے تھے جہاں دیسی طریقہ علاج کی تعلیم بھی دیتے تھے مولانا عبداللہ سیاکھویؒ ان تمام اداروں کا معائینہ کرتے رہتے تھے۔ ہمارے ڈنڈے والے مولوی عبدالغنی بہت مشور عالم تھے اور وہ پردے کی بہت ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

مولوی سلطان احمد ڈھلہ کے مولوی تھے، مسجد اہل حدیث کے امام تھے، اپنے زمانے کے وہ ولی گزرے ہیں ان سب نے اسلام کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔جب ہم فارورڈ کہوٹہ سے غربا میں رضائیاں وغیرہ تقسیم کر کے ہمراہ ریسٹ ہاؤس پہنچے ہم نے پہلے اپنے لئے جگہ ریزرو کروا رکھی تھی۔لیکن چیف سیکرٹری آزاد کشمیر کا کرتا دھرتا اور سب سے بڑا حکمران ہے اس کو پتہ چلا تو اس نے ایک کمرہ ہمارے لئے خالی کر دینے کی پیشکش کی۔ لیکن ہمارے بڑے بھائی مولانا عبدالغنی اس پیشکش کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔

انہوں نے واپس آنے کی ضد کی وہاں اس دوران ایک مولوی صاحب آئے جنہوں نے سول سروس کا امتحان دے رکھا تھا۔اس نے انٹرویو کے دوران چیئرمین نے پوچھا کہ قیامت کی کیا کیا نشانیاں ہیں؟۔مولوی صاحب بڑے حق گو تھے ان کے خلاف حکومت مقدمے بناتی رہتی تھی۔ وہ اٹھا چیف سیکرٹری چیف جسٹس نے انگلی اٹھائی تو اس کو کہنے لگے ایک اور قیامت کی نشانی ہے کہ وہ وقت بھی آئے گا کہ جب چیف جسٹس اَن پڑھ ہو کر علماءِ کرام سے انٹرویو لے گا انہوں نے اسے کہا کہ یہ بڑی نشانی ہے۔

دوسرے دن چیف جسٹس نے انہیں پھر دفتر میں بلایا اور نوکری کا پروانہ دیا وہ اب سب جج مقرر کئے گئے ہیں۔ انہوں نے پروانہ ہاتھ میں لیا اور اسے دو ٹکڑے کر کے کہا کہ میں نوکری نہیں کرنا چاہتا وہ اس پر بہت ہنسے ہمیں انہوں نے بہت سے قصے سنائے رات بھر کا سفر کر کے میر پور پہنچے تو ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہمیں شہر کے مقرر سیاسی رہنما ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی جو سردار محمد ابراہیم کی مسلم کانفرنس کے مرکزی رہنما تھے ان کا جنازہ نصیب ہوا۔ہم زندگی بھر سیاسی طور پر ایک دوسرے سے اتفاق نہ کر سکے۔آخر جنازہ میں ہمیں وہ وقت یاد دلایا کہ اب وقت آ گیا ہے معاف کرنے کا وقت آ گیا ہے

موت کے دروازے میں سب غلطیوں کو بھلا دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اسلام، جمہوریت اور آزادی کی جدوجہد کو قبول فرمائے اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے۔

میں ابھی یہ لکھوار ہا تھا ہماری ایک مرکزی شخصیت جو میرا عزیز بھی ہے۔ جسے آج کل ماموں ساجد پکارتے ہیں، یہ محنتی شخص مولانا فضل دین بھٹی وکیل میر پور کی کتاب انقلاب کشمیر لے کر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے اور اس کا خلوص قبول فرمائے یہ میرا بہت ہی پیارا ساتھی ہے۔ یہ دکھ سکھ کا ساتھی ہے اور اس نے قید و بند کی صعوبتیں ہی برداشت ہی نہیں کی بلکہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا نوجوان ہے۔ ارادے کا پختہ، باشعور سیاسی کارکن ہے۔ جو سراپا وفا شعار ایثار پیشہ ہے اس نے میری بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ ہی اس کا اجر اسے دے گا۔ میری دعا ہے کہ زندگی بھر کامیابیاں سمیٹے اور کامیاب و کامران زندگی گزارے۔

میرے اس آزادی کے سفر میں سیکڑوں دوستوں، عزیزوں اور ساتھیوں کی قربانیاں ہیں جنھوں نے دن رات محنت کی مالی قربانیاں دیں اس آزادی و خودمختاری کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی اس طرح یہ درخت تناور درخت بن چکا ہے۔ اس وقت جو ذہن میں چند نام آئے ہیں ان کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ڈڈیال میں ہمارے ساتھیوں میں راجہ فضل الرحمٰن، ماسٹر عطاء اللہ مرحوم، قائد اندرہل چوہدری اللہ دتہ مرحوم، مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم، مولانا غلام نبی انصاری، چچا سلطان محمود، جناب خواجہ محمد شریف صاحب محترم بھائی فضل صاحب، محمد لطیف بھٹی، جناب جمعہ بھٹی، محمد عبدالعزیز بھٹی مرحوم، محمد الطاف انصاری، ڈاکٹر محمد امین، محمد سلطان، راجہ سکندر، خواجہ نذیر اور دیگر درجنوں میرے ساتھی میرے ہم سفر رہے اور قدم قدم پر مجھے ان کی حمایت و تائید حاصل رہی۔

یہ سارے لوگ ایثار پیشہ اور عظیم لوگ تھے جو صرف وطن کی آزادی کی خاطر قربانیاں دیتے تھے۔ ان میں کسی کا کوئی ذاتی مفاد نہ تھا۔ اس وقت ایک مجھے ایک نوجوان یاد آ رہا ہے خواجہ محمد نذیر طالب علم رہنما رہ چکا ہے اور کئی بار اس نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ ڈڈیال میونسپل کمیٹی کا چیئرمین منتخب ہوا۔ تو اس نے کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور آزاد کشمیر میں واحد مثال قائم کی۔ اس نے اپنی چیئرمینی کے دور میں متفقہ قرارداد خودمختار کشمیر کے حق میں پاس کرائی یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ خواجہ محمد نذیر کی نظریئے کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہے ادھر بھمبر میں چوہدری عبدالرحمٰن اور عنایت علی کاشمیری ہمارے ساتھیوں میں شامل تھے۔

عنایت علی کاشمیری کراچی سے لے کر بھمبر، سماہنی تک ہماری پہچان رہے۔ اور چڑھوئی میں عبدالرزاق ماسٹر وغیر محاذ رائے شماری کے ستون تھے۔ عبدالرزاق نے ایک محاذ کے پرچم تلے اسمبلی کی سیٹ کا انتخاب بھی لڑا تھا۔ وہاں وہ محاذ رائے شماری کی پہچان بن چکے ہیں۔ B/3 میں محمد دین ڈار ہماری عوامی کانفرنس میں بنیادی ممبر تھے ان کے بیٹے اصغر

ڈار آج بھی محاذ رائے شماری کا پرچم تھامے ہوئے ہیں یہ انتھک اور محنتی قابل قدر پارٹی کے راہنما ہیں۔

راولاکوٹ میں ہمارے اولین ساتھیوں میں سردار علی محمد عرائض نویس تھے۔ وہ کٹر خودمختار کشمیر کے حامی تھے۔ ان کی شمولیت کے بعد ان کے بھانجے سردار رشید حسرت بھی محاذ رائے شماری میں شامل ہوئے وہ اس وقت ایک مزدور لیڈر کی پہچان بن چکے تھے وہ محاذ رائے شماری کے ستون تھے حقیقی معنوں میں فریڈم فائیٹر تھے۔ وہ محاذ رائے شماری کے مرکزی صدر بھی رہے۔ اور اسی جنگ آزادی کی جدوجہد میں ہم سے بچھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

ہجیرہ میں ہمارے ساتھی سردار محمد حیات خان جناب خلیل قیصر ایڈووکیٹ ہمارے محاذ کے ساتھیوں میں شامل تھے۔ باغ میں ہمارے عظیم ساتھی اور سیاسی رہنما سردار محمد اکرم صاحب تھے۔ باغ ضلع کا سارا بوجھ اور کام انہوں نے سنبھال رکھا تھا۔ اور سردار محمد اکرم نے 1947ء سے جنگ آزادی میں عملی حصہ لیا تھا۔ بڑے بہادر شخص تھے۔ خوف نام کی کوئی چیز ان کے اندر موجود نہیں تھی ان کے سامنے بڑے بڑے لیڈر خوف کھاتے تھے۔ کوئی ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔

مظفر آباد میں ہمارے ساتھیوں جناب میر ہدایت سابق ڈیفنس سیکرٹری آزاد کشمیر اور میر ہدایت اللہ کے بیٹے میر عطاء اللہ بھی بہت پرجوش کارکن تھا۔ ایم اے فاروق ایڈووکیٹ جناب پیرزادہ غلام مصطفےٰ علوی جناب محمد یوسف زرگر، غلام الدین لالہ اور اکبر ارشاد بچھ اور محمد حنیف قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ مظفر آباد کے دو عظیم سپوت بھی یاد آ رہے ہیں۔ ان میں ایک سلیم لون ہیں وہ ہماری جماعت میں ابتدا ہی سے وابستہ تھے قدم قدم پر انہوں نے ہمارا ساتھ دیا۔ گنگا کیس میں یہی نوجوان تھے جنہوں جیل کی دیوار پر چڑھ کر مظاہرہ کیا تھا۔ ستارہ شال والا یاد آ رہے ہیں۔ یہ واقعی چمکتا ہوا ستارہ تھا وہ چلتا پھرتا محاذ رائے شماری تھا۔ وہ تاجر پیشہ تھا اور حلال کی روزی کماتا تھا۔ وہ 2005ء کے زلزلہ میں مظفر آباد میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو نور سے روشن رکھے، آمین۔

ان رہنماؤں کی وجہ سے مظفر آباد محاذ رائے شماری کا گڑھ بن چکا تھا۔ ان سب لوگوں کی دن رات کی محنت کا نتیجہ تھا کہ اب مظفر آباد میں گلی گلی کوچہ کوچہ میں آپ آزادی وخودمختاری کے حامی نظر آئیں گے۔ دیواروں پر نعرے بھی دیکھے جا سکتے ہیں گڑھی دوپٹہ میں ہمارے بڑے دیرینہ رہنما محمد زمان عباسی مرحوم تھے۔ جو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھیوں میں تھے وہ ہماری صفوں میں ہماری رہنمائی فرماتے رہے۔

پشاور میں شہید مقبول احمد بٹ کے علاوہ جی ایم میر ماسٹر مقبول صاحب اور ثناءاللہ خاموش قابل ذکر ہیں مقبول احمد بٹ شہید کے دو بیٹے ہیں۔ بڑا جاوید مقبول تعلیم کے بعد ملازمت کر رہا ہے اس طرح وہ خاندان کی کفالت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے جبکہ دوسرا بیٹا شوکت مقبول بٹ سیاسی میدان میں سرگرم ہے۔ سیاسی طور پر باشعور سیاسی کارکن ہے۔

اور آزادی کی جدوجہد میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ وہ پہلی صفوں میں ہے، اس نے ایل ایل بی کر رکھا ہے۔ اور اس وقت وہ جموں وکشمیر لبریشن کانفرنس کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے رہا ہے جن کا نظریہ آزادی وخودمختاری ہے۔ شوکت مقبول بٹ کو اپنے عظیم باپ مقبول بٹ شہید کے نظریات کے مطابق اس مشن کو آگے بڑھانا چاہیے امید ہے کہ یہ نوجوان اپنی صلاحیتیں اس میں صرف کرے گا سیاسی طور پر وہ ایک باشعور سیاسی کارکن ہے اور قابل فخر بھی ہے۔

جناب جی ایم میر صاحب محاذ رائے شماری کے صدر اور سیکرٹری رہ چکے ہیں انہوں نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ جو نوجوانوں کے لئے کشمیر پر کتابیں لکھ کر رہنمائی فرمائی۔ اور کشمیری نوجوانوں کو اپنے وطن کے جغرافیے سے متعارف کرایا۔ انہوں نے درجنوں کتابیں اس موضوع پر لکھیں اور سینکڑوں کتابچے شائع کرائے راولپنڈی میں ہمارے ساتھیوں میں خواجہ غلام نبی گلکار انور بانی صدر حکومت آزاد کشمیر، میر عبدالعزیز ایڈیٹر انصاف، جناب نعیم قریشی ایڈووکیٹ، جناب اکرام اللہ خان جسوال، جناب عبدالغفار ڈار، غلام حسن اسلام آبادی، بالاجی، غلام احمد بٹ اور ڈاکٹر فاروق حیدر جیسے ممتاز رہنما تھے۔ جو کشمیر کی آزادی کی ہر تحریک میں جن کا نمایاں رول رہا ہے۔ اور تاریخ کشمیر ان لوگوں کو کبھی نہیں بھلا سکتی ہے لاہور ہمارے ساتھیوں محمد سعید شاہ نازکی مرحوم، شیخ شمیم احمد مرحوم، غلام نبی لون، عبدالحفیظ مانس بلی، مرحوم نصیر محمود وانی، عارف کمال بٹ، قیصر محمود، عصمت اللہ ہماری صفوں میں موجود تھے۔ کراچی میں جناب امان اللہ خان، میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان، غلام محمد لون، شیخ عطاء اللہ، غلام محی الدین بانکا، ملک عبدالرشید، صدیق بابا، حاجی عبدالرشید پہلوان کے علاوہ درجنوں کشمیری ہماری تحریک کے بنیادی ستون تھے، ان میں ہر ایک پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

امید ہے کہ آنے والے لوگ ان لوگوں کو خراجِ تحسین پیش ضرور کریں گے۔ اور ان کے بارے میں قلمکار ضرور کچھ نہ کچھ لکھیں گے یہ کشمیر کے سچے موتی ہیں ان ہی کی روشنی سے میرا وطن منور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی جدوجہد کو قبول فرمائے۔

سیالکوٹ میں ہمارے بزرگ ترین رہنما ڈاکٹر غلام احمد جراح، ملک فیض احمد، مجید امجد بٹ، وحید بخاری، ممتاز حیدر، سمنانی ایڈووکیٹ، عبدالعزیز بدروائی قابل ذکر ہیں۔ محاذ رائے شماری کی ابتدا بھی سیالکوٹ ہی سے ہوئی تھی۔ ان ہی دوستوں کی سخت محنت کی وجہ سے ہم سب لوگ اس مقام پر اکٹھے ہوئے تھے۔ اور سوچیت گڑھ جا کر وطن کی مٹی ہاتھ میں لے کر اپنے وطن کی آزادی وخودمختاری کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔

گوجرانوالہ میں ہمارے عظیم محبّ وطن ساتھی جناب نسیم لون کاشمیری تھے وہ صحافی بھی تھے۔ انہوں نے ہماری تنظیم کی حمایت میں قید وبند کی صعوبتوں سے بھی گزرنا گوارا کرلیا تھا۔ جہلم میں تحریک آزادی کشمیر کے صف اول کے رہنما جناب فقیر محمد راجوروی بھی ہماری صفوں میں تھے۔ کوٹلی سے عبدالقیوم ایڈووکیٹ، یورش کاشمیری، خالد کشمیری، مولوی محمد

ابراہیم، جناب سردار محمد شاہ صاحب ظہیر مغل، اور جناب ملک محمد اصغر سیٹھی ہمارے دست و بازو تھے۔ میرپور میں ہمارے سینکڑوں ساتھیوں نے شرکت کی اور ہمسفر بنے۔

اس فہرست میں کامریڈ محمد مقبول خاور مرحوم، صوفی محمد یعقوب ڈھانگری مرحوم، صوفی محمد زمان مرحوم، عبدالجبار بٹ، یوسف ثانی، محمد بشیر تبسم کامریڈ محمد حسین مرحوم، کامریڈ مشتاق، خواجہ امتیاز چوہدری، محمد صادق مرحوم، چیئرمین چوہدری محمد رفیق، مولانا عبدالغنی انصاری، محمد اشفاق انصاری، کامریڈ عبدالعزیز المعروف گوڈری مرحوم، حاجی نذیر انجم، حاجی محمد ابراہیم، صوفی عبداللطیف مرحوم، محمد مسکین جنجوعہ، محمد شریف بزاز مرحوم، محمد نجیب جنجوعہ مرحوم، محمد عجائب جنجوعہ، جناب محترم ماسٹر عبدالرحمٰن مرحوم، عبدالغفور انصاری، نعیم انصاری، فرحت الرحمٰن انصاری، ماسٹر محمد شفیع دَت، جناب محمد عظیم دَت ایڈووکیٹ، محمد عبدالشکور ایڈووکیٹ۔

شیخ محمد اکبر صاحب مرحوم، محمد امین مرحوم، محمد دین پہلوان سابقہ کونسلر میر خالد بشیر، محمد بشیر بھٹی، شیخ عبدالرؤف مرحوم، شیخ فضل الٰہی مرحوم، شیخ عبدالرحمٰن مرحوم، محمد دین بٹ مرحوم، ڈاکٹر عبداللہ انصاری، ڈاکٹر امجد انصاری، محمد گلزار انصاری مرحوم، محمد یونس انصاری، محمد شریف، حوالدار سید محمد مرحوم، محمد عبدالقیوم تبسم، ارشد انصاری، پروفیسر نذیر تبسم، خالد انصاری، محمد اسلم زرگر، محمد صادق صاحب، منظور جنجوعہ، عبدالشکور، ماسٹر ابراہیم، محمد رمضان دَت ایڈووکیٹ، حوالدار سید محمد، راجہ محمد صاحب، فیض عالم صاحب، محمد مطلوب صاحب، حاجی محمد زمان صاحب، اللہ دتہ صاحب، عبدالقیوم قمر صاحب ایڈووکیٹ، محمد شفیق انصاری بھڑکے، عنائت اللہ کامریڈ میاں محمد ابراہیم، محمد خالد، عبدالرب، محمد لقمان مرحوم، عبدالغفور قریشی، مرحوم، محمد ابراہیم، حاجی محمد رفیق انقلابی بن خرماں مرحوم، میر آزاد بصیر، عارف چکسواری، محمد صابر شبیر کھوکھر، جناب ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ مرحوم، محمد دین ڈار، اور ان کے بیٹے اصغر ڈار، خالد جوشی صاحب، چوہدری غلام رسول مرحوم، اسلم جنجوعہ مرحوم اور ان کے علاوہ درجنوں دوستوں کی فہرست ہے جو کہ اس تحریک سے وابستہ رہے۔ اور جانی و مالی قربانیاں دیں۔ تب جا کر یہ آزادی وخودمختاری کا پودا تناور درخت بنا۔

یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ سب ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی خاطر کیا۔ اس کا صلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ اے اللہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں تو سارے جہاں کا رب العالمین ہے۔ چوہدر غلام رسول مرحوم اور محمد اسلم جنجوعہ مرحوم، میرپور میں محاذ کے ستون تھے۔ انہوں نے ڈنمارک میں بھی محاذ کے پرچم کو بلند رکھا۔ اسلم جنجوعہ جوانی میں ہی عوامی کانفرنس میں جیل یاترا کر چکے تھے۔ جبکہ چوہدری غلام رسول تو چلتا پھرتا آزادی کا اشتہار تھے۔ انہوں نے اپنی کمائی کو وطن عزیز کی خاطر بے دریغ خرچ کیا اور مرتے دَم تک آزادی وخودمختاری کے پرچم کو بلند رکھا۔

انگلینڈ میں بھی ہمارے ساتھیوں کی بہت بڑی فہرست ہے۔ ان قابل ذکر افراد کے نام جو میرے ذہن میں

آتے ہیں لکھوادیتا ہوں۔میرے بھائی محمد صدیق مرزا صاحب، عارف انصاری، فضل الٰہی انصاری،مرزا اسلم انصاری، زاہد مرزا، ممتاز مرزا، جاوید فاروقی، بھائی محمد صادق انصاری، عبدالمالک انصاری، محمود الحسن عزیزم عبدالقیوم انصاری، محمد بشیر انصاری، زبیرالحق انصاری، ولایت صاحب، عنایت صاحب، محمد ناظم بھٹی، محمد ریاست، محمد فاضل انصاری، جاوید مرزا، محمد فاروق، مرزا محمد بشیر، محمد امین، ڈاکٹر محمد یٰسین مرزا، آفتاب احمد انصاری، محمد سلیم انصاری، بھائی پنوں خان، ظہور احمد، عبدالمجید انصاری، مرزا غلام حسین جہانگیر مرزا۔

یونس انصاری، محمد معصوم انصاری، حاجی عبدالرحمٰن، چوہدری عبدالغفور، ماسٹر عبدالمجید مرحوم، محمد ایوب انصاری، کامریڈ مشتاق حسین، خواجہ عبدالجبار لندن، ڈاکٹر محمد بشیر، محمد حنیف انصاری، لالہ عبدالرحمٰن، محمد بشیر تبسم گلاسکو، محمد شعیب کھوکھر، بابو عبدالرحیم، نذیر نازش۔محمد حنیف انصاری اور حاجی محمد ایوب قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ ایسے ساتھی اور دوست بھی رہے جن کی ہمیں ہر مشکل میں امداد اور تعاون ملتا رہا۔ان میں ڈڈیال کی عظیم شخصیت مولوی ڈنڈے والے کے فرزند مولوی خلیل، یونس تریابی، اسلم لون، عدالت خان، شمس الرحمٰن، عظمت اے خان، سلطان علی شاہ، راجہ حبیب الرحمٰن ہیں۔ان دوستوں نے اپنے اپنے طور پر تحریک آزادی کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔اور ہمیشہ بلند رکھا یہ لوگ اگر چہ محاذ رائے شماری میں باقاعدہ شامل نہ تھے مگر انہوں نے ہر مشکل میں محاذ رائے شماری کا ساتھ دیا۔اور حقیقتاً انہوں نے قومی فرض ادا کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور دوسرے تمام دوستوں کو ہمت دے اور حوصلے بڑھائے تا کہ یہ لوگ ملک وقوم کی رہنمائی فرماتے رہیں، اٰمین!!!۔

مارشل لا کورٹ کا سزا یافتہ قیدی

سال 1970ء میں مجھے مارشل لاء کورٹ میں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔میرے خلاف الزامات کی طویل فہرست عدالت میں پیش کی گئی تھی، ان کے نزدیک میری تقریر باغیانہ تھی۔حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے، امن اور دفاع کے منافی تقریر تھی، یہ تقریر نہ صرف قابل اعتراض تھی بلکہ قابل تعزیر بھی تھی۔قابل اعتراض جملے میرے حافظہ میں موجود نہیں ہیں۔لیکن ان کا مفہوم یاد ہے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ میں نے کہا تھا کہ............

''گلگت و بلتستان یحیٰی خان کے باوا کی جاگیر نہیں ہے''۔

دوسرے الزامات بھی ملتے جلتے تھے، مثلاً............

☆...... ''گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر میں شامل کیا جائے''۔

☆...... ''گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر اسمبلی اور حکومت آزاد کشمیر کے تمام اداروں، عدلیہ، انتظامیہ اور مقنّنہ میں نمائندگی دی جائے''۔

☆...... کشمیری آزادی وخودمختاری مانگتے ہیں وہ کسی ملک (پاک وبھارت) کے ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہتے۔

☆...... آزاد کشمیر میں آئین ساز اسمبلی قائم کی جائے۔

☆...... وزارت امور کشمیر کا آزاد کشمیر میں عمل دخل ختم کیا جائے۔

☆...... جموں کشمیر سے دونوں ملک اپنی افواج واپس بلالیں۔ ہمیں آقاؤں کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے دوست اپنی مرضی سے چنیں گے۔

☆...... ہم برابری کی سطح پر تعلقات قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔

☆...... پاکستان میں جمہوریت بحال کی جائے۔

☆...... مارشل لاء ختم کیا جائے، پاکستان ٹوٹ رہا ہے۔ اس کو ٹوٹنے سے بچایا جائے۔

☆...... مشرقی پاکستان والوں کو دوسرے درجہ کا شہری نہ سمجھا جائے۔

☆...... آزاد کشمیر اور پاکستان میں انتخابات کرائے جائیں۔

☆...... جموں کشمیری کی ریاست جموں وکشمیر کی وحدت، سالمیت اور آزادی کا سودا کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

☆...... ملک کے اندر خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔

☆...... رہنما جیلوں میں بند ہیں۔

☆...... مارشل لاء ختم کر کے حکومت سیاست دانوں کے سپرد کی جائے۔

میں اس مقدمہ کی تفصیلات قلمبند کرنے سے قبل اس کا پس منظر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ اس دور کے حالات، حکومت کی زیادتیاں ملک میں بدامنی، افراتفری اور خوف وہراس کی ایک جھلک آنے والی نسلیں بھی دیکھ سکیں۔

آزاد کشمیر میں ایکٹ 1970ء کے تحت انتخاب کرانے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اس ایکٹ کے تحت بھی آزاد کشمیر کی حیثیت ایک کالونی کی تھی، ہم نوآبادیاتی نظام کے مخالف تھے، آزاد کشمیر کی تمام جماعتیں اس پر متفق تھیں کہ گلگت و بلتستان کے عوام کو بھی حق رائے دہی دیا جائے اور انہیں بھی ہمارے ساتھ مل کر آزاد کشمیر حکومت بنانے دی جائے لیکن نئے ایکٹ کے تحت بھی گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر سے الگ رکھا گیا اور وہاں کے لوگوں کو حق رائے دہی سے بدستور محروم رکھا گیا۔ محاذِ رائے شماری نے ان انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کرتے ہوئے حکومت پاکستان کو متنبہ کیا کہ گلگت و بلتستان کے کشمیری عوام کو بھیڑ بکریاں نہ سمجھا جائے۔ انہیں بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے نمائندے چن سکیں۔

گلگت و بلتستان میں پاکستانی حکومت کا ایک جائنٹ سیکرٹری کے عہدے کا سرکاری ملازم حکومت کرتا تھا۔ وہ عدلیہ کا سربراہ بھی تھا۔ انتظامیہ بھی اسی کے کنٹرول میں تھی۔ وہ جنگلات کا چیف کنزرویٹر بھی تھا۔ وہاں ہائی کورٹ تک

موجود نہ تھی۔ جنگل کا قانون بشکل فرنٹیر کرائمز ریگولیشن نافذ تھا۔ جائنٹ سیکرٹری کے فیصلہ کے خلاف انہیں پاکستان یا آزاد کشمیر کی عدالت العالیہ میں اپیل کرنے کا حق بھی حاصل نہ تھا۔

میں یہاں ایک ایسا دردناک واقعہ قارئین کو سنانا چاہتا ہوں جو مجھے ہری پور جیل میں ایام اسیری میں معلوم ہوا تھا۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کرسکتا، مجھے خود بھی یقین نہیں آتا تھا کہ دنیا کے کسی گوشے میں بھی ایسی اندھیر نگری ہوسکتی ہے۔ یہ تو ہمیں پتہ تھا کہ پرائمری اسکول کے بچوں نے میر آف ہنزہ کو جب کار پر گزرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے آمریت مردہ باد، مارشل لاء مردہ باد وغیرہ کے نعرے لگائے تھے۔ اور میر نے تمام گاؤں کو اجتماعی جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ جو جبراً وصول کیا گیا تھا۔

اس وقت پاکستان میں مارشل لاء مردہ باد کے نعرے لگ رہے تھے ان نعروں کی گونج کو اونچے اونچے پہاڑ بھی نہ روک سکے تھے۔ ہنزہ اور نگر تک یہ نعرے پہنچ چکے تھے۔ اسکول کے بچے بھی نعرے لگاتے تھے۔ میر آف ہنزہ کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ نعرے دو چار بچوں نے لگائے تھے یا درجن بھر طلباء ہوئے ہوں گے لیکن اسکول کے تمام بچوں کے 9 دیہات والوں پر جرمانہ عائد کر کے جرمانہ وصول کیا گیا تھا۔ یہ بھی ہمیں پتہ تھا کہ ایک پیادہ عدالت یا ایک تھانے کا سپاہی بیگار میں جس کو چاہتا تھا اسے اپنا بستہ یا اپنا سامان اٹھانے کا حکم دے سکتا تھا اور انکار کی صورت میں اسے جیل بھیج دیا جاتا تھا۔

ایسی خبریں ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے تھے اور اپنے جلسوں میں اس کے خلاف احتجاج بھی کرتے رہتے تھے لیکن واقعہ زیر بحث بالکل انوکھا اور ناقابل یقین تھا، لیکن وہ سچا واقعہ تھا۔ ہری پور جیل میں گلگت کا ایک قیدی جو غالباً 6/7 سال قید کاٹ کر قیدیوں کا نمبردار بن چکا تھا۔ وہ میرے پاس آیا اور اس نے اپنا واقعہ سنایا یہ ایک درد بھری داستان ہے دنیا میں اس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہوسکتا۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ............

ریزیڈنٹ اس سے ناراض ہو گیا تھا اپنی ناراضگی کی وجہ سے ریذیڈنٹ نے اسے ایک قتل کا مجرم ٹھہرا کر اسے جیل بھیج دیا تھا۔ نہ کوئی قتل ہوا نہ اس نے کسی کو قتل کیا۔ ریزیڈنٹ گلگت کا بے تاج بادشاہ اور حاکم اعلیٰ ہے اس نے وارنٹ پر دستخط کر کے مجھے ہری پور جیل بھیج دیا تھا۔ گلگت کے وہ قیدی جنہیں سزائے عمر دی جاتی تھی وہ ہری پور جیل میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ سپرنٹنڈنٹ جیل کے نوٹس میں لاتا رہا ہے جو افسر بھی آتے رہے انہیں بھی بتاتا رہا اور آج تک اس کی فریاد پر کسی نے کان نہیں دھرے۔ وہ ہمیں سمجھانے کے لئے قیدی ساتھ لاتا تھا کہ ہم اس کی بات سمجھ سکیں، وہ کہتا تھا............

(میں اپنے لفظوں میں اس قیدی کی فریاد سنا رہا ہوں) الف نے ب کو قتل کیا۔ پولیس نے ج کو پکڑ کر سزا کر دی

یہ ظلم ضرور ہے لیکن جب کوئی قتل ہی نہ ہوا ہو اور ج کو قتل کے جرم میں وارنٹ پر سزا لکھ کر جیل بھیج دیا گیا ہو وہ کتنا بڑا ظلم ہے، وہ نمبر دار قیدی ہمارے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ گلگت کے تقریباً 5/6 درجن سے زیادہ قیدی جیل میں تھے۔ انہیں کسی نے بتایا تھا کہ ہم کشمیر کے سیاسی کارکن ہیں۔ اس لئے وہ میرے پاس آ کر یہ قصہ سناتے تھے اور وہ سب لوگ بھی بدوں کسی جرم کے جیل کاٹ رہے تھے۔

ان قیدیوں کے خلاف جھوٹے گواہ بنائے گئے۔ ان سے شہادت دلوا کر انہیں لمبی لمبی سزائیں سنائی گئی تھیں۔ وہ بھی آ کر نمبر دار قیدی کی کہانی کی تصدیق کرتے تھے۔ اور وہ امید رکھتے تھے کہ ہم ان کی مدد کر سکیں گے۔ ہم یہ سمجھتے رہے کہ وہ ایک طویل عرصہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس عرصہ میں انہیں گلگت جیسے دور دراز علاقے سے کوئی عزیز و رشتہ دار بھی ملنے نہیں آ سکا ہو گا۔ اس لئے ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

نمبر دار قیدی کو ہم نیم پاگل سمجھتے رہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جیل حکام نے بڑی کوشش کی کہ فیصلہ کی نقل مصدقہ مل جائے تا کہ وہ کوئی قانونی کارروائی کر سکیں لیکن گلگت انتظامیہ نے جواب تک نہیں دیا تھا۔ نمبر دار قیدی نے جنگ آزادی کشمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا وہ بڑا ابہادر اور با کردار شخص تھا۔ جیل حکام نے بتایا تھا کہ انہوں نے پشاور ہائی کورٹ میں درخواستیں بھیجی ہیں۔ گلگت انتظامیہ کو بھی بار بار لکھا ہے، حکومت کو بھی درخواستیں بھیجتے رہے ہیں لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ گلگت پشاور ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے۔ گلگت انتظامیہ مصدقہ نقل نہیں بھیج رہی تھی۔ جیل حکام نے اپنے ذرائع سے نقل حاصل کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن وہاں کوئی مثل موجود نہیں تھی۔ جیل حکام نے بتایا کہ حکومت کوئی دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ قیدی کا کوئی سفارشی موجود نہیں ہے۔ اس لئے اگر آپ (ہم لوگ) کچھ کر سکتے ہیں تو اس کی ضرور مدد کریں۔ ہم نے یہ واقعات بھٹو شہید کو سنائے تھے ان کے وزراء کے بھی گوش گزار کئے تھے۔ انہوں نے حکومت سنبھالتے ہی درجنوں لوگوں کو رہائی دلا دی تھی، گلگت کے بارے میں اصلاحات انہوں نے کی تھیں اور گلگت کے لوگ سانس لینے کے قابل ہوئے تھے۔

بھٹو شہید کی حکوت میں میاں محمود علی قصوری مرحوم وزیر قانون تھے۔ انہیں گلگت کے لوگوں کے حالات ان کے وزیر بننے سے پہلے سناتے رہے تھے وہ پاکستان کے پہلے وزیر تھے جنہوں نے گلگت کا دورہ کیا تھا۔ اور ہمارے الزامات کی تصدیق کی تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد یہ واقعات ضبط تحریر میں لا رہا ہوں۔

اب وہاں کے لوگ بیدار ہو چکے ہیں۔ اپنا حق طلب ہی نہیں کرتے بلکہ چھین لینے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ گلگت کو آزاد کشمیر میں شامل نہ کیا جائے بلکہ صحیح مطالبہ یہ ہے کہ آزاد کشمیر کو گلگت و بلتستان کے ساتھ شامل کیا جائے۔ آزاد کشمیر کا رقبہ تو صرف پانچ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے جبکہ گلگت و بلتستان کا رقبہ ستائیس ہزار مربع

میل سے بھی زیادہ ہے۔ یہ کشمیریوں نے خود آزاد کرایا تھا۔گلگت میں صرف گلگت کے عوام، اسکاؤٹس اور ڈوگرہ راجہ کے باغی فوجی جو میرپور، بھمبر اور راجوری سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مل کر ڈوگرہ فوج کو اس علاقہ سے بھگایا تھا۔ پاکستان کی فوج کا کوئی سپاہی، کوئی شہری اور کوئی لشکری ان کی مدد کے لئے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں ہی اپنی آزادی کا جھنڈا لہرایا تھا۔ انہیں آزاد ریاست کے مطالبہ کا حق ہے۔ وہ بھی ریاست جموں وکشمیر کو متحد اور آزاد ریاست دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ یہ حصہ ضمناً درج کیا گیا ہے۔

میں قیدی نمبردار کے ظلم وستم کی داستان سنا رہا تھا اس کے خلاف نہ کسی قتل کی رپورٹ درج کی گئی تھی نہ چالان ہوا تھا۔ نہ عدالت میں اسے پیش کیا گیا تھا۔ نہ اس کے خلاف کوئی گواہ پیش ہوا تھا۔ صرف ایک وارنٹ تھا جس پر ریذیڈنٹ کے دستخط تھے اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ مجرم کو قتل کے جرم میں سزا دی گئی ہے۔ ہری پور جیل کے حکام نے حکومت کے حکم کی تعمیل میں مجرم کو جیل میں رکھنے کے پابند تھے۔

ریذیڈنٹ (Resident) نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے عبرت ناک سزا دی تھی تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چل جائے کہ ''گلگت میں چراغ بیگ آ گیا ہے''۔ کشمیر کی تاریخ کے طلباء ''چراغ بیگ'' کے نام سے اچھی طرح واقف ہیں۔

آزاد کشمیر میں انتخابات کرائے جانے کا اعلان ہو گیا تھا۔ ہم نے اس کے بائیکاٹ کرنے کی تحریک شروع کی تھی آزاد کشمیر کے تمام اضلاع میں جلسے کئے گئے تھے۔ جلوس نکالے گئے تھے۔ اور محاذ رائے شماری کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس گلگت رکھا گیا تھا۔ کشمیر کی یہ پہلی جماعت ہے جس کے رہنما گلگت پہنچے تھے۔

پہلی دفعہ مقبول احمد بٹ شہید، صدر محاذ رائے شماری، میر عبدالمنان مرحوم سیکرٹری جنرل مسٹر امان اللہ خان اور محمد عبدالخالق انصاری (راقم) گلگت پہنچے تو گلگت انتظامیہ نے ہمیں ملک بدر کر دیا تھا۔ دوسری کوشش کی گئی تو مجھے چک لالہ ایئرپورٹ پر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان دوروں کی تفصیلات اپنے اپنے مقام پر زیرِ قلم لائی جائیں گی۔ میں اس وقت مارشل لاء کورٹ میں بحیثیت ملزم کھڑے کئے جانے کا واقعہ سنا رہا ہوں۔

پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ اس ملک میں جمہوریت مستحکم نہ ہو سکی، فوج جس کا فرض ہے کہ وہ سرحدوں پر کھڑی ہو کر ملک کا دفاع کرے، اس کے چند ایک جنرل سرحدوں کو چھوڑ کر ایوانِ صدارت میں کبھی رات کے اندھیرے میں او رکبھی دن کی روشنی میں گھس جاتے رہے ہیں اور پیارے ہم وطنو! کہہ کر قوم کی قسمت کی بھاگ ڈور سنبھالتے رہے ہیں۔ عدالتیں بھی جمہوریت کی غارت گری ہی ہیں۔ فوج ایک مقدس ادارہ ہے۔

لوگ فوج کے خلاف نعرے نہیں لگاتے تھے بلکہ ان جرنیلوں کے خلاف تھے جو سیاسی عزائم رکھتے تھے۔ لیکن

مارشل لاء کی وجہ سے فوج بدنام ہوتی رہی۔ پاکستان دولخت ہوگیا، اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ٹوٹ کر اب پانچویں نمبر پر پہنچ چکی ہے۔ ہماری نسلوں کا مستقبل بھی پاکستان سے وابستہ ہے۔ کیونکہ ایک مضبوط پاکستان ہی کشمیر کی آزادی وخودمختاری کا ضامن ہوسکتا ہے۔ ہم پاکستان کے عوام کے ساتھ مل کر جمہوریت کی بحالی اور مارشل لاء کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ ایبٹ آباد میں محاذ رائے شماری کے زیر اہتمام جلسہ میں مارشل لاء کے خلاف کی گئی تھیں اس تقریر کو بنیاد بنا کر مجھے گرفتار کر کے مارشل لاء کورٹ میں پیش کیا گیا تھا۔

میں نے ریاست جموں وکشمیر کی آزادی وخودمختاری کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ اس کا ضامن مضبوط پاکستان ہی ہوسکتا ہے۔ میرا مطلب واضح ہے یہ ہمارا ایک پڑوسی ملک ہے ہمارے صدیوں پرانے اس کے ساتھ روابط چلے آتے ہیں۔ اگر یہ ملک مضبوط نہ ہوا تو ہمارا ملک بھی سازشوں کا اڈہ بن جائے گا۔ مضبوط پاکستان تو بھارت کی بھی ایک ضرورت ہے۔ اگر اس کا ہمسایہ ملک کمزور ہوگا تو بھارت میں بھی امن قائم نہیں ہوسکتا اس کی سرحدیں غیر محفوظ ہو جائیں گی۔ ہر وقت دہشت گردی اور حملے کا خطرہ رہے گا۔

اور اگر امن نہ ہوا سرحدیں محفوظ نہ ہوں تو ترقی بھی نہیں کرسکتا۔ ہم دونوں ملکوں کے خیر خواہ ہیں اور کشمیر کو دونوں ملکوں کے لئے دوستی کا پل بنانا چاہتے ہیں۔ ہم نے پاکستان میں مارشل لاء کی مخالفت کر کے پاکستان کے سیاست دانوں کے ہاتھ مضبوط کئے تھے۔ اوران کی تحریکوں کو تقویت پہنچائی تھی۔ لیکن فوج کے وہ جنرل جو پاکستان کے حکمران بنتے رہے وہ ہمیشہ ہمارے مخالف رہے ہیں۔ اور میرے خلاف مقدمہ زیر بحث بھی اسی دشمنی کا نتیجہ تھا۔ چک لالہ ایئر پورٹ سے گرفتار کر کے مجھے ایبٹ آباد جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔

مارشل لاء کورٹ کا جو جج مقرر کیا گیا تھا مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا ہے وہ کرنل کیانی تھے۔ ایبٹ آباد کی عدالتوں کے ساتھ ایک الگ کمرہ میں آکر بیٹھتے تھے۔ مجھے ہتھکڑیاں لگا کر جیل سے لے جاتے تھے اوراسی حالت میں مجھے فوجی عدالت میں پیش کیا جاتا تھا۔ میں ملک کی سول عدالتوں میں بھی بحیثیت وکیل پیش ہوتا رہا ہوں۔ بحیثیت مستغیث اور ملزم بھی۔ میرے لئے یہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا۔ لیکن مارشل لاء کورٹ میں پہلی بار پیش ہوا تھا۔

میں اس کا تماشہ بھی دیکھنا چاہتا تھا، مارشل لاء کورت کا بہت شور سنا تھا اب میں تماشائی نہ تھا بلکہ خود تماشہ بن چکا تھا۔ اور ایبٹ آباد کے سینئر وکلا بھی میرا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ سینئر وکلاء اور نوجوان وکلاء بھی میرے ساتھ ملاقات کرتے تھے اوران کی خواہش تھی کہ وہ مقدمہ کی پیروی کریں، لیکن میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا کہ ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں ضرور تکلیف دوں گا۔

کرنل کیانی کورٹ میں جج بن کر بیٹھ گئے میں ملزموں کے کٹہرے میں اطمینان سے کھڑے کھڑے یہ تماشا دیکھ

رہا تھا، فہرست الزامات مجھے مل چکی تھی میں نے اپنا تحریری بیان ایبٹ آباد جیل میں مکمل کر لیا تھا۔ میں مقدمہ کی کارروائی کے آغاز پر بہت متاثر ہوا تھا۔ پراسیکوٹر نے قرآن پاک پر حلف اٹھایا فوجی جج نے بھی قرآن پاک ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو کر حلفاً اقرار کیا کہ وہ ''سچ'' پر قائم رہتے ہوئے بیانات لکھیں گے اور فیصلہ سنائیں گے، میں ان کے حلف کی تلخیص لکھ رہا ہوں۔ اور گواہ کو بھی قرآن پاک دے کر اس سے حلف لیا گیا تھا۔

شہادت ہوتی رہی میں گواہوں کے بیانات سنتا رہا۔ چند ایک وکلاء بھی عدالت میں بیٹھ کر کارروائی دیکھتے اور سنتے رہے میں نے جرح کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ دو چار سوال جرح کے پوچھ لیتا تھا۔ دو تین تاریخوں کے بعد ڈائری نویس بطور گواہ پیش ہوا میں نے اس سے چند ایک ضروری سوالات پوچھے تھے عدالت میں موجود سب لوگ ہنس رہے تھے اور میری ہنسی بھی ضبط نہ ہو سکی تھی۔ کرنل کیانی اپنی ہنسی روکتے رہے۔ اور جب گواہ نے کہا کہ ملزم (راقم) نے تقریر کے دوران کہا کہ بلوچستان ریاست جموں وکشمیر کا جز ولاینفک ہے تو کرنل کیانی نے بھی قہقہہ لگایا۔

میرے خلاف تو سرے سے یہ الزام ہی نہ تھا کہ بلوچستان کو آزاد کشمیر میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مجھے جرح میں یہ سوال پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ گلگت و بلتستان کے متعلق جرح کروں۔ لیکن میں نے اس لئے سوال پوچھ لیا تھا کہ جو تحریری بیان داخل کرنا تھا اس میں تمام الزامات کو درست تسلیم کرتے ہوئے ڈائری نویس کے مہمل اور بے جوڑ جملوں کو میں نے خود درست کر کے اپنے بیان میں لکھا ہوا تھا۔

میں نے جب یہ سوال کیا کہ ''گلگت و بلتستان'' کے بارے میں گواہ کا اپنا علم کیا ہے؟ وہ کہاں واقعہ ہے تو اس نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسے کوئی علم نہیں اور نہ ہی گواہ (راقم) نے گلگت و بلتستان کا تقریر میں ذکر کیا تھا۔ اس پر کرنل کیانی نے استغاثہ کے وکیل کو کہا کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے یہ مقدمہ کیوں رجسٹر کیا تھا؟۔ اب عرصہ ہو گیا تھا، حافظہ میں تفصیلات محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ سب گواہان جھوٹے تھے۔

مجھے اس مقدمہ کے دوران ایک دلچسپ فیصلہ یاد آ گیا تھا۔ جو قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔ کرنل کیانی عدالت میں آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تھے پولیس کانسٹیبل مجھے ہتھکڑیاں لگائے ہوئے جوڈیشل لاک اپ سے لا کر کمرہ عدالت کے باہر پکارنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ وکلاء حضرات بھی میرے ساتھ ''گپ شپ'' لگا رہے تھے اور زور زور سے ہنس رہے تھے۔ ہماری آواز عدالت کے کمرہ میں اچھی طرح سنی جا سکتی تھی، وکلاء نے مجھ سے پوچھا کہ مقدمہ کا کیا فیصلہ ہو گا تو میں نے انہیں ڈوگرہ دور کے ایک مجسٹریٹ کا فیصلہ سنایا تھا۔

یہ واقعہ سچا تھا یا نہیں مجھے علم نہیں ہے، البتہ ریاست میں بہت مشہور تھا۔ کہا جاتا تھا کہ ڈوگرہ نے اپنے کسی جاہل رشتہ دار کو مجسٹریٹ بنا دیا تھا اور راجہ نے اسے سزا دینے کے اختیارات بھی دے رکھے تھے وہ بدزبان مجسٹریٹ تھا، وہ ہر شخص

کو گالی دے کر اس سے بات شروع کرتا تھا۔ وکیل اس کی عدالت میں پیش نہیں ہوتے تھے۔ پولیس بھی حتی الوسع عدالت کے اندر جانے سے گریز کرتی تھی۔ وہ اَن پڑھ تھا۔ امثلہ جات کو دو حصوں میں تقسیم کر کے میز کے دائیں اور بائیں رکھ دیتا تھا۔ ایک طرف رکھی گئی مثلوں کے ملزم کو سزا اور دوسری طرف کے ملزموں کو بری کئے جانے کا فیصلہ سنا دیا کرتا تھا۔ وہ عدالت میں بہت کم بیٹھتا تھا۔ عدالت کا منشی، اہلکار، امثلہ جات پیش کرنے والا کلرک ہی لکھنے پڑھنے کی کارروائی کرتا تھا۔ پولیس ملزم کو اپنی پیٹی سے ہتھکڑی نکال کر ملزم کو عدالت کے اندر بھیج دیتی تھی۔ اور خود دروازہ پر کھڑی رہتی تھی۔ جب ملزم تاریخ بھگت کر دروازہ کے پاس آتا تھا تو ہتھکڑی کی زنجیر اپنی پیٹی میں بند کر کے تھانہ یا جیل لے جاتی تھی۔

ایک دِن ایسا ہوا کہ ایک نامی گرامی ڈاکو کو پولیس ریمانڈ کے لئے ڈوگرہ مجسٹریٹ کی عدالت میں لے گئی، پولیس کانسٹیبل نے کمر سے پیٹی باندھ رکھی تھی اور ملزم کو ہتھکڑی باندھے ہوئے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ وہ مفرور ملزم تھا، اس کے بھاگنے کا ڈر تھا، اس لئے اسے کانسٹیبل کے ہمراہ عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ مجسٹریٹ نے گالی دیتے ہوئے دونوں کو سزا سنا دی............

''ہتھ بندھا ایک سال، لک بندھا دو سال''۔

(جس کا ہاتھ بندھا ہوا ہے اسے ایک سال قید بامشقت اور جس کی کمر بندھی ہوئی ہے اس کو دو سال سزا بامشقت) کی سزا سنا کر انہیں جیل بھیج دیا گیا تھا۔ عدالت کے اہلکار نے مثل پر حکم لکھا اور مثل داخل دفتر کر دی گئی تھی دونوں ملزم جیل میں بند کر دیئے گئے تھے۔

اس فیصلہ کا سارے شہر میں شور ہوا، عدالتوں میں وکلاء اور ججوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ شام کو ڈوگرہ راجہ کو خبر ہوئی تو اس نے مجسٹریٹ سے پوچھا کہ اس نے کیسا فیصلہ سنا دیا ہے کہ ہر طرف شور پڑ گیا ہے۔ مجسٹریٹ نے ڈوگرہ راجہ کو بتایا کہ اس کے پاس جو ملزم بھی پیش ہوتا رہا ہے وہ ہتھکڑی پہنے ہوئے آتا تھا اب اس نے پہلی بار دیکھا تھا کہ ایک ملزم ایسا پیش کیا گیا تھا جس کی کمر بھی باندھی ہوئی تھی اس نے سوچا کہ وہ بڑا بدمعاش ہوگا اس لئے اسے زیادہ سزا دینی چاہیے۔ جو اس نے دی تھی۔

ڈوگرہ راجہ ہنس پڑا، پولیس کانسٹیبل کو رہا کر دیا گیا تھا اور ریاست میں ہتھ بندھا اور لک بندھا فیصلہ ضرب المثل بن گیا تھا۔ جب میں نے وکلاء کو بتایا کہ فوجی عدالت میں مجھے اسی لئے پیش کیا گیا ہے کہ سزا دی جائے اب میں یہ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ مارشل لاء کے دور میں آمروں نے بڑے ظلم ڈھائے ہیں، کچھ گولی سے اڑا دیئے گئے، بعض کو اس بری طرح زودوکوب کیا گیا کہ ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو گئے۔

وکلاء کو جب میں نے فیصلہ کی نسبت سنایا تو سب کھلکھلا کر ہنسے، کرنل کیانی نے بھی یہ ساری باتیں سن لی تھیں

اور جب پکارا کرایا گیا اور مجھے عدالت کے کمرہ میں لے جایا گیا تو انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ میں انہیں یہ لطیفہ سنانے پر مجبور ہو گیا تھا اب باتیں میری ہیں زبان کسی اور کی ہے

تجھے کیا بتاؤں میں ہم نشیں میرے غم کا قصہ طویل ہے
وطن عزیز ذلیل ہے، ہوا غیر جب سے دخیل ہے
ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے نہ دلیل ہے نہ وکیل ہے نہ اپیل ہے

میں نے اپنا تحریری بیان شامل مثل کروا دیا تھا۔ کرنل کیانی نے فیصلہ سنانے سے پہلے مجھے کہا کہ وہ مجھے بری کرنا چاہتے تھے لیکن اوپر سے لکھا ہوا فیصلہ آیا ہے جو وہ سنا رہے ہیں مجھے تین ماہ بامشقت سزا کا حکم سنایا گیا تھا۔ جب انہوں نے مقدمہ کی سماعت شروع کی تھی تو قرآن پاک ہاتھوں میں لے کر حلف لیا تھا، وہ حلف کیوں لیا گیا تھا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟۔ فیصلہ سناتے ہوئے کرنل کیانی بہت شرمندہ ہوا تھا۔ میں نے نقل کے لئے درخواست لکھ رکھی تھی جو عدالت میں پیش کر دی تھی، لیکن کرنل کیانی نے کہا کہ وہ فیصلہ میں صرف گلٹی یا ناٹ گلٹی (جرم ثابت ہے یا جرم ثابت نہ ہے) لکھتے ہیں اس میں اور کچھ نہیں لکھا جاتا ہے اور جب میں نے اصرار کیا کہ جو کچھ بھی لکھا ہوتا ہے اسی کی نقل طلب کر رہا ہوں تو کرنل کیانی نے بڑی مشکل سے درخواست اپنے پاس رکھ لی اور کہا کہ وہ اپنے ''باس'' کو دے دیں گے۔

یہاں میں کرنل کیانی کی ذات سے متعلق مختصراً ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں مجھے علم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے لیکن وہ مجھے انتہائی شریف النفس انسان نظر آیا تھا۔ اس کا برتاؤ سول ججوں سے بھی بہتر ہے۔ وہ بڑے ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا، وہ پیشہ وَر سپاہی نظر آتا تھا۔ جن کے جوہر میدانِ جنگ میں ہی کھلتے ہیں۔ وہ مجھے ایسے لگتا تھا جیسے جماعت اسلامی کا ممبر ہو، نظم و نسق کا پابند ہو، باوضو رہتا ہو، وہ باوضو ہی تو تھا کہ اس نے ہاتھ میں قرآن پاک لے کر حلف لیا تھا۔ لیکن جو اثر میں نے پہلی تاریخ پر لیا تھا وہ فیصلہ کے روز کافور ہو گیا تھا۔ مجھے اس نے بتایا تھا کہ اس نے بڑی کوشش کی تھی کہ مجھے (راقم کو) جیل میں بہتر کلاس دی جائے۔

اس نے کھلی عدالت میں بتایا کہ اس نے اپنے 'باس' (افسر اعلیٰ) کو یہ بھی کہا تھا کہ اگر کوثر نیازی (مولانا کوثر نیازی مرحوم بھی مارشل لاء کے تحت اس وقت جیل میں تھے) کو بہتر کلاس دی جا سکتی ہے تو بقول کرنل کیانی میں (راقم) ان کی نسبت زیادہ اس کا استحقاق رکھتا تھا۔ اور اس طرح معذرت کر رہا تھا کہ جیسا کہ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا ملازم، ماتحت اور فرمانبردار نہیں ہے بلکہ وہ میرے ماتحت ہے، میں اس کی شرافت، حق گوئی اور نیکی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، میں نے جب یہ کہا کہ مجھے آپ (کرنل کیانی) کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہے تو اس کے چہرے کا رنگ نکھر گیا تھا، وہ بھی

خوش تھا اور میں بھی خوشی خوشی ہری پور جیل میں پہنچ گیا تھا۔

میں نے مارشل لاء کورٹ میں جو تحریری بیان دیا تھا، وہ ''آزادی کا مجرم'' کے نام سے چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔ اس بیان کو پڑھ کر اس وقت کے حالات کا صحیح طور پر تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ میں کب تک ایبٹ آباد جیل میں رہا۔ اب مجھے یہ یاد بھی نہیں ہے۔ ایبٹ آباد جیل کا داروغہ/ سپرنٹنڈنٹ جو ایک پرانا ملازم تھا اس نے مجھے ''تنہائی'' کی دولت سے کیوں نوازا تھا مجھے نماز کے بعد قرآن پاک کا درس دینے سے نہیں روکا تھا۔ سزا یافتہ قیدی اور زیر سماعت مقدموں کے قیدی میرے حلقہ درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اس جیل میں رہ کر مجھے بہت سے تجربات حاصل ہوئے تھے جن کا یہاں تذکرہ کرنا غیر ضرورت سمجھتے ہوئے انہیں چھوڑتا ہوں۔

ہری پور جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی بڑا تجربہ کار اور زیرک آدمی تھا، مجھے جب اس کے دفتر میں لے گئے تھے تو اس نے صرف ایک ہی سوال کیا تھا کہ جیل میں کتنی بار آئے ہو؟ اس وقت تک غالباً میں ایک درجن کے لگ بھگ یا اس سے زیادہ بار جیلوں میں جا چکا تھا۔ میرے بتانے پر اس نے مجھے جیل کے اہلکار کو حکم دیا کہ وہ مجھے اس کمرہ میں لے جائے جہاں شیخ رشید بند تھے۔ شیخ رشید میرے پہنچنے سے چند گھنٹے پہلے کسی دوسری جیل میں بھیج دیئے گئے تھے۔ انہیں بھی مارشل لاء کی خلاف ورزی کے جرم میں قید رکھا گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل پھانسی کی کوٹھڑی میں میرے پاس آیا اور اس نے قیدیوں سے میرا بستر وغیرہ اٹھوایا اور مجھے بی کلاس کے قیدیوں کی بیرک میں لے گیا۔ ہری پور جیل میں یہ بیرک خاص طور پر سیاسی قیدیوں کے لئے ڈاکٹر خان مرحوم نے بنوائی تھی۔ اس بیرک میں برصغیر کے کئی مرکزی رہنما رہ چکے تھے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو سے لے کر سردار عبدالرشید نشتر تک کو اس بیرک میں رکھا گیا تھا۔

یہ اخلاقی قیدیوں سے الگ تھلگ ہے اس کا ماحول بڑا پرسکون ہے، اس جیل میں تین چار ہزار کے قریب قیدی ہوتے ہیں پنجاب اور سرحد کے علاوہ دوسرے صوبوں کے قیدی بھی لائے جاتے ہیں۔ جیل کے اندر ایک بازار بھی ہے جہاں ہر چیز مل سکتی ہے گلگت کے قیدیوں کو میرے پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ میرے پاس آئے اور انہوں نے ملاقات کے دوران بتایا کہ سگریٹ، شراب اور ہر نشہ آور چیز یہاں مل سکتی ہے۔ اور وہ مجھے لا کر دے سکتے ہیں۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں سگریٹ تک نہیں پیتا ہوں۔ اور ان کا شکریہ ادا کیا تھا وہ میرے ہم وطن تھے اور انہیں وطن کی جیل بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

جیل کے اندر جو بازار تھا وہ قیدیوں کے زیر انتظام تھا۔ جیل کا عملہ قیدیوں کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ قیدی جیل حکام کی اجازت سے نشہ آور چیزیں، ہیروئین، بھنگ، شراب وغیرہ نہیں پیتے تھے بلکہ ان سے چوری چھپے یہ اشیاء باہر سے

منگوا لیتے تھے۔ جیل کے عملہ کو علم ہوتا تھا لیکن وہ جیل میں امن قائم رکھنے کی خاطر اغماض برتتے تھے۔ اور قیدیوں پر سختی نہیں کرتے تھے۔ بی کلاس کی بیرک میں جا کر مجھے کئی مہینوں کی تھکن دور کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

ہم محاذ رائے شماری کے کارکن الیکشن کے بائیکاٹ کی مہم میں اتنے مصروف تھے کہ دن رات اس تحریک کو بڑھانے کے لئے محنت کرتے چلے آتے تھے۔ دن کو جلسوں سے فرصت نہ ملتی تھی، رات کو وفود آ کر ملتے تھے۔ اچھی طرح سونا بھی نصیب نہ تھا۔ اب جا کر تھوڑا سا وقت ملا تھا جو ہمارے لئے باعث غنیمت تھا۔ تحریک آزادی میں جیل جانا پڑتا ہے۔ جیل منزل نہیں ہے بلکہ منزل کی طرف جاتے ہوئے راستہ کا ایک پڑاؤ ضرور ہے۔ جیل ستانے اور تھکن دور کرنے کی جگہ ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز جلالی مرحوم بھی اسی جیل میں تھے اور وہ سی کلاس کے قیدیوں کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ غالباً مارشل لاء کورٹ نے انہیں بھی قید بامشقت کی سزا سنائی تھی اور وہ قید کاٹ رہے تھے میں نے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ جیل حکام نے انہیں بھی ہمارے پاس پہنچا دیا ہمارے لئے الگ الگ کمرے تھے۔ ہم اپنے کمرے رات کو بھی بند نہیں کرنے دیتے تھے۔ اپنی عادت کے مطابق سوتے اور جاگتے تھے۔

بیرک میں ایک دو پٹھان قیدی بھی تھے۔ ایک کا نام غالباً عارف کمال تھا۔ دوسرے کا نام بھول گیا ہوں۔ مولانا عبدالعزیز جلالی مرحوم راولپنڈی کی کسی جامع مسجد کے خطیب اور امام تھے۔ عارف کمال صوبہ پختون خواہ کے ایک مشہور وکیل کے بیٹے تھے جو ابھی اسکول میں پڑھتے تھے کہ ان کے ہاتھوں ایک شخص قتل ہو گیا۔ ان دونوں کے نام اس لئے یاد ہیں کہ ہماری تحریک کے ساتھ ان کا ذکر آ رہا ہے۔ دوسرے پٹھان نے جیل میں اپنی تعلیم جاری رکھی تھی اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی تھی، وہ ایک پروفیسر تھے اور انہیں ہری پور کالج میں زیرِحراست پڑھانے کے لئے لے جایا جاتا۔ اب ان کی قید کی میعاد ختم ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وہ سخت اداس اور پریشان تھے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ اب جبکہ اسے آزادی ملنے والی ہے وہ گھبرا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟۔ انہوں نے اپنی بڑی دردناک داستان سنائی تھی۔ اگر میرے حافظہ نے کوتاہی نہیں کی تو اس کا خلاصہ یوں ہے کہ ان کی طویل قید کے دوران ان کی ایک بڑھیا ماں جو باقی رہ گئی انہیں جیل میں اسے ملنے کے لئے آیا کرتی تھی۔ وہ آزادی کے بعد ماں کی صورت بھی دیکھنے سے محروم ہو جانے کے خوف کی وجہ سے اداس تھے۔ اس پٹھان نے اپنے قبیلہ کی یہ صفت بتائی تھی کہ ان کا قبیلہ ان کا خاندان جب تک قاتل کو خود اپنے ہاتھوں قتل کے بدلہ میں قتل نہ کر دے وہ چین سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ قاتل و مقتول ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ عدالت کے فیصلہ اور سزا کو اپنی حق رسی نہیں سمجھتے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ سرحد میں اپنے گھر جب بھی جائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا اس لئے اسے لامحالہ دور دراز سندھ کے کسی نامعلوم مقام کی

طرف جا کر بقیہ زندگی گزارنی پڑے گی جہاں اسے اس کی ماں نہ مل سکے گی۔ اس لئے سزائے عمر کاٹنے کے باوجود بھی وہ آزاد نہیں ہوگا۔ پٹھانوں کے قبائل نسل درنسل انتقام لینے کے ''اعزاز'' سے محروم ہونا نہیں چاہتے، اور آج تک یہ جذبہ انتقام ہی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ایک سپر طاقت بھی شکست سے دوچار ہوئی تھی۔ اور اب دنیا کی واحد سپر طاقت بھی ان کی طاقت کے آگے جھک جانے پر مجبور ہو رہی ہے۔

افغان باقی کہسار باقی

الحکم للہ، الملک للہ

قصاص میں حیات ہے۔ محاذِ رائے شماری کے چند نوجوانوں نے اپنے شہدا کے خون کا بدلہ لینے کے لئے انتہائی قدم اٹھایا تھا۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس پٹھان کو جیل حکام نے رہا کر دیا تھا۔ وہ رہائی کے وقت اداس ہو کے جیل سے نکلا تھا۔ دوسرا پٹھان عارف کمال ابھی جیل میں ہی تھا اس کا باپ اور اس کا سارا قبیلہ ''باچا خان'' کے پیروکاروں میں سے ایک تھا۔ اس نے میری رہائی کے بعد مجھے ایک خط لکھا تھا جو گنگا طیارہ کے اغواء کے مقدمہ میں پولیس افسران کے لئے ایک معمہ بنا ہوا تھا جس کی تفصیل بھی اپنے مقام پر آئے گی۔

مولانا عبدالعزیز جلالی مرحوم بھی گنگا طیارہ کے اغواء کے موقع پر ہمارے لئے بہت دوڑ دھوپ کرتے رہے ابھی یہ دونوں ہری پور جیل میں ہی تھے کہ مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل نے بتایا کہ وہ مجھے میرپور جیل میں بھیجنا چاہتے ہیں اور مجھے تیار رہنے کو کہا۔ اب میں بھی اداس ہو گیا تھا اور میری اداسی کی نوعیت مختلف تھی۔

سپرنٹنڈنٹ جیل سمجھتا تھا کہ میں اس نے پیغام پر خوش ہوں گا۔ گھر جانے کے لئے کون خوش نہیں ہوتا۔ اپنے ضلع کی جیل میں نہ صرف ہر قسم کی رعایت مل سکتی ہے بلکہ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن میں ناخوش تھا۔ ہری پور جیل کے ملازمین میں قانون دان بھی ہوتے ہیں جو جیل حکام کو قانونی مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو کہا کہ ان کا حکم میری مرضی کے تابع نہیں ہے۔ میں ان کے پاس ایک قیدی ہوں وہ جہاں چاہیں مجھے لے جا سکتے ہیں لیکن وہ قانوناً مجھے میرپور جیل منتقل نہیں کر سکتے۔ وکلا سے مشورہ کر لیا جائے۔

چنانچہ مجھے دفتر لے جایا گیا۔ ان کے وکلاء بھی موجود تھے۔ مسئلہ زیرِ بحث پر روشنی ڈالتے ہوئے میں نے تحریک آزادی کشمیر کا تفصیل سے ذکر کیا اور ریاست جموں وکشمیر کو پاکستان اور بھارت کے تنازعہ کی روشنی میں دلائل دیئے، قانون کا حوالہ بھی دیا، جب میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان آزاد کشمیر سے کسی ملزم کو گرفتار کر کے نہیں لا سکتا، قانون حوالگی کے تحت ایک ضابطہ مقرر کیا گیا ہے تو انہوں نے پھر بھی میرے دلائل کو نہ مانا۔

میں اصل میں سفر سے گھبراتا ہوں، اور مجھے علم تا کہ میرپور سے پھر واپسی ہری پور جیل آنا پڑے گا یہ آنا جانا مجھے

پسند نہ تھا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر جگہ قانون کی حکومت تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ حاکم کا حکم قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ صرف طاقتور ہی قانون کو جو ایک مکڑی کے جالے کی حیثیت رکھتا ہے اسے توڑ سکتا ہے۔

بالآخر میرے ساتھ دو جیل کے وارڈر لگائے گئے اور میں انہیں ساتھ لے کر آ گیا۔ وہ بڑے تجربہ کار تھے۔ انہوں نے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر میری ہتھکڑی کھول دی۔ اپنی جیل کی وردیاں بھی اتار دیں۔ اور ٹرین پر بیٹھ کر ہم راولپنڈی اُتر گئے میں انہیں سیدھا ریکس ہوٹل لے گیا، ان دنوں ہمارے ساتھی وہاں ہی ٹھہرتے تھے۔ وہ محاذ کا دفتر بنا ہوا تھا۔ قریب ہی ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کا کلینک تھا۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم ہمارے مرکزی رہنما تھے۔ مرحوم بڑے مہمان نواز تھے۔ ان کا گھر کشمیری کارکنوں کا مرکز تھا۔

کراچی، پشاور، لاہور، مظفر آباد، میر پور، پونچھ وغیرہ سے سیاسی کارکن ان کے پاس پہنچ جاتے تھے وہ سب کارکنوں کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ انتہائی مخلص، جانثار اور محبّ الوطن کشمیری رہنما تھے۔ ان کا سارا گھرانہ سیاسی تھا۔ وہ اے آر ساغر مرحوم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اے آر ساغر مرحوم ریاست جموں وکشمیر کے شعلہ بیاں مقرر، صحافی، ادیب، دانشور اور صف اوّل کے رہنما تھے۔ انہوں نے ریاست میں تحریک پاکستان سے لوگوں کو متعارف کرایا تھا۔ مرحوم مجلس احرارِ اسلام کے تربیت یافتہ تھے انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ ڈوگرہ کی جیلوں میں گزارا تھا۔

شیر کشمیر کے پائے کا کوئی لیڈر ریاست میں پیدا نہیں ہوا۔ مسلم کانفرنس میں اے آر ساغر مرحوم کے پائے کا کوئی مقرر کشمیر میں پیدا نہ ہوا۔ وہ ریاست جموں وکشمیر کی مسلم کانفرنس کے مرکزی رہنما تھے۔ قائداعظم اور لیاقت علی شہید کے آزمودہ کار پیروکار اور ساتھی تھے۔ 1947ء کے فسادات میں جن سنگھیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کے نتیجے میں ان کے گھرانے کے کئی افراد بھی شہید ہوئے تھے۔ فسادات کے دوران وہ جیل میں تھے اس لئے خود بچ گئے تھے۔

پاکستان کی خاطر جانیں دینے والے اور ہجرت پر مجبور کئے جانے والے لاکھوں انسانوں کے ساتھ وہ بھی پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ ڈاکٹر فاروق حیدر مرحوم کے اپنے خاندان کے لوگ بھی شہید ہو چکے تھے۔ ان کے دل میں انتقام کی آگ لگی رہتی تھی۔ وہ ان لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ جو ان شہداء کے مقدس خون کا بدلہ لے سکیں، جنہیں صرف اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ وہ پاکستان کے شیدائی تھے۔

ریاست کی آزادی کی خاطر اس خاندان کی قربانیاں تاریخ کشمیر کا ایک سنہری باب ہیں، اپنے اپنے مقام پر ان کا ذکر آئے گا میں یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہری پور جیل سے آئے ہوئے ڈاکٹر مرحوم سے ملاقات کر کے ہم میر پور پہنچے اس وقت رات ہو چکی تھی۔ جیل کے دروازے بند ہو چکے تھے، رات گھر پر رہنا پڑا تھا۔ اور میں ان دونوں جیل کے ملازموں کو گھر لے آیا تھا صبح سویرے میر پور جیل پہنچ گئے تھے دونوں ملازموں نے ڈرافٹ دکھایا، ہری پور جیل سے جو ریکارڈ

اورچٹھی لائے تھے وہ داروغہ جیل کو دی اور مجھے میر پور جیل میں رکھنے کا ان سے بہت اصرار کیا۔لیکن جیل حکام اور ضلعی انتظامیہ نے مجھے ان کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا۔ جب ہری پور جیل واپس پہنچے تو وہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے جنہوں نے میری بات نہ مانی تھی مجھے یہ علم نہیں کہ انہیں فوجی ہیڈ کوارٹر سے یہ حکم ملا تھا کہ مجھے میر پور جیل منتقل کیا جائے یا سول انتظامیہ نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔لیکن اتنا معلوم ہے کہ ہری پور جیل کے حکام کو میری وجہ سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی تھی۔اور نہ وہ خود اپنے طور پر مجھے جیل سے منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

بالآخر میں سزا کا باقی حصہ کاٹ کر جیل سے رہا ہو کر واپس راولپنڈی سے ہوتے ہوئے میر پور پہنچ گیا تھا اور مجھے یہ علم نہ تھا کہ ابھی اس سے بڑی آزمائش آنے والی ہے ہمارا سیاسی سفر جاری رہا۔

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ نہیں

ہائی کورٹ آف جوڈیکیچر لندن میں مقدمہ

سال 1976ء میں ہم نے برطانیہ کا دورہ کیا۔اس دورہ کی نسبت تفصیلات اپنے مقام پر ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں ہمارے برطانیہ کے دورہ کے دوران ہمیں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ ہمارے نظریاتی مخالف ہمارا پیچھا کرتے رہے۔انہیں مختلف ایجنسیوں، پاکستان کے ایک خاص گروہ بیرونی سفارت کاروں اور مخالف سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل تھا۔ پاکستان کے پریس کی بھی انہیں حمایت حاصل تھی۔

ہم جہاں بھی جاتے تھے وہ مخصوص طبقہ ہمارے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتا رہتا تھا۔ ہمارے جلسوں کو بھی درہم برہم کرنے کے لئے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لاتا رہا۔اور حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کو بھی ہمارے متعلق رپورٹیں بھیجتا رہا۔ پاسپورٹ آفس میں ہدایات بھیجی گئی تھیں کہ وہ مجھے (راقم کو) پاسپورٹ جاری نہ کرے۔میرے بیرون ملک جانے پر پابندی عائد تھی۔ مجھے ڈپٹی کمشنر میر پور نے وزارتِ امورِ کشمیر کی ہدایت کے مطابق تحریری مطلع کیا تھا کہ میں پاسپورٹ کی درخواست نہ دوں اور یہ بھی واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ میرا ملک سے باہر جانا مفادِ عامہ کے خلاف ہے۔اس خط میں کیا کیا لکھا ہوا تھا مجھے زبانی یاد نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس اطلاع نامہ کا ریکارڈ ڈپٹی کمشنر میر پور کے دفتر میں موجود ہو۔

اس وقت مرزا نذیر حسین ڈپٹی کمشنر میر پور تھے جنہوں نے مجھے یہ اطلاع دی تھی۔مرزا نذیر حسین مرحوم بڑے ہنس مکھ انسان تھے ان کی عدالت میں ''دربار'' لگا رہتا تھا۔ وہ حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے، راجوری سے ہجرت کر کے آئے تھے وہ اپنے ملک کی آزادی کا جذبہ بھی رکھتے تھے اور اپنے فرائضِ منصبی بھی بہ احسن ادا کرتے تھے۔

تفصیلات نسبت پاسپورٹ اپنے مقام پر زیرِ قلم لائی جائیں گی۔ میں برطانیہ کیوں گیا تھا؟۔ مجھے کس نے

دعوت دی تھی؟۔میں نے وہاں جا کر کیا قومی خدمت سرانجام دی تھی؟۔یہ ساری باتیں تفصیل طلب ہیں۔

آزاد کشمیر اور پاکستان کا ایک مراعات یافتہ طبقہ ہمارا اس طرح پیچھا کرتا رہا جس طرح اپنے وطن میں سراغ رساں اداروں کے اہل کار کرتے رہتے تھے۔انہوں نے روز مانہ ملت میں ایک بے بنیاد خبر اشاعت کے لئے بھیجی اور اخبار کے ایڈیٹر نے بدوں تحقیقات اس خبر کو شائع کر دیا تھا۔مغربی دُنیا میں آزادیٔ رائے کی بہت قدر کی جاتی ہے۔ ہر انسان کا یہ بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے پریس و پلیٹ فارم کے ذریعے اس کا اظہار کرے۔

پریس و پلیٹ فارم کی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب لینا غلط ہے کہ وہ کردار کشی کرنے میں بھی آزاد ہیں، جھوٹی، لغو اور بے بنیاد خبروں کا سختی سے نوٹس لیا جاتا ہے۔ادارے، مضامین، کالم اور تبصرے جس طرح چاہیں شائع کریں، تقریروں میں اپنا **مافی الضمیر** بیان کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔لیکن کسی شخص کی ہتک عزت قابل مواخذہ ہے۔دوسروں کے خلاف نفرت پھیلانا، ان کی تذلیل کرنا۔ان کے خلاف گھناؤنے الزامات لگانا قانوناً جرم ہیں۔اور عدالت میں انہیں اپنے بیانات اور خبروں کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ثبوت مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں مستغیث کو بھی ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس کا دامن داغدار نہیں ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر اپنے مؤکلوں کو مشورہ دیتا رہا ہوں کہ وہ ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کرنے سے حتی الوسع باز رہیں۔

لیکن مجھے میرے ساتھیوں نے یہ دعویٰ دائر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اس مجبوری کے باوجود میں نے سب سے پہلے اخبار کے مدیر کو خط لکھ کر گزارش کی تھی کہ وہ خبر شائع شدہ کی غلط ہونے کی بناء پر اس کی تردید شائع کر دیں۔ مدیر نے مجھے خط کا جواب دینے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔اس کے بعد میں نے اپنی طرف سے تردیدی بیان چھاپنے کے لئے بذریعہ ڈاک ارسال کیا تھا۔لیکن مدیر روز نامہ ملت نے اسے کانٹ چھانٹ کر کے اس طرح شائع کیا تھا کہ قارئین کے لئے اس کا مفہوم سمجھنا ہی مشکل تھا۔ میرے خلاف صفہ اوّل پر جلی حروف میں خبر شائع کر کے سب کو چونکا دیا تھا۔لیکن میرے خط کو ایڈیٹر کی ڈاک میں ایک کونے پر شائع کر دیا تھا۔ان خطوط کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ ایڈیٹر کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

بالآخر میں نے اپنے عزیز و اقارب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے عدالت کی طرف رجوع کیا تھا۔ ہمارے یہ ساتھی محاذ رائے شماری کا قیمتی سرمایہ تھے۔ حاجی فضل حسین بھٹی، عزیز بھٹی شہید مرحوم محمد جمعہ بھٹی مرحوم، عنایت حسین بھٹی، حاجی محمد بشیر، مرزا محمد صدیق اور دوسرے ساتھی مصر تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنے سیاسی مخالفین کی زبانیں بند کرنے کے لئے مقدمہ کا دائر کیا جانا ضروری ہے۔انہوں نے میرے لیت و لعل کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ مقدمہ کے اخراجات کی وجہ سے میں اس مقدمہ بازی سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس لئے انہوں نے مجھے کہا کہ وہ مقدمہ کے اخراجات خود برداشت

کریں گے۔اس میں شک نہیں کہ وکلا کی فیسیں بہت زیادہ تھیں، برطانیہ کا عدالتی نظام ہمارے عدالتی نظام سے ملتا جلتا ہے۔

برصغیر میں یہ عدالتی نظام اور یہاں کے قوانین برطانوی حکومت کے رائج کردہ ہیں۔اب کہیں نصف صدی کے بعد معمولی سی ترمیمات ہوئی ہیں۔برطانوی سامراج کے خاتمہ کے بعد پاکستان میں چند ایک قوانین میں ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔ضابطہ فوجداری میں بھی چند ایک ترمیمات کی گئی ہیں۔پاکستان بننے کے بعد انڈین پینل کوڈ کا نام پاکستان پینل کوڈ اور ہماری ریاست میں آزاد کشمیر پینل کوڈ کے نام سے ہی یہ تعزیراتی قوانین نافذ کئے گئے تھے۔ضابطہ فوجداری میں جیوری کی شمولیت کو ایک عرصہ بعد غیر ضروری سمجھ کر اس میں ترمیم کی گئی تھی میرے مقدمہ کی سماعت میں جیوری کے معزز ممبران بھی شامل تھے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عزیز و اقارب کے اصرار پر میں نے انہیں عدالت کے فیصلہ کے بارے میں بتایا تھا کہ عدالت کا فیصلہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ہر صورت مقدمہ جیت سکوں گا۔اور مقدمہ کا فیصلہ خلاف ہونے کی صورت میں ملزمان/مسؤلان/ مدعا علیہم کے تمام اخراجات، وکلاء ملزمان کی فیس، خرچہ عدالت وغیرہ بھی مجھے دینے پڑیں گے۔اس دوران مجھے الحاج فضل حسین بھٹی اپنے گھر لے گئے۔

میں ان کے ساتھ ان کی رہائش گاہ پر پہنچا تو ان کے والد مرحوم گلشید بھٹی نے اپنا خریدا ہوا مکان دکھایا، وہ کافی بڑا مکان تھا۔انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایک اور مکان بھی موجود ہے۔لاکھوں پونڈ کی مالیت کے مکانات ہیں وہ اس مقدمہ کے لئے دونوں مکان بیچ دیں گے اس لئے مجھے ہر صورت مقدمہ دائر کرنا ہوگا۔باقی عزیز و اقارب کے جذبات بھی ایسے ہی تھے۔میں نے بطور نمونہ ایک مثال پیش کی ہے۔ہمارے ساتھی تو پارٹی مفادات کے لئے جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔وہ وطن کی آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرسکتے تھے۔ان ساتھیوں کے لئے مالی قربانی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔صدیق مرزا بھی اس معاملہ میں بڑے جذباتی تھے۔

میرے دونوں بھائی بھی یہی مشورہ دے رہے تھے کہ ساتھیوں کی بات مان لی جائے اور پہلے وکیل سے مشورہ بھی لے لیا جائے۔میرے بڑے بھائی قابل صد احترام محمد صادق انصاری اور چھوٹے بھائی عزیزی عبدالمالک انصاری اپنے عزیز و اقارب کے ہمنوا ہونے کے ساتھ اس معاملہ کو میری صوابدید پر چھوڑ رہے تھے میں نے اپنے کنبہ کے درجنوں بزرگوں، عزیزوں اور محاذ رائے شماری مقیم برطانیہ کے ساتھیوں کے مشورہ کے بعد دل پر پتھر رکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو یہ علم تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنماؤں سے ہمارے ذاتی روابط تھے۔لیکن پاکستان میں مارشل لاء لگ چکا تھا۔اور مارشل لاء انتظامیہ ہمارے حق میں نہ تھی۔وہ مطمئن تھے کہ مقدمہ کا فیصلہ جلد نہیں ہوسکے گا اور میرا

برطانیہ میں زیادہ عرصہ تک ٹھہرنا بوجوہ ممکن نہ تھا۔

اور اگر میں واپس وطن آ گیا تو میرا پاسپورٹ ضبط کرلیا جائے گا۔ مقدمہ کی پیروی کون کر سکے گا وہ اپنے جلسوں اور اپنی محفلوں میں ہمارے ساتھیوں کے ساتھ عدالتی مقابلہ کے لئے للکارتے رہتے تھے۔ سب سے بڑی وجہ عدالت میں جانے کی مخالفین کی گردن کشی تھی۔ وہ اس خبر پر اتراتے پھرتے تھے۔

بالآخر میں اپنی طبیعت پر جبر کر کے وکیل کے پاس چلا گیا اور اس نے ملزمان کو نوٹس جاری کر دیا تھا۔ ہم آخری وقت تک اس کوشش میں رہے کہ وہ خبر کی تردید کر دیں تو جھگڑا ختم ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا تھا۔ پھر معاملہ زیر بحث میری ذات سے متعلق نہ تھا اس کا تعلق محاذ رائے شماری سے تھا جس کا دفاع ہر صورت ضروری تھا۔

گنگا طیارہ کے اغوا کے مقدمہ کی پولیس تحقیقات کے دوران کراچی سے پشاور تک میر پور سے گلگت تک ہمارے ساتھی ہمارے معاونین اور ہمارے ہمدرد سینکڑوں کی تعداد میں جیلوں، حوالاتوں اور تھانوں میں رہے۔ ہم انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔ ان سب کے نام نہ ہی اس باب میں آسکتے ہیں اور نہ ہی ان کا ریکارڈ موجود ہے۔ میر پور کے چاچا سلطان محمود مرحوم، مولانا عبدالغنی انصاری مرحوم سے لے کر کوٹلی کے سردار شاہ عبدالقیوم قادری مرحوم اور خانقاہ کٹھرہ کے سردار محمد اکرم خان مرحوم سے لے کر سردار محمد زمان عباسی مرحوم اور ان کے دوسرے گڑھی دوپٹہ کے ساتھی، اور پونچھ کے سردار رشید حسرت مرحوم اور ان کے ساتھیوں نے جس جوانمردی سے ظلم کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ ایسے سینکڑوں گمنام کارکن ہیں جنہوں نے دیس، پردیس، ہر جگہ شمع آزادی کو روشن رکھنے کے لئے اپنا خون دیا۔ ان کے ان نیک اعمال کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ان بہادروں، جانثاروں اور فدایان کی اپنی کوئی غرض نہ تھی۔ اور

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

یہ میر پور شہر تھا جہاں سے یہ نعرہ گونجا تھا اور سارے آزاد کشمیر میں اس کی آواز سنائی دیتی تھی کہ

آزادی کے تین نشان

ہاشم، اشرف اور امان

امان اللہ خان ان دنوں گلگت جیل میں تھے۔ اور ان کی رہائی کے مطالبہ کے لئے ایک ایسی آواز تھی جو پورے آزاد کشمیر اور گلگت میں گونجتی رہی۔ پاکستان میں مقیم کشمیریوں نے بھی ہماری آواز کے ساتھ آواز ملائی تھی اور بالآخر یہ وقت

کی آواز بن گئی تھی۔

آزاد کشمیر میں اخبار کی خبر تخریب کاری شروع کرانے کے لئے خفیہ منصوبہ شیخ عبداللہ کے دست راست مرزا افضل بیگ کا پراسرار دورہ برطانیہ، آزاد کشمیر میں تخریب کاری شروع کرانے کے لئے برمنگھم میں فنڈ قائم کر دیا گیا۔

سادہ لوح کشمیریوں کو پاکستان سے بدظن کرنے کی مذموم حرکتیں۔

افضل بیگ اپنے پراسرار دورے کے نتائج سے اپنے بھارتی آقاؤں کو آگاہ کریں گے۔

برمنگھم 28 مارچ (ملت رپورٹ) انتہائی مصدقہ ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ کے دست راست مرزا افضل بیگ ایک انتہائی خفیہ مشن پر نہایت ہی پراسرار طریقے سے برمنگھم آئے تھے۔ جہاں وہ سادہ لوح پاکستانیوں اور آزاد کشمیریوں کے جذبات پاکستان کے خلاف برانگیختہ کرنے اور انہیں شیخ عبداللہ کے نظریات کا قائل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ بتایا گیا ہے کہ مرزا افضل بیگ محاذ رائے شماری آزاد کشمیر کے رہنما عبدالخالق انصاری کی خصوصی دعوت پر برطانیہ آئے تھے ان کا قیام واش وڈ ہیتھ روڈ برمنگھم 8 پر واقع مسٹر انصاری کے ایک عزیز مسٹر صدیق مرزا کے ہاں تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ مسٹر انصاری پاکستان میں زیر حراست بھی رہ چکے ہیں۔ وہ تقریباً 6 ماہ قبل علاج کے لئے برطانیہ آئے تھے۔ اور تب سے برمنگھم ان کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ (کل رات) راجہ محمد ایوب کی زیر صدارت پیپلز پارٹی آزاد کشمیر نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں مرزا افضل بیگ کو پراسرار پاکستان دشمن سرگرمیوں اور یہاں مقیم پاکستانیوں اور آزاد کشمیریوں سے رابطہ کے لئے کوششوں پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے آزاد کشمیر اور پاکستان کی حکومتوں کو صورتِ حال سے باخبر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے رہنماؤں کے مطابق برمنگھم میں اپنے قیام کے دوران مرزا افضل بیگ نے عبدالخالق انصاری کی ایماء پر بے شمار سادہ لوح پاکستانیوں اور کشمیریوں سے ملاقات کر کے انہیں بھارت نواز بنانے کی سرتوڑ کوششیں کی ہیں۔ اور انہیں پاکستان کے خلاف اُکسانے کے لئے من گھڑت اور گمراہ کن قصے جوڑے ہیں۔

گزشتہ جمعرات کی شب کو مقامی گرینڈ ہوٹل میں مسٹر انصاری اور ان کے حواریوں کی طرف سے مرزا افضل بیگ کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام بھی کیا گیا جس میں صحیح صورتِ حال اور مہمان خصوصی کے اصلی رُوپ سے نا آشنا محض برادری کی بنیاد پر آزاد کشمیر کے دوسو شہریوں نے بھی شرکت کی تھی۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق مرزا افضل بیگ کل شام سرینگر روانہ ہو گئے ہیں۔ سرینگر جانے سے پہلے وہ چند دِن دہلی میں قیام کریں گے جہاں اعلیٰ بھارتی حکام سے وہ اپنے دورہ برطانیہ کے نتائج کی روشنی میں اہم مذاکرات کریں گے۔

(پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے ایک باختیار رہنما مسٹر عبدالغفور بھٹی نے مرزا افضل بیگ کے پراسرار دورہ برطانیہ کو

پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف ایک گہری سازش قرار دیا ہے۔انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ بعض دوست کے روپ میں دشمن عناصر آج کل سادہ لوح کشمیریوں سے چندہ بھی وصول کررہے ہیں،جس کا مقصد پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کا فروغ ہے۔انہوں نے اپنے تمام ہم وطنوں کو مسٹر انصاری اور ان کے حواریوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ان پر زور دیا کہ وہ ان کی مبینہ سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں)۔

نمائندہ ملت نے جب برمنگھم کے ایک ٹیلیفون نمبر پر مسٹر انصاری اور مرزا افضل بیگ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو وہاں محمد بشیر نامی ایک صاحب موجود تھے جنہوں نے نمائندہ ملت کو بتایا کہ وہ مرزا افضل بیگ اپنا مشن پورا کر کے جمعہ کی شب کو واپس وطن چلے گئے ہیں۔انہوں نے مزید کسی قسم کی اطلاع پہنچانے سے گریز کرتے ہوئے نمائندہ ملت کو بھارتی پریس کے مطالعے کا مشورہ دیا۔

خفیہ ریکارڈ

18/19 اپریل 1971ء مظفر آباد

A.I.G.P (Crimes)

جموں وکشمیر محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد کی ڈاک کے سنسر کئے جانے کا فیصلہ۔

ملک عبدالعزیز خان سیکشن افسر نے ایک خط نمبر H9P/A/133 (295) مورخہ 19-04-71 اے آئی جی پی (کرائمز) مظفر آباد کو لکھا جس کی نقول وزارت داخلہ امورِ کشمیر پاکستان کو بھیجی گئی۔

مجھے بذریعہ خط نمبر 71(CID)2033 مورخہ 6-4-71 کو مضمون مندرجہ عنوان بالا کے سلسلہ میں ہدایت کی گئی ہے کہ صدر حکومت آزاد ریاست جموں وکشمیر کی منظوری بسلسلہ کئے جانے ڈاک سنسر کی اطلاع دے دوں۔ مندرجہ ذیل اشخاص کی ڈاک سنسر کی جائے جن کا تعلق محاذ رائے شماری (انصاری گروپ سے ہے)۔

۱) ...... مسٹر عبدالخالق انصاری۔
۲) ...... میر ہدایت اللہ مظفر آباد۔
۳) ...... پیرزادہ غلام مصطفٰے علوی ولد پیرزادہ غلام احمد علوی۔
۴) ...... مقبول احمد بٹ ولد غلام قادر بٹ پشاور۔
۵) ...... مسٹر اکرام اللہ جسوال سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی۔
۶) ...... صوفی محمد زمان۔
۷) ...... مسٹر بشیر احمد تاج میرپور۔
۸) ...... میر عبدالمنان جنرل سیکرٹری محاذ رائے شماری۔
۹) ...... سردار رشید حسرت۔
۱۰) ...... میر ارشاد بچھ مظفر آباد۔
۱۱) ...... مسٹر غلام نبی گلکار انور موہن پورہ راولپنڈی۔
۱۲) ...... مسٹر محمد فاروق حیدر راولپنڈی۔
۱۳) ...... مسٹر امان اللہ خان سیکرٹری نشرو اشاعت کراچی۔

25 ستمبر 1970ء کو ڈائیریکٹر پولیس مظفر آباد نے ایک خط نمبری 4780/71 سینئر سیکرٹری (داخلہ) کو لکھا جس کا عنوان ذیل تھا۔

محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں

یہ خط سیکرٹ نمبر 70 (CID) 3431 محررہ 70-5-25 کے تسلسل میں لکھا گیا تھا۔ مقبول احمد بٹ کل جماعتی کانفرنس کے انعقاد میں ناکام ہوئے ہیں۔ تاہم محاذ رائے شماری نے 70-8-27 کو مظفر آباد میں ایک میٹنگ کی جس میں انہوں نے 1970ء کے کونسل آرڈی نینس کے سلسلہ میں وزارت امورِ کشمیر کے رول کی مذمت کی اور اس آرڈی نینس کو فوری واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو راست اقدام کی دھمکی بھی دی۔

ایکٹ 1970ء کے نفاذ پر محاذ رائے شماری نے آواز بلند کی اور میر پور ضلع میں بہت سے جلسوں سے خطاب کیا گیا۔ جس میں ایکٹ کو ہدف تنقید بنایا گیا اور پاکستان اور آزاد کشمیر حکومت کے خلاف نفرت انگیز تقاریر کی گئیں۔ اور ان کے خلاف نفرت پھیلائی گئی۔ ان تقاریر کی مکمل تفصیلات حکومت کو بھیجی جا چکی ہیں۔

مقبول احمد بٹ صدر محاذ رائے شماری نے میر پور کے دورہ کے اختتام کے بعد 70-8-23 کو راولپنڈی میں پریس کانفرنس کی اور ان الفاظ میں ایکٹ پر تنقید کی۔

بالغ رائے دہندگی کے لبادے میں اس ایکٹ کے تحت ایک اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس میں صدر حکومت کو بے اختیار کیا گیا اور اسمبلی ایکٹ بے اختیار ادارہ بنا کر تمام اختیارات پاکستان نوکر شاہی کے نمائندے کو جو مشیر حکومت کہلاتا ہے اور جس کی مرضی کے خلاف ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا اسے سب اختیارات حاصل ہو گئے ہیں۔

شمالی علاقہ جات اور پولیٹیکل ڈسٹرکٹ گلگت و بلتستان، ہنزہ و نگر جاگیر اور کوہستانی علاقہ کے چھ لاکھ انسانوں کو تمام انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے یہاں تک کہ انہیں حق رائے دہندگی سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ دفعہ 3 کی ذیلی دفعہ 3 کے تحت صدارتی انتخابات کے خلاف چارہ جوئی کے عدالتی دروازے بھی بند کر دیئے گئے ہیں۔ مالی امور میں بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ مشیر حکومت کی اجازت کے بغیر بڑے ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرنے کے اختیارات بھی حکومت کو حاصل نہیں ہیں۔ دفعہ 3 کی ذیلی دفعہ 2 کے تحت ایڈوائزر کی منظوری ضروری ہے۔

عدالت العالیہ کی حدود سماعت کو بھی گلگت تک وسیع نہیں کیا گیا۔ نہ ہی عدالت العالیہ کو رٹ درخواستوں کے سننے کے اختیارات حاصل ہیں۔ شمالی علاقہ جات کے لوگوں کے لئے عدالتوں میں اپیل، نگرانی، نظر ثانی کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہیں۔

پریس ریلیز کی نقل بھی شامل کی جاتی ہے وہ محاذ رائے شماری کے لوگ آزاد علاقہ میں اپنا وجود منوانا چاہتے ہیں

جنہیں آج تک پذیرائی حاصل نہ ہوسکی درحقیقت ان کے کوئی پیروکار نہیں ہیں۔امان اللہ خان سیکرٹری محاذ رائے شماری دو ماہ تک غائب رہا اوراچانک حال ہی میں کراچی واپس آیا ہے۔غلام مصطفیٰ علوی ممبر مجلس عاملہ مظفرآباد سے کہیں چلا گیا ہے اور باور کیا جاتا ہے کہ وہ جنگ بندی لائن عبور کرکے مقبوضہ کشمیر میں چلا گیا ہے۔دوسرے ذرائع سے بھی اس کی توثیق کی جارہی ہے۔

عبدالعزیز اے آئی جی (کرائمز)

ڈائریکٹر پولیس مظفرآباد

25-9-70

خفیہ ریکارڈ

عنوان : محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں/سینئر سیکرٹری کو خط

بحوالہ نمبر No H and P/A-33 (295) HIP

2470/70 Dated 30-3-70

اس گروپ کی سرگرمیوں کی نگرانی پاکستان کے محکمہ سراغ رسانی سے مل کر کی جارہی ہیں۔آزادکشمیر کا محکمہ سراغ رسانی نگرانی کررہا ہے۔کیونکہ یہ گروپ پاکستان اور آزادکشمیر میں سرگرم ہے اسسٹنٹ ڈائریکٹر انٹیلی جنس راولپنڈی پاکستان اور پنڈی کے علاقہ میں اورآزادکشمیر کا محکمہ انٹیلی جنس آزادکشمیر کے اندران کی سرگرمیوں پرنظر رکھے ہوئے ہے۔قبل ازیں یہ رپورٹ دی جاچکی ہے کہ یہ گروپ آزادکشمیر میں کئی اجلاس منعقد کرچکا ہے۔اوراپنے نظریہ خودمختار کی اشاعت کرچکا ہے۔وقتاً فوقتاً اطلاعات دی جاتی رہی ہیں 3-4-70 کی حالیہ میٹنگ جو میرپور میں ہوئی ہے اس میں سعید شاہ نازکی جومہاجر ہے اس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ............

’’دیکھئے مئی کے مہینے میں کیا نتیجہ نکلتا ہے محاذ نے سرحد پار کرنی ہے جس نے گرفتار کرنا ہے کرلے گا‘‘۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محاذ نے سرحد پار کرکے شیخ محمد عبداللہ کی مجوزہ کانفرنس بمقام سرینگر جو مئی میں منعقد ہورہی ہے اس میں شامل ہونے کا ارادہ کرلیا ہے۔راولپنڈی کے محکمہ متعلقہ کی بھی یہ رپورٹ آپ کو مل چکی۔وزارت امورِ کشمیر کو بھی ان ذرائع سے پتہ چلا ہے............

محاذ اس معاملہ میں سرگرم ہے اس لئے یہ معاملہ پالیسی سے تعلق رکھتا ہے کہ ان کے ممبروں کو کسی طرح پابند کیا جائے یا نہ کیا جائے۔اس لئے ہماری رائے ہے کہ اس وقت فیصلہ کرلیا جائے ورنہ اس کی اس حرکت سے پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔پاکستان کے علاقہ میں جموں کی سرحد سے عبور کرکے جاسکتے ہیں۔لیکن آزادکشمیر کی سرحد بہت لمبی ہے

اس لئے ان کوروکنا مشکل ہوگا۔ان کے اہم ممبروں پر پابندی کا فیصلہ ہی مناسب ہے اس کے لئے مضبوط جواز ہے۔

اے آئی جی (کرائمنر)۔

خفیہ ریکارڈ

صاحب زادہ راؤف علی ڈائیریکٹر پولیس کا خط اے ایچ سہروردی سینئر سیکرٹری آزاد گورنمنٹ کے نام

عنوان : محاذ رائے شماری کی زیر زمین سرگرمیاں

بحوالہ خط محررہ : Letter No 69/ss/PA/70 Dated 22nd Jan 70

آپ کو اطلاعاً گزارش کی جاتی ہے کہ تمام اضلاع کے پولیس افسروں (سپرنٹنڈنٹ) اور ADOP/C کو محاذ کے رہنماؤں اور کارکنوں پر کڑی نگرانی کی سخت ہدایت کردی گئی ہے۔

خط نمبر 1488 من جانب ڈائریکٹر پولیس۔

یہ خط آزاد کشمیر کے سینئر سیکرٹری مسٹر اے ایچ سہروردی کو 9 مارچ 1970ء کو لکھا گیا ہے۔

عنوان : محاذ رائے شماری

بحوالہ خط نمبری 69/ss/PA/70 Dated 22nd Jan 70

محاذ رائے شماری نے تنظیمی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے مورخہ یکم مارچ 1970ء کو چتر پڑی کے مقام پر پبلک جلسہ کیا اور بن خرماں میر پور میں 2 مارچ 1970ء کو جلسہ کیا۔طلباء نے محاذ رائے شماری کے صدر مقبول احمد بٹ کے اعزاز میں 3 مارچ 1970ء کو کلیال ہوٹل میں عصرانہ دیا ان تمام اجتماعات میں مقبول احمد بٹ اور عبدالخالق انصاری اور دوسرے مقررین نے خود مختار کشمیر کے نظریہ کا پرچار کیا اور پاکستان، حکومت آزاد کشمیر اور آزاد کشمیر انتظامیہ پر کڑی تنقید کی۔ان کے بقول حکومت آزاد کشمیر وزارت امورِ کشمیر کے کلرک چلاتے ہیں۔انہوں نے پاکستان اور بھارتی حکومت کو ایک سطح پر رکھ پر ان تنقید کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ریاست کی وحدت قائم رکھتے ہوئے خود مختار کشمیر کو بھی ایک حل کے طور پر رکھنا ہوگا۔مقبول احمد بٹ، صوفی محمد زمان، میر ہدایت اللہ، ڈاکٹر غلام رسول میر، عبدالخالق انصاری اور خلیفہ عبدالمنان سخت ترین تنقید کرنے والوں میں سے تھے۔یہ تنظیم اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے مسلح جدوجہد کے حق میں ہے۔

ڈائیریکٹر پولیس حکومت آزاد کشمیر

(عبدالعزیز)۔

نوٹ (خلیفہ عبدالمنان اصل میں میر عبدالمنان کا نام ہے)۔

خفیہ

مسٹر ایس ایم اے اشرف CSP جائنٹ سیکرٹری کا خط

بنام صدر حکومت آزاد کشمیر D.O No P-3/7/70

وزارت داخلہ وامورِ کشمیر اسلام آباد کا خط محررہ 19 جون 1970ء

عنوان : جموں وکشمیر محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کی زیر زمین سرگرمیاں۔

ڈیئر مسٹر پریزیڈنٹ!

اس خط میں محاذ رائے شماری کے ممبران کی سرگرمیوں کا نوٹس لیتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ''مسٹر طارق علی کمیونسٹ لیڈر اور نصیر محمود دوانی کے مورخہ 30-04-70 کو میر پور پہنچے۔ اور صوفی محمد زمان محاذ رائے شماری کے گھر ٹھہرنے کی رپورٹ ملی ہے۔ مسٹر عبدالخالق انصاری نے (مسٹر طارق علی) کو آزاد کشمیر کے حالات مہاجرین 1965ء سے متعلق اور ریاست کے خودمختار رہنے کی نسبت اسے بتایا۔

مورخہ 01-05-1970 کو مسٹر طارق علی نے ڈیڑھ صد کے لگ بھگ مقامی طلباء کو خطاب کیا۔ دوران تقریر اس نے خودمختار کشمیر کی وکالت کی۔ 03-05-1970 کو محاذ رائے شماری کا اجلاس بس سٹینڈ کھوئیرٹہ ہوا۔ مسٹر عبدالخالق انصاری نے کہا کہ پاکستان انہیں 23 برس سے دبا رہا ہے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ (آزاد کشمیر) کشمیریوں کے حوالہ کیا جائے۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور ایسی آزادی کہ یحیٰ خان اور مسز اندرا گاندھی کو گرفتار کر سکے۔ مقبول احمد بٹ نے کہا کہ اگر وہ (کشمیر کے لوگ) پاکستان سے الحاق کر لیں گے تو وہ ہمیشہ کے لئے ان کے غلام بن جائیں گے۔ اس نے نظریہ خودمختار کی وکالت کی۔

چیف ایڈوائزر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حکومت آزاد کشمیر اس سلسلہ میں کیا اقدام اٹھانے کا ارادہ رکھتی ہے یا کیا قدم اٹھا چکی ہے۔ وہ اس کا جلد جواب چاہتے ہیں۔ یہ خط بریگیڈیئر عبدالرحمٰن صدر حکومت آزاد کشمیر کو ارسال کیا گیا۔

قبل ازیں مسٹر عبدالحق سہروردی سینئر سیکرٹری نے ایک ٹاپ سیکرٹ خط صدر کو لکھا تھا اور اپنی طرف سے تجاویز دی تھیں جسے صدر نے قبول کیا تھا۔ تجاویز ملاحظہ ہوں۔ سیکرٹ فائل کے صفحہ 22 پر درج تجاویز ذیل ہیں۔

''میں نے مختلف رپورٹ/ کاغذات جو مجھے صدر نے دستی دیئے ہیں ان کے ملاحظہ کرنے کے بعد میں درج ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں............

۱/ ...... ہمیں فوری طور پر انٹیلی جنس کو الرٹ کرنا چاہیے تاکہ اچانک ایسی صورت حال نہ پیدا ہو جائے کہ ان کے (محاذ رائے شماری کے) کسی قدم سے مشکل نہ پڑ جائے۔

۲)...... ایسے کسی اقدام سے جو پاکستان کی پالیسی کے خلاف ہو اسے روکنے کے لئے بھی کہ وہ کسی مہم جوئی کے مرتکب نہ ہوسکے انہیں مناسب طریقے سے سمجھانا چاہیے کہ پاکستان کو کسی مشکل میں نہ ڈالیں۔

۳)...... یہ اقدام مناسب رہیں گے کہ ڈائیریکٹر پولیس ان کی نگرانی کریں، ان لیڈروں مسٹر عبدالخالق انصاری اور محاذ کے اہم رہنماؤں کو میر پور میں مسٹر عبدالخالق انصاری اور اس گروپ کے دوسرے لوگ مصطفٰے علوی اور میر ہدایت اللہ اور ان کے گروپ کو جو مظفر آباد میں ہے۔ مقبول احمد بٹ، میر عبدالقیوم، غلام محمد لون، امان اللہ، خلیفہ عبدالمنان جو پاکستان میں رہتے ہیں اور آزاد کشمیر میں اعلانیہ اور خفیہ آتے رہتے ہیں کو کڑی نگرانی میں پولیس کو رکھنے کی ہدایت کی جائے۔

۴)...... ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے ان رہنماؤں کے ساتھ رابطہ کر کے انہیں نہایت نرمی سے سمجھائیں کہ کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

۵)...... اگر ڈپٹی کمشنر سفارش کریں تو ان کے چیدہ چیدہ لیڈروں کو بلایا جائے۔ صدر حکومت/سینئر سیکرٹری ان سے مل کر انہیں بتائیں کہ پاکستان کی پالیسی کے خلاف کسی قدم کو پسند نہیں کیا جائے گا۔

۶)...... اگر ان تنبیہات کا کوئی اثر قبول نہ کریں تو ان کے اہم لیڈروں کو نظر بند کر دیا جائے اور پاکستان میں مقیم لیڈروں (محاذ رائے شماری کے) کا آزاد کشمیر میں داخلہ بند کر دیا جائے۔

صدر نے ان تجاویز سے اتفاق کیا۔

21-01-70

24 دسمبر 1969ء کو پاکستان حکومت کے ڈپٹی سیکرٹری عزت اعوان نے صدر حکومت آزاد کشمیر بریگیڈیئر عبدالرحمٰن کو ایک خط لکھا اور گورنمنٹ پاکستان کے محکمہ داخلہ اور وزارت امورِ کشمیر کی تیار کی گئی سمری کی رپورٹ بھی خط کے ساتھ شامل کی گئی۔

عنوان : محاذ رائے شماری کی زیر زمین (خفیہ) سرگرمیاں اس سلسلہ میں حکومت پاکستان کی ہدایات ذیل میں دی گئیں۔

۱)...... حکومت آزاد کشمیر کو حالات و واقعات کے تحت نپٹنا ہوگا۔ اگر حکومت آزاد کشمیر کو کوئی مشکل پیش آئی اور اس نے سفارش کی تو حکومت پاکستان اس صورت میں مداخلت کرے گا۔

۲)...... مسٹر امان اللہ خان اور اس کے کارکنوں کو واشگاف الفاظ میں بتا دیا جائے کہ ان کی پرائیویٹ کوششوں کے ذریعے بھارتی مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کو برداشت نہیں کیا جائے۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کے اہم لیڈروں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا جائے۔

۳)...... اس لئے لکھا جاتا ہے کہ مناسب قدم اٹھایا جائے۔

(۴)...... 4 تا 6 نومبر کو ان کے سالانہ اجلاس کی رپورٹ دیکھ لی ہوگی۔ امان اللہ اور ان کے دیگر کارکنوں کا رول بھی دیکھ لیا ہوگا۔ مسٹر امان اللہ خان، عبدالمنان خلیفہ اور محاذ رائے شماری کی رپورٹ کی نسبت بھی نوٹ شامل برائے اطلاع کیا جاتا ہے۔

D.O.No P-1(21)69 Secret

صدارتی سیکرٹریٹ کا نمبر 2435 ہے۔

دستخط

عزت خان

ڈپٹی سیکرٹری۔

26-12-69

12 جنوری 1970ء اسلام آباد D.O.No P-1(21)69

ڈپٹی سیکرٹری حکومت پاکستان نے حکومت آزاد کشمیر کو محاذ رائے شماری کے رہنماؤں مسٹر غلام محمد لون، میر عبدالقیوم اور مقبول احمد بٹ (انصاری گروپ) کے کوائف صدر حکومت بریگیڈیئر عبدالرحمٰن کو بغرض اطلاع بھیجے۔

15-01-70 کو صدر نے سینئر سیکرٹری کے ساتھ معاملہ زیر بحث لا کر عمل درآمد کا حکم دیا۔

14 جنوری 1970 کو اسلام آباد سے زیر نمبری D.O.No P-1(21)69 صدر کو خط بھیجا۔

عنوان : محاذ رائے شماری کی خفیہ سرگرمیاں

وزارت داخلہ و امورِ کشمیر ممنون ہوگا کہ اسے بتایا جائے کہ حکومت نے اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھایا ہے یا کیا کرنے کا ارادہ ہے۔

عزت اعوان

ڈپٹی سیکرٹری

خط سیکرٹری جنرل کے حوالہ کر کے صدر نے جوان کے مابین بات چیت ہوئی تھی اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔

13-03-70 ڈائیریکٹر پولیس اور ڈپٹی کمشنروں کو ہدایات دی گئیں جس کی اطلاع وزارت امورِ کشمیر کو دی گئی۔ صدر نے پولیس رپورٹ ملاحظہ کے لئے منگوائی۔ اگر محاذیوں کی سرگرمیاں آزاد کشمیر میں ہوئیں تو حکومت اس پر کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے۔ اور اگر سیالکوٹ کے بارڈر پر ہوں گی تو سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داری ہے کہ دیگر تجاویز کے

ساتھ خط وزارت امور کشمیر کو بھیج دیا گیا۔

24-25 مارچ 1970ء کو مسٹر ایس محمود بٹ ڈپٹی سیکرٹری وزارتِ امورِ کشمیر کو سینئر سیکرٹری آزاد کشمیر نے خط لکھا کہ محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں سیالکوٹ بارڈر پر ہوئی ہیں کو متعلقہ ضلع کے افسران کو ہدایات دی جائیں آزاد کشمیر میں حکومت ان سرگرمیوں سے نمٹ لے گی۔

مسٹر عبدالخالق انصاری کی ڈاک کو خاص طور پر سنسر کیا جائے۔

وزارتِ امورِ کشمیر پاکستان نے زیر No P-3/7/70 ایک خط چیف سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کو لکھا۔

عنوان : جموں وکشمیر محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) سے تعلق رکھنے والے افراد کی ڈاک کی سنسر شپ کی نسبت فیصلہ۔

حکومت آزاد کشمیر کو یہ بتانا ضروری ہے کہ حکومت پاکستان نے محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد کی ڈاک کو سنسر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔اس لئے حکومت آزاد کشمیر بھی یہ ہدایات جاری کرے۔ممتاز احمد سیکشن افسر 24 اکتوبر 1970ء مسٹر انصاری کی ڈاک کو خصوصی طور پر سنسر کیا جائے۔

چیف سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر نے ڈپٹی سیکرٹری گورنمنٹ پاکستان کو 22 جنوری 1970ء کو اس امر کی اطلاع دی اور خط زیر نمبر D.O.No 7398 PA 70 لکھا۔

عنوان : محاذ رائے شماری کی زیر زمین (خفیہ) سرگرمیاں

حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کے مابین خطوط لکھے گئے۔حکومت آزاد کشمیر نے انہیں ان خطوط کا حوالہ دے کر لکھا کہ ڈائریکٹر پولیس کو محاذ رائے شماری کی سرگرمیوں کی نسبت الرٹ رہے۔محاذ کے لیڈروں پر یہ واضح کرے کہ حکومت پاکستان کی پالیسی کے خلاف کسی اقدام کو برداشت نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو مناسب قوانین کے تحت کارروائی کی جائے۔

13 نومبر 1971ء کو جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کی سرگرمیوں کے بارے میں ممتاز احمد سیکشن افسر نے چیف سیکرٹری کو خط زیر نمبری P-3/1/70 لکھا۔

22 جنوری 1970ء کو ایک خفیہ پیغام بذریعہ خط D.O.No 70/ss تمام ڈپٹی کمشنروں کو بھیجا گیا کہ محاذ رائے شماری مقبوضہ کشمیر میں ایسے اقدام کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے جو مہم جوئی کے مترادف ہوگا۔اس سے آزادی کی تحریک کو فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ بھارت اس بہانے مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم کرے گا۔اور پاکستان کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کرے گا اس لئے میرپور کے محاذیوں ،مظفرآباد میں غلام مصطفیٰ علوی ، میر ہدایت اللہ اور پونچھ کے محاذ رائے شماری کے لیڈروں کو سمجھایا جائے کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو پاکستان کی پالیسی کے خلاف ہو پاکستان ایسی کسی مہم جوئی

کی اجازت نہیں دے سکتا۔

مقبول احمد بٹ، میر عبدالقیوم، غلام محمد لون، امان اللہ خان، خلیفہ عبدالمنان سمیت ان سب پر کڑی نظر رکھی جائے خط خاصا طویل تھا۔ اختصاراً درج کیا گیا ہے۔

D.O.No 69/ss PA-70

سینئر سیکرٹری نے شہزادہ عبدالرؤف کو خط تحریر کیا، جس میں بھی محاذ کے رہنماؤں پر کڑی نگرانی رکھنے کی ہدایت کی گئی۔

(خفیہ ریکارڈ) لیڈروں کے کوائف۔

۱/ر)...... غلام محمد لون ولد خواجہ احمد لون، محلّہ نواب بازار شاہ محل سرینگر موجودہ پتہ کشمیر آرٹ گیلری اینڈ اوریئنٹ کارپٹ کمپنی رائٹی روڈ کراچی۔ 3/37/14 فردوس کالونی گولی مار کراچی۔

1921ء میں پیدا ہوا۔ سیرینگر سے میٹرک کیا۔ نیشنل کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ اور تنظیم کا ایکٹو ورکر بن گیا۔ کشمیر نیشنل آرمی کا کیپٹن بنا اور آزاد کشمیر فوج کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اسے کراچی بھیجا مقصد پاکستان کے خلاف جاسوسی اور پروپیگنڈہ تھا۔ 5/48 کشمیریوں کی انڈیا کے حق میں ہمدردیاں حاصل کرنے میں لگا رہا۔ پبلک سیفٹی ایکٹ سندھ کے تحت 6 ماہ نظر بند رہا۔ 11-09-48 میعادِ نظر بندی گزرنے سے قبل رہا کر دیا گیا۔ سرینگر واپس چلا گیا۔ اور دو ماہ کے بعد واپس آیا۔ 10/51 انڈین ہائی کمیشن کراچی کے دفتر میں کیا اور اسے نگرانی میں رکھا گیا۔ اردو کالج کراچی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ 56 بلیک لسٹ پر رکھا گیا۔ بمبئی جانے کے لئے اس نے اجازت حاصل کر لی۔ جعلی پاسپورٹ پر بمبئی گیا 1/57 مسٹر پارسن کی بیگم کے ہمراہ افغانستان گیا، سپلائی منیجر بیرون ملک کی یہ مالدار شخص ہے۔ اور خودمختار کشمیر کا حامی ہے۔ 61 میں اسٹیٹ کونسل کا ممبر بن گیا۔

زرمبادلہ کی بلیک مارکیٹنگ میں لگا رہا۔ نظریہ خودمختار کشمیر کے لئے تعاون حاصل کرتا رہا۔ 4/62 خودمختار کشمیر کے حامیوں کی جنگ میں راولپنڈی میں شامل ہوا۔ 12/05/63 کو میٹنگ ہوئی اور اسے خودمختار کشمیر کمیٹی کا کنوینئر مقرر کیا گیا۔ 5/63 مئی 64ء میں شیخ محمد عبداللہ راولپنڈی آئے، اس عرصہ میں اور قبل ازیں نظریہ خودمختار کی جدوجہد میں مصروف رہا۔ وہ دونوں ملکوں پاکستان اور بھارت کو کشمیر پر جبراً قبضہ کرنے کا الزام لگاتا رہا۔ اور دونوں کو دوستانہ ماحول پیدا کر کے اور کشمیریوں کو اعتماد میں لے کر اس کا فیصلہ کرنے کا مطالبہ کرتا رہا۔ 06-10-66 دونوں کو الزام دیتا رہا کہ وہ کشمیریوں کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میجر امان اللہ کی مالی مدد فراہم کرتا رہا جو مقبول احمد بٹ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مقبوضہ کشمیر میں جا کر نیشنل لبریشن فرنٹ کو منظّم کر کے اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کو ٹریننگ دے کر بغاوت کے لئے تیار کرتے رہے۔ میجر امان اللہ اور اس کے ساتھیوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔

خفیہ ریکارڈ

غلام محمد لون

میجر امان اللہ اوراس کی پارٹی نے فیصلہ کے مطابق بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جا کر کام شروع کیا۔ وہاں اسے پتہ چلا کہ بھارتی فوج اس کی تلاش میں ہے وہ چھپ کر وہاں سے نکل آیا۔ اورآزاد کشمیر ستمبر 1966ء میں پہنچ گیا۔ 06-10-68 کوکابل گیااور 15-10-68 کوواپس آیا۔محمد مقبول احمد بٹ نے حال ہی میں کراچی گیااور وہاں دس دن تک ٹھہرا۔ اس دوران وہ تمام کشمیری سیاسی لیڈروں سے ملا اوران سے مقبوضہ کشمیر میں جنگ کرنے کے بارے میں مسئلہ زیر بحث لایا گیا۔ کشمیری رہنما غلام محمد لون، میر عبدالمنان، امان اللہ خان، مجید امجد بٹ اور دیگران نے اس نظریہ کی حمایت کی۔لیکن کوئی تجویز تیار نہ کر سکے۔

07/69 امان اللہ خان، جی ایم لون اور میر عبدالقیوم پر مشتمل محاذ رائے شماری کی طرف سے آئینی سفارشات کا ڈرافٹ تیار کرنے کے لئے تشکیل دی گئی۔ جنگ بندی لائن کے اس طرف ایک بند کمرے میں میٹنگ محاذ رائے شماری مجلس عاملہ ریکس ہوٹل راولپنڈی میں ہوئی۔

10-08-69 کو یہ میٹنگ ہوئی 1966ء میں امان اللہ خان، جی ایم لون، میر عبدالقیوم اور مقبول احمد بٹ نے جو پارٹی کارکنوں پر نیشنل فرنٹ میں شمولیت کی پابندی لگا رکھی تھی اسے ختم کر دیا گیا۔

12-1969ء کوزور دیا گیا کہ تمام عہدے داران محاذ اور پارٹی کارکن اپنی ذاتی حیثیت سے اس میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں۔

خفیہ

محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں

19 اپریل کو ڈائیریکٹر پولیس نے چیف سیکرٹری کو خط P/168 جو 14-12-70 کے خط کے تسلسل میں No 8622/CID/70 کو ہاشم قریشی اوراشرف قریشی بھارتی ہائی جیکرز کے 22-03-71 منگلا پہنچنے سے متعلق لکھا گیا تھا۔محاذ رائے شماری کے کارکنوں نے ان کا گاڑیوں کو سجا کر کالج طلباء کے ساتھ مل کر پرتپاک استقبال کیا۔ وہ گاڑیوں

کے ہجوم میں اسٹریلیشیا بنک میر پور تک پہنچائے گئے جہاں ایک جلسے کو خطاب کیا گیا مندرجہ ذیل نعرے کپڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔

ہمارا مطالبہ خود مختار کشمیر۔ مسئلہ کشمیر کا واحد حل خود مختار کشمیر۔ محاذ رائے شماری کے پرچم تلے جمع ہو جاؤ۔

توڑ اس دست جفا کیش کو یارب

جس نے روح آزادئ کشمیر کو پامال کیا

ہم دوست چاہتے ہیں آقا نہیں۔ حق خود ارادیت کا مطلب ہے کہ کسی بیرونی اثر کے بغیر فیصلہ (محاذ رائے شماری)۔

مقامی مسائل کے حل کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر پر صرف کشمیری حکومت کر سکتے ہیں۔ 22-03-71 کو ہائی جیکرز کے اعزاز میں جلسہ اسٹریلیا شاہ بنک میر پور کے سامنے اور 24-03-71 کو ڈڈیال میں ہوا۔ مجلس عاملہ کا خفیہ اجلاس 24-03-71 کو ہوا۔ اور 26-03-71 کو عبدالخالق انصاری، اکرام اللہ جسوال، محمد ہاشم قریشی، اشرف قریشی، میر ہدایت اللہ راولپنڈی چلے گئے۔ ان کے ساتھ دوسروں نے بھی سامعین جلسہ کو خطاب کیا اور ہائی جیکرز کے اس بہادرانہ قدم کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ آزادی چاہتے ہیں۔ گلگت، بلتستان، ہنزہ ریاست کا آزاد کشمیر میں شامل کرنے کا بار بار مطالبہ کیا گیا۔

نوکر شاہی پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس نوکر شاہی نے 23 برس سے پاکستان کو امریکہ کا غلام بنا رکھا ہے اور دولت اکٹھی کر کے بائیس خاندانوں کے پاس جمع کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کی جائے گی اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس میں مدد کریں۔ ان ہائی جیکرز کا محاذ رائے شماری کے ساتھ تعلق ہے جس کے سربراہ مقبول احمد بٹ ہیں۔ اور دوسرے ممبر بشمول ڈاکٹر فاروق حیدر اس میں شامل ہیں۔ جوڈیشنل انکوائری مکمل ہے اور ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کے علاوہ دوسرے لیڈروں کے متعلق بھی تفتیش جاری ہے۔

17-03-71 کو فضل حسین نامی المعروف پھجو جاٹ ساکن خیر پنج تحصیل ہجیرہ کو سرحد کے پاس سے مشتبہ حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ایک صندوق اٹھائے ہوئے تھا، جس کی تلاشی سے mines (آتشیں تار) تین ہندوستانی یونیفارم کی ٹوپیاں، یونیفارم اور پستول پائے گئے۔ تحقیقات پر اس نے بتایا کہ وردیاں اور گولیاں وغیرہ اسے راولاکوٹ کے سردار حسرت نے دی ہیں۔ تاکہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں گوریلا مقاصد کے لئے استعمال میں لائی جائیں۔ یہ جائنٹ انٹیروگیشن سنٹر مظفر آباد کے حوالہ کر دی گئی ہیں۔ جہاں اس سے پوچھ گچھ جاری ہے۔ تفصیلات بعد میں بھیجی جائیں گی۔ یہ خط انسپکٹر جنرل پولیس کی طرف سے لکھا گیا تھا اس پر عبدالعزیز AIG کے دستخط ہیں۔

مورخہ 16 دسمبر 1971ء کو وزارت داخلہ و امورِ کشمیر کی طرف سے ایک خط نمبر p3-01-71 چیف سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کو لکھا گیا جو خفیہ اور فوری کارروائی کے لئے بھیجا گیا برطانیہ میں محاذ رائے شماری کی نسبت پاکستان ہائی کمیشن کے نوٹ کی کاپی بھیجی گئی اور اطلاع اور ضروری کارروائی خاص طور پر پیرا کی 6 کی آخری لائن پر کی جانے کی ہدایت کی گئی۔ خط No P-03-01-71 محررہ 24 جون 71ء کی نقل اور ریمانڈ سے متعلق تھا۔ ایک خاص تعداد میں آزاد کشمیر اور خاص طور پر میرپور کے لوگ برطانیہ میں فیکٹریوں اور دوسرے اداروں میں کام کرتے ہیں، ان میں کچھ نوجوانوں نے فیکٹریوں میں کام شروع کیا ہوا ہے۔ مقامی تعلیم بالغاں کے اداروں میں تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ بالغاں کے لئے مقامی طور پر تعلیمی مراکز اور پولی ٹیکنیک ہیں۔ ان میں سے کچھ نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ہوا ہے اور وہ طارق علی خان سے متاثر ہیں۔

طیارہ کے اغوا جس کی نسبت آغاز میں پاکستان پریس اور برطانیہ کے اردو پریس نے اسے اہم کارنامہ قرار دیا اس نے نوجوانوں میں فخر پیدا کر دیا اور خاص طور پر کشمیری عوام اور جوان نسل میں باعث افتخار بنا دیا۔ بعدازاں اس کارنامے کو جس ڈھنگ میں پیش کیا گیا (اسے بین الاقوامی دباؤ کے تحت بھارتی سازش قرار دے کر پاکستان نے اپنی جان چھڑانی چاہی تھی) اس نے نوجوانوں کو غیض و غضب کا شکار بنا دیا۔ یوسف ثانی جو صوفی محمد زمان کا بھائی ہے۔ اور اس کے طارق علی کے ساتھ تعلقات ہیں اس نے اپنے رشتہ داروں اور ہمدردوں کے علاوہ عبدالخالق انصاری کے رشتہ داروں نوٹیگھم کے محمد بشیر، محمد نذیر ناز (نذیر نازش) برمنگھم، گلاسکو کے بابو عبدالرحیم اور کونٹری کے محمد بشیر نے مل کر مورخہ 30 مئی برمنگھم میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس میں پاکستان کے خلاف تقریریں کرنے کی وجہ سے پاکستان کے حامی کشمیری نے ناکام بنا دیا۔

یہ گروپ جو یوسف ثانی نذیر ناز (نذیر نازش) محمد بشیر اور چند ایک دوسرے لوگوں نے یونائیٹڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کا نام دیا۔ ان کے اکٹھے ہونے کا پتہ 150 عالم بتلایا جو اصل میں نذیر ناز (ہائی کمشنر اپنی رپورٹ میں نازش کو صرف ناز لکھتا آرہا ہے) کا جائے قیام ہے۔ انہوں نے پاکستان مخالف لوگوں کے ساتھ جن میں طارق علی جنجوعہ اور فرید جعفری جیسے لوگ ہیں وہ ایک اشتہار ''ناپاک سازش'' کے نام سے نکال لائے۔ پاکستان کے کچھ حصوں میں یہ اشتہار بھیجا گیا جس کا نوٹس لیا گیا۔ جبکہ برطانیہ میں اس کی تشہیر نہ کی گئی۔ یوسف ثانی جو دوسروں کی نسبت زیادہ سرگرم کارکن ہے وہ میرپور آزاد کشمیر کا رہنے والا ہے۔ وہ لنڈن میں فیکٹری ورکر ہے۔ وہ لندن اور برمنگھم چند ایک فیکٹری ورکروں تک محدود اس کے پاکستانی پاسپورٹ ہے۔ پاسپورٹ کی تفصیلات حاصل نہ کی جاسکیں۔

پیرا نمبر 6 :

اس گروپ کا لندن میں کوئی اثرنہیں ہے۔ بلکہ اکثر لوگ اسے جانتے ہی نہیں ہیں۔ برطانیہ میں کشمیری پاکستان کے حامی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کشمیری نہیں بلکہ پاکستانی کہتے ہیں۔ اورانہیں پاکستان کے اتحاداوراس کی مضبوطی وحفاظت کی فکر رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہیں کوئی پاکستان کے خلاف شکایت ہیں۔ بلکہ عموماً ملازمین سرکار کا جنہوں نے منگلا ڈیم کی وجہ سے انخلاء کی کارروائی کی اورانہیں جو پاسپورٹ اور کسٹم کے دفتروں میں مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اس کے شاکی ہیں۔ آزاد کشمیر کا پاسپورٹ ہونے کی وجہ سے ان کو شہریت حاصل کرنے کی تکالیف بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔ ایک قلیل تعداد نوجوانوں کی ایسی ہے جو طارق علی اور پاکستان مخالف گروپ جسے فرید جعفری اور جنجوعہ ہیں وہ ان کے ہدف بنے ہوئے ہیں (جوان نوجوانوں کو ورغلاتے رہتے ہیں) کشمیریوں کی شکایات کی وجہ سے ان کو بھارتی بھی پاکستان مخالف ان کو اکساتے رہتے ہیں کہ ان کی الگ کشمیری قومیت ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ضروری ہے کہ جو کشمیری ایک مختصر وقت کے لئے کشمیر جاتے ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے مقامی انتظامیہ کے یہ بات ذہن میں ڈالی جائے (تاکہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

مورخہ یکم جولائی 1971ء کو خط سیکرٹری کو بھیجا گیا۔ No: 4373/CID/71 لکھا گیا اور چیف سیکرٹری کو بھیجا گیا۔

عنوان : محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) کے لیڈروں کی ڈاک سنسر کئے جانے کا فیصلہ۔

اختصار

ایک قانونی حکم زیر دفعہ 26 پوسٹ آفسز ایکٹ آف 1898 حکومت کی طرف سے جاری کیا جانا ضروری ہے۔ حکم جاری کیا جائے تا کہ مظفر آباد/ دومیل اور میر پور میں کارروائی شروع کی جا سکے۔ حکم کی نقل پوسٹ آفس کے سپرنٹنڈنٹ اور متعلقہ پوسٹ ماسٹرز کو بھیجی جائیں۔ پونچھ کے لئے راولپنڈی کا اسٹاف کام کرے گا۔ پنجاب حکومت کو ایسا ہی حکم جاری کر کے متعلقہ ڈاک خانہ جات کے افسروں کو اطلاع دی۔

آزاد کشمیر کی عدالتوں کے خلاف رپورٹ

رپورٹ محررہ 3-11-71

مورخہ 30-10-71 کو جی ایم میر (P-477) اور انصاری گروپ کے دوسرے نظر بندوں کو ہائی کورٹ مظفر آباد میں پیش کیا گیا۔ سردار شاہ کو پہلے ہی پولیس نے رہا کر دیا ہوا ہے۔ جج چوہدری رحیم داد نے گورنمنٹ کی درخواست نسبت کئے جانے سماعت (بند کمرہ) اور سماعت کو نور العارفین کی مکمل رپورٹ تک زیر التواء رکھے جانے کو نامنظور کر دیا ہے۔ جج نے ملزم کو جیل میں بہتر کلاس دیئے جانے کا حکم بھی دیا ہے۔ جبکہ ملزم نے اس امر کی استدعا بھی نہیں کی تھی اگلی پیشی مورخہ

10-11-71ء کومقرر کی گئی۔

نوٹ :

عدالت کے وقار کا خیال نہ رکھا گیا۔عدالت کے خلاف رپورٹیں بھیجی جارہی ہیں۔

مورخہ 16 نومبر 1971ء کو ایک خط No 9888 (CID) 71 اے آئی جی کرائمنر نے چیف سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کو لکھا۔

عنوان : محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں

اختصار :

محاذ رائے شماری کے صف اول کے رہنما مئی 71 سے نظر بند ہیں۔ دوسرے رہنما صوفی محمد زمان، صابر انصاری، ممتاز ہاشمی، جی ایم میر 28-08-71 کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ان کی حرکات وسکنات دفاع اور امن عامہ کے منافی ہیں۔ وہ پاکستان اور آزاد کشمیر حکومت کے خلاف اشتہاروں اور کتابچوں کے ذریعہ سخت پروپیگنڈہ کررہے تھے۔ عبدالخالق انصاری، غلام مصطفےٰ علوی اور مندرجہ بالا چاروں اشخاص کی حبسِ بے جا کی درخواست عدالت العالیہ میں زیر سماعت ہے۔اگلی پیشی 12 دسمبر 71 مقرر ہے۔

ہم نے یہ موقف لیا ہے کہ جب پاکستان میں طیارہ اغوا اور لیڈروں کی نسبت عدالت میں مقدہ زیر سماعت ہے۔تو ان کی درخواست کو معرضِ التواء میں رکھا جائے کیونکہ عدالت العالیہ کا فیصلہ پاکستان کی عدالت پر اثر انداز ہوگا۔ دونوں عدالتوں میں وجوہات ایک جیسی ہیں۔

مظفرآباد 8 فروری 72ء ڈائیریکٹر جنرل آف پولیس مظفرآباد نے چیف سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کو خط نمبر 833/CID/72

عنوان : محاذ رائے شماری کی برطانیہ میں سرگرمیاں

31-01-72 کے خط کا حوالہ دے کر لکھا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے نورالعارفین کمیشن اغوا کیس کی تحقیق کے لئے مقرر کیا گیا۔ایک اشتہار ''ناپاک سازش'' کے نام سے پاکستان اور آزاد کشمیر میں تقسیم کیا گیا۔ پیرا نمبر 4 سے ظاہر ہے کہ انصاری گروپ اس اشتہار کی تقسیم کا ذمہ دار ہے۔عبدالخالق انصاری دیگر سات ساتھیوں کے ساتھ جیل میں نظر بند ہے۔

ریاست کے دفاع اور امن کے خلاف ان کی سرگرمیوں کے باعث انہیں جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔اب وزارتِ امورِ کشمیر کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ یوسف ثانی نذیر ناز (نازش) محمد بشیر جو برطانیہ میں ہیں اور ان کے رشتہ دار ہیں۔ جو صوفی زمان اور ان کے رشتہ دار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاکستان دشمن افراد، طارق علی جنجوعہ اور فرید

جعفری سے مل کر یہ اشتہار شائع کیا ہے جو پاکستان اور آزاد کشمیر کے مخالف ہے۔ یوسف ثانی جو صوفی محمد زمان کا رشتہ دار ہے وہ بہت ہی سرگرم ہے۔ پیرا نمبر 6 سے متعلق ایکشن لیا جانا ضروری ہے۔ برطانیہ کے ہائی کمیشن کی یہ شکایت کہ میر پوریوں سے برا سلوک کیا جاتا ہے اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اور یہ شکایت غلط بھی ہے۔ صرف بیرونی کرنسی کی بلیک مارکیٹنگ کرنے والوں کو پکڑا جاتا ہے۔

دوسرے میر پوریوں کو جو برطانیہ سے آتے ہیں اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ اور محکمہ متعلقہ کوئی شکایت نہ پہنچنے دے گا۔ یہ پیرا نمبر 6 کی نقول ڈپٹی کمشنروں اور پولیس افسروں (ایس پی) کو بھیجی جائیں۔

No HAP/A-33(295)/220/72

6 جنوری 72ء ملک عبدالعزیز خان سیکشن افسر نے اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس کرائمز کو خط لکھا

عنوان : جموں کشمیر محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں

اختصار :

خط محررہ 71(CID)9888 مورخہ 71-11-15 سے متعلق جواب غیر متعلق ہے۔ بھیڈی گاؤں کے لوگوں کے الزامات کی کاپی بھیجی گئی تھی۔ یہ خط بدوں کسی شخص کے دستخط کے تھا۔ تحصیل حویلی کے اس گاؤں میں جو واقعات ہوئے اس کی نقل بھیج کر رپورٹ طلب کی گئی تھی۔ ایس ایچ او محمد بشیر، مسٹر ممتاز حسین راٹھور ایم ایل اے اور خواجہ مقبول احمد بٹ ایس ایچ او سے متعلق مفصل رپورٹ بھیجی جائے وزارت امور اس جواب کے لئے مصر ہے۔ اس کام کو ترجیح دی جائے۔

وزارتِ داخلہ اور امورِ کشمیر کی طرف سے خفیہ خط

عنوان : محاذ رائے شماری کی خفیہ سرگرمیاں

جموں کشمیر محاذ رائے شماری خود مختار کشمیر پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے حصول کے لئے اس کے کارکن گوریلا سرگرمیوں کو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جاری رکھنے کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ محاذ کے اہم ممبران یہ ہیں مسٹر امان اللہ کراچی، مسٹر غلام محمد لون کراچی۔ مسٹر عبدالمنان کراچی، میر عبدالقیوم کراچی، مسٹر مقبول احمد بٹ صدر محاذ رائے شماری۔

مسٹر امان اللہ اور اس کے دیگر ساتھیوں نے 66 میں مقبوضہ کشمیر میں مہم جوئی کی، اس میں مقبول احمد بٹ، یاسین اور کالا خان پکڑے گئے اور انہیں سزائے موت ہوئی، میجر امان اللہ خان، مقبول احمد بٹ، یاسین اور میر احمد خان بچ کر آزاد کشمیر آنے میں کامیاب ہوگئے۔ 5/6 دسمبر کو مظفر آباد میں کنونشن کے بعد انہوں نے مسلح جدوجہد کا فیصلہ کیا۔

رپورٹ ملی ہے کہ انہوں نے اسلحہ، بارود وغیرہ اکٹھا کر کے لوگوں کو اسے مقبوضہ کشمیر پہنچانے کے لئے ترغیب دینی شروع کر رکھی ہے۔ اور ریکروٹ بھرتی کرنے شروع کر رکھے ہیں۔

تاکہ وہ مقبوضہ کشمیر میں جا کر مسلح کارروائیاں شروع کر دیں۔ ان کے منصوبے کی سائیکلو اسٹائیل کاپی شامل ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ امان اللہ اور اس کے کارکن ٹھیک نہیں کر رہے ہیں اسے بلا کر بتا دیا جائے اور سراغرسانی ادارہ ان پر واضح کر دے کہ ان کی کشمیر کی آزادی کے لئے پرائیویٹ کوششوں کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو ان کے مرکزی لیڈر گرفتار کر کے حوالہ زندان کر دیئے جائیں۔

سرگرمیوں کی خفیہ رپورٹ نسبت امان اللہ خان، محاذ رائے شماری اور قومی محاذ آزادی۔

امان اللہ خان جو اصل میں شمالی علاقہ جات کا رہنے والا ہے۔ وہ وائس آف کشمیر کراچی کا مدیر ہے۔ اور جموں کشمیر برائے محاذ رائے شماری آزاد کشمیر و پاکستان کا جنرل سیکرٹری ہے۔ وہ کشمیر کمیٹی برائے الیفر والیشن پیپلز سالیڈیٹری کا سیکرٹری جنرل بھی ہے۔ اس کی سرگرمیاں محاذ رائے شماری کا اور قومی آزادی کے گرد گھومتی ہیں۔

جموں کشمیر محاذ رائے شماری

یہ جماعت مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کے لئے 1965ء میں وجود میں لائی گئی............

۱)...... جموں کشمیر کے عوام کے لئے غیر مشروط حق خود ارادیت کا حصول۔

۲)...... ساری دنیا میں غیر مشروط، منصفانہ، شفاف اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنا۔

۳)...... پاکستان کے عوام اور حکومت پاکستان سے اچھے تعلقات پیدا کر کے حکومت پاکستان کے ہاتھ مضبوط کر کے جموں و کشمیر کے عوام کے لئے حق خود اختیاری کا حاصل کرنا۔

مسٹر عبدالخالق انصاری وکیل میر پور کو اس جماعت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کے اہم ممبران میں میر عبدالعزیز، خواجہ غلام نبی گلکار انور اور امان اللہ خان کراچی کے ہیں۔ اس کے ممبران کی بڑی تعداد نظریہ خود مختار کشمیر کی وکالت کرتے چلے آتے ہیں وہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت پر زور دیتے ہیں۔ اور ان کا اظہار ہے کہ ریاست کے مستقبل کے بارے میں الحاق کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کشمیریوں کو ان کا حق خود ارادیت مل جائے گا۔

آزاد کشمیر کی انتظامیہ کے سلسلہ میں وہ جمہوری اور نمائندہ حکومت کے حق میں ہیں۔ اس میں گلگت بلتستان کو شامل کر کے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر صدارت کے انتخاب کے حق میں ہیں۔ وہ گلگت بلتستان اور مہاجرین کو رائے دہی میں شامل کرنے کے حق میں ہے۔

نمبر 4 :

اپریل 1968ء میں محاذ کے ممبروں میں انتشار پیدا ہوا۔ اور اس جماعت کے دو گروپ بن گئے۔

نوٹ :

محاذ رائے شماری میں وزارت امورِ کشمیر نے پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور اس وقت مقبول احمد بٹ شہید سزائے موت پا کر بھارتی مقبوضہ کشمیر میں پس دیوارِ زنداں تھے، میر عبدالعزیز، خواجہ غلام نبی گلکار انور، مسٹر اکرااللہ جسوال، اور قریشی صاحب نے ان کے خلاف محاذ رائے شماری سے بغاوت کا الزام لگا کر تادیبی کارروائی کا مطالبہ کیا تھا، جب یہ مسئلہ مجلس عاملہ میں پیش ہوا تو شہید مقبول احمد بٹ کو اس قربانی کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ تادیبی کارروائی کے تحریک کرنے والوں نے میر عبدالعزیز کا ساتھ نہ دیا تھا اور وہ تنہا رہ گئے تھے، بالآخر انہوں نے ایک الگ گروپ بنالیا تھا۔

وزارتِ امورِ کشمیر اس پروپیگنڈہ کو دُور کرنا چاہتی تھی کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے محاذ رائے شماری الیکشن بائیکاٹ کرر کھا ہے۔ اور آزاد کشمیر محاذ رائے شماری نے جو 1970ء میں بائیکاٹ کیا تھا وہ ایک گروپ کی طرف سے تھا اور وہ اس گروپ کی تشہیر کرتے رہے، جب وزارتِ امورِ کشمیر کا مقصد پورا ہو گیا تو دوسرا گروپ خود بخود غائب ہو گیا تھا۔

چوہدری محمد شریف طارق ایڈووکیٹ 1965ء کی جنگ کے دوران بھارتی مقبوضہ کشمیر (راجوری) سے مہاجرین کے ساتھ آزاد کشمیر میں پہنچے تھے۔ انہیں آزاد کشمیر اور پاکستان کی سیاسیات کے بارے میں واجبی سے معلومات تھیں، وہ کسی طرح ان کے وزارت امورِ کشمیر سے تعلق کی بناء پر متاثر ہوئے تھے۔ وہ لبریشن لیگ کے صدر بھی رہے اور جب لبریشن لیگ کو مسٹر کے ایچ خورشید نے پیپلز پارٹی میں ضم کر دیا تھا تو وہ بھی پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ اخبار کی ایک خبر نے تاریخ کے اوراق پلٹ کرر کھ دیئے تھے کہ محاذ رائے شماری کے سابق صدر لبریشن لیگ چھوڑ کر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے مہاجرت کی زندگی میں اپنی محنت سے ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔

اور ہجرت سے جب انسان کی پہچان ختم ہو جاتی ہے تو انہوں نے راجوری کے مہاجرین کو ان کی پہچان دی وہ بڑے ذہین، فطین اور ریاست کے صف اول کے سیاست دانوں میں شمار ہونے لگے تھے۔ ہمارا ان کا مدتوں سے ساتھ چلا آتا ہے۔ میں ان کی مجبوریوں کو سمجھتا ہوں اور انہوں نے آزاد کشمیر، گلگت و بلتستان اور مہاجرین کشمیر کی مجبوریوں کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ہمارے درمیان نظریہ خود مختار کشمیر پر کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

(خفیہ سرکاری نوٹ) شروع ہوتا ہے۔

ا/ا)...... ایک گروپ عبدالخالق کی سربراہی میں کام کرتا ہے جس کے دیگر ممبران اکرام اللہ خان جسوال

وغیرہ ہیں اور اس کا جنرل سیکرٹری امان اللہ خان آف کراچی ہے اس گروپ کا نام محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر وپاکستان ہے۔

۲)...... دوسرا گروپ کے سربراہ محمد شریف طارق ہیں۔ غلام احمد کرناہی وغیرہ اس کے ممبران ہیں۔ میر عبدالعزیز ایڈیٹر انصاف اس کا جنرل سیکرٹری ہے یہ گروپ جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کے نام سے چلا آتا ہے۔

انصاری گروپ کے اہم اغراض ومقاصد درج ذیل ہیں............

۱)...... ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ ریاست کا نہ ہندوستان سے الحاق ہوا ہے اور نہ ہی پاکستان سے ہوا ہے، اگرچہ اس کا ایک حصہ جبراً بھارتی قبضہ میں ہے۔

۲)...... بھارت کا یہ موقف ہے کہ ریاست بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اس کے لئے کوئی اخلاقی، قانونی، سیاسی، آئینی اورمبنی برانصاف دلیل موجود نہ ہے۔ مطلق العنان راجہ کے الحاق کا فیصلہ اور کشمیر اسمبلی کی توثیق کئے گئے معاہدوں کی جگہ نہیں لے سکتے۔ اور نہ ہی یہ حق خودارادیت اور اس کے حصول کی جگہ لے سکتا ہے۔

۳)...... ریاست جموں وکشمیر کے لوگ اپنے ملک کے مالک ووارث ہیں اور وہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ آزاد اور جمہوری طریقے سے فیصلہ کرنے کا حق صورت اصل مالکوں یعنی کشمیری عوام کا ہی حق ہے۔

۴)...... ریاست جموں وکشمیر جو گلگت و بلتستان سے لے کر جموں تک ایک طرف پھیلی ہوئی ہے اور کوہالہ سے لداخ تک دوسری طرف پھیلی ہوئی ہے یہ ایک ناقابل تنسیخ سیاسی اکائی ہے۔ اس ریاست کو جغرافیائی، لسانی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی موجودہ جنگ بندی لائن کے ذریعے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۵)...... جموں وکشمیر کے دونوں طرف اپنی آزادی وحق خودارادی کے حصول کے لئے عوام اپنے چھینے ہوئے حق کو حاصل کرنے اور حق خودارادیت کے غیر جانبدارانہ استعمال کے حق کے حاصل کرنے کے لئے تمام ذرائع بشمول مسلح جدوجہد اختیار کرنے کا قانونی اور مسلمہ حق استعمال کرنے کا جواز رکھتے ہیں۔ جب تمام پرامن ذرائع ناکام ہوجائیں تو مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا اس سے نہ بین الاقوامی قوانین اور نہ ہی اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

محاذ نے اپنا تیسرا کنونشن A/5 اکتوبر 1968 کو میرپور میں منعقد کیا۔ جس میں بھارتی مقبوضہ کشمیر کے لیڈروں کو بھی اجلاس میں شمولیت کے لئے دعوت نامے ارسال کئے۔ کنونشن میں اقوامِ متحدہ کی قرارداد پر غور کر کے اسے بے مقصد اور بے معنیٰ قرار دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ خودمختار کشمیر کا حق بھی پاک و بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کی قرارداد میں شامل کیا جائے اور اقوامِ متحدہ کی قرارداد کو نامنظور کیا گیا۔ اور اسے حق خودارادیت کے منافی قرار دیتے ہوئے ریاست

کی خودمختاری کو متبادل حل کے طور پر تجویز کیا گیا۔

صرف یہ ایک کشمیری پارٹی ہے جس نے کھل کر تحریری اور زبانی طور پر............

۱/)...... اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کو مسترد کیا۔

۲/)...... خودمختار کشمیر کی حمایت اور وکالت کی۔

۳/)...... اور وہ ہندوستان اور پاکستان سے الگ اپنی شناخت چاہتی ہے۔

کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ۔

1965ء کی جنگ کی وجہ سے ایک نئی کشمیری انقلابی تحریک سامنے آئی ہے اس کی دو اہم مثالیں امان اللہ خان جنرل سیکرٹری محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) اور مسٹر عبدالباسط ہیں جو آجکل برطانیہ میں ہیں۔ دونوں مایوس، جذباتی ہیں یا تو دونوں میں فیصلہ کرنے کی عقل نہیں ہے یا دونوں اسے آگے بڑھانے پر بضد ہیں۔

15/17 اپریل 72ء ایڈیشنل چیف سیکرٹری راجہ عبدالخالق خان TQA نے چیف سیکرٹری کو وزارتِ امورِ کشمیر کے خط کے حوالہ سے پیرانمبر 6 کی نسبت بتایا کہ برطانیہ سے آنے والوں کے ساتھ سخت برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ البتہ زرمبادلہ کی بلیک مارکیٹنگ کی روک تھام کے لئے قومی مفاد کے لئے قدم اٹھایا جاتا ہے۔ ڈی سی اور ایس پی کو لکھا گیا ہے کہ شکایت کنندگان کی شکایت کا فوری ازالہ کریں۔

خفیہ

مسٹر امان اللہ خان

امان اللہ خان کی تعلیم اور اس کی فکری بلندی باسط کی طرح اعلیٰ و بلند نہیں ہے۔ لیکن وہ بظاہر اس کی نسبت زیادہ Reekless ہے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد بھارتی مقبوضہ کشمیر میں گوریلا جنگ شروع کرنے کا محرک ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کے کچھ لوگ قتل (شہید) کیئے گئے اور کچھ کو مقبوضہ کشمیر کی عدالتوں نے سزائے موت دی ہے۔ کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کا نہ کوئی دفتر ہے۔ نہ اس کے کوئی عہدے دار ہیں۔ امان اللہ خان نے اپنی مہم جوئی پر محاذ رائے شماری کا پردہ ڈال رکھا ہے اس نے محاذ رائے شماری کے اندر رہ کر سرگرمیاں شروع کر رکھی ہیں۔ اس سے متعلق اس کے ساتھی میجر امان اللہ خان آف پشاور اور کراچی سے میر عبدالقیوم اور جی ایم لون ہیں۔

امان اللہ خان اور اس کے دوسرے ساتھیوں پر شبہ ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت چائینہ (چین) کی مالی مدد سے یہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں مسٹر باسط سے جو برطانیہ میں ہے منسلک ہیں۔ جو اپنے آپ کو نیشنل

لبریشن فرنٹ کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ وہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کی حمایت کرتا ہے۔

بھارت سے کشمیر آزاد کرانے کے لئے دنیا کی کسی حکومت سے بھی مالی اور اسلحہ کی امداد حاصل کرنے کے حق میں ہے۔ یہ رپورٹ بھی ملی ہے کہ امان اللہ خان سے میر عبدالمنان کریسنٹ پبلسٹی سروس کی مالی اعانت سے سرگرم ہو گیا ہے۔

مسٹر عبدالباسط

مسٹر عبدالباسط ان دنوں امریکہ میں رہتا ہے۔ اس کا والد مولوی عبدالرحیم ہے۔ جو احمدی فرقے سے تعلق رکھتا ہے وہ وادی کا مہاجر ہے اور وہ ایبٹ آباد اور لاہور میں آباد ہوا ہے وہ میر واعظ یوسف شاہ کی نگران حکومت میں ایک بار معاون حکومت میں لیا گیا تھا۔ عبدالباسط 51-12-05 سے 51-06-20 ت معاون حکومت رہا۔

پیراہ نمبر 11 :

مسٹر باسط، مسٹر امان اللہ خان سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ وہ امریکہ میں رہا ہے اس دوران وہ بہت سے اہم امریکنوں سے ملا ہے اور کوشش کرتا رہا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا حل کیا جانا بہت اہم ہے ظاہر ہے کہ وہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اب وہ انگلینڈ میں ہے اور اب انتہا پسند بائیں بازو کے انقلابیوں کی طرح بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ویتنام کی طرح گوریلا جنگ برطانیہ جیسی محفوظ جگہ میں بیٹھ کر لڑنا چاہتا ہے۔ کشمیریوں میں اس کے پیروکار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہ موجودہ حکومت پاکستان کے مخالف ہے۔

پیرا نمبر 12 :

اس کے متعلق رپورٹ ملی ہے کہ اس نے نیشنل لبریشن فرنٹ کے زیر اہتمام تحریک آزادیٔ کشمیر کے حق میں بہت سی قابل اعتراض تحریریں لکھیں یا انہیں تقسیم کیا ہے۔ یہ آزاد کشمیر (خود مختار کشمیر) اور نیشنل لبریشن فرنٹ کے مقاصد سے متعلق ہیں۔ کچھ ہمارے جو نوٹس میں آئی ہیں وہ یہ ہیں............

۱)...... اس کا خط بشارت احمد شیخ ولد عبدالحی شیخ ایڈووکیٹ مظفر آباد۔

۲)...... ایک پمفلٹ بعنوان اپیل اور انتباہ جو اقوامِ متحدہ کے اکیسویں جنرل اسمبلی کے اجلاس میں لیڈروں کو بھیجا گیا۔

۳)...... مندرجہ بالا اپیل کے ساتھ ایک اشتہار بزبان اردو۔

۴)...... کشمیری اور پاکستانی ایوب سے جواب طلب ہیں۔ کتابچہ

خفیہ

میر عبدالقیوم ولد روشن دین میر

پروپرائیٹر کریسنٹ پبلسٹی سروس کراچی

پیدائش 01-01-1919۔ والد بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بلڈنگ کنسٹرکٹر تھا۔ (جموں) سے ہجرت کر کے نومبر 47 میں سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ اور انجمن مہاجرین جموں کشمیر بنائی۔ کراچی چلے گئے اور وہاں ایک اشتہاری ایجنسی کریسنٹ پبلسٹی سروس کے نام سے مارچ 48ء میں بنائی 12-13-63 کو خودمختار کشمیریوں کے حامیوں نے انڈی پینڈنٹ کمیٹی بنائی جس کا انہیں بھی ممبر نامزد کیا گیا۔ اس کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعے خودمختار کشمیر کی قرارداد پاس کی کہ اسے سوئیٹرز لینڈ کی طرح خودمختار رکھا جائے۔ تمام قوموں کو برابر کے حقوق دیئے جائیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہمسایہ ممالک اور اقوامِ متحدہ کی ہو۔

یہ 08-05-63 کو قرارداد پاس کی گئی۔ کراچی میں محاذ رائے شماری بنا کر اس کا انہیں کنوینئر بنایا گیا۔ 01-09-64 کو ان کی رہائش گاہ پر میٹنگ ہوئی۔ مسٹر کے ایچ خورشید سے (صدارت) کا استعفیٰ لینے پر غور کرتے ہوئے احتجاجی جلوس نکالنے کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ اس وقت مسٹر جے پرکاش نارائین کراچی آرہا تھا۔

اور ایک دانشور طبقہ نے یہ مشورہ دیا کہ مسٹر جے پرکاش نارائن کا شاندار استقبال کیا جائے۔ اس لئے احتجاج کرنے کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ اس میں دیگر اہم شرکاء غلام احمد ناز، غلام محمد لون تھے۔ 10-09-64 نئی جماعت کا انہیں خزانچی بنایا گیا۔

03-/4-4/65 کو دوروزہ کانفرنس جو سیالکوٹ میں ہوئی تھی۔ اس میں خزانچی بنائے گئے۔ انہوں نے انڈیا کے ہائی کمیشن کے دفتر کے سامنے شیخ محمد عبداللہ کی حمایت میں مظاہرہ کیا جن کا داخلہ بند کردیا گیا تھا۔

دوسرے کشمیری لیڈروں کے ساتھ گرفتار ہوا اور دوسروں کے ساتھ تیسرے روز رہا کردیا گیا تھا۔ مئی 65ء میں یہ احتجاجی مظاہرہ تمام کشمیری جماعتوں کی طرف سے ہوا تھا۔ 4 اگست 65ء میں مقبول احمد بٹ اور میجر امان اللہ نے مقبوضہ کشمیر کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے وہاں آدمی بھیجے جانے کی رائے دی جو وہاں جا کر وہاں کے مشہور لیڈروں سے رابطہ کر کے وہاں کے حالات کا بتاسکیں۔ امان اللہ خان کے ساتھ پشاور گئے جہاں محمد مقبول احمد بٹ اور میجر امان اللہ خان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مقبوضہ کشمیر کے لیڈروں سے رابطہ کرنے اور ان کی آراء حاصل کرنے کے لئے تجویز تھی اکتوبر 65ء میں مقبول احمد بٹ کراچی گئے۔ اور اس معاملہ بالا پر غور کیا۔

کسی خاص فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے انہوں نے غلام محمد لون جو اسٹیٹ اسمبلی کے ممبر تھے انہیں اعتماد میں لینے کی

کوشش کی، لیکن وہ نہ مانے اس دوران میجر امان اللہ خان بھی کراچی پہنچ گئے۔ اور انہوں نے غلام محمد لون سے بحث کی اور انہیں منا لیا۔ اور کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ میں شمولیت اختیار کر لی۔

''کشمیر تنازعہ کو حل کرو'' اس کے لئے مقبوضہ کشمیر میں کچھ افراد بھیجنے کا طے ہوا اور اس نے 7 ہزار روپیہ چندہ بھی دیا۔ نومبر 65ء مئی 66ء کچھ کشمیری سیاسی کارکن بشمول کے ایچ خورشید اور میر عبدالقیوم گوریلا سرگرمیوں کے سلسلہ میں مری آئے، میر عبدالقیوم نے سردار عبدالغفار خان سے بھی رابطہ کیا۔

یہ عبدالقیوم خان کے بھائی ہیں، امان اللہ خان نے کراچی سے ایک پمفلٹ جاری کیا جس میں کچھ تفصیلات نیشنل لبریشن فرنٹ کی دی گئی ہیں۔ اس نے ظاہر کیا کہ محاذ آزادی کے اخراجات میر عبدالقیوم، جی ایم لون اور محمد صدیق بابا نے دیئے۔

30-7-69 کو پتہ چلا ہے کہ امان اللہ خان، میر عبدالقیوم، جی ایم لون، اور مقبول احمد بٹ وغیرہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ نیشنل لبریشن فرنٹ کی تنظیم کی جائے۔ اور اسی باعث محاذ رائے شماری کے عہدے داروں اور کارکنوں پر جو پابندی عائد تھی اسے ہٹا دیا گیا ہے۔

(12/69)۔

مقبول احمد بٹ ولد غلام قادر تریگام تحصیل ہندواڑہ ضلع بارہمولہ

موجودہ پتہ نمبر 2508K کرشن پورہ پشاور۔

تاریخ پیدائش 1935ء میں پیدا ہوا 1950ء کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آیا۔ اور پشاور یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ روزنامہ انجام میں ملازمت حاصل کی اور مقامی سیاست میں حصہ لیا۔ اور اخبار کے کراچی دفتر میں اس کا تبادلہ کر دیا گیا۔ اس نے کراچی جانے سے انکار کر دیا اور استعفیٰ دے دیا۔ ابتدائی طور پر وہ مسلم کانفرنس ابراہیم گروپ میں شامل ہو گیا۔ لیکن بعد ازاں الگ ہو کر خورشید گروپ میں چلا گیا۔

7/62 میں پشاور یونیورسٹی میں جموں کشمیر طلباء یونین کا سیکرٹری بنا۔ یہ اس گروہ کا ممبر تھا جس نے مئی 1966ء میں سرحد عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں میجر امان اللہ خان کی قیادت میں توڑ پھوڑ (گوریلا کارروائیاں) کیس 5/66 کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرا کر مقدمہ میں گرفتار ہوا۔ اس کا جنگ بندی لائن عبور کرنے کا حکومت کی کسی ایجنسی سے کوئی تعلق نہ تھا۔

میجر امان اللہ اور اس کا ساتھی حبیب اللہ بٹ کی دولائی میں جے آئی سی نے پوچھ گچھ کی۔ تفتیش میں 22-10-66 کو انہیں بلیک قرار دے دیا گیا۔ مقبول احمد بٹ بشمول اپنے ساتھیوں امیر احمد خان، یٰسین ولد سائیں خان

قوم راجپوت ساکن بردوک گاؤں تحصیل سوپور ضلع بارہ مولہ مقبوضہ کشمیر، غلام یٰسین ولد نیاز احمد گوجر ساکن نواں کوٹ تھانہ چناری آزاد کشمیر کو مقبوضہ کشمیر میں انڈین سراغ رسانی ایجنسی کے اسٹاف کے ایک ممبر امر چند کو قتل کرنے کے الزام میں انہیں سزائے موت دی گئی۔ بعدازاں اسے سزائے عمر میں تبدیل کر دیا گیا۔

8-9 دسمبر 1968ء کو وہ اور اس کا ساتھی جیل سے فرار ہو کر 23-12-68 کو سرحد عبور کر کے آزاد کشمیر پہنچ گئے۔ 03-01-69 جو جے آئی سی نے تفتیش کے بعد انہیں ''گرے'' قرار دیا۔ 14-02-68 کو گرے گریڈ قرار دیا۔ اسے 08-03-69 کو آزاد کر دیا گیا۔ اور ایک سال کے لئے زیرنگرانی رکھا۔ وہ کراچی چلا گیا اور دس دن تک وہاں رہا دوران قیام کراچی اس نے تمام مقامی کشمیری لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جنگ کرنے کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا۔ (اور اس کے روشن امکانات بتائے)۔ کشمیری رہنماؤں میر عبدالمنان، غلام محمد لون، امان اللہ خان، مجید امجد بٹ اور دوسروں نے اس کی حمایت کی لیکن کوئی ٹھوس پلان تجویز نہ کر سکے۔ ایک خاص ذریعہ سے بات کرتے ہوئے اس نے تجویز کیا کہ انہیں ملازمت دلائی جائے تاکہ ان کی معاشی حالت درست کی جائے۔ لیکن آمدن کا کوئی سامنے وسیلہ نہ تھا۔

10-08-69 کو محاذ رائے شماری (انصاری گروپ) کی مجلس عاملہ کا ایک بند کمرے میں اجلاس میں شرکت کی اور عہدے داروں پر نیشنل لبریشن فرنٹ میں شرکت کی عائد شدہ پابندی کو دور کر دیا گیا۔ (لبریشن فرنٹ 1966ء میں خفیہ قائم کیا گیا تھا۔ 04-11-69 کو مظفر آباد کے سالانہ کنونشن کے موقع پر یہ کارروائی عمل میں لائی گئی۔ مظفر آباد میں سالانہ کنونشن کے موقع پر صدارت کرتے ہوئے خطاب کیا اور کہا کہ پارٹی کے اغراض و مقاصد حق خود ارادیت کا حصول ہے۔ ان کا ملک ان کے حوالہ کیا جائے۔

یہ کشمیری الحاق بھارت و پاکستان یا خودمختار کشمیر کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اور اعلان کیا کہ وہ اس کے لئے پہلے ہی مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ تفصیلات عوام میں نہیں بتائی جا سکتی ہیں۔ ہم اس جدوجہد کو ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ پہلے تحریک آزادی کو جان کرنا کام بنایا جاتا رہا ہے۔ تاکہ کشمیری غلامی کے لئے تیار ہو جائیں۔

06-11-69 اس نے کہا کہ اس کی جماعت آزاد کشمیر میں ایک نمائندہ، بااختیار، جمہوری اور پارلیمانی نظامِ حکومت چاہتی ہے۔ اور عہد کیا کہ ان کے حصول تک جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ عوام آزادی پسند ہیں صرف لیڈروں کی ذہنی سطح ایسی نہیں ہے۔ وہ تبدیل ہو چکی ہے۔

12-11-69 کو سیالکوٹ میں پریس کانفرنس میں بتایا کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے ان کی راہ سامنے ہے۔ کشمیر دشمنوں سے وطن آزاد کرانے کے لئے عوامی مسلح جدوجہد کی ضرورت۔ 14-11-69 کو لاہور ایمبیسڈر ہوٹل

میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے اندر تحریک آزادی جاری ہے۔ اور یہ اس طرح کی جنگ نہیں ہے کہ دراندازی ہورہی ہو۔ محاذ رائے شماری کے لوگ عوام کو آزادی کی تحریک چلانے کی تربیت دیں گے۔

12-12-69ء کو اے پی پی راولپنڈی نے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں نیشنل لبریشن فرنٹ کی طرف سے دو اپریشنوں کی نسبت خبر پریس کو جاری کی۔ اور بھارتی سامراجیوں کو جموں کو ہماچل پردیش میں شامل کرنے کی نسبت انتباہ کرتے ہوئے ایسی کسی حرکت سے روکا۔ مؤثق ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ یہ خبر راجہ اصغر نمائندہ اے پی پی راولپنڈی نے اشاعت کے لئے بھیجی تھی۔ جو انہیں جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ اپریشنل کمانڈ جنوبی سیکٹر سے ملی تھی۔

اس نے جو شخص خبر لایا تھا اس کی شناخت کی نسبت نہ بتایا۔ محاذ کے صدر مقبول احمد بٹ 13-12-69 کو فاروق حیدر کے کلینک راولپنڈی صدر بازار میں دیکھے گئے۔ شام کو وہ راجہ اصغر خان سے ملے۔ انہوں نے مقبول احمد بٹ کو بتایا کہ پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ نے مقبول احمد بٹ نے اس خبر کو درخور اعتنا نہیں سمجھا وگرنہ اس کی وسیع تشہیر ہوتی ہے۔ مقبول احمد بٹ نے کہا کہ یہ سچی مبنی بر حقیقت خبر ہے۔

انڈیا بھی اس کی تردید نہیں کرسکتا۔ 07-12-69 کو مقبول احمد بٹ نے اکرام اللہ خان جسوال کو بلا کر کہا کہ وہ راولاکوٹ، باغ، پلندری کے پارٹی چیف سے مل کر وہاں کارکنوں کے اجلاس بلانے کے لئے کہیں اور مقامی وکلاء کی میٹنگ بھی بلائی جائیں تاکہ وہ انہیں جا کر خطاب کریں۔ 12-69 مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کرنے کے لئے بھیجے گئے دو گروپ جن کے پاس آتشیں مادہ بھی تھا۔ وہ حکومت پاکستان سے الگ اپنے طور پر گئے تھے۔ ایک فوجی گاڑی حادثہ کی وجہ سے گر گئی تھی (تخریب کار انہیں اپنے کام سے منسوب کرتے ہیں)۔

02-01-70۔

سیکرٹ کشمیر افیئرز ڈویژن

مسٹر امان اللہ خان اصل میں شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھتا ہے۔ مسٹر امان اللہ خان جو وائس آف کشمیر کا ایڈیٹر ہے۔ محاذ رائے شماری برائے آزاد کشمیر و پاکستان کا جنرل سیکرٹری ہے۔ محاذ اپریل 65ء میں بنایا گیا تھا۔ اس کا خودمختار کشمیر کی طرف جھکاؤ ہے۔ محاذ کا نظریہ، یہ ہے کہ کشمیریوں کو اپنا مستقبل چننے کے غیر مشروط اور لامحدود حق خود ارادیت دیا جائے۔ وہ غیر جانبدارانہ بغیر کسی دباؤ کے رائے شماری کے ذریعے اپنی قسمت کا فیصلہ کرسکیں۔ وہ پیپلز سالے جنرل کا سیکرٹری ہے۔

پیرانمبر 2 :

14-09-66 کوآل انڈیا ریڈیو نے ایک خبر نشر کی پاکستان نے مالی اور اسلحہ کی مدد دے کر کچھ تخریب کار بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھیجے ہیں جن کا سراغ لگالیا گیا ہے اور اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔ اس گینگ کے چار ممبروں کو زندہ پکڑ لیا گیا ہے۔ فائرنگ کے تبادلہ میں انکا ایک ممبر ہلاک ہوگیا ہے۔ تین گرفتار ممبروں کے نام یہ ہیں۔ صوبے دار میجر کالا خان پاکستانی فوج اور تحسین المعروف قادر بھی پاکستانی فوج سے تعلق رکھتا ہے۔ تیسرا مقبول المعروف اکسیر ہے۔ چوتھے گرفتار شدہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اور جو عملی قدم میں مارا گیا ہے اس کا نام طاہر ہے جو پشاور کے آفریدی قبائل سے تعلق رکھتا ہے۔

پیرانمبر 3 :

18-09-66ء کو امان اللہ خان جو ریکس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس نے پریس کے دفتروں میں فون کیئے کہ اس کے پاس مقبوضہ کشمیر کے حالات کے بارے میں تحریری ثبوت موجود ہیں۔ جو وہ پریس کو دکھانا چاہتے ہیں۔ اور تازہ واقعات جو ہوئے ہیں اس بارہ میں اعتماد میں لینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک گہری تحریک ہے جو جنگ بندی لائن کے دونوں طرف ہے۔ اس نے پریس کو بتایا کہ یہ قبل از وقت اور بدوں سوچے سمجھے واقعات ہوئے ہیں۔

ان کے لئے ماہ نومبر 1966ء مقرر کیا گیا تھا۔ پریس نے اس کی ان باتوں کو پریس میں جگہ نہ دی پھر امان اللہ خان نے کشمیر افیئرز ڈویژن میں ایوانِ صدر میں پہنچا وزارتِ امورِ کشمیر اور ڈیفنس منسٹری میں گیا اور اس نے بتایا کہ اصل میں وہ خود ہے جس نے یہ انقلاب شروع کرایا ہے جو ناکام ہوا ہے۔ مسٹر امان اللہ خان کے یہ انتہائی اٹھایا ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

پیرانمبر 4 :

جنوری 1968ء کو اس نے جنرل سیکرٹری اور دنیا کی تنظیموں (ایشیا واچ وغیرہ) کو میمورنڈم بھیجا اور جموں کشمیر محاذ رائے شماری کا موقف آزاد، غیر مشروط غیر محدود ساری ریاست کے لئے رائے شماری کے ذریعہ حق خود ارادیت کا حصول ہے۔

پیرانمبر 5 :

مسلم کانفرنس کے رہنما چوہدری غلام عباس کی وفات پر نازیبا الفاظ استعمال کرنے کا الزام امان اللہ خان پر لگایا گیا۔ امان اللہ خان کے خلاف مسلم کانفرنس کے حلقوں میں رنج وانتقام کی آگ بڑھک اٹھی، اسے دور کرنے کے لئے وہ مسلم کانفرنس کے لیڈر عبدالقیوم خان اور مرحوم کے لواحقین کے پاس معذرت کر کے منسوب بیان اور الفاظ کو میر عبدالعزیز کی شرارت قرار دے رہا ہے۔

پیرانمبر 6 :

امان اللہ خان اوراس کے ساتھی نیشنل لبریشن فرنٹ کے لئے کام کرر ہے ہیں۔ یہ کسی غیر ملکی جیسے چین سے مالی مدد حاصل کرر ہے ہیں ان کی سرگرمیاں عبدالباسط سے ملتی ہیں جو اس وقت برطانیہ میں ہے اوراپنے آپ کو نیشنل لبریشن فرنٹ کا ترجمان بھی ظاہر کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی ملک سے مالی امداد ملتی ہو تو حاصل کی جائے۔ رپورٹ ملی ہے کہ امان اللہ خان کی سرگرمیاں میر عبدالمنان کریسنٹ پبلسٹی والوں سے مالی امداد ملنے پر اور زیادہ تیز ہوگئی ہیں۔

پیرانمبر 7 :

01-05-68 کولندن ٹائمز نے ایک کہانی شائع کی ہے کہ ان کے نامہ نگار پیٹر ریسل ہرٹ سے رفیق نامی جموں کشمیر کے لیڈر نیشنل فرنٹ سے ملاقات ہوئی ہے جس نے اسے بتایا ہے کہ کشمیری گوریلا جنگ شروع کرنے والے ہیں۔

07-05-68 کوڈیلی ٹیلیگراف نے خبر شائع کی کہ مقبوضہ کشمیر میں گوریلا جنگ شروع کئے جانے کی خبروں کی وجہ سے اس نے فوج کو مزید خبردار کردیا ہے۔ رفیق جس کا ذکر کہانی میں ہے یہ امان اللہ خان ہے۔ 1966ء میں اس نے فرضی نام طارق رکھا ہوا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی میر عبدالقیوم اور جی ایم لون کراچی والے ہیں۔

یہ تمام خطوط، اشتہارات اور تحریریں ان کے اس فیصلہ کی نسبت ہیں جو وہ ریاست جموں وکشمیر کی تحریک آزادی وخودمختاری کے لئے مناسب وقت پر اپنے لوگوں پر انحصار کرکے آزاد کشمیر سے چلانا چاہتے ہیں۔

انہوں نے حکومت پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے کہ پاکستان کی حکومت نے کشمیری قیادت بالخصوص نیشنل لبریشن فرنٹ سے پوچھے بغیر محض ایک مہم جوئی کے طور پر جس نے کشمیریوں کو بری طرح متاثر کیا ہے اٹھا کر کمانڈ ٹائپ اپریشن کیا ہے۔ نیشنل لبریشن فرنٹ کی رائے شامل نہ تھی۔ کشمیری عوامی جنگ لڑ کر آزادی وخودمختاری حاصل کریں گے۔

ختم شد

☆☆☆